درسی تفسیر

تبیان الفرقان

جلد ششم

[illegible]

[illegible]

مؤلفہ حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ
اردو بازار لاہور ۰۳۲۴-۶۳۷۷۶۲۱
۰۳۲۱-۴۱۰۲۱۷

درسی تفسیر

تبیان الفرقان

افادات

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی

خلیفہ، مجاز حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

الجزء السادس

شروع سورۃ الکہف تا ختم سورۃ الفرقان

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

29L/G، حادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0321-4102117,0332-4377621

maktabah.hr@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ———— تبیان الفرقان (ششم)
افادات ———— حضرت حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ العالی
باہتمام ———— مولانا انیس احمد مظاہری زید فضلہ
موضوع ———— تفسیر
سن طباعت ———— ۱۴۳۶ھ
تعداد ———— ۵۰۰

ناشر
مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ
اُردو بازار لاہور ۰۳۳۲-۴۳۷۷۶۲۱ ۰۳۲۱-۴۱۰۲۱۱۷

مکتبہ شیخ لدھیانوی
باب العلوم کہروڑپکا

کتاب کی دستیابی کے مراکز

- مکتبہ رحمانیہ — اردو بازار لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید — اردو بازار لاہور
- مکتبہ قاسمیہ — اردو بازار لاہور
- مکتبہ مجددیہ — اردو بازار لاہور
- بیت العلوم — اردو بازار لاہور
- ادارہ اسلامیات — انارکلی لاہور
- زم زم پبلشرز — کراچی
- قدیمی کتب خانہ — کراچی
- دارالاشاعت — کراچی
- مکتبہ عمر فاروق — کراچی
- مکتبہ شیخ — بہادر آباد کراچی
- مکتبہ خلیلیہ — بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ امدادیہ — ملتان
- مکتبہ حقانیہ — ملتان
- مکتبہ اسلامیہ — لاہور/فیصل آباد
- مکتبۃ العارفی — فیصل آباد
- مکتبہ رشیدیہ — کوئٹہ
- مکتبہ علمیہ — اکوڑہ خٹک
- مکتبہ النور — رائیونڈ
- مکتبہ مدینہ — رائیونڈ

ہر اچھے کتب خانہ سے ہماری کتب باصرار طلب فرمائیں

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا نشاندہی پر ہم بے حد شکرگزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست

سُوۡرَۃُ الۡکَھۡفِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الخ

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَھۡفِ وَالرَّقِیۡمِ الخ

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ الخ

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ط الخ

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ الخ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ الخ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ الخ

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ الخ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ الخ

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ط الخ

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا الخ

سُوْرَةُ مَرْیَمَ

كٓهٰیٰعٓصٓ ۝۱ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِیَّا ۝۲ الخ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا الخ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۵ الخ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى الخ

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَامِتُّ الخ

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ الخ

سُوْرَةُ طٰـهٰ

طٰهٰ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ الخ

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ الخ

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ الخ

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ الخ

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ الخ

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا

سُوۡرَةُ الۡاَنۡبِيَآءِ

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ ا رکوع

وَكَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ كَانَتۡ ظَالِمَةً ا رکوع

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ الخ

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ الخ

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ الخ

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ الخ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ الخ

سورۃ الحج

یَاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ الخ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ الخ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا الخ

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا الخ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ الخ

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ الخ

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ الخ

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ الخ

سُوْرَةُ النُّوْر

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا الخ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط الخ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ الخ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الخ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ الخ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ الخ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا الخ

عرضِ مرتب

قرآنِ کریم کی تلاوت جہاں باعثِ ثواب ہے وہاں اس کے مفاہیم و مطالب میں غور و خوض ثواب کے ساتھ ساتھ زندگی میں انقلاب لاتا ہے۔ ہمارے اکابر دیو بند نے جہاں حفظ قرآنِ کریم کی خدمت کی اور لاکھوں حفاظ تیار کئے وہاں انہوں نے درسِ قرآن کریم کا اہتمام کر کے لوگوں کے قلوب و اذہان کو اسلامی سانچے میں ڈھالا۔

ہمارے مشفق و مربی، مرشد و سرپرست حکیم العصر شیخ المحدثین الشیخ عبدالمجید لدھیانوی کثر اللہ تعالیٰ امثالہم کا طرزِ درس و تدریس انتہائی مثالی ہے۔ انداز دلنشین اور سادہ ہے دقیق سے دقیق مسائل کو منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں، اپنے اکابر و اسلاف کی تحقیقات پر اعتماد آپ کا طرۂ امتیاز ہے، ہمیشہ نفس مسئلہ سمجھانے کی کوشش فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے میں آپ منفرد انداز و بیان کے مالک ہیں، جہاں قرآن کریم کی آیات کی تفسیر حل ہو جاتی ہے وہاں ساتھ ساتھ فقہی مسائل بھی حل ہوتے ہیں۔ خصوصاً اس دوران عقائد و نظریات کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔

اس تفسیر کا انداز بیان مدرسانہ ہے۔ جہاں یہ تفسیر مدرس اور طالب علم کے لئے مفید ہے وہاں عوام کے لئے بھی مفید ہے۔

میرے لئے انتہائی سعادت و خوش بختی کی بات ہے کہ استاذیم شیخ عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ نے مجھے اپنی تفسیر پر کام کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ میری زندگی کا بہترین سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ استاجی کا سایہ شفقت تادیر سلامت رکھے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے ان حضرات کو جو اس کارِ خیر میں میرے معاون رہے خصوصاً برادرم مولانا محمد عمران صاحب مدرس جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا اور مولانا محمد کلیم اختر صاحب جنہوں نے اس جلد کے ابتدائی صفحات پر کام کیا۔ مزید بندہ کی اہلیہ محترمہ کہ جنہوں نے کیسٹوں سے یہ مکمل مواد نقل کیا اللہ تعالیٰ انہیں شایانِ شان جزا عطاء فرمائے۔ (آمین)

محتاجِ دُعا

احقر الانام محمد عمیر شاہین

سُورَةُ

الْكَهْفِ

مَكِّيَّةٌ

آیاتھا ۱۱۰ ۱۸ سُورَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۶۹ رکوعاتھا ۱۲

سورۂ کہف مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو دس آیات اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہی ہیں جس نے نازل کی اپنے بندہ پر کتاب اور نہیں بنائی اس میں

عِوَجًا ۞۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

کوئی کجی ۞۱ وہ سیدھی ہے تاکہ وہ ڈرائے سخت عذاب سے جو اس کی طرف سے آنے والا ہے اور خوشخبری دے مومنین کو

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۞۲ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ

جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لئے اچھا اجر ہے ۞۲ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

اَبَدًا ۞۳ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۞۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

وہ اس میں ۞۳ اور تاکہ ڈرائے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ اختیار کر لی ہے اللہ نے اولاد ۞۴ نہیں ہے انہیں اس

عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ

بارے میں کچھ بھی علم اور نہ ان کے آباء کو، بڑی ہے بات جو نکل رہی ہے ان کے مونہوں سے، نہیں

يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۞۵ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ

کہتے یہ لوگ مگر جھوٹ ۞۵ پس شاید کہ آپ ہلاک کرنے والے ہیں اپنی جان کو ان کے پیچھے

يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۞۶ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً

اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں افسوس کرتے ہوئے ۞۶ بے شک ہم نے بنایا جو کچھ زمین پر ہے زینت

لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝٧ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا
اس کیلئے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ کون زیادہ اچھا ہے از روئے عمل کرنے کے ۝٧ اور بیشک ہم کرنے والے ہیں
صَعِيْدًا جُرُزًا ۝٨
اس کو جو زمین پر ہے چٹیل میدان ۝٨

تفسیر

کسی بھی سورۃ کے مکی اور مدنی ہونے کا مطلب:۔

سورۃ کہف مکہ معظمہ میں اتری، اور اس کی ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں مکیۃ کا لفظ جو لکھا ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی مکی زندگی کے اندر یہ سورۃ اتری ہے، ہجرت سے پہلے اتری ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ خاص طور پر مکہ معظمہ میں اتری بلکہ سرور کائنات ﷺ کی زندگی جو دو حصوں میں تقسیم ہے، اظہار نبوت کے بعد آپ کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں گذرے اور دس سال مدینہ منورہ میں، تو قرآن کریم کی وہ سورتیں جو آپ کے سفر ہجرت سے پہلے اتری ہیں انہیں مکی کہا جاتا ہے اور قرآن کریم کی وہ سورتیں جو آپ کے سفر ہجرت کے بعد اتری ہیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے تو مکیۃ کا مطلب یہ ہے کہ مکہ معظمہ کے دور میں اتری، اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ مکہ کے شہر میں اتری، ہجرت سے پہلے جو آیات اتری ہیں وہ مکی کہلاتی ہیں چاہے وہ مکہ شہر میں اتری ہوں، چاہے کہیں سفر میں نازل ہوئی ہوں، اور ہجرت کر لینے کے بعد جب آپ کی مدنی زندگی شروع ہوگئی اس وقت جو آیات اتریں ان کو مدنی کہیں گے چاہے وہ مدینہ منورہ میں اتری ہوں، چاہے کسی سفر میں حتیٰ کہ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں تشریف لائے ہوئے ہوں اور وہ آیات مکہ معظمہ میں اتریں تو بھی ان کو مدنی ہی کہیں گے کیونکہ اس اصطلاح کا معنی یہ ہے کہ مکہ دور کی آیتیں اور مدنی دور کی آیتیں تو یہ سورۃ بھی مکی دور کی ہے،

وجہ تسمیہ:۔

اور کہف اس کا نام رکھا گیا ہے، آگے پہلے رکوع میں ہی اس کا ذکر آئے گا اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ چونکہ اس میں اصحاب کہف کا واقعہ آرہا ہے اس لئے اس سورۃ کا نام بھی سورۃ کہف رکھ دیا گیا۔

سورتوں کے اسماء توقیفی ہیں:۔

اور یہ سورتوں کے نام جو رکھے گئے یہ بھی توقیفی ہیں یعنی سرورِ کائنات ﷺ کی طرف سے جس طرح نقل کئے گئے ویسے ہی متعین کر دیے گئے اس لئے کوئی دوسرا واقعہ دیکھ کے اب سورۃ کا نام بدلا نہیں جا سکتا مثلاً اس سورۃ میں ذوالقرنین کا ذکر آئے گا تو ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم کہیں یہ سورۃ ذوالقرنین ہے، اس لئے اب ہم نام نہیں رکھ سکتے جو نام متعین ہو گیا بس وہی نام رہے گا۔

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اس کا یوں ترجمہ کر دیا جاتا ہے، حمد تعریف کرنے کو کہتے ہیں ویسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا لفظ حدیث شریف میں جس طرح آتا ہے یہ کلمہ شکر بھی ہے، الحمد رأسُ الشکر، ① یعنی اللہ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہو تو اس کا لفظی ترجمہ یہی ہے کہ سب تعریف اللہ کیلئے ہے لیکن اگر اس کے مفہوم کو یوں ادا کریں کہ اللہ کا شکر ہے تو یہ مفہوم بھی صحیح ہے، اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب اتاری، سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب اتاری، عبدہ سے محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا عوج کا لفظ قرآن کریم میں بار بار آئے گا، عوج کجی اور ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں اور لَمْ يَجْعَلْ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ گئی، لہ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹ گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے لئے کوئی کسی قسم کی کجی نہیں بنائی، عِوَجًا نکرہ آ گیا اور لَمْ يَجْعَلْ نفی ہے، نکرہ تحت النفی عموم کو چاہتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کتاب میں کوئی کسی قسم کی کجی نہیں ہے۔

قَيِّمًا: قیم یہ مستقیم کے معنی میں ہے، ٹھیک اور درست اور یہ معنیً مفعول ہوگا جعل مقدر کا اس کو لَمْ يَجْعَلْ کے نیچے نہیں کر سکتے اس لئے درمیان میں سکتہ کا نشان دیا ہوا ہے جس میں تھوڑی سی خاموشی اختیار کر کے پھر آگے پڑھا جاتا ہے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ عِوَجًا جس طرح لَمْ يَجْعَلْ کا مفعول ہے قَيِّمًا یہ لَمْ يَجْعَلْ کا مفعول

① الحمد رأس الشکر ماشکر الله عبدٌ لا یحمدہٗ (عن عبداللہ بن عمرؓ مشکوٰۃ ص ۲۰۱)

نہیں ہے اس کا مفہوم یہ ہوگا جعلہ قیماً اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو درست اور سیدھی بنایا ہے گویا کہ لَمْ يَجْعَلْ کے اندر عوج کی نفی کردی کہ اس میں کوئی کسی قسم کا ترچھا پن نہیں اور دوسرا پہلو قَيِّمًا میں ذکر کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بالکل درست اور ٹھیک بنایا ہے تو یہ مثبت مفہوم ادا کرے گا، یہ منفی کے نیچے داخل نہیں ہے اس لئے پڑھتے وقت درمیان میں تھوڑا سا سکوت اختیار کر کے پھر آگے قیما کو پڑھا جاتا ہے۔

لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ: تا کہ ڈرائے سخت عذاب سے جو اللہ کی طرف سے آنے والا ہے وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور تا کہ بشارت سنائے ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں، جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی کہ بے شک ان کیلئے بہت اچھا اجر ہے، لِيُنْذِرَ کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ تا کہ ڈرائے، کون ڈرائے؟ اللہ تعالیٰ ڈرائے ٹھیک ہے، اللہ کا بندہ ڈرائے ٹھیک ہے، اللہ کی کتاب ڈرائے، یہ بھی ٹھیک ہے، اسکی نسبت تینوں کی طرف ہوسکتی ہے، انذار کی نسبت اللہ کی طرف بھی کر سکتے ہیں، اللہ کے بندے کی طرف بھی کر سکتے ہیں، کتاب کی طرف بھی کر سکتے ہیں حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی منذر ہیں لیکن اس ڈرانے کا اظہار چونکہ اللہ کے رسول کی زبان سے ہوا تو نسبت اس طرف بھی ہو جائے گی اور اس ڈرانے کا تذکرہ کتاب میں آرہا ہے تو نسبت کتاب کی طرف بھی ہوسکتی ہے تینوں طرح اس کو بیان کیا جاسکتا ہے۔

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا: مَّاكِثِيْنَ لفظ مکث سے لیا گیا ہے اور مکث ٹھہرنے کو کہتے ہیں، مَّاكِثِيْنَ ٹھہرنے والے ہوں گے، فِيْهِ کی ضمیر اَجْرًا حَسَنًا کی طرف لوٹ رہی ہے، ٹھہرنے والے ہوں گے، اس اجر حسن میں ہمیشہ ہمیشہ، اجر حسن کی صورت چونکہ جنت کی ہوگی، اجر حسن یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کردیں گے، تو مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا کا مطلب ہوگا کہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ ٹھہرنے والے ہوں گے، لیکن بظاہر لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ ٹھہرنے والے ہوں گے وہ مؤمنین اس اجر حسن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا: اس يُنْذِرَ کا عطف اوپر والے يُنْذِرَ پر ہے کہ ڈرائے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد اختیار کی، ولد لڑکے کو بھی کہتے ہیں اور اولاد کے معنی میں بھی آتا ہے، اور یہاں اس کو عام ہی رکھیں گے ولد بمعنی اولاد تا کہ جو اللہ کے لئے بیٹے کا قول کرتے ہیں وہ بھی اس میں آجائیں اور جو اللہ کیلئے

بیٹیوں کا قول کرتے ہیں وہ بھی اس میں آ جائیں، مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، عیسائی کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور یہود کے بعض طبقے کہتے تھے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں جیسا کہ آپ کے سامنے سورۃ براءت میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے، اوپر جو یُنْذِرَ آیا تھا اس کا مفعول نہیں ذکر کیا گیا تھا اور یہاں یُنْذِرَ کا مفعول ذکر کر دیا گیا کہ کن لوگوں کو ڈرائے تو معلوم ہو گیا کہ اوپر یُنْذِرَ کا مفعول عام ہے تا کہ ڈرائے سب لوگوں کو اور اگلا ینذر خاص آ گیا کہ خصوصیت سے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد اختیار کی ہے، اس عام میں سے ان کو خاص کر لیا گیا۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ: نہیں ہے انکو اس بات کے متعلق کوئی علم، یہاں بھی وہی بات کہ من علم نکرہ ہے اور ما نافیہ ہے، نکرہ تحت النفی ہو تو یہ عموم کو چاہتا ہے، ان کو اس کے متعلق کچھ علم نہیں وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ اور نہ ہی ان کے آباء کو، آباء اَبٌ کی جمع ہے، نہ ان کو اپنے اس عقیدہ کے متعلق کچھ علم ہے، علمی دلیل ان کے پاس بھی نہیں ہے اور نہ ہی ان کے آباء کو کچھ علم ہے، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کلمۃ منصوب ہے تمیز ہونے کے طور پر اور یہ تمیز محول عن الفاعل ہے، اس میں فاعل والا معنی ہے بڑی ہے بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا نہیں بولتے یہ مگر جھوٹ، قَالَ يَقُوْلُ، بولنا، کہنا، نہیں کہتے یہ لوگ مگر جھوٹ يَقُوْلُوْنَ کی ضمیر انہی لوگوں کی طرف لوٹے گی جنہوں نے اولاد کا قول اختیار کیا تو اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا کا معنی ہو گیا کہ نہیں بولتے یہ مگر جھوٹ یعنی سوائے جھوٹ کے ان کیلئے کچھ نہیں ہے، جھوٹ خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں یعنی ان کی یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ: پس شاید کہ تو ہلاک کرنے والا ہے اپنے نفس کو عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ ان لوگوں کے پیچھے، آثار اثر کی جمع ہے اور اثر نقش قدم کو کہتے ہیں، شاید کہ تو ہلاک کرنے والا ہے اپنے نفس کو ان کے نقش قدم پر، ان کے پیچھے اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے اس بات کے ساتھ اَسَفًا اس کا تعلق بَاخِعٌ نَّفْسَكَ کے ساتھ ہے، شاید کہ آپ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والے ہیں افسوس کر کے اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا: بے شک ہم نے بنایا اس چیز کو جو زمین پر ہے زمین کیلئے زینت لِنَبْلُوَهُمْ، بَلَا، یبلو آزمانا، تا کہ ہم آزمائیں انہیں اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کہ ان میں سے کون شخص زیادہ اچھا ہے

ازروئے عمل کے، وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْھَا اور بے شک ہم البتہ کرنے والے ہیں اس چیز کو جو زمین پر ہے صَعِیْدًا جُرُزًا، صعید میدان کو کہتے ہیں اور جرز ایسے میدان کو کہتے ہیں جس میں سے نباتات کاٹ لی گئی ہوں اور وہ چٹیل رہ جائے تو صعید جرز کا معنی ہوتا ہے کہ جس میں نباتات نہیں ہیں، جو بالکل چٹیل اور صاف میدان ہے، بے شک ہم کرنے والے ہیں اس چیز کو جو اس زمین پر ہے بالکل چٹیل میدان۔

سورۂ کہف کی تلاوت کرنے والا دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا:۔

یہ آیات جو آپ کے سامنے پڑھی گئیں یہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں ہیں اور سورۂ کہف کے متعلق حدیث شریف میں بعض فضائل بھی آئے ہیں، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی شروع کی دس آیات یاد کرلیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا①، یاد کرنے کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کو مستحضر رہے، وہ دجال کے فتنہ میں پھنس نہیں سکتا تو جو اس سورۃ کی ابتدائی دس آیتیں یاد کرے اور ان کو پڑھتا رہے تو دجال کا فتنہ اس کے اوپر اثر انداز نہیں ہوگا، یہ روایت جو حدیث شریف میں آئی اس کی طرف دیکھتے ہوئے علماء نے ایک نکتہ اٹھایا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں میں سے اس سورۃ کو فتنہ دجال کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ کیونکہ دجال کا فتنہ ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا، سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا بنی ہے، قیامت آنے تک کوئی فتنہ دجال کے فتنہ سے بڑا نہیں ہے اور وہ دجال کا فتنہ کیا ہوگا؟ کس طرح گمراہی پھیلائے گا اس کی تفصیل حدیث شریف میں ہے مشکوۃ شریف میں باب العلامات بین یدی الساعۃ ذکر الدجال میں سب روایتیں آتی ہیں بہرحال یہ بہت بڑا فتنہ ہوگا جس سے دنیا بہت گمراہ ہوگی اور اتنا بڑا فتنہ کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت سے پہلے کوئی دوسرا اتنا بڑا فتنہ نہیں کہ جتنا بڑا فتنہ یہ دجال کا فتنہ ہے اور اس سورۃ کو اس فتنہ کا علاج بتایا گیا ہے کہ اگر اس کو پڑھا جائے اور سمجھا جائے تو فتنہ دجال اثر انداز نہیں ہوگا، اس نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے علماء نے کلام کی ہے اور سب سے اچھی کلام اس میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کا تعارف اور ان کی کرامت:۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ یہ دیوبند کے فاضل ہیں اور حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری

① صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۱/ مشکوۃ ص ۱۸۵ عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عُصِمَ من الدَّجّال

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں جس وقت یہ پڑھ کے فارغ ہوئے تھے تو اس وقت دیوبند سے دو رسالے نکلتے تھے ایک ''القاسم'' اور ایک ''الرشید'' ان رسالوں کا ان کو ایڈیٹر بنا دیا گیا تھا اس لئے لکھنے کی کوشش ان کو اس دور سے ہے، بعد میں پھر یہ دیوبند کو چھوڑ کے حیدر آباد دکن میں جو عثمانیہ یونیورسٹی ہے اس میں یہ دینیات کے پروفیسر بن کے چلے گئے تھے، بہت محقق قسم کے آدمی ہیں اور اہل دل لوگوں میں سے ہیں اور یہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں بہت عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں اور عشق و محبت میں ان کا مقام بہت اونچا تھا جس وقت یہ بوڑھے ہو گئے اور اپنے گھر تک محدود ہو گئے تعلیم و تعلم کا سلسلہ ترک کر دیا تو کہتے ہیں کہ اکثر بیشتر کہا کرتے تھے کہ اب تو بوڑھے ہو گئے ہیں جنت میں جائیں گے تو جوان ہو کے جائیں گے، کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت میں جائیں گے تو سب لوگ جوان ہوں گے اور ان میں سے کوئی بوڑھا نہیں ہوگا ①، تو بہت شوق ظاہر کرتے گویا کہ جنت میں یقیناً جانا ہے اتنا اعتماد ہوتا تھا اور یہ کہتے کہ بس اب جوان اس وقت ہی ہوں گے جب جنت میں جائیں گے۔

جب ان کا انتقال ہوا تو ہزاروں آدمیوں نے ان کی یہ کرامت دیکھی، کتابوں میں لکھی ہوئی ہے کہ وفات کے بعد ان کا بدن بالکل جوانوں کی طرح موٹا تازہ تھا اور ڈاڑھی جو کہ بالکل سفید تھی وفات کے بعد بالکل سیاہ ہو گئی یعنی لوگوں نے اس زندگی کے اندر ان کو دوبارہ جوان دیکھ لیا یعنی جب وہ عالم آخرت کی طرف منتقل کئے گئے، قبر میں اتارے گئے تو جوان کر کے منتقل کیے گئے ان کی کرامت ہے جو ان کی وفات کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی۔

سب سے پہلے تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر قلم انہوں نے ہی اٹھایا ہے ''سورۂ کہف اور فتنہ دجال'' یعنی ان دونوں کی آپس میں مناسبت کیا ہے؟ ان کے مضامین پہلے تو ''الفرقان'' کے اندر قسط وار چھپتے رہے پھر جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کی وفات والے سال میں قاسم العلوم ② میں مدرس تھا اس وقت ''الفرقان'' نے ایک نمبر شائع کیا تھا جس میں ان کے کچھ مضامین خصوصیت کے ساتھ اکٹھے کیے تھے سورۂ کہف کے متعلق جو ان کے مضامین تھے وہ اس میں جمع کر دیے گئے اور اب اس تفسیر کے حصہ کو مستقل کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا ہے اور اس تفسیر کا نام یہی رکھا گیا ہے ''سورۂ کہف اور فتنہ دجال'' اب یہ تفسیر ملتی ہے، انہوں نے تفصیل کے ساتھ اس کے اوپر روشنی ڈالی

---

① ان تشبوا فلا تھرموا ابداً (عن ابی سعید رضی اللہ عنہ مشکوٰۃ ص ۴۹۶)

② جامعہ قاسم العلوم ملتان پنجاب پاکستان میں واقع ایک عظیم علمی مرکز ہے جہاں سے خود استاد جی مدظلہ نے درسِ نظامی کیا۔ (شاہین)

ہے،اس سلسلہ کے اندر کتابی شکل میں پہلی کتاب یہی سامنے آئی ہے۔

مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف:۔

اور دوسرے نمبر پر مولانا ابوالحسن علی ندوی جو آج کل کے بہت معروف صاحب قلم ہیں ① اور یہ بھی صاحب دل ہیں،اپنے حضرات کے نزدیک ان کا مقام بہت اونچا ہے،دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن ہیں اور ندوۃ العلماء لکھنو کے مہتمم ہیں اور آج کل کے دور کے متعلق بہت اچھی اچھی معلومات پر مشتمل کتابیں لکھ رہے ہیں ان کی ایک کتاب اس موضوع پر ہے جس میں انہوں نے اسی چیز کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے،انہوں نے اس کتاب کے اندر عنوان اختیار کیا ہے کہ ''ایمان اور مادہ کی کشمکش'' یہ عنوان دے کے انہوں نے اس سورۃ کے مضامین پر کچھ نظر ڈالی۔

بہر حال جب اصحاب کہف کا واقعہ آپ کے سامنے آئے گا اس وقت اس کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

سورہ کہف کی فضیلت:۔

جمعہ کے دن اس سورۃ کے پڑھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس کو جمعہ کے دن پڑھے تو اس اگلے جمعہ تک یہ ایک ہفتہ اس کے قلب کے اندر نور اور روشنی رہتی ہے ② یعنی نور ایمانی جلوہ گر ہوتا ہے اور دل کے اندر ایمانی صلاحیت بڑھتی ہے تو جمعہ کے دن اس کے پڑھنے کی فضیلت ہے جیسے خاص خاص اوقات میں بعض بعض سورتوں کے فضائل ہیں اس سورۃ کی فضیلت بھی ہے کہ جمعہ کے دن اس کو پڑھا جاتا ہے تو اس کو معمول میں داخل کر لینا چاہیے۔

سورۃ کہف میں مذکور مضامین:۔

اس میں جو عمومی مضامین آئیں گے وہ توحید،رسالت کے ہونگے اور خصوصیت کے ساتھ فناء اور حقارت دنیا کا اس میں ذکر آئے گا اور اس میں حقیقت کے اعتبار سے فتنہ کا علاج ہے،دنیا کے فانی ہونے کو اچھی طرح ظاہر کیا جائے گا اور آخرت کے مقابلہ میں اس کی حقارت کو نمایاں کیا جائے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اس بات کو ذکر فرمائیں گے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے یہ سب کچھ اسباب کے تحت ہی نہیں بلکہ میں اپنی قدرت کے

① مولانا ابوالحسن علی ندوی،۱۴۲۰ھ میں وفات پا گئے (عمران)
② من قراء سورۃ الکھف فی یوم الجمعۃ اضآء لہ النور مابین الجمعتین (عن ابی سعید رضی اللہ عنہ مشکوٰۃ ص۱۸۹)

تحت اسباب کے خلاف بھی بعض نتائج ظاہر کرتا رہتا ہوں، یہ باتیں ہوں گی اصولی طور پر جن میں اللہ تعالیٰ نے دجال کے فتنہ کا علاج مضمر (پوشیدہ) رکھا ہے کہ یہ باتیں اگر سمجھ لی جائیں تو دجال جس قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرے گا تو اس کا جواب انہی اصولوں سے نکل آئے گا اور آخرت کی جزاوسزا ذکر کی جائے گی، تکبر وغیرہ کی مذمت آئے گی، ابطال شرک ہوگا اور بعض قصص آئیں گے جو توحید ورسالت کی تائید کے لئے ذکر کیے جائیں گے۔

ماقبل سے ربط:۔

پچھلی سورۃ کا اختتام بھی توحید پر ہی تھا الحمدللّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا، وہاں بھی یہی نفی آئی کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے کہ جس نے اولاد اختیار نہیں کی، وہاں بھی اولاد کی نفی آگئی اور یہاں بھی خصوصیت کے ساتھ اولاد کا قول کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ ان کی یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے اور اُن کے پاس کوئی کسی قسم کی دلیل موجود نہیں ہے، نہ اِن کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ان کے بڑوں کے پاس تھی یہ بالکل جھوٹ بولتے ہیں، اللہ نے کوئی اولاد اختیار نہیں کی اور حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ یہیں سے بنیاد اٹھائیں گے کہ فتنہ دجال کی بنیاد اصل میں عقیدۂ ولدیت پر ہی ہے یہی وجہ ہے کہ جو قومیں اس ولدیت کے عقیدہ کی حامل ہیں وہی اس فتنہ دجال میں سب سے زیادہ شامل ہوں گی، وہی اس فتنہ کو پھیلانے اور اٹھانے والی ہوں گی تو ''اتخاذ ولد'' کا جو عقیدہ ہے یہی اصل میں فتنہ دجال کی بنیاد ہے جس کی تردید قرآن کریم نے ابتداء سے ہی کرنی شروع کر دی اور خصوصیت کے ساتھ ان کو دھمکایا ہے جو اللہ کے متعلق اولاد کا قول کرتے ہیں تو جیسے پچھلی سورۃ کی آخری آیت توحید پر مشتمل تھی، عقیدہ ولدیت کی نفی کے لئے تھی، شرک کی تردید کے لئے تھی تو اس طرح یہ ابتدائی آیات بھی توحید پر مشتمل ہیں اور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے اظہار پر مشتمل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی کا پیغام:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ: اس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تسلی دی گئی ہے کہ یہ لوگ جب سمجھتے نہیں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے زیادہ غم کرتے تھے کہ میں ان کو اتنا سمجھاتا ہوں اور اتنی ان کے اوپر شفقت کرتا ہوں لیکن پھر بھی یہ میری باتوں سے متاثر نہیں ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے

اسنے پریشان نہ ہوں، آپ تو اتنا فکر کرنے لگ جاتے ہیں گویا کہ آپ افسوس کرتے ہوئے اپنی جان ہی دے دیں گے، ہم نے اس دنیا کو دارالامتحان بنایا ہے فتنہ دجال کا شکار کون ہوگا.....؟ ظاہری طور پر اس کے اوپر زیب وزینت رکھی ہے اس لئے تا کہ دیکھیں کہ کون اس زیب وزینت میں پھنستا ہے اور اس زیب وزینت میں پھنسنے سے ہی انسان دجال کے فتنہ کا شکار ہوتا ہے، اس ظاہری زیب وزینت کو دیکھ کے دنیا کی محبت کی طرف جب راغب ہو جاتا ہے تو یہیں سے وہ فتنہ دجال میں پھنستا ہے، جو شخص حب دنیا میں مبتلاء نہ ہو اور اس کا دھیان آخرت کی طرف رہے تو ممکن ہی نہیں کہ دجال کا فتنہ اس کے اوپر اثر انداز ہو جائے، دجال کے فتنہ میں انسان حب دنیا کی بنا پر پھنسے گا، یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ جو کچھ بنایا ہے یہ سب زیب وزینت ہے تا کہ ہم آزمائش کریں کہ کون اچھا عمل کرتا ہے، جب یہ آزمائش ہے تو آپ جانتے ہیں کہ آزمائش میں بعض پاس ہوں گے اور بعض فیل ہوں گے تو اس لئے بعض ایمان لائیں گے اور بعض نہیں لائیں گے، آپ کا فرض ہے کہ آپ تبلیغ کریں، ان کے سامنے حق کو ظاہر کریں باقی نہیں مانتے تو آپ کو ان کے پیچھے گھل گھل کے جان دینے کی ضرورت نہیں، اس لئے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کی ہدایت کا کتنا فکر ہوتا تھا، جہنم میں دوسروں نے جانا ہے اور پریشان آپ ﷺ ہوتے تھے، اس خیال کے ساتھ کہ یہ لوگ اللہ کے عذاب میں مبتلاء ہو جائیں گے دن رات آپ کو چین نہیں تھا، اتنے بے چین رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلیاں دی جارہی ہیں کہ آپ اتنا افسوس نہ کیا کریں کہ اپنی جان ہی دے بیٹھیں، شاید کہ آپ ہلاک کرنے والے ہیں اپنے نفس کو ان لوگوں کے پیچھے اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے اس بات پر بطور افسوس کے، بے شک ہم نے بنایا اس چیز کو جو زمین پر ہے زینت اس زمین کے لئے تا کہ ہم ان کی آزمائش کریں کہ کون ان میں سے اچھے عمل کرنے والا ہے اور ہم اس سب کچھ کو جو زمین پر ہے اس کو بنادیں گے چٹیل میدان یعنی ظاہری طور پر زیب وزینت ہے ایک وقت آئے گا سب کچھ ختم ہو جائے گا، یہ فناء دنیا کی طرف اشارہ ہو گیا۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا
کیا آپ نے خیال کیا کہ کہف اور رقیم والے تھے ہماری نشانیوں میں سے
عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ
عجیب چیز جب ٹھکانہ لیا جوانوں نے غار میں تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! تو دے ہمیں اپنی طرف
رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ
سے رحمت اور مہیا کر ہمارے لیے ہمارے کام میں اچھی صورت ۝۱۰ پس ہم نے تھپکی دے دی ان کے کانوں پر غار
سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا
میں چند سال گنتی کے ۝۱۱ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ شمار کرنیوالا ہے
لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝۱۲
ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ۝۱۲

تفسیر

لغوی، صرفی تحقیق اور رقیم کا معنی اور مفہوم:۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ: ام یہ استفہام کے لئے ہے، ہمزہ استفہام کے معنی میں ہے، حَسِبْتَ حَسِبَ سے ہے گمان کرنا اور یہ خطاب بظاہر سرور کائنات ﷺ کو ہے لیکن آپ کی وساطت سے ہر مخاطب اس کا مصداق ہوسکتا ہے، کہف کہتے ہیں پہاڑ کے اندر وسیع غار کو، پہاڑوں کے سفر میں اگر آپ جائیں تو دیکھیں گے! کہ پہاڑوں کے اندر کہیں کہیں سوراخ ہوتے ہیں، لمبی لمبی جگہیں ہوتی ہیں، چوڑی چوڑی ہوتی ہیں چھوٹی بڑی ہر قسم کی جگہیں ہوتی ہے جن کو غار کہتے ہیں، غار کا لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہوا ہے آپ کے سامنے سورۃ برأت میں گذرا تھا اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ سرور کائنات ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سفر ہجرت ذکر کرتے ہوئے غار کا لفظ بھی آیا ہے اور یہ کہف بڑے غار کو کہتے ہیں، غار عام ہے اور کہف خاص ہے کہ "کھلا اور وسیع غار" رقیم کے متعلق

بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ پہاڑ کا نام ہے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''رقیم'' بھی غار کو کہتے ہیں تو یہ دو لفظ آپس میں مترادف ہوئے جیسے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ کرتے ہوئے لفظ استعمال کرتے ہیں کہ غار اور کھوہ کے رہنے والے، کھوہ اور غار ایک ہی چیز ہے اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ بستی جس میں یہ واقعہ پیش آیا تھا اس بستی کا نام رقیم ہے اور کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ رقیم مرقوم کے معنی میں ہے، رقم کا معنی لکھنا اور مرقوم لکھی ہوئی چیز، واقعہ آپ کے سامنے آ رہا ہے، جس وقت یہ چند نوجوان غائب ہو گئے تھے، چھپ گئے تھے، تلاش کرنے کے باوجود نہ ملے تو اس وقت کی حکومت نے ان کا نام ونسب اور حالات لکھوا کر خزانہ میں محفوظ کر لیے تا کہ یادداشت رہے اور آئندہ کبھی بھی وہ ظاہر ہو جائیں تو پتہ چلے کہ یہ وہی لوگ ہیں تو پھر مرقوم کا مطلب یہ ہوگا کہ لکھی ہوئی تختی والے، جن کے ناموں کی تختی لکھ کے رکھ لی گئی تھی یا مرقوم کے معنی میں لے کر یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ جس وقت وہ دوبارہ جا کے اپنے غار میں وفات پا گئے، ظاہر ہونے کے بعد دوبارہ غار میں گئے اور وفات پا گئے تو لوگوں نے ان کے نام اور حالات لکھ کر اس غار کے دروازہ پر لٹکا دیئے، ان کے نام کی تختی لگا دی اس اعتبار سے بھی ان کو اصحاب رقیم کہا گیا کہ لکھی ہوئی تختی والے یہ مفہوم بھی ذکر کیا گیا ہے اور حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکر میں نے پیچھے آپ کے سامنے کیا تھا انہوں نے اس کا مفہوم اور ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رقیم لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد لکھے ہوئے صحیفے اور لکھی ہوئی کتابیں جن کو وہ جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے تھے یعنی جب وہ غار میں گئے تو غار میں جاتے ہوئے جس طرح نیک لوگوں کا کام ہے، آج کل تو ماحول ہی بدل گیا ورنہ پاکستان جب بنا تھا یا اس سے پہلے آپ یقین کیجئے! اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی بات ہے کہ جس وقت لوگ سفر پر جایا کرتے تھے تو سفر پر جاتے وقت اپنا تلاوت کا قرآن کریم ساتھ رکھا کرتے تھے اور یہ مبلغین خاص طور پر احرار جمعیت علماء ہند کے ان کی تو یہ عادت تھی کہ جدھر جاتے ان کی حمائل ساتھ ہوتی، چھوٹی ہوتی تو جیب میں ڈال لیتے بلکہ بسا اوقات امتیازی نشان کے طور پر اس کو گلے میں لٹکا کے رکھتے تھے تا کہ اپنے معمول میں فرق نہ آئے جہاں جا کے ٹھہرنا ہے وقت پر اپنی تلاوت کر لینی ہے اور اپنا معمول پورا کر لینا ہے، جن کو حزب الاعظم پڑھنے کی عادت ہے، دلائل الخیرات پڑھنے کی عادت ہے تو جب سفر پر جاتے ہیں تو اپنے وظائف کی کتاب کو ساتھ لے لیتے ہیں تا کہ منزل کا ناغہ نہ ہو جہاں موقع آئے گا اس کو پڑھ لیا جائے گا تو اسی طرح چونکہ وہ اللہ

والے تھے، نیک لوگ تھے تو انہوں نے اپنے دل بہلانے کے لئے جیسے مطالعہ کے لئے کتاب ساتھ رکھ لیجاتی ہے تو انبیاء کی طرف سے جو صحیفے آئے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتاب موجود تھی جاتے ہوئے اس کو ساتھ لے گئے تو لکھے ہوئے اوراق کے معنی میں لے کر اس کا مصداق یہ ذکر کر دیا گویا کہ غار والے بھی تھے اور کتابوں والے بھی تھے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے اشاروں سے آگے جاکے ایک بات نکالیں گے کہ دجالی فتنوں میں از مان کو لٹریچر کس قسم کا پڑھنا چاہیے اور کون سی چیزیں مطالعہ میں رکھنی چاہئیں تو انسان دجالی فتنہ سے بچ سکتا ہے کیونکہ مطالعہ جس قسم کا کیا جائے انسان کا ذہن ویسا بنتا چلا جاتا ہے، جس ماحول میں آپ رہیں گے تو ماحول سے ذہن بنتا ہے بالکل ماحول اور صحبت کی طرح ہی لٹریچر مؤثر ہے، جس قسم کا لٹریچر پڑھیں گے ویسے آپ کے ذہن کے اوپر اثرات واقع ہوتے چلے جائیں گے تو آگے جاکے اس لٹریچر کی وضاحت کریں گے، تو رقیم سے مراد وہ صحیفے اور کتابیں ہیں جو وہ نوجوان جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے تھے اور اسی معنی کو راجح قرار دیا پھر مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح میں نے ذکر کیا تھا کہ ان دونوں بزرگوں نے اس سورۃ کے اوپر اس انداز سے قلم اٹھایا ہے کہ اس کا فتنہ دجال کے ساتھ ربط واضح کیا جائے تو انہوں نے بھی اس معنی کو ترجیح دی ہے، مفسرین کے یہ سارے اقوال موجود ہیں تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگیا اے مخاطب! کیا تیرا خیال ہے، کیا تو سمجھتا ہے کہ غار والے اور رقیم والے ہماری آیات میں سے، عَجَبًا، کَانُوْا کی خبر ہے اور چونکہ مصدر ہے اس لئے اس کے اوپر مضاف محذوف نکالیں گے کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا اٰیَۃً ذَاتَ عَجَبٍ، ہماری آیات میں سے وہ کوئی عجیب چیز تھے......؟

اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَھْفِ: اذ یہ ظرف ہے اس کا عامل محذوف نکالیں گے اذکر اِذْ اَوَی الفتیۃ قابل ذکر ہے وہ وقت، یاد کیجئے اس وقت کو جب کہ ٹھکانہ لیا چند نوجوانوں نے غار کی طرف فَقَالُوْا تو کہا انہوں نے ربنا اے ہمارے رب! اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً، آتِ امر کا صیغہ ہے نا مفعول ہے، دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت، ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر اور تیار کر ہمارے لئے ہمارے امر سے درستگی، درستگی مہیا کر، فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِھِمْ، ضرب مارنے کو کہتے ہیں، آذان یہ اذن کی جمع ہے پھر ہم نے مارا ان کو کانوں پر ضرب علی الآذان سے مراد ہوتا ہے، تھپکی دینا، آپ نے گھروں میں دیکھا ہوگا کہ جس وقت مائیں چھوٹے بچوں کو سلاتی ہیں تو ان کے کان کو تھپکاتی ہیں تو بچہ کو نیند آجاتی ہے تو یہاں ضرب علی الآذان سے یہی مراد ہے، کہ ہم نے ان کے کان کو تھپکا دیا یعنی ان کو محبت کے

ساتھ سلا دیا، یا ضربنا کا مفعول محذوف نکال لیجئے! جیسا کہ بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا کہ ضربنا الحجاب علی آذانھم ہم نے ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا پھر بھی اشارہ نیند کی طرف ہی ہے کیونکہ نیند اسی وقت ہی ہوتی ہے جب کہ آپ لیٹے ہوئے ہیں لیکن باہر کا شور، باہر کی باتیں آپ کے کان میں پڑ رہی ہیں تو آپ جاگ رہے ہیں سویا ہوا آدمی وہ ہوتا ہے جو کان سے کچھ نہ سنے تو کان سے نہ سننا یہ گہری نیند ہوتی ہے، آنکھیں بند کر لینے کے باجود دماغ بیدار رہتا ہے، باہر کی باتیں انسان سنتا رہتا ہے، لیکن جب کان میں آواز نہ جائے تو یہ گہری نیند ہوتی ہے تو فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا، ہم نے ان کے کانوں پر تھپکی دے دی، ہم نے ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا، جس لفظ کے ساتھ بھی آپ ادا کریں مفہوم یہی ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا "فی الکھف" غار میں سنین سال، عدد شمار، عدداً، سِنِيْنَ عَدَدًا کا مطلب یہ ہوگا کہ چند گنتی کے سال، ہم نے ان کے کانوں پر تھپکی دے دی غار میں چند گنتی کے سال یعنی کئی سال جو شمار کیے ہوئے تھے اتنے سالوں کے لئے ہم نے ان کو سلا دیا۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ: پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم معلوم کر لیں اَیُّ الْحِزْبَیْنِ حزبین یہ حزب کا تثنیہ ہے اور حزب گروہ کو کہتے ہیں تا کہ ہم معلوم کر لیں کہ دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا امد مدت کو کہتے ہیں مَالَبِثُوْا میں ما مصدریہ ہے جو لبثوا کو مصدر کی تاویل میں کر دے گا تو لِمَا لَبِثُوْٓا معنی ہو جائے گا لِلُبْثِهِمْ احصٰی یہ ماضی کا صیغہ ہے شمار کرنا، دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ ہے جس نے شمار کیا ان کے ٹھہرنے کو، اور مترجمین نے احصیٰ کو تفضیل کا صیغہ بھی بنایا ہے پھر ترجمہ یہ ہوگا کہ دونوں گروہوں سے کس گروہ نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو زیادہ محفوظ رکھا! زیادہ صحیح اندازہ کس نے لگایا کہ ہم یہ معلوم کر لیں۔

شان نزول:۔

یہ آیات جو آپ کے سامنے پڑھی گئی ہیں ان میں اصحاب کہف کے واقعہ کو اجمالاً ذکر کیا گیا ہے، اور اگلے رکوع سے پھر اس کی تفصیل شروع ہو رہی ہے، اس واقعہ کے شان نزول میں مفسرین نے نقل کیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی مکی زندگی میں جب آپ کی تبلیغ زور پکڑ رہی تھی اور لوگ آپ پر ایمان لا رہے تھے، مشرکین مکہ کی طرف سے مزاحمت بڑھ رہی تھی تو مشرکین آپ کو پریشان کرنے کے لئے یہود و نصاریٰ سے بعض علمی سوالات

پوچھ کے آتے اور سرور کائنات ﷺ کے سامنے پیش کرتے یہ جاننے کے لئے کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان کا جواب دیں!، اور اگر جواب نہیں دے سکیں گے تو پھر ہم ان کے خلاف پروپیگنڈہ کریں گے اور یہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ نے کسی مدرسہ میں پڑھا نہیں اور کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اس لئے گذرے ہوئے حالات کو یہ کہیں سے سیکھ کے آئے نہیں، آئے دن کچھ نہ کچھ سوالات وہ اس قسم کے کرتے تھے گویا کہ اس مقابلہ بازی میں انہوں نے یہود سے یا عیسائیوں سے (کیونکہ اہل کتاب اور اہل علم یہی تھے) معلوم کر کے حضور ﷺ پر تین سوال کئے، روح کے متعلق سوال کیا تھا جس کا ذکر پچھلی سورۃ میں آ گیا، اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا تھا کہ وہ نوجوان کون تھے؟ کیا تھے؟ اور اسی طرح ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا، ان دو باتوں کی تفصیل آپ کے سامنے اس سورۃ میں آ رہی ہے۔

واقعات کے بیان کرنے سے اصل مقصود:۔

سوال ان کے مختلف قسم کے ہوتے تھے جس سوال کی وضاحت حکمت کا تقاضاء ہوتی اور اس میں کچھ عبرت کی باتیں ہوتیں تو قرآن کریم اس کو وضاحت سے بیان کرتا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف میں بھی آپ کے سامنے آیا تھا کہ سورۃ یوسف کا شان نزول بھی ایسا ہی ہے کہ انہوں نے ایک سوال اٹھایا تھا جس کا مفصل جواب دیا گیا اور اتنا مفصل دیا گیا کہ اس میں مزید وضاحت کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس لئے وہ قصہ قرآن کریم میں ایک ہی دفعہ آیا ہے اور باقی قصوں کی طرح اس کو بار بار دوہرایا نہیں گیا کیونکہ اس کی ساری ضرورت کی باتیں ایک ہی جگہ جمع کر دی گئیں اور یہاں بھی سوال اٹھایا گیا تو ان کا واقعہ بھی کچھ تفصیل کے ساتھ آیا اور تفصیل کے ساتھ بیان کرنے میں بظاہر حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو واضح طور پر ان کے سوال کا جواب آ گیا اور دوسری بات یہ ہوئی کہ اس قسم کے واقعات صحابہ کرام ﷺ کیلئے ہمت افزائی کا باعث تھے جس میں یہ آیا کہ عقیدہ توحید کی پختگی جس طرح تمہیں تلقین کی گئی ہے یہ عقیدہ پہلے چلا آ رہا ہے اور اس عقیدہ کے اختیار کرنے پر اگر تمہیں مشکلات پیش آ رہی ہیں تو پہلے لوگوں کو بھی ایسے ہی مشکلات پیش آئی تھیں اور وہ ظلم کا نشانہ بنے تھے ظلم وتشدد کا نشانہ بننے کے بعد وہ اس عقیدہ سے پھرے نہیں بلکہ ڈٹے رہے حتی کہ اس عقیدہ کی بناء پر ان کو گھربار چھوڑنا پڑا، آبادیوں سے دور جانا پڑا، غاروں میں چھپنا پڑا، یہ سب قربانیاں انہوں نے دیں، جب انہوں نے قربانیاں دے دیں تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان کی اعانت ہوئی، پردۂ غیب سے ان کی مدد ہوئی، اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی، ان کے لئے ہر قسم کی راحت کے

اسباب مہیا کئے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ظالم شکست کھا گئے، ملیامیٹ ہو گئے اور یہ لوگ قوم کے ہیرو بن گئے اور قوم کے اندر ان کا درجہ قوم کے بزرگوں والا ہو گیا اور لوگوں نے پھر اس واقعہ کو قومی یادگار کے طور پر محفوظ رکھا، دنیا میں اللہ نے ان کو عزت دی، آخرت میں اپنے انعام سے نوازا، عقیدہ کی پختگی آخر یہ نتیجہ دکھایا کرتی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس واقعہ کے ضمن میں یہ سبق پڑھانا مقصود ہے کہ اگر آج یہ ظالم تم پر تشدد کر رہے ہے اس عقیدہ کی بناء پر اور تمہیں شرک اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو یہ کوئی نیا واقعہ نہیں پہلے بھی ایسے ہوتا آیا ہے، تمہیں بھی چاہیے کہ تم اس طرح پختگی اختیار کرو اور جب تم اس عقیدہ کے لئے قربانیاں دے لو گے تو آخر کار نوازے تم ہی جاؤ گے اور ان ظالموں کا ایک دن نام و نشان مٹ جائے گا۔

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے:۔

چنانچہ صحابہ کرام کو بھی اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایک یار (صدیق اکبرؓ) کے ساتھ غار میں جا کے چھپنا بھی پڑا اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں بھی گئے آخر زیادہ مدت نہیں گزری کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیاب کیا اور آپ کے سب مخالفین زیر ہو گئے گویا کہ ان واقعات کو دہرا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین کرنی مقصود ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، آج تم پر اگر اس عقیدہ کی بناء پر زیادتیاں ہو رہی ہیں اور یہ ظالم تم پر مسلط ہیں، دنیا کی جاہ اور عزت ان کو اس وقت حاصل ہے اور تمہیں یہ ہر طرح سے ستا رہے ہیں تو ایسا پہلے ہوتا رہا ہے تو جیسے اللہ کے ان مقبول بندوں نے اپنے عقیدہ کیلئے ہر قسم کی قربانیاں دی، تمہیں بھی اپنے عقیدہ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینی چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بھی یہی سبق تھا کہ بظاہر حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کے سامنے کس طرح مغلوب ہوئے؟ بھائی ان کے اوپر کس طرح غالب آئے؟ کس طرح ان کے مظالم کے نشانہ بنے؟ لیکن جب انہوں نے صبر و استقامت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت دی اور ان کے بھائی ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو گئے تو اس طرح حق کو آخر کار غلبہ ہوا کرتا ہے لیکن حق کے لئے کچھ مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں چونکہ اس قسم کے واقعات میں ایسے اسباق ہیں اس لئے قرآن کریم ان کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

کسی واقعہ کو نقل کرنے میں قرآن کریم کا انداز:۔

باقی رہی یہ بات کہ یہ کون تھے؟ کتنے تھے؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ کس وقت یہ واقعہ پیش آیا؟ اس

وقت بادشاہ کون تھا؟ ان کا علاقہ کونسا ہے؟ یہ باتیں ایسی ہیں کہ جن کی کسی حد تک قرآن کریم نے وضاحت نہیں کی اس لئے کہ قرآن کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، یہ تاریخ والوں کا کام ہے کہ اس قسم کی چیزوں کو بیان کریں، قرآن کریم واقعہ کو اس حد تک بیان کرتا ہے جتنا کہ اس کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے اس کا موضوع ہدایت للخلق ہے، مخلوق کا آخرت کی کامیابی کے لئے رہنمائی کرنا، اللہ تعالیٰ کی معرفت کے راستے بتلانا تا کہ اپنے خالق اور مالک کے ساتھ تعلق صحیح ہو جائے تو اطاعت اور عبادت کریں، یہ قرآن کریم کا موضوع ہے تو جتنا واقعہ اس کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے اتنا یہ بیان کرتا ہے اور جو زائد تاریخی چیزیں ہیں، افسانوی قسم کی باتیں ہیں ان کو قرآن کریم نہیں لیتا، تاریخی واقعہ جو نقل کیا جاتا ہے، اس کی جزئیات کو اس حد تک ہی بیان کرنا چاہیے جس حد تک انسان اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

صرف سبق آموز چیزوں کی قرآن نے وضاحت کی ہے:۔

اب یہ واقعہ بھی ایسا تھا کہ جس میں دو پہلو ہیں ایک پہلو تو ہے عقیدہ کی وضاحت کہ وہ کونسا عقیدہ تھا جس کی بناء پر وہ ظلم کا نشانہ بنے؟ اور پھر اس عقیدہ کے اوپر ان کا جم جانا، نتیجۃً اللہ کی رحمت کے ساتھ ان کا مالا مال ہو جانا اور اہل حق کا غلبہ یہ چیزیں سبق آموز ہیں ان کو قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کیا ہے، اور واقعات کے باقی حصے جن کے ساتھ کوئی کسی قسم کی ہدایت متعلق نہیں اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ لوگ ہندوستان کے رہنے والے ہوں یا یہ لوگ افریقہ کے رہنے والے ہوں، امریکہ کے رہنے والے ہوں گے جگہ کے بدلنے سے واقعہ کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ پانچ ہوں، سات ہوں، دس ہوں، تین ہوں، جتنے بھی ہوں ان کی تعداد کے ساتھ واقعہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، تو بادشاہ کونسا تھا؟ ہمیں اس سے کیا بحث! بہر حال وہ مشرک تھا جو شرک پر برانگیختہ کرتا تھا تو بادشاہ کے نام کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ کس زمانہ کی بات ہے؟ ہزار سال پہلے کی، دو ہزار سال پہلے کی ہے سو سال پہلے کی ہے، اس سے واقعہ کی نوعیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور لوگوں کے اندر جس قسم کے واقعہ کی شہرت ہوتی ہے اس قسم کی جزئیات کو بیان کرنے کے ساتھ تو اختلافات کے دروازے کھلتے ہیں کہ لوگوں نے اپنی تاریخ میں لکھ رکھا ہو کہ فلاں شہر کے رہنے والے تھے، قرآن کریم حقیقت کو نمایاں کرے کہ وہ فلاں شہر کے رہنے والے تھے، تو خواہ مخواہ آپس میں ٹکراؤ پیدا ہو گیا، لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ان کی تعداد اتنی تھی اور قرآن کریم

کہ کہ اتنی تھی تو خواہ مخواہ ایک بحث کا دروازہ کھل گیا، قرآن کریم اس بات کو لیتا ہے جس میں کسی شخص کے لئے الجھنے کی گنجائش ہی نہ ہو اور صاف ستھری بات لوگوں کے سامنے رکھ دی جائے جس سے لوگوں کو ہدایت حاصل ہو، محض واقعہ کو اس طرح ذکر کرنا کہ جس طرح کوئی مجلس بازی ہوتی ہے، قصہ کہانی سنائی ہوتی ہے، جس سے کوئی مقصد نہ ہو اس طرح قرآن کریم واقعہ نقل نہیں کرتا۔

اصحاب کہف کے واقعہ کی تاریخی جزئیات:۔

اور مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف ہے انہیں چیزوں میں جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیں کہ یہ کون تھے؟ کہاں کہ رہنے والے تھے؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ اس وقت بادشاہ کون تھا؟ کس زمانہ کی یہ بات ہے......؟ دو رائیں اس بارے میں زیادہ ظاہر ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے؟ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے، لیکن عام طور پر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے اور یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے، انہی کے دین پر تھے اور اس وقت جو بادشاہ تھا اس کا نام دقیانوس لکھا ہے [1] اور وہ مشرک تھا اور رومی سلطنت کے تحت یہ واقعہ پیش آیا ہے، یہ لوگ روم کے باشندے تھے، جس بستی کے اندر یہ رہنے والے تھے بعض تفسیروں میں اس کا نام طرسوس یا دقیوس یا اُلوشہ لکھا ہے اور قصص القرآن والوں نے لکھا ہے کہ وہ اصل میں بستی ہے جس کو عربی میں بطرا اور انگلش میں پٹرا کہتے ہیں، پرانے قسم کے آثار کی کھدائی کے بعد یہ بستی ظاہر ہوئی اور اس میں وہ آثار نمایاں ہو گئے جس سے پہچان لیا گیا کہ یہ واقعہ اس بستی میں پیش آیا ہے بہر حال شہر کوئی بھی ہو اس کا تعلق مشرقِ وسطیٰ کے علاقہ کے ساتھ ہے، جہاں ترکوں کی حکومت تھی، اس قسم کی باتوں کو مؤرخین نے قرائن اور آثار کے ساتھ متعین کرنے کی کوشش کی ہے، یہ عیسائی مسلک پر تھے بادشاہ اس وقت شرک پر تھا پھر یہ کئی سو سال تک غائب ہوئے بعد میں اللہ نے ان کو اٹھایا جس وقت ان کو اٹھایا ہے اس وقت مشرک شکست کھا چکے تھے اور عیسائیوں کی حکوت قائم ہو چکی تھی، پھر یہ لوگ مقتداء بن گئے، ان کو بزرگ مان لیا گیا تھا، ان کی وفات کے بعد ان کی یادگاریں قائم کی گئیں اور ایک قوم میں پیش آنے والے واقعہ میں فخر یہ واقعہ کے طور پر اس کو محفوظ کیا گیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۱۴ ۔

اصحاب کہف کا اجمالی واقعہ:۔

یہ واقعہ آپ کے سامنے مفصل آرہا ہے اور یہاں اس کو بطور اجمال کے نقل کردیا گیا کہ یہ سوال جو اٹھارہے ہیں تو کیا انہوں نے اس واقعہ کو بہت عجیب سمجھ لیا ہے، اللہ کی قدرت کے سامنے یہ کوئی عجیب نہیں ہے، اللہ کی قدرت میں تو اس سے بڑے بڑے عجائبات بھی موجود ہیں لیکن جب سوال اٹھایا ہی ہے تو اس کی نوعیت صرف اتنی ہوئی کہ نوجوان تھے جنہوں نے غار کے اندر ٹھکانہ لیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ ان کو سلایا اور ان کی حفاظت کی اور انہوں نے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کے دعا کی تھی کہ یا اللہ! ہم نے ایک مقصد قرار دے لیا ہے کہ ہم نے تیری عبادت کرنی ہے اور تیری توحید کے عقیدے پر جمنا ہے اس لئے ہمیں اس مقصد میں کامیاب فرما اور ہمارے معاملہ میں درستگی مہیا کردے یعنی ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے جس قسم کے اسباب کی ضرورت ہے وہ اسباب مہیا کردے، یہ دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان کو تھپکی دے دی، اور سلا دیا اور مدت مدید (لمبی مدت) کے بعد ان کو اٹھایا تاکہ ظاہری طور پر معلوم ہوجائے کہ یہ مدت کس نے محفوظ رکھی اور کس نے محفوظ نہیں رکھی؟ اس مدت کے بارے میں بھی آگے مفصل ذکر آرہا ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ

ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ان کا قصہ ٹھیک ٹھیک، بے شک یہ چند جوان تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر

وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا

اور ہم نے ان کو زیادہ کیا از روئے ہدایت کے ﴿۱۳﴾ اور ہم نے مضبوط کردیا ان کو دلوں کو جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ

کہا ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم نہیں پکارتے اس کے علاوہ کسی کو معبود بنا کر البتہ تحقیق ہم کہیں گے تب

اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ

بڑی زیادتی کی بات ﴿۱۴﴾ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے بنا لیے اللہ کے علاوہ دوسرے الٰہ، کیوں نہیں لائے

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾

یہ ان پر کوئی واضح دلیل کون بڑا ظالم ہوگا اس شخص سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ ﴿۱۵﴾

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ

اور جب تم جدا ہوگئے ان سے اور ان کے معبودوں سے اللہ کے علاوہ تو ٹھکانہ لے لو غار کی طرف

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

پھیلادے گا تم پر تمہارا رب اپنی رحمت اور مہیا کرے گا تمہارے لیے معاملہ میں آسانی ﴿۱۶﴾

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا

اور تو دیکھے گا سورج کو کہ جب وہ نکلتا ہے تو ہٹ جاتا ہے ان کی غار سے دائیں طرف اور جب

غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ

غروب ہوتا ہے تو ہٹ جاتا ہے بائیں طرف اور وہ غار کے کشادہ حصہ میں تھے، یہ اللہ کی نشانیوں

اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ

میں سے ہے جس کو ہدایت دے اللہ پس وہی ہدایت والا ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے پس تو ہرگز نہیں

لَهٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا ﴿۱۷﴾ وَ تَحۡسَبُهُمۡ اَیۡقَاظًا وَّ هُمۡ رُقُوۡدٌ ۖ ۗ وَّ نُقَلِّبُهُمۡ

پائے گا اس کیلئے کوئی مددگار راستہ بتانے والا ﴿۱۷﴾ اور تو ان کو خیال کرتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے

ذَاتَ الۡیَمِیۡنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَ کَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَیۡهِ بِالۡوَصِیۡدِ ؕ

اور ہم پلٹ دیتے تھے ان کو دائیں طرف اور بائیں طرف، ان کا کتا پھیلا ہوئے تھا اپنے ہاتھ دہلیز پر

لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَیۡهِمۡ لَوَلَّیۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّ لَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ﴿۱۸﴾

اگر تو مطلع ہوتا ان پر تو پیٹھ پھیرتا ان سے بھاگتے ہوئے اور تو بھر دیا جاتا ان کی طرف سے از روئے رعب کے ﴿۱۸﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ: قَصَّ یَقُصُّ بیان کرنا، ہم بیان کرتے ہیں آپ پر نَبَاَهُمۡ، نباء خبر عظیم کو کہتے ہیں نَبَاَهُمۡ ان کا واقعہ بالحق ٹھیک ٹھیک، ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک، اِنَّهُمۡ فِتۡیَةٌ بے شک وہ، فتية کا لفظ آپ کے سامنے پہلے بھی گذرا کہ یہ فتی کی جمع ہے، بے شک وہ چند نوجوان تھے اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ جو اپنے رب کے ساتھ ایمان لائے وَزِدۡنٰهُمۡ زَادَ یَزِیۡدُ زیادہ کرنا، ہم نے ان کو بڑھادیا از روئے ہدایت کے، هُدًی زِدۡنٰهُمۡ سے تمیز ہے میں نے بتایا تھا کہ یہ تمیز محول عن المفعول ہے اور یہ مفعول والے معنی کو ادا کرتی ہے یعنی ہم نے ان کی ہدایت بڑھادی، ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کردیا۔

وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ: ہم نے گرہ لگادی ان کے دلوں پر، ربط علی القلب کا مطلب ہوتا ہے دل کو مضبوط کردینا، ہم نے ان کے دلوں پر گرہ لگادی یعنی ان کے دلوں کو مضبوط کردیا تاکہ باہر کا کوئی خوف ان کے دلوں میں داخل نہ ہو اور ان کے دلوں میں جو ایمان ہے اس کو نقصان نہ پہنچا سکے، ربط علی القلب یہ دل میں ایمان کی حفاظت

کے لئے ہوتا ہے اور محاورہ کے طور پر اس کا ترجمہ یوں ہی ہوگا کہ ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور لفظی معنی ہے کہ ہم نے گرہ لگا دی ان کے قلوب پر، اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا، قَامَ یَقُوْمُ، کھڑا ہونا، کھڑا ہونا ایک تو یہ ہوتا ہے، کہ ایک شخص بیٹھا تھا اور اٹھ کے کھڑا ہو گیا اور ایک کھڑا ہونا ہوتا ہے کہ چلا جا رہا تھا ٹھہر گیا اور ایک کھڑا ہونا ہوتا ہے کسی کام کے لئے تیار ہو جانا، ساری قوم اٹھ کھڑی ہوئی، مزدور اپنا مطالبہ لے کے اٹھ کھڑے ہوئے یہ لفظ عام طور پر بولے جاتے ہیں تو وہاں ٹانگیں سیدھی کر کے کھڑا ہونا مراد نہیں ہوتا بلکہ کسی مقصد کو طے کر کے اس کو حاصل کرنے کے لئے انسان جو پختہ ارادہ کر لیتا ہے اس کو بھی کھڑے ہونے سے تعبیر کرتے ہیں تو قیام کا یہ معنی بھی ہوتا ہے یہاں ترجمہ اسی طرح ہی کرنا ہے کہ جب وہ اٹھے، جب وہ کھڑے ہوئے یعنی اپنے عقیدہ کا انہوں نے اعلان کیا اور پختگی کے ساتھ اپنے عقیدہ کو ظاہر کیا، جب وہ اٹھے پھر کہا انہوں نے رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہمارا رب آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ ہرگز نہیں پکاریں گے ہم اس کے علاوہ کسی معبود کو لَقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا۔ شَطَطًا کا معنی ہے حد سے بڑھنا اور یہاں اس کے اوپر مضاف محذوف مانیں گے عبارت یوں ہوگی لقد قلنا اذاً قولاً ذاشططٍ اور اذاً کے اوپر تنوین عوض مضاف الیہ ہے البتہ تحقیق کہی ہم نے تب بات حد سے بڑھی ہوئی یعنی اگر ہم نے اللہ کے علاوہ، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے علاوہ کسی اور الٰہ کو پکار لیا تو اس وقت ہم حد سے بڑھی ہوئی بات کہیں گے۔ ہماری یہ بات حد سے بڑھی ہوئی ہوگی۔ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا یہ ہماری قوم ہے۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں کیونکہ قوم لفظوں میں مفرد ہے اور معنیً جمع ہے اس لئے اتَّخَذُوْا کی ضمیر ادھر لوٹی اور هٰۤؤُلَآءِ اشارہ بھی جمع کا آ گیا، یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں، اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً بنا لیے انہوں نے اس رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے علاوہ اور بہت معبود، لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ، کیوں نہیں لاتے یہ لوگ ان معبودوں پر کوئی واضح دلیل، اتی یاتی آنا اور اس کے بعد بسلطان پر جو باء ہے یہ تعدیہ کی ہے تو اس کی وجہ سے اس کا ترجمہ ہو گیا لانا جیسے ذھب جانا اور ذھب بہ لے جانا، ذھب زید بکتاب اگر آپ اس کا ترجمہ یوں کریں کہ زید چلا گیا کتاب کے ساتھ یہ لفظی ترجمہ ہے، لیکن محاورہ کے اعتبار سے ترجمہ اس طرح ہوگا زید کتاب لے گیا تو ذھب جو کہ لازم تھا بکتاب کی باء نے اس میں متعدی والا معنی پیدا کر دیا تو صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ زید کتاب لے گیا اسی طرح اتی یاتی آنا اور آگے باءِ تعدیہ کی آ گئی تو معنی ہو گیا لانا، کیوں نہیں لاتے یہ لوگ ان معبودوں پر کوئی واضح دلیل، فَمَنْ اَظْلَمُ پھر کون بڑا ظالم ہے

مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا، اَظْلَمُ اسم تفضیل ہے، اور مِنْ اس کا صلہ ہے، کون بڑا ظالم ہے اس شخص کے مقابلہ میں جو اللہ پر جھوٹ گھڑے۔ افتراء کا معنی ہوتا ہے جھوٹی بات بنالینا، بہتان تراش لینا، جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اس کے مقابلہ میں کون بڑا ظالم ہے یعنی سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑتا ہے اور یہ اللہ کے اوپر جھوٹ ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے اس لئے سورۂ لقمان میں آپ کے سامنے ایک لفظ آئے گا اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ①، شرک بہت بڑا ظلم ہے، ظلم عظیم ہے تو سب سے بڑا ظالم وہی ہے جو اللہ کے اوپر جھوٹی بات گھڑتا ہے۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْھُمْ: اعتزال جدا ہو جانا، علیحدہ ہو جانا، جب تم جدا ہو گئے ان لوگوں سے وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ اور ان چیزوں سے جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے علاوہ، جب لاتعلق اور جدا ہو گئے ان سے اور ان چیزوں سے جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے علاوہ نہ تمہارا اس قوم سے کوئی تعلق رہا اور نہ ان کے معبودوں سے کوئی تعلق رہا، تم ان سب کو چھوڑ کے علیحدہ ہو گئے فَاْوٗٓا اِلَی الْکَھْفِ، یہ امر کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے ٹھکانہ لینا، پیچھے بھی یہ لفظ گذرا ہے اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ، یہ لفظ بھی اسی سے لیا گیا ہے پس تم ٹھکانہ لو غار کی طرف یَنْشُرْ لَکُمْ رَبُّکُمْ پھیلائے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت وَیُھَیِّئْ لَکُمْ اور مہیا کرے گا تمہارے لئے، تیار کرے گا تمہارے لئے مِّنْ اَمْرِکُمْ تمہارے امر سے مِّرْفَقًا نفع کی چیز، مرفق اس چیز کو کہتے ہیں جو فائدہ کی ہو۔

وَتَرَی الشَّمْسَ: خطاب عام ہے، اے مخاطب! اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی متعین آدمی کو نہیں کہا جا رہا جو بھی سنے اسی کو یہ بات کہی جا رہی ہے۔ اے مخاطب! تو دیکھتا ہے سورج کو اِذَا طَلَعَتْ جب وہ طلوع کرتا ہے، شمس کا لفظ عربی میں مؤنث ہے اس لئے طلعت کی ضمیر مؤنث کی طرف لوٹی اور اردو میں یہ لفظ مذکر استعمال ہوتا ہے اس لئے اس مؤنث کے صیغہ کا ترجمہ پھر مذکر کے لفظ کے ساتھ کریں گے، اس طرح اگر ترجمہ کریں کہ تو دیکھتا ہے سورج کو جب وہ نکلتی ہے تو یہ غلط ہے، پھر یہ پٹھانوں والی اردو ہو جائے گی کہ مذکر کی مؤنث اور مؤنث کو مذکر بنا دیا تو اردو میں چونکہ شمس کا لفظ مذکر ہے اس لئے ہم اس کا ترجمہ مذکر کے ساتھ کریں گے، دیکھتا ہے تو سورج کو جب وہ طلوع کرتا تَّزٰوَرُ عَنْ کَھْفِھِمْ، تزاور اصل میں تَتَزَاوَرُ تھا۔ مائل ہو جاتا، ڈھلک جاتا ان کی غار سے ذَاتَ الْیَمِیْنِ

① پارہ نمبر ۲۱ سورۃ نمبر ۳۱ آیت نمبر ۱۳

دائیں جانب وَاِذَا غَرَبَتْ اور جب وہ سورج ڈوبتا، غروب ہونے لگتا تَّقْرِضُهُمْ تو کترا جاتا، کاٹ جاتا ان کو بائیں جانب وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ، فجوة کشادہ جگہ کو کہتے ہیں اور وہ اس غار سے کشادہ جگہ میں تھے، منه کی ضمیر کہف کی طرف لوٹ رہی ہے ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ، یہ جو کچھ ذکر کیا گیا یہ اللہ کی نشانیاں میں سے ہے، اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے پس وہی ہدایت یافتہ ہے یعنی اللہ کی طرف نشانیاں تو بہت قائم ہیں لیکن ان نشانیوں کو دیکھ کے ہدایت حاصل کرنا یہ اللہ کی توفیق سے ہی ہوتا ہے، جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے وَمَنْ يُّضْلِلْ اور جس کو اللہ بھٹکا دے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لئے وَلِيًّا مُّرْشِدًا، ولی اور مرشد، ولی کا معنی ہے یار اور مددگار اور مرشد کا معنی ہے ہدایت دینے والا۔ اس کیلئے کوئی ولی اور مرشد نہیں ہے۔ اس کا کوئی یار و مددگار نہیں۔ کوئی اس کو ہدایت دینے والا نہیں جس کو اللہ بھٹکا دے۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا: اور تو ان کو سمجھتا ہے بیدار کہ وہ جاگ رہے ہیں، ایقاظاً يَقِظٌ کی جمع ہے اور يقظ بیدار کو کہتے ہیں، تو ان کو سمجھتا ہے بیدار وَهُمْ رُقُوْدٌ حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں وَّنُقَلِّبُهُمْ قلب تقلیب الٹ پلٹ کرنا اور ہم ان کو پلٹاتے ہیں، پلٹے دیتے ہیں ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ دائیں جانب اور بائیں جانب، وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ اور ان کا کتا پھیلانے والا ہے، ذراعیہ یہ ذراع کا تثنیہ ہے اور ذراع بازو کو کہتے ہیں جیسے آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتا جب بیٹھا ہوتا ہے تو دونوں ہاتھ پھیلا کے بیٹھا ہوتا ہے تو دیکھا ہے ان کے کتے کو کہ وہ پھیلانے والا ہے اپنے دونوں بازو بِالْوَصِيْدِ دروازے کے سامنے، دہلیز پر، لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ اگر تو ان پر اطلاع پاتا، ان پر تو جھانکتا لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا تو البتہ تو پیٹھ پھیرتا ان سے بھاگتا ہوا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا اور البتہ بھر دیا جاتا تو ان سے از روئے رعب کے یعنی تیرے اوپر رعب طاری ہو جاتا اور تیرا دل ان کے یعنی تیرے اوپر رعب طاری ہو جاتا اور تیرا دل ان کے رعب سے بھر جاتا۔

ماقبل سے ربط:۔

پچھلے رکوع کی آخری آیات میں اصحاب کہف کے واقعہ کا اجمال کے ساتھ ذکر کر دیا گیا تھا اور یہاں سے کچھ اس کی تفصیل شروع ہو رہی ہے۔

قرآن کریم کے واقعات محض قصہ گوئی نہیں بلکہ حقیقت وحکمت پر مشتمل ہیں:۔

ترجمہ سے بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم آپ پر ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں یعنی لوگ جس قسم کے واقعات نقل کرتے ہیں ان میں سے اکثر ٹھیک نہیں۔ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں عجیب عجیب اس میں باتیں شامل کرلیتے ہیں، ہوتا کچھ ہے اور بنا کچھ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ واقعہ قرآن کریم میں جو کچھ آ گیا ہے یہ بالکل ٹھیک ہے جس میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں اور واقعہ کے مطابق ہے اور پھر یہ محض قصہ گوئی نہیں بلکہ حقیقت اور حکمت پر مشتمل ہے اس لیے واقعہ کو اسی انداز میں ذکر کیا جائے گا کہ جس میں کوئی حکمت اور مصلحت ہو، بلاوجہ افسانہ گوئی اور سمع خراشی مقصود نہیں ہے، ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک ان کا واقعہ سناتے ہیں، لوگوں کے اندر جس طرح مشہور ہے اس کی بہت ساری باتیں خلاف حقیقت ہیں۔

حکومت کے مخالف لوگوں کے لئے زندگی کے دروازے بند ہوجاتے ہیں:۔

پہلی بات ہے کہ یہ چند جوان تھے، وقت ایسا تھا کہ حکومت مشرک تھی، بادشاہ اپنے مسلک پر لوگوں کو مجبور کرتا تھا کہ بت پرستی اختیار کریں، بتوں کو سجدہ کریں، خود مشرک تھا اور لوگوں کو شرک پر برانگیختہ کرتا تھا اور آپ یہ جانتے ہیں کہ حکومت جس کی ہو اس کو زندگی کے وسائل کے اوپر بظاہر قابو حاصل ہوتا، اب کوئی حکومت طے کرلے کہ ہم نے فلاں نظریہ کو فروغ دینا ہے، ہم نے فلاں خیال کو شائع کرنا ہے تو ملازمت اسے ملے گی جوان کا ہم خیال ہوگا جوان کا ہم خیال نہیں ہوگا اس پر ملازمت کے دروازے بند، تجارت کرنے کے لئے میدان میں آئے گا تو اس کیلئے تجارت کے دروازے بند، کسی چیز کے لائسنس کی ضرورت ہوگی تو اس کو وہ نہیں ملے گا، آئے دن اس کے اوپر مقدمے کھڑے ہوجائیں گے، اس پر چالان ہوتے چلے جائیں گے، اگر وہ کہیں کھیتی باڑی کرتا ہے تو اس کی زمین کا پانی بند کردیا جائے گا اور اس طرح اس کو تنگ کردیا جاتا ہے کہ زندگی کے دروازے اس پر بند ہوجاتے ہیں۔ ظالم حکومتوں میں اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، جب کوئی حکومت ظلم پر اتر آئے اور وہ یہ چاہے کہ لوگ میرے ہم خیال ہوں تو جو لوگ ان کے ہم خیال ہوتے ہیں ان کے لئے تو عیاشی کے دروازے کھل جاتے ہیں لیکن اگر کوئی ان کا ہم خیال نہیں تو اس کی نہ عزت محفوظ، نہ جان محفوظ، نہ مال محفوظ، نہ اس

کے لئے معاش کا کوئی ذریعہ باقی، زندگی کے دروازے اس کے لئے بند کردیئے ہیں اور اس کے لئے جینا دوبھر ہو جاتا ہے، ظالم حکومتوں میں یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔

دجال کے مخالفین کے لئے بھی بظاہر زندگی کے دروازے بند ہوں گے:۔

اور یہی نکتہ ہے جو قرآن کریم اس سورۃ میں آپ کے ذہن کے اندر ڈالنا چاہتا ہے اور اسی نکتہ کو سمجھ لینے کے بعد ہی دجالی فتنہ سے حفاظت ہوتی ہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب دجال کا دور آ جائے گا تو دجال اس ظاہری معاشی اسباب کے اوپر اتنا حاوی ہوگا کہ جو لوگ اس کے ماننے والے ہوں گے ان کے لئے تو رزق کے دروازے کھل جائیں گے ایسے ہوگا جیسے زمین کے خزانے بھی ان کے پیچھے بھاگے آ رہے ہیں ① اور ان کی مرضی کے مطابق بارش ہوتی ہے، ان کی مرضی کے مطابق فصلیں پیدا ہوتی ہیں، ان کے حیوانات بڑے موٹے موٹے ہوں گے، ان کی دنیا سرسبز و شاداب ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ دولت ساری ہم پر عاشق ہوگئی اور دولت اسی نظریہ والوں کے لئے ہے جو دجال کو رب کہہ دیں گے، حدیث شریف میں اس مضمون کی یہ تفصیل ہے اور ایک قوم ایسی ہوگی کہ دجال اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کرے گا اور یہ کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے کہ ہم تو تجھے نہیں مانتے، ہمارا رب تو کانا نہیں ہے، ہم تو تجھے رب کہنے کے لئے تیار نہیں تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ قوم قحط میں مبتلاء ہو جائے گی، بارش نہیں ہوگی، جانور ان کے مرجائیں گے اور انتہائی درجہ کی شدت میں مبتلاء ہو کر وہ اپنا وقت گزاریں گے، دنیا کی راحت کا کوئی سبب حاصل نہیں ہوگا۔ ② سرور کائنات ﷺ نے اس فتنہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا جس کا حاصل یہی ہے کہ وہ دور ایسا آ جائے گا کہ اسباب معیشت سارے کے سارے دجال کے ہاتھ میں ہوں گے جیسے نہروں پر وہ قابض جدھر چاہے پانی چھوڑے، جدھر چاہے نہ چھوڑے، مواصلات پر وہ قابض جب چاہے آپ کے مواصلات کو تباہ کردے، جب چاہے باقی رکھے، یہ ٹیلی فون کا سلسلہ، ریڈیو کا سلسلہ، ٹی وی کا سلسلہ، وائرلیس کا سلسلہ یہ مواصلات ہیں اور اسی طرح آپ کا ہوائی جہاز کا سفر، ریلوے کا سفر تو وہ دجال اتنا حاوی ہو جائے گا کہ جب وہ چاہے گا ساری چیزیں تباہ کر کے رکھ دے گا، نہ آپ کا ٹیلی فون ٹھیک رہے، نہ آپ کا ٹی وی

① فیقول لها اخرجی کنوزك فتتبعه كنوزها كيعا سيب النحل (مشکوٰۃ ص ۴۷۳)

② مشکوٰۃ ص ۴۷۷ عن اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید مطبوعہ دہلی

ٹھیک رہے، نہ آپ وائرلیس کا استعمال کر سکیں، نہ کہیں کے حالات دریافت کر سکیں، نہ آپ کے ہوائی جہاز اڑ سکیں، نہ کوئی گاڑی چل سکے اور آپ کی زندگی کا سارا پہیہ جام ہو جائے گا اور پانی پر قابض ہو جائیں گے کہ پانی نہیں چھوڑیں گے، بجلی پر قابض ہو جائیں گے کہ بجلی گھر بند کر دیں گے، آپ کو بجلی نہیں ملے گی تو اس طرح وہ قوم سختی میں مبتلاء ہو جائے گی جو دجال کا کہنا نہیں مانے گی، وہ وقت ہوگا انتہائی درجہ کے امتحان کا کہ اس فتنہ میں جو دجال کو رب کہے گا وہ خوشحال اور جو دجال کو رب نہیں مانے گا وہ انتہائی درجہ کا بدحال اور معاشی اسباب سے محروم ہو جائے گا سرور کائنات ﷺ نے اس فتنہ کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ ایسے حالات ہو جائیں گے اس وقت جمے رہنا اور ہر قسم کی بھوک کو، پیاس کو، تنگی کو اور شدت کو برداشت کر لینا، اپنے سامنے اپنے بچوں کو تڑپتا ہوا دیکھ لینا لیکن شرک میں مبتلاء نہ ہونا۔ یہ اس وقت کا ایک بہت بڑا جہاد ہوگا اور ایک بہت بڑی ہمت کی بات ہوگی اور اس میں جو ثابت قدم رہے گا اس پر پھر اللہ تعالیٰ کی عنایات ہوں گی، دجالی فتنہ کا حاصل یہی ہے۔

اصحاب کہف کے لئے بھی زندگی کے دروازے بند کر دیئے گئے:۔

اور یہاں بھی یہی قصہ ہوا کہ حکومت مخالف ہے اور جو اس حکومت سے ٹکراتا ہے اس کے لئے زندگی گزارنے کا ہر دروازہ بند ہے تو یہ چند نوجوان تھے جنہوں نے کلمہ حق کو قبول کیا، عقیدہ توحید اختیار کر لیا تو ان کے ساتھ بھی پھر وہی حال شروع ہوا، حکومت کی طرف سے پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی، سختی شروع ہوگئی کہ ان کو مجبور کرو کہ یہ بھی شرک میں مبتلاء ہو جائیں اور ہمارے ہم مسلک ہو جائیں لیکن وہ اٹھ کھڑے ہوئے، جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو انہوں نے یہ نعرہ مستانہ لگا دیا کہ رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا کہ ہم تو رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کو ہی رب مانتے ہیں، ہم اس رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے علاوہ کسی دوسرے الٰہ کو پکارنے کے لئے تیار نہیں اگر ہم ایسی بات کہیں گے تو حق سے پھری ہوئی بات کہیں گے اور حق سے پھری ہوئی بات ہم کہنے کے لئے تیار نہیں ہیں، یہ جتنے نوجوان بھی تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نعرہ توحید بلند کر دیا، جب نعرہ توحید بلند کیا تو ہر طرح سے انہیں مجبور کیا گیا لیکن وہ کسی طرح ماننے کو تیار نہیں۔

اصحاب کہف نے ہر چیز کی قربانی دے کر نظریۂ ایمان کی حفاظت کی:۔

اب اندیشہ یہ پیدا ہو گیا کہ پکڑیں گے، پکڑ کے قتل کریں گے، جان کا خطرہ ہے تو انہوں نے اپنے عقیدہ کی

خاطر یہ قربانی دی اور آپس میں مشورہ کیا کہ جب اس قوم کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق ہی نہ رہا، یہ مشرک ہیں، ہم موحد ہیں، اس قوم میں ان کے باپ تھے، بھائی تھے، مائیں تھیں، بہنیں تھیں، اور اس علاقہ میں ان کی جائیداد تھی، صاحب مکان اور صاحب جائیداد تھے سب کچھ تھا لیکن نظریہ ایک طرف دنیا کی عیاشی اور دنیا کے تعلقات ایک طرف، یہ مقابلہ ہوگیا اب اگر اپنے نظریہ کی حفاظت کرتے ہیں تو ماں باپ کی، بہن بھائیوں کی، قبیلہ اور قوم کی، اپنی جائیداد اور مکان کی ہر چیز کی قربانی دینی پڑتی ہے اور اگر ان چیزوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ایمان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اب اس دوراہے پر کھڑے ہوگئے کہ کدھر کو چلنا ہے، تم نے دنیا کی عیش لینی ہے، رشتہ داروں سے تعلقات بحال رکھنے ہیں، اور کھانے پینے کی وسعت چاہیے تو بت پرست ہو جاؤ! اور اگر موحد رہنا چاہتے ہو تو پھر ہر چیز سے محروم ہونا پڑے گا، رشتہ داروں سے کوئی تعلق نہیں، جائیداد سے کوئی تعلق نہیں، کاروبار سے کوئی تعلق نہیں جب یہ دو باتیں ہوگئیں تو نوجوانوں نے فیصلہ یہ کیا کہ کچھ ہو جائے ہم ہر چیز کی قربانی دے سکتے ہیں لیکن ہم اپنے نظریہ توحید کی قربانی نہیں دیں گے۔

انسان کی طبیعت متاثر کب ہوتی ہے......؟:۔

جب یہ عقیدہ پختہ ہو جائے کہ انسان اپنے عقیدہ کے لئے دنیا کی ہر عیش وعشرت کو لات مار دے تو دجال کیا! دجال کا باپ بھی آجائے تو متاثر نہیں کرسکتا۔ انسان متاثر اس وقت ہوتا ہے جب طبیعت میں تعیش ہو، تلذذ ہو، راحت پسندی ہو، تو پھر کسی فتنہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا، انسان کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ نظریہ کی کیا بات ہے بس اپنا مطلب نکالو جن کا یہ ذہن ہوتا ہے وہ ہر دور میں دجال کے فتنے میں مبتلاء ہوں گے اور جو بڑا دجال آئے گا اس کے فتنہ میں مبتلاء ہو جائیں گے، اور جن کا نظریہ اس طرح پختہ ہو جائے کہ دنیا کی عیاشی کی کوئی پرواہ نہیں ہے، اصل عقیدہ ہے جس کے ساتھ آخرت کی نجات ہوگی جب ایک آدمی اپنے عقیدہ پر اتنا پختہ ہو جائے تو پھر دنیا کا فتنہ اس کے اوپر اثر انداز نہیں ہوسکتا، ان جوانوں نے یہی کردار دکھایا کہ اپنے عقیدہ پر پختہ ہوگئے پھر ہم نے بھی ان کی مدد کی ان میں مزید قوت پیدا کردی اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کردیا کہ باہر کا خوف وہراس ان کے دلوں کو متاثر نہ کرسکا اور انہوں نے اپنے اس نعرہ کو بلند کیا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا ہم اس کے علاوہ کسی الٰہ کو نہیں پکاریں گے اگر ہم ایسا کریں گے تو ہماری یہ بات حد سے نکلی ہوئی ہوگی۔

اصحاب کہف کا اپنی قوم پر تبصرہ:۔

اور پھر اپنی قوم پر تبصرہ ان الفاظ میں کیا کہ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں، انہوں نے رب السمٰوٰت وَالْاَرْضِ کے علاوہ آلھہ بنالے، آلہہ الٰہ کی جمع ہے یعنی ایک کو چھوڑ کے آگے ایک ہی تھوڑے نہیں کیا بلکہ کئی آلھہ بنالیے کوئی بارش دینے والا ہے، کوئی اولاد دینے والا ہے، کبھی اس قبر پہ جھک رہے ہیں، کبھی اس کرر ہے ہیں، ان کے تو جگہ جگہ آلھہ بن گئے، انہوں نے بہت سارے آلھہ بنالیے، اگلے الفاظ کا حاصل انہوں نے ایک کے علاوہ اور جو بنائے تو کیا ان کے پاس کوئی دلیل ہے؟ یہ کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے جس سے معلوم ہو جائے کہ ایک کے علاوہ اور بھی ہیں تو دیکھو! دلیل لانا مشرک کے ذمہ ہوتا ہے کیونکہ مشرک کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک اللہ کو ماننے کے بعد وہ اور کو بھی مانتا ہے تو اللہ کو تو اس نے مان لیا، اب اس بات پہ دلیل دینے کی ضرورت نہیں کہ اللہ ہے، اللہ کو تو مانتا ہے اب اس نے ایک قدم آگے جو بڑھایا کہ کوئی اور بھی ہے دلیل اس کو لانی چاہیے جیسے حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری کسی عیسائی سے گفتگو ہوگئی، اب عیسائی تین خداؤں کے قائل ہیں تو مجھے کہتے ہیں تو دلیل پیش کر کہ خدا ایک ہے، میں نے کہا کہ مجھے دلیل پیش کرنے کی کیا ضرورت......؟ میں کہتا ہوں کہ میری جیب میں ایک روپیہ ہے اور تو کہتا ہے کہ میری جیب میں تین ہیں تو ایک تو نے مان لیا تو دو کا اور قول کرتا ہے تو ثبوت دے کہ دو اور کہاں سے آگئے؟ جتنا میں کہتا ہوں اتنا تو تو بھی مانتا ہے تو کچھ اور آگے منوانا چاہتا ہے اس لئے دلیل تو دے کہ ایک کے علاوہ اور بھی ہیں اس طرح یہاں یہ بات ہے کہ مشرک کے ذمہ ہے وہ دلیل لائے کہ اللہ کے علاوہ اور آلہہ بھی ہیں، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے علاوہ اور بھی ہیں تو دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان کے بڑوں کے پاس ہے، کیوں نہیں لاتے یہ اس پر واضح دلیل؟ جب دلیل ان کے پاس نہیں تو کتنا بڑا ظلم ہے، ایک میرا حق تلف کر دیا، ایک ہے آپ کا حق تلف کر دیا، یہ تو رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا حق تلف کرتے ہیں اور اس کے اوپر یہ افتراء کرتے ہیں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا؟ کون بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ کے اوپر جھوٹ تراشے یہ تو اپنی قوم پہ تبصرہ کیا کہ یہ قوم تو انتہائی گر گئی، یہ ظالم ہیں، یہ مفتری ہیں، یہ کذاب ہیں، انہوں نے جھوٹے نظریے بنالیے، بلا دلیل بنالیے اور ایک کو چھوڑ کر کتنے آلہہ بنالیے، سمجھانے کے باوجود سمجھتے نہیں، الٹا ہمیں یہ خراب کرنا چاہتے ہیں تو اب اس قوم میں رہنے کا فائدہ

نہیں ہے جس طرح انبیاء اور اولیاء کی سنت ہے کہ جس علاقہ میں رہتے ہوئے اپنے نظریہ کو بچا نہ سکیں اس علاقہ کو ہی چھوڑ دیتے ہیں، جس کو ہجرت کرنا کہتے ہیں تو ان پر بھی یہ موقع آ گیا کہ یہ بھی اپنے علاقہ کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اصحاب کہف کا غار نشین ہونا:۔

جب تم ان سے جدا ہو گئے، یہ تمہارے کچھ نہیں لگتے، موحد اور مشرک کی کوئی رشتہ داری نہیں، آپس میں کوئی تعلق نہیں، مسلمان کو اگر کوئی تعلق ہو سکتا ہے تو مسلمان سے ہی ہو سکتا ہے ان سے ہماری کوئی محبت نہیں، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں، جب تم ان سے جدا ہو گئے اور ان کے معبودوں سے جدا ہو گئے فَأْوٗا اِلَى الْكَهْفِ اب اس آبادی کو چھوڑ دو اور غار میں جا کے بیٹھ جاؤ غار نشین ہو جاؤ، خلوت میں چلے جاؤ، علیحدگی اختیار کر لو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلائے گا، وہ تمہارا کارساز ہے اور تمہارے امر سے نفع کی چیز بنائے گا، مہیا کرے گا، يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا، یہ وعدہ کے اوپر اعتماد ہے، جس طرح ہم سوچنے لگ جاتے ہیں کہ ماحول سارا اخلاف ہے، آخر ہم نے وقت گزارنا ہے، رشتہ داروں کو چھوڑ کے کہاں چلے جائیں، اگر ہم بازار والوں سے بنا کر نہیں رکھیں گے تو ہماری دوکان کیسے چلے گی؟ اگر ہم یہ طریقہ نہیں اپنائیں گے تو روٹی کہاں سے کھائیں گے اگر ہم ایسے نہیں بنیں گے تو ہمیں رشتہ کون دے گا؟ ہمارے لیے زندگی کے سارے دروازے ہی بند ہو جائیں گے، کمزور انسان اس طرح سوچنے لگ جاتا ہے اور اس سوچ میں جو پڑا رہ گیا تو گیا کیونکہ اس میں اس کے سامنے اپنی مجبوریاں آئیں گی اور جب وہ اپنے آپ کو مجبور سمجھنے لگے گا تو پھر وہ پھسل جائے گا اور انہوں نے سبق یہ ظاہر کیا کہ اللہ کی رحمت پر اعتماد کرو، تمہارے لیے ضرورت کی چیزیں اللہ مہیا کرے گا، اس قوم اور اس نظریہ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ان کو چھوڑ کے علیحدہ ہو جاؤ اور علیحدہ اپنی دنیا بسا لو......!۔

غار ہر قسم کی سہولیات سے آراستہ تھی:۔

پھر آگے کیا ہوا؟ جو غار تجویز ہو گئی تھی اس غار میں وہ چلے گئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ غار ایسی تھی کہ جس میں ان کے لئے ہر قسم کی راحت و آرام کا انتظام ہو گیا، جا کے لیٹے کچھ آرام کرنے کے لئے تو نیند طاری کر دی

اور سوئے ہوئے آدمی کو کوئی فکر ہی نہیں ہوتا کہ کیا ہو گیا؟ کیا نہیں ہوا؟ یعنی ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک طرح سے اس ماحول سے محفوظ کر لیا اور ان کے اوپر نیند طاری کر دی اور اس غار کا محل وقوع ایسا تھا کہ اس میں تازہ ہوا اور روشنی کا انتظام تو تھا لیکن دھوپ وغیرہ پہنچ کے تکلیف نہیں پہنچاتی تھی اس کا منہ یا شمال کی طرف تھا یا جنوب کی طرف اس لیے سورج چڑھتے وقت دھوپ ایک طرف رہ جاتی ہے اور غروب ہوتے ہوئے ایک طرف رہ جاتی ہے، دھوپ اندر نہیں جاتی تھی کہ ان کے لئے باعث تکلیف ہو اور اس غار کی کشادہ جگہ کے اندر وہ پڑے ہوئے تھے یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کیسے کیسے اسباب مہیا کر دیتے ہیں کیسی کیسی ان کے لئے صورتیں بنا دیتے ہیں باقی اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کے ہدایت حاصل کرنا یہ ہر کسی کا کام نہیں ہے، ہدایت اس کو حاصل ہوتی ہے جس کو اللہ توفیق دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو دھکا لگ جائے، اللہ کسی کو بھٹکا دے یعنی اسے سوچنے کی توفیق نہ ملے تو پھر کوئی دوسرا شخص نہیں جو اس کے لئے کارساز یا مرشد کا کام دے سکے، پھر اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

غار میں اصحاب کہف کا حال اور اللہ کی طرف سے حفاظت کی تدبیریں:۔

آگے ان کا ایک حال مذکور ہے کہ وہ جس وقت غار میں لیٹے ہوئے تھے تو اگر تو ان کو جھانک کے دیکھتا تو تجھے ایسے معلوم ہوتا جیسے جاگ رہے ہیں، اتنی لمبی نیند لیکن دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے کوئی مسافر چند منٹ کے لئے آرام کی غرض سے لیٹ گیا ہو تو ان کو بیدار سمجھتا حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ سوئے ہوئے میں اور بیدار میں فرق ہوتا ہے۔ جب آدمی سویا ہوا ہو تو ڈھیلا سا ہوتا ہے۔ ٹانگ اس کی کدھر کو جاتی ہے، ہاتھ اس کا کدھر کو جاتا ہے اور اس کو کچھ نہیں پتہ نہیں ہوتا بلکہ اس وقت سانس کی بھی ایک خاص رفتار ہوتی ہے اور جب آدمی بیدار ہوتا ہے تو بدن چست ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہوتا ہے اور سانس کا ایک اور انداز ہوتا ہے تو چارپائی پر ایک آدمی لیٹا ہوا ہو تو آپ اس کو دیکھ کے پہچان لیتے ہیں کہ یہ سویا ہوا ہے یا جاگ رہا ہے اور یہ ایسے طور پر سوئے تھے کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ جاگ رہے ہیں۔ اس میں ایک حفاظت کی تدبیر ہے کیونکہ جاگتے انسان کے پاس جلدی سے کوئی نقصان پہنچانے کے لئے نہیں جایا کرتا سوئے ہوئے کے پاس انسان چلا جاتا ہے اور پھر وہاں اللہ تعالیٰ نے ہیبت طاری کر دی کہ جو جائے اس کو ڈر لگتا، اندر کوئی نہیں جاتا تھا اور جاگتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اتو

جلدی سے کوئی جانور بھی قریب نہیں آتا اور ایک اور حفاظت کی تدبیر اللہ نے کی کہ جب وہ آبادی سے نکلے جارہے تھے تو ایک کتا ان کے ساتھ ہولیا، وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا گیا اور جیسے کتے کی عادت ہے کہ مکان کے دروازے کے سامنے بیٹھ جایا کرتا ہے وہاں جاکے بھی وہ غار کے دروازے کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بیٹھ گیا اور اس طرح نیند اس پر بھی طاری ہوگی اور جب کتا کسی دروازے کے سامنے بیٹھا ہوتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ تکلیف پہنچانے والے جانور اور اس قسم کی کوئی چیز آگے نہیں آتی، یہ بھی اللہ نے ایک حفاظت فرمادی لیکن کتے نے اولیاء اللہ کا ساتھ جو دیا تو اس کو یہ شرف حاصل ہوگیا کہ اس کا ذکر بھی قرآن میں آ گیا، اس کو بھی یہ عزت مل گئی باقی کتا رکھنے کی جو ممانعت ہے کہ جہاں کتا ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے یہ ہماری شریعت میں ہے اور پہلی شریعتوں میں شاید یہ ممانعت نہ ہو اور حفاظت ونگرانی کے لئے کتا رکھنے کی اجازت ہمارے ہاں بھی ہے۔ شوق کے ساتھ جو کتے پالتے ہیں یہ منع ہے۔ جس طرح آج کل انگریزوں یا ان کی مصنوعی نسل کا رویہ ہے کہ کار ہو تو ساتھ کتا ضرور ہو، کوٹھی، کار اور کتا یہ تین کاف ان کے لئے زندگی کا لازم ہیں کہ کوٹھی بنالی تو کار ضرور ہونی چاہیے، کار ہو تو کتا ساتھ تو ضرور ہو، یہ شوقیہ کتا ممنوع ہے جو پیار اور محبت کے ساتھ محض شوق سے رکھا جاتا ہے، اگر حفاظت اور نگرانی کے لئے رکھا جائے تو اس کی اجازت ہے اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں ممانعت نہ ہو اس لئے کتا جو سامنے بیٹھا تھا وہ بھی ان کے لئے مستقل حفاظت کا باعث بن گیا۔ تو گمان کرتا ہے ان کو بیدار حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم ان کو پلٹا دیتے ہیں دائیں طرف اور بائیں طرف یعنی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ پلٹا کھاتے رہتے ہیں جس طرح سویا ہوا آدمی کروٹیں بدلتا ہے تاکہ ایک پہلو پر لیٹے لیٹے اس پہلو کو نقصان نہ پہنچ جائے اس طرح ہم ان کو الٹ پلٹ کرتے ہیں اور ان کا کتا پھیلانے والا ہے اپنے بازو کو دہلیز پر یعنی غار کے سامنے، اے مخاطب! اگر تو ان کے اوپر اطلاع پاتا، اگر تو جھانکتا تو البتہ پیٹھ پھیرتا ان سے بھاگتے ہوئے اور البتہ بھر دیا جاتا تو ان کی طرف سے از روئے رعب کے یعنی اگر بالفرض آپ وہاں چلے جاتے اور جاکے دیکھتے تو وہاں اتنی ہیبت طاری تھی کہ وہاں انسان ٹھہر نہیں سکتا تھا، یہ مستقل حفاظت کی ایک تدبیر ہے کہ وہاں کوئی قریب نہ جاسکے اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے۔

سمر

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ

اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ وہ سوال کریں آپس میں کہا کہنے والے نے ان میں سے

لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا

تم کتنی مدت ٹھہرے ہو، انہوں نے کہا ہم ٹھہرے ہیں ایک دن یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ، انہوں نے کہا تمہارا رب

لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ

خوب جانتا ہے اس مدت کو جو تم ٹھہرے ہو پس بھیجو تم اپنے میں سے کسی ایک کو ان سکوں کے ساتھ شہر کی طرف پس وہ

اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

دیکھے کہ کون زیادہ پاکیزہ ہے از روئے کھانے کے پس وہ لائے تمہارے لیے اس سے کھانا اور چاہیے کہ وہ نرمی کرے اور نہ خبر کرے

بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ

تمہارے بارے میں کسی کو ﴿١٩﴾ بے شک وہ لوگ اگر وہ ظاہر ہوئے تم پر تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں لوٹا لیں گے

فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ

اپنے دین میں اور تم ہرگز کامیاب نہیں ہو گے ﴿٢٠﴾ اور اسی طرح ہم نے مطلع کر دیا ان پر

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ

تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں ہے جب

يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ

وہ لوگ جھگڑا کر رہے تھے آپس میں ان کے بارے میں تو انہوں نے کہا کہ بناؤ تم ان پر ایک عمارت ان کا رب

اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ

خوب جانتا ہے ان کو، کہا ان لوگوں نے جو غالب ہوئے ان کے معاملہ میں البتہ ہم ضرور بنائیں گے

مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ
ان پر مسجد ﴿۲۱﴾ عنقریب کہیں گے لوگ کہ یہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا، اور کچھ کہیں گے کہ یہ پانچ تھے چھٹا ان کا
كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ
کتا تھا بن دیکھے تیر چلاتے ہوئے اور کچھ کہیں گے کہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب
اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڣ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً
خوب جانتا ہے ان کی تعداد کو، ان کو نہیں جانتے مگر تھوڑے سے لوگ پس تو نہ بحث کر ان کے بارے میں مگر سرسری
ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع
سی بحث، اور نہ پوچھ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے ﴿۲۲﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ: اور ایسے ہی ہم نے ان کو اٹھایا، بَعَثَ اٹھانے کو کہتے ہیں بعث یہاں نیند کے بعد ہے بَعْثٌ بَعْدَ النوم جس طرح بعث بعد الموت ہے مرنے کے بعد اٹھانا تو یہ بعث بعد النوم ہے کہ ہم نے سونے کے بعد ان کو اٹھایا جس کو ہم اپنے محاورہ میں جگانے سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے ہی ہم نے ان کو جگا دیا، اٹھا دیا، ایسے ہی کا مطلب ہے کہ جس طرح ہم نے ان کو اپنی قدرت کے ساتھ سلایا تھا اسی طرح ہم نے ان کو اپنی قدرت کے ساتھ جگا دیا لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ تا کہ آپس میں وہ ایک دوسرے سے پوچھیں! تسائل ایک دوسرے سے پوچھنا، قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے كَمْ لَبِثْتُمْ تم کتنا ٹھہرے ہو؟ قَالُوْا دوسروں نے کہا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ، ہم ٹھہرے ہیں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ قَالُوْا کچھ اور بولے رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ اس میں ما مصدریہ ہے تمہارا رب خوب جانتا ہے تمہارے ٹھہرنے کی مدت کو۔ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ کا مطلب ہوگا اعلم بمدۃ لبثکم تمہارے ٹھہرنے کو تمہارا رب خوب جانتا ہے یعنی تمہارے ٹھہرنے کی مدت کو خوب جانتا ہے فَابْعَثُوْٓا

پس بھیجو تم! احدکم اپنے میں سے ایک کو بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ ، ورق کہتے ہیں چاندی کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس جو سکہ تھا وہ چاندی کا تھا تو ورق سے وہی سکہ مراد ہے جس طرح آج کل آپ کے نوٹ کاغذ کے ہیں تو اس سے قبل جب پاکستان نہیں بنا تھا میں نے اپنی چھوٹی عمر میں خالص چاندی کا روپیہ دیکھا ہے اور اس سے قبل مغلیہ دور میں سونے کا سکہ بھی ہوتا تھا اور چاندی کا بھی ہوتا تھا اور آپ جو فقہ کے اندر درھم اور دینار کا ذکر پڑھتے رہتے ہیں درہم چاندی کے ہوتے تھے اور دینار سونے کے ہوتے تھے تو ورق چاندی کو کہتے ہیں تو یہاں چاندی کا سکہ مراد ہے بھیجو تم اپنے میں سے ایک کو اپنی چاندی کے ساتھ، آج کے محاورہ میں ہم یوں کہیں گے کہ اپنے اس روپے کے ساتھ، اپنی نقدی کے ساتھ، اپنے اس سکے کے ساتھ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ شہر کی طرف، اس شہر سے وہی شہر مراد ہے جس سے نکل کے آئے تھے فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى پس چاہیے کہ وہ دیکھے غور کر کے ایھا کی ضمیر مدینہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس کے اوپر مضاف محذوف ہے ای اھلھا از کی کہ شہر والوں میں سے کونسا شخص اَزۡكٰى طَعَامًا ہے، حلال کھانے والا ہے، کونسا ایسا شخص ہے کہ جو زیادہ پاکیزہ ہے از روئے طعام کے یعنی کس کے پاس کھانا پاکیزہ اور حلال ہے، یہ خیال کرے فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ پھر وہ لے آئے تمہارے پاس رزق اس شخص سے یا اس طعام سے تمہارے لیے رزق لے آئے وَلۡيَتَلَطَّفۡ ،تلطف اچھی تدبیر اختیار کرنا، باریک بینی سے کام لینا، نرم رویہ اختیار کرنا، پھر چاہیے کہ وہ نرم رویہ اختیار کرے، خوش تدبیری کے ساتھ جائے وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا اور نہ اطلاع دے تمہارے متعلق کسی کو، کسی کو تمہارے متعلق نہ بتائے ایسے چھپ چھپا کے جائے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ یہ اسی جماعت میں سے ہے جو بادشاہ سے باغی ہو کر کہیں بھاگ گئے ہیں۔

اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ: بے شک وہ لوگ یعنی شہر والے اگر اطلاع پا گئے تم پر يَرۡجُمُوۡكُمۡ تو تمہیں سنگسار کر دیں گے، رَجَمَ يَرۡجُمُ پتھر مار مار کے مادینا، تمہیں سنگسار کر دیں گے، پتھر مار مار کے مار دیں گے اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ یا تمہیں لوٹا لیں گے فِىۡ مِلَّتِهِمۡ اپنے دین میں وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا، اذا کا معنی اگر وہ تمہیں لوٹانے میں کامیاب ہو گئے تب تم ہرگز کامیابی حاصل نہیں کر سکو گے۔

وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ: اور ایسے ہی ہم نے ان پر مطلع کر دیا، اعثر اطلاع دینا یعنی جس طرح ہم نے ان کو سلا دیا پھر جگایا ایسے ہی ہم نے ان پر مطلع کر دیا لِيَعۡلَمُوۡۤا تا کہ لوگ جان لیں اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ کہ اللہ کا وعدہ

سچا ہے وَّاَنَّ السَّاعَۃَ لَا رَیْبَ فِیْهَا اور اللہ کے وعدہ کی تفسیر یہ ہے کہ کہ بے شک قیامت اس کے آنے میں کوئی شک نہیں ریب شک اور تردد کو کہتے ہیں اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ جب کہ لوگ جھگڑ رہے تھے آپس میں اصحاب کھف کے معاملہ میں فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا تو کہنے لگے کہ بنادو ان کے اوپر کوئی عمارت ''بنیان'' عمارت کو کہتے ہیں بنیٰ یبنی بنانا، کہا انہوں نے کہ بنادو ان کے اوپر کوئی عمارت، رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ان کا رب خوب جانتا ہے ان کو، ان کے تفصیلی حالات اللہ جانتا ہے۔ اس بارے میں جھگڑا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بس یہاں ایک عمارت بناؤ یا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جب آپس میں جھگڑ رہے تھے تو ان کا ہر حال اللہ کے سامنے تھا، قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤی اَمْرِهِمْ کہا ان لوگوں نے جنہوں نے غلبہ پایا اپنے امر پر، جو اپنے امر پر غالب تھے اس سے اہل حکومت مراد ہیں لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا البتہ ہم ضرور بنائیں گے ان کے اوپر ایک مسجد، مسجد سے عبادت گاہ مراد ہے۔ جو اس وقت کے مذہب کے مطابق تھی۔ مسجد جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے ویسے تو آپ پڑھتے ہیں سَجَدَ یَسْجُدُ باب نصر سے اور امر کا صیغہ اُسْجُدْ آتا ہے تو ظرف کا صیغہ قاعدہ کے مطابق مَنْصَرٌ کے وزن پر مَسْجَدٌ ہونا چاہئے، مسجد سجدہ کرنے کی جگہ تو اگر لغوی معنی کے طور پر سجدہ گاہ مراد لی جائے تو اس کے لئے لفظ مَسْجَدْ ہی بولیں گے لیکن جب یہ عبادت خانہ کے معنی میں آتی ہے تو پھر جیم کے اوپر کسرہ آتا ہے۔

سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ: عنقریب لوگ کہیں گے کہ وہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا وَیَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ اور لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ چھٹا ان کا کتا تھا رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ یہ وہ لوگ ہیں جن کو کوئی نشانہ نظر نہیں آرہا اور پتھر مار رہے ہیں، بن دیکھے پتھر مارنا، یہ ان لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے جو لوگ اٹکل اور گمان کے ساتھ کرتے ہیں اور حقیقت حال کوئی واضح نہیں ہوتی تو اٹکل کے تیر چلانے کو رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ کہتے ہیں اور رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ کا معنی ہوگا کہ ان کی یہ سب باتیں اٹکل کے تیر ہیں، ان کے سامنے کوئی واضح نشانہ نہیں ہے وَیَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ اور لوگ کہیں گے کہ وہ سات تھے وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ اور آٹھواں ان کا کتا تھا قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ آپ کہہ دیجئے! کہ میرا رب خوب جانتا ہے ان کی گنتی کو مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ نہیں جانتے ان کو مگر تھوڑے سے لوگ، فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ان کے بارے میں آپ جھگڑا نہ کیجئے......! مگر ظاہری طور پر

جھگڑا، سرسری سی بحث، وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ اور نہ پوچھیے ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے، ان لوگوں میں سے آپ کسی سے ان کے بارے میں سوال نہ کریں۔

ماقبل سے ربط:۔

ان آیات میں اس واقعہ کی تکمیل ہے جو پیچھے سے چلا آ رہا ہے۔

اصحاب کہف کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم کے ساتھ ان کے اوپر نیند طاری کی اور وہ کتنی مدت تک ٹھہرے رہے اس کا ذکر اگلے رکوع میں آ رہا ہے وَلَبِثُوۡا فِىۡ كَهۡفِهِمۡ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيۡنَ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا کہ وہ اپنی غار میں تین سو نو سال تک ٹھہرے رہے اور اجمالی طور پر ذکر آپ کے سامنے پہلے رکوع میں آ گیا فَضَرَبۡنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنوں کا نہیں، سالوں کا حساب تھا اور اس کی تفسیر آگے آ رہی ہے اور اتنی دیر تک کسی شخص کو سلا دینا اور پھر وہ زندہ بھی رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ سویا ہوا آدمی مرا نہیں ہوتا، اس کے ظاہری حواس معطل ہوتے ہیں کہ اس کے کان کچھ سنتے نہیں۔ اس کی آنکھیں کچھ دیکھتی نہیں، دماغ کچھ سوچتا نہیں ورنہ جو اس کا باطنی حال ہوتا ہے وہ ساری مشینری ویسے ہی چل رہی ہوتی ہے، دل دھڑک رہا ہوتا ہے، معدہ اپنا کام کر رہا ہوتا ہے، آپ کھانا کھا کے سوتے ہیں اور سات آٹھ گھنٹے کے بعد جب اٹھتے ہیں تو بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے اور بسا اوقات عین نیند کی حالت میں آپ کو پیشاب کا تقاضہ ہو جاتا ہے اور کبھی عین نیند کی حالت میں پیاس اتنی شدت کے ساتھ لگتی ہے کہ آپ اٹھ کے پانی پیتے ہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ اندر کی مشینری ساری کی ساری چل رہی ہے کہ ایک وقت میں جا کے اس کا پانی بھی ختم ہوتا ہے تو آپ کو پیاس لگتی ہے اور فضلات دفع کرنے کا تقاضہ ہوتا ہے تو آپ کو پیشاب آتا ہے اور کھانا ہضم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تین سو نو سال تک بغیر کھانے اور بغیر پینے کے زندہ رکھا اور تین سو نو سال تک ان میں سے کسی کو نہ پیشاب آیا اور نہ کسی کو پیاس لگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک بہت بڑی نشانی ہے کہ وہ جب کسی کی حفاظت فرمانا چاہے تو بغیر کھانے پینے اور بغیر کسی دوسری چیز کے اتنی مدت تک اس کو زندہ رکھ سکتا ہے، یہ نہیں کہ انسان صرف روٹی سے زندہ ہے۔ اللہ کی قدرت

سے زندہ ہے، روٹی کھا کے بھی آدمی مر جاتا ہے اور بغیر کھانے کے بھی انسان زندہ رہ سکتا ہے تو جیسے اپنی قدرت کے ساتھ ان کو سلایا تھا ویسے ہی اپنی قدرت کے ساتھ ان کو اٹھایا کہ تر و تازہ اٹھ کے بیٹھ گئے۔

اٹھنے کے بعد اصحاب کہف کی آپس میں گفتگو اور ان کی صحیح تعداد:۔

جب وہ اٹھ کے بیٹھے تو پھر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہمیں یہاں لیٹے ہوئے کتنی مدت ہوگئی؟ اس لیے لِیَتَسَآءَلُوْا کے اوپر لام ہے بعض لوگوں نے اس کو لام عاقبت بنایا ہے، کہ اٹھنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے اٹھ کے آپس میں ایک دوسرے سوال کیا یا اٹھایا ہی اس لیے تاکہ ان میں اس قسم کی گفتگو ہو اور گفتگو ہونے کے بعد وہ آگے ایک مسئلہ کے طے ہونے کا ذریعہ بنے کہ ان کے سامنے بھی اللہ کی قدرت آ جائے۔ ان میں ایک بولا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو......؟ تو کچھ لوگ بولے کہ ایک دن ٹھہرے ہوں گے، یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ کوئی زیادہ مدت نہیں ٹھہرے، اب دیکھو! تین سو سال سونے کے بعد ان کا یہ حال ہے کچھ اور لوگ بولے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی مدت ٹھہرے، ان باتوں کو چھوڑو بھوک لگی ہوئی ہے روٹی کا انتظام کرو! یہ جھگڑا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ کتنی دیر ٹھہرے اور کتنی دیر نہیں ٹھہرے، کھانے کے لئے کچھ منگواؤ! اب تین سو سال تو بھوک لگی نہیں اور اٹھتے ہی بھوک کا احساس ہوگیا، اب یہاں جو لفظ آئے ہیں، یہ قَالَ قَآئِلٌ یہ تو ایک ہے اس میں تو کوئی شک نہیں اور آگے جو قَالُوْا لَبِثْنَا ہے یہ کم از کم تین ہونے چاہئیں تب جا کے تو جمع کا صیغہ آئے گا اور قَالُوْا رَبُّكُمْ میں بھی کم از کم تین ہونے چاہئیں تب جا کے جمع کا صیغہ آئے گا ان لفظوں سے بھی اشارہ نکلتا ہے کہ ان کی تعداد سات تھی لیکن یہ یقینی اور قطعی نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو پہلے قَالُوْا کا فاعل ہیں وہ دوسرے کا قَالُوْا کا فاعل نہیں بن سکتے، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے انہوں نے کہا ہو کہ دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں اور پھر وہی کہنے لگے کہ اس بحث کو چھوڑو کہ کتنی دیر ٹھہرے ہیں جلدی سے جلدی کھانے کا انتظام کرو بھوک لگی ہوئی ہے اس لیے یہ قطعی نہیں لیکن ظاہر کے مطابق ایسے ہی ہے کہ پہلا قائل علیحدہ اور دوسرے قالوا کے فاعل علیحدہ اور تیسرے قَالُوْا کے فاعل علیحدہ تو اس میں ان کی کم از کم تعداد سات ہی بنتی ہے اس لیے آگے جو تعداد کے بارے میں اختلاف آئے گا اس میں اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ وہ سات تھے تو قرآن کریم نے پہلے ثلاثۃ اور خمسۃ والا قول نقل کر کے کہا رجماً بالغیب کہ یہ تو انکل کے تیر ہیں، یہ تو یقیناً رد ہوگئے، یہ تو بالکل ہی ٹھیک نہیں ہے باقی

جو تیسرا قول نقل کیا وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اس پر ایسا لفظ نہیں بولا جس سے اس کی تردید ہوتی ہو اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کہا کہ ان کی صحیح تعداد بہت کم لوگوں کو معلوم ہے میں بھی ان تھوڑے لوگوں میں سے ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ وہ سات (۷) تھے ① تو یہاں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے چونکہ ان کو احساس نہ ہونے دیا اس لیے اتنی مدت گزرنے پر ان کو پتہ نہ چلا کہ ہم اتنی دیر ٹھہرے ہیں اور ایسی باتیں قرآن کریم میں دو جگہ اور بھی آتی ہیں۔ سورۃ بقرہ میں آپ کے سامنے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ گذر چکا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے سو سال تک موت دیئے رکھی اور جب اٹھے تو ان سے پوچھا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ تو انہوں نے بھی کہا تھا دن یا دن کا بعض حصہ اور ایسے سورۃ مؤمنون میں آئے گا کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے؟ تو وہ بھی ایسے ہی کہیں گے کہ دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں اتنی مدت گذرنے کا احساس ہی نہیں ہوگا تو رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ کا مطلب یہ ہوگیا کہ اس بحث میں نہ پڑو اللہ بہتر جانتا ہے جتنی دیر تم ٹھہرے ہو، اس بحث میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں بھیجو تم اپنے میں سے ایک کو اپنی چاندی کے ساتھ، اپنے اس سکہ کے ساتھ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کچھ پیسے موجود تھے۔ یہ طریقہ ہے کہ جب انسان چلتا ہے تو ساتھ زادراہ بھی لے لیتا ہے تو وہ بھی جاتے ہوئے کچھ ضرورت کی چیزیں ساتھ لے گئے تھے تو اپنے ان پیسوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ پیسے دے کے کسی کو بھیجو شہر کی طرف اور جو بھی جائے وہ اس بات کا خیال رکھے کہ کہ حلال کھانا لے کر آئے، وہ چونکہ سمجھتے تھے کہ وہی ماحول ہے، وہی حالات ہیں، بتوں کے ذبیحے عموماً بکتے تھے۔ عام طور پر لوگ کھاتے تھے تو خیال تھا کہ اب بھی ویسے ہی ہوگا تو جیسے پہلے ہم حلال طعام تلاش کرنے کی کوشش کرتے تھے اب بھی جو لے کر آئے وہ حلال کھانا ہی لے کر آئے حرام میں مبتلاء نہ ہو جانا، اپنی طرف سے پوری تحقیق کرے، جس کے پاس اچھے سے اچھا کھانا، پاکیزہ تر کھانا ملے وہاں سے لے کر آئے اور اسے چاہیے کہ وہ بہت نرم روش اختیار کرے۔ خوش تدبیری سے جائے، کوئی ایسا حیلہ اختیار کرے کہ کوئی نقصان نہ ہو، بچ بچا کے چلے، اسے نرمی اور خوش تدبیری اختیار کرنی چاہیے، آپ کے قرآن کریم کے حاشیہ میں لکھا

① روح المعانی ج ۱۵ص ۲۸۰

ہوا ہو گا کہ وَلْيَتَلَطَّفْ پر قرآن کریم نصف ہو جاتا ہے حروف کے اعتبار سے یعنی قرآن کریم میں جتنے حروف ہیں ان کے اعتبار سے یہاں قرآن کریم نصف ہو جاتا ہے وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا اور تمہارے متعلق کسی کو خبر نہ ہونے دے یعنی کوئی پہچان نہ سکے کہ یہ اسی جماعت کا فرد ہے۔

یہ تدبیر کیوں اختیار کی جائے......؟ کیونکہ اگر ان لوگوں کو پتہ چل گیا تو ہم تو ان کے باغی ہیں اور ان سے علیحدہ ہو گئے اگر وہ تم پر اطلاع پا گئے تو تمہیں پکڑ لیں گے اور پھر یا تو پتھر مار مار کے مار دیں گے یا تمہیں مجبور کر کے اپنے دین کی طرف لوٹائیں گے اور اگر تم ان کے دین کی طرف لوٹ گئے تو کامیابی کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا تب تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

لوگوں کا اصحاب کہف پر مطلع ہونا:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ ، انہوں نے تو چھپنے کی بہت کوشش کی لیکن جس طرح اپنی قدرت سے ہم نے ان کو غار میں سلایا تھا اور پھر وقت پر ان کو اٹھایا ہم نے اسی طرح لوگوں کو ان پر مطلع بھی کر دیا، مطلع کس طرح ہو گئے......؟ واقعہ کی تفصیل لکھی ہے کہ جس وقت وہ شخص بازار میں گیا تو جا کے دیکھتا ہے کہ یہ تو شہر بدل ہوا ہے۔ اب تین سو سال میں کتنے تغیرات ہو جاتے ہیں، حکومتیں بدل گئیں، اب وہاں اہل حق کی حکومت تھی، بت پرستوں کا دور ختم ہو گیا تھا۔ وہ بازار نہیں، وہ دکانیں نہیں، وہ حالات نہیں، تو اس نے ڈرتے ڈرتے ہوئے جا کے کسی دکاندار کے سامنے وہ پیسے پیش کیے کہ یہ چیز دیدو! تو وہ دیکھتا ہے کہ یہ تو سکہ ہی کوئی اور ہے، یہ تو ہمارے ملک کا سکہ ہی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کوئی دفن شدہ خزانہ مل گیا ہے۔ بات شروع ہوئی تو دوسرے لوگ بھی اکٹھے ہو گئے اور آہستہ آہستہ سارے شہر میں بات پھیل گئی۔ بادشاہ کو پتہ چل گیا تو اس کو بلایا گیا تو چونکہ اجمالی طور پر تذکرہ چلا آرہا تھا کہ کچھ نوجوان اہل حق تھے۔ جو حکومت کے ساتھ ٹکرائے پھر بعد میں پتہ نہیں کہاں چلے گئے اور ان کے کچھ حالات لکھ کے بھی رکھے ہوئے تھے جس کی بناء پر میں نے عرض کیا تھا کہ رقیم سے وہ لوح مراد اور اصحاب الرقیم سے وہ لوح والے مراد ہیں تو بادشاہ نے ان کی مسل منگوائی ہو گی جو لکھ کے رکھی ہوئی تھی تو حالات کا پتہ چل گیا اور پکڑے گئے اور ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں غار میں ہیں اور چونکہ اب حکومت ان کے حق میں تھی اس لیے بتانے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا تو اس نے بھی بتا دیا ہو گا کہ میرے ساتھی اس غار میں ہیں۔

اصحاب کہف کے اٹھنے میں اللہ کی حکمت:۔

اور اس وقت ان کا ظاہر ہونا ایک اور وجہ سے مفید ثابت ہوا کہ اب بحث چل رہی تھی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی......تو لوگ اشکال کرتے تھے کہ کیسے ہوگا؟ کہ انسان اتنی مدت تک مرا رہے اور پھر اس کو اٹھا دیا جائے، پھر اس کا بدن ویسے ہی بن جائے اتنی مدت میں تو اس کو کیڑے کھا جائیں گے۔ وہ تو ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اور اہل حق کہتے تھے کہ اللہ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ذرات کو بھی محفوظ رکھ سکتے ہیں جب چاہیں گے دوبارہ بنا دیں گے۔ اس قسم کے جھگڑے اس وقت بعث بعد الموت کے متعلق چلے ہوئے تھے۔ قیامت کے بارے میں لوگ اختلافات کا شکار تھے اور یہ جو واقعہ سامنے آ گیا تو اس میں اہل حق کی تائید ہوگئی کہ اللہ کی قدرت کتنی محیط ہے کہ اللہ چاہے تو برسہا برس تک اسی طرح محفوظ رکھ سکتا ہے اور کوئی ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہونے دے تو اس سے اس مسئلہ کی تائید ہوگئی کیونکہ سونے کے بعد جی اٹھنا یہ بھی موت کے بعد جی اٹھنے کے برابر ہے خاص طور پر اتنے برس سونے کے بعد تو اہل حق کے لئے یہ واقعہ تائید کا ذریعہ بن گیا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ ہم نے ان کے اوپر مطلع کر دیا تا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اللہ کے وعدہ سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ قیامت ضرور آئے گی اور اس دن اللہ تعالیٰ ان مردوں کو ضرور اٹھائے گا۔

اب وہ بن گئے اس قوم کے بزرگ، اولیاء اللہ کہتے ہیں کہ ملاقات ہونے کے بعد وہ پھر غار میں چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ جب انتقال ہو گیا تو قوم میں بحث چلی کہ ان کی کوئی یادگار بنانی چاہیے۔ بعض لوگوں نے کچھ اور عمارت کا مشورہ دیا لیکن جو اہل حکومت تھے۔ جو اپنے معاملہ میں غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو یہاں مسجد بنائیں گے۔ مسجد بنانے میں ایک حکمت یہ ہوگی کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ یہ لوگ عبادت گزار تھے تا کہ آنے والے دور میں لوگ ان کو معبود نہ بنالیں۔

اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق مختلف آراء:۔

اب ان کی تعداد کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ تعداد کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ قرآن اس کو قطعی طور پر طے کرے کہ وہ تین ہوں، پانچ ہوں، سات ہوں، یا زیادہ ہوں جس مقصد کے لئے

اس واقعہ کو ذکر کیا جا رہا ہے اس میں ان کی تعداد سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کی قدرت ہر حال میں نمایاں ہے تعداد چاہے کتنی ہو تو لوگ کہیں گے کہ وہ تو تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا، کوئی کہیں گے پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ سب بے دیکھے نشانے لگا رہے ہیں، سب انکل کے تیر چلا رہے ہیں اور ان کے سامنے کوئی تحقیقی بات نہیں ہے اور کچھ کہیں گے یہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اس کے بعد کوئی تردید نہیں کی۔ آپ کہہ دیجئے! کہ میرا رب ان کی گنتی کو بہتر جانتا ہے اور نہیں جانتے مگر تھوڑے سے لوگ...... مفسرین کا رجحان زیادہ تر ادھر ہی ہے کہ سبعۃ والی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کے بعد اس کی تردید نہیں کی گئی تھی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اصحاب کہف کے ناموں کی برکت:۔

اور یہ حضرات جو تعویذ گنڈے کرتے ہیں ان کے ہاں یہ مروج ہے۔ کتابوں میں اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے ہیں اور یہ تجربہ ہے۔ ہمارے بزرگوں میں بھی یہ معمول ہے۔ بہشتی زیور میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ تعویز لکھا ہے کہ اصحاب کہف کے نام لکھ کر اگر کسی مکان میں لٹکا دیے جائیں تو اس مکان پر جنات کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ مکان جنات کے اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور جہاں اس قسم کے اثرات ہیں تو ان کو جو تعویذ دیتے ہیں اس میں اصحاب کہف کے نام لکھے ہوتے ہیں۔

تتمہ:۔

یہ کتا ان کے ساتھ مل گیا تھا دیکھو! اس کا بھی قرآن میں بار بار ذکر آ رہا ہے تو اس کو یہ شرف حاصل ہو گیا کہ ان کے ساتھ ملا تو اللہ کی کتاب میں اس کا ذکر آ گیا۔ صحبت سے اس کو یہ شرف حاصل ہو گیا، فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو ضروری باتیں تھیں وہ ہم نے بتا دیں اب غیر ضروری باتوں میں لوگوں سے جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جو حق تھا ہم نے ظاہر کر دیا اب دوسرے لوگ جو اس کے خلاف واقعہ بیان کرتے تھے ان کی تردید ہو گئی تو یہ سرسری سی بحث ہو گئی کہ آپ ان کے خیالات کی تردید کے لئے یہ واقعہ پڑھ کے سنا دیجئے! بس اتنی سی بحث کیجئے! باقی اگر وہ فضول آپ سے جھگڑنا چاہیں اور بحث کرنا چاہیں تو کوئی ضرورت نہیں ہے حق ہم نے واضح کر دیا۔ ضروری ضروری واقعات بیان کر دیئے اب بحث مباحثہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ان کے بارے میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ اہم باتیں ہم نے بتا دیں۔ غیر اہم باتوں کے پیچھے نہ پڑو۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْ

اور تو نہ کہا کر کسی چیز کے بارے میں کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل ﴿۲۳﴾ مگر یہ کہ جو اللہ چاہے اور تو یاد کر

كُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا

اپنے رب کو جب تو بھول جائے اور تو کہہ دے قریب ہے کہ راہنمائی کرے میری میرا رب اس چیز کی جو زیادہ قریب ہے

رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

اس سے از روئے ہدایت کے ﴿۲۴﴾ اور وہ لوگ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور مزید گزر گئے نو سال ﴿۲۵﴾

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ

آپ کہہ دیجئے اللہ خوب جانتا ہے اس مدت کو جو وہ ٹھہرے اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم ہے وہ کیا ہی خوب

وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۡ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

دیکھنے والا اور کیا ہی خوب سننے والا ہے، نہیں ہے ان کیلئے اس کے علاوہ کوئی مددگار اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو ﴿۲۶﴾

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ

آپ تلاوت کیجئے جو وحی کی گئی آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب سے، کوئی تبدیل کرنے والا نہیں اس کے کلمات کو

مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

اور تو ہرگز نہیں پائے گا اس کے علاوہ کوئی پناہ کی جگہ ﴿۲۷﴾ اور تو روک کے رکھ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ

صبح اور شام وہ ارادہ کرتے ہیں اس کی رضا کا اور تو نہ پھیر اپنی آنکھیں ان سے کہ تو ارادہ کرے دنیا کی زندگی کی زینت کا

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

اور تو اطاعت نہ کر اس کی جس کے دل کو ہم نے غافل کر دیا اپنی یاد سے اور وہ پیچھے لگ گیا اپنی خواہش کے

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ

اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو شخص چاہے مؤمن

وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ

ہو جائے اور جو شخص چاہے کفر اختیار کرے بے شک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کیلئے آگ گھیرے ہوئے ہوں گی انہیں اس کی دیواریں

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ

اور اگر وہ مدد طلب کریں گے تو ان کی مدد کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا جو بھون دے گا چہروں کو وہ پینے کی بری چیز ہے

وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

اور وہ دوزخ بری جگہ ہے آرام کیلئے ﴿۲۹﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے بیشک ہم ضائع نہیں کرتے

مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ

اس کا اجر جو اچھے کام کرے ﴿۳۰﴾ یہی لوگ ہیں ان کیلئے ہمیشگی کے باغات ہیں جاری ہوں گی جن کے نیچے سے

الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا

نہریں پہنائے جائیں گے وہ ان میں زیور سونے کے اور وہ پہنیں گے لباس

خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ

سندس اور استبرق کے، تکیہ لگانے والے ہوں گے ان میں تختوں پر، یہ اچھا بدلہ ہے

الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

اور اچھی آرام کی جگہ ہے ﴿۳۱﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا: ہرگز نہ کہا کر کسی چیز کے متعلق کہ میں اس کو کرنے والا ہوں کل۔ غداً آنے والے کل کو کہتے ہیں اور اس سے مراد ہوتا ہے مستقبل کا زمانہ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ یہاں ان مصدریہ ہے لفظی معنی بنتا ہے مگر چاہنا اللہ کا لیکن ترکیب اس کی اس طرح بنے گی اِلَّا قولاً متلبساً بمشیۃ اللّٰہ نہ کہا کر مگر ایسا کہنا جو اللہ کی مشیت کے ساتھ لگا ہوا ہو یعنی جب بھی کہو تو یوں کہو کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں یوں کر دوں گا۔ میں یہ کام کروں گا ان شاء اللہ، اللہ کی مشیت کے ساتھ جوڑ کے بات کیا کرو! وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ اور یاد کر تو اپنے رب کو جب تو بھول جائے وَقُلْ اور کہہ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ، عسیٰ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ امید ہے کہ راہنمائی کرے گا میری میرا رب لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا اس سے زیادہ قریب کی رَشَدًا، رشد کا معنی ہے درستگی، بھلائی، لِاَقْرَبَ رَشَدًا جو زیادہ قریب ہوگا از روئے درستگی کے، زیادہ قریب ہوگا از روئے بھلائی کے، هٰذَا کا اشارہ ہے اصحاب کہف کے واقعہ کی طرف۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ: لَبِثَ یَلْبَثُ، ٹھہرنا، ٹھہرے وہ اپنے غار میں ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ تین سو سال وَازْدَادُوْا تِسْعًا اور بڑھائے انہوں نے نو سال، زیادہ ہو گئے وہ از روئے نو کے۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا: بِمَا لَبِثُوْا میں ما مصدریہ ہے۔ آپ کہہ دیجئے! کہ اللہ خوب جانتا ہے ان کے ٹھہرنے کو یعنی ان کے ٹھہرنے کی مدت کو۔ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اسی کے لئے ہے آسمان اور زمین کا غیب۔ غیب مصدر ہے غَابَ یَغِیْبُ سے غیب چھپنے کو کہتے ہیں اور یہ مصدر بول کر مغیبات مراد ہوتی ہیں۔ زمین و آسمان کی سب چھپی ہوئی چیزیں اسی کے لئے ہیں۔ زمین و آسمان کے بھید اسی کے لئے ہیں۔ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ، اَبْصِرْ بہ یہ فعل تعجب ہے۔ آپ نے نحو میں فعل تعجب کے دو صیغے پڑھے ہیں، ما احسن زیداً احسن بزید، ما افعلہ وافعل بہ یہ دو صیغے فعل تعجب کے طور پر آیا کرتے ہیں اور فعل تعجب کا معنی ہوتا ہے ما احسن زیداً، زید کتنا ہی خوبصورت ہے تعجب کا اظہار یوں ہوتا ہے۔ اگرچہ ترکیب کرتے وقت اس طرح کریں ای شئی

احسن زیداً لیکن تعجب کا معنی یوں ہوتا ہے کہ زید کتنا خوبصورت ہے۔ اور یہی معنی ہوتا ہے۔ احسن بزید کا۔ احسن اگرچہ ظاہری طور پر امر کا صیغہ ہے لیکن یہاں یہ فعل تعجب کے طور پر استعمال ہو رہا ہے تو اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ یہاں یہ دونوں صیغے فعل تعجب کے ہیں اور بہ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے جیسے احسن بزید کا معنی تھا کہ زید کتنا خوبصورت ہے اسی طرح یہاں معنی ہوگا کہ وہ اللہ کتنا اچھا دیکھنے والا ہے کتنا اچھا سننے والا ہے، کیا خوب دیکھنے والا ہے اور کیا خوب سننے والا ہے، مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ نہیں ہے ان لوگوں کے لئے اللہ کے علاوہ کوئی یار وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا اور نہیں شریک کرتا وہ اللہ اپنے فیصلہ میں کسی کو۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ: اتل یہ امر کا صیغہ ہے تلاوت کرنا، پڑھنا، تو پڑھ جو کچھ وحی کیا گیا ہے تیری طرف مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ تیرے رب کی کتاب سے، مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ یہ ما کا بیان ہے تو جب اس کو اس کے ساتھ جوڑ لو گے تو ترجمہ یوں ہوگا تیرے رب کی جو کتاب تیری طرف وحی کی گئی اس کو پڑھتا رہ۔ یہ امر گویا کہ دوام کے لئے ہے پڑھتا رہ اپنے رب کی کتاب کو جو تیری طرف وحی کی گئی ہے۔ لا مبدل لکلماتہ لانفی جنس کے لئے ہے۔ کوئی بدلنے والا نہیں اللہ کی باتوں کو۔ اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ہرگز نہیں پائے گا تو اس اللہ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ۔ التحاد لحد سے لیا گیا ہے اور لحد ایک جانب ہٹنے کو کہتے ہیں اور ملحد اسی شخص کو کہا جاتا ہے جو سیدھا راستہ چھوڑ کے ایک طرف کو ہٹ جائے اور قبر کی جو لحد ہے اسے بھی اسی لیے لحد کہتے ہیں کہ وہ ایک طرف کو کھودی ہوئی ہوتی ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ: روک کے رکھ اپنے نفس کو، صبر اصل کے اعتبار سے حبس اور روکنے کو کہتے ہیں، پابند رکھ اپنے آپ کو...... روک کے رکھ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، غداۃ صبح اور عشی شام کو کہتے ہیں۔ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ، چاہتے ہیں وہ اس کی رضا لفظی ترجمہ ہے کہ وہ ارادہ کرتے ہیں اس رب کے چہرہ کا اور اس سے مراد ہوتا ہے کہ اس کی رضا چاہتے ہیں ارادہ کرتے ہیں وہ اللہ کی رضا کا جیسے آپ کہا کرتے ہیں کہ میں نے یہ کام لوجہ اللہ کیا ہے تو وہاں مطلب یہی ہوتا ہے کہ میں نے اللہ کی ذات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کام کیا ہے۔ میرا کوئی اور مقصود نہیں ہے۔ تو اللہ کی ذات کو سامنے رکھتے ہوئے کام کرنا۔ یعنی اللہ کو راضی کرنے کے لئے کام کرنا ارادہ کرتے ہیں وہ اللہ کی رضا کا وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ، تعد یہ عدیٰ یعدو سے ہے

تجاوز کرنا، عَيْنٰكَ یہ لَا تَعْدُ کا فاعل ہے نہ بڑھیں تیری آنکھیں نہ تجاوز کریں تیری آنکھیں ان لوگوں سے تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ جملہ حال ہے اس حال میں کہ تو ارادہ کرتا ہو دنیوی زندگی کی زیب و زینت کا چاہتا ہو تو دنیوی زندگی کی زینت کو وَلَا تُطِعْ اور تو اطاعت نہ کر کہنا نہ مان مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ اس شخص کا جس کے دل کو ہم نے غافل کر دیا عَنْ ذِكْرِنَا اپنی یاد سے وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور وہ پیچھے لگ گیا اپنی خواہش کے وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا اور ہے اس کا کام حد سے بڑھا ہوا فرط اس کام کہا جاتا ہے جو اعتدال پر نہ ہو جو اعتدال سے نکل جائے بے اعتدالی میں آ جائے حد سے بڑھا ہوا اس کا امر حد سے بڑھا ہوا ہے اور اگر اس کو مصدر کے معنی میں لے لیں تو پھر معنی ہوگا ہے اس کا کام حد سے بڑھنا یعنی اس شخص کا کام ہے کہ وہ حد سے بڑھتا ہے حدود سے تجاوز کرتا ہے حد پر نہیں رہتا۔

وَقُلِ الْحَقُّ: واقعہ اور سچی بات جو واقعہ کے مطابق ہے وہ تمہارے رب کی طرف سے ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ جو کوئی شخص چاہے ایمان لائے وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اور جو چاہے کفر کرے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا بے شک ہم نے تیار کیا ہے ظالموں کے لئے آگ کو، اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا، احاطہ کرلیں گے ان لوگوں کو اس آگ کی قناتیں، یعنی آگ کے پردے ان کو گھیرے ہوئے ہوں گے جس سے وہ نکل نہیں سکیں گے۔ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا استغاثہ مدد طلب کرنا اگر وہ فریاد کریں گے اگر وہ غوث طلب کریں گے اگر وہ مدد طلب کریں گے تو مدد دیئے جائیں گے، اگر وہ فریاد رسی کریں گے، تو فریاد رسی کیے جائیں گے، بِمَآءٍ ایسے پانی کے ساتھ كَالْمُهْلِ جو مہل کی طرح ہوگا۔ مہل پگھلے ہوئے تانبے کو بھی کہتے ہیں اور تیل کے نیچے جو میل کچیل بیٹھی ہوتی ہے اس کو بھی کہتے ہیں جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا یا تلچھٹ کی طرح ہوگا يَشْوِى الْوُجُوْهَ بھون دے گا چہروں کو، شوی یشوی بھوننا، بھون دے گا چہروں کو بِئْسَ الشَّرَابُ برا ہے وہ پانی شراب پینے کی چیز کو کہتے ہیں اور اس سے پانی مراد ہے برا ہے وہ پانی وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا اور بری ہے وہ آگ از روئے آرام گاہ کے مرتفق اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان سہارا لیتا ہے، آرام کرتا ہے، یہ جہنم جوان کو آرام کیلئے ملے گی بہت بری جگہ ہے بری ہے وہ جگہ از روئے آرام گاہ کے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کرتے ہیں اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا بے شک ہم نہیں ضائع کرتے اس شخص کے اجر کو جو اچھا عمل کرے جو اچھا عمل کرے ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

اُولٰٓئِکَ لَھُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ: یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے ہیشگی کے باغات ہیں تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھِمُ الۡاَنۡھٰرُ جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں یُحَلَّوۡنَ فِیۡھَا، حلّٰی یُحلی، آراستہ کرنا، زیور پہنانا، حلیۃ زیور کو کہتے ہیں، پہنائے جائیں گے وہ ان باغات میں مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَھَبٍ اساور کنگن اور ذھب سونا، پہنائے جائیں گے وہ ان باغات میں کنگن سونے کے وَّیَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا اور پہنیں گے وہ کپڑے خُضۡرًا سبز رنگ کے مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ سندس کہتے ہیں باریک ریشم کو اور استبرق کہتے ہیں موٹے ریشم کو متکئین فیھا اتکاء ٹیک لگا کے بیٹھنا۔ ٹیک لگا کے بیٹھنے والے ہوں گے۔ تکیہ لگانے والے ہوں گے ان باغات میں عَلَی الۡاَرَآئِکِ، ارائک اریکۃ کی جمع ہے اریکۃ کا معنٰی ہے مزین تخت آراستہ تخت، مزین تخت پر تکیہ لگانے والے ہوں گے نِعۡمَ الثَّوَابُ یہ بہت اچھا بدلہ ہے وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا اور وہ جنت بہت خوبصورت ہے از روئے آرام کی جگہ کے۔

ماقبل سے ربط:۔

اصحاب کہف کا واقعہ چلا آرہا تھا اور پچھلی آیتوں میں ذکر کیا گیا تھا کہ ان کی تعداد کے بارے میں لوگوں کو اختلاف ہے کوئی تین کہتا ہے اور چوتھا ان کا کتا قرار دیتا ہے۔ کوئی پانچ کہتا ہے اور چھٹا ان کا کتا قرار دیتا ہے۔ یہ سب بے تحقیق باتیں ہیں۔ یہ اٹکل کے تیر ہیں۔ بن دیکھے یہ پتھر پھینکتے ہیں جو نشان پر لگنے والا نہیں ہے اور بعض کہتے ہین کہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے اور اس کے بعد تردید نہیں ہے تو راجح یہی قرر دیا گیا تھا کہ ان کی تعداد سات ہے اور پھر منع کر دیا گیا تھا کہ اللہ کی بیان کردہ تعداد پر ہی بس اعتماد کریں کسی کے ساتھ جھگڑنے کی کوشش نہ کی کریں۔ سرسری سری بحث تو ہوگئی ان کے خیالات کی تردید ہوگئی بس اب آگے ان کے ٹھہرنے کی مدت کا ذکر آرہا ہے کہ وہ اپنی غار کے اندر تین سو سال ٹھہرے۔

اصحاب کہف کے غار میں مدت قیام کے متعلق مفسرین کی آراء:۔

اب یہ جو ٹھہرنے کی مدت ذکر کی گئی ہے اس میں مفسرین کی دونوں رائیں ہیں بعض کہتے ہیں کہ جس طرح پیچھے تعداد کے متعلق ذکر کیا گیا کہ یہ لوگوں کے اقوال ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں دیا کہ ان کی تعداد کتنی تھی اگر چہ اشارہ نکلتا ہے اس طرح آگے ان کے ٹھہرنے کی مدت کا ذکر جو آرہا ہے وہ اپنی غار کے اندر تین سونو

سال ٹھہرے یہ بھی یعولون کا مقولہ ہے کہ لوگ یوں کہتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ تین سو نو سال ٹھہرے۔ آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے...... کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو اللہ خوب جانتا ہے گویا کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کے ساتھ بھی قرآن کریم نے صراحتاً تعارض نہیں کیا بعض حضرات نے یہ تفصیل بھی کی ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک اثر اسی طرح نقل کیا گیا ہے کہ لبثوا یہ اللہ کی طرف سے خبر نہیں بلکہ یہ بھی ان لوگوں کا مقولہ نقل کیا جا رہا ہے کہ لوگوں میں اس طرح مشہور ہے۔

لیکن جمہور مفسرین اس طرف ہیں کہ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ وہ اپنی غار کے اندر تین سو اور نو کو علیحدہ کر کے ذکر کر دیا کہ انہوں نے نو کا اضافہ کر دیا کہتے ہیں اگر شمسی مہینوں کی رعایت رکھی جائے تو تین سو سال اور اگر قمری مہینوں کی رعایت رکھی جائے تو نو سال اوپر ہیں، یہ مسئلہ آپ جانتے ہیں کہ جو سال شمسی مہینوں سے بنتا ہے یہ سال قمری مہینوں کے مقابلہ میں گیارہ دن لمبا ہے اور قمری سال اس کے مقابلہ میں گیارہ دن چھوٹا ہے یہی وجہ ہے کہ چاند کے مہینے بدلتے رہتے ہیں گرمیوں اور سردیوں میں۔ تین سال کے بعد یہ ایک مہینہ سے نکل جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ چاند کا سال چھوٹا ہے اور سورج کا سال بڑا ہے اور تقریباً تینتیس سال کے بعد ایک سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ جس وقت سورج کے مہینوں کے ساتھ تینتیس سال پورے ہوں گے چاند کے مہینوں کے ساتھ چونتیس سال پورے ہو چکے ہوں گے تو سو سال کے اندر تین کا اضافہ ہو گیا اور تین سو سال کے اندر نو کا اضافہ ہو جائے گا کسر کو حذف کر کے یعنی کچھ دنوں اور مہینوں کا فرق پڑے گا لیکن اگر کسر کا اعتبار نہ کیا جائے تو سو سال میں تین سال کا فرق پڑ گیا تو قمری مہینوں سے حساب کریں تو تین سو نو بن جاتے ہیں اور بعض حضرات یوں کہتے ہیں کہ اصل میں تین سو سال تو وہ ٹھہرے اس مدت میں جس میں وہ چھپے ہوئے تھے اور لوگوں کو پتہ نہیں تھا اور تین سو سال کے بعد ان کے اوپر اطلاع ہو گئی جس کا واقعہ آپ کے سامنے آیا کہ وہ کھانا لینے گئے اور پہچانے گئے اور لوگوں کے اطلاع پانے کے بعد پھر ان کا قیام اپنی غار کے اندر نو سال رہا تو چونکہ مدتوں میں یہ فرق آ گیا کہ پہلا تین سو سال ٹھہرنا تو تھا چھپنے کی حالت میں۔ جب لوگوں کو پتہ نہیں تھا اور نو سال بعد میں رہے اس کے بعد پھر ان کی وفات ہو گئی اس لیے دونوں عددوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ذکر کر دیا۔

واقعہ ذکر کرنے کا مقصد:۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی گئی ہے اور اس خبر دینے میں یہ بات نمایاں کرنی مقصود ہے کہ دیکھو! جو لوگ اللہ پر اعتماد کرتے ہیں اور اللہ کے دین کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کس طرح ان کو غیبی مدد دیتا ہے؟ کس طرح دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے؟ اور ان کا اچھا انجام کس طرح سامنے آتا ہے؟ اس واقعہ کے ضمن میں یہ باتیں نمایاں ہوتی ہیں اور بعث بعد الموت کے لئے بھی یہ واقعہ دلیل بن گیا۔

شانِ نزول:۔

درمیان میں حضور ﷺ کو ایک نصیحت کی گئی ہے اور اس نصیحت کا شان نزول یہ ذکر کیا گیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ سے جب لوگوں نے یہ واقعہ پوچھا تھا تو آپ نے اس اعتماد پر کہ اللہ کی طرف سے اطلاع آ جائے گی وعدہ کر لیا کہ میں اس کا جواب کل دوں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی میں تاخیر ہو گئی جس کی بناء پر آپ کو بہت پریشانی ہوئی۔ پندرہ دن کے بعد یہ آیات اتریں جس میں آئندہ کے لئے یہ نصیحت کر دی گئی کہ کبھی اس طرح وعدہ نہ کرو جس سے معلوم ہو کہ کچھ آپ کے اختیار میں ہے یا آپ یوں کر سکتے ہیں بلکہ آنے والے وقت کے متعلق جب بھی بات کرو اللہ کی مشیت کے ساتھ ذکر کرو کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں ایسا کر دوں گا اور گفتگو سے معلوم ہو کہ انسان کے اپنے اختیار میں کچھ نہیں اللہ کی طرف سے توفیق ہو گی تو کام ہو جائیگا ورنہ نہیں۔

دورانِ کلام ان شاء اللہ کہنے کے مسائل:۔

اس لیے کلام کے اندر برکت کے طور پر ان شاء اللہ کہنا مستحب ہے اور جس وقت انسان ان شاء اللہ کہتا ہے تو گویا کہ اپنے آپ کو بے اختیار ظاہر کرتا ہوا ہر کام کا مدار اللہ کی مشیت پر رکھتا ہے کہ میرے بس میں کچھ نہیں اللہ چاہے گا تو یوں ہو جائے گا اگر اللہ نے نہ چاہا تو نہیں ہوگا اور اگر کلام کرتے وقت، بات کرتے وقت کہنا یاد نہیں رہا نسیان طاری ہو گیا تو جب یاد آئے اسی وقت کہہ لو تا کہ پہلے کا تدارک ہو جائے لیکن یہ ان شاء اللہ جو برکت کیلئے کہتا ہے وہ تو بعد میں بھی کہا جا سکتا ہے اور ایک ان شاء اللہ تعلیق کے لئے ہوتا ہے جیسے قسم کھاتے ہوئے اور طلاق دیتے ہوئے ان شاء اللہ کہہ لیا جائے تو قسم اور طلاق واقع نہیں ہوتی وہ کلام کے ساتھ متصل ہونا ضروری ہے وہاں فصل

جائز نہیں ہے کہ اگر کسی نے ایک دفعہ بیوی کو کہہ دیا اور پھر بعد میں دیر کے ساتھ ان شاء اللہ کہتا ہے تو اس کا اثر نہیں پڑے گا ہاں البتہ جو برکت کے طور پر کہا جاتا ہے وہ بعد میں بھی کہا جا سکتا ہے اگر بات کرتے وقت آپ کو یاد نہیں رہا تو جب دھیان جائے تو اسی وقت ان شاء اللہ کہہ دینا چاہیے۔

قرآنی واقعات دلائل النبوۃ ہیں:۔

مشرکین مکہ نے چونکہ حضور ﷺ پر سوال کیا تھا اور اس واقعہ کو نبوت کے امتحان کے طور پر پوچھنا چاہتے تھے تو آپ کو فرما دیا گیا کہ آپ انہیں کہہ دیجئے کہ یہ کیا واقعہ ہے مجھے تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ میری نبوت کی دلیل بننے کے لئے اس سے بھی زیادہ اقرب اور واضح دلیل ہوگی جو اللہ تعالیٰ ظاہر کرے گا اور میری اس کی طرف راہنمائی کرے گا جیسے یہ واقعہ بیان کر دیا اور اس واقعہ کی تفصیل یہ بھی میری نبوت کی دلیل ہے لیکن اس سے زیادہ اقرب از روئے دلیل نبوت بننے کے اس کی طرف اللہ تعالیٰ میری راہنمائی فرمائے گا اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ کے جتنے واقعات ذکر فرمائے ہیں وہ سارے کے سارے اصحاب کہف کے مقابلہ میں اقرب ہیں نبوت کی دلیل بننے کے اعتبار سے کیونکہ اصحاب کہف کا واقعہ تو حضور ﷺ کے زمانہ کے بالکل قریب پیش آیا تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے واقعات وہ اس کے مقابلہ میں زیادہ دلیل بنتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ساتھ آپ نے صحیح صحیح بیان کر دیے حالانکہ ان کا کسی تاریخ کے اندر ذکر نہیں ہے اور نہ لوگ ان واقعات کو جاننے والے ہیں ایسی تفصیلات کے ساتھ بیان کرنا یہ حضور ﷺ کی نبوت کی زیادہ واضح دلیل ہے بمقابلہ اصحاب کہف کے یہ درمیان میں نصیحت کر دی گئی تھی کہ جب بھی بات کرو آنے والے وقت کے متعلق وعدہ کرو کہ میں یہ کام کروں گا تو ساتھ اللہ کی مشیت کو ضرور ذکر کر دیا کرو اس عدد کے ذکر کے بعد یہاں بھی وہی بات ہے کہ کسی سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے جب آپ یہ ظاہر کریں کہ وہ تین سو نو سال ٹھہرے اور لوگ جھگڑا کرنا چاہیں تو آپ یہ کہہ کے بات کو ختم کر دیجئے کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو اللہ خوب جانتا ہے لہٰذا جو اللہ نے بیان کر دی وہی صحیح ہے اور تمہارے شکوک وشبہات کا کوئی اعتبار نہیں گویا کہ اللہ کے علم کا حوالہ دے کے اس بحث کو ختم کر دیا گیا۔

آگے الفاظ میں اللہ کے علم کی وسعت کو ذکر کر دیا کہ زمین و آسمان میں جتنی بھی چھپی ہوئی چیزیں ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں اللہ کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے لوگوں کے سامنے چیزیں غائب ہیں لیکن اللہ کے سامنے

کوئی چیز غیب اور پوشیدہ نہیں ہے جتنی چھپی ہوئی چیزیں ہیں سب اللہ کے علم میں ہیں وہ کیا ہی اچھا دیکھنے والا ہے اور کیا ہی خوب سننے والا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ تسلیم نہ کریں ان کے لئے آگے دھمکی ہے کہ ان کے لئے اللہ کے علاوہ کوئی یار اور مددگار نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ اور حکم میں کسی کو شریک بھی نہیں کرتا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پکڑنا چاہے تو کسی سے پوچھے کہ میں اس کو پکڑوں یا نہ پکڑوں؟ یا اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ کرے تو اس کا کوئی شریک آ کے اس فیصلہ کو منسوخ کروا لے ایسی بات نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ جب گرفت کرے گا تو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔

فتنہ دجال سے محفوظ رہنے کا نسخہ:۔

اور آگے پھر حضور ﷺ کو تاکید ہے کہ آپ ان کے ساتھ الجھنے کی بجائے جو رب کی کتاب آپ کی طرف وحی کر دی گئی اس کو آپ پڑھتے رہیں اس کی تلاوت کرتے رہیں اور سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکر میں نے آپ کے سامنے پہلے کیا تھا انہوں نے سورۃ کہف کی تفسیر اس نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے لکھی ہے کہ فتنہ دجال کے ساتھ اس سورۃ کی مناسبت کیا ہے؟ اور اس فتنہ سے بچنے کے لئے اس سورۃ میں ہمیں کیا ہدایات دی گئی ہیں وہ ان آیات کو بھی اس فتنہ کے ساتھ جوڑتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب دجالی فتنہ آجائے تو لوگوں کے ساتھ بحث مباحثہ میں نہ پڑو جس وقت دجالی فتنہ آجائے جیسا کہ اس کے آثار اب شروع ہیں اگرچہ بڑا دجال ابھی نہیں آیا لیکن دجال نے آ کر جس قسم کے کرتب دکھانے ہیں ان کی تمہید شروع ہو چکی ہے اور حضرت مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید ہے کہ دجالی فتنہ والے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے جو رسائل شائع کرتے ہیں، کتابیں شائع کرتے ہیں لٹریچر دیتے ہیں، ان کو نہ پڑھو اگر ان کی کتابیں پڑھو گے تو شکوک وشبہات میں مبتلاء ہو جاؤ گے اور اپنا ایمان خراب کر بیٹھو گے اور وہ جس چیز کی طرف انسان کو لے جانا چاہتے ہیں عیاشی بدمعاشی اور ہر قسم کی آزادی تو اس کے متعلق انسان کے دل میں بھی خیالات لگ جائیں گے اگر آپ ان کی تحریریں اور ان کا لٹریچر پڑھیں گے ایسے وقت میں اپنے آپ کو پابند رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت آئی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتاب اتری ہوئی ہے بس اسی پر ہی اپنی تلاوت کو بند رکھو مطالعہ کرنا ہے تو اسی کا کرو پڑھنا ہے تو اسی کو پڑھو اس کی ہدایات پر توجہ اور دھیان دو! فتنہ دجال

سے بچنے کے لئے یہ ایک بہت بڑا اور کارآمد ہتھیار ہے کہ ان کی تحریریں ہی پڑھنی چھوڑ دو! ان کا لٹریچر نہ پڑھو کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم اس دجال کے متعلق سنو تو اس کے قریب نہ جاؤ! بلکہ اس سے دور بھاگو کیونکہ ایک شخص اس کے قریب جائے گا یہ سمجھتا ہوا کہ میں ایمان والا ہوں۔ میں اس سے متاثر نہیں ہوں گا لیکن وہ اتنے شکوک وشبہات لے کے آیا ہوا ہوگا کہ وہ شخص قریب جا کے متاثر ہو جائے گا اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

اسی طرح وہ لوگ جو اس قسم کے لوگوں کی کتابیں پڑھتے ہیں جو دجال کے چیلے ہیں یا اس کے لیے ایک طرح سے مقدمۃ الجیش کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں تو وہ بے ایمانی کی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ فسق وفجور کی اس طرح ترغیب دیتے ہیں جیسے ناولوں، سینماؤں اور تھیٹروں میں انہیں کے خیالات کی تشہیر کی جاتی ہے جس سے انسان حیوانیت کی طرف دوڑا جا رہا ہے۔ انسان کی شہوات آزاد ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ لوٹ، مار اور عیاشی وبدمعاشی انسان کا شیوہ بنتا چلا جا رہا ہے۔ ان چیزوں میں دجالی خیالات کی نشر واشاعت ہوتی ہے تو جو لوگ ان کو دیکھنا شروع کر دیتے ہیں، پڑھنا شروع کر دیتے ہیں ان کے دل، دماغ بھی کسی نہ کسی درجہ میں متاثر ہو جاتے ہیں۔ ایمان اور نیکی کی قوت ان کے دل ودماغ میں نہیں رہتی تو ایسے وقت میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ بس اللہ کی کتاب پر ہی اپنی نظر کو بند رکھو! اللہ کی کتاب کو پڑھیے اور اسی کے مضامین کو سوچئے! اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے اور باقی تمام علوم دینیہ سارے کے سارے اسی کے خادم ہیں تو ان فاسقوں، فاجروں کی تحریروں سے بچنا ضروری ہے تب جا کے انسان فتنۂ دجال سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

لا مبدل لکلماتہ: اس میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی کتاب میں جو وعدے کئے گئے ہیں ان پر یقین رکھو! وہ پورے ہو کے رہیں گے۔ اللہ کی باتوں کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا اور اگر اللہ کو چھوڑ کے کسی اور طرف بھاگنے کی کوشش کرو گے تو اللہ کے عذاب سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہرگز نہیں پائے گا تو اللہ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ۔ اللہ کے علاوہ تجھے کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ کا شانِ نزول ومفہوم:۔

اگلی بات سرور کائنات ﷺ کو خطاب کر کے کہی جا رہی ہے جس کے شانِ نزول میں عام طور پر یہ ذکر کیا

جاتا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے کچھ رؤساء تھے وہ حضور ﷺ کے پاس آتے لیکن آپ ﷺ کے پاس جب مساکین کو بیٹھا ہوا دیکھتے تو ان کے ساتھ مل کے بیٹھنا وہ اپنی توہین سمجھتے اور وہ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اپنے پاس بیٹھنے نہ دیا کرو! جس مجلس میں یہ بیٹھے ہوں اس مجلس میں آ کے ہم آپ کے ساتھ بیٹھے گے تو یہ ہماری توھین ہے۔ ان کو اپنی مجلس سے دور ہٹا دو! قرآن کریم کی مختلف آیات کے اندر اس بات کو ذکر کیا جائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں بھی یہی بات آئے گی جس معلوم ہوتا ہے کہ مشرک سرمایہ داروں کا، ہمیشہ سے یہ حال ہے کہ غریب اور مسکین آدمی جو کہ نیکی کے اعتبار سے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو یہ اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے ساتھ مل بیٹھنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں مطالبہ کرتے تھے کہ ان کو مجلس سے اٹھا دو تب ہم آپ کے پاس آ کے بیٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بالکل نہیں آپ کی مجلس اور صحبت کیلئے یہی لوگ مفید ہیں یہ سرمایہ دار مفید نہیں ہیں۔ یہ مساکین جو کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اللہ کو پکارتے ہیں اور سوائے اللہ کی رضا کے ان کے سامنے کچھ نہیں ان کے ساتھ رہا کرو اگر چہ ان کے پاس مال نہیں ہے، دولت نہیں ہے، سونے کے ڈھیر نہیں ہیں، لیکن اللہ کی یاد اور اللہ کی طرف توجہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو اللہ کی نصرت اور اللہ کی رحمت کو حاصل کرتی ہے، جس سے دل میں سکون، اطمینان اور عافیت نصیب ہوتی ہے اور اگر آپ دنیوی زیب وزینت چاہیں گے، دنیوی زیب وزینت کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کا خیال ہو کہ اگر یہ بڑے لوگ ایمان لے آئیں تو بڑی دنیا میں بہار آ جائے گی اور مذہب بہت نمایاں ہو جائے گا اس جذبہ کے تحت خبر دار آپ کی آنکھیں ان سے ہٹ کر ان کی طرف نہ اٹھیں، جن لوگوں کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ خواہشات کے بندے ہیں، ظاہری طور پر ان کے پاس مال ہو، دولت ہو، اچھا لباس ہو، اچھے مکانات ہوں یہ ظاہر ہی ظاہر ہے، اللہ سے غفلت اللہ کی نصرت سے محروم کر دیتی ہے اس لیے ان کے ظاہر کی طرف نہ دیکھو! باطن کو دیکھو کہ ان کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے تو بس ان کی بات ماننے کی ضرورت نہیں ہے، ان کا کام حد سے بڑھا ہوا ہے، ان کا کام ہے کہ یہ ہر وقت حد سے تجاوز کرتے ہیں ہر معاملہ میں یہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں کسی حد کے اوپر ان کو سکون نہیں آتا اس لیے ان دو فریقوں میں سے آپ اپنی صحبت کے لئے انہی کو منتخب کیجئے اور ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

کفار کا انجام:۔

ان کے سامنے آپ صاف صاف اعلان کر دیں کہ حق آپ کے رب کی طرف سے آ گیا، سچی بات وہی ہے جو رب کی طرف سے آ گئی، جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے، یہ اعلان کر دیجئے، ان کی بات ماننے کی ضرورت نہیں، صاف کہہ دیجئے کہ اگر ماننا ہے تو تمہاری مرضی نہیں ماننا تو تمہاری مرضی ......نہیں مانو گے تو جوتے کھاؤ گے۔ اب یہ فَلْيَكْفُرْ کا جو امر ہے محض تنبیہ کے لئے ہے، یہ نہیں کہ ان کو حکم دیا جا رہا ہے تم کفر کرو آ گے إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظَّٰلِمِينَ نَارًا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ کفر کرنے کا اختیار نہیں دیا جا رہا ہے، یہ محض سرزنش کے طور پر ہے، مانو تمہاری مرضی، نہ مانو تمہاری مرضی نہیں مانو گے تو جوتے کھاؤ گے، اس کا مفہوم اس طرح ہے، ہماری طرف سے حق کا اعلان صاف صاف کر دیا گیا ''بے شک تیار کیا ہم نے ظالموں کے لئے آگ کو گھیر لیں گی ان کو اس کی قناتیں'' آگ کی قناتیں ان کو گھیرے ہوئے ہوں گی یعنی نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، چاروں طرف سے وہ آگ کے پردوں میں چھپے ہوئے ہوں گے، گرمی کی شدت سے جب ان کو پیاس لگے گی تو وہ مدد طلب کریں گے کہ ہمیں پانی پلاؤ، فریاد کریں گے، اگر وہ مدد طلب کریں تو مدد دیئے جائیں گے ایسے پانی کے ساتھ جو کہ تلچھٹ کی طرح ہوگا یا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا اور وہ اتنا گرم ہوگا کہ چہروں کو بھون دے گا، بُرا پانی ہے اور بہت بُری آرام کی جگہ ہے یعنی اس وقت اگر چہ ان کی ٹھاٹھ باٹھ نظر آتی ہے لیکن حق قبول نہ کرنے کے نتیجہ میں ان کا آخری انجام یہ ہے۔

مؤمنین کا انجام:۔

ہاں البتہ جو ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں ان کے اجر کو ہم ضائع نہیں کریں گے، جو اچھا عمل کرتا ہے ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے اب ظاہری طور پر چند دن کے لئے یہ فقر و فاقہ میں مبتلاء ہوں گے، چند دن کے لیے مشکلات برداشت کریں گے لیکن انجام ان کا یہ ہے کہ ''ان کے لئے ہمیشگی کے باغات ہیں جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں۔ پہنائے جائیں گے وہ اس میں کنگن سونے کے'' اپنے معاشرے میں چونکہ مردوں کو سونے کے کنگن پہننے کی عادت نہیں، رواج نہیں اس لیے عجیب سی بات محسوس ہوتی ہے اور جب اس قسم کے خوبصورت زیور پہننے لگ جائیں گے تو وہ بھی خوبصورت لگنے لگ جائیں گے جنت کا ماحول ایسا ہوگا کہ جنت میں اللہ تعالیٰ مردوں کو

بھی سونا اور ریشم پہنائیں گے، پہنائے جائیں گے وہ ان باغات میں سونے کے کنگن اور یہ پہنیں گے کپڑے سبز ریشم کے از روئے ریشم کے یعنی کبھی باریک اور کبھی موٹے اور ٹیک لگانے والے ہوں گے ان باغات میں مزین تختوں پر، بہت اچھا بدلہ ہے اور بہت اچھی آرام کی جگہ ہے، یہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کا انجام بتادیا گیا کہ وقت اور مصیبت جو پیش آتی ہے یہ عارضی ہے، مرنے کے بعد ان کے سامنے یہ انجام آ جائے گا۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ

اور آپ بیان کیجئے ان کیلئے مثال دو آدمیوں کی بنائے ہم نے ان میں سے ایک کے لئے دو باغ انگوروں کے

وَّحَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ﴿۳۲﴾ ؕ كِلۡتَا الۡجَنَّتَيۡنِ اٰتَتۡ

اور ہم نے گھیر دیا ان کو کھجوروں کے ساتھ اور ہم نے کر دی ان کے درمیان کھیتی ﴿۳۲﴾ دونوں باغ دیتے تھے اپنا پھل

اُكُلَهَا وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـًٔا ۙ وَّفَجَّرۡنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ ۙ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ

اور نہیں کمی کرتے تھے اس میں کچھ بھی اور ہم نے جاری کی ان کے درمیان نہر ﴿۳۳﴾ اور اس کے لئے اور بھی پھل تھے

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكۡثَرُ مِنۡكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ

پس اس نے کہا اپنے ساتھی سے اس حال میں کہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا میں تجھ سے زیادہ ہوں از روئے مال کے اور زیادہ عزت والا ہوں از روئے افراد کے ﴿۳۴﴾ اور وہ داخل

جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِيۡدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ ۙ وَّمَاۤ

ہوا اپنے باغ میں اس حال میں کہ ظلم کرنے والا تھا اپنی جان پر اس نے کہا میں نہیں گمان کرتا کہ ہلاک ہو جائے گا یہ باغ کبھی بھی ﴿۳۵﴾ اور میں

اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰى رَبِّىۡ لَاَجِدَنَّ خَيۡرًا مِّنۡهَا مُنۡقَلَبًا ﴿۳۶﴾

نہیں خیال کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر میں لوٹا دیا گیا اپنے رب کی طرف تو البتہ تو ضرور پالوں گا اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ ﴿۳۶﴾

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرۡتَ بِالَّذِىۡ خَلَقَكَ مِنۡ تُرَابٍ

کہا اس کو اس کے ساتھی نے اس حال میں کہ وہ باتیں کر رہا تھا کہ تو نے کفر کیا اس ذات کے ساتھ جس نے تجھے پیدا کیا مٹی سے

ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ سَوّٰٮكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ ؕ لٰـكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىۡ وَلَاۤ اُشۡرِكُ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

پھر نطفہ سے پھر تجھے صحیح سالم مرد بنا دیا ﴿۳۷﴾ لیکن وہ اللہ میرا رب ہے اور میں شریک نہیں ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو ﴿۳۸﴾

وَلَوۡلَاۤ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَكَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنۡ تَرَنِ اَنَا

اور جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں تو نے کیوں نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ، اگر تو مجھے دیکھ رہا ہے کہ میں کم ہوں

اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ
تجھ سے مال اور اولاد کے اعتبار سے ﴿۳۹﴾ تو قریب ہے کہ میرا رب عطاء کرے گا مجھے بہتر تیرے باغ سے
وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ
اور بھیج دے اس پر آسمان سے کوئی آفت پس ہوجائے وہ ایک صاف میدان ﴿۴۰﴾ یا
يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ
ہوجائے اس کا پانی زمین میں اترنے والا پس تو نہ طاقت رکھے اس کو طلب کرنے کی ﴿۴۱﴾ اور گھیر دیا گیا اس کے پھلوں کو
يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ
پس وہ ہوگیا کہ ملتا تھا اپنی ہتھیلیوں کو اس پر جو اس نے خرچ کیا اس باغ میں اس حال میں کہ وہ باغ گرا ہوا تھا اپنی شاخوں پر اور وہ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ
کہہ رہا تھا اے کاش! میں شریک نہ ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو ﴿۴۲﴾ اور نہیں تھا اس کے لئے کوئی گروہ جو اس کی مدد کرے
دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ
اللہ کے علاوہ اور نہ ہی وہ خود بدلہ لینے والا تھا ﴿۴۳﴾ ایسے ہی اللہ کی مدد ہوتی ہے جو حق ہے وہ بہتر ہے
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾
ازروئے ثواب کے اور بہتر ہے ازروئے انجام کے ﴿۴۴﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ: ضرب المثل ''مثال بیان کرنا'' یہاں ''ضَرَبَ يَضْرِبُ'' مارنے کے معنی میں نہیں ہے ''ضَرَبَ يَضْرِبُ'' مارنا بھی ہوتا ہے ''ضَرَبَ يَضْرِبُ'' زمین پر چلنا بھی ہوتا ہے اور ضرب المثل کا لفظ

عام طور پر مشہور ہے مثال بیان کرنا، آپ بیان کیجئے ان کے لئے مثال دو آدمیوں کی ''رجلین'' یہ مثلاً سے بدل ہے، ان کے لئے دو آدمیوں کی مثال بیان کرو جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ بنائے ہم نے ان دونوں میں سے ایک کے لئے دو باغ، جَنَّتَيْنِ جنت کا تثنیہ ہے مِنْ اَعْنَابٍ، اعناب عنب کی جمع ہے بمعنی انگور، جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ انگوروں کے دو باغ حَفَفْنٰهُمَا، حَفَّ یحف گھیر لینا، گھیر لیا ہم نے ان دونوں باغوں کو بِنَخْلٍ کھجور کے درختوں کے ساتھ، مفہوم اس کا یہ ہوگا ہم نے ان دونوں باغوں کے اوپر کھجور کے درخت اگائے، کھجور کے درخت اگائے جنہوں نے ان دونوں باغوں کو گھیر لیا، اردگرد باڑ کھجور کے درختوں کی تھی، وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا اور بنائی ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی، زرع کہتے ہیں کھیتی کو۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ: دونوں باغوں میں سے ہر ایک اٰتَتْ اُكُلَهَا، اکل کہتے ہیں اس چیز کو جو کھائی جاتی ہے دونوں باغوں میں سے ہر باغ دیتا اپنا پھل وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرتا یعنی ہر ایک کو پورا پورا پھل لگتا تھا، یہ نہیں کہ کبھی پھلے اور کبھی نہ پھلے، کبھی کم پھل لگے اور کبھی زیادہ، ایسی بات نہیں بلکہ پورا پورا پھل دیتے تھے، وَلَمْ تَظْلِمْ، ظَلَمَ يَظْلِمُ یہ نقص کے معنی میں ہوتا ہے اور دونوں باغوں میں سے کوئی باغ نہیں گھٹاتا تھا اس پھل میں سے کسی چیز کو یعنی پورے پورے دیتے تھے وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا اور جاری کی ہم نے دونوں کے درمیان میں نہر، یعنی پانی کی کمی نہیں تھی، پانی بھی وافر مقدار میں تھا۔

وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ: ثمر پھل کو بھی کہتے ہیں اور ثمر مطلقاً مال و دولت اور گھر کے سامان کو بھی کہتے ہیں یہاں دونوں طرح ترجمہ کیا گیا ہے اگر اس ثمر کا معنی پھل کریں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس شخص کے لئے ہر قسم کا پھل تھا یعنی انگور اور کھجور تو ہم نے موٹی موٹی باتیں بتادیں ورنہ اور بھی ہر قسم کا پھل اس کو حاصل تھا اور اگر ثمر سے مال و دولت اور سامان مراد لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس شخص کے لئے ساز و سامان اور مال و دولت تھا یعنی صرف یہی نہیں کہ وہ باغ کا مالک تھا باقی گھر میں جس قسم کے سامان کی ضرورت ہوتی ہے، سونا، چاندی، برتن، بستر وغیرہ وہ سب اس کو مہیا تھا، فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ کہا اس باغ والے نے اپنے ساتھی کو وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ، حَاوَرَ يُحَاوِرُ مُحَاوَرَةً آپس میں گفتگو کرنا اس حال میں کہ وہ اپنے دوست کے ساتھ باتیں کر رہا تھا یعنی باغ والے نے اپنے ساتھی سے کہا اس سے باتیں کرتے ہوئے، قال کا مقولہ ہے اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا میں زیادہ ہوں تجھ سے از روئے مال کے

اورزیادہ باعزت ہوں ازروئے جماعت کے،نفر کہتے ہیں افراد کو، گھر کے افراد، کنبہ خاندان، معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا شخص غریب تھا اور اس کی جماعت اور خاندان بھی بڑا نہیں تھا تو یہ اسے بطور فخر کے کہتا ہے کہ میں تجھ سے زیادہ ہوں ازروئے مال کے اور زیادہ باعزت ہوں ازروئے خاندان کے۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ: اور داخل ہوا یہ شخص اپنے باغ میں وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ اور حال یہ تھا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا یعنی کفر وشرک کے اندر مبتلاء تھا، جو شخص ناشکرا ہو، متکبر ہو، کافر ہو، مشرک ہو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرتا حقیقت کے اعتبار سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اس لیے یہ ظلم علیٰ النفس ہے قال اور اس باغ والے نے کہا مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا میں گمان نہیں کرتا، میں نہیں سمجھتا، میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی اَنْ تَبِيْدَ، بادَ یبیدُ ہلاک ہونا، تبید کا فاعل ھذہٖ ہے جس کا اشارہ باغ کی طرف ہے میں نہیں گمان کرتا کہ یہ ہلاک ہو جائے گا کبھی بھی یعنی میں اس باغ کو کبھی بھی برباد ہونے والا نہیں سمجھتا، ہمیشہ اسی طرح یہ سرسبز وشاداب رہے گا مجھے ہمیشہ خوشحالی حاصل رہے گی۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً: اور میں نہیں سمجھتا قیامت کو قائم ہونے والی وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ اور اگر میں لوٹا دیا گیا اپنے رب کی طرف لَاَجِدَنَّ تو البتہ ضرور پاؤں گا میں خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا اس باغ سے بھی بہتر لوٹنے کی جگہ، منقلب ظرف کا صیغہ ہے لوٹنے کی جگہ یعنی دنیا کے اندر جس طرح مجھے باغ حاصل ہے اگر بالفرض آخرت ہوئی تو وہاں بھی مجھے اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ ملے گی۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ: کہا اس باغ والے کو اس کے دوست نے اس حال میں کہ اس سے گفتگو کر رہا تھا یعنی گفتگو کرتے ہوئے اس نے کہا اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ کیا تو منکر ہے اس کا جس نے تجھے پیدا کیا، کفر اصل کے اعتبار سے انکار کو کہتے ہیں، کیا تو منکر ہے اس کا جس نے تجھے پیدا کیا، مِنْ تُرَابٍ مٹی سے ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ پھر نطفہ سے، نطفہ ٹپکائے ہوئے قطرہ کو کہتے ہیں، نطفہ ایک دفعہ ٹپکائی ہوئی مقدار، فُعْلَةٌ کا وزن مقدار کے لئے آتا ہے جیسے لقمہ ایک مرتبہ کھانے کی مقدار شربۃ ایک گھونٹ، ایک دفعہ پینے کی مقدار اسی طرح نطفہ ایک مرتبہ ٹپکائی ہوئی مقدار یعنی قطرہ جس طرح ٹپکا ہوا ہوتا ہے، ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا پھر تجھے برابر کیا ازروئے آدمی ہونے کے، برابر سرابر تجھے آدمی بنا دیا۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ: لکن اصل میں لکن انا ہے اس لیے لکن کے بعد جو الف لکھا ہوا ہے وہ پڑھنے میں نہیں آئے گا جیسے انا کا الف پڑھنے میں نہیں آتا، ''لیکن میں یہ بات کہتا ہوں'' مفہوم یہ ہوگا لکن انا اقول لیکن میں کہتا ہوں هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ اللہ میرا رب ہے، وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا نہیں ٹھہراتا میں اپنے رب کے ساتھ شریک کسی کو۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ: جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو تو نے کیوں نہ کہا ''لَوْلَآ'' کا تعلق قلت کے ساتھ ہے، تو نے کیوں نہ کہا مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، تجھے چاہیے کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہونے لگے اور ان نعمتوں کے ساتھ بھرے ہوئے باغ کو تو دیکھے تو تیری زبان پر یہ جاری ہونا چاہیے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، ماشاء اللہ کا لفظی معنی ہے جو اللہ چاہے مطلب یہ ہے کہ جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے، یہ جو کچھ ہے سب اللہ کی مشیت کے ساتھ ہے، اللہ کے چاہنے کے ساتھ ہے اور ''نہیں قوت مگر اللہ کے ساتھ'' یعنی اللہ کی مدد اور نصرت کے بغیر کسی کو کوئی قوت اور طاقت حاصل نہیں ہے، اِنْ تَرَنِ اگر تو مجھے دیکھتا ہے ''نون'' کے نیچے جو کسرہ ہے یہ یاء متکلم پر دلالت کرنے والا ہے اصل میں تھا ان ترنی اگر تو مجھے دیکھتا ہے اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا کہ میں تجھ سے کم ہوں از روئے مال کے وَّوَلَدًا اور از روئے اولاد کے فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ تو ہوسکتا ہے کہ قریب زمانہ میں میرا رب مجھے دے دے بہتر تیرے باغ سے وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا، حُسْبَانًا یہ حساب سے ہے محسوب کے معنی میں آفت محسوبہ، ''مصیبت مقدرہ'' اس پر کوئی تدبیری آفت بھیج دے، حُسْبَانًا سے آفت مقدرہ مراد ہے، یہ بھی عسیٰ کے نیچے داخل ہے، ہوسکتا ہے کہ میرا رب دے دے مجھے بہتر تیرے باغ سے اور بھیج دے اس کے اوپر کوئی آفت مقدرہ کوئی تقدیری آفت بھیج دے آسمان سے فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا پھر ہو جائے گا یہ باغ ایک چٹیل میدان۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا: یا ہو جائے اس باغ کا پانی نیچے کو جانے والا، غور غائر کے معنی میں ہے، ہو جائے اس کا پانی نیچے کو جانے والا، پانی زمین میں اتر جائے فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا پھر ہرگز نہیں طاقت رکھے گا تو اس پانی کو طلب کرنے کی پھر تو طلب نہیں کر سکے گا۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ: گھیر لیا گیا اس شخص کے سامان کو ''ثمر'' کا مفہوم وہی ہے جو پہلے ذکر کیا۔ اس شخص کے

سامان کو گھیر لیا گیا یعنی آفت نے آ کے گھیر لیا، اس کے اوپر مصیبت آ گئی، نہ اس کا باغ رہا اور نہ گھر کا سامان رہا، ''ثمر'' کا لفظ جس طرح دونوں معنوں پر دلالت کرتا ہے فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ پھر ہو گیا وہ شخص کہ ملتا تھا اپنی ہتھیلیاں، جیسے کہتے ہیں کہ ''ہاتھ ملتا رہ گیا''، یہ ہاتھ ملنا اردو کا محاورہ بھی ہے، وہ اس مصیبت کو دیکھ کر ہاتھ ملتا ہی رہ گیا، کفین یہ کف کا تثنیہ ہے اور کف ہتھیلی کو کہتے ہیں، ہو گیا وہ کہ الٹ پلٹ کرتا تھا اپنی ہتھیلیاں یعنی وہ ہاتھ ملتا رہ گیا عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا اس چیز پر جو اس نے خرچ کیا تھا اس باغ میں یعنی باغ پر جو اس نے خرچ کیا تھا اس پر افسوس کرتے ہوئے ہاتھ ملتا ہی رہ گیا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا اور وہ باغ گرنے والا تھا اپنی چھتوں پر عروش عرش کی جمع ہے اور عرش سے چھت مراد ہوتی ہے، وَيَقُوْلُ اور وہ کہہ رہا تھا يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا اے کاش! میں نہ شریک کرتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ اور نہیں تھی اس کے لئے کوئی جماعت يَّنْصُرُوْنَهٗ جو اس کی مدد کرتی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، اللہ کے علاوہ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا اور نہ وہ خود بدلہ لینے والا تھا، هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ واؤ کے فتح کے ساتھ مدد کرنا، هُنَالِكَ، ظرف کے لئے ہوتا ہے ایسے موقع پر مدد کرنا اللہ برحق کے لئے، یا یوں کہیں ایسے موقع پر مدد کرنا اللہ کے لئے ہے جو کہ حق ہے هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وہ اللہ بہتر ہے از روئے بدلہ کے وَّخَيْرٌ عُقْبًا اور وہ بہتر ہے از روئے انجام کے یعنی اچھا انجام بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور اچھا بدلہ بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔

اکثر و بیشتر سرمایہ دار ہی سرکش و باغی ہوتے ہیں:۔

اصحاب کہف کا واقعہ ختم ہونے کے بعد اس کی مناسبت سے کچھ اور باتیں آ گئی تھیں اب یہ ایک اور واقعہ شروع ہو رہا ہے جو دو شخصوں کا ہے، جن میں سے ایک سرمایہ دار ہے اور دنیا کی ہر آسائش اور آرائش اسے حاصل ہے اور ایک معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ مسکین اور غریب آدمی ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت ابتداء سے کچھ ایسے ہی چلی آ رہی ہے کہ جس کو وہ مال و دولت وسعت کے ساتھ دے دیتا ہے اکثر و بیشتر یہ لوگ باغی اور سرکش ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ناشکرے اور نافرمان بن جاتے ہیں، مال کی خاصیت ہی یہی ہے۔ ''الا ماشاء اللہ''، ایسی مثالیں بھی آپ کو ملیں گی کہ اللہ نے ان کو جتنا مال دیا اتنے ہی وہ شکر گزار ثابت ہوئے، بادشاہت بھی ملی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور بادشاہ بھی تھے،

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے اور سرور کائنات ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے آخری وقت میں پورے عرب کی بادشاہت عطا فرمادی لیکن ان چیزوں کے باوجود اسی طرح مسکین بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے متواضع ہیں، سجدہ ریز ہیں جس طرح ایک فاقہ کش آدمی ہوا کرتا ہے اور مسلمان بادشاہوں میں بے شمار ایسے بادشاہ گذرے ہیں اورنگزیب عالمگیر جیسے درویش کہ ان کی سلطنت اتنی بڑی تھی کہ اتنی بڑی سلطنت ان کے بعد تو کسی کو کیا میسر آتی ان کے آس پاس بھی کسی کو میسر نہیں تھی لیکن انتہائی درجہ کے درویش، اللہ کے فرمانبردار تھے عام طور پر ایسے ہوتا ہے کہ یہ مال و دولت کی وسعت انسان کو باغی اور سرکش بنادیتی ہے، انبیاء کے واقعات جو آپ کے سامنے آئیں گے ان میں بھی یہ بات بہت نمایاں طور پر آپ کے سامنے آئے گی کہ انبیاء سے ٹکرانے والا برسر اقتدار یا خوشحال طبقہ ہی ہوتا ہے۔

ایک سرمایہ دار اور غریب کا مفصل واقعہ:۔

یہاں بھی یہی حقیقت نمایاں ہے کہ یہ ساتھ رہنے والے دو دوست ہیں جیسا کہ "صاحب" کے لفظ سے محسوس ہوگا کہ یہ اکٹھے رہتے تھے اور ان میں سے ایک خوشحال تھا اس کی خوشحالی اس درجہ کی تھی جو متوسط طبقہ کی ایک اعلیٰ معیشت ہوتی ہے، اس کے دو باغ تھے اور اس میں انگور کثرت سے تھے، اردگرد کھجوروں کے درخت کھڑے تھے اور جب باغ کے اردگرد کھجوروں کے درخت کھڑے ہوں تو یہ خوبصورت بھی بہت لگتے ہیں اور اس کے ساتھ انگوروں کی حفاظت بھی ہوتی ہے کہ باہر کی تیز ہوا آ کر ان بیلوں کو الٹ پلٹ نہیں کرسکتی جب اردگرد یہ اونچے اونچے درخت کھڑے ہوتے ہیں تو خوبصورتی کے ساتھ ساتھ باغ کی حفاظت بھی ہے اور انگور کے ساتھ ساتھ کھجور ایک بہت اہم میوہ ہے وہ بھی اس کو وافر مقدار میں حاصل تھا اور پھر اس باغ کے اندر چھوٹے چھوٹے قطعات تھے جن کے اندر وہ کھیتی کرتا تھا اور اس کھیتی کے ساتھ اس کو ہر قسم کا غلہ میسر تھا، باغ کے اندر جو زمین کے ٹکڑے تھے ان کو آباد کر کے وہ یہ ضرورتیں پوری کرتا تھا اور پھر باغ کے سرسبز وشاداب رہنے کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو ان باغوں کے درمیان میں نہر جاری تھی جس سے وہ باغ سیراب ہوتے تھے، پانی کی قلت نہیں تھی جس طرح آپ ایک اچھے سے اچھے باغ کا تصور کرسکتے ہیں ایسا تصور کر لیجئے اور جس شخص کو یہ میسر ہو اس کو گویا کہ ضروریات زندگی مہیا ہیں اور پھر ساتھ ساتھ گھر کا ہر قسم کا سامان اسے میسر تھا، گھر میں جس قسم کا سامان ہوتا ہے سونا، چاندی، برتن، اور دوسری

استعمال کی چیزیں وہ بھی اسے میسر تھیں اور پھر معلوم ہوتا ہے کہ صاحب اولاد بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اولاد بھی کافی دے رکھی تھی تو اس کا سارے کا سارا خاندان باعزت تھا اور اس کو اس بستی اور ماحول میں جہاں وہ رہتا تھا برتری حاصل تھی۔

اور اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص جو اس کے ساتھ رہنے والا ہے اس کے پاس باغ نہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اولاد بھی زیادہ نہیں تھی، خاندان بھی کوئی بڑا نہیں تھا، تو خاندان کے لحاظ سے بھی وہ پست سمجھا جاتا تھا اور مال کے لحاظ سے بھی کم سمجھا جاتا تھا۔

کسی مجلس میں دونوں اکھٹے ہوگئے، آپس میں گفتگو چل پڑی تو جس طرح سرمایہ داروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کمزور لوگوں کے مقابلہ میں ڈھینگیں مارتے ہیں اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے، ان کی تحقیر ظاہر کرنے کے لئے اپنی تعریف کرتے ہیں، اپنے مال و دولت کی بہتات بتاتے ہیں کہ ہماری دوکان اتنی چلتی ہے، ہماری تجارت اتنی ہے، ہماری آمدنی اتنی ہے تم کیا ہو، مانگ مانگ کے روٹی کھانے والے، تمہارے پاس کیا رکھا ہے، اس طرح دوسرے کی تحقیر کرنے کے لئے باتیں کرتے ہیں تو یہاں دونوں کے درمیان میں کچھ ایسی ہی گفتگو ہوئی۔

سرمایہ دار اور غریب کی باہم گفتگو:۔

وہ سرمایہ دار آدمی اپنے غریب ساتھی کے سامنے بات کرتا ہوا کہتا ہے کہ دیکھو! میرے پاس کتنا مال ہے، کتنی دولت ہے، میں کتنا باعزت ہوں، تیرے مقابلہ میں مجھے کتنی برتری حاصل ہے، تو جو روز قیامت کا ذکر کرتا رہتا ہے کہ آخرت آئے گی، کوئی آخرت نہیں آئے گی، بس یہ جس طرح خوشحالی ہے دنیا اسی طرح چلتی رہتی ہے، اول تو آئے گی ہی نہیں اور اگر بالفرض آ بھی گئی اور میں اللہ کی طرف لوٹا بھی دیا گیا تو وہاں مجھے اسی طرح خوشحالی حاصل ہوگی جیسے یہاں خوشحال ہوں گویا کہ یہاں میرا خوشحال ہونا یہ علامت ہے اس بات کی کہ میں اللہ کا مقبول بندہ ہوں، اللہ نے مجھے یہاں جو کچھ دے رکھا ہے یہ اللہ کے راضی اور خوش ہونے کی علامت ہے، اول تو قیامت آئے گی ہی نہیں اور اگر بالفرض آ بھی گئی تو وہاں بھی ہمیں اس سے اچھا باغ مل جائے گا، وہاں بھی ہم اسی طرح خوشحال رہیں گے اور تم جیسے یہاں جوتیاں چٹخاتے ہو وہاں بھی تمہاری قسمت ایسی ہی ہوگی تو وہ سمجھتا تھا کہ سعادت، نیک بختی اور خوشحالی ہمارا مقدر ہے، ہم جہاں بھی رہیں گے اسی طرح رہیں گے یعنی بجائے اس کے کہ وہ اللہ کا شکر

ادا کرتا اور کہتا کہ اللہ نے مجھے نعمت دی اور میں اس کا شکر گزار ہوں ایسی بات نہیں وہ ایسے باتیں کرتا ہے گویا کہ پروانہ لے کر آیا ہے کہ تو نے ہمیشہ خوشحال ہی رہنا ہے اور کبھی تیرے اوپر بدبختی کے آثار نہیں آئیں گے۔

اس غریب نے اس کے سامنے ذکر کیا کہ تو اس اللہ کا انکار نہ کر جس نے تجھے پیدا کیا، دیکھو! مٹی سے تیری بنیاد اٹھائی، پھر تجھے قطرہ سے پیدا کیا، پھر تجھے کتنا بڑا انسان بنا دیا، تو ہمیشہ اس کا دھیان رکھ، تیرا وجود اس کا مرھون منت ہے کہ اس نے تجھے وجود بخشا اور یہ مال بھی اسی کا مرہون منت ہے کہ اس نے تجھے دے دیا اور اگر چاہے تو واپس لے لے اس لئے تو اللہ کا شکر ادا کر، اس کی نعمت اور اس کی قدرت کا اقرار کر جب بھی تو اپنے باغ میں جائے تو دیکھتے ہی یوں کہا کر مَاشَآءَاللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ ، جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کے بغیر کسی کے پاس طاقت اور زور نہیں تو یوں کہا کرتا کہ مشیت اللہ کی طرف ہو اور اللہ کی شکر گزاری ہو۔

لیکن اس کو تو اپنے اسباب پر اتنا اعتماد حاصل تھا کہ وہ کہتا تھا کہ اتنی دولت ہے اور اتنے سارے اسباب حاصل ہیں کیا اللہ کی مشیت اور کیا اللہ کی قدرت، یہ سب اپنی ہمت، کوشش اور اپنے کاروبار سے حاصل ہونے والی چیزیں ہیں اس کا دماغ یہ تھا۔ اس اللہ والے نے پھر اسے ڈرایا کہ دیکھ! جب وہ دینے پر قادر ہے تو وہ لینے پر بھی قادر ہے، میں تیری ان چیزوں کو دیکھ کے مرعوب نہیں ہوتا، میرے منہ میں پانی نہیں آتا، ٹھیک ہے کہ آج میرے پاس مال کم اور میری اولاد کم ہے لیکن اللہ کو قدرت حاصل ہے کہ اس کو پلٹ دے اور کل کو مجھے خوشحال کر دے اور تجھے بدحال کر دے، جو اس باغ کو سرسبز کر سکتا ہے وہ اس کو ویران بھی کر سکتا ہے آسمان کی طرف سے بھی آفت آسکتی ہے جس طرح باغوں پر پالا پڑتا ہے اور باغ خشک ہو جاتے ہیں، لُو چلتی ہے اور درخت خشک ہو جاتے ہیں، اوپر سے بھی آفت آسکتی ہے اور زمین کی طرف سے بھی آفت آسکتی ہے کہ پانی خشک ہو جائے، قحط پڑ جاتے جب پانی ہی ختم ہو جائے گا تو پھر یہ باغ سرسبز کیسے رہے گا؟ اوپر بھی اللہ کی قدرت ہے، نیچے بھی اللہ کی قدرت ہے تو یہ فخر کیوں کرتا ہے......؟ یہ چیزیں اللہ کے باقی رکھنے کے ساتھ باقی ہیں، اس میں تیری قدرت کا کوئی عمل دخل نہیں، اس طرح اس کو یاد دہانی کرائی لیکن اس کے دماغ میں یہ بات نہیں آئی۔

نتیجہ:۔

آخر اللہ کی طرف سے وہی ہوا، آئے دن جس طرح آپ دیکھتے ہیں، آفتیں آتیں ہیں، سیلاب آتے

ہیں، آبادیاں بہہ جاتی ہیں اور اسی طرح آسمان کی طرف سے آفتیں آتی ہیں تو باغ اجڑ جاتے ہیں، قحط آتا ہے تو پانی کا قطرہ بھی میسر نہیں آتا باغات سوکھ جاتے ہیں تو ایک آفت آئی جس آفت کے ساتھ اس کا سب کچھ ہی برباد ہوگیا، جب سب کچھ برباد ہوگیا تو اب وہ ہاتھ مل رہا ہے کہ میں تو بہت خسارہ میں رہ گیا، میں نے تو باغ میں اتنا سرمایہ لگایا ہوا تھا، نفع تو کیا حاصل ہونا تھا اصل سرمایہ بھی گیا، ہاتھ ملتا رہ گیا جس جتھہ پر اعتماد کر کے وہ فخر کرتا تھا وہ جتھہ اس کے کچھ کام نہ آیا اور نہ وہ خود ہی کسی قسم کا بدلہ لے سکا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر مدد کرنا صرف اللہ کا کام ہے، اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا ایسے موقعہ پر مدد نہیں کیا کرتا، اللہ کے ہاتھ میں اچھا انجام ہے، اور اللہ کے ہاتھ میں ہی اچھا بدلہ ہے، یہ ہے اس واقعہ کا حاصل جو آپ کے سامنے بیان کیا گیا۔

واقعہ مذکور کا فتنۂ دجال سے تعلق:۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تفسیر لکھی جس کا ذکر میں آپ کے سامنے بار بار کرتا رہتا ہوں، انہوں نے اس واقعہ کو بھی فتنۂ دجال کے ساتھ جوڑا ہے، کہ دجالی فتنہ کی بنیاد اسی پر ہوتی ہے کہ وہ اسباب کو زیادہ سوچتے ہیں، اور اسباب پر ان کا اعتماد زیادہ ہوتا ہے، منصوبے بناتے ہیں اور کامیابی کے اوپر یقین رکھتے ہیں اور کسی وقت بھی ان کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ اللہ کی مشیت کارفرما ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی قابلیت اور اہلیت کے ساتھ کماتے ہیں اور ہمیں ہر قسم کی وسعت حاصل ہوتی ہے، اسباب پر ان کا اعتماد سب سے زیادہ ہوتا ہے، اللہ کی طرف وہ دھیان نہیں رکھتے اور اس دجالی فتنہ سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہر معاملہ میں انسان اللہ کی طرف دھیان رکھے کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اگر ایک شخص کو اسباب مہیا ہوں تو وہ اس اعتماد میں نہ رہے کہ میں ہمیشہ ایسے ہی رہوں گا، کل کو اسباب بدل بھی سکتے ہیں اور اگر کوئی شخص آج بدحال ہے تو اللہ پر اعتماد رکھے کہ ہوسکتا ہے کہ کل کو اللہ تعالیٰ مجھے خوشحال کر دے، مستقبل کے بارے میں اللہ سے امید کو رکھو اور ''ماشاء اللہ لاقوۃ الاباللہ'' یہ بہت بڑا ہتھیار ہے دجالی فتنہ سے بچنے کے لئے کہ عقیدہ یہ ہو کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا اور اللہ کے علاوہ کسی پاس کوئی قوت اور کوئی کسی قسم کی طاقت نہیں ہے تو دجالی ذہن یہ ہے کہ اسباب پر اعتماد ہو جس طرح آج کل حکومت منصوبے بناتی ہے اور ان کو کوئی ''ان شاء اللہ'' اور ''ماشاء اللہ'' یاد نہیں آتا لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آفت آتی ہے، سیلاب جو آیا تو سب کچھ ہی بہا کر لے گیا، منصوبے کیا کامیاب ہوں گے، پہلے کی رہی سہی کسر بھی

نکل جاتی ہے، آسمانی آفتوں کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ کس وقت آجائے اور کس وقت یہ نقصان واقع ہو جائے گا، اس لیے سہارا اگر ہے تو اللہ کی مشیت ہے کہ انسان اللہ کی مشیت کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑ کے رکھے پھر انسان ان حالات میں پریشان بھی نہیں ہوتا اور مغرور بھی نہیں ہوتا ہے اور ان چیزوں پر اعتماد کر کے اللہ سے غافل بھی نہیں ہوتا۔

شاہ ایران کے انجام سے عبرت حاصل کرو:۔

پرانے زمانہ کے واقعات تو آپ لوگوں نے پڑھے اور سنے ہوں گے اور پرانے زمانہ کے واقعات کے ساتھ دل پر اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھے ہوئے واقعات کا ہوتا ہے، زیادہ دور تک آپ کو سوچنے کی ضرورت نہیں، شاہ ایران کا قصہ آپ نے سنا ہوگا، فوج اس کی اتنی مضبوط تھی کہ شاید ایشیاء میں اتنی مضبوط فوج کسی دوسرے کی نہ ہو، مال و دولت اس کو اتنا حاصل تھا کہ کسی کے حساب میں نہیں تھا کہ اس کے پاس کتنی دولت ہے، پورے ملک کا وہ بلا شرکت غیر بادشاہ تھا، ہر قسم کی قوتیں اور طاقتیں اس کو حاصل تھیں اور ہر طرح سے مغرور تھا وہ سمجھتا تھا کہ میرے مقابلہ میں کون آسکتا ہے! لیکن دیکھتے ہی دیکھتے جب اس کا انجام آنکھوں کے سامنے آیا تو غریب آدمی بھی پناہ پکڑتا تھا کہ یا اللہ! ایسا انجام کسی کا نہ ہو، ٹکنے کے لئے کہیں جگہ نہ ملتی تھی، دربدر دھکے کھاتا ہوا آخر وہ اس دنیا سے چلا گیا تو یہ دیکھنے اور سوچنے کی باتیں ہوتی ہیں، کہ کتنی ہی بڑی قوتوں اور طاقتوں کا مالک کیوں نہ ہو جب اللہ کی طرف سے ایک تھپڑ لگتا ہے، تو سارا نشہ اتر جاتا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک آدمی مظلوم ہے، فقیر ہے انقلاب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے۔

دو متضاد مثالیں:۔

آپ کے ملک کی مثال، آپ کے ہاں مضبوط کرسی والے ایک بھٹو صاحب آئے تھے، جس وقت وہ کرسی پر بیٹھے تھے اور اپنی کرسی انہیں مضبوط نظر آرہی تھی تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کسی وقت میں بھی الٹا لٹک سکتا ہوں لیکن جب اللہ کی گرفت آئی تو دنیا نے دیکھا کہ وہ کس طرح لٹک گئے اور مضبوط کرسی دھری کی دھری رہ گئی، نہ فوجیں کام آئیں، نہ سیکورٹی فورس کے آدمی کام آئے نہ مال و دولت کام آیا، نہ قابلیت و صلاحیت کام آئی اور اس

کے مقابلہ میں ہمارے سامنے ہمارے استاد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب فقیر اور درویش آدمی ہیں①، نہ صاحب جائیداد ہیں نہ کچھ اور، قاسم العلوم میں ایک مدرس ہیں لیکن جب اللہ نے نوازا تو اتنا نوازا، عزت، راحت اور آسائش اللہ تعالیٰ نے اتنی دی کہ عام آدمی اس قسم کی بات سوچ بھی نہیں سکتا تو ان واقعات کو سوچنے سے دل کو قوت حاصل ہوتی ہے کہ واقعی اپنا فرض ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت میں کوشش کرتے چلے جائیں باقی انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ خوشحالوں کو بدحال بھی کرسکتا ہے اور بدحالوں کو خوشحال بھی کردیتا ہے۔

صاحب باغ کا شرک اعتماد علی الاسباب تھا:۔

ایک بات درمیان میں گئی، یہ جو واقعہ آپ کے سامنے آیا ہے اس سے یہ تو آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ باغ والا مشرک تھا اس لئے آخر میں جاکے اس نے اقرار کیا کہ اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ وبال جو میرے اوپر آیا ہے یہ شرک کی بناء پر آیا ہے لیکن اس کا شرک کیا تھا، وہ کسی بت کو پوجتا تھا، سورج کو پوجتا تھا، چاند کو پوجتا تھا، جنوں کو پوجتا تھا، کیا شرک تھا؟ اس رکوع میں اس کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی گئی، یہاں مفسرین کہتے ہیں خصوصیت کے ساتھ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف متوجہ کیا اور اسی طرح مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں غالباً حضرت گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی یہ بات لی ہے کہ یہاں شرک اعتماد علی الاسباب کی صورت میں ہے یعنی اپنے اسباب پر اتنا اعتماد کرلینا کہ میں سب کچھ کرسکتا ہوں، ان اسباب کی بنیاد پر مجھے معیشت حاصل ہے، اللہ کی قدرت کو اپنے ان حالات میں دخیل نہ سمجھنا، اللہ کی مشیت کو دخیل نہ سمجھنا بلکہ ان اسباب پر اعتماد کرکے ان کو ہی سب کچھ سمجھ لینا یہ بھی شرک ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ پرانے لوگوں کا شرک تو یہ تھا کہ وہ بتوں کو پوجتے تھے اور آج تعلیم یافتہ طبقہ اس قسم کے شرک میں مبتلاء ہے کہ جو اپنی مہارت فن پر اور اپنے حاصل شدہ اسباب پر اعتماد کرتا ہے اور اپنی زندگی گزرانے کے لئے وہ یہ بھی نہیں سوچتا کہ اللہ کی مشیت ہمارے معاملات میں دخیل ہے، یا اللہ کی قدرت کے ساتھ سب کچھ ہوتا ہے، ان کا ذہن یہی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے ہم قابلیت سے کرتے ہیں، ہمارے سائنسدانوں کی کوشش اور قابلیت ہمیں خوشحال کرتی ہے اس قسم کا ذہن یہ بھی مشرکانہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باغ والا اسی قسم کے شرک میں مبتلاء تھا، تو جیسے بت کو سجدہ کرنا شرک ہے

① جس وقت حضرت حکیم العصر مدظلہ نے یہ تفسیر پڑھائی اس وقت حضرت مفتی صاحب حیات تھے (از شاہین)

اور اسی طرح جنوں اور بھوتوں کو اپنے اوپر کارساز سمجھ لینا شرک ہے، اسی طرح معاشی اسباب کے اوپر اس طرح اعتماد کر لینا کہ انسان سمجھتا ہے کہ اس سے مجھے رزق ملتا ہے اور یہی میری خوشحالی کا باعث ہیں، اللہ کی مشیت اور اللہ کی قدرت کی طرف دھیان نہ رکھنا یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے اور یہ شرک دور جدید کا ہے جس کو آپ ماڈرن شرک کہہ سکتے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اور آپ بیان کیجئے ان کے لئے دنیاوی زندگی کی مثال جیسے پانی ہو جس کو اتارا ہم نے آسمان سے

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ

پھر خلط ملط ہو گئیں اس کے ساتھ زمین کی نباتات پھر ہوگئی وہ چورا چورا جس کو اڑا رہی ہیں ہوائیں اور

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۴۵﴾ مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ

نیک اعمال بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں امید کے اعتبار سے ﴿۴۶﴾ اور جس دن

الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ ۚ

ہم چلا دیں گے پہاڑوں کو اور تو دیکھے گا زمین کو کھلا میدان اور ہم ان سب کو جمع کریں گے پس ہم نہیں چھوڑیں گے ان میں سے کسی کو بھی ﴿۴۷﴾

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ

اور وہ پیش کیے جائیں گے اپنے رب پر صفیں بنائے ہوئے البتہ تحقیق آئے ہو تم ہمارے پاس اسی حالت میں جیسے ہم نے پیدا کیا پہلی مرتبہ

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

بلکہ تم نے گمان کیا کہ ہم نہیں بنائیں گے تمہارے لیے کوئی وقت موعود ﴿۴۸﴾ اور رکھ دیے جائیں گے اعمال نامے

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ

پس تو دیکھے گا مجرموں کو ڈرنے والے ہوں گے اس سے جو اس میں ہے اور وہ کہیں گے ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے

لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ

نہیں چھوڑا اس نے کسی چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو مگر اسے لکھ لیا ہے وہ پائیں گے جو انہوں نے کیا تھا موجود،

وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾
اور نہیں ظلم کرے گا تیرا رب کسی پر ﴿۴۹﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا: یہاں ضرب وہی مثال بیان کرنے کے معنی میں ہے جس طرح آپ کے سامنے پچھلے رکوع کی ابتداء میں ذکر کیا تھا، بیان کیجئے! ان کے لئے، لھم کی ضمیر لوٹ رہی ہے سرور کائنات ﷺ کے مخاطبین مشرکین مکہ کی طرف، بیان کیجئے! ان کے لئے دنیوی زندگی کی مثال، ''حیواۃ'' کا معنی زندگی اور دنیا کا لفظ یہ ادنیٰ کا مؤنث ہے، دنا یدنو قریب ہونا، دنیا قریب والی چیز کو کہتے ہیں یہ ادنیٰ کا مؤنث ہے اور ہم اس زندگی کو دنیوی زندگی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ آخرت کے مقابلہ میں ہمارے قریب ہے یہ گویا کہ نقد ہے اور وہ پوشیدہ ہے اس اعتبار سے اس زندگی کو دنیوی زندگی کہا جاتا ہے تو اس لئے اس کو دنیا کہا جاتا ہے کہ یہ آخرت کے مقابلہ میں قریب ہے كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ، بیان کیجئے ان کے لئے دنیوی زندگی کی مثال وہ مثال ایسے ہے جیسے کہ پانی ہم نے اتارا اس کو آسمان سے فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ، اِخۡتَلَطَ خلط ملط ہوجانا، گتھم گتھا ہوجانا، پس خلط ملط ہوگئی اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات، زمین کی نباتات گنجان ہوگئی، اس پانی کی وجہ سے فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا چورا کردینا، هشیم مهشوم کے معنی میں، اصبح کی ضمیر نبات کی طرف لوٹ رہی ہے پھر وہ زمین کی نباتات، زمین کی پیداوار ہوجاتی ہے چورا چورا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ، ذَرَا يَذۡرُوۡ بکھیرنا، اڑاتی پھرتی ہیں اس کو ہوائیں، ہ ضمیر نبات کی طرف لوٹ گئی، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔

اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ: مال اور بیٹے زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا یہ دنیوی زندگی کی سجاوٹ ہیں، وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ اور باقی رہنے والے نیک اعمال خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک ازروئے بدلہ کے وَّخَيۡرٌ اَمَلًا اور بہتر ہیں ازروئے امید لگانے کے، ''اَمَلٌ'' امید کو کہتے ہیں یعنی نیک اعمال ہی ایسی چیز ہیں جو امید لگانے کے اعتبار سے بہتر ہیں اور بدلہ کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔

وَ یَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ: سَارَ یَسِیْرُ چلنا، قرآن کریم میں آئے گا سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ زمین میں چلو پھرو اور سَیَّرَ یُسَیِّرُ چلاتا، وَ یَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے یعنی ان کی جگہوں سے ہلا دیں گے وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً اور دیکھے گا تو زمین کو کھلی ہوئی، صاف ستھرا میدان، ''بارزۃ'' کا معنی ننگی جس کے اوپر کوئی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں، نہ نباتات کی، نہ باغات کی، نہ پہاڑوں کی، نہ مکانات کی، کھلی ہوئی زمین ہوگی، وَّ حَشَرْنٰهُمْ اور ہم ان سب کو جمع کریں گے فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا، غَادَرَ مُغَادَرَةً چھوڑنا، پھر نہیں چھوڑیں گے ہم ان میں سے کسی کو۔

وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا: پیش کیے جائیں گے یہ لوگ اپنے رب پر قطار در قطار، صفیں باندھے ہوئے، لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا، اس سے پہلے قلنا کا لفظ محذوف ہے یا نقول، ہم کہیں گے البتہ تحقیق تم لوگ ہمارے پاس آ گئے كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ جیسا کہ پیدا کیا تھا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ، تم ہمارے پاس ایسے ہی آ گئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا بلکہ تمہارا گمان یہ تھا کہ ہم ہرگز نہیں کریں گے تمہارے لیے وعدہ، ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ متعین نہیں کریں گے، کوئی وعدہ کا وقت متعین نہیں تمہارا خیال یہ تھا۔

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ: کتاب سے اعمال نامہ مراد ہے، کتاب رکھ دی جائے گی، اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا، فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ، تری کا خطاب ہر مخاطب کو ہے جو بھی سن رہا ہے، پھر تو دیکھے گا مجرموں کو ڈرنے والے اس چیز سے جو اس کتاب میں ہے، کانپ رہے ہوں گے کہ اس میں کیا کچھ لکھا ہوا ہے وَ يَقُوْلُوْنَ اور وہ مجرم کہہ رہے ہوں گے يٰوَيْلَتَنَا اے ہماری خرابی! مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ، اس کتاب کو کیا ہو گیا لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً، نہیں چھوڑتی یہ کتاب کسی چھوٹی بات کو اور نہ کسی بڑی بات کو اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا مگر اس کتاب نے اس کو گھیر لیا ہے یعنی اس میں تو سب کچھ ہی لکھا ہوا ہے وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا، مَا عَمِلُوْا جو کچھ انہوں نے کیا، یعنی پائیں گے وہ اس چیز کو جو انہوں نے کی حاضر، اپنے کیے ہوؤں کو حاضر پائیں گے وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

ما قبل سے ربط:۔

پچھلے رکوع میں دو افراد کی ایک خاص مثال بیان کی گئی تھی جن میں سے ایک دو باغوں والا تھا اور ایک فقیر د

مسکین تھا اور اس مثال کے تحت یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ انسان کبھی بھی اپنے اسباب پر اعتماد نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھے کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہو اور ان اسباب کا وجود بھی صرف اسی وقت تک ہے جب تک اللہ کی مشیت ان سے متعلق ہے اور اگر ان کے ساتھ اللہ کی مشیت متعلق نہ رہے تو یہ اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے انسان کو روزی اور راحت نہیں ملتی اب یہاں دنیوی زندگی کی ایک عمومی مثال بیان کی جارہی ہے اس مثال کے ذریعہ سے بھی فناء دنیا کا نقشہ پیش کرنا مقصود ہے اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دنیا فانی ہے، اس میں تم کتنے بڑھ جاؤ، کتنے چڑھ جاؤ، کتنے اسباب جمع کرلو آخر ایک دن یہ ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد ایک جہان شروع ہوگا جو ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والا ہے اور اس دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا ذرہ ذرہ اس وقت آپ کے سامنے آجائے گا، فکر کرنے کی بات وہ ہے۔

باقی چیز فانی کے مقابلہ میں بہتر ہے، مثال سے وضاحت:۔

اب آپ جانتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ یہ کوٹھی ہے اس میں دنیا کی ہر قسم کی راحت ہے، ائر کنڈیشن ہے، ٹھنڈے پانی کیلئے کولر لگے ہوئے ہیں ہوا کا انتظام ہے، سونے کے لئے بہترین بستر ہیں، نہانے کے لئے بہترین غسل خانے ہیں جو بھی عیش آپ سوچ سکتے ہیں وہ اس کوٹھی میں موجود ہے اگر یہ لیتے ہو تو لے لو لیکن یہ ملے گی تمہیں صرف ایک مہینہ کیلئے اس کے بعد ہم اس کو واپس لے لیں گے اور ایک یہ مکان ہے، سادہ سا ہے جس میں دنیا کی کوئی عیش وعشرت نہیں ہے سایہ ہے دیواریں ہیں، پردہ ہے، اور اگر یہ لیتے ہو تو یہ ہم آپ کو زندگی بھر کے لئے دیتے ہیں، ساری زندگی اس میں رہنا، یہ ہم واپس نہیں لیں گے۔

اگر یوں کسی کے سامنے دو مکان پیش کردیے جائیں کہ ایک بہت بڑی کوٹھی ہے جو ہر طرح سے مزین ہے لیکن چند روز کے لئے ہے، اس کے بعد ہم خالی کروالیں گے، ہمیں نہیں معلوم تم سڑکوں پر سوؤ، ہمیں نہیں معلوم تم فٹ پاتھوں پر دھکے کھاؤ تمہارے لیے کوئی مکان نہیں ہے اور ایک یہ ہے جو سادہ سیدھا سا ہے، جس میں گزر راہ ہے، وقت گزر جائے گا لیکن یہ رہے گا تمہارے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، ہم اس کو واپس نہیں لیں گے، اگر یہ چیز آپ کے سامنے پیش کردی جائے تو میرا خیال ہے کہ اگر عقل ٹھکانہ پر ہو اور انسان میں کچھ سوچنے کا ملکہ ہو تو وہ کہے گا بھائی! پھر یہ سادہ مکان ہی دے دو جو کم از کم زندگی بھر سکون سے ایک جگہ بیٹھیں گے تو سہی، اب اس کوٹھی کو لے کر

ہم کیا کریں گے کہ ایک مہینہ تو ہم عیش کرلیں، اس کے بعد دھکے کھائیں اور کہیں سایہ بھی نصیب نہ ہو، اب اس کوٹھی میں عیب یہی ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے نہیں، زندگی بھر کے لئے نہیں اور وہ مکان چاہے سادہ ہے لیکن زندگی بھر کے لئے ہے تو باقی رہنے والی چیز ہمیشہ فانی کے مقابلہ میں ترجیح پاجاتی ہے۔

دوسری مثال:۔

آپ سے کوئی کہے کہ ہمارے پاس آجاؤ، ایک دن ہم آپ کو کھلائیں گے مرغ اور مرغن کھانے پلاؤ، قورمہ، کباب، آئس کریم، ہر قسم کا سوڈا میسر ہوگا صبح سے شام تک کھاتے پیتے رہنا لیکن پھر نو دن ہم کچھ نہیں دیں گے، ایک دن جتنا تمہارا جی چاہے کھالو، منہ مانگی مرادیں ملیں گی، لیکن اس کے بعد نو دن فاقہ ہے اور اگر تم دال روٹی پر گزر راہ کرنا چاہو تو دس دن دو وقت لیتے رہو، تمہاری مرضی ہے، اب اگر یہ چیز آپ کے سامنے پیش کردی جائے تو کیا آپ دال روٹی پسند کریں گے یا مرغن کھانوں کو پسند کریں گے جو ایک ہی دن کھالیں اور بعد میں نو دن فاقہ کرلیں گے......؟ (سادہ کھانا پسند کریں گے) کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ اگر ایک دن پیٹ بھر ہی لیا تو پیٹ کی تو یہ خاصیت ہے وہ اوپر ڈالتے جاؤ نیچے سے نکلتا جائے گا، جس برتن کے نیچے سوراخ ہو وہ بھرا نہیں کرتا ہے، یہ تو آخر خالی ہوجائے گا اور خالی ہونے کے بعد نو دن تک تڑپنا پڑے گا تو یہ کھایا ہوا کس کام کا......؟ پھر جب بھوک لگے گی تو نانی یاد آجائے گی اور اس کی بجائے بہتر ہے کہ سادہ کھاتے رہو اور صبح وشام بوقت ضرورت کھاتے رہو تو اس میں آرام اور راحت ہے تو عقل منداس طرح سوچا کرتا ہے کہ دیکھنا یہ ہے کہ دائمی راحت کس چیز میں ہے، یہ نہیں سوچا کرتے کہ عارضی طور پر عیاشی کس چیز میں ہے، چاہے اس کے بعد پھانسی پر ہی لٹکنا پڑے، لیکن جس بستی کے اندر سارے ہی پاگل جمع ہوجائیں وہاں پاگلوں والی حرکتیں تو اچھی لگتی ہیں، اور اگر کوئی عقلمند آجائے تو عجیب سا معلوم ہوگا۔

فناء دنیا کی مثال:۔

اب یہاں دنیا کی بستی میں ہر شخص نے یہ طرز اپنالیا کہ نقد کھاؤ جو کچھ ملتا ہے، کل کی خبر نہیں جو ہوگا دیکھی جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ ذرہ آنکھیں کھولو، جھانک کے دیکھو،

بالکل مشاہدہ کے درجہ میں ہے، یہ نہیں کہ تمہیں کسی ایسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ جو آپ کو دلائل سے سمجھانے کی ضرورت ہے، روزمرہ کا مشاہدہ ہے ہم اپنی آنکھوں کے سامنے اس بات کو دیکھتے ہیں لیکن لذت پرستی نے ہمارے دماغوں کے اوپر اس طرح پردہ ڈال رکھا ہے کہ ہم اس بات کو سمجھتے ہی نہیں ہیں، ورنہ یہ مشاہدہ ہے۔ کس چیز کا مشاہدہ ہے؟ ہر محلہ میں، ہر بستی میں، ہر قصبہ میں بلکہ ہر گھر سے جنازے اٹھتے ہیں اور یہ جنازہ کا اٹھنا یہ ایک مشاہدہ دلیل ہے کہ دنیا فانی ہے، تم چاہے کتنے ہی خزانے جمع کرلو جس طرح ماں کے بطن سے ننگ دھڑنگ خالی ہاتھ آئے تھے، اسی طرح اس دنیا سے ننگ دھڑنگ تمہیں آگے منتقل کردیا جاتا ہے، جیسے آئے تھے ویسے ہی جاتے ہو، تو اس سے معلوم ہوگیا کہ دنیا کے اندر انسان چاہے کچھ کرے، یہ عارضی ہے یہ تو پختہ بات ہے جس میں کوئی اشتباہ کی گنجائش ہی نہیں، کوئی آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں نے دنیا کے اندر ہمیشہ رہنا ہے لیکن اپنا مرنا یاد نہیں رہتا، زندگی گزارتا یوں ہی ہے جیسا کہ ہمیشہ رہنا ہو اور وہ وقت اس کو یاد نہیں کہ جب اس کو کان سے پکڑ کے اس کو ان حویلیوں اور محلات سے منتقل کر کے باہر مٹی کے ڈھیر کے نیچے دے دیا جائے گا وہ وقت اس کو یاد نہیں رہتا اگرچہ بات کرو گے تو کہے گا کہ یقینی بات ہے لیکن یہ ایسی یقینی ہے کہ یاد نہیں رہتی۔

دوسری مثال:۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ دوسری بات بھی ہے، فناءِ دنیا کے یہ واقعات بھی آپ کے سامنے پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک وقت میں ہر قسم کی راحت اور آرام حاصل ہے، دوسرے وقت میں کوئی ایسی آفت آتی ہے کہ سب کچھ ہی ختم ہوجاتا ہے اور انسان خالی ہاتھ کھڑا رہ جاتا ہے، کھیتی جس وقت شباب کو پہنچی تو اجڑ گئی، باغ جس وقت انتہاء کو پہنچا تو ویران ہوگیا، محلات بنتے ہیں تو کیا آئے دن تم ان محلات کو گرتا ہوا نہیں دیکھتے؟ زلزلہ کے ساتھ تباہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے؟ آگ لگ کے آپ ان کو جلتا ہوا نہیں دیکھتے......؟ چوروں کے ہاتھ میں یہ آپ کو لٹتے ہوئے نظر نہیں آتے......؟ کیا یہ واقعات آپ کے سامنے نہیں ہیں......؟ تو جب یہ سارے کے سارے واقعات ہیں تو تمہاری آنکھیں کیوں نہیں کھلتیں......؟ یہ تو سارے کا سارا عارضی سا معاملہ ہے، جس طرح بچہ کے سامنے کھلونا ڈال دیا جائے تو بچہ اس کے ساتھ کھیلنے لگ جاتا ہے اسی طرح یہ تو ایک کھلونا ہے اور جو لوگ اپنی صلاحتیں صرف ان فانی چیزوں کے لئے ختم کردیتے ہیں، اس سے بڑھ کے خسارہ اور کوئی نہیں۔

دنیا کا عیش عارضی ہے آخرت کا عیش دائمی ہے:۔

اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے دوسرا رخ پیش کرتا ہے کہ ایک زندگی آگے بھی آنے والی ہے جس میں زندگی کا محاسبہ ہوگا اصل راحت وہاں کی راحت ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ① ، یا اللہ! عیش اگر ہے تو آخرت کی عیش ہے، دنیا کی عیش کوئی عیش نہیں، جو لوگ اس نکتہ کو سمجھ جاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں تو گزارہ کرنے کی کوشش کرو جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری مثال تو ایسے ہے جیسے ایک راہ چلتا مسافر تھوڑی دیر کے لئے درخت کے نیچے ستانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، سانس لیتا ہے اور آگے اپنا سفر شروع کر دیتا ہے ② اور اس کو اردگرد کی بہار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بس دیکھنا یہ ہے کہ ہماری منزل سامنے ہے بس یہ سفر کٹنا چاہیے اور اس کی ساری کی ساری توجہ آخرت کی طرف ہوگی اور اللہ کے احکام کی رعایت رکھے گا یہ ہے نفع کا سودا اور جو دنیا کی محبت میں مبتلاء ہو کے اسی میں کھپ جاتے ہیں وہ اسی کے ہی ہو کر رہ گئے اور یہاں سے جائیں گے تو خالی ہاتھ ہوں گے، عمر اپنی ضائع کر بیٹھے اور جو دنیا کی محبت میں مبتلاء ہوتے ہیں وہی فتنوں کا شکار ہوتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا حب الدنیا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ③ دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے اور آخرت کا فکر ہر نیکی کا اصل ہے جو شخص آخرت کی فکر رکھے گا ہر نیکی اس کے لئے آسان ہے اور جو دنیا کی محبت میں مبتلاء ہو گیا ہر برائی اس کے سر پر سوار ہوتی چلی جائے گی اس رکوع کے اندر یہی فناء دنیا کی مثال دی گئی ہے، ترجمہ دیکھنے سے ساری بات خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔

---

① بخاری ج ۱ ص ۴۱۵، ۵۳۵

② مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۲، ترمذی ج ۲ ص ۶۳ ط ایچ ایم وَمَا اَنَا وَالدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا

③ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۴

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ
اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو کہ تم سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ جنات میں
الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ
سے تھا پس اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی اولاد کو دوست مجھے چھوڑ کر
وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ
حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، یہ ظالموں کیلئے برا بدل ہے۵۰ میں نے گواہ نہیں بنایا ان کو
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ
آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت اور نہ ان کے اپنے پیدا کرنے کے وقت اور نہیں ہوں میں
الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
بنانے والا گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار ۵۱ اور جس دن اللہ کہے گا بلاؤ تم میرے ان شرکاء کو جن کو تم شریک سمجھتے تھے
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝۵۲ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ
پس وہ ان کو پکاریں گے وہ انہیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم بنا دیں گے ان کے درمیان آڑ ۵۲ اور دیکھیں گے مجرم لوگ
النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳
آگ پھر وہ یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ نہیں پائیں گے اس سے بچنے کا راستہ ۵۳

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ: اِذْ کا عامل محذوف ہے "اُذْكُرْ لِيُذْكَرْ" دونوں طرح ٹھیک ہے یاد کیجئے! قابل ذکر ہے وہ وقت جب ہم نے کہا فرشتوں کو اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ، آدم کو سجدہ کرو فَسَجَدُوْٓا پس ان سب نے سجدہ کر دیا اِلَّآ اِبْلِيْسَ سوائے ابلیس کے، كَانَ مِنَ الْجِنِّ ابلیس جنوں میں تھا فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ، وہ نکل گیا اپنے رب

کے حکم سے، نافرمان ہوگیا اپنے رب کے حکم سے، اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ، تتخذون یہ خطاب بنی آدم کو ہے، کیا تم بناتے ہو اس ابلیس کو اس کی اولاد کو دوست مِنْ دُوْنِيْ مجھے چھوڑ کر وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، عدو دشمن کو کہتے ہیں اور یہ لفظ عدو واحد جمع سب کیلئے بولا جاتا ہے اس لئے ھم کی خبر کی واقع ہو رہی ہے، ذریۃ سے حقیقی اولاد مراد لے لی جائے تو بھی ٹھیک ہے، جس طرح آدم کی نسل پھیلی ہے اسی طرح ابلیس کی نسل بھی پھیلی ہوگی ورنہ ذریت سے اصل کے اعتبار سے تابعین مراد ہوتے ہیں جن کو ہم اپنی زبان میں چیلے چانٹے کہتے ہیں، متبعین کے لئے بھی ذریت کا لفظ بولا جاتا ہے بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا، برا ہے ظالموں کے لئے از روئے بدلہ کے، بِئْسَ کی ضمیر ابلیس کی طرف لوٹ جائے گی، ظالموں کے لئے ابلیس بُرا بدلہ ہے یعنی مجھے چھوڑ کے جو ابلیس کے ساتھ دوستی لگاتے ہیں یہ ان کے لئے اچھا بدل نہیں ہے۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: نہیں حاضر کیا میں نے انہیں زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں، اَشْهَدَ اِشْهَاد حاضر کرنا، میں نے ان کو زمین و آسمان کا پیدا کرنا دکھایا نہیں، ان کو مشاہدہ نہیں کروایا، زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں میں نے انہیں حاضر نہیں کیا کہ آؤ تم بھی ساتھ شریک ہو جاؤ، آؤ دیکھو! میں کس طرح پیدا کرتا ہوں، تم مشورہ دو کہ کیسی بنانی چاہیے میں نے اس طرح ان کو بلایا نہیں، موقع پر حاضر نہیں کیا وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ اور نہیں دکھایا میں نے انہیں خود ان کا پیدا کرنا، ان کے پیدا کرنے کے وقت بھی ان کو نہیں بلایا کہ بعض کو پیدا کرنے کے وقت بعض کو بلالیا ہو وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا اور نہیں ہوں بنانے والا گمراہ کرنے والوں کو بازو، عضد بازو کو کہتے ہیں اور اس سے مراد ہوتا ہے مددگار، جس طرح ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں میرا دست راست ہے، میرا دایاں ہاتھ ہے کہ جس طرح ہم اپنا کام دائیں ہاتھ سے کیا کرتے ہیں اسی طرح فلاں شخص میرے ساتھ معاون ہے تو اتخاذ عضد سے مراد ہوتا ہے کہ اس کو اپنا مددگار ٹھہرلیا، مضلین کا مصداق یہی ابلیس اور اس کی ذریت ہے۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ: جس دن کہے گا اللہ تعالیٰ آواز دو، نَادُوْا امر کا صیغہ ہے، آواز دو پکارو شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ میرے ان شرکاء کو جن کو تم شرکاء سمجھتے تھے، الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ میں یہ بات ظاہر کر دی کہ واقعہ کے اعتبار سے وہ شریک نہیں، جن کو تم شریک سمجھتے تھے ان کو پکارو، فدعوھم پھر وہ مشرکین ان شرکاء کو پکاریں گے، فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وہ شرکاء انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے، ان کے بلانے کو قبول نہیں کریں گے وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا،

موبق ہلاکت کا گڑھا، ہلاک ہونے کی جگہ یہاں آگ کی خندق مراد ہے اور بنادیں گے ہم ان کے درمیان میں خندق کہ ایک دوسرے تک پہنچ نہیں سکیں گے، ہم ان کے درمیان میں ہلاکت کا گڑھا بنادیں گے، ان کے درمیان میں آڑ قائم کردی وَرَاَالْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ، صیغہ اگرچہ ماضی کا ہے لیکن ترجمہ مضارع کا ہوگا کیونکہ جو چیز یقیناً ہونے والی ہوتی ہے یہ فصاحت و بلاغت کا اصول ہے کہ اس کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کرتے ہیں گویا کہ ایسا ہو ہی گیا ہے جس کے لئے آپ تحقیق وقوع کا لفظ استعمال کرتے ہیں کہ تحقیق وقوع کی وجہ سے اس کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کردیا یعنی جس کام کا ہونا یقینی ہوتا ہے اس کو ماضی کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں گویا کہ ایسا ہو ہی گیا جس کیلئے آپ تحقیق وقوع کا لفظ استعمال کرتے ہیں کہ تحقیق وقوع کی وجہ سے اس کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کردیا یعنی جس کام کا ہونا یقینی ہوتا ہے اس کو ماضی کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کر کے یہ تأثر دیا جاتا ہے کہ اس کا ہونا اتنا یقینی ہے گویا کہ ہو ہی گیا ہے وَرَاَالْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ، مجرم لوگ آگ دیکھیں گے فَظَنُّوْا پھر سمجھیں گے، گمان کریں گے، ان کے خیال میں آئے گا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا کہ وہ سب کے سب اس آگ میں گرنے والے ہیں، اس آگ میں واقع ہونے والے ہیں، اصل میں مواقعون تھا نون اضافت کی وجہ سے گرگیا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا اور وہ نہیں پائیں گے اس آگ سے ہٹنے کی جگہ، ان کو اس آگ سے ہٹنے اور بچنے کی کوئی جگہ نہیں ملے گی۔

ماقبل سے ربط:۔

پچھلے دو رکوع جو آپ کے سامنے گزرے ہیں، ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے سامنے فناءِ دنیا کا نقشہ پیش کیا تھا ایک خصوصی مثال کے ذریعے کہ دو باغ والوں کی مثال دی تھی، اور ایک عمومی مثال کے ذریعے کہ ساری دنیوی زندگی کی ایک مثال دی تھی اور ان مثالوں سے مقصود یہ تھا کہ لوگ اس دنیا کی محبت میں مبتلاء نہ ہوں اور دنیا کی عیش وعشرت میں مبتلاء ہو کے آخرت کو نہ بھولیں اور اگر کسی کو دنیا کے اسباب حاصل ہوجائیں تو وہ یہ نہ سمجھا کرے کہ میں اب ہمیشہ کے لئے خوشحال ہوگیا بلکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اسباب بھی اللہ کی مشیت کے ساتھ مہیا ہوتے ہیں اور اسباب کے مہیا ہوجانے کے بعد ان کا باقی رہنا بھی اللہ کی مشیت کے ساتھ ہوتا ہے تو جب اللہ کی قدرت اور اس کی مشیت ہر وقت مستحضر رہے گی تو انسان دنیا کی محبت میں مبتلاء نہیں ہوتا اور عارضی طور پر دنیا میں اگر مسکنت آجائے، غربت آجائے، اسباب معیشت سے

انسان کسی درجہ میں محروم ہو جائے تو انسان گھبراتا نہیں ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء ہے، یہ وقت ہمیں صبر کے ساتھ گزرانا چاہیے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو خوشحالی مل جائے، خوشحالی کے اسباب مل جائیں تو وہ اتراتا نہیں ہے، اللہ سے غافل نہیں ہوتا بلکہ شکر کی زندگی اختیار کرتا ہے، فناء دنیا کی حقیقت سمجھ آنے کے بعد انسان پر یہ دونوں اثر واقع ہوتے ہیں کہ غربت اور مسکنت میں گھبراتا نہیں ہے اور خوشحالی آ جانے کی صورت میں اتراتا نہیں ہے، ایک وقت میں صبر کرتا ہے اور ایک وقت میں شکر ادا کرتا ہے دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق مضبوط رہ جاتا ہے۔

بُرائی کا راستہ اختیار کرنے کے دو اہم اسباب:۔

اور اگر کسی کے سامنے فناء دنیا مستحضر نہ ہو تو وہ لوگ دنیا کی محبت میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اور دنیا کی محبت میں مبتلاء ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ پھر اللہ سے غافل ہو جاتے ہیں، آخرت ان کو یاد نہیں رہتی اور یہ چیز ہر برائی کی جڑ ہے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ ①، تو برائی کا راستہ اختیار کرنے کیلئے ایک تو یہ چیز سبب بنتی ہے کہ انسان دنیا کی محبت میں مبتلاء ہو جاتا ہے اور دوسرا باطنی طور پر ایک دشمن شیطان پیچھے لگا ہوا ہے، وہ مغالطے دیتا ہے اور مغالطے دے کے بنی آدم کو اللہ کی نافرمانی میں مبتلاء کرتا ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ اس دشمن سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔

پہلی آیت کا مفہوم:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس وقت تمہیں یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا اس وقت سے تمہارے پیچھے ایک دشمن لگا ہوا ہے جس کو ابلیس کہتے ہیں اور اختلاف کی بنیاد یہیں سے پیدا ہوئی تھی کہ اس نے تمہارے ابا کی عزت اور وجاہت کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تھا تو فرشتوں کو حکم دیا، اور ساتھ ابلیس بھی تھا اس کو بھی حکم دیا جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ②، تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا وہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی جھکنے کا حکم تھا یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوئی کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا! تو اس نے یہ نہیں کہا

① مشکوۃ ج ۲ ص ۴۴۴

② پارہ نمبر ۸ سورۃ نمبر ۷ آیت نمبر ۱۲

کہ مجھے تو آپ نے کہا ہی نہیں ہے، آپ نے تو فرشتوں سے کہا ہے، یہ عذر اس نے نہیں کیا بلکہ آگے سے اپنی منطق چلائی۔ لیکن فرشتوں نے تو سجدہ کر دیا، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے سورۃ بقرہ میں اور خصوصیت کے ساتھ سورۃ اعراف میں گذرا ہے اور آئندہ بھی مختلف سورتوں میں اس واقعہ کے مختلف اجزاء آئیں گے، ابلیس نے انکار کر دیا اور اس کے انکار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو مردود کر دیا مردود ہونے کے بعد اس نے اللہ سے مہلت مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی اور مہلت پا کر اس نے یہ کہا تھا کہ یہ جو آدم ہے جس کی وجہ سے تو نے مجھے دھتکارا میں اس کی اولاد کو قابو کروں گا، دیکھوں تو بھلا یہ آپ کی فرمانبرداری کس طرح کرتے ہیں! تو اللہ تعالیٰ نے کہا تھا جا جو تجھ سے زور لگتا ہے لگا لے، جو تیرے پیچھے لگ جائیں گے میرا کیا بگاڑیں گے، تجھے اور ان سب کو اکٹھا کر کے میں جہنم میں ڈال دوں گا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ قرآن کریم میں یاد دلاتا ہے کہ آدم کے بچو! اپنے دشمن کو پہچانو، جو بھی تمہیں میرے حکم کے خلاف اکساتا ہے اور مجھ سے تمہیں غافل کرتا ہے، سمجھ لیا کرو کہ یہ تمہارا ازلی دشمن ابلیس ہے، اور یہ ابلیس کی اولاد ہے اور ابلیس کے چیلے جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں، ابلیس سے تربیت پا کر انسان بسا اوقات آگے ابلیس کا بھی استاد بن جاتا ہے، شرارتیں کرنے میں، برائی پھیلانے میں، فسق و فجور میں بسا اوقات انسان ابلیس سے بھی آگے نکل جاتا ہے وہ ساری کے ساری ذریتِ ابلیس تمہیں راستہ سے بہکاتی ہے، یہ تمہارے دشمن ہیں، تم ذرا سوچو تو سہی! کہ مجھے چھوڑ کے تم ان کے ساتھ دوستی لگاتے ہو میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میں تمہارا پیدا کرنے والا ہوں، تمہاری ضروریات پوری کرنے والا، مجھے چھوڑ کے تم ابلیس اور اس کی اولاد سے دوستی لگاتے ہو تو ہر وہ شخص جو اللہ کے راستہ کے خلاف اکساتا ہے، وہ ابلیس ہے یا ابلیس کے چیلا ہے اگر تم ان کی بات کو ترجیح دو گے تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے چھوڑ دیا اور ان سے دوستی لگالی، اگر ایسا ہے تو تم نے بہت برا بدلہ حاصل کیا ہے، ایک اعلیٰ دوست کو چھوڑ کر ایک بدترین شخص کو دوست بنالیا جائے تو ہر کوئی کہے گا کہ بڑا بے وقوف ہے کیسا پیارا دوست چھوڑا، کیسے خیر خواہ، کیسے ہمدرد کو چھوڑا اور کس قسم کے خود غرض کے پیچھے لگ گیا وہ تو اس کو کہیں نہ کہیں دھوکہ دے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو مجھے چھوڑ کے ابلیس کو اختیار کرتا ہے تو ظالموں کو بہت بُرا بدلہ ملا ہے، یہ ابلیس جو ان کو میرے بدلہ میں مل رہا ہے یہ کوئی اچھا بدل نہیں ہے، یہ نعم البدل نہیں، یہ بئس البدل ہے۔

دوسری آیت کا مفہوم:۔

باقی ان کے پاس زور اور طاقت کوئی نہیں ہے جس طرح مشرکین مکہ ان کو شرکاء بنائے ہوئے تھے ان کے نام پر چڑھاوے چڑھاتے تھے، ان سے مدد مانگتے تھے جیسا کہ سورۃ جن کے اندر آئے گا تو مشرکین مکہ نے تو اپنے اوپر جنات کو مسلط کر رکھا تھا وہ سمجھتے تھے کہ ان کے ہاتھ میں نفع نقصان ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بالکل ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، میں وحدہٗ لاشریک ہوں، زمین و آسمان کو میں نے اکیلے نے پیدا کیا ہے، میں نے ان کو پیدا کرتے وقت ان کو بلایا تک نہیں، ان کو حاضر نہیں کیا، ان سے مشورہ نہیں کیا، ان کا خدائی میں کیا دخل ہے اور خود ان کا پیدا کرنا ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہے، میں نے ان کو بھی جیسے چاہا بنایا، تو ان کے اوپر جس طرح سے تسلط میرا ہے، ان کے بارے میں یہ نہ سوچو کہ یہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، بہت ڈرائیں گے، بہت چکمے دیں گے، کہیں حرص، کہیں لالچ، کہیں خوف اس طرح تمہیں میرے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کریں گے لیکن تم یقین کر لو کہ ان کا خدائی میں کوئی دخل نہیں ہے، یہ کچھ نہیں کر سکتے اس لیے ان سے ڈر کر یا ان کے لالچ دلانے سے کوئی شخص بھی میرے راستے سے نہ ہٹے، اپنے دماغ کو صاف کر لو، انسان کے اوپر جن کا تسلط نہیں ہے اور یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، تم اپنے اللہ سے تعلق رکھو! باقی یہ ہے کہ ڈراتے، دھمکاتے ہیں، لالچ دلاتے ہیں، حرص دلاتے ہیں، مختلف قسم کے سبز باغ دکھاتے ہیں، تم ثابت قدم رہو، اس آیت سے یہی مقصد ہے، ''میں نے ان کو حاضر نہیں کیا زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں اور نہ خود ان کے پیدا کرنے میں'' ان کو بھی میں نے پیدا کیا اور جیسے چاہا بنایا اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں بھی ان سے کوئی مشورہ نہیں لیا ہے، اس لیے ان کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو بنانے والا ہوں یعنی میرا کوئی مددگار نہیں، کوئی زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں میرے ساتھ ہاتھ بٹانے والا نہیں لیکن اگر بالفرض ہوتا بھی تو کیا میں نے ان گمراہوں اور سرکشوں کو اپنا مددگار بنانا تھا......؟ اللہ کا کوئی مددگار نہیں ہے، کسی کام میں اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے، کسی ولی کے متعلق یہ عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا کہ یہ اللہ کا مددگار ہے اور اللہ کا ہاتھ بٹاتا ہے، کسی نبی کے متعلق یہ عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا کہ یہ اللہ کا مددگار ہے اور کسی کام میں اللہ کا ہاتھ بٹاتا ہے اور فلاں کام اللہ نے ان کی شرکت کے ساتھ کیا ہے، اگر یہ اللہ کا ساتھ نہ دیتے تو کام نہ ہوتا کسی نبی کے متعلق یہ عقیدہ رکھو تو شرک، کسی ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھو تو شرک، کسی فرشتہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو تو شرک، تو کسی

کو بھی مددگار نہیں ٹھہرایا جاسکتا تو پھر جو خود اللہ سے باغی ہیں، سرکش ہیں، گمراہ ہیں، گمراہ کرنے والے ہیں، ان کے متعلق تم کیسے سمجھتے ہو کہ یہ اللہ کے مددگار ہیں؟ ان کو اللہ نے مددگار کیسے بنالیا؟ یعنی ان کی نفی اور شدت کے ساتھ ہوگئی۔

تیسری اور چوتھی آیت کا مفہوم:۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا: یہ دکھایا جارہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ایک دوسرے کا عجز آنکھوں کے سامنے آجائے گا کہ یہ شرکاء کسی کام کے نہیں ہیں، آج تو تم غائبانہ طور پر ان کے لیے مختلف عقیدے بنائے ہوئے ہو لیکن ایک وقت آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ ان شرکاء کو بھی اور ان مشرکین کو بھی سب کو اکھٹا کرے گا پھر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اب تم مصیبت میں پھنسے ہوئے ہو ذرا ان شرکاء کو آواز دو آج تمہاری مدد کریں گے، بلاؤ ان شرکاء کو جن کو تم شرکاء سمجھا کرتے تھے تو مشرکین پریشانی کی حالت میں انہیں آواز دیں گے، وہ کوئی جواب نہیں دیں گے اور ان کے درمیان میں آڑ قائم ہوجائے گی کہ وہ ایک دوسرے تک پہنچ ہی نہیں سکیں گے اور وہ آڑ آگ کی خندق ہوگی، ہلاکت کا گڑھا ہوگا اور مجرم آگ دیکھ لیں گے اور اس وقت شرکاء کام نہیں آئیں گے، مجرموں کے سامنے جہنم آجائے گی اور وہ سمجھ جائیں گے کہ اب اس جہنم میں گرنے والے ہیں اور نہیں پائیں گے اس جہنم سے ہٹنے کی جگہ ایسے نازک وقت میں بھی پھر مشاہدہ ہوجائے گا کہ یہ کسی کام کے نہیں ہیں اور آج جو تم ان کو شرکاء بنائے بیٹھے ہو اور مختلف کاموں میں ان کو اپنا مددگار سمجھتے ہو یہ تمہاری نظریاتی غلطی ہے، یہ تمہیں بہکا کر اللہ کے راستہ سے ہٹاتے ہیں اور تمہیں ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں تو نہ تو دنیا کی محبت میں مبتلاء ہو کے تم اللہ کے احکام کو چھوڑو اور نہ کسی ابلیس، شیطان یا اس کے چیلے چانٹے کے اکسانے اور بہکانے کے ساتھ اللہ کے حکم کی مخالفت کیا کرو، تمہاری دینی اور دنیوی ہر قسم کی سعادت اللہ کے احکام ماننے میں ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ

البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کے مضامین اور انسان بہت زیادہ ہے جھگڑنے

شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَیَسْتَغْفِرُوْا

کے اعتبار سے ﴿۵۴﴾ اور نہیں روکا لوگوں کو کہ وہ ایمان لائیں جب آ گئی ان کے پاس ہدایت اور وہ مغفرت

رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ کہ آئے ان کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ یا آ جائے ان پر عذاب سامنے سے ﴿۵۵﴾

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ

اور نہیں بھیجتے ہم پیغمبروں کو مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور جھگڑا کرتے ہیں وہ لوگ

كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَمَاۤ اُنْذِرُوْا

جنہوں نے کفر کیا باطل کے ذریعہ سے تا کہ وہ ہٹا دیں اس کے ذریعہ حق کو اور بنایا انہوں نے میری آیات کو اور جس چیز سے ان کو

هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ

ڈرایا گیا مذاق ﴿۵۶﴾ کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیات کے ساتھ اور اس نے

مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ

اعراض کیا اس سے اور بھول گیا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا بیشک ہم نے کر دیئے ان کے دلوں پر پردے اس بات سے کہ وہ اس کو سمجھیں

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ یَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور ان کے کانوں میں بوجھ اگر تو بلائے ان کو ہدایت کی طرف تو وہ تب ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے کبھی بھی ﴿۵۷﴾

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ

اور تیرا رب مغفرت کرنے والا رحمت والا ہے اگر وہ مواخذہ کرتا ان کا ان کے کاموں کی وجہ سے تو جلدی بھیج دیتا

الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸ وَتِلْكَ
ان پر عذاب بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ ہے وہ ہرگز نہیں پائیں گے اس کے علاوہ کوئی پناہ گاہ ۝۵۸ اور یہ بستیاں
الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹ ع
ہم نے ان کو ہلاک کردیا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے بنا رکھا ہے ان کو ہلاک کرنے کیلئے ایک وقت مقرر ۝۵۹

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ: مثل مثال عجیب مضمون کو کہتے ہیں، صَرَّفَ تَصْرِيْفًا پھیر پھیر کر بیان کرنا، لقد تاکید کے لئے، بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے مضمون کو بار بار بیان کیا، بار بار ذکر کیا، طریقے بدل بدل کر بیان کیا، وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا اور انسان ہر چیز سے زیادہ ہے ازروئے جھگڑنے کے، جدل کہتے ہیں جھگڑنے کو، اَكْثَرَ شَيْءٍ یہ سب چیزوں سے زیادہ ہے، جَدَلًا یہ اَكْثَرَ شَيْءٍ سے بطور تمیز کے منصوب ہے، ہر چیز سے زیادہ ہے ازروئے جھگڑنے کے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا: اور نہیں روکا لوگوں کو، اَنْ يُّؤْمِنُوْا، ان مصدریہ ہے مابعد والے فعل کو یہ مصدر کی تاویل میں کردے گا اور مصدر کے ساتھ ترجمہ یوں ہوگا، نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے، نہیں روکا لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لائیں، یہ فعل کے طور پر ترجمہ ہوگیا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى جبکہ ان کے پس ہدایت آ گئی وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ، يَسْتَغْفِرُوْا کا عطف يُؤْمِنُوْا کے اوپر ہے یہ بھی اَنْ کے نیچے داخل ہے، نہیں روکا لوگوں کو اس بات سے کہ وہ معافی مانگیں اپنے رب سے، استغفار کریں اپنے رب سے اور اس کو بھی جب مصدر کی تاویل میں کریں گے تو دونوں کو ملا کے ترجمہ یوں کر لیجئے کہ ”لوگوں کو ایمان لانے سے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے نہیں روکا کسی چیز نے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ گئی“ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ، یہاں بھی ان مصدریہ ہے اور اس کے اوپر مضاف محذوف ہے اِلَّا اِنْتِظَارُ اَنْ تَاْتِيَهُمْ مگر اس بات کے انتظار نے کہ آ جائے ان کے پاس پہلوں کا طریقہ

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ، قُبُلًا کا معنی سامنے، یا آجائے ان کے پاس عذاب آمنے سامنے، پہلے لوگوں کے طریقہ کے آنے کی انتظار نے اور عذاب کے سامنے آنے کی انتظار نے نہیں روکا لوگوں کو مگر اس بات نے کہ وہ انتظار کررہے ہیں کہ پہلوں کا طریقہ ہمارے سامنے آجائے یا عذاب ہمارے سامنے آجائے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ: اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے ہوتے ہیں، اور ڈرانے والے ہوتے ہیں وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، اور جھگڑا کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بِالْبَاطِلِ باطل کے ذریعہ سے لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ تا کہ پھسلا دیں اس باطل کے ذریعے سے حق کو وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا، اِتَّخَذَ بنانا اور بنایا انہوں نے میری آیات کو اور اس چیز کو جس کے ذریعے سے وہ ڈرائے گئے مذاق یعنی اس کا مذاق بنا رکھا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ: کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو نصیحت کیا جائے اپنے رب کی آیات کے ساتھ فَاَعْرَضَ عَنْهَا پھر وہ ان آیات سے منہ موڑ لے وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اور بھول جائے اس چیز کو جو آگے بھیجی اس کے ہاتھوں نے، مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ سے پورے اعمال مراد ہوتے ہیں کیونکہ تمام اعمال کی نسبت انسان کے ہاتھوں کی طرف ہی ہوتی ہے، جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اس کو وہ بھول جائے، اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بے شک بنایا ہم نے ان لوگوں کے دلوں پر اَكِنَّةً "پردہ" ہم نے ان کے دلوں کے اوپر پردے بنا دیئے، اَنْ يَّفْقَهُوْهُ، ہ ضمیر قرآن کریم کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے اوپر آیات رب کا لفظ دلالت کررہا ہے تا کہ وہ اس قرآن کو سمجھیں نہ۔ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا اور ان کے کانوں میں بوجھ بنایا، وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى اگر تو بلائے انہیں ہدایت کی طرف فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا تو ہرگز نہیں ہدایت پائیں گے تب کبھی بھی، جب تو انہیں دعوت دے تو کبھی بھی ہدایت نہیں پائیں گے، کبھی بھی ہدایت کے مطابق سیدھا راستہ اختیار نہیں کریں گے۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ: اور تیرا رب بخشنے والا ہے رحمت والا ہے، لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا، اگر وہ مواخذہ کرے لوگوں سے بسبب ان کے کاموں کے جو لوگوں نے کیے ہیں تو جلدی دے دے انہیں عذاب، بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ کا وقت ہے لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ہرگز نہیں پائیں گے وہ اس کے ورے پناہ گاہ۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ: اور یہ بستیاں ہیں، جن کا تعارف پہلے قرآن میں آچکا ہے اور مشرکین کے اردگرد یہ بستیاں موجود تھیں اور یہ ان کو دیکھتے تھے انہیں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بستیاں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا لَمَّا ظَلَمُوْا جب کہ انہوں نے ظلم کیا، بستیاں بول کے بستیوں والے مراد ہیں، یہ بستیاں ہم نے ان کو ویران کر دیا، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان کے ظلم کے سبب سے وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا اور ہم نے ان کے ہلاک ہونے کے لئے بھی وعدہ بنایا تھا، وعدہ کا وقت متعین کیا تھا۔

ماقبل و مابعد سے ربط:۔

مضمون آپ کے سامنے سلسلہ وار چلا آرہا ہے، اصحاب کہف کا واقعہ ختم ہونے کے بعد بطور نصیحت کے چند باتیں کہی گئی تھیں، اس کے بعد دو باغ والوں کا قصہ آیا تھا اور اگلے رکوع میں عمومی طور پر فناء دنیا کا تذکرہ تھا اور یہ رکوع جو آپ کے سامنے پڑھا گیا ہے اس کے بعد پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے، دو رکوع پر وہ پھیلا ہوا ہے اور اس کے بعد ذوالقرنین کا واقعہ آجائے گا، یہ درمیان میں جو چند آیات ہیں یہ بطور تنبیہ کے ہیں، نہ ماننے والوں کے لئے اس رکوع میں کچھ تنبیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انسان کے ساتھ محبت و شفقت والا معاملہ:۔

پہلی آیت کا حاصل تو یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثال بار بار بیان کی ہے، ہر قسم کا مضمون پھیر پھیر کر بیان کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اس طرح اپنے بندوں کو سمجھاتا ہے جس طرح ایک مہربان استاد یا شفقت کرنے والا باپ اپنی اولاد کو سمجھاتا ہے، ایک ہوتا ہے قانون حکومت آرڈیننس نافذ کرتی ہے اعلان کر دیتی ہے کہ یہ کام کرنا ہے، اور یہ کام نہیں کرنا اور پھر جو اس کے حکم کو مانتے ہیں، وہ تو ٹھیک ہیں اور اگر نہیں مانتے تو فوراً پکڑ دھکڑ شروع ہو جاتی ہے، مار پٹائی شروع ہو جاتی ہے یہ ہے قانونی معاملہ اور ایک معاملہ ہوتا ہے ماں باپ کا اپنے بیٹے کے ساتھ، ایک دفعہ بتائیں گے، سمجھ گیا تو بہتر نہ سمجھا تو دوبارہ اور طریقہ سے سمجھائیں گے جو وہ کہہ رہے ہیں اس کا نفع بتائیں گے، جس سے روک رہے ہیں اس سے رکنے کے فائدے بتائیں گے اور اس کام کے کرنے کے نقصان بتائیں گے، ایک دفعہ نہیں سمجھے گا تو دوسری دفعہ، دوسری دفعہ

نہیں سمجھے گا تو تیسری دفعہ، کبھی سختی سے کبھی نرمی سے، کبھی محبت اور پیار سے اور کبھی ڈنڈا دکھائیں گے، کبھی جوتا اٹھائیں گے، بار بار تفہیم ہوتی ہے یہ محبت اور شفقت کا تقاضہ ہے اور اس طرح مہربان استاد اپنے شاگردوں کو بار بار سمجھاتا ہے، بار بار تنبیہ کرتا ہے کبھی محبت کے ساتھ، کبھی لالچ دلا کے، کبھی خوف سے تاکہ کسی طرح یہ اپنے نفع کی چیز کو اختیار کرلیں اور نقصان کی چیز سے بچ جائیں، تو یہ گفتگو میں جو تکرار ہے کہ ایک ہی بات بار بار کہی جارہی ہے یہ محبت اور شفقت کا نتیجہ ہے ورنہ اگر قانونی معاملہ ہو تو ایک دفعہ اعلان کیا اور جو اس اعلان کے مطابق چلے ٹھیک ہے ورنہ پکڑ اور مار پٹائی شروع کردو! قانون کا تقاضہ تو یہی ہوتا ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات کو مختلف پیرایوں سے، مختلف طریقوں سے اس کے مختلف پہلو واضح کر کے بیان کرتے ہیں تو لوگوں کو چاہیے تھا کہ اس کی قدر کرتے لیکن لوگ کسی طرح بھی سمجھتے نہیں ہیں، ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو انسان ہے کہ جو بھی اس کے سامنے رکھو، کتنی ہی صاف ستھری کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کا ماننے کا ارادہ نہیں ہے تو اس میں بیسیوں اعتراض پیدا کرے گا، تو یہ جھگڑالو ہے، اس میں جھگڑنے کی عادت ہے جس کی وجہ سے یہ صحیح بات کو جلدی سے قبول نہیں کرتا تو پہلی آیات میں یہی شکوہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو واضح کیا ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ذکر کیا ہے اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے، جدل جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں، جھگڑا اصل کے اعتبار سے یہ ہوتا ہے کہ بات کو مانا نہ جائے اور اس میں خواہ مخواہ اشکالات پیدا کر کے اس کو دور ہٹانے کی کوشش کی جائے، تو اسی طرح یہ انسان ہے کہ جب بھی اس کی سامنے بات آتی ہے تو اس کو حقیقت پسندانہ نگاہ سے دیکھنے کی بجائے اس میں جلد بازی کے ساتھ اشکالات کر کے جھگڑنا شروع کردیتا ہے، اس کو قبول نہیں کرتا۔

زمانہ بے رحم استاد ہے:۔

اگلی آیت کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے سمجھانے میں تو کوئی کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی، یہ لوگ جو مانتے نہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اس انتظار میں ہیں کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا تھا، پہلے لوگوں سے وہی پہلی قومیں مراد ہیں جو تباہ ہوئیں جیسے آخر رکوع میں جا کر تلك القریٰ کے تحت اس کو ذکر کیا جائے گا، قوم لوط پر عذاب آیا، قوم نوح پر عذاب آیا، قوم صالح پر عذاب آیا، قوم ھود پر عذاب آیا تو جیسا پہلے لوگوں کے ساتھ ہم نے طریقہ برتا ہے یہ بھی اسی کی انتظار میں ہیں، مفہوم اس کا یہی ہے کہ ہدایت تو ان کے پاس آگئی،

سمجھانے میں تو ہم نے کسی قسم کی کمی چھوڑی نہیں لیکن اس کے باجود جو یہ نہیں مانتے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ عذاب کے منتظر ہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ وہ زبان سے کہیں کہ ہم تب مانیں گے جب عذاب ہماری آنکھوں کے سامنے آجائے اگرچہ بعض لوگ دلیرانہ طور یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ لے آؤ ہمارے پاس عذاب اگر تم سچے ہو یا ہمارے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرادو، اس قسم کی باتیں وہ اپنی زبان سے بھی کہہ دیتے تھے اگر زبان سے نہ بھی کہیں تو جب ایک آدمی ہر طرح سے سمجھانے کے باوجود نہیں مانتا تو پھر ہم کہا کرتے ہیں کہ یہ ٹھوکروں کی ہی انتظار میں ہے، جب تک اس کو کوئی ٹھوکر نہیں لگے گی اس وقت تک یہ سمجھے گا نہیں، اب اس کو زمانہ سمجھائے گا اور یہ ہمارے بزرگوں کی بات ہے اور یاد رکھنے کی ہے کہا کرتے ہیں کہ ”زمانہ بے رحم استاد ہے“، سمجھاتا ہے لیکن شفقت کے ساتھ نہیں سمجھاتا، بری عادت کے نتیجہ میں انسان ذلیل ہوگا بعد میں عقل ٹھکانہ پر آئے گی اور کسی بری حرکت کے نتیجہ میں پٹے گا تب جا کے ہوش آئے گا، والدین نرمی سے سمجھاتے ہیں، استاد نرمی سے سمجھاتا ہے لیکن اگر ان کے سمجھانے سے کوئی نہیں سمجھتا تو پھر اس کو زمانہ سمجھایا کرتا ہے لیکن پھر وہ زمانہ نرمی سے نہیں سمجھاتا، وہ بہت بے رحم استاد ہے، پھر چاہے انسان کی گردن ٹوٹے، چاہے ٹانگیں ٹوٹیں، چاہے ذلیل ہو، چاہے فقر و فاقہ میں مبتلاء ہو، جیل میں جائے، مصیبت میں پڑے بہر حال بری عادت کا نتیجہ سامنے آکر ہی رہتا ہے تو جب کوئی سمجھائے ہوئے نہیں سمجھتا تو یوں ہی کہا جاتا ہے کہ یہ تو اسی وقت کا منتظر ہے، جب اس کے سر پر عذاب کا کوڑا لگے گا تب یہ سمجھے گا، اس کا حال اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

کیا لوگ اس انتظار میں ہیں کہ ان کے ساتھ پہلے لوگوں جیسا برتاؤ کیا جائے......؟:۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو سمجھتے نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی اسی انتظار میں ہیں کہ ان کے ساتھ وہی طریقہ برتا جائے جو پہلے لوگوں کے ساتھ برتا تھا اور جب عذاب آتا ہے تو پھر چیختے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے لیکن ایسے وقت میں ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، یہ بھی سمجھانے کا ایک انداز ہے کہ تم جو نہیں مانتے تو کیا اسی وقت کے منتظر ہو اور جب یہ وقت آجائے گا، پہلے لوگوں کی طرح تم پر بھی عذاب کا کوڑا برسے گا اور پھر اگر مانو گے بھی تو اس ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس راہنمائی آگئی، ہم نے ہر طرح سے راہنمائی کر دی، اس کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب سے استغفار نہیں

کرتے، تو ایمان لانے سے اور استغفار کرنے سے نہیں روکا ان کو مگر اس بات کے انتظار نے کہ ان کے پاس پہلوں کا طریقہ آجائے اور اس بات کی انتظار نے کہ ان کے سامنے عذاب آجائے گویا کہ یہ اس قسم کے عذاب کے منتظر ہیں جیسا عذاب پہلے لوگوں پر آیا تھا، جب وہ عذاب آجائے گا تب یہ مانیں گے لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے پھر ماننے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

نبی مبشر و منذر ہوتے ہیں:۔

اور نہیں بھیجا کرتے ہم رسولوں کو مگر اس حال میں کہ وہ تبشیر کرتے ہیں، انذار کرتے ہیں، وہ مبشر اور منذر ہوتے ہیں اس لیے ان کا کام نہیں ہوتا عذاب لانا، کوئی کہے کہ ہم تمہیں سچا تب سمجھیں گے کہ ہمارے سامنے عذاب لے آؤ! تو یہ بات غلط ہے، رسولوں کا آنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے، وہ آتے ہیں آکے نیکی کرنے والوں کو بشارت سناتے ہیں اور برائی کرنے والوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں، رسولوں کا کام یہی ہوتا ہے اور نیک بخت وہ ہوتے ہیں جو ان کے سمجھانے سے سمجھ جائیں، نیکی اختیار کریں اور بُرائی سے بچ جائیں، کافر لوگ جھگڑا کرتے ہیں غلط باتوں کے ذریعہ سے، جن کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی، باطل کو لے کر جھگڑتے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ سے حق کو پھسلا دیں، حق کو شکست دے دیں، حق کو زائل کر دیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھمکی کو مذاق نہ سمجھو!:۔

اور بنایا ان کافروں نے میری آیات کو جو اللہ تعالیٰ ہدایت کے لئے اتارتے ہیں اور میرے ڈرانے دھمکانے کو مذاق یعنی ہماری طرف سے جو آیات اترتی ہیں اور اس طرح ان کو جو ڈرایا جا رہا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مذاق ہے، حالانکہ یہ ہنسی مذاق نہیں یہ واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دھمکی دی جا رہی ہے اس کو مذاق نہ سمجھو اگر اس کو مذاق میں ہی ٹالتے رہے تو سمجھنے کا موقعہ نہیں ملے گا اور پھر اللہ کی طرف سے عذاب آ ہی جائے گا تو معاملہ بس سے باہر ہو جائے گا۔

اللہ کی نصیحت سے اعراض کرنے والا بڑا ظالم ہے:۔

کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اپنے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کیا جائے پھر وہ ان سے اعراض

کر جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار سمجھایا جائے لیکن وہ منہ موڑ لیتا ہے اور جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اس کو بھولے بیٹھا ہے، اسے یہ نہیں معلوم کہ میں کیا کیا چیزیں آگے بھیجے بیٹھا ہوں، کتنی بُرائیاں، کتنا فسق و فجور اور کتنے بُرے اعمال آگے بھیجے بیٹھا ہوں، اس کو کچھ یاد نہیں ہے اور اس کو اس کا خیال ہی نہیں ہے کہ ایک وقت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور محاسبہ ہوگا اور اس کی سزا سامنے آئے گی اس کو کچھ یاد نہیں ہے تو اس سے بڑھ کے ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟ یہاں ظالم سے مراد ہے اپنا قصور کرنے والا ہے ظلم علی النفس ہے۔

ان کافروں کے اندر سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی ہے:۔

اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً: یہ بھی ایک قسم کی تنبیہ ہے اور سرور کائنات ﷺ کیلئے تسلی ہے کہ اتنا سمجھانے کے باوجود اگر یہ نہیں سمجھتے تو یوں سمجھو کہ ان کی استعداد ہی ختم ہوگئی ہے اور جو بھی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا خالق چونکہ اللہ ہوتا ہے، اس لیے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے، ان پردوں سے مراد وہی ہے کہ ضد کرتے کرتے انسان کے قلب میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر ماننے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی، مخالفت کرتے کرتے انسان اتنا دور نکل جاتا ہے کہ پھر اتفاق کرنے کی قابلیت ہی نہیں رہتی یہاں اس کیفیت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کے عناد کے نتیجہ میں ان کے دلوں پر یہ کیفیت طاری ہوگئی کہ نہ ان کے کان سنتے ہیں بلکہ ایسے ہوگئے جیسے کسی نے ان کے کان میں ڈاٹ دیا ہوا ہو اور نہ ان کے دل سمجھتے ہیں ایسے ہوگئے جیسے دلوں کے اوپر پردہ ڈال دیا گیا ہو اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ کبھی بھی ہدایت نہیں پائیں گے، یہ ہرگز کبھی بھی ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

جب کافروں میں سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی تو انہیں ختم کیوں نہیں کر دیا جاتا......؟:۔

وَرَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَةِ: جب ان کی استعداد ہی ختم ہوگئی اور یہ ہرگز ہدایت نہیں پائیں گے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو فوراً ختم کیوں نہیں کیا جاتا ہے، ان کو باقی رکھنے کا کیا فائدہ؟ تو اس کا جواب دے دیا کہ تیرا رب بخشنے والا رحمت والا ہے، پھر ان کو مہلت دیئے ہوئے ہے اگر مواخذہ کرے ان سے ان کے کسب کی وجہ سے

یعنی یہ بری حرکت کریں اور فوراً ان کو پکڑ لیا جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب جلدی دے دے لیکن اللہ ایسا نہیں کرتا، یہ برائیاں کرتے ہیں اور اللہ اپنے غفور رحیم ہونے کی وجہ سے ان کو پھر مہلت دیئے ہوئے ہے، فوراً نہیں پکڑتا بلکہ ان کے لئے موعد ہے، وعدہ کا وقت ہے۔ ہرگز نہیں پائیں گے یہ اس سے پناہ گاہ پھر اللہ نے جو وعدہ کیا ہے اس کے لئے جو وقت متعین ہے اس سے پھر یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے۔

جب اللہ کی طرف سے گرفت آتی ہے تو پھر کسی کو سر کنے کی گنجائش نہیں ہوتی:۔

اور آگے اس کی ایک دلیل دے دی واقعہ کے طور پر کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ بستیاں جن کو تم آتے جاتے دیکھتے رہتے ہو ان کے حال کو سوچو! تو یہ ہماری اس بات کی دلیل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آتی ہے تو پھر کسی کو سر کنے کی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے وقت سے پہلے پہلے سمجھ جاؤ وَتِلْكَ الْقُرٰی یہ تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کر کے گویا کہ دلیل مہیا کی گئی ہے، یہی بستیاں ہیں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں، ہم نے ان بستیوں کے رہنے والوں کو ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا، ظلم سے یہاں شرک مراد ہے، اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے بھی موعد متعین کیا تھا، وعدہ کا وقت متعین کیا تھا اس وقت پر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان کو میں چلتا رہوں گا جب تک کہ میں پہنچ نہ جاؤں مجمع البحرین کو یا میں چلتا رہوں گا مدت دراز تک ﴿۶۰﴾

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ

پس جب وہ پہنچ گئے ان کے جمع ہونے کی جگہ کو تو وہ بھول گئے اپنی مچھلی کو پس بنایا اس نے اپنا راستہ سمندر میں

سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا

رینگتے ہوئے ﴿۶۱﴾ پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو تو لا ہمارا ناشتہ البتہ تحقیق پہنچی ہے

هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ

ہمیں اس سفر سے مشقت ﴿۶۲﴾ اس نے کہا کیا آپ نے دیکھا نہیں جب ہم نے ٹھکانہ لیا تھا پتھر کے پاس پس میں بھول گیا

وَمَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ

مچھلی کو اور اس کو یاد رکھنا مجھے نہیں بھلایا مگر شیطان نے اور اس نے بنایا اپنا راستہ سمندر میں

عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ لا

عجیب طور پر ﴿۶۳﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی وہ جگہ ہے جس کو ہم تلاش کر رہے ہیں پھر وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشانات پر ﴿۶۴﴾

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا

پس انہوں نے پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے، دی تھی ہم نے اسے رحمت اپنی طرف سے اور ہم نے اس کو سکھایا تھا

عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ

اپنی طرف سے خاص علم ﴿۶۵﴾ کہا اس کو موسیٰ نے کیا میں تیری پیروی کروں اس شرط پر کہ تو مجھے سکھائے اس میں سے کچھ جو آپ کو سکھایا گیا ہے

رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا

از روئے ہدایت کے ﴿۶۶﴾ اس نے کہا بے شک تو نہیں طاقت رکھتا میرے ساتھ صبر کرنے کی ﴿۶۷﴾ اور کیسے تو صبر کرے گا اس چیز پر

لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ

جس کا تو نے احاطہ نہیں کیا از روئے خبر کے ﴿۶۸﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پائے گا تو مجھے ان شاء اللہ صبر کرنیوالا اور میں نہیں

لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ

نافرمانی کروں گا تیری کسی بات میں ﴿۶۹﴾ اس نے کہا اگر تو میری پیروی کرتا ہے تو تو مجھ سے سوال نہ کرنا کسی چیز کے بارے میں جب تک میں بیان نہ کردوں

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ

تیرے لئے بطور ذکر کے ﴿۷۰﴾ پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ دونوں سوار ہوگئے کشتی میں تو اس نے اس کو توڑ دیا، موسیٰ نے کہا

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

کیا تو نے اس کو توڑا ہے تاکہ تو غرق کردے کشتی والوں کو، البتہ تحقیق آپ لائے ہو بہت بڑی چیز ﴿۷۱﴾ اس نے کہا

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ

کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ بیشک تو طاقت نہیں رکھتا میرے ساتھ صبر کرنے کی ﴿۷۲﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو میرا مواخذہ نہ کر بسبب میرے بھول جانے کے

وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ

اور نہ ڈال مجھ پر میرے معاملہ میں تنگی ﴿۷۳﴾ پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ وہ ملے ایک لڑکے کو

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةً بِغَیْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

تو اس نے اس کو قتل کردیا موسیٰ نے کہا کیا تو نے قتل کردیا ایک بے گناہ نفس بغیر کسی جان کے بدلہ کے تحقیق تم لائے ہو بہت ہی برا کام ﴿۷۴﴾

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ

اس نے کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ بیشک تو ہرگز طاقت نہیں رکھتا میرے ساتھ صبر کرنے کی ﴿۷۵﴾ موسیٰ نے کہا

سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ

اگر میں سوال کروں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا تحقیق آپ پہنچ گئے

لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهۡلَ قَرۡيَةِ ۨاسۡتَطۡعَمَاۤ

میری طرف سے عذر کو ﴿۷۶﴾ پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ وہ آئے ایک بستی والوں کے پاس انہوں نے کھانا

اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ يُّضَيِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِيۡهَا جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ

طلب کیا ان بستی والوں سے تو انہوں نے انکار کر دیا اس بات سے کہ وہ ان کی مہمانی کریں پھر پایا انہوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو جو ارادہ کرتی تھی

يَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ ‌ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَـتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ

کہ وہ گر پڑے تو انہوں نے اس کو سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو لے لیتے آپ اس پر کوئی اجرت ﴿۷۷﴾ اس نے کہا

هٰذَا فِرَاقُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنِكَ‌ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاۡوِيۡلِ مَا لَمۡ تَسۡتَطِعْ

یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی کا وقت ہے اب میں تجھے خبر دیتا ہوں ان باتوں کی حقیقت کی جن پر تو صبر کرنے

عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ

کی طاقت نہ رکھ سکا ﴿۷۸﴾ لیکن کشتی پس وہ تھی چند مسکینوں کی جو کام کرتے تھے سمندر میں

فَاَرَدْتُّ اَنۡ اَعِيۡبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمۡ مَّلِكٌ يَّاۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ

پس میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو لے لیتا تھا ہر کشتی

غَصۡبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الۡغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِيۡنَاۤ اَنۡ يُّرۡهِقَهُمَا

غصب کر کے ﴿۷۹﴾ اور لڑکا پس اس کے ماں باپ مؤمن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ کہیں ان کو نہ ڈال دے سرکشی

طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا‌ ۚ﴿۸۰﴾ فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً

اور کفر میں ﴿۸۰﴾ پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان کو بدلہ میں دے ان کا رب بہتر اس سے از روئے پاکیزگی کے

وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا ﴿۸۱﴾ وَاَمَّا الۡجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيۡنِ يَتِيۡمَيۡنِ فِى الۡمَدِيۡنَةِ

اور جو زیادہ قریب ہو از روئے شفقت کے ﴿۸۱﴾ اور یہ دیوار تھی دو یتیم لڑکوں کی شہر میں

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ

اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا پس ارادہ کیا تیرے رب نے کہ وہ

يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا

پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور وہ نکال لیں اپنے خزانہ کو یہ رحمت ہے تیرے رب کی طرف سے اور میں نے نہیں

فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾

کیا یہ اپنی رائے سے، یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر تو صبر کی طاقت نہ رکھ سکا ﴿۸۲﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى: قابل ذکر ہے وہ وقت یا یاد کیجئے! اس وقت کو، اذ کا عامل اذکر کو نکال لیں یا اُذْكُرْ نکال لیں دونوں طرح ٹھیک ہے، قابل ذکر ہے وہ وقت جبکہ کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان کو، فتا جوان کو کہتے ہیں اور اس سے آپ کا خادم، شاگرد وصحابی ''یوشع بن نون'' مراد ہے اپنے خادم سے کہا لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ، لَآ اَبْرَحُ یہ افعال ناقصہ میں سے ہے لیکن یہاں تامہ ہے اور یہ دوام پر دلالت کرتا ہے لاابرح اسیر، میں ہمیشہ چلتا رہوں گا ، نفی کا ترجمہ نہیں ہوگا بلکہ اس میں مثبت کا معنی پیدا ہوجاتا ہے ، میں ہمیشہ چلتا رہوں گا حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ، بحرین یہ بحر کا تثنیہ ہے بحر بڑے دریا کو کہتے ہیں ، اور بحر سمندر کو بھی کہتے ہیں ، مجمع ، اکٹھا ہونے کی جگہ ، جمع ہونے کی جگہ حتی کہ پہنچ جاؤں میں دو دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ کو ، حتی کے بعد اکثر وبیشتر محاورۃً ترجمہ نفی کے ساتھ کردیا جاتا ہے ، میں ہمیشہ چلتا رہوں گا جب تک کہ نہ پہنچ جاؤں ، دو دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ کو اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ، حقب کی جمع احقاب آتی ہے ، حقب کہتے ہیں زمانہ دراز کو بعض نے اس کی مدت اسی سال متعین کی ہے لیکن بہرحال یہاں زمانہ دراز مراد ہے ، یا چلتا رہوں گا میں زمانہ دراز تک ، یا پہنچ جاؤں یا چلتا رہوں گا۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا : پس جس وقت وہ دونوں پہنچ گئے ، بلغا کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم

کی طرف لوٹ رہی ہے، جب وہ دونوں پہنچ گئے دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ کو نَسِيَا حُوْتَهُمَا بھول گئے وہ دونوں اپنی مچھلی فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ اختیار کیا اس مچھلی نے اپنا راستہ فِي الْبَحْرِ دریا میں سَرَبًا، سرب سرنگ کو کہتے ہیں جیسے دیوار میں سوراخ کرلیا جاتا ہے، پہاڑ میں سوراخ کرلیا جاتا ہے جس کو ہماری زبان میں سرنگ کہتے ہیں پھر تو یہ اسم ہی ہوگیا، اور اتخذ کا اس کو دوسرا مفعول بنالیجئے! تو ترجمہ یوں ہوجائے گا بنالیا اس مچھلی نے اپنا راستہ سمندر میں سرنگ یا اختیار کیا اس نے اپنا راستہ سمندر میں اس حال میں کہ وہ سرنگ تھا یعنی سرنگ کی طرح سوراخ ہوگیا اور سَرَبًا کو ''بیان القرآن'' میں حضرت تھانوی ؒ نے مفعول مطلق کے طور پر بھی لیا ہے، سرب چلنے کو کہتے ہیں اور یہ لفظ بھی پہلے گذر چکا ہے وسارب بالنہار، ① دن کو چلنے پھرنے والا، تو جب یہ مفعول مطلق ہوگا پھر اس کا فعل محذوف نکالا جائے گا، سَرَبَ سَرْبًا اس نے اپنا راستہ اختیار کیا سمندر میں اور چل دی چلنا۔

فَلَمَّا جَاوَزَا: جب وہ دونوں آگے گذر گئے قَالَ لِفَتٰىهُ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا اٰتِنَا غَدَآءَنَا ''غداء'' غین کے فتحہ کے ساتھ ناشتہ، جو کھانا دوپہر سے پہلے کھایا جاتا ہے اس کو ''غداء'' کہتے ہیں اور جو دوپہر کے بعد کھایا جاتا ہے اس کو ''عشاء'' کہتے ہیں، لے آ ہمارے ہمارا صبح کا کھانا، ہمارا ناشتہ، لَقَدْ لَقِيْنَا بے شک ہم نے ملاقات کی مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا اپنے سفر سے مشقت کو، یعنی اس سفر سے ہمیں مشقت لاحق ہوگئی، ہم نے مشقت سے ملاقات کی یعنی مشقت لاحق ہوگئی۔

قَالَ اس جوان نے کہا اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ کیا دیکھا آپ نے، اور یہ اَرَءَيْتَ کا لفظ بطور محاورہ کے استعمال ہوتا ہے جیسے ہم بھی کسی کے ساتھ بات کرتے ہیں تو بسا اوقات پہلے لفظ بولتے ہیں کیا آپ نے سنا نہیں، حالانکہ ہم ان کو بتانا چاہتے ہیں اور پتہ ہے کہ انہوں نے نہیں سنا لیکن گفتگو کی ابتداء اسی طرح ہوتی ہے، آپ نے دیکھا نہیں، آپ کو پتہ نہیں چلا جس وقت ہم نے ٹھکانہ لیا تھا، چٹان کی طرف فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ پس بے شک میں مچھلی بھول گیا وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اور نہیں بھلائی مجھ کو وہ مچھلی مگر شیطان نے، حوت کا لفظ عربی میں چونکہ مذکر ہے اس لیے انسانیہ کی ہ ضمیر حوت کی طرف لوٹ رہی ہے اور جب ہم اس کا ترجمہ مچھلی کے ساتھ کریں گے تو مچھلی کا لفظ ہماری زبان میں مؤنث کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس لیے ہم ترجمہ مؤنث کے ساتھ کریں گے، نہیں

① سورۃ رعد آیت ۱۰ پارہ ۱۳

بھلائی مجھ کو وہ مچھلی مگر شیطان نے اَنْ اَذْکُرَہٗ کہ میں اس کا ذکر کرتا، اَنْ اَذْکُرَہٗ یہ ان مصدر یہ ہے اور مصدر کی تاویل میں ہو کر یہ بدل الاشتمال ہے اس انسانیہ کی ضمیر سے جو مفعول واقع ہو رہی ہے، نہیں بھلائی مجھ کو وہ مچھلی یعنی اس مچھلی کا ذکر کرنا مگر شیطان نے یعنی اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھ کو شیطان نے بھلا دیا وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ اور اختیار کیا اس مچھلی نے اپنا راستہ دریا میں عَجَبًا عجیب طریقہ سے۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا: بَغٰی یَبْغِیْ طلب کرنا، تلاش کرنا، چاہنا، اس قال کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم طلب کرتے تھے، جس کو ہم تلاش کرتے تھے، فَارْتَدَّا پھر وہ دونوں لوٹ گئے، "رَدَّ یَرُدُّ" لوٹانا، اِرْتَدَّ لوٹنا، یہ لفظ جو آپ استعمال کرتے ہیں کہ فلاں شخص مرتد ہو گیا وہاں مرتد کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اسلام سے کفر کی طرف لوٹ گیا، فَارْتَدَّا یہ تثنیہ کا صیغہ ہے، اب اگر اسی کا ترجمہ آپ اپنے لفظوں میں یوں ادا کر دیں کہ وہ دونوں مرتد ہو گئے تو عربی لحاظ سے ترجمہ ٹھیک ہے لیکن ہمارے محاورہ میں یہ لفظ قبیح ہے کیونکہ ہم جس وقت مرتد کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تو اس سے دین سے پھرنے والا مراد ہوتا ہے اور عربی میں مطلقاً لوٹنے کو کہتے ہیں فَارْتَدَّا کا مطلب یہ ہوا کہ جس راستہ سے وہ آئے تھے اسی راستہ سے پیچھے لوٹے کیونکہ جہاں مچھلی گم ہوئی تھی وہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کام تھا، پس لوٹے وہ دونوں عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا، آثار اثر کی جمع ہے اور اثر کہتے ہیں نقش قدم کو، پاؤں کے نشانات کو، اپنے نشانوں پر لوٹے "لوٹے وہ دونوں اپنے پاؤں کے نشانوں پر" قَصَصًا تلاش کرتے ہوئے۔

فَوَجَدَا: پھر ان دونوں نے پالیا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا دی ہم نے اس کو اپنے پاس سے رحمت، رحمت سے یہاں مقبولیت مراد ہے، ہم نے اس کو اپنی طرف سے مقبولیت دی تھی، ہم نے اس کو اپنی طرف سے رحمت دی تھی وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور سکھایا تھا ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم، اپنی طرف سے کا مطلب ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کیے بغیر، جس طرح ایک آدمی نے ظاہری طور پر پڑھا نہیں اور اس کو علم نصیب ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اس کو لَدُنّی علم حاصل ہے علم لَدُنّی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو علم لَدُنّی کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ظاہری اسباب اختیار کرنے کے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کو دے دیا۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰی: موسیٰ علیہ السلام نے اس بندہ کو کہا جس بندہ کا نام روایات میں خضر آیا ہے، اس عبد کا مصداق حضرت خضر علیہ السلام ہیں، اب ضمیر کا مرجع ظاہر کرنے کے لئے میں خضر کا لفظ بولتا ہوں کہ کہا اس خضر کو موسیٰ علیہ السلام نے هَلْ

اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ارشد ہدایت کو کہتے ہیں مراد علم نافع ہے، جو علم نافع تو سکھایا گیا ہے، کیا میں تیری پیروی کروں اس شرط پر کہ تو سکھائے مجھے اس علم میں سے جو تو سکھایا گیا ہے، جو علم نافع تو سکھایا گیا ہے اس علم میں سے تو مجھے سکھائے اس شرط پر کیا میں تیری پیروی کر سکتا ہوں، کیا میں تیرے ساتھ تابع ہو کے رہ سکتا ہوں......؟

قَالَ اس بندہ نے کہا یعنی خضر نے اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا بے شک تو ہرگز نہیں صبر کر سکے گا میرے ساتھ، تو صبر کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھے گا، ہرگز نہیں تو طاقت رکھے گا میرے ساتھ صبر کرنے کی وَكَيْفَ تَصْبِرُ اور تو کیسے صبر کرے گا عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا اس چیز پر جس کا تو نے احاطہ نہیں کیا از روئے واقفیت کے، تجھے واقفیت نہیں ہوگی، تجھے پتہ نہیں ہوگا کہ میں نے یہ کام کیوں ہے......؟ تو صبر نہیں کر سکے گا اور ایسے ہی اعتراض کر دے گا اور ہر ہر بات میں اپنے معلم کے ساتھ الجھنا یہ ٹھیک نہیں ہے۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا سین قریب زمانہ کیلئے ہوتا ہے اور تاکید کے لئے بھی آجاتا ہے، عنقریب پائے گا تو مجھے اگر اللہ نے چاہا صبر کرنے والا، یہ انبیاء کی کلام میں احتیاط ہوتی ہے کہ ہر بات میں "ان شاء اللہ" کہتے ہیں کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ ہر کام اللہ کی مشیت کے ساتھ ہوتا ہے، "ان شاء اللہ" تو مجھے صبر کرنے والا پائے گا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا اور میں نہیں نافرمانی کروں گا تیری کسی کام میں۔

قَالَ خضر نے کہا فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ پھر اگر تو میری اتباع کرے یعنی اگر تو میرے ساتھ تابع بن کے رہنا چاہتا ہے تو میری یہ بات سن لے فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ مجھ سے کسی بات کے متعلق سوال نہ کرنا حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا جب تک کہ میں ہی تیرے لیے اس بات کا ذکر نہ کر دوں یعنی میں نے جو بتانا ہوگا خود بتاؤں گا، میں کوئی کام کروں اس کے اوپر تو نے سوال نہیں کرنا، پوچھنا نہیں ہے اور یہ پوچھنا بطور اعتراض کے ہے۔

فَانْطَلَقَا پس وہ دونوں چل پڑے، تیرے یوشع بھی ساتھ ہوں گے لیکن چونکہ وہ خادم تھے تو اس کا شمار نہیں آیا، ایسے موقع پر بڑوں کو ہی گنا جاتا ہے، تو یہ دونوں چل پڑے حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ حتی کہ جب یہ دونوں سوار ہو گئے کشتی میں خَرَقَهَا، تو پھاڑ دیا خضر نے اس کشتی کو قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اَخَرَقْتَهَا کیا تو نے پھاڑا اس کشتی کو لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا تاکہ تو اس کشتی والوں کو غرق کر دے، ڈبونے کا ارادہ ہے؟ یہ تختہ کیوں نکال دیا......؟ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا

اِمْرًا، تو نے بہت بُرا کام کیا ہے، تو نے کوئی اچھا کام نہیں کیا، امر منکر کیا ہے۔

قَالَ خضر نے کہا اَلَمْ اَقُلْ کیا میں نہیں کہا تھا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا کہ تو ہرگز طاقت نہیں رکھے گا میرے ساتھ صبر کرنے کی، قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ، نہ مواخذہ کر مجھ پر بسبب میرے بھول جانے کے، جس سے معلوم ہوگیا کہ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسیان کی بناء پر ہوئی تھی، انہیں یاد نہیں رہا کہ انہوں نے مجھے منع کیا تھا کہ مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں ہے اور اعتراض نہیں کرنا، نہ پکڑ مجھے میرے بھولنے کے سبب سے وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا عسر تنگی کو کہتے ہیں اور اَرْهَقَ اِرْهَاق کسی کو مشقت میں ڈال دینا، کسی کے اوپر بوجھ ڈال دینا اور نہ ڈال میرے اوپر میرے معاملہ میں تنگی میرے معاملہ میں مجھ پر اتنی سختی نہ کیجئے! کہ اگر مجھ سے بھول ہو جائے تو آپ ناراض ہونا شروع ہو جائیں، ذرا وسعت سے معاملہ کیجئے! کبھی اس قسم کی بات ہو بھی جائے تو درگذر کر جائیں۔

فَانْطَلَقَا پھر وہ دونوں چلے حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا حتی کہ جب ملاقات ہوئی ان دونوں کی ایک لڑکے کے ساتھ فَقَتَلَهٗ، تو خضر نے پکڑ کے اس لڑکے کو قتل کر دیا قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً کیا تو نے قتل کر دیا ایک پاک صاف نفس کو......؟ جس کے اوپر کوئی جرم نہیں، جس نے کوئی قصور نہیں کیا یعنی یہ بے قصور بچہ ہے، معصوم ہے تو نے اس کو قتل کر دیا، کیا تو نے قتل کر دیا ایک پاک صاف نفس کو بغیر کسی نفس کے بدلہ کے، لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا آپ نے بہت بُری حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔

قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ کیا میں نے تجھے کہا نہیں تھا! اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا کہ تو میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا، اب ذرا کلام پہلے سے زوردار ہوگی، پیچھے آیا تھا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ یہاں ہے اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ، لَّكَ کے لفظ کے بڑھنے کے ساتھ اس میں شدت پیدا ہوگئی۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا اگر میں پوچھوں تجھ سے کسی چیز کے متعلق اس واقعہ کے بعد، اگر میں سوال کروں تجھ سے کسی چیز کے متعلق اس واقعہ کے بعد فَلَا تُصٰحِبْنِيْ پھر تو مجھے ساتھ نہ رکھنا ایک موقع اور دے دو، قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا، بے شک تو میری طرف سے عذر کو پہنچ گیا یعنی پھر اگر تو مجھے جدا کر دے گا تو پھر تیرے پر کوئی الزام نہیں ہوگا، پھر واقعی بات ہو جائے گی کہ میں صبر نہیں کر سکتا۔

فَانْطَلَقَا: پھر وہ دونوں چل پڑے حَتّٰی اِذَآ اَتَیَآ اَھْلَ قَرْیَۃِ، حتیٰ کہ جب وہ دونوں آ گئے ایک بستی والوں کے پاس اسْتَطْعَمَآ اَھْلَھَا ان دونوں نے کھانا مانگا ان بستی والوں سے، کھانا مانگا جس طرح مسافر کسی بستی میں جاتا ہے تو انہیں کہتا ہے کہ مجھے کھانا کھلاؤ، بستی والوں سے کھانا مانگا فَاَبَوْا تو بستی والوں نے انکار کردیا اَنْ یُّضَیِّفُوْھُمَا انکار کردیا اس بات سے کہ وہ ان کی مہمانی کریں، ان دونوں کی مہمانی کرنے سے انہوں نے انکار کردیا فَوَجَدَا فِیْھَا جِدَارًا پھر ان دونوں نے پایا اس بستی میں ایک دیوار کو یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ وہ دیوار ارادہ کرتی تھی ٹوٹنے کا لفظی ترجمہ یوں ہے اور محاورۃً اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ ٹوٹنے والی تھی، گرنے والی تھی فَاَقَامَہٗ خضر نے اس دیوار کو سیدھی کردیا، دیوار ٹھیک کردی قَالَ موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا لَوْشِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْہِ اَجْرًا اگر تو چاہتا تو اس دیوار کے سنوارنے پر کوئی اجرت لے لیتا، اس اجرت سے اپنا کام چلتا اور ان کو تنبیہ بھی ہوجاتی۔

قَالَ ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ: خضر علیہ السلام نے کہا فراق باب مفاعلہ کا مصدر ہے ایک دوسرے سے جدا ہوجانا، یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان یعنی یہ سوال جدائی کا باعث ہے میرے اور تیرے درمیان یہ تیسری دفعہ سوال کرنا میرے اور تیرے درمیان جدائی کا باعث ہوگیا سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْہِ صَبْرًا عنقریب بتاؤں گا میں تجھے مطلب ان باتوں کا جن کے اوپر تو صبر نہیں کرسکا۔

اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ: اما کے ساتھ اب تفصیل شروع ہوگئی، اَمَّا تفصیل کے لئے ہے، کشتی وہ مسکینوں کی تھی یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ ایسے مسکین جو کہ دریا میں کام کرتے تھے یعنی اس کشتی کے ساتھ وہ کما کے کھاتے تھے فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کردوں، عیب لگا دوں کہ یہ صحیح سالم نہ رہے وَکَانَ وَرَآءَھُمْ مَّلِکٌ اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ تو یہاں سفینہ سے سفینہ صحیح مراد ہے وہ لے لیتا تھا ہر درست کشتی کو چھین کر، غَصْبًا غصب کرلینا، چھین لینا یعنی جدھر یہ جارہے تھے آگے ایک بادشاہ ہے اور وہ صحیح سالم کشتیاں چھین رہا ہے تو اگر ان کی کشتی بھی صحیح سالم ہوتی تو وہ ان کی کشتی بھی چھین لیتا اور یہی ان کے پاس ذریعہ ہے جس کے ساتھ مزدوری کرکے کماتے ہیں تو میں نے اس میں نقص ڈال دیا تاکہ وہ بادشاہ دیکھ کر کہے کہ یہ کشتی تو کام کی نہیں ہے تو ایک تختہ ٹوٹنے کے ساتھ ان مسکینوں کی کشتی بچ گئی، تو میں نے ان کے ساتھ بھلا کیا ہے کوئی برائی تو

نہیں کی۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ اور لڑکا فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ اس کے والدین ایمان والے تھے فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان کے اوپر سختی ڈال دے گا از روئے طغیان اور کفر کے یعنی یہ بچہ کافر ہوگا، انتہائی سرکش اور کافر ہوگا اور ماں باپ کی زندگی دوبھر کر دے گا، ان کے لئے جینا مشکل ہو جائے گا اگر یہ زندہ رہ گیا، فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا ہم نے ارادہ کیا کہ بدل کے دے دے ان دونوں کو ان کا رب اس سے بہتر بچہ از روئے پاکیزگی کے اور زیادہ قریب از روئے شفقت کے یعنی اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ان کو ایسی اولاد دے دے جو اس سے اچھے اخلاق کی ہو، پاکیزہ ہو اور محبت وشفقت کے اعتبار سے بھی ماں باپ کے ساتھ زیادہ شفقت رکھنے والی ہو۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ اور دیوار فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ: وہ دو یتیم بچوں کی تھی فِي الْمَدِيْنَةِ شہر میں، شہر میں دو یتیم بچے تھے اور یہ ان کی دیوار تھی وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا اور اس دیوار کے نیچے ان یتیم بچوں کا خزانہ تھا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا اور ان دونوں کا باپ نیک تھا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا ارادہ کیا تیرے رب نے کہ پہنچ جائیں وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا اور نکال لیں اپنا خزانہ، رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیا، ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا تسطع اصل میں تستطع تھا تخفیف کر کے ایک تاء کو گرا دیا، یہ مطلب ہے ان باتوں کا جن کے اوپر تو صبر نہیں کر سکا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا مفصل واقعہ:۔

یہ واقعہ جو آپ کے سامنے دو رکوعوں میں بیان کیا گیا سورۃ کہف کے واقعات میں سے تیسرا واقعہ ہے پہلا واقعہ اصحاب کہف کا اور دوسرا واقعہ ان دو شخصوں کا جن میں ایک باغ والا تھا اور دوسرا مسکین تھا اور تیسرا واقعہ یہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔

بخاری شریف میں ① صحیح روایات میں اس واقعہ کی تفصیل یوں نقل کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ کھڑے وعظ کہہ رہے تھے تو کسی شخص نے یہ پوچھ لیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اس وقت سب سے بڑا عالم کون

① صحیح بخاری ج۱ ص ۱۷۔۱۸ وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وعن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

ہے.....؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ''میں'' اس لحاظ سے یہ جواب صحیح تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی ہیں، صاحب کتاب نبی ہیں اور جتنے بنی آدم اس وقت موجود تھے سب سے زیادہ علم انہی کو ہی تھا لیکن سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ جواب پسند نہیں آیا کہ ادب کا تقاضہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں کہتے کہ اللہ بہتر جانتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرتے، اپنی طرف جو نسبت کر لی کہ میں بڑا عالم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی یہ جواب پسند نہیں آیا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میرا ایک بندہ ایسا بھی ہے جس کو میں نے اس قسم کے علوم دیئے ہیں جس کی تجھے خبر ہی نہیں ہے، اس بندہ سے مراد صحیح روایات کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جس وقت یہ حقیقت نمایاں کی گئی کہ کوئی دوسرا شخص بھی اللہ کا مقبول بندہ ایسا ہے کہ جس کے پاس ایسے علوم ہیں، جو میرے پاس نہیں ہیں، تو انہوں نے شوق ظاہر کیا کہ اے اللہ! مجھے اس شخص کی ملاقات کا راستہ بتا دیجئے تا کہ میں اس سے وہ علوم حاصل کروں، اب وہ اصل بات ظاہر ہو گئی تو اضع، اور نعوذ باللہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب تکبر کی بناء پر تو تھا نہیں لیکن انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے مقبول بندے ان کی معمولی لغزش پر بھی بسا اوقات اللہ کی طرف سے شدید گرفت ہو جاتی ہے، اس لیے اتنی بات پر کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں، اس کی بجائے جو ''انا'' کہہ دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تادیب کی گئی، موسیٰ علیہ السلام نے یہ ظاہر کیا کہ میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں، میں اس بندہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، مجھے اس تک پہنچنے کا راستہ بتا دیجئے! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے، مجمع البحرین کا معنی ''دو سمندروں کے اکٹھے ہونے کی جگہ'' یا دو دریاؤں کے اکٹھے ہونے کی جگہ، قطعی طور پر قرآن کریم میں تعیین نہیں کی گئی، کیونکہ ایسے مواقع تو بہت آتے ہیں جہاں دو دریا اکٹھے ہوتے ہیں اور جس علاقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام رہتے تھے وہاں بھی دو سمندر آپس میں ملتے ہیں، بحر فارس اور بحر روم اور اسی طرح جہاں جا کے دجلہ سمندر میں گرتا ہے وہ بھی مجمع البحرین ہے، فرات جہاں جا کے سمندر میں گرتا ہے وہ بھی مجمع البحرین ہے تو یہ مختلف جگہیں ہو سکتی ہیں ہو سکتا ہے کہ جہت متعین کر دی گئی ہو کہ مشرق کی طرف، مغرب کی طرف، شمال، جنوب جو بھی ہے اور ایک علامت متعین کر دی گئی کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لیجئے، جہاں وہ مچھلی زندہ ہو کے گم ہو جائے سمجھ لینا کہ اسی علاقہ میں میرا مقصود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم حضرت یوشع بن نون کو ساتھ تیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق مچھلی بھون کے ساتھ رکھ لی، نہ بھونی ہوئی ہوتو بھی آپ جانتے ہیں کہ مچھلی پانی کے بغیر اتنی دیر زندہ تو رہ نہیں سکتی اور ویسے رکھی ہوئی ہوتو اس کے خراب ہونے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے اور یہ بھون کے رکھ لی ہوگی کہ اگر ضرورت پڑے گی تو کھا بھی لیں گے تو یوشع کو ساتھ لے کر چل دیئے اس شوق وذوق کے ساتھ کہ میں اب اس بندہ سے مل کے رہوں گا چاہے مجھے زمانہ دراز تک ہی کیوں نہ چلنا پڑے یا تو ملاقات ہوجائے گی، نہیں تو میں اب چلتا ہی رہوں گا اور اس بندہ سے ملاقات ضرور کروں گا اس پختہ عزم کے ساتھ چل دیئے۔

واقعہ کی تفصیل جیسے قرآن کریم میں ذکر کی گئی کہ چلتے چلتے ایک جگہ پر پہنچے، وہاں چٹان تھی اور وہ اس کے سائے میں کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے اور یوشع جاگ رہے تھے اور ان کے سامنے وہ مچھلی توشہ دان میں سے زندہ ہو کے پھڑکی اور نکل کے دریا میں داخل ہوگئی اور جہاں سے وہ داخل ہوئی، وہاں راستہ اسی طرح بنا رہ گیا تو حضرت یوشع تو چونکہ آئے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھتے تھے، ان کو یہ دیکھ کے حیرانی تو ہوئی کہ مچھلی زندہ ہو کے کیسے دریا میں داخل ہوگئی لیکن خیالات میں کچھ ایسے کھوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو ان کو یہ ذکر کرنا یاد نہ رہا کہ مچھلی گم ہوگئی ہے اور بعض آثار سے یوں بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک قسم کی تنبیہ تھی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوشع سے کہا کہ مچھلی کا خیال رکھنا یہ کہیں گم نہ ہوجائے تو یوشع نے "ان شاء اللہ" کہنے کی بجائے یوں کہا کہ کوئی بات نہیں، یہ کونسا بڑا کام ہے، میں اس کا خیال رکھوں گا، اس پر بھی گویا تنبیہ ہوگئی کہ انسان اپنے خیالات پر کہاں تک اعتماد کرتا ہے، اللہ کی مشیت جب تک کارفرما نہ ہو انسان چھوٹے سے چھوٹا کام بھی سرانجام نہیں دے سکتا، اب مچھلی کی حفاظت بھی نہ ہوسکی، اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا کہ انسان کام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا محتاج ہے، اللہ چاہے تو کام ہوتا ہے، اگر اللہ نہ چاہے تو انسان کچھ نہیں کرسکتا، اٹھے اور آگے چل دیئے، جب آگے چلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ ہوئی، ظاہر کیا کہ اس سفر میں ہم کچھ تھک سے گئے ہیں، آؤ بیٹھو! ذرا ناشتہ کرلیں، جب ناشتہ کا ذکر آیا تو اس وقت ان کو مچھلی یاد آگئی، وہ کہنے لگے کہ جہاں ہم ٹھہرے تھے وہاں مچھلی گم ہوگئی تھی، اس نے عجیب طریقہ سے دریا میں راستہ بنالیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے وہی تو جگہ تھی جس کے ہم متلاشی تھے، اب معلوم ہوتا ہے کہ سڑک تو تھی نہیں، اپنے پاؤں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس لوٹ آئے۔

جب علاقہ میں پہنچے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا تو اس علاقہ میں اللہ کے ایک بندہ سے ملاقات ہوگئی، حدیث شریف میں جیسے آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تو حضرت خضر علیہ السلام چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جا کے السلام علیکم کہا تو حضرت خضر علیہ السلام سن کے حیران ہوگئے کہ اس علاقہ میں سلام کہنے والا کون آ گیا! سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں......؟ تو انہوں نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں، تو خضر پوچھتے ہیں موسیٰ بنی اسرائیل؟ کہنے لگے کہ ہاں موسیٰ بنی اسرائیل، کیسے آنا ہوا......؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ذکر کیا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس کوئی علم ہے میں وہ حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں اس شرط پر کہ میں آپ کا تابع بن کے رہوں گا کہ آپ مجھے وہ علم سکھائیں۔

حضرت خضر علیہ السلام تکوینیات کے علم میں مہارت رکھتے تھے:۔

اب واقعہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو جو علم دیا گیا تھا وہ ہے تکوینیات کا علم، تکوینیات کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو واقعات پیش آتے ہیں ان کے راز، اسرار اور رموز کہ ''ایسا کیوں ہوگیا، ایسا ہونا چاہیے'' یہ کشف تکوینیات کا ہے، اس کا علم شریعت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس کا انسان کی روحانی ترقی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت میں کوئی درجہ ہے انسان مکلف ہے علم الشرائع کا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام تکلیفیہ کون کونسے ہیں؟ اور ان پر عمل کرنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کو مقبولیت حاصل ہوتی، باقی اس قسم کا کشف کہ یہ کیوں ہوگیا، ایسا ہونا چاہیے، ایسا ہونے والا ہے، اس قسم کے جو کشف ہوتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے، باقی یہ مطلوب چیز نہیں ہے، یہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چونکہ تنبیہ کرنی تھی، اس لیے بھیج دیا، اس لیے اس علم تکوینی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر علیہ السلام کا افضل ہونا لازم نہیں آتا ہاں البتہ خضر علیہ السلام مقبول بندے تھے۔

اور یہ نبی تھے یا صرف ولی تھے؟ اس میں علماء کا کچھ اختلاف ہے لیکن جمہور نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نبی تھے اگرچہ صاحب کتاب نہیں تھے اور زیادہ تر ان کا تعلق انہی تکوینی امور سے تھا تو حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ موسیٰ! جتنا تفصیل کے ساتھ تجھے علم دیا گیا ہے، اتنا تفصیل کے ساتھ مجھے علم نہیں ہے، اور ایک علم اللہ نے مجھے دیا ہے، وہ اس تفصیل کے ساتھ تیرے پاس نہیں ہے اور دونوں کے تقاضے کچھ مختلف ہیں، میرے ساتھ تو نہیں رہ سکے گا، میرے سامنے کچھ اس قسم کے واقعات آئیں گے، جن کا ظاہر تجھے شریعت کے مطابق نظر نہیں آئے گا اور تو صبر

نہیں کر سکے گا، ہر ہر بات میں میرے ساتھ الجھے گا اور اعتراض کرے گا اور آپ جانتے ہیں کہ معلم اور استاد پر ہر ہر بات میں اعتراض کرنا اور بداعتمادی کا اظہار کرنا، اس سے کبھی بھی جوڑ نہیں لگا رہ سکتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کہ بھیجے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صراحت تھی یہ میرا مقبول بندہ ہے، موسیٰ علیہ السلام کو تو شوق چڑھا ہوا تھا وہ کہنے لگے نہیں جی، ''انشاء اللہ'' میں صبر کروں گا، آپ اس بات کی پرواہ نہ کریں اور مجھے اپنے ساتھ رکھ لیں، تو حضرت خضر علیہ السلام نے ساتھ رکھ لیا، کہنے لگے بہت اچھا۔ بس ایک میری شرط ہے کہ کوئی واقعہ پیش آ جائے تو نے اعتراض نہیں کرنا، میں خود ہی بتاؤں گا کہ کیا بات ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر لیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والے عجیب و غریب کام:۔

حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قدرت کے مشاہدے کروانے کے لئے ساتھ لے کے چلے، دریائی سفر تھا، پرانے زمانہ میں لمبے سفر بھی دریا میں کشتی ڈال کے کئے جاتے تھے، تو جب حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے تو ملاح نے ان کو پہچان لیا کہ یہ شریف آدمی ہیں، بزرگی کے آثار چہرے پر تھے اور ہوسکتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام چونکہ اسی علاقہ کے رہنے والے تھے، تو اس لیے پہچان لیے گئے ہوں، انہوں نے کرایہ لینے سے انکار کر دیا، بغیر کرایہ کے ان کو سوار کر لیا، جب بغیر کرایہ کے سوار کیا تو چلے جا رہے ہیں، جاتے جاتے حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا تو موسیٰ علیہ السلام چونکہ صاحب شریعت تھے اور شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ جو احسان کرے اس کے ساتھ احسان کرو۔ اب انہوں نے تو بغیر کرایہ کے سوار کرایا کرایہ بھی نہیں لیا کہ یہ شریف آدمی ہیں اور مفت میں سوار کرا لیا اور یہ ان کا احسان تھا اور اس احسان کے بدلے میں یہ کردار کہ آگے سے اس کشتی کا تختہ ہی توڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کے برداشت نہ کر سکے فوراً اعتراض کر دیا کہ یہ کیا کیا ہے......؟ یعنی احسان کے جواب میں بھی یہ واقعہ صحیح نہیں تھا اور دوسری بات یہ تھی کہ دریا کا معاملہ ہے، پانی میں کشتی چل رہی ہے، انسانی جانوں کی حفاظت بھی تو شرعی فرض ہے اور ایسے خطرات پیدا کر دینا کہ انسان ڈوب جائے یہ کہاں جائز ہے؟ اب کوئی لہر آئے اور کشتی میں پانی داخل ہو جائے، سارے ڈوب کے مر جائیں گے، یہ لوگوں کو ڈبونے کا ارادہ ہے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بول پڑے، دیکھو! یہ شرعی مزاج ہے، شرعی مزاج کے ساتھ بات یوں ہی ہوگی کہ احسان کا بدلہ نقصان پہنچا کے کیوں دیا گیا......؟ حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تو میرے

ساتھ نہیں چل سکے گا، تو صبر نہیں کر سکے گا، یہ باتیں تیری برداشت میں نہیں ہیں، حضرت موسیٰ فوراً متنبہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میں بھول گیا، میرے بھولنے کی وجہ سے مجھ پر گرفت نہ کریں، میرے اوپر اتنی تنگی نہ کریں کہ اگر بھول چوک سے بھی بات ہو جائے تو آپ ناراض ہونا شروع ہو جائیں تو حضرت خضر علیہ السلام نے درگذر کر لیا اور اس اعتراض کا جواب نہیں دیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت:۔

اسی کشتی کے سفر کے دوران ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک چڑیا آئی اور وہ کنارے پر بیٹھی اور اس نے چونچ میں پانی لیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو متوجہ کیا اور یہ کہا کہ موسیٰ! تیرا علم اور میرا علم مل کر اللہ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جتنا اس پانی کی نسبت اس سمندر کے ساتھ ہے جو اس چڑیا نے اپنی چونچ میں لیا ہے یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت بیان کی کہ تیرا علم اور میرا علم مل کے اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسی حیثیت بھی نہیں رکھتا جیسے یہ پانی جو اس جانور کی چونچ کو لگا ہے اس کی نسبت اس سمندر کے ساتھ ہے، کتنے ہی بڑے عالم کیوں نہ ہو جاؤ لیکن اللہ کے علم کے ساتھ انسان کی کوئی نسبت نہیں ہے، ایسی نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے، اللہ کے علم کے برابر ہو جانا یا اللہ کی معلومات کا احاطہ کر لینا تو دور کی بات ہے اتنی نسبت بھی نہیں جتنی قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے۔

پھر وہ آگے چل پڑے جہاں اترنا تھا اتر گئے، کسی آبادی میں گذر ہوا تو وہاں کوئی معصوم بچے کھیل رہے تھے، ایک بچہ جوان میں زیادہ ہونہار سا معلوم ہو رہا تھا حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو پکڑا اور اس کے سر کو ہاتھ ڈال کر اس کی کھوپڑی اکھیڑ دی اور اسے قتل کر دیا، اب دیکھو! شرعی مزاج کے تحت ایک انسان کا خون کتنا بڑا جرم ہے اور پھر معصوم اور بے گناہ کا جس نے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ کسی کو نقصان پہنچایا، اس کو مفت میں پکڑ کے ایسے ہی قتل کر دیا جائے نبی خلاف شریعت حرکت دیکھ کے برداشت کر ہی نہیں سکتا، اس کے لئے چپ رہنا ممکن ہی نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے اور کہنے لگے یہ تو بہت بُری حرکت کی، بے گناہ بچہ ہے، نہ کسی کو تکلیف پہنچائی اور نہ کسی کو قتل کیا ہے آپ نے ایسے ہی اس کو قتل کر دیا، آپ نے بہت بُری حرکت کی، اب ایک قتل کے اوپر موسیٰ علیہ السلام کس طرح چپ رہ جائیں اس لیے بول پڑے، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا پھر وہی بات کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تو صبر نہیں کر سکے گا،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ ایک موقع اور دے دو، وہ بھی سمجھ گئے کہ واقعی حالات ایسے ہیں کہ میرے لیے ناقابل برداشت ہیں اس لیے کہا کہ ایک موقعہ اور دے دو اگر پھر میں نے اس طرح سوال کیا تو پھر مجھے جدا کر دینا تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

پھر آگے چل پڑے تو ایک آبادی میں پہنچ گئے اور چلتے چلتے بھوک لگ گئی اور کھانے کا وقت ہو گیا تو جیسے زمانہ کا عرف ہوتا ہے کہ اس بستی والوں کے پاس چلتے ہیں اور جا کے وہاں کھانا کھالیں گے، لیکن بستی والوں نے بے مروتی کی اور اتنے نیک آدمی، صالح آدمی، دو پیغمبر اس بستی کے اندر پہنچے لیکن اس بستی کو یہ سعادت حاصل نہ ہوئی کہ وہاں کے رہنے والے، ان دو پیغمبروں کی مہمانی کر لیتے، انہوں نے مہمانی کرنے سے انکار کر دیا، اب آپ اندازہ کیجئے! کہ کتنی بے مروتی اور بداخلاقی ہے ان لوگوں کی طرف سے کہ مسافر ہونا ایک علیحدہ رہا اور پھر ان کی شکل وصورت سے ان کی صالحیت نمایاں تھی اس کی بھی کوئی رعایت نہیں کی اور کھانا نہیں دیا اب شرعی مزاج تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی اصلاح کرنے کے لئے انہیں کوئی تنبیہ کرنی چاہیے، تا کہ یہ اخلاق سیکھیں لیکن ہوا یہ کہ اس بستی میں ایک بہت بڑی دیوار تھی اور وہ جھکی ہوئی تھی تو خطرہ تھا کہ ابھی گرے گی اور جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہاں سے گذرتے ہوئے لوگ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ کہیں گر کے کسی کو مار ہی نہ دے، اب اس بڑی دیوار کا گرانا، نئے سرے سے بنانا یہ ایک بہت بڑا کام تھا لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ کا اشارہ کر کے اپنی کرامت کے ساتھ ہی اس دیوار کو سیدھا کر دیا، وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گئی جیسے نئی بنائی ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے اور کہتے ہیں کہ ایسے بداخلاق لوگوں کے ساتھ ایسا احسان، اگر آپ نے بنانی ہی تھی تو پتہ تو ہے کہ ہمیں کھانے کی ضرورت ہے تو آپ ان سے کوئی اجرت طے کر لیتے، اجرت مل جاتی اور ان کو تنبیہ بھی ہو جاتی کہ ہم نے ان کے ساتھ احسان نہیں کیا تو انہوں نے بھی ہمارے ساتھ احسان نہیں کیا اور جو اجرت ملتی اس سے اپنا کام چل جاتا تو یہ تیسرا موقعہ آ گیا تو اب حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اب معاملہ ختم، تیسرے وعدہ کے مطابق ہی یہ تیسرا موقعہ ہے اس کے بعد میں آپ کو ساتھ نہیں رکھ سکتا یہاں آ کے دونوں کے اندر آپس میں جدائی ہو گی۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھوں وقوع پذیر ہونے والے کاموں کی تاویل:۔

حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے یہ کام کیوں کیے ہیں، فرمانے لگے تجھے

اعتراض یہ تھا کہ میں احسان کے بدلہ میں احسان نہیں کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے احسان کے بدلہ میں احسان کیا ہے، آپ نہیں سمجھے، واقعہ کا ظاہر کچھ اور ہے کہ جس وقت انہوں نے ہم پر احسان کیا تھا کہ مفت سوار کرا لیا اب وہ کشتی صحیح سالم تھی، یہ مسکین آدمی تھے، وہی ان کے کمانے کا ذریعہ تھی جدھر کشتی جا رہی ہے آگے ایک ظالم بادشاہ ہے اس کو اپنے کسی کام کے لئے کشتیوں کی ضرورت ہے اور جو کشتی صحیح سالم اس کو ملتی ہے، وہ چھین لیتا ہے تو میں نے اس میں اتنا سا عیب پیدا کر دیا کہ وہ بادشاہ جب دیکھے گا تو کہے گا یہ کشتی ہمارے کام کی نہیں ہے، تو ان مسکینوں کی کشتی بچ جائے گی، تو ظاہری طور پر ایک عیب لگا اور نقصان ہوا لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان مسکینوں کا بھلا ہو گیا جس سے ان کی کشتی بچ گئی، اس سے آپ اندازہ کر لیجئے! کہ کبھی کبھی واقعہ کی سطح ایسی ہوتی ہے کہ اس میں بظاہر نقصان معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، اس لیے نیک لوگوں کا اگر ظاہری طور پر کوئی نقصان ہو تو اس میں گھبرانا نہیں چاہیے، معلوم نہیں اللہ کی حکمت آپ کو کیا کیا فائدہ پہنچانے کی ہے، یہ تھوڑا نقصان بہت نفع پہنچنے کا ذریعہ بن جائے گا، بہت بڑا سبق ہے جو اس واقعہ سے مل گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہو گئی۔

اور دوسرا واقعہ وہ بچہ جو کھیل رہا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر یہ تھا کہ اگر یہ اسی طرح بڑا ہو گیا تو بہت سرکش، بڑا باغی اور بڑا کافر ہو گا اور اس کے ولدین بہت نیک اور ایمان والے ہیں اور یہ بچہ ان کے لئے فتنہ بن جائے گا، سرکشی اور کفر کی وجہ سے ان کے اوپر مشقت ڈالے گا انہیں بہت پریشان کرے گا تو ہم نے ارادہ کیا کہ اس کو ختم ہی کر دیا جائے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ انہیں اور نیک اولاد دے دے گا، اب یہاں والدین کا بھلا تھا اور اس کے نتیجہ میں بھی والدین کا فائدہ تھا، یہ جو کچھ کیا گیا یہ ماں باپ کی نیکی کا صلہ تھا اگر چہ ظاہری طور پر اولاد کا مرنا ہے۔

تیسرا واقعہ جو پیش آیا کہ وہ بستی والے بے مروت تھے اور ان کی دیوار ٹھیک ہو گئی بظاہر تو یہ بستی والوں کے ساتھ مروت کی گئی، بستی والوں پر احسان کیا گیا لیکن حقیقت ایسی نہیں ہے، اس دیوار کے مالک دو یتیم بچے ہیں اور ان کا والد نیک تھا اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ مدفون ہے، اب اگر یہ دیوار گر جاتی تو خزانہ ننگا ہو جاتا اور چور لوٹ کے لے جاتے، یتیموں کا نقصان ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ یہ جوان ہو جائیں اور جوان ہونے کے بعد

اپنے اختیار سے اپنا خزانہ نکال لیں، اس لیے ان کی جوانی تک اس دیوار کو محفوظ رکھنے کی ضرورت تھی، تو یہ میں نے بستی والوں پر احسان نہیں کیا اگر بظاہر بستی والوں پر احسان ہے، تو ان بچوں کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ہے، یہ لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں! جو کچھ کیا گیا ہے ان بچوں کے باپ کی نیکی کی وجہ سے کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہو گیا کہ نیک آدمی کی نیکی کی برکات یہ نہیں کہ صرف اس کی ذات تک محدود رہتی ہیں بلکہ اس کی نسلوں تک چلتی ہیں حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ واقعات ہیں جن پر تو صبر نہیں کر سکا، اب حقیقت ظاہر ہونے کے بعد آپ حضرات جان گئے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا ٹھیک کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری سطح کی طرف دیکھتے ہوئے اعتراض کیا، واقعات سب شریعت کے مطابق تھے، کوئی واقعہ خلاف شریعت نہیں تھا۔

واقعہ ذکر کرنے کا مقصد:۔

یہاں یہ جو قصہ ذکر کیا جا رہا ہے اس قصہ کو ذکر کرنے سے مقصد ایک تو مشرکین مکہ کو تنبیہ ہے کہ وہ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے کو بھی ذلت سمجھتے تھے اور بیٹھنا گوارہ نہیں کرتے تھے، ان میں تو اتنا تکبر کہ علمی مجلس کے اندر کسی مسکین اور غریب کے ساتھ بیٹھنا گوارہ نہیں ہے اور ادھر اللہ والوں کی یہ شان کہ اگر ان کو پتہ چل جائے کہ کوئی دوسرا شخص ایسا ہے کہ جس کے پاس ایسا علم ہے، جو ہمارے پاس نہیں تو حاصل کرنے کے لئے کتنے طویل سفر کر لیتے ہیں تو اللہ والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ علم کی بات کو حاصل کرنے کی کوشش کریں جہاں بھی ہو۔

واقعہ مذکور کی فتنہ دجال سے مناسبت:۔

اور دجالی فتنہ کے ساتھ اس کی جو نسبت ہے وہ یہی ہے کہ دجال کی دجالی تہذیب والے جس طرح آج کل آپ کے سامنے مغربی تہذیب والے ہیں وہ چند ایک باتوں کی معلومات حاصل کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے سارا علم حاصل کر لیا اور دنیا جو کچھ ہے، وہ ہم نے سمجھ لی ہے اور ہر قسم کے اسباب ہمیں حاصل ہو گئے، ظاہری اسباب پر اعتماد کرتے ہیں، واقعات کے ظاہر کو دلیل بناتے ہیں، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اتنے حقائق مخفی ہیں کہ جہاں تک انسان کی رسائی نہیں ہے، کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو جائے اندر کے حقائق کا احاطہ نہیں کر سکتا، نبی برحق حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس قسم کے حقائق سے واقف نہیں تھے۔ تھوڑا سا پردہ اللہ تعالیٰ نے اٹھا کے یہ بات ظاہر کر دی

کہ صرف ظاہر کو نہ دیکھا کرو، بسا اوقات ظاہر اور ہوتا ہے، باطن اور ہوتا ہے، واقعہ کی ظاہری سطح کچھ اور ہوتی ہے اور اس کے اندر کچھ اور قسم کے حقائق مخفی ہوتے ہیں، ان واقعات کی طرف دیکھ کے انسان ان ظاہری باتوں سے متاثر نہ ہو، کبھی ایسے ہوگا کہ نیکی کیوجہ سے آپ کو تکلیف پہنچے گی، اور لوگ آپ کو طعنہ دیں گے کہ دیکھو! تم نماز پڑھتے ہو، روزے رکھتے ہو پھر بھی رگڑے میں ہو اور دوسرے لوگ کس قسم کی عیاشی کر رہے ہیں لیکن تم اس بات پر یقین رکھنا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نیکوں کے لئے بہر حال اچھا انجام سامنے لاتے ہیں چاہے اس واقعہ کی ظاہری سطح بظاہر نقصان کی ہی کیوں نہ ہو لیکن انجام بہر حال اچھا ہوگا، جانی نقصان ہو، مالی نقصان ہو تو اس سے بھی نہیں گھبرانا چاہیے بلکہ اللہ کی مشیت کے اوپر مدار رکھتے ہوئے سوچنا چاہیے کہ اس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی بھلائی ہے اور نیکی کے اثرات بہت طویل ہوتے ہیں، دوسرے لوگوں تک پھیلتے ہیں، آنے والی نسلوں تک پھیلتے ہیں، اس لیے نیکی کو اختیار کرنا چاہیے اور ظاہری باتوں کے چکر میں آ کے انسان کوئی بُرا راستہ اختیار نہ کرے، جس راستہ کے اندر انسان کو ظاہری خوشحالی ملتی ہے لیکن اس کا انجام سامنے آتا ہے تو یہ زندگی کے حقائق اور دنیا کے واقعات ان کے ظاہر کو دیکھ کے ایمان لے آنا کہ بس یہی کچھ ہے جو ہم نے سمجھ لیا اور ہم ہر چیز کو معلوم کر چکے ہیں، یہ بات غلط ہے اللہ کا علم اتنا وسیع ہے کہ انسانوں کا سب علم مل کر بھی اس کے سامنے ایک قطرہ کے برابر نہیں ہے تو اپنی معلومات پر اعتماد کر لینا اور واقعات کے ظاہر کو دیکھ کے اس کے اوپر مطمئن ہو جانا یہ ٹھیک نہیں ہے۔

مغربی تہذیب کی خاصیت یہی ہے کہ وہ جو کچھ حاصل کیے بیٹھے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سب کچھ جان لیا ہے اور جو کچھ ہم نے جان لیا ہے یہی صحیح ہے اور یہ واقعات بتاتے ہیں، انسان کے فیصلے بسا اوقات بہت عجلت کے ہوتے ہیں، جلد بازی کے ہوتے ہیں اور جب حقائق ظاہر ہوتے ہیں تو اپنے فیصلے خود تبدیل کرنے پڑتے ہیں کہ ہم نے جو سمجھا تھا وہ صحیح نہیں ہے، یہ واقعہ آپ کے سامنے اس چیز کی نشاندہی کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی قسم کا سبق دینے کے لئے یہ واقعہ ظاہر کیا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں جب یہ واقعہ ختم ہوا تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے لئے تو یہ بات بڑی خوشی کی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کرتے تاکہ اور حقائق اور واقعات ہمارے سامنے آتے، دیکھو! ایک

معمولی معمولی واقعہ میں کتنا بڑا سبق سامنے آ رہا ہے کہ ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ ہوتا ہے تو جتنے اس قسم کے واقعات نمایاں ہوتے ہیں تو اتنے حقائق اور واضح ہوتے ہیں تو یہ علم ہے تکوینیات کا تشریعیات کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، انسان کے کمال حاصل کرنے میں اور اس کے مقبول عنداللہ ہونے میں اس علم کا کوئی کسی قسم کا عمل دخل نہیں ہے یہ ہے اس واقعہ کا حاصل۔

حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے......؟:۔

باقی ایک بحث یہاں ذکر کی گئی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں؟ مفسرین نے یہیں اس بارے میں کچھ کلام کیا ہے، صوفیاء کی اکثریت تو ان کے زندہ ہونے کی قائل ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ تو ان کی ملاقات بھی ہوتی رہتی ہے، ہم کیسے سمجھیں! کہ یہ وفات پا چکے ہیں اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس قسم کی روایتیں آتی ہیں یعنی قلیل من الفقہاء، قلیل متکلمین اور کثیر من الصوفیاء ان کی حیات کے قائل ہیں اور اس کے مقابلہ میں کثیر من المتکلمین، کثیر من الفقہاء اور قلیل من الصوفیاء ان کی وفات کے قائل ہیں، دونوں طرف سے دلائل کی بھرمار ہے اس لیے قطعی فیصلہ کرنا تو بہت مشکل ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے، نہ ان کی وفات کے اوپر یقین کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی حیات پر، اور نہ ہی یہ مسئلہ دین کی ضروریات میں سے ہے کہ جس کا جاننا ضروری ہو، تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے ہیں، پانی پت کے اندر قاضی تھے اس لئے انہیں قاضی ثناء اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس وقت مغلوں کی حکومت تھی اور اس زمانہ میں یہ قاضی تھے اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جو نقشبندی خاندان کے بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کے یہ خلیفہ تھے اپنے پیر کے نام پر تفسیر کا نام تفسیر مظہری رکھا ہے، عربی میں ہے اور اب اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے اور ہمارے حضرات نے اس تفسیر کو بہت ترجیح دی ہے کہ اس میں بڑے اچھے حقائق ہیں اور خاص طور پر فقہی بحث بہت اچھی ہے، تصوف کے حقائق بہت نمایاں کرتے ہیں تو بہت قابل اعتماد اور اچھی تفسیر ہے۔ اس واقعہ کے آخر میں انہوں نے اس سوال کو اٹھایا اور دونوں طرف کے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ دلائل کی طرف دیکھ کے ان کا فیصلہ بہت مشکل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے سامنے جب یہ بحث آئی تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور مراقب ہوئے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرنے

کے لئے کہ ان دونوں باتوں میں سے صحیح کون سی ہے، تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے آئے تو مجدد صاحب نے پوچھا کہ آپ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں؟ حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ میں اور الیاس ہم زندوں میں سے نہیں ہیں، ہماری وفات ہو چکی ہے، لیکن ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک معاملہ ہے کہ ہماری روحوں کو اس نے اتنی قوت دی ہے کہ ہم جب چاہتے ہیں متشکل ہو کے نمایاں ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کچھ کام ہمارے ذمہ لگا رکھے ہیں، بسا اوقات کسی ڈوبنے والے کی مدد، کسی راہ بھولے ہوئے کو راہ بتانا، اس قسم کے واقعات اور قلوب کے اندر علم لدنی کا القاء اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں واسطہ بنایا ہے، اس قسم کے کام ہمارے ذمہ ہیں، جس کی وجہ سے ہم مختلف جگہوں میں متشکل ہو کے نظر آتے رہتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عالم کشف میں دیکھا اور حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر اس کشفِ صحیح کے اوپر اعتماد کر لیا جائے تو سارے اشکالات ہی دور ہو جاتے ہیں کہ ان کی وفات تو ہوگئی، موت کا مزہ تو انہوں نے چکھ لیا لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو تکوینیات میں لگا دیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کام لیتے ہیں اسی طرح ان کی ارواح کو بھی اس سلسلہ میں لگا دیا اور کچھ کام ان کے ذمہ لگا دیئے کہ تم نے یہ کام کرنے ہیں اور وہ متشکل ہو کے چونکہ نظر آتے رہتے ہیں اس لیے جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے ملاقات ہوئی ہم نے خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح کہتے ہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۭ ﴿۸۳﴾

اور یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں ذوالقرنین کے متعلق آپ کہہ دیجئے میں ابھی تلاوت کرتا ہوں تم پر اس کا ذکر ﴿۸۳﴾

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ

بیشک ہم نے اس کو حکومت دی زمین میں اور دیا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان ﴿۸۴﴾ پھر وہ چلا ایک

سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ

راستہ پر ﴿۸۵﴾ حتی کہ وہ پہنچ گیا سورج کے غروب ہونے کی جگہ کو پایا اس نے سورج کو

عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۭ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ

ڈوبتا ہوا ایک سیاہ چشمہ میں اور پائی اس نے اس کے پاس ایک قوم ہم نے کہا اے ذوالقرنین! آپ ان کو

اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ

سزا دو یا اختیار کرو ان کے بارے میں خوبی کا معاملہ ﴿۸۶﴾ اس نے کہا جس نے ظلم کیا

فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا

ہم عنقریب اسے سزا دیں گے پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف پس وہ اس کو عذاب دے گا بُرا عذاب ﴿۸۷﴾ لیکن جو

مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ

شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس اس کیلئے بدلہ میں بھلائی ہے ہم کہیں گے اس کے لئے اپنے کام میں

مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۭ ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

آسانی کی بات ﴿۸۸﴾ پھر وہ چلا ایک راستہ پر ﴿۸۹﴾ حتی کہ پہنچ گیا سورج کے طلوع ہونے کی جگہ

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ ﴿۹۰﴾

پر اس نے پایا اس کو طلوع ہوتا ہوا ایسی قوم پر کہ نہیں بنایا ہم نے ان کیلئے اس کے آگے کوئی پردہ ﴿۹۰﴾

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی

اس طرح ہی ہے، تحقیق ہم نے احاطہ کیا ان چیزوں کا جو اس کے پاس تھیں بطور خبر کے ﴿۹۱﴾ پھر وہ چلا ایک راستہ پر ﴿۹۲﴾ حتی کہ

اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ

وہ پہنچ گیا دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ پر پایا اس نے ان کے درمیان ایسی قوم کو جو بات سمجھنے

یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ

کے قریب بھی نہ تھے ﴿۹۳﴾ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج ماجوج

مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ

فساد کرتے ہیں زمین میں کیا ہم کردیں آپ کیلئے کچھ مال اس شرط پر کہ تو بنادے

تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ

ہمارے درمیان اور ان کے درمیان دیوار ﴿۹۴﴾ اس نے کہا جو قدرت دی ہے مجھے میرے رب نے وہ بہتر ہے پس تم میری مدد کرو قوت کے

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی

ساتھ میں بنادوں گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار ﴿۹۵﴾ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کے ٹکڑے حتی کہ

اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ

جب اس نے برابر کردیا دونوں سروں کے درمیان کو تو کہا اس کو دھونکو، حتی کہ جب کردیا اس کو آگ تو کہا

قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ

تم لاؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا تاکہ میں ڈال دوں ﴿۹۶﴾ پس وہ نہ طاقت رکھ سکے کہ اس پر چڑھیں

وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ

اور نہ طاقت رکھ سکے اس میں سوراخ کرنے کی ﴿۹۷﴾ اس نے کہا یہ میرے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے پس جب آجائے گا

وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا
میرے رب کا وعدہ تو کردے گا اس کو چورا چورا اور میرے رب کا وعدہ حق ہے ﴿۹۸﴾ پھر ہم چھوڑ دیں گے
بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ
ان کو اس دن ان میں سے بعض گھسیں گے بعض میں اور پھونک ماری جائے گی صور میں تو ہم جمع کرلیں گے
جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ
ان سب کو ﴿۹۹﴾ اور ہم پیش کریں گے جہنم کو اس دن کافروں کے سامنے پیش کرنا ﴿۱۰۰﴾ جن کی
كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾
آنکھیں پردہ میں تھیں میری یاد سے اور وہ نہیں طاقت رکھتے تھے سننے کی ﴿۱۰۱﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ: قرنین یہ قرن کا تثنیہ ہے اور قرن کہتے ہیں سینگ کو، آپ سے سوال کرتے ہیں ذوالقرنین کے متعلق، لفظی معنی یہ ہے کہ دوسینگوں والے کے متعلق، قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا آپ کہہ دیجئے! کہ میں عنقریب تلاوت کرتا ہوں تم پر اس ذوالقرنین کا ذکر، منہ کی ضمیر ذوالقرنین کی طرف لوٹ گئی، ذکراً یہ اتلوا کا مفعول ہے، میں ایک یادداشت اس کی تم پر پڑھتا ہوں۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ: بے شک ہم نے اس کو قدرت دی تھی فِي الْاَرْضِ زمین میں وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا سبب اصل کے اعتبار سے ایسی چیز کو کہتے ہیں جو دوسرے کام کرنے کا ذریعہ بنے اس کی جمع اسباب آتی ہے جو مقصد تک پہنچنے کے لئے ذریعہ ہو اس کو سبب کہا جاتا ہے، اسی لیے ہر قسم کے ساز وسامان کے لئے بھی سبب کا لفظ بول دیتے ہیں، راستہ کے لئے بھی سبب کا لفظ بولتے ہیں، یہاں سبب ساز وسامان کے معنی ہے وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ہم نے اس کو ہر قسم کا ساز وسامان دیا تھا، بادشاہ ہونے کی حیثیت سے اس کے جو مقاصد تھے ان مقاصد کو حاصل

کرنے کے لئے جس قسم کے سازوسامان کی ضرورت تھی وہ ہم نے اسے دیا تھا، فَاَتْبَعَ سَبَبًا، اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ وہ ایک راستہ پر چل پڑا، سبب راستہ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور اگر سبب کا معنی یہاں بھی سازوسامان کرنا ہو تو سازوسامان کے پیچھے لگنے کا مطلب یہ ہے، کہ اس نے سازوسامان تیار کیا یعنی ایک لڑائی کا ارادہ کیا اور اس لڑائی کے لئے سازوسامان تیار کیا فَاَتْبَعَ سَبَبًا کا یہ معنی بھی کیا جا سکتا ہے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سبب کا معنی سامان ہی کیا ہے کہ پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے اور بعض تراجم میں سبب کا معنی راستہ بھی کیا گیا ہے کہ پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑا۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ: اگر سبب کا معنی راستہ کریں تو پھر اس کا مطلب یوں ہو جائے گا کہ وہ ایک راستہ کے پیچھے لگ گیا حتیٰ کہ پہنچ گیا وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ کو اور اگر سبب سے سازوسامان مراد ہے تو پھر حتیٰ کا معطوف علیہ نکالنا پڑے گا کہ اس نے سازوسامان تیار کیا اور ایک لڑائی کے ارادہ سے علاقہ کو فتح کرتا ہوا چلا گیا حتیٰ کہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ کو پہنچ گیا، سورج کے غروب ہونے کی جگہ کو پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ مغرب کی طرف وہ چلا گیا حتیٰ کہ آبادی ختم ہو گئی اور آگے سمندر کا علاقہ آ گیا وَجَدَھَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَۃٍ محسوس کیا ذوالقرنین نے اس سورج کو ڈوبتا ہوا ایک سیاہ چشمہ میں، عین چشمہ کو کہتے ہیں اور حَمِئَۃٍ کا معنی ہے کیچڑ والا چشمہ، سورج کو سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا پایا، یہ اس کا اپنا وجدان ہے، اس نے ایسے محسوس کیا کہ سورج سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے، ورنہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے اور یہاں مقصد یہی ہے کہ آگے آبادی نہیں تھی، سورج جو غروب ہو رہا تھا تو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے، وَّوَجَدَ عِنْدَھَا قَوْمًا اور پایا ذوالقرنین نے اس جگہ ایک قوم کو یعنی اس عَیْنٍ حَمِئَۃٍ کے پاس ایک قوم آباد تھی قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ ہم نے کہا کہ اے ذوالقرنین! اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا، اما کا مطلب یہ ہے کہ تجھے دو اختیار ہیں یا تو عذاب دے یعنی سزا دے اور قتل و غارت کر یا تو ان میں حسناً اختیار کر، اچھا برتاؤ اختیار کر، اتخاذ حسن سے برتاؤ مراد ہے یعنی نرمی کر، سختی اور قتل و غارت نہ کر، یہ جو قلنا ہے کہ ہم نے کہا، چونکہ جمہور مفسرین یہی کہتے ہیں کہ یہ نبی نہیں تھے، اللہ کے مقبول بندے تھے، نیک تھے، مؤمن تھے، آخرت پر ان کا یقین تھا تو قلنا کا یہ مطلب بھی ہو سکتا کہ اس وقت کے نبی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بات پہنچائی اور قلنا کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے، کہ اس کے دل میں ہم نے الہام کیا

دل میں یہ بات ڈال دی اور قلنا یہ ایک حال کی تعبیر بھی ہوسکتی ہے کہ اس کو ہم نے اس طرح غلبہ دیا گویا کہ ہم نے اس کو یوں کہہ دیا کہ اس قوم پر تجھے اختیار ہے، چاہے ان کو سزا دے اور چاہے ان کے ساتھ نرمی برت، تجھے کوئی روکنے والا نہیں ہے، یہ ان کے ہر طرح سے غالب آنے کی طرف اشارہ ہے کہ ہماری طرف اس کو اختیار مل گیا اگر وہ چاہتا تو ان کو قتل کرتا، غارت کرتا، سزا دیتا اور اگر چاہتا تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا، تو پھر یہ قول تکوینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات ہوگئی کہ اب اس کو ہر طرح سے اختیار حاصل ہے چاہے ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، یہ اس کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو اس قوم کے اوپر مکمل تسلط حاصل ہوگیا۔

قَالَ ذوالقرنین نے کہا اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ، یہ اس کے دل کے داعیہ کا بیان ہوجائے گا کہ جب اس کو مکمل اختیارات حاصل ہوگئے تو اس نے اپنے دل میں یہ بات طے کی، کہا اس ذوالقرنین نے کہ جو شخص ظلم کرے گا پس عنقریب ہم اس کو سزا دیں گے ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ پھر لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا پھر سزا دے گا وہ رب اس کو سخت سزا یعنی ہم دنیا میں بھی اس کو سزا دیں گے، اور پھر آخرت میں اللہ کے ہاں جا کے بھی سزا پائے گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخرت کا قائل تھا۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا: اور جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے فَلَهٗ جَزَآءَ ِالْحُسْنٰى اس کے لیے اچھی حالت ہے از روئے بدلہ کے، بدلہ کے طور پر اس کے لئے اچھی حالت ہوگی یعنی آخرت میں بھی وہ اچھی حالت میں ہوگا، وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا اور عنقریب ہم بھی کہیں گے اپنے معاملہ میں اس کو آسان بات، ہم بھی اس کے ساتھ نرم برتاؤ کریں گے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا: پھر اس نے سامان کی اتباع کی یعنی کوئی اور ساز و سامان تیار کیا دوسری جنگ کیلئے یا یہ ہے کہ اور ایک راستہ پر چل پڑا، یہ سببا دوسرا راستہ ہوگا کیونکہ نکرہ کا تکرار نکرہ کے ساتھ ہو تو ثانی غیر اُولیٰ ہوتا ہے تو سببا سے اگر راستہ مراد ہو تو یہ اس راستہ کے علاوہ دوسرا راستہ ہے اور اگر سامان مراد ہو تو پھر اس کی وہی مراد ہے کہ اس نے ساز و سامان تیار کیا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ اب اس کا یہ سفر مشرق کی طرف ہوا، حتیٰ کہ جب وہ پہنچ گیا سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کو وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ پایا اس نے اس سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا تھا ایسے لوگوں پر

لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا نہیں بنایا تھا ہم نے ان لوگوں کے لئے سورج کے سامنے کوئی پردہ، وہ ایسے لوگ تھے کہ ان کے پاس مکانات نہیں تھے، خیمے نہیں تھے، وہ سورج کے سامنے کوئی پردہ بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے یعنی ان کو مکانات اور خیمے بنانے کا سلیقہ نہیں تھا، سورج اور ان کے درمیان میں کوئی اوٹ نہیں ہوئی تھی، کَذٰلِکَ واقعہ ایسے ہی ہے وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡهِ خُبۡرًا تحقیق احاطہ کیا ہم نے اس چیز کا جو ذوالقرنین کے پاس تھی از روئے واقفیت کے یعنی ذوالقرنین کے سارے حالات اور اس کے ساز وسامان سے ہم پوری طرح واقف ہیں اس لیے ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا: یہ تیسرا سفر آ گیا پھر اس نے ساز وسامان تیار کیا، کسی تیسری مہم کی تیاری کی، مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جانب شمال میں تھی، پہلا سفر مغرب کی جانب ہوا، دوسرا سفر مشرق کی طرف ہوا اور یہ سفر جانب شمال میں ہے، شمال ہوتا ہے مشرق کی طرف منہ کر کے بایاں ہاتھ تو یہ سفر شمال کی طرف ہوا حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ حتیٰ کہ جب وہ پہنچ گیا دو دیواروں کے درمیان، سد دیوار کو کہتے ہیں یہاں دو پہاڑ مراد ہیں، جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچ گیا وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا پایا اس نے ان دونوں پہاڑوں کے ادھر ایک قوم کو لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا، لَا یَکَادُوۡنَ یہ افعال مقاربہ میں سے ہے وہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے تھے، نہیں قریب جاتے تھے کہ سمجھیں وہ بات یعنی اتنی اجڈ قوم تھی کہ وہ کسی قسم کی کوئی بات نہیں سمجھتی تھی۔

قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ: اس قوم نے کہا، کسی ترجمان کی وساطت سے کہ اے ذوالقرنین! اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد مچانے والے ہیں، فِی الۡاَرۡضِ سے مراد ان کا اپنا علاقہ ہے جہاں وہ قوم آباد تھی یعنی انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج ہمارے علاقہ میں آ کے فساد مچاتے ہیں فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا کیا ہم آپ کے لئے کوئی خرچہ جمع کر دیں کوئی خرچ جمع کر دیں، عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ اس شرط پر کہ بنا دے تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار یہ جو دو پہاڑوں کے درمیان میں راستہ ہے جدھر سے آ کے وہ ہمارے اوپر حملے کرتے ہیں، تو ان دو پہاڑوں کے درمیان میں ایک دیوار قائم کر دے، ہم تجھے کچھ خرچ دے دیتے ہیں۔

قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡهِ رَبِّیۡ: ذوالقرنین نے کہا کہ جس چیز میں مجھے میرے رب نے قدرت دی ہے وہ بہتر ہے

یعنی میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت مال و دولت ہے، جس چیز میں مجھے اللہ نے قدرت دی ہے وہ بہتر ہے فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ پس تم اعانت کرو میری، مدد کرو میری قوت کے ساتھ، یہاں قوت سے بدنی زور مراد ہے، پیسے کی تو ضرورت نہیں البتہ مزدور مہیا کرو، بدنی قوت والے لوگ مہیا کرو جو کام کریں اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا، بنادوں گا میں تمہارے درمیان اوران کے درمیان ایک موٹی دیوار۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ: زُبَرٌ یہ زُبْرَةٌ کی جمع ہے اور ''زبرۃ'' ٹکڑے کو کہتے ہیں، زُبَرَ الْحَدِيْدِ کا معنی لوہے کی سلیں، لوہے کے ٹکڑے، لوہے کی چادریں، لے آؤ میرے پاس لوہے کے تختے، اپنی طرف سے پیسے دیئے ہوں گے کہ لوہے کے تختے مہیا کرو حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ حتی کہ جب اس نے برابر کر دیا اس حصہ کو جو صدفین کے درمیان تھا، صدفین کا معنی پہاڑوں کے کنارے جب ان کے درمیان والے حصہ کو اس نے برابر کر دیا قَالَ انْفُخُوْا تو ذوالقرنین نے کہا اب اس کو دھونکو، اس کو دھونی دو، اس کے اوپر آگ جلاؤ گرم کرو اس دیوار کو حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا حتی کہ جب اس نے اس دیوار کو آگ بنادیا یعنی اس کو اتنی آگ دی کہ وہ لوہا آگ کی طرح ہوگیا قَالَ تو ذوالقرنین نے کہا اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا لے آؤ میرے پاس کہ ڈال دوں میں اس کے اوپر پگھلا ہوا تانبا، قطراً کا معنی ہے تانبا اور یہ آتونی کا مفعول بھی ہے اور اُفْرِغْ کا مفعول بھی یہی ہے کہ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لے آؤ تاکہ میں وہ پگھلا ہوا تانبا اس پر ڈال دوں جس سے معلوم ہوتا کہ انہوں نے تانبا بھی پگھلا رکھا تھا اور دیوار جب گرم ہوگئی تو اس وقت کے آلات کے ساتھ پھر اس تانبا کو اٹھایا گیا اور اس دیوار کے اوپر ڈالا گیا اور وہ لوہے کے تختوں کی درزوں میں داخل ہوگیا اور اس طرح آپس میں جڑ گئے جس طرح آج کل ویلڈ کر کے جوڑتے ہیں۔

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ: اِسْطَاعُوْا اصل میں استطاعوا تھا تا تخفیفاً گرائی ہوئی ہے اور اسطاعوا کی ضمیر یاجوج ماجوج کی طرف لوٹ رہی ہے، پس طاقت نہ رکھی یاجوج ماجوج نے کہ اس کے اوپر چڑھ جائیں اور نہ دیوار میں سوراخ کرنے کی، نقب بھی نہ لگا سکے۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ: ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی رحمت کی وجہ سے ہے یعنی اتنا بڑا کام جو میرے ہاتھ سے ہوگیا اس نے دجالی قسم کے لوگوں کی طرح اس کو اپنا کمال قرار نہیں دیا بلکہ کہا کہ اللہ کی رحمت سے

یہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا جیسے اللہ والوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کے ہاتھ سے جو کام بھی ہو جائے اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں، تو کہا یہ میرے رب کی رحمت کی وجہ سے ہے فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جس وقت میرے رب کا وعدہ آ جائے گا جَعَلَهٗ دَكَّآءَ تو کر دے گا اس دیوار کو گرا کے برابر، دکاء جس کو کوٹ کے برابر کر دیا جائے، اس دیوار کو کوٹ کے برابر کر دیا جائے گا گویا کہ اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس کو بھی دوام نہیں جب اللہ کے وعدے کا وقت آ جائے گا تو اس کو گرا کے برابر کر دے گا وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔

وَتَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ يَّمُوۡجُ: ترکنا ماضی کا صیغہ ہے اور یہاں اس کا ترجمہ مضارع کے ساتھ ہوگا چھوڑ دیں گے ہم لوگوں کے بعض کو اس دن کہ وہ ٹھاٹھیں مارتے ہوں گے بعض میں یعنی آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گے جس طرح سمندر میں موجیں اٹھتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتی ہیں یہی کیفیت ان قوموں کی پیدا ہو جائے گی، وَّنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ اور صور میں پھونک ماری جائے گی فَجَمَعۡنٰهُمۡ جَمۡعًا پھر ہم ان سب کو خوب اچھی طرح سے اکٹھا کریں گے جمعاً یہ تاکید کے طور ہے۔

وَّعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ: اور ہم پیش کریں گے اس دن جہنم کو کافروں کے لئے پیش کرنا الَّذِيۡنَ كَانَتۡ اَعۡيُنُهُمۡ فِىۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِكۡرِىۡ وہ کافر کہ جن کی آنکھیں پردہ میں تھیں میری یاد سے، "غطاء" پردہ کو کہتے ہیں وَكَانُوۡا لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَمۡعًا اور وہ سننے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تھے، نہ وہ کان سے سن سکتے تھے اور نہ ہی آنکھ سے دیکھ سکتے تھے آج ہم ان کو جہنم دکھا بھی دیں گے اور وہاں کے حالات سنا بھی دیں گے۔

ذوالقرنین کے متعلق تاریخی معلومات:۔

سورۂ کہف کے واقعات میں سے یہ چوتھا واقعہ ہے جو اس رکوع میں نقل کیا گیا ہے، یہ ہے ذوالقرنین کا قصہ اور يَسۡـئَلُوۡنَكَ کے لفظ سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ بھی سرور کائنات ﷺ پر سوال کیا گیا تھا، ذوالقرنین کے متعلق پوچھا گیا تھا یہ پوچھنے والے کون تھے......؟ بظاہر معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے مشرکین مکہ تھے لیکن یہ سوال یہود کی تلقین سے کیا گیا تھا، مشرکین مکہ یہود سے باتیں سیکھ سیکھ کے آتے تھے اور آ کے سرور کائنات ﷺ کے سامنے ذکر کرتے تھے، آپ کو پریشان کرنے کے لئے اور اس لیے کہ یہ بہت پیچیدہ پیچیدہ واقعات ہیں، اگر کسی

کا جواب نہیں دے سکیں گے تو ہم کہیں گے پھر تم کیسے نبی ہوئے......؟ تم جو کہتے ہو کہ اللہ کی طرف سے مجھے علم دیا جاتا ہے تو پھر اب تمہیں علم کیوں نہیں دیا گیا، اصحاب کہف کے متعلق بھی ایسے ہی پوچھا گیا، روح کے متعلق بھی ایسے ہی پوچھا گیا اور ذوالقرنین کے متعلق بھی ایسے ہی پوچھا گیا کہ یہ ذوالقرنین کون ہے؟ یہ ایک معروف سوال ہے۔

تاریخ میں بہت سارے بادشاہ ایسے گذرے ہیں کہ جن کو بہت جاہ وجلال حاصل ہوا اور ان کی فتوحات بہت زیادہ ہیں جن میں سے کچھ سکندر کے نام سے مشہور ہیں، بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں جنہوں نے بڑے علاقے فتح کئے لیکن یہ ذوالقرنین لقب کا جو بادشاہ ہے اس کے متعلق عام طور پر مفسرین کی رائے اور خصوصیت کے ساتھ قصص القرآن کے مصنف کہتے ہیں کہ تاریخی روایات اور توراۃ وغیرہ کے مطالعہ سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایران کے علاقہ میں ایک بادشاہ گذرا ہے جس کا نام سائرس اور بعض جگہ اس کو خورس کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے ① اور گورش کے لفظ کے ساتھ بھی اس ذکر کتابوں میں آتا ہے، آپ حضرات کو شاید یاد نہیں کہ ہمارے پاکستان میں جس وقت صدر یحییٰ کی حکومت تھی اس وقت شاہ ایران نے ایک دو ہزار سالہ جشن منایا تھا، اس میں اسی وقت اس نے اپنے آپ کو سائرس کی اولاد میں ظاہر کیا کہ میں سائرس کی اولاد میں سے ہوں اور دو ہزار سال قبل سائرس یہاں موجود تھا اور اس نے اس ایرانی حکومت کی بنیاد رکھی تھی، اس نے اپنے آپ کو اس کی نسل سے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، اس وقت اخبارات میں تفصیلات آئی تھیں تو اس بادشاہ کو سائرس کے نام کے ساتھ ہی ذکر کیا گیا تھا اور ہمارے مفسرین بھی یہ لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے کوئی چھ سات سو سال پہلے گذرا ہے تو اسی حساب سے جب اس نے جشن منایا تھا تو تقریباً دو ہزار سال اس کی تاریخ کو ہو ہی جاتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا یہ ہے اور یہود کے اوپر جو شدید قسم کے واقعات آئے تھے جن کا ذکر آپ کے سامنے سورۃ بنی اسرائیل میں آیا تھا اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ تم فساد کرو گے تو میں تم پر اپنے سخت بندے مسلط کر دوں گا تو بخت نصر کا جب واقعہ پیش آیا کہ یہ بیت المقدس کو لوٹ لے گیا تھا، یہودیوں کو قتل کر گیا تھا اور بچے کھچے لوگوں کو پکڑ کے لے گیا تھا تو بخت نصر کے زمانہ میں یہ سائرس ہوا ہے اور اس نے بخت نصر کو شکست دے کے یہودیوں کو آزاد کروایا اس لیے یہودی اس کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں اور اس کے حالات سے دلچسپی رکھتے تھے، اس وجہ سے انہوں نے کہا کہ اس

① قصص القرآن ج ۳ ص ۱۱۷ تا ج ۳ ص ۲۴۷، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

کے متعلق پوچھو کہ ان کو کیا کچھ معلوم ہے کہ اس کے کیا حالات ہیں......؟

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ:۔

اس وقت دو سلطنتیں بہت بڑی تھیں ایک سلطنت تھی جو ترکستان کی طرف تھی اور ایک سلطنت عراق اور شام کی طرف تھی اس نے ان دونوں سلطنتوں کو فتح کر کے ایک سلطنت قائم کی جس کی وجہ سے اس کو ذوالقرنین کہتے ہیں، ذوالقرنین کا لفظی معنی تو دو سینگ والا لیکن اشارہ دو سلطنتوں کی طرف ہے، جس کو فتح کر کے اس نے ایک سلطنت قائم کی ہے۔

کہتے ہیں کہ کچھ زمانہ قبل ایک اصطخر نامی شہر میں کھنڈررات کی کھدائی کی گئی، تو وہاں سے ایک بت نکلا ہے جس طرح پرانے زمانہ میں لوگوں کی پتھر کی تصویریں بنا کے رکھ لیا کرتے تھے، اس کے سر کے اوپر ایک تاج ہے اور تاج کے اوپر دو سینگ بنے ہوئے ہیں جس سے تائید ہوتی ہے کہ یہ ذوالقرنین کی ہی تصویر ہے جو اس زمانہ میں بنائی گئی تھی اور یہ کھنڈرات میں دبی ہوئی دریافت ہے۔ دو سینگ والا اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے دو بڑی بڑی سلطنتوں کی فتح کر کے ایک سلطنت قائم کی تھی یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی سلطنت مشرق اور مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔

یہ مقبول اور اللہ کا نیک بندہ تھا لیکن نبی نہیں ہے، جمہور کی رائے یہی ہے کہ یہ نبی نہیں البتہ مقبول بندہ تھا اور بنی اسرائیل کے انبیاء کے ساتھ یہ عقیدت رکھتا تھا۔

ذوالقرنین کے سفر:۔

بہر حال یہ بادشاہ ہوا تو اس نے ایک سفر تو کیا مغرب کی طرف اور مغرب کی طرف یہ عراق اور شام کے علاقہ کو فتح کرتا ہوا سمندر تک پہنچ گیا اور وہاں اس وقت جو لوگ آباد تھے وہ کافر ہوں گے اس لیے اس یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ چاہے ان کو قتل کرے چاہے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، نرمی کا معاملہ کرے، تبلیغ کرے، سمجھائے تو ذوالقرنین نے جو مسلک اختیار کیا وہ یہی تھا کہ ہم نرمی اختیار کریں گے اور البتہ اگر ان میں سے کوئی شخص ظالم رہا، کفر و شرک پر جما رہا تو اس کو ہم بھی سزا دیں گے اور آخرت میں بھی وہ عذاب پائے گا اور جو نیک ہو جائے گا ہم بھی

اس کے ساتھ نرم برتاؤ کریں گے اور اللہ کے ہاں بھی اچھا اجر پائے گا۔

دوسرا سفر اس کا مشرق کی طرف ہے تو اس نے مشرق کے بھی سارے علاقے طے کر لیے اور اس کا تیسرا سفر جو تھا قرآن کریم نے اس کی صراحت نہیں کی کہ وہ جنوب کی طرف تھا یا شمال کی طرف لیکن مؤرخین کہتے ہیں کہ اس وقت جنوب کی طرف آبادی نہیں تھی اس کا یہ سفر شمال کی طرف ہوا ہے، شمال کی طرف اس کا سفر ہوا تو پہاڑی علاقہ تک پہنچ گیا جو آج روس کے قبضہ میں ہے اور وہاں وہ پہاڑوں کے درمیان کوئی درہ تھا، پہاڑوں کے اِس طرف جو قوم آباد تھی وہ کچھ کمزور قسم کے تھے اور پہاڑوں کی پرلی طرف جو قوم آبا تھی وہ یاجوج ماجوج کہلاتے تھے یہ بڑے زور آور خونخوار تھے، وہ اس درہ میں سے گذر کے آکے قوم کو لوٹتے تھے، قتل وغارت کرتے تھے اور یہ بیچارے ان کے دفاع پر قادر نہیں تھے اس لیے اس قوم نے درخواست کی کہ اگر اس درہ کو بند کر دیا جائے تو پھر یاجوج ماجوج ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس وقت یہ ہوائی جہاز تو ہوتے نہیں تھے اور اگر بڑی دیوار ہی کھینچ دی جائے جس طرح پرانے قلعے ہوتے تھے تو باہر کا آدمی آکے حملہ نہیں کر سکتا تھا، اُس زمانہ میں اس قسم کی دیواریں بنائی گئیں ان میں سے ایک دیوار یہ بھی ہے جو ذوالقرنین نے اس قوم کو یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچانے کیلئے بنائی تھی۔

یاجوج ماجوج کا تعارف:۔

یاجوج ماجوج کون ہیں......؟ اس بارے میں روایات بہت مختلف قسم کی ہیں لیکن محدثین کی تحقیق کے مطابق اور مؤرخین کی تحقیق کے مطابق یہ کوئی نئی قسم کی مخلوق نہیں ہے بلکہ یہ انسان ہی ہیں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد اس علاقہ میں جو پھیلی تو وہ یاجوج ماجوج کہلاتے ہیں، جن کو توارۃ وغیرہ میں گاگ مگاگ کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور یہ دو قبیلوں اور دو خاندانوں کے نام ہیں اور اکثر و بیشتر مفسرین نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ روسی، یہ چینی، یہ منگولیا کے لوگ یہ سارے کے سارے یاجوج ماجوج کی نسل سے ہیں اور بعض نے ترکوں کو بھی ان کے ساتھ ملایا ہے اور ایک وقت آئے گا جب یہ لوگ فتنہ کی صورت اختیار کریں گے، ساری دنیا کے اوپر غلبہ پانے کی کوشش کریں گے، بہت خونریزی کریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہوگا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آفت آئے گی کہ یہ سارے کے سارے ختم ہو جائیں گے، آخر راج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہوگا جس میں پھر عدل وانصاف قائم ہوگا تو یہ ان کا آخری فتنہ ہے جس میں انہوں نے آکے ساری دنیا کو پریشان کرنا ہے اور

ساری دنیا کو روند ڈالنا ہے تو یہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا۔

واقعہ کا تتمہ:۔

انہوں نے درخواست کی تو ذوالقرنین نے ان کے سامنے دیوار کھڑی کردی، لوہے کی دیوار جس کی درزوں کے اندر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا اور وہ دیوار اس طرح چکنی اور اونچی ہوگئی کہ وہ اس کے اوپر چڑھ بھی نہ سکے اور اس کو توڑ بھی نہ سکے، جب اتنی بڑی دیوار قائم ہوگئی تو دیوار کے قائم ہونے کے بعد ذوالقرنین نے کہا کہ اس میں میرا کمال کوئی نہیں، جو کچھ ہوا اللہ کی رحمت کے ساتھ ہوا ہے اور جب وقت آجائے گا اللہ تعالیٰ اسے ریزہ ریزہ کردے گا اور وہ وعدہ کا وقت قیامت کا ہے یا جو بھی اس دیوار کے ٹوٹنے کا وقت ہے اس وقت ٹوٹ جائے گی، جس طرح باقی دنیا فانی ہے اسی طرح یہ دیوار بھی فانی ہے، اس دیوار کو بھی کسی قسم کا بقا حاصل نہیں ہے تو قرآن کریم میں ذوالقرنین کے اتنے سے حالات ذکر کئے اور یہی یقینی بات ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ عادل بادشاہ تھا، بہت بڑا فاتح تھا مغرب کی طرف بھی اس کی فتوحات ہیں، مشرق کی طرف بھی اس فتوحات ہیں، شمال کی طرف بھی اس کی فتوحات ہیں باقی جتنی باتیں قرآن کریم نے نہیں بتائیں کہ اس کا علاقہ کونسا تھا؟ کہاں کا رہنے والا تھا؟ کس زمانہ کا تھا؟ یہ سب باتیں مختلف فیہ ہیں، ہم اتنی باتوں پر یقین کرسکتے ہیں جو صراحتاً قرآن کریم میں آگئیں، جو قرآن کریم میں نہیں آئیں، تاریخی روایات ہیں ان کو ہم اس طرح دیکھیں گے جس طرح عام تاریخی روایات ہوتی ہیں، ہوسکتا ہے صحیح ہو، ہوسکتا ہے غلط ہو۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن

کیا گمان کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ وہ بنالیں گے میرے بندوں کو

دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ

میرے علاوہ دوست بے شک ہم نے تیار کرر کھی ہے جہنم کافروں کیلئے بطور مہمانی کے ﴿١٠٢﴾ آپ کہہ دیجئے کیا

نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

ہم تمہیں خبردیں ان لوگوں کی جو خسارہ میں ہیں اعمال کے اعتبار سے ﴿١٠٣﴾ گم ہوگئی جن کی کوشش

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ

دنیاوی زندگی میں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں ﴿١٠٤﴾ یہی لوگ ہیں

الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ

جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا پس ضائع ہوگئے ان کے اعمال پس ہم نہیں قائم کریں گے

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا

ان کیلئے قیامت کے دن کوئی وزن ﴿١٠٥﴾ یہ جہنم ان کی سزا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور بنایا میری آیات اور میرے رسولوں کو مذاق ﴿١٠٦﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے

كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ

ان کے لئے فردوس کے باغات ہیں بطور مہمانی کے ﴿١٠٧﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں نہیں چاہیں گے

عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ

وہ اس سے کہیں بھی جانا ﴿١٠٨﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر ہو سمندر سیاہی میرے رب کے کلمات کے لئے تو ختم ہو جائے

قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا

سمندر قبل اس کے کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اگرچہ ہم لے آئیں اس جیسا اور بھی بڑھانے کو ﴿۱۰۹﴾ آپ کہہ دیجئے

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ

سوائے اس کے نہیں میں تو بشر ہوں تم جیسا وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس جو شخص اُمید رکھتا ہے اس کی ملاقات

رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

کی پس چاہیے کہ وہ کام کرے اچھے کام اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ﴿۱۱۰﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا: کیا گمان کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ کہ وہ بنالیں گے میرے بندوں کو میرے علاوہ کارساز، اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی حمایتی اور کارساز کو کہتے ہیں، عباد عبد کی جمع ہے اور عبد بندہ کو کہتے ہیں، اَنْ یَّتَّخِذُوْا یہ ان مصدر یہ ہے اور عبادی اس کا (یتخذوا کا) پہلا مفعول ہے اور اولیاء دوسرا مفعول ہے اور چونکہ حسب بھی دو مفعولوں کو چاہتا ہے اور یہ افعال قلوب میں سے ہے اس کے دو مفعول ہوتے ہیں اس لیے اَنْ یَّتَّخِذُوْا مابعد سے مل کر مصدر کی تاویل میں ہو کے ایک مفعول بن جائے گا اور اس کا دوسرا مفعول محذوف نکالنا پڑے گا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ، میرے بندوں کو میرے علاوہ کارساز بنالینا، یہ مصدر کے طور پر ترجمہ ہے، میرے بندوں کو میرے علاوہ کارساز بنالینے کو کافر لوگ اپنے لیے مفید سمجھتے ہیں، نافع سمجھتے ہیں تو نافعاً یہ مفعول ثانی بن جائے گا ترکیب کے لحاظ سے اگر اس مفہوم واضح کرنا ہوگا تو یوں ہی ہوگا، عبادی میرے بندے اس سے مقبولین بھی مراد ہوسکتے ہیں انبیاء، فرشتے اولیاء اور اگر اس عباد کو عام رکھا جائے یعنی جو اللہ کے مملوک اور اللہ کی مخلوق ہیں تو پھر اس میں مقبولین وغیرہ سارے ہی شامل ہو جائیں گے اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا بے شک ہم نے تیار کیا جہنم کو کافروں کے لئے نزل، نزل کہتے ہیں اس کھانے کو جو

آنے والے مہمان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہاں جہنم کو کافروں کے لئے جو نزل قرار دیا ہے یہ ایک قسم کا استہزاء ہے کہ وہ مہمان بن کے آئیں گے اور ہم ان کے سامنے جہنم بطور مہمانی کے پیش کریں گے۔

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ: آپ فرما دیجئے کہ ہم تمہیں خبر دیں بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ان لوگوں کی جو سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں، ازروئے اعمال کے، جو اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ پانے میں ہیں کیا ہم تمہیں وہ لوگ بتائیں اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی کوشش گم ہوگئی، ضائع ہوگئی، ضائع ہوگئی، ضل راستہ سے بھٹک گئی، ضائع ہوگئی، ان کی کوشش دنیوی زندگی میں وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اور وہ سمجھ رہے ہیں اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا کہ وہ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں، صُنۡعًا کام کو کہتے ہیں ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ کا معنی بھی دو طرح سے ہے ایک تو ہے کہ سَعۡيُهُمۡ سے ان کے نیک اعمال مراد ہیں جو بھی انہوں نے کیے وہ دنیوی زندگی میں ہی ضائع ہو گئے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور کفر کے ساتھ کوئی نیکی باقی نہیں رہا کرتی، دنیوی زندگی میں جو انہوں نے کوشش کی وہ ساری کی ساری ضائع ہوگئی، ان کے اوپر بربادی کا حکم لگ گیا اور اس کا ایک مفہوم اس طرح ادا کیا گیا ہے، کہ ان کی ساری کی ساری کوشش دنیوی زندگی میں ہی ضائع ہوگئی، آخرت کی انہوں نے فکر ہی نہیں کی، اپنی دنیا کے بنانے میں، آباد کرنے میں رہنے سہنے میں، کھانے پینے میں، آرام میں، آسائش میں اور تعیش میں انہوں نے اپنی ساری کوشش برباد کر دی، انہوں نے آخرت سوچی ہی نہیں، یہ لوگ ہیں جو اعمال کے اعتبار سے بہت سخت خسارہ میں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ: یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اپنے رب کی ملاقات کا انکار کیا فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ پس ان کے اعمال ضائع ہو گئے فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا پس نہیں قائم کریں گے قیامت کے دن ہم ان کے لئے کوئی وزن، قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا، ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمۡ جَهَنَّمُ یہی ان کا بدلہ ہے، جہنم یہ جزا کا بیان ہے یعنی جهنم، بما کفروا ان کے کفر کرنے کی وجہ سے وَاتَّخَذُوۡۤا اٰيٰتِىۡ وَرُسُلِىۡ هُزُوًا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو ٹھٹھہ بنانے کی وجہ سے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے كَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا نزل کا لفظ پہلے بھی آیا ہے، ان کے لئے جنات الفردوس مہمانی ہے، جنات الفردوس کا معنی ہے

فردوس کے باغات کو جو سب سے اعلیٰ طبقہ ہے اس کو فردوس کہتے ہیں، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی اللہ سے مانگو تو فردوس مانگا کرو①، یہ جنت کے طبقات میں سے اعلیٰ طبقہ ہے اور اس کے اوپر صرف اللہ کا عرش ہے، اس کے اوپر کوئی اور درجہ نہیں ہے اور جنت کی تمام نہریں اسی فردوس سے ہی پھوٹتی ہیں اور یہ جنات لفظ لغوی معنی میں ہے کہ فردوس کے باغات، ان کے لئے فردوس کے باغات مہمانی ہیں، خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، ان باغات میں لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا، حولاً تحوّلٌ کے معنی میں ہے "نہیں چاہیں گے ان باغات سے بدلنا" ان باغات سے بدل کے کسی اور طرف جانا نہیں چاہیں گے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا: آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے، کلمات سے یہاں وہ باتیں مراد ہیں جو اللہ کے کمالات پر دلالت کرتی ہیں اگر سمندر سیاہی بن جائے میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے لَنَفِدَ الْبَحْرُ تو البتہ ختم ہو جائے گا سمندر قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا اگر چہ ہم لے آئیں اس کی مثل از روئے مدد کے، اگر چہ سمندر جیسا ایک اور سمندر بھی بطور مدد کے لے آئیں۔

قُلْ آپ کہہ دیجئے اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تم جیسا انسان ہوں یُوْحٰۤى اِلَیَّ میری طرف وحی کی جاتی ہے، وحی کی جاتی ہے میری طرف اس مضمون کی اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ پس جو امید رکھتا ہو اپنے رب کی ملاقات کی فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

ماقبل سے ربط:۔

یہ سورۃ کہف کا آخری رکوع ہے پچھلے رکوع کے آخر میں ذوالقرنین کے اس لفظ سے کہ جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا، تو اس دیوار کو توڑ کے ریزہ ریزہ کر دے گا اور گرا کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے

① فاذا سألتم الله عزوجل فاسئلوهُ الفردوس فانها اوسط الجنة واعلى الجنة وفوقهُ عرش الرحمن عزوجل ومنه تفجر انهار الجنة (مسند احمد ج۱۴ ص۱۸۰)، الزهد والرقائق لابن المبارك ج۱ ص۵۳۷ مطبوعہ بیروت/ مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ ص۴۳/ صحیح البخاری ج۱ ص۳۹۱ عن ابی ھریرہ/ مسند البزار ج۱۰ ص۱۳۹/ صحیح ابن حبان ج۱۰ ص۴۷۲/ المستدرک الصحیحین للحاکم ج۱ ص۱۵۳

یہاں سے کلام قیامت کے حالات کی طرف منتقل ہوگئی تھی کیونکہ ذوالقرنین کی اس کلام میں قیامت کی طرف ہی اشارہ ہے کیونکہ وہ آخرت پر ایمان رکھتا تھا۔تو یہیں سے کلام آخرت کی طرف منتقل ہوگئی تھی۔تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کے حالات بیان کرنے شروع کردیے تھے اور کافروں کے لئے وعید شروع ہوگئی تھی اور آپ کو یاد ہوگا کہ سورۃ کا ابتدائی حصہ بھی وعید پر ہی مشتمل تھا،مؤمن کیلئے وعدہ اور کافروں کے لئے وعید تو یہ آخر میں بھی وہی وعدہ ووعید ہے۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ کا مفہوم:۔

جب ہم ان کے سامنے جہنم پیش کریں گے تو یہ چونکہ ان کے لئے بہت بڑا مصیبت کا وقت ہوگا تو ان مشرکوں نے دنیا کے اندر جس طرح مصیبتوں سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے کارساز بنا رکھے ہیں اور ان سے یہ فریاد کرتے ہیں،ان کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں،نہ تو یہ دنیا میں ہی کام آتے ہیں،یہ بھی ان کا وہم ہے لیکن آپ کے سامنے بہت ساری آیات میں یہ بات واضح کردی گئی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اب انہیں پکارو جن کو میرا شرکاء بنا رکھا تھا،آج وہ تمہیں اس مصیبت سے نجات دلائیں لیکن وہ شرکاء اس وقت بولیں گے ہی نہیں،ان کی بات کا جواب ہی نہیں دیں گے،وہ وقت ایسا ہوگا کہ کھلی آنکھوں دیکھ لیں گے کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا مصیبت کے وقت میں کام آنے والا نہیں ہے،اس وقت یہ حقیقت کھل کے سامنے آجائے گی،اب بھی بات یہی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا کارساز نہیں لیکن اس وقت لوگوں کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے،اور وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں ہیں،اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے تو یہ سنتے ہی نہیں ہیں لیکن وہ وقت ایسا ہوگا کہ سب کو مشاہدہ ہوجائے گا،اس کے بارے میں تنبیہ ہے کہ کیا ان کافروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میرے بندوں کو جو انہوں نے کارساز سمجھ لیا ہے،یہ ان کے لئے مفید ہوں گے......؟ یہ استفہام انکاری ہے کہ ان کے لئے مفید نہیں ہیں،یہ ان کا وہم ہے کہ میرے بندوں کو کارساز سمجھ لیں میرے علاوہ یعنی میں پکڑنا چاہوں اور میرے بندوں کو یہ مدمقابل لے آئیں اور وہ ان کو چھڑالیں ایسا نہیں ہوسکے گا،ان کا یہ گمان غلط ہے،اگر یہ ایسا سمجھتے ہیں تو اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں،نہ کوئی ولی،نہ کوئی نبی،نہ کوئی فرشتہ اللہ کے مقابلہ میں آسکتا ہے،اگر اللہ پکڑنا چاہے تو کوئی چھڑانے والا نہیں ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہمارا جو سفارش کا نظریہ ہے وہ سفارش بھی اللہ کے اذن کے ساتھ ہے۔اور اس

کے لئے ہے جس کے لئے اللہ اجازت دیں گے تو بغیر اللہ کی اجازت کے کوئی بھی دم نہیں مار سکے گا اور مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں اللہ سے کیا تعلق! ہم تو ان کو خوش رکھیں گے، یہ سب کچھ کرا سکتے ہیں۔ اسی کی تردید کرنی مقصود ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے مقابلہ میں نہیں آ سکتے، یہ تمہارا گمان غلط ہے، کیا ان کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میرے بندوں کو میرے علاوہ کارساز بنانا ان کیلئے مفید ہے یعنی مفید نہیں ہے، ہم نے جہنم تیار کی کافروں کے لئے، مہمانی کے طور پر۔

اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ میں کون ہے؟:۔

آپ انہیں کہیے کہ کیا ہمیں بتلائیں کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ میں کون ہے......؟ یعنی اعمال تو سارے ہی کرتے ہیں، دنیا کے اندر جو بھی پیدا ہوا وہ کام کرتا ہے، آپ بھی کرتے ہیں دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں، عملی زندگی تو دونوں کی چل رہی ہے لیکن کون اپنے عمل کے اعتبار سے نفع میں ہے اور کون خسارہ میں ہے؟ یہ سوال اہم ہے، اب کافر، مشرک، دنیا دار جو دنیا میں لگے ہوئے ہیں، صبح وشام، رات دن ان کو پیسے کمانے کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگی کامیاب ہے اور اس طرح دنیا میں عہدے حاصل کر لیے، بڑی بڑی تجارتیں کر لیں انہوں نے اسی کو کامیابی کا معیار بنا رکھا ہے، اسی لیے جب اپنے مدمقابل ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جن کے پاس کوئی زمین نہیں، کارخانہ نہیں، عہدہ نہیں اور ان کے پاس رقوم کی بھری ہوئی تھیلیاں نہیں ہیں، تو سمجھتے ہیں کہ یہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں یہ تو خسارہ میں ہیں، وہ ان کو خسارہ میں سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ خسارہ میں کون ہے......؟ اپنے اعمال کے اعتبار سے خسارہ میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی ساری کوشش، ساری صلاحتیں دنیوی زندگی کے بارے میں برباد کر دیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل دی تھی، فہم دیا تھا، بدنی قوت دی تھی، ہنسنے بولنے کی طاقت دی تھی، ہاتھوں میں کام کرنے کی طاقت رکھی تھی انہوں نے ساری صلاحتیں دنیا کے بارے میں ضائع کر دیں یعنی دنیوی زندگی بنانے کیلئے اپنی کوشش صرف کر دیں، ضائع ان کو اس لیے کہہ دیا کہ جب مر گئے تو دنیا تو چھوٹ ہی جاتی ہے اور سارے کا سارا معاملہ خسارہ میں ہوگا، اپنا سب کچھ دنیا کے لئے دیا ہے دنیا بنانے کیلئے اپنے آپ کو کھپا دیا لیکن دنیا ہاتھ سے نکل جائے گی اور خالی ہاتھ رہ جاؤ گے یہ ہیں اصل کے اعتبار سے خسارہ والے لوگ، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ڈگریاں حاصل کر کے کامیاب ہو گئے یا ہم

دولت کما کے کامیاب ہو گئے، کارخانے حاصل کر کے کامیاب ہو گئے یہ بالکل غلط ہے، یہ تو بہت خسارہ کا سودا ہے اس لیے خسارہ کا سودا ہے کہ حیات دنیا کا تو پتہ نہیں ہے کہ یہ کب چھوٹ جائے اور کس وقت اس سے علیحدگی ہو جائے اب اپنی ساری صلاحتیں برباد کر کے ایک آدمی کارخانہ لگاتا ہے اور ایک منٹ بھی نہ لگا اور وہ ہاتھ سے گیا تو پھر سوچو کہ ہم نے کیا کمایا ہے......؟ زندگی اپنی برباد کر لی اور لے کے کچھ بھی نہیں گئے تو اصل خسارہ میں وہ لوگ ہیں، جن کی ساری کوشش دنیوی زندگی کے بارے میں ضائع ہو جاتی ہے اور وہ آخرت کی طرف توجہ دیتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے انتہائی خسارہ کا راستہ ہے اور یہ کون لوگ ہیں......؟ یہ کافر لوگ ہیں جن کا آخرت پر یقین ہی نہیں ہے کیونکہ اگر آخرت پر یقین ہو تو دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو بھی سوچیں! لیکن جب عملاً انہوں نے سب کچھ دنیا کو ہی سمجھ لیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہیں، یہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنی رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا اور ان کے اعمال ضائع ہو گئے، ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن قائم نہیں کریں گے اگر انہوں نے صورتاً کوئی نیکیاں کی بھی ہیں تو وہ بھی ضائع ہیں اور یہی بدلہ ہے ان کا یعنی جہنم ان کے کفر کرنے کی وجہ سے اور ان کے میری آیات اور میرے رسولوں کو ٹھٹھہ بنانے کی وجہ سے، یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہنسی مذاق ہے اس لیے ان کی سزا جہنم ہے۔

اہل ایمان کا انجام:۔

اب آگے اس کے مقابلہ میں وعدہ آ گیا اہل ایمان کے لئے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے فردوس کے باغات مہمانی ہیں، ہمیشہ رہیں گے ان میں، لایبغون عنها حولاً وہاں سے بدلنا نہیں چاہیں گے، یہ اطمینان اور سکون کی انتہائی تعبیر ہے، دنیا میں آپ دیکھتے رہتے ہیں کہ ایک آدمی ایک جگہ رہتا ہو، اس کو ہر قسم کا آرام اور سکون حاصل ہو تو بھی وہ ایک جگہ پڑا ہوا اکتا جاتا ہے، جی چاہتا ہے کہ کہیں سیر کیلئے چلیں، کسی دوسری جگہ چلیں، جگہ بدلنے کو اس کا جی چاہتا ہے تو اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے، اپنے شہر سے باہر جاتا ہے، اپنے علاقہ سے باہر جاتا ہے، جگہ تبدیل کرنا چاہتا ہے لیکن جنت کے اندر اتنا اطمینان اور سکون ہو گا کہ انسان یہ سمجھے گا کہ اس کو چھوڑ کے جائیں گے کہاں! اس کے علاوہ تو آرام کی جگہ ہی نہیں، اس لیے وہاں وہ پوری طرح مطمئن رہیں گے اور کبھی بدلنا نہیں چاہیں گے یعنی یہ نہیں کہیں گے کہ ہمیں یہاں سے

تبدیل کر کے کسی اور جگہ منتقل کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے کمالات احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتے:۔

آ گے اللہ تعالیٰ کی توحید، سرور کائنات ﷺ کی رسالت اور آخرت مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات یعنی اس کے کمالات پر دلالت کرنے والے کلمات اتنے زیادہ ہیں کہ اگر سمندر کو سیاہی بنا دیا جائے اور سورۃ لقمان میں آئے گا کہ اگر ساتوں سمندر سیاہی بن جائیں، اور دنیا کے اندر جتنے درخت ہیں، ان کی قلمیں بنالی جائیں تو یہ ساری سیاہی ختم ہو جائے گی، قلمیں گھس جائیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کے کمالات احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتے، وہ ختم نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کمالات غیر متناہی ہیں، جو کہیں ختم ہونے والے نہیں اور یہ چیزیں بہر حال ختم ہونے والی ہیں۔ جو ذات اتنے کمالات کی مالک ہے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے کا کیا مطلب ہے......؟ آپ کہہ دیجئے! کہ اگر سمندر سیاہی ہو، میرے رب کے کمالات کے لئے یعنی میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے تو ختم ہو جائے گا سمندر قبل اس سے کہ میرے رب کے کمالات ختم ہوں، اگر چہ ہم اس کے ساتھ اس جیسا اور بھی بطور مدد کے لئے لے آئیں، اس سمندر کی طرح اگر ہم اور بھی لے آئیں اس جیسا از روئے مدد کے تو بھی اللہ کے کلمات احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتے۔

عقیدہ بشریتِ انبیاء ضروریاتِ دین میں سے ہے:۔

اور آپ کہہ دیجئے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تم جیسا بشر ہی ہوں یعنی میرے متعلق اگر تم یہ سوچو! کہ میں یہ کر کے دکھادوں، یہ کر کے دکھادوں، تو مجھے کوئی خدائی اختیارات حاصل نہیں ہیں، میں تم جیسا بشر ہی ہوں، تم جیسا ہونے کا کیا مطلب......؟ تم جیسا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی مخلوق ہوں، آدم کی اولاد ہوں، انسان ہوں، جس کو آپ دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ ہم جنس ہونے کے اعتبار سے تم جیسا ہوں، اس سے من کل الوجوہ برابری نہیں نکلتی، حاشا وکلا کبھی ذہن کے اندر یہ خیال نہ آنے پائے کہ انبیاء بھی ہماری طرح ہی ہوتے ہیں، جیسے ہم ویسے وہ، ''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'' کوئی نسبت نہیں ہے، تو یہ جو کہا جاتا ہے کہ انبیاء بھی ہم جیسے ہیں تو صرف اس اعتبار سے کہ انسان ہیں، مخلوق ہیں، غیر خدا ہیں، آدم کی اولاد ہیں ان باتوں میں ہم جیسے ہیں، جس کو ہم

یوں کہہ سکتے ہیں کہ جنس میں ہم جیسے ہیں باقی کمالات کے اعتبار سے کتنا فرق ہے وہ تو صرف یُوْحٰی اِلَیَّ سے ہی نمایاں ہو جاتا ہے کہ ان کے اوپر اللہ کی وحی آتی ہے اور اللہ کی وحی آنے کے ساتھ ان کو اتنا شرف اور کمال حاصل ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا کے انسان اکٹھے ہو کے اگر ان کے کمال کا مقابلہ کرنا چاہیں تو ان کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے ، تو مثلیت کا یہ معنی نہیں کہ بالکل ہم جیسے ہیں ، اللہ کی مخلوق ہونے میں ہم جیسے ہیں اور غیر خدا ہونے میں ہم جیسے ہیں ، باقی کمالات کا جو فرق ہے اس میں سب مل کر بھی ایک کمال کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بشر مثلکم یہ عقیدہ قطعی ہے ، ضروریات دین میں سے ہے جو شخص سرے سے انکار کر کے کہے کہ نبی بشر نہیں ہو سکتا وہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات کا منکر ہے اور بالکل کافر ہے ، اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے ، انبیاء کے متعلق بشریت کا عقیدہ رکھنا یہ ضروریات دین میں سے ہے ، اس میں نہ کوئی تاویل کی جا سکتی ہے اور نہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے ، باقی بشر ہونے کے باوجود کمالات میں کوئی نسبت نہیں ، کمالات اللہ ان کو اتنے دیتا ہے کہ سارے انسان مل کر بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے ، انما انابشر مثلکم میں یہ مثلیت آ گئی اور آگے انما الھکم الٰہ واحد میں وحی کا مضمون آ گیا کہ میری طرف یہ مضمون وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے ، وحی سے آپ کی رسالت کی طرف اشارہ نکل آیا کہ آپ بشر ہیں لیکن ساتھ ساتھ رسول بھی ہیں دونوں باتوں کی رعایت رکھنی چاہیے۔

حضور ﷺ کی تعریف کی حدیں:۔

حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ① ، میری تعریف اس طرح نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم کی تعریف کی ابن مریم کو اٹھا کے خدا بنا دیا میری تعریف اس طرح نہ کرنا ، میں تو اللہ کا بندہ ہوں تم یوں کہا کرو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول یعنی میری تعریف یہی ہے کہ عبداللہ ورسولہ ، اس کا مطلب یہ ہے کہ میری دونوں حیثیتوں کی رعایت رکھو ! میں عبد بھی ہوں اور رسول بھی ہوں ایسی بات میری طرف منسوب نہ کرو کہ جس میں خدائی کا شبہ پڑتا ہو یہ عبدیت کے منافی ہے اور ایسی بات بھی میرے متعلق نہ کہو کہ جس میں گستاخی نکلتی ہو یہ رسالت کے منافی ہے ، رسول

① صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۸ عن عمر رضی اللہ عنہ / مشکوٰۃ ص ۴۱۷ عن عمر رضی اللہ عنہ / مصنف عبدالرزاق الصنعانی ج ۵ ص ۴۳۹ مطبوعہ بیروت / مسند الحمیدی ج ۱ ص ۱۶۲ مطبوعہ دمشق

ہونے کی حیثیت کو بحال رکھو اور عبد ہونے کی حیثیت کو بحال رکھو، تو اس کے درمیان میں جتنی تعریف کر و گنجائش ہے، تو تعریف میں ایسی بات نہیں کہنی چاہیے، جو عبدیت کے منافی ہو اور تعریف میں کوئی ایسی بات بھی نہیں کہنی چاہیے جو شانِ رسالت کے منافی ہو، افراط و تفریط دونوں سے بچتے ہوئے جس قدر بھی تعریف کر لی جائے اس کی اجازت ہے لیکن ان دونوں باتوں کی رعایت رکھنی چاہیے نہ کوئی ایسی بات منسوب کریں جو عبدیت کے منافی ہو اور نہ ایسی بات منسوب کریں جو شانِ رسالت کے منافی ہو۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی شرائط:۔

پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک دن رب سے ملاقات ہوگی، جس طرح ہم سب عقیدہ رکھتے ہیں تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے، ایک تو شریک کرنا ہے صراحتاً جس کو حقیقی شرک کہتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کی طرح کسی دوسرے کی بھی عبادت کرنی شروع کر دی جائے یہ ہے شرک حقیقی، اور ایک ہے شرک خفی جسے ریا کہا جاتا ہے اس کو حضور ﷺ نے شرک اصغر کے ساتھ تعبیر کیا ہے کہ ریا شرک اصغر ہے ریا کا مطلب یہ ہے کہ آپ نیکی کا کام کریں اور اس میں صرف اللہ کی رضا مطلوب نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دکھلاوا ہو، لوگوں کے دلوں میں عزت حاصل کرنا اور اپنی شہرت حاصل کرنا ہو اگر اس قسم کے مقاصد انسان کے سامنے آ جائیں تو اس نے اپنے اس نیک عمل میں اللہ کی رضا کے ساتھ دوسروں کو بھی شامل کر لیا، اس کو بھی حضور ﷺ نے شرک سے تعبیر کیا ہے، اس لیے جو نیک کام کر و خلوص کے ساتھ کرو، اللہ کی رضا کے لئے کرو، تب آخرت میں جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی تو اس کو ثواب ملے گا۔

سُورَةُ

مَرْيَمَ

مَكِّيَّةٌ

ایاتھا ۹۸ | ۱۹ سُورَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ ۴۴ | رکوعاتھا ۶

سورۂ مریم مکہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝۱ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝۲ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ

کٓھٰیٰعٓصٓ ۝۱ یہ ذکر ہے تیرے رب کی رحمت کا جو اس نے کی اپنے بندہ زکریا پر ۝۲ جبکہ پکارا اس نے اپنے

نِدَآءً خَفِيًّا ۝۳ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ

رب کو پوشیدہ طور پر ۝۳ اس نے کہا اے میرے پروردگار! بے شک کمزور ہو گئیں میری ہڈیاں اور پھیل گئی میرے سر

شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝۴ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ

میں سفیدی بڑھاپے کی وجہ سے اور نہیں ہوں میں تجھے پکارنے کے ساتھ اے میرے رب ناکام ۝۴ اور مجھے اندیشہ ہے اپنے رشتہ داروں سے

مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝۵

اپنے بعد اور ہو گئی میری بیوی بانجھ پس تو عطا کر مجھے اپنی طرف سے ایک ولی ۝۵

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝۶ يٰزَكَرِيَّآ

جو وارث ہو میرا اور وارث ہو یعقوب کی اولاد کا اور بنا دے تو اسے اے میرے پروردگار! پسندیدہ ۝۶ اے زکریا!

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝۷

بیشک ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھے ایک لڑکے کی اس کا نام یحییٰ ہے، نہیں بنایا ہم نے اس کیلئے اس سے پہلے کوئی ہم نام ۝۷

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ

اس نے کہا اے میرے رب! کیسے ہو گا میرے لیے لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں پہنچ گیا ہوں بڑھاپے

مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ

کی وجہ سے انتہاء کو ﴿٨﴾ اللہ نے کہا ایسے ہی ہوگا، تیرے رب کا فرمان ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے تجھے پیدا کیا

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ

اس سے پہلے حالانکہ تو کچھ بھی نہیں تھا ﴿٩﴾ اس نے کہا اے میرے رب! بنا دے میرے لیے کوئی نشانی،

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ

اللہ نے کہا تیری نشانی یہ ہے کہ تو نہیں بات کر سکے گا لوگوں سے تین رات حالانکہ تم تندرست ہوگے ﴿١٠﴾ پس وہ نکلے اپنی قوم پر

مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى

محراب سے پس اس نے اشارہ کیا ان کی طرف کہ تم تسبیح بیان کرو صبح و شام ﴿١١﴾ اے یحییٰ!

خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

پکڑ لے کتاب کو قوت کے ساتھ اور ہم نے دے دیا ان کو حکم بچپن میں ﴿١٢﴾ اور رقت قلب اپنی طرف سے

وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾

اور پاکیزگی اور وہ پرہیزگار تھے ﴿١٣﴾ اور اچھا سلوک کرنے والے تھے اپنے والدین سے اور نہیں تھے وہ نافرمانی کرنے والے سرکشی کرنے والے ﴿١٤﴾

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

اور سلام ہو ان پر جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن اٹھائے جائیں گے زندہ کر کے ﴿١٥﴾

تفسیر

سورۂ مریم کے مضامین:۔

سورۃ کے مضامین میں مکی سورتوں کی طرح مضمون ہی آرہے ہیں، اثبات توحید اثبات رسالت اور تذکیر آخرت، توحید کا تذکرہ تو اس انداز سے آئے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وعظ نقل کریں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کس

طرح توحید کی تلقین کی تھی اور بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وعظ کا تذکرہ آئیگا کہ انہوں نے اپنے والد کو کس طرح نصیحت کی تھی، شرک سے روکا اور توحید کا درس دیا، رسالت کا مسئلہ انبیاء کے تذکرے کے ساتھ واضح ہوگا جس سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اس طرح گا ہے گا ہے انبیاء بھیجتے ہیں تو سرور کائنات ﷺ کو اگر نبی بنادیا گیا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں پہلے سے ہی یہ سلسلہ جاری ہے اور پھر پچھلی تاریخ کے واقعات بغیر کسی کتاب میں پڑھنے کے، بغیر کسی استاذ سے سننے کے جب حضور ﷺ صحیح صحیح بیان فرمارہے ہیں تو یہ علامت ہوگی کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے اور آخرت کی تذکیر بھی اسی طرح مختلف انداز سے ہوتی چلی جائے گی، پہلے رکوع میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ نقل کیا گیا ہے اور دوسرے رکوع سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوگا اور یہ دونوں واقعے تفصیل کے ساتھ سورہ آل عمران میں گزر چکے ہیں۔

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

کٓهٰیٰعٓصٓ: یہ حروف مقطعات ہیں، اللہ اعلم بمرادہ بذلك مقطعات کا مطلب یہی ہے کہ ان کو جوڑ کے نہیں پڑھا جاتا بلکہ ہر حرف کو علیحدہ علیحدہ پڑھا جاتا ہے، سورتوں کے شروع میں یہ آئے ہوئے ہیں، ان کے معانی سرور کائنات ﷺ نے صراحتاً بیان نہیں فرمائے، اس لیے عام طور پر عربی تفسیروں میں کہہ دیا جاتا ہے "اللہ اعلم بمرادہ بذلك" اور اردو تفسیروں میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ان سے اللہ کی جو مراد ہے، وہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں اور فقہاء ان کو حروف ''متشابہات'' میں شمار کرتے ہیں کہ جس کی مراد اللہ کے علم میں ہی ہے، ایمان ہم لاتے ہیں کہ اللہ کی جو مراد ہے برحق ہے۔ باقی صراحت کے ساتھ یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ ان حروف سے اللہ کی کیا مراد ہے، اور بعض جدید مفسرین ان حروف کو سورۃ کا نام قرار دیتے ہیں، گویا کہ جیسے اس سورۃ کا نام مریم ہے اسی طرح اس کا نام کٓهٰیٰعٓصٓ بھی ہے، بہر حال یہ متشابہات میں سے ہیں، ''اللہ اعلم بمرادہ بذلك''، ان حروف میں جس قسم کی رمزیں ہیں، وہ اللہ نے اپنے رسول کو سمجھائیں اور اللہ کے رسول نے ہمیں صراحتاً نہیں بتایا کہ ان حروف سے اللہ کی کیا مراد ہے، ہم اس پر اجمالاً ویسے ہی ایمان لاتے ہیں جس طرح متشابہات پر ایمان لایا جاتا ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا: رحمت مصدر ہے اور رب کی طرف اس کی اضافت مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور عبدہ رحمۃ کا مفعول ہے اور ''زکریا'' بدل ہے اور ''عبدہ'' مبدل منہ ہے، تیرے رب کا اپنے بندہ ''زکریا'' پر رحم فرمانا، اس طرح ترجمہ ہوگا مصدر کے ساتھ، یہ ذکر ہے تیرے رب کے اپنے بندہ ''زکریا'' پر رحم کرنے کا یعنی یہ آیات جو آگے پڑھی جارہی ہے، اس میں یہ ذکر آئے گا کہ تیرے رب نے ایک وقت میں ''زکریا'' پر خاص رحمت کی تھی اس رحمت کا یہ ذکر آرہا ہے۔

اِذْ نَادٰى: نادی ینادی پکارنا، آواز دینا اور ''خَفِيًّا'' مخفی کے معنی میں ہے، اعلان کے خلاف یہ بات ہوتی ہے، جس وقت کہ آواز دی اس ''زکریا'' نے اپنے رب کو آواز دینا مخفی طور پر یعنی چپکے چپکے پکارا، ہم ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکارتے ہیں، تو وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہمارا مخاطب اس وقت تک سنتا نہیں، جب تک ہم بلند آواز سے نہ بولیں! اس لیے انسان انسان کو پکارتا ہے تو اس میں ''جہر'' ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو چونکہ ہر چیز کو سنتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کو پکارنا خفیہ طور پر ہی ہے یعنی میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ''نداء'' کا ترجمہ جو ہم پکارنے سے کررہے ہیں اس سے جہر معلوم ہوتا ہے اور خفی کے لفظ سے عدم جہر معلوم ہوتا ہے تو ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ چپکے چپکے پکارا تو اللہ تعالیٰ کو جو چپکے چپکے پکارا جاتا ہے وہ اسی طرح سنتا ہے، جس طرح ہم ایک دوسرے کو جہراً پکاریں تو سنا جاتا ہے۔

آگے اس پکارنے کا بیان ہے کہ پکارتے ہوئے کیا کہا قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ، ''عظم'' ہڈی، ''وھن'' کمزور ہوجانا، کہا زکریا نے کہ اے میرے رب! رب کی با کے نیچے جو کسرہ ہے یہ یاء متکلم پر دال ہے، اے میرے رب! بے شک کمزور ہوگئی میری ہڈی وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا، شیب کا معنی ہے بالوں کا سفید ہوجانا، اس لیے شیب بڑھاپے کو کہہ دیتے ہیں اصل معنی ہوتا ہے بالوں کا سفید ہوجانا، اشتعال پھوٹ پڑنا، جوش مارنا، رأس کا معنی ہے سر، بھڑک پڑا میرا سر از روئے سفیدی کے یعنی میرے سر میں سفیدی بھڑک اٹھی، میرے سر میں سفیدی پھیل گئی، میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور میرے سر میں سفیدی پھیل گئی یعنی میرے بال سفید ہوگئے وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا اور نہیں ہوں میں تجھے پکارنے کے ساتھ، دُعَآئِكَ میں دعاء مصدر ہے اور اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے، تجھے پکارنے کے ساتھ اے میرے رب میں نامراد نہیں ہوا، شقی یہ سعید کے مقابلہ میں ہے، سعید نیک بخت جو اپنی مراد کو حاصل کرے اور شقی نہیں ہوا یعنی آج تک میں نے تجھے جس چیز کے لئے پکارا اپنی مراد پائی اور

اب بھی میں امید رکھتا ہوں کہ جب بھی تجھے پکاروں گا اپنی مراد پالوں گا، میں ناامید نہیں ہوں، میں نامراد نہیں رہوں گا۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ: موالی مولیٰ کی جمع ہے، مولیٰ سے یہاں رشتہ دار مراد ہیں، بے شک میں اندیشہ کرتا ہوں، اپنے رشتہ داروں سے اپنے پیچھے، اپنے پیچھے اپنے رشتہ داروں سے میں اندیشہ کرتا ہوں وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا، عاقر اس کو کہتے ہیں جو اولاد کی اہل نہ ہو اور میری بیوی بانجھ ہے، فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا پس تو عطا کر مجھے خاص اپنے پاس سے وارث، ولی یہاں وارث کے معنی میں ہے، بچہ عطا کر، مجھے خاص اپنے پاس سے یعنی اگرچہ اسباب موجود نہیں لیکن تو اپنے پاس سے مجھے ولی اور وارث عطا فرما۔

یَّرِثُنِیْ یہ ولیا کی صفت ہے ایسا بیٹا جو میرا وارث بنے وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ اور آل یعقوب کا وارث بنے، اس سے اسرائیلی خاندان مراد ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہی اسرائیل ہے اور آپ کی اولاد میں جو خاندان پھیلا ہے اسی کو بنی اسرائیل کہتے ہیں تو وارث بنے وہ آل یعقوب کا، یعقوب کی اولاد کا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا اور بنا دے اس بچہ کو، اس ولی کو اے میرے رب! پسندیدہ، پسندیدہ ہو اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس کی وجہ سے اس سے نفرت ہو، وہ پسند نہ ہو۔

یٰزَكَرِیَّاۤ: ہم نے کہا، یازکریا سے پہلے قلنا کا لفظ محذوف ہے، اے زکریا! اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ بے شک ہم بشارت دیتے ہیں تجھے لڑکے کی اسْمُهٗ یَحْیٰى اس کا نام یحییٰ ہوگا لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا سمی کہتے ہیں ہم صفت، نظیر اور مثل کو، ہم نے اس کا ہم صفت اس سے پہلے نہیں بنایا، ہم نے اس کی نظیر اس سے پہلے نہیں بنائی یعنی بعض صفات میں ایسا ممتاز ہوگا کہ اس قسم کی صفت ہم نے پہلے کسی کو نہیں دی، قَالَ زکریا علیہ السلام نے کہا رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ، اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیونکر ہوگا؟ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا میری بیوی تو بانجھ ہے وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا، عتیاً کا معنی حد سے بڑھنا اور کبر بڑھاپے کو کہتے ہیں، عتیاً اصل عُتُوْوًا تھا بعد میں تعلیل ہو کے عتیاً ہو گیا، وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا تحقیق پہنچ گیا ہوں میں انتہاء کو بڑھاپے سے، میں بڑھاپے سے انتہاء کو پہنچ گیا ہوں میرا بڑھاپا اپنی حد سے تجاوز کر گیا ہے یعنی بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكَ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا الْاَمْرُ کذلك واقعہ ایسے ہی ہے، قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ فرشتہ کی

وساطت سے یہ بات آئی کہ تیرا رب یہ کہتا ہے کہ یہ میرے پر آسان ہے وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ اور میں تجھے اس سے پہلے پیدا کر چکا ہوں وَلَمْ تَكُ شَيْئًا اور تو کچھ بھی نہیں تھا، قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً زکریا علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی متعین کر دو یعنی حمل کے ٹھہرنے کی قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری نشانی یہ ہے کہ تو بات نہیں کرے گا لوگوں سے تین رات تک، اس حال میں تو تندرست ہوگا، سوی سے تندرست مراد ہے، تیرے اعضاء بالکل صحیح ہوں گے لیکن تو تندرست ہونے کے باوجود تین رات تک لوگوں سے بات نہیں کر سکے گا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ: پھر نکلے زکریا اپنی قوم پر مِنَ الْمِحْرَابِ اپنے عبادت خانہ سے، محراب سے وہ حجرہ مراد ہے جس میں وہ عبادت کرتے تھے فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ پھر اشارہ کیا لوگوں کی طرف اوحیٰ کی ضمیر حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے، اشارہ کیا لوگوں کی طرف اَنْ سَبِّحُوْا، یہ اَنْ اس وحی کی تفسیر ہے کہ تم لوگ تسبیح بیان کرو صبح و شام یعنی جیسے پہلے وعظ تلقین کیا کرتے تھے اس دن بول نہیں سکے صرف اشارہ کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے لئے کہا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ: اب آگے مضمون محذوف ہے کہ پھر وہ واقعہ پیش آیا، تین دن تک وہ کلام نہیں کر سکے جس سے سمجھ گئے کہ بچہ ہوگا اور پھر بعد میں بچہ ہوا تو پھر ہم نے یحییٰ سے کہا کہ اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو، کتاب سے یہاں ''توراۃ'' مراد ہے، اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لو، مضبوطی سے تھامنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چھوٹنے نہ پائے، ہاتھ میں پکڑنی مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کے نظریات و عملیات کو خوب اچھی طرح سے اپنالو، مضبوطی سے تھام لو نہ کوئی تمہیں ڈرا کے اس کو چھڑا سکے اور نہ کوئی لالچ دے کے چھڑا سکے، کسی صورت میں یہ کتاب ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ حکم کا معنی ہوتا ہے، فیصلہ کرنا، حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے کی قوت، ہم نے اس کو فیصلہ کی قوت دے دی تھی، ہم نے اس کو حکم دے دیا تھا اس سے علم و حکمت مراد ہے جس سے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے صَبِيًّا اس حال میں کہ وہ بچہ تھا، بچپن سے ہی وہ سمجھدار تھا، ہم نے اس کو حق اور باطل کے درمیان تمیز کا سلیقہ دے دیا تھا۔

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا: حنان کہتے ہیں رقت قلب کو، سوز و گداز، محبت، شوق، ہم نے اس کو دی رقت قلب دی تھی اپنے پاس سے، بہت نرم دل تھا، بہت سوز گداز والا تھا، بہت محبت اور شوق والا تھا وَ زَكٰوةً اور پاکیزگی دی تھی

یعنی ظاہری اخلاق میں بھی کوئی کسی قسم کی کمی نہیں تھی اور باطنی کیفیات میں بھی کوئی فرق نہیں تھا وَكَانَ تَقِيًّا اور وہ پرہیزگار تھا وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا، برا یہ صفت کا صیغہ آ گیا، اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا تھا وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا اور وہ کوئی زبردست اور نافرمان نہیں تھا، وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ اور سلام ہے اس پر يَوْمَ وُلِدَ جس دن کہ وہ پیدا کیا گیا وَيَوْمَ يَمُوْتُ اور جس دن کہ وہ مرے گا وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا اور جس دن کہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، یعنی پیدا ہونے میں، وفات کے وقت میں اور بعث میں ان کے اوپر اللہ کی سلامتی ہی سلامتی ہے، یہ ان کو ایک بشارت ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ ابتداء میں ذکر کرنے کی وجہ:۔

سورۃ آل عمران میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو جس وقت عبادت کے لیے وقف کر دیا گیا تھا تو حضرت زکریا علیہ السلام کو اس کا کفیل بنایا گیا تھا، اصل تو یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بیان کرنا ہے اور تردید مقصود ہے، اس شرک کی جس قسم کا شرک عیسائیوں نے اختیار کیا تھا جیسا کہ سورۃ کہف کی ابتداء میں بھی اتخاذ ولد کی تردید آئی تھی، عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور اللہ کی صفات میں شریک کرتے تھے، وہ زیادہ تر ان کی ولادت سے استدلال کرتے تھے کہ یہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ براہ راست یہ اللہ کے ہی بیٹے ہیں، تو وہاں سورۃ آل عمران میں بھی اللہ نے پہلے یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کو ذکر کیا، جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ خرق عادت، عام حالات کے خلاف اولاد کا ہو جانا یہ کوئی الوہیت کی دلیل نہیں ہوتی، کرامات، معجزات، خرق عادت کام ہوتے رہتے ہیں، حضرت مریم علیہا السلام کو اگر خرق عادت اولاد ملی ہے تو ان کو بچپن میں رزق بھی تو خلاف عادت ملتا رہا ہے اور اس سے قبل حضرت زکریا کو یحییٰ جو دیے گئے تھے وہ بھی تو خرق عادت دیئے گئے تھے، وہاں بھی بظاہر کوئی اسباب موجود نہیں تھے، تو خرق عادت اگر کوئی واقعہ پیش آ جائے تو اس کے اوپر اس طرح نہیں سوچا کرتے کہ جب ظاہر میں اس کا باپ کوئی نہیں ہے، تو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کے بیٹے ہیں، تو یہ دلیل غلط ہے۔ جس طرح اللہ اپنی قدرت کے ساتھ بوڑھے ماں باپ کو اولاد دے دیتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ بے موسم میوے حضرت مریم علیہا السلام کو دیتا رہا اسی طرح اولاد حضرت زکریا کو دی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے تحت اگر مریم کو بچہ دے دیا تو یہ کوئی الوہیت کی دلیل نہیں ہے جیسے وہاں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا

کہ یہاں تو پھر بھی ماں کا واسطہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے میں نہ ماں کا واسطہ تھا اور نہ باپ کا تو یہی اگر الوہیت کی دلیل ہے تو سب سے پہلے آدم کو خدا کہو، یہاں بھی بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ ہے اور ابتداء میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدت کا واقعہ ذکر کیا جارہا ہے۔

بیٹا مانگنے کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے ساتھ خاص معاملہ فرمایا اس کو ذکر کرنا مقصود ہے، اس نے چپکے چپکے اللہ کو پکارا کیونکہ دعاء کا ادب یہی ہے کہ انسان چپکے چپکے اللہ کو پکارے، چیخنا چلانا یہ اللہ کو پسند نہیں ہے، البتہ مجمع کے اندر اگر دعاء کی جائے اور اس میں اتنا جہر ہو جائے کہ جو شریک ہیں وہ سن لیں اور سن کے اطمینان کے ساتھ آمین کہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلا وجہ چیخ و پکار کرنا اچھا نہیں ہوتا، اور حضرت زکریا علیہ السلام نے دعاء کے لیے ہاتھ جو اٹھائے تو یہی کیا کہ اے اللہ! میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں مطلب یہ ہے کہ اب اگر چہ میں اولاد کے قابل نہیں رہا، سر میں سفیدی پھیل گئی اور میری بیوی بھی اولاد کے قابل نہیں لیکن پہلے سے میں دیکھتا ہوں کہ جب بھی تیرے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوں تو نے کبھی محروم نہیں رکھا تو اگر چہ ظاہری اسباب نہیں ہیں لیکن تیرے فیصلے تو ظاہری اسباب کے محتاج نہیں ہیں تو جب ارادہ کر لیتا ہے تو اسباب خود بخود پیدا ہو جایا کرتے ہیں، اسباب تیری تخلیق کے محتاج ہیں، تیرے فیصلے اسباب کے محتاج نہیں ہیں، اس لیے خلاف اسباب خاص اپنی رحمت سے مجھے بچہ عطا کر اور یہ بچہ کیوں مانگ رہا ہوں......؟ اس کی آرزو میرے دل میں کیوں پیدا ہوئی......؟ میرے باقی رشتہ دار مجھے نالائق معلوم ہوتے ہیں، وہ میرے بعد اس علمی سلسلہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، دین کی اشاعت اور خدمت کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا، مجھے اپنے ان رشتہ داروں سے توقع نہیں ہے، اس لیے میں کہتا ہوں کہ مجھے ایک ایسا لڑکا دے جو میرا وارث بنے، یہاں وارثت سے وارثت علمی مراد ہے، انبیاء کو مالی وارثت کی فکر نہیں ہوتی اور نہ وہ اتنے بڑے سیٹھ اور مالدار ہی تھے کہ ان کو خیال تھا کہ اگر اولاد نہ ہوئی تو میرے مرنے کے بعد یہ میرا مال میرے رشتہ دار لے جائیں گے، انبیاء کے دل میں مال کی ایسی قدر نہیں ہوتی، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نجاری کا کام کرتے تھے یعنی لکڑی کاٹنا، لکڑی چیرنا جس کو آپ بڑھئی یا درکھان کہتے ہیں اسی طرح مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالا کرتے تھے اور باقی وقت سارے کا سارا دین کی خدمت اور وعظ و نصیحت میں گزارتے تھے، ذریعہ معاش یہ

اختیار کررکھا تھا تو کوئی ایسے مالدار نہیں تھے کہ اپنی جائیداد کا فکر ہو پھر یہاں اپنی وارثت کا ذکر کیا تو ساتھ آل یعقوب کی وارثت کا ذکر کیا تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں وارثت علمی مراد ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کا بیٹا اکیلا آل یعقوب کا وارث کیسے ہوسکتا ہے......؟ آل یعقوب کے اندر تو بارہ خاندان ہیں، ان سب کا وارث اکیلے زکریا کا بیٹا کیسے ہوجائے گا......؟ معلوم ہوگیا کہ یہاں آل یعقوب کے علوم اور معارف مراد ہیں کہ بنی اسرائیل میں انبیاء کی وساطت سے جو علم کا چرچا چلا آ رہا ہے میرا بیٹا اس کو سنبھالے، مجھے ایسا نیک بیٹا دے، جو علمی طور پر میرا وارث ہو۔

انبیاء کا روثہ علم ہوتا ہے:۔

حدیث شریف میں آتا ہے اور اہل علم کے فضائل کے طور پر یہ روایت بیان کی جاتی ہے وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَاراً وَلَا دِرْهَماً وَاِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ ①، علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء درہم و دینار کا ورثہ نہیں چھوڑ کر جایا کرتے، انبیاء ورثہ علم کا چھوڑ جاتے ہیں، تو جو علم حاصل کرے تو اس نے انبیاء کی وارثت حاصل کر لی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم انبیاء کے گروہ جو کچھ چھوڑ کے جایا کرتے ہیں وہ پیچھے صدقہ ہوتا ہے، ہماری مالی وارثت نہیں چلا کرتی تو مال انبیاء کا ورثہ نہیں ہے۔ اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام جو کہتے ہیں کہ مجھے وارث دے، مجھے بیٹا دے، جو میرا وارث بنے تو یہاں سے پیسوں کی وراثت مراد نہیں ہے، علمی وارثت مراد ہے واجعلہ رب رضیا اور اے اللہ! اسے پسندیدہ بنادے یعنی اچھا ہو، پاکیزہ بچہ ہو، ظاہری طور پر پسندیدہ ہو، اُس میں کسی قسم کی کمی نہ ہو اور نقص نہ ہو۔

اب یہاں یہ بات ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دعاء نہیں کی کہ میرے رشتہ داروں کو تو اس کا اہل کر دے کہ وہ دین کی خدمت کریں، اب اس کام کے لئے نئے سرے سے بچہ مانگا جا رہا ہے تو ہوسکتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے حالات سے مایوس تھے اور ان کا کردار اچھا نہیں تھا اور یہ ہمیشہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کی پہلی زندگی اچھی نہیں گزری ہو، اس کا کردار اچھا نہ ہو تو بعد میں اچھا بن بھی جائے تو لوگوں پر ایسا اثر نہیں ہوا کرتا، ہاں البتہ جس کی زندگی ابتداء سے ہی اچھی ہے اور اس کے اندر کسی قسم کا نقص اور عیب لوگوں کو معلوم نہیں ہے، تو اس کی بات میں زیادہ

① مشکوۃ ص۳۲ کتاب العلم مطبوعہ دھلی عن کثیر بن قیس/ سنن ابی داؤد ج۳ ص۳۱۷ مطبوعہ بیروت/ معجم ابن الاعرابی ج۲ ص۷۸۷/ مسند الشامیین للطبرانی ج۲ ص۲۲۴/ شعب الایمان ج۳ ص۲۲۱

اثر ہوتا ہے، تو ان رشتہ داروں سے مایوس ہو کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی کیفیت کیا ہوگی......؟:۔

چونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ کی رحمت پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے، تو اللہ کی طرف سے قبولیت بھی ہوگئی جیسے میں نے پہلے عرض کیا کہ اللہ کے فیصلے اسباب کے کے محتاج نہیں، اللہ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آ گیا، اے زکریا! ہم تجھے بشارت دیتے ہیں لڑکے کی، نام بھی رکھ دیا گیا کہ اس کا نام یحییٰ ہوگا، اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس میں ایسی ایسی صفتیں ہوں گی، کہ اس سے پہلے ہم نے اس کی نظیر اور مثل نہیں بنائی مثلاً اس معنی میں تو پہلے بھی کوئی مثل موجود نہیں کہ عورت بانجھ ہو اور خاوند بوڑھا ہو اور ان کو اس طرح بچہ عطا کیا گیا ہو، اس اعتبار سے تو اس کی مثل موجود نہیں ہے، باقی بعض بعض صفات ایسی دی گئیں، رقت قلب ان کے اوپر انتہائی درجہ کی تھی، خوف خدا کے ساتھ یہ روتے بہت تھے، راویات میں آتا ہے ہے کہ اللہ کو یاد کر کے اتنا روتے تھے کہ کثرت سے آنسو بہنے کے ساتھ ان کے رخساروں پر نالیاں سی بن گئی تھیں، تو رقت قلب، سوز و گداز، اللہ کے عشق اور محبت کے اندر آنسو بہانا، ان صفات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت ممتاز تھے کہ یہ صفات اتنی نمایاں طور پر کسی دوسرے میں موجود نہیں تھیں اور نام کے اعتبار سے بھی، اس کی مثل پہلے موجود نہیں تھی کہ پہلے کوئی شخص ایسا نہیں آیا ہوگا کہ جس کا نام یحییٰ رکھا گیا ہو تو یہ ان کا امتیاز ہے کہ اس کا نام ایسا ہے، جو پہلے کسی کا نام نہیں رکھا گیا اور اس کی نظیر پہلے موجود نہیں اور اس کو صفتیں ایسی دی گئیں جو پہلے کسی کو نہیں دی گئیں یعنی اس درجہ کی صفتیں پہلے کسی کو نہیں دی گئیں جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دی جائیں گی۔

حضرت زکریا کی قبولیت دعا اور بیٹے کی خوشخبری:۔

اب جس وقت بشارت ملی تو حضرت زکریا علیہ السلام تو خوش ہو گئے، خوش ہو کے پھر زیادہ تفصیل حاصل کرنے کے لئے پوچھتے ہیں کہ اے اللہ! میری اولاد کس طرح ہوگی؟ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی اولاد کے قابل نہیں، مطلب یہ تھا کہ ہوگی ضرور لیکن صورت کیا اختیار کی جائے گی، مجھے دوبارہ جوان کیا جائے گا یا میری بیوی کو جوان کیا جائے گا، یا مجھے نئی شادی کا حکم دیا جائے گا آخر کیا صورت اختیار کی جائے گی یعنی خوشی میں آ کے انسان اس قسم کی

بات پوچھا کرتا ہے، یہ اظہار تعجب ہے، اللہ کے وعدہ میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم سے جو اولاد کا وعدہ ہوگیا تو ہوگی ضرور لیکن ہوگی کس طرح......؟ کیا صورت اختیار کی جائے گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بس ایسے ہی ہو جائے گی یعنی تمہاری بیوی بھی اس حال میں رہے گی، بے اولاد تھی لیکن اب اولاد کے قابل کر دی جائے گی، یہ تغیر ہو جائے گا چاہے بانجھ چلی آ رہی ہے لیکن اب اس بانجھ کو ہی اللہ تعالیٰ اولاد دے گا اور اولاد ہونے کے بعد تو وہ بانجھ نہیں رہے گی کیونکہ بانجھ تو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو یعنی جو بیوی سابق زمانہ میں بانجھ تھی اب اس سے اولاد ہوگی اور جب اولاد ہوگی تو پھر وہ بانجھ نہیں رہے گی اور تو بھی ایسے ہی بوڑھا ہوگا، تیرے اندر بھی کوئی کسی قسم کا تغیر نہیں کیا جائے گا، اللہ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں جیسے تجھے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا، نیست سے ہست کر دیا، عدم سے وجود میں لے آئے تو بوڑھے ماں باپ کو اولاد دینا اللہ کے لئے کیا مشکل ہے......؟

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی علامت:۔

پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے یعنی خوشی کی انتہاء کے لئے یہ پوچھا کہ اس کی کوئی علامت بتا دیجئے! جس سے میں سمجھ جاؤں کہ بیٹے کی پیدائش کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، ورنہ بیٹا جنا جانا تو ایک ظاہری چیز ہے اس کیلئے نشانی پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، یہ نشانی پوچھی جا رہی ہے اس معاملہ کی ابتداء کی کہ جس سے مجھے پتہ چل جائے کہ اس بیٹے کی تخلیق کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے یعنی ماں کے رحم میں اس کا قرار ہوگیا ہے، ایسی کوئی علامت بتا دی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علامت بتائی گئی ہے کہ تو ہوگا تندرست اور صحیح سالم اور اللہ کے ذکر پر تجھے قدرت ہوگی لیکن لوگوں سے تو بات نہیں کر سکے گا جب یہ علامت آ جائے تو سمجھ لینا کہ اب بچہ کی بنیاد شروع ہوگئی ہے، تو ایسے ہی ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام لوگوں سے بات کرنے سے عجز محسوس کرتے تھے لیکن اللہ کا ذکر کرتے تھے، تو عادت کے مطابق لوگوں کو وعظ نصیحت کرنے کے لئے اپنے عبادت خانہ سے نکلے لیکن اس دن زبان سے نہ بول سکے، اشارہ کے ساتھ ہی کہا کہ تم اللہ کی تسبیح صبح و شام کیا کرو تو اس سے حضرت زکریا علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ بیٹے کی ولادت کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کی صفات:۔

اور اس کے بعد پھر حضرت یحییٰ پیدا ہوگئے، پیدا ہونے کے بعد سمجھدار ہوگئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر

انہیں کہا گیا کہ اے یحیٰ! اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لو، اس کے اوپر مضبوطی سے جمے رہنا ہے، کتاب سے ''توراۃ'' مراد ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ تو بعد میں آ رہا ہے، اور یحیٰ علیہ السلام پہلے پیدا ہو گئے تھے، اس وقت ''توراۃ'' بنی اسرائیل میں موجود تھی تو کتاب سے وہی مراد ہے، مضبوطی سے تھام لینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو پڑھو، سمجھو اور اس کے اوپر عمل کرو، جو کچھ اس میں سمجھایا گیا ہے، اسی کے مطابق عقیدہ رکھو! اسی کے مطابق نظریہ رکھو! اور اسی کے مطابق عمل اختیار کرو اور کوئی شخص ڈرا کر، دھمکا کر، دھوکہ دے کر، فریب کے ساتھ، لالچ دے کر تمہیں اس کتاب کے نظریات وعملیات سے ہٹانے نہ پائے، مضبوطی سے اس کو تھام لو اور ہم نے اس کو سمجھداری دے دی تھی، فیصلہ کی قوت دے دی تھی، علم وحکمت دے دیا تھا، بچپن ہی سے یعنی وہ بچپن سے ہی اس قسم کا سمجھدار تھا اور حق وباطل کے درمیان میں فرق کرنے والا تھا اور اپنی طرف سے ہم نے اس کو سوز وگداز دیا تھا، دل کی نرمی اور رقت دی تھی، اور پاکیزگی دی تھی یعنی اخلاق اور عمل کے لحاظ سے وہ بالکل پاکیزہ تھے، اللہ کی نافرمانی سے بچنے والے تھے اور پھر ماں باپ کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے والے تھے، ورنہ عموماً اس قسم کے بچے جو اتنی تمناؤں کے بعد پیدا ہوں اور مایوس کن حالات کے بعد پیدا ہوں تو ماں باپ کے سامنے سر چڑھے ہوتے ہیں، ماں باپ کے خدمت گزار یا ان کے فرمانبردار نہیں ہوتے، یحیٰ علیہ السلام باوجود اس بات کے کہ بہت تمناؤں کے بعد پیدا ہوئے تھے اور مایوس کن حالات کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن ماں باپ کے بڑے فرمانبردار اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے زور آور، نافرمان اور سرکش نہیں تھے، آگے ان کے لئے بشارت ہے کہ ولادت کے دن ان پر سلامتی، وفات کے دن بھی سلامتی اور قیامت کے دن جب اٹھائے جائیں گے اس دن بھی ان کے لئے سلامتی کی دعا ہوگی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ

اور ذکر کیجئے کتاب میں مریم کا، جب وہ جدا ہوئی اپنے گھر والوں سے مکان کی مشرقی جانب ﴿۱۶﴾ پس اس نے اختیار کیا

مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۪ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

ان سے ہٹ کر پردہ پس ہم نے بھیجا ان کی طرف اپنا فرشتہ جو ظاہر ہوا اس کیلئے صحیح سالم آدمی کی

سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ

شکل میں ﴿۱۷﴾ اس نے کہا میں پناہ میں آتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو ڈرنے والا ہے ﴿۱۸﴾ فرشتہ نے کہا سوائے

اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ

اس کے نہیں میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا ﴿۱۹﴾ اس نے کہا کیسے ہوگا میرے لئے لڑکا

وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ

حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدکار ہوں ﴿۲۰﴾ فرشتہ نے کہا ایسے ہی ہوگا، تیرے رب کا فرمان ہے

عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا

کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اس کو بنادیں نشانی لوگوں کیلئے اور رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے

مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا

جس کا فیصلہ ہو چکا ہے ﴿۲۱﴾ پس وہ حاملہ ہوگئی اس کے ساتھ اور وہ جدا ہوگئی اس کو لے کر دور کی جگہ میں ﴿۲۲﴾ پس لے آیا اس کو

الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا

درد زہ کھجور کے تنے کے پاس وہ کہنے لگی اے کاش! میں مرگئی ہوتی اس سے پہلے

وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ

اور میں ہوجاتی بالکل بھولی بسری ﴿۲۳﴾ پس اسے آواز دی اس کی نچلی جانب سے کہ تو غم مت کر تحقیق بنادیا ہے

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ

تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ ﴿۲۴﴾ اور تو حرکت دے اپنی طرف کھجور کے تنے کو جس سے گریں گی تجھ پر

رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ

تازہ کھجوریں ﴿۲۵﴾ پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر پس اگر تو دیکھے

الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ

کسی بشر کو تو کہہ دینا میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کیلئے روزہ کی پس آج میں ہرگز نہیں بات کروں گی

الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ

کسی انسان سے ﴿۲۶﴾ پس وہ لائی اس کو اپنی قوم کے پاس اس حال میں کہ اسے اٹھائے ہوئے تھی انہوں نے کہا اے مریم! تو نے کیا ہے

شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ

بڑے غضب کا کام ﴿۲۷﴾ اے ہارون کی بہن نہیں تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ ہی تیری

اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ

ماں بدکارہ تھی ﴿۲۸﴾ پس اس نے اشارہ کیا اس بچہ کی طرف، وہ کہنے لگے ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں

صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ڐ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾

ابھی بچہ ہے ﴿۲۹﴾ وہ بول پڑا میں اللہ کا بندہ ہوں عطا کی ہے اس نے مجھے کتاب اور مجھے نبی بنایا ہے ﴿۳۰﴾

وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا

اور بنایا ہے اس نے مجھے برکت والا جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے حکم دیا ہے نماز اور زکوٰۃ کا

دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ

جب تک میں زندہ رہوں ﴿۳۱﴾ اور اچھا سلوک کرنے والا اپنی والدہ کے ساتھ اور نہیں بنایا مجھے سرکش بدبخت ﴿۳۲﴾ اور سلام ہے

عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى

مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے موت آئے گی اور جس دن میں اٹھایا جاؤں گا زندہ کر کے ﴿۳۳﴾ یہ ہیں عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ

ابن مریم، میں سچی بات کہتا ہوں جس میں یہ لوگ شک کر رہے ہیں ﴿۳۴﴾ نہیں ہے اللہ کیلئے مناسب کہ وہ

يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

اختیار کرے اولاد وہ اس سے پاک ہے جب وہ فیصلہ کرتا ہے کسی کام کا تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو

فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

وہ ہو جاتا ہے ﴿۳۵﴾ اور بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس تم اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ﴿۳۶﴾

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ

پھر اختلاف کیا جماعتوں نے آپس میں پس ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جنھوں نے کفر کیا بڑے دن

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ

کی حاضری کے وقت ﴿۳۷﴾ یہ کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے لیکن ظالم لوگ

الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ

آج کے دن صریح گمراہی میں ہیں ﴿۳۸﴾ اور آپ انہیں ڈرایئے حسرت کے دن سے جبکہ فیصلہ

الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ

کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۳۹﴾ بے شک ہم وارث ہوں گے

الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

زمین کے اور ان چیزوں کے جو اس پر ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے ﴿۴۰﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ: ذکر کیجئے کتاب میں مریم علیہا السلام کا، اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا، انتباذ جدا ہونا، علیحدہ ہونا، نبذ پھینکنے کو کہتے ہیں اور انتباذ کا معنی ہے جدا ہو جانا، جب کہ جدا ہوئیں اپنے اہل سے مشرقی مکان میں، فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا پھر اختیار کیا مریم نے ان لوگوں کے سامنے پردہ، حجاب کا معنی پردہ، فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا پھر بھیجا ہم نے مریم کی طرف اپنے روح کو، روح سے روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں، فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا پس متمثل ہوا مریم کے لئے ہمارا وہ فرشتہ جو روح کا مصداق ہے اس حال میں کہ وہ تندرست آدمی تھا، اس فرشتہ نے مریم کے لئے تندرست آدمی کی مثل اختیار کی یعنی "بشراً سویا" کی شکل میں وہ سامنے آیا۔

قَالَتْ مریم نے کہا اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ میں رحمٰن کی پناہ پکڑتی ہوں مِنْكَ تجھ سے، عَاذَ يَعُوْذُ کے بعد جو باء کا مدخول ہوتا ہے اس کی پناہ میں آنا مقصود ہوتا ہے اور جو مِنْ کا مدخول ہوتا ہے اس سے بچنا مقصود ہوتا ہے، رحمٰن کی پناہ پکڑتی ہوں تجھ سے یعنی میں رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں تجھ سے بچنے کے لئے اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا اگر تو متقی ہے، اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

قَالَ اس فرشتہ نے کہا اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ، سوائے اس کے نہیں کہ میں تیرے رب کا رسول ہوں، تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا، وَهَبَ يَهَبُ هِبَةً عطا کرنا، اور اَهَبُ یہ واحد متکلم ہے تاکہ عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ بچہ، غُلٰمًا زَكِيًّا صاف ستھرا بچہ تجھے عطا کروں۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ: مریم کہنے لگی کیونکر ہوگا میرے لیے لڑکا، اَنّٰى، کیونکر، کس طرح ہوگا میرے لڑکا وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ، بشر یہ نکرہ ہے اور یہ نفی کے نیچے آ گیا تو آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ نکرہ تحت النفی عموم کا تقاضہ کرتا ہے وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ مجھے کسی انسان نے مس نہیں کیا، میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟ مجھے کسی انسان نے چھوا نہیں، یہاں مَسِّ بشر جماع سے کنایہ ہے، وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا، بغی کہتے ہیں بدمعاش عورت کو، بدکردار، اور میں کوئی بدکردار بھی نہیں ہوں، وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ کا مطلب یہ ہوگا کہ جائز طریقہ سے میرے پاس کوئی نہیں آیا، میرا نکاح

نہیں ہوا، میرا کوئی شوہر نہیں اور نہ میں کوئی بدکردار ہوں کہ بغیر نکاح کے ہی کسی آدمی کے ساتھ کوئی تعلق ہو تو میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا......؟

قَالَ كَذٰلِكِ: اس فرشتہ نے کہا کہ معاملہ ایسے ہی ہے یعنی ایسے ہی ہو جائے گا بغیر مسِ بشر کے، قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ تیرا رب کہتا ہے کہ یہ میرے اوپر آسان ہے یعنی بغیر مس بشر کے بچہ دے دینا میرے پر آسان ہے وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا، اس میں واؤ کا معطوف علیہ ہے نُبَيِّنَ بِهٖ قُدْرَتَنَا ولنجعله آية للناس تا کہ ہم اس کے ذریعہ سے اپنی قدرت کو واضح کریں اور تا کہ ہم اس بچہ کو لوگوں کے لئے نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں، وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا اور امر فیصلہ شدہ ہے، قَضٰى يَقْضِيْ فیصلہ کرنا، اب یہ امر ایک ایسا امر ہے کہ جس کا فیصلہ ہو چکا ہے، یہ طے شدہ بات ہے۔

فَحَمَلَتْهُ: مریم نے اس بچہ کو اٹھایا یعنی حاملہ ہو گئی، یہاں حمل سے پیٹ میں لینا مراد ہے، پس اٹھایا مریم نے اس بچہ کو فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا، یعنی جب وہ بچہ پیٹ میں محسوس ہوا، ثقل اور بوجھ محسوس ہوا حضرت مریم پہچان گئیں کہ بچہ پیٹ میں آ گیا ہے تو فَانْتَبَذَتْ بِهٖ، یہ وہی انتبذت ہے جو ابتدائی رکوع میں آیا تھا علیحدہ ہو جانا، پس وہ جدا ہو گئی اس حمل کے ساتھ دور جگہ میں، آبادی سے نکل کے دور چلی گئی، وہ جگہ جہاں حضرت مریم تشریف لے گئی تھیں اور جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس کو ''بیت اللحم'' کہتے ہیں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تھے تو اسی راستہ سے گزرے تھے اور اس جگہ اترے بھی تھے، روایات میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ یہاں اتر کر دو رکعت ادا کیجیے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے اور ''بیت اللحم'' اس جگہ کا نام ہے۔ ①

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ: مخاض کہتے ہیں دردزہ کو جو عورت کو بچہ ہونے کے وقت ہوتا ہے، بچہ جب اندر حرکت کرتا ہے اور باہر نکلنے کا تقاضہ کرتا ہے تو اس وقت جو درد ہوتا ہے اس کو مخاض کہتے ہیں، لے آیا اس مریم کو دردزہ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ کھجور کے تنے کی طرف، جب اس کو تکلیف شروع ہوئی تو بے چینی کے ساتھ سہارا لگانے کے لئے وہ ایک کھجور کے تنے کے پاس آ گئیں قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا، مریم کہنے لگی اے کاش! میں اس

① سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۳۲۷

سے قبل مرگئی ہوتی وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا اور ہو جاتی میں بھولی بھلائی، نسی بھولنا، اور منسی مفعول کا صیغہ ہے بھلائی ہوئی چیز تو نَسْيًا مَّنْسِيًّا یہ دو لفظ بول کے تاکید مقصود ہے کہ میں اس سے قبل مرگئی ہوتی اور میرا نام ونشان مٹ گیا ہوتا مجھے کوئی بھی یاد نہ کرتا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ: پس آواز دی اس فرشتہ نے مریم کو اس کے نچلی جانب سے، وہ اونچی جگہ پر ہوں گی، اور وہ فرشتہ نیچے کھڑا تھا کیونکہ وہ پہاڑی علاقہ ہے تو اس نے دور کھڑے ہو کے آواز دی تسلی دینے کے لئے اَلَّا تَحْزَنِيْ کہ تو غم نہ کر قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا تحقیق بنا دیا تیرے رب نے تیری نچلی جانب چشمہ، سری چھوٹی نہر اور چشمہ کو کہتے ہیں۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ: هَزَّ، پھیرنا، ہلانا، حرکت دینا، هُزِّيْ واحد مؤنث مخاطبہ، تو ہلا اپنی جانب کھجور کے تنے کو تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا گرائے گا یہ تنا تیرے اوپر عمدہ چنی ہوئی کھجوریں جنی، یجنی، چننا، قرآن کریم میں دوسری جگہ جنیٰ کا لفظ خلق کے معنی میں آیا ہوا ہے، یعنی ویسے اگر درخت کو ہلائیں تو عموماً ردی قسم کی چیزیں اوپر سے گرتی ہے اور جو چنی جاتی ہے وہ عمدہ ہوتی ہے تو یہاں رطبا جنیاً سے عمدہ کھجوریں مراد ہیں، چنی ہوئی کھجوریں یہ درخت تیرے اوپر گرائے گا۔

فَكُلِيْ پس تو کھا وَاشْرَبِيْ اور پی وَقَرِّيْ عَيْنًا اور ٹھنڈی ہو جا از روئے آنکھوں کے، اپنی آنکھ ٹھنڈی کر فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا، اگر تو دیکھے انسانوں میں سے کسی کو فَقُوْلِيْٓ پس تو کہہ دینا اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ بے شک میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لئے روزہ کی فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا میں ہرگز آج کے دن کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا: اتیٰ یاتی آنا اور باء تعدیہ کی آگئی تو لانے کے معنی میں ہوگا، ''پس لائی مریم اس بچہ کو اپنی قوم کے پاس'' تَحْمِلُهٗ اس حال میں کہ اس کو اٹھائے ہوئے تھی، یہاں گود میں اٹھانا مراد ہے، قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لوگ کہنے لگے کہ اے مریم! لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا، فریٰ یفری، کاٹنا، تراشنا، پھاڑنا، افتراء کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے گھڑنا، شَيْئًا فَرِيًّا بہت بُری تراشی ہوئی چیز، عجیب وغریب چیز، خلاف عادت چیز، تو بہت ہی بُری چیز لائی ہے، ایسی چیز کہ جس نے عادت کو قطع کر دیا، تراشیدہ ہے، تو ایک بہت ہی بری چیز لائی ہے۔

يَآ اُخْتَ هٰرُوْنَ: اے ہارون کی بہن!، مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ تیرا باپ کوئی بُرا آدمی نہیں تھا، وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا اور نہ تیری ماں ہی بدکارہ تھی، قوم ان کو طعنہ دیتی ہوئی کہتی ہے کہ تیرا بھائی نیک تھا، جس کا نام ہارون ہے، اور تیرا باپ بھی بُرا آدمی نہیں تھا، اور تیری ماں بھی بدکارہ نہیں تھی، مطلب یہ تھا تو درمیان میں ایسی کہاں سے نکل آئی کہ بغیر خاوند کے کہتی ہے کہ بچہ ہو گیا؟ مطلب یہ کہ انہوں نے منسوب کیا کہ تو نے کوئی بدمعاشی کی ہے اور بُرا فعل کیا ہے جس کے نتیجہ میں یہ بچہ ہوا ہے، اس ہارون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام مراد نہیں بلکہ یہ حضرت مریم کے بھائی تھے، انبیاء کے ناموں پر چونکہ لوگ نام رکھا کرتے ہیں، تو اس طرح اس لڑکے کا نام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر ہوگا، اس لیے اس کی طرف نسبت کر دی اور اگر اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام ہی مراد ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مریم اس خاندان سے ہے جو ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ: مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ اس بچہ سے پوچھو کیا قصہ ہے قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم کیسے بات کریں مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا، ہم کیسے بات کریں جو کہ ابھی گود میں بچہ ہے، مہد گود کو کہتے ہیں اور مہد پنگھوڑے کو بھی کہتے ہیں جس میں بچہ کو لٹایا اور سلایا جاتا ہے تو جو گود میں بچہ ہے ہم اس کے ساتھ بات کس طرح کریں......؟

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ: یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بول پڑے، عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ، میں اللہ کا بندہ ہوں، اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے، وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا اور مجھے نبی بنایا ہے یعنی میرے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ میں اپنے وقت پر جا کے نبی بنوں گا اور مجھے کتاب ملے گی، یہ نہیں کہ ابھی کتاب دے دی اور ابھی نبی بنا دیا، یہ آپ کے متعلق اللہ کے علم میں جو فیصلہ تھا اس کو نقل کر رہے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے ① تو یہ فیصلہ کا ذکر ہے کہ میرے متعلق اس وقت نبی ہونے کا فیصلہ ہو چکا تھا، اللہ کے علم میں میں نبی بن چکا تھا تو اسی طرح یہ ہے۔

① كنت نبياً و آدمُ بين الروح والجسد (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۸، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۷ ص ۳۷۴) اور مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۱۳ پر الفاظ یہ ہیں اِنِّي عِندَ اللّٰهِ مكتوبٌ خاتم النبيين وَاِنَّ آدمَ لَمنجدلٌ في طِينَتِهٖ

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ: اور بنایا اللہ نے مجھے برکت والا جہاں بھی میں رہوں گا، میری وجہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، برکت اصل میں خیر کثیر کو کہتے ہیں، یہ چیز باعث برکت ہے یعنی اس کے ساتھ بہت فائدہ پہنچ رہا ہے اور اس چیز میں بے برکتی ہوگئی یعنی اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا، وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ اور اللہ نے مجھے وصیت کی ہے نماز کی اور زکوۃ کی مَا دُمْتُ حَیًّا جب تک میں زندہ رہوں، وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ، اس کا فعل یہاں محذوف نکالیں گے جعلنی برا بوالدتی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے، یہاں چونکہ والد تو ہے ہی نہیں اس لیے والدتی مفرد کر کے ذکر کیا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قصہ میں تھا برا بوالدیہ یہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا ہوگا کیونکہ ان کے والدین تھے اور یہاں چونکہ ان کی والدہ ہے، والد نہیں ہے تو اس لیے مفرد کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مجھے بنایا ہے والدہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے جباراً شقی نہیں بنایا شقی کا معنی بد بخت، جبار کا معنی سر چڑھا، سینہ زور، زبردستی کرنے والا، ضدی جبار میں یہ سارے مفہوم ہوگئے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ: سلام مجھ پر جس دن کہ میں جنا گیا اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ میں زندہ اٹھایا جاؤں گا یعنی قیامت کے دن۔

ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ: یہ ہے مریم کا بیٹا عیسیٰ، قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ، اس کا فعل محذوف ہے اقول قول الحق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں سچی بات کہتا ہوں جس میں یہ لوگ شک کر رہے ہیں، سچی بات یہی ہے جو میں نے بیان کر دی۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ: اللہ کی یہ شان نہیں کہ اولاد اختیار کرے، ولد اولاد کے معنی میں ہے اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے، سُبْحٰنَهٗ، اللہ پاک ہے، اولاد کی نسبت اللہ کی طرف کرنا عیب ہے، اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا جس وقت اللہ فیصلہ کرتا ہے کسی امر کا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ، اس کے سوا کچھ نہیں کہ اُسے کہتا ہے ہوجا فَیَكُوْنُ پس وہ ہوجاتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ: بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ یہ سیدھا راستہ ہے، یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر اللہ

تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ آ گئی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے متعلق۔

فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِهِمۡ: احزاب حزب کی جمع ہے اور حزب گروہ کو کہتے ہیں، پس جماعتوں نے آپس میں اختلاف کرلیا، گروہوں نے آپس میں اختلاف کرلیا فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا بڑے دن کی حاضری سے، بڑے دن کی حاضری ان کے لئے خرابی کا باعث بنے گی، بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے۔

اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ: یہ فعل تعجب ہے، کتنا ہی اچھا وہ سننے والے ہوں گے اور کتنا ہی اچھا دیکھنے والے ہوں گے یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا جس دن یہ لوگ ہمارے پاس آئیں گے لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ لیکن یہ ظالم لوگ آج صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، آج ان کو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ نظر آتا ہے، جس دن ہمارے پاس آئیں گے تو خوب سنیں گے اور خوب دیکھیں گے۔

وَاَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ: اور آپ انہیں ڈرایئے حسرت کے دن سے، حسرت کے دن سے قیامت کا دن مراد ہے، اس میں کافروں کو حسرت ہی حسرت ہوگی، حسرت کا معنی پچھتاوا، پچھتاوے کے دن سے ان کو ڈرایئے، اس دن چونکہ ہر انسان پچھتائے گا، برا پچھتائے گا کہ میں نے برائی کو چھوڑا کیوں نہیں، نیک بھی کسی درجہ میں پچھتائے گا میں نے مزید نیکی کیوں نہ کی، اس کو بھی دنیا میں ضائع کیے ہوئے وقت پر پچھتاوا ہوگا، اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ جب کہ امر کا فیصلہ کردیا جائے گا وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ اور لوگ غفلت میں ہیں وَّهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اور ایمان نہیں لاتے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَیۡهَا: بے شک ہم ہی وارث بنیں گے، زمین کے اور جو لوگ اس کے اوپر ہیں ان کے، وَاِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ اور ہماری طرف ہی یہ لوگ لوٹائے جائیں گے یعنی سب کچھ فنا ہو جائے گا اور پیچھے ہم ہی باقی رہ جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ ذکر کرنے کا مقصد:۔

جیسا کہ پہلے آپ کی خدمت میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے واقعہ کو بطور تمہید کے ذکر کیا جارہا ہے اور آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ صراحت سے ذکر کیا جارہا ہے اور اس واقعہ کے ذکر کرنے سے

مقصود عیسائیوں کے شرک کورد کرنا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے لیا اور یہ بھی شرک ہے، اللہ کی طرف اولاد کو منسوب کر دیا بلکہ بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی خدائی میں شریک کرلیا، تین بنالیے، اللہ، عیسیٰ علیہ السلام اور مریم، اور تین کو ایک قرار دے دیا بعض مریم کی جگہ روح القدس کو رکھا کرتے تھے تو اس طرح تین ایک کا فلسفہ عیسائیوں میں چلتا ہے تو یہ واقعہ مفصل ذکر کر کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنی زبان سے اپنی حیثیت کیا بتائی؟ اللہ تعالیٰ توحید کا اثبات کرتے ہیں اور عیسائیوں کے شرک کی تردید کرتے ہیں۔

بغیر باپ کے پیدا ہونا، ابن اللہ ہونے کی دلیل نہیں:۔

عیسائیوں کو جو مغالطہ ہوا وہ یہیں سے ہوا تھا کہ عیسیٰ کا باپ نہیں ہے تو جب باپ نہیں تو انہوں نے کہا پھر لامحالہ یہ اللہ کے بیٹے ہیں، سورہ آل عمران میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر بغیر باپ کے ہونا خدا ہونے کی دلیل ہے، ابن اللہ ہونے کی دلیل ہے تو سب سے پہلے یہ عقیدہ آدم کے متعلق بنانا چاہیے پھر آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت خرق عادت ہے تو خرق عادت ولادت تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بھی ہوئی کہ نہ ماں اولاد کے قابل تھی اور نہ باپ اولاد کے قابل تھا تو بھی اللہ نے لڑکا دے دیا تو اگر خرق عادت کسی کا پیدا ہونا یہی الوہیت کی دلیل ہے تو سب سے پہلے یہ عقیدہ تمہیں حضرت یحییٰ کے متعلق بنانا چاہیے تھا تو جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ حضرت زکریا کو بڑھاپے میں بچہ دیا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ حضرت مریم کو بغیر خاوند کے بچہ دے دیا تو دونوں جگہ اللہ کی قدرت کارفرما ہے تو اللہ کی قدرت کا عقیدہ رکھتے ہوئے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ چاہے تو بالکل نااہل اور ناقابل افراد کو بچہ دے دے، ہر جگہ اللہ کی قدرت کام کرتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا مفصل واقعہ:۔

سورۂ آل عمران میں آپ کے سامنے آیا تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام جب پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ نے چونکہ نذر مانی ہوئی تھی جو بچہ پیدا ہوگا میں اس کو مسجد کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی تو ان کو پھر بیت المقدس میں ٹھہرایا گیا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام اس کے کفیل تھے وہیں یہ عبادت میں لگی رہتی تھیں، یہاں انتبذت مکانا شرقیاً سے اسی

بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بیت المقدس کے مشرقی کونہ میں علیحدہ ہو کر عبادت کرنے کے لئے معتکف ہو گئیں تھیں، اور لوگوں کے سامنے پردہ تان لیا تھا، عبادت میں مشغول ہونے کے لئے پردہ کر لیا تھا اور اس خلوت میں اللہ تعالیٰ نے روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور وہ ایک تندرست اور صحیح سالم انسان کی شکل میں سامنے آئے تو حضرت مریم دیکھتے ہی یہ سمجھیں کہ شاید کوئی انسان میری خلوت میں آ گھسا ہے لیکن چونکہ آثار نیک آدمیوں والے تھے، بزرگوں جیسے تھے تو حضرت مریم دیکھتے ہی اس کو کہنے لگیں جو تیری شکل وصورت ہے تو متقی معلوم ہوتا ہے تو اگر اللہ سے ڈرتا ہے تو میرے قریب نہ آ۔ میں اللہ کی پناہ میں آتی ہوں، اس طرح حضرت مریم نے تعوذ کیا، جس طرح ان کی عفت اور پاکدامنی کا تقاضہ تھا، عفیف سے عفیف عورت اسی قسم کے جذبات کا اظہار ہی کر سکتی ہے کہ اگر کسی مرد کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھے گی تو فوراً تعوذ کرے گی اور یہ کہے گی کہ اللہ سے ڈر، تو حضرت مریم نے بھی اسی طرح اپنی عفت کا اظہار کیا، تو انہوں نے فوراً ظاہر کر دیا کہ میں کوئی انسان نہیں ہوں، میں تو اللہ کا بھیجا ہوا ہوں اور اس لیے آیا ہوں تا کہ میرے توسط سے اللہ آپ کو بچہ عطا کرے، نسبت حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف ہے کہ میں ھبہ کروں تجھے بچہ یہ ظاہری سبب بننے کے طور پر ہے غُلَامًا زَكِيًّا میں بھی اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ بچہ بڑا پاک صاف ہوگا، تو حضرت مریم کو فوراً یہ خیال آیا کیونکہ عادت یہی ہے کہ عورت کو بچہ تب ہوتا ہے جب کسی بشر کے ساتھ اس کا تعلق ہو جائے جائز طور سے اور چاہے ناجائز طریقہ سے، جس وقت تک مرد اور عورت کا آپس میں رابطہ نہ ہو اس وقت تک عادت یہی ہے کہ اولاد نہیں ہوتی، تو حضرت مریم کو فوراً یہی اشکال ہوا کہ میرے لیے کیونکر بچہ ہو سکتا ہے......؟ اب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب اللہ کی طرف سے یہ پیغام دیا تھا یقین تو فوراً ہی آ گیا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے، لیکن تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے کہ میرے لیے بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، یہاں ہاتھ لگانا جماع سے کنایہ ہے، کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں یعنی جائز طریقہ سے اور نہ ہی میں بدکردار ہوں تو جب یہ بات نہیں ہے تو پھر بچہ پیدا ہونے کی کیا صورت ہوگی......؟ فرشتہ نے جواب دیا کہ ایسے ہی ہو جائے گا یعنی بغیر مس بشر کے جیسا کہ اس وقت حال ہے اور تیرے رب پر یہ بات آسان ہے، تیرا رب یہ کہتا ہے کہ میرے پر یہ بات آسان ہے اور اس طرح اس کو پیدا کر کے اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور تا کہ لوگوں کے لیے میں اس کو نشانی بنا دوں اور اپنی طرف سے رحمت بنا دوں اور یہ بات طے شدہ ہے۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دم کیا، پھونک ماری اور حضرت مریم کو محسوس ہو گیا کہ بچہ میرے بطن میں آ گیا ہے، جس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عورت کو احساس ہوتا ہے، جب حضرت مریم کو یہ خیال ہوا، اب آپ جانتے ہیں کہ کنواری بچی، شریف خاندان کی، نیک ماں باپ کی اولاد چاہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو مطمئن کر دیا گیا تھا لیکن اس کو باہر ماحول کی تو خبر تھی کہ لوگ کیا کہیں گے تو وہ شرم کے مارے اپنے آپ کو اس ماحول سے علیحدہ کرنے پر آمادہ ہو گئیں اور اس آبادی کو چھوڑ کے باہر جنگل میں دور نکل گئیں کہ جہاں سے کسی انسان کا گذر نہ ہو، اب اکیلی جنگل میں ہے اور کوئی انسان پاس نہیں ہے، کوئی مونس غمخوار نہیں ہے اور بچہ ہونے کے وقت میں عورت کو جس قسم کے معاونین کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں کوئی بھی موجود نہیں ہے، جب بچہ پیدا ہونے کے آثار شروع ہوئے، تکلیف ہوئی تو اس وقت حضرت مریم اپنی بے بسی کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں اور پھر آگے یہ تصور بھی تھا کہ چاہے میرے سامنے حقیقت واضح ہے لیکن لوگ کس طرح یقین کریں گے کہ یہ بچہ کیسے ہو گیا......؟ ساری چیزیں سامنے ہیں تو اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں کہ اے کاش! میں اس سے قبل مر گئی ہوتی اور میرا نام ونشان مٹ گیا ہوتا، لوگ مجھے یاد تک نہ کرتے، یہ حضرت مریم کی اس پریشانی کا اظہار ہے اس قسم کے حالات میں جیسے کسی لڑکی کے اوپر پریشانی طاری ہو سکتی ہے۔

دردزہ مجبور کر کے اس کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا اس وقت وہ کہنے لگی کہ ہائے کاش! میں اس سے قبل مر گئی ہوتی اور میں بھولی ہوئی ہو جاتی یعنی مجھے کوئی یاد نہ کرتا، میرا نام ونشان تک بھی نہ ہوتا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آ کے ان کو تسلی دی کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں، ایسے موقع پر پینے کے لئے پانی کی ضرورت ہے تو اللہ نے تیرے پاس چشمہ جاری کر دیا، کھانے کی ضرورت ہے تو یہی درخت جس کے اوپر اگرچہ بظاہر کھجوریں معلوم نہیں ہوتیں لیکن تو اس کو ذرا ہلا تو اللہ تعالیٰ تیرے اوپر عمدہ عمدہ کھجوریں گرائے گا، تو یہ حضرت مریم کی کرامت ہے کہ اسی وقت وہاں پانی بھی جاری ہو گیا اور کھجور کے درخت سے کھجوریں بھی حاصل ہو گئیں اور کہا کہ کھجوریں کھاؤ پانی پیو اور بچہ کو دیکھ کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو، باقی رہ گیا یہ معاملہ کہ جب قوم کے پاس جاؤ گی تو قوم بدنام کرے گی طعن وتشنیع کرے گی، وہ کس طرح یقین کریں گے کہ تو صاف ہے، ان کے سامنے جو اشکال ہو گا تو اس کا کیا جواب ہے......؟ اس کا بندوبست آگے کر دیا گیا کہ اگر کوئی انسان تیرے پاس آئے اور

تجھے یہ اندیشہ ہو کہ آ کے بچہ کے متعلق گفتگو کرے گا اور آپ کے اوپر طعن و تشنیع کرے گا تو اس کا علاج یہ ہے کہ تو روزہ کی نذر مان لے، ان کے ہاں ایک خاموشی کا روزہ بھی ہوا کرتا تھا، کہ صبح سے شام تک کسی کے ساتھ بولنا نہیں ہے، یہ روزہ ہماری شریعت میں منسوخ ہے، ہمارے ہاں خاموشی کوئی روزہ نہیں ہے، ان کی شریعت میں ایسے تھا اور پھر یہ نفاس کا زمانہ ہے اور اس وقت میں روزہ کی اجازت دے دی گئی، تو یہ بھی ان کی شریعت کا مسئلہ ہے ورنہ بچہ پیدا ہونے کے بعد ہمارے ہاں چالیس دن تک خون آنے کی توقع ہوتی ہے تو اگر خون آتا رہے تو اتنے دن تک عورت روزہ نہیں رکھ سکتی، یہ اُن کی شریعت کا مسئلہ ہے، تو اشارہ کر دینا چونکہ اس زمانہ میں خاموشی کا روزہ رکھنے کا رواج تھا، تو لوگ کسی طرح اشارہ کرتے ہوں گے جس سے لوگ سمجھ جاتے ہوں گے کہ اس کا روزہ ہے، تو اگر کوئی قریب آئے تو اشارہ کر دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھا ہوا ہے، میں کسی سے بات نہیں کروں گی اور اسی سے یہ بات اقتضاء النص کے ساتھ ثابت ہے کہ روزہ کی بھی نذر مان لو، روزہ کی نذر مان لینے کے بعد بات نہیں کرنی، بچہ کی طرف اشارہ کر دینا پھر ہم جانیں اور وہ جانیں۔

ولادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے خطاب:۔

جب ان کو ہر طرح سے اطمینان ہو گیا، تو بچہ کو اٹھا کے اپنی قوم کے پاس آ گئیں اور جس وقت قوم کے پاس گئیں تو وہی ہوا جو ہونا تھا، لوگ اکٹھے ہو گئے، آ کے اس کے اوپر طعن و تشنیع کرنے لگ گئے کہ تو نے بہت بُری بات کا ارتکاب کیا ہے، کبھی کہتے تھے کہ تو ہارون کی بہن ہے اور ہارون بھی اچھا آدمی تھا، تیرا باپ بھی اچھا تھا اور تیری ماں بھی بدکارہ نہیں تھی، پھر اس نیک خاندان میں تو کیا کرلائی ہے؟ تو حضرت مریم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق بچہ کی طرف اشارہ کر دیا جس کا مطلب یہ تھا اس سے پوچھو! میں کچھ نہیں بولوں گی تو وہ اور غصے ہوئے جو بچہ ابھی گود میں پڑا ہوا ہے، ہم اس سے کس طرح بات کر سکتے ہیں! یہ جھگڑا ابھی ہو ہی رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بول پڑے اور ان کا بولنا ہی حضرت مریم کی نظافت اور طہارت کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا، پھر انہوں نے بول کے اپنی حیثیت واضح کی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، آنے والے وقت میں نبی بننے والا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے کتاب دے گا تو یہ ایک ایک لفظ حضرت مریم کی صفائی دیتا ہے کسی ناجائز فعل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بچہ اس قسم کے کمالات کا حامل نہیں ہوا کرتا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر یہ بچہ اس طرح پیدا کیا ہے، تو ایک ایک لفظ گویا

کہ حضرت مریم کی صفائی کا باعث ہے اور بعد میں عیسائیوں نے جو نظریات ان کے متعلق گھڑ لئے اس کی تردید بھی اس تقریر میں ہو رہی ہے جیسا کہ ترجمہ میں آپ نے سن لیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔

عیسائیوں کے نظریات کی تردید:۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ نہیں ہوں، اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہوں اللہ کا بیٹا نہیں ہوں، مجھے اللہ نے کتاب دی اور نبی بنایا ہے، اور مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی رہوں گا اور مجھے نماز اور زکوۃ کی وصیت کی ہے کہ میں نماز اور زکوۃ کا پابند رہوں، جب تک کہ زندہ رہوں اور میں اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں، مجھے اللہ نے اپنی والدہ کے ساتھ حُسن سلوک کرنے والا بنایا ہے اور میں کوئی سرچڑھا اور بدبخت نہیں ہوں، میرے اوپر ہر وقت سلامتی ہے، ولادت کے دن بھی، وفات کے دن بھی اور قیامت کے دن جب اٹھایا جاؤں گا، تو اس وقت بھی مجھ پر سلامتی ہی سلامتی ہوگی، یہ سب مقبولیت کی علامتیں ہیں آگے آخری بات آئے گی اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ، اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے تو رب کی عبادت کرنا صراط مستقیم ہے، یہ توحید کا خلاصہ گویا کہ آخر میں جا کے پیش کر دیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور وہ سب کا رب ہے اور عبادت اسی کی کرنی چاہیے، اس میں عیسائیوں کے نظریات کی پوری طرح سے تردید ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ:۔

اللہ تعالیٰ ان باتوں کو نقل کرنے کے بعد تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ ہے مریم کا بیٹا عیسیٰ، یہی اس کی حقیقت ہے کہ اپنی قدرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مریم کے بطن سے ان کو پیدا کیا، میں بالکل واقعہ کے مطابق بات کہہ رہا ہوں جس میں لوگ خواہ مخواہ جھگڑا کر رہے ہیں اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اولاد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے، اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا یہ عیب کی بات ہے، میں تو ہر طرح سے قادر ہوں، جب بھی کسی کام کے کرنے کا ارادہ کروں تو کہتا ہوں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے، مجھے کسی معاون کی ضرورت نہیں کسی شریک کار کی ضرورت نہیں تو میں اولاد کیوں اختیار کروں!

یہود و نصاریٰ کا اختلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں:۔

پھر اللہ فرماتے ہیں کہ حقیقت تو اتنی تھی جتنی واضح کر دی گئی لیکن لوگوں نے آپس میں اختلاف کر لیا، کسی نے

کچھ کہا، کسی نے کچھ کہا، خاص طور پر یہود ونصاریٰ کا اختلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آج تک چلا آرہا ہے، یہود اب تک اسی بات میں ہیں، جو ابتداء میں کہی گئی تھی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو نعوذ باللہ بداخلاق کہتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناجائز اولاد قرار دیتے ہیں اور ان کو شریف انسان بھی ماننے کے لئے تیار نہیں، اور عیسائیوں نے اتنا بڑھایا کہ لے جا کر الوہیت کی مسند پر ہی بیٹھا دیا، یہ اختلافات اسی وقت شروع ہوئے اور شدت ہی اختیار کرتے چلے گئے، پھر عیسائیوں میں مختلف فرقے بن گئے، کسی نے ان کو رسول جانا اور اللہ کا عبد سمجھا جو حق پر تھے اور کسی نے ابن اللہ بنالیا، کسی نے ثالث ثلاثہ کہا، کسی نے کہا کہ حقیقتاً اللہ وہی ہے۔

افراط وتفریط دونوں نظریے غلط ہیں:۔

انہوں نے بھی آپس میں اختلاف کیا تو جتنے بھی اختلاف کرنے والے تھے، ان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ حقیقت اتنی ہی ہے جو ہم نے بیان کردی، جو کچھ لوگ کہتے ہیں سب خلاف واقعہ ہے، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ بْنُ مَرْيَمَ بھی غلط ہے، ثالث ثلاثہ، والا نظریہ بھی غلط ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کو گراتے ہوئے اگر ان کے متعلق کوئی نازیبا لفظ بولتے ہیں تو وہ بھی غلط، افراط وتفریط دونوں نظریے غلط ہیں، حقیقت یہ ہے جو ہم نے واضح کردی کہ نہ وہ اللہ ہیں، نہ اللہ کے بیٹے ہیں، نہ ثالث ثلاثہ ہیں، اللہ کے مقبول بندے اور رسول ہیں، صاحب کتاب ہیں، باعث برکت ہیں، اللہ کے عبادت گزار ہیں توحید کا پرچار کرنے والے ہیں، یہ حقیقت ہے جو ہم نے نمایاں کردی اور لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔

کافروں کے لئے یوم حسرت:۔

آگے ان کے لئے یہ وعید ہے کہ کافر لوگوں کے لئے خرابی ہے بڑے دن کی حاضری سے، آج ہم سمجھاتے ہیں تو یہ نہ سنتے ہیں اور نہ کوئی حقیقت نظر آتی ہے، اس دن خوب سننے والے ہوں گے اور خوب دیکھنے والے ہوں گے، جس دن ہمارے پاس آئیں گے لیکن یہ ظالم گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیے، اس دن پچھتاوا ہی پچھتاوا ہوگا جب معاملہ طے کردیا جائے گا اور اذ قضی الامر کا مصداق اور حسرت کے دن کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے

اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں موجود کریں گے اور وہ جہنمیوں کو دکھائیں گے اور پہچان کراوئیں گے کہ یہ موت ہے اور جنتیوں کو بھی دکھائیں گے اور پہچان کروائیں گے کہ یہ موت ہے بعد میں جنت اور دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کر دیا جائے گا① یعنی اس موت کو فناء کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ جہنم والو! اس کے بعد کوئی موت نہیں، جنت والو! اس کے بعد کوئی موت نہیں، یہ وقت ہوگا جب جہنمیوں کے اوپر سب سے زیادہ حسرت طاری ہوگی کیونکہ مصیبت میں سے چھوٹنے کا ایک تصور انسان میں ہوتا ہے کہ مر جائیں گے تو مصیبت ختم ہو جائے گی اور یہ تصور بھی وہاں ختم کر دیا جائے گا، جنتیوں کے لئے خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی کیونکہ جب موت کا تصور مٹ گیا تو ان کی عیش و عشرت دائمی ہو گئی اور جہنمیوں کے لئے حسرت اور افسوس کی کوئی انتہا نہیں ہوگی کیونکہ جب موت پر ہی فناء طاری ہوگی، تو اب ان کے لئے چھوٹنے کا کائی ذریعہ باقی نہ رہا، یہ لوگ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے، انانحن نرث الارض ومن علیها، یہ دنیا کی محبت میں مبتلاء ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا اور دنیا میں بسنے والے سب لوگ چلے جائیں گے پیچھے ہم ہی وارث رہ جائیں گے اور ہماری طرف ہی یہ سارے لوٹائے جائیں گے۔

---

① اذا صار اهل الجنة الی الجنة واهل النار الی النار جئ بالموت حتی یُجعل بین الجنة والنار ثم یُذبحُ ثم ینادی منادٍ یا اهل الجنة لاموت ویااهل النار لاموت فیزداد اهل الجنة فرحا الی فرحهم ویزداد اهل النار حزناً الی حزنهم (مشکوۃ ص۴۹۳ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ / صحیح بخاری ج۲ ص۲۹۱ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ / الترغیب والترہیب ج۴ ص۵۴۴

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ

اور ذکر کیجئے کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا، بیشک وہ صدیق تھے نبی تھے ﴿۴۱﴾ جب انہوں نے کہا اپنے والد سے اے میرے ابا جان!

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ

تم کیوں عبادت کرتے ہو ایسی چیز کی جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ نفع پہنچا سکے تمہیں کچھ بھی ﴿۴۲﴾ اے میرے ابا جان! تحقیق آ گیا

جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

ہے میرے پاس ایسا علم جو آپ کے پاس نہیں آیا پس آپ میری اتباع کریں میں دکھاؤں گا آپ کو سیدھا راستہ ﴿۴۳﴾

يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

اے میرے ابا جان! آپ پوجا نہ کریں شیطان کی بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے ﴿۴۴﴾

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ

اے میرے ابا جان! بیشک میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ پکڑے آپ کو عذاب رحمٰن کی طرف سے پھر ہو جاؤ تم

لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ

شیطان کے دوست ﴿۴۵﴾ اس نے کہا کیا تو اعراض کرنے والا ہے میرے معبودوں سے اے ابراہیم اگر تو

لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ

باز نہ آیا تو میں ضرور تجھے سنگسار کروں گا اور تو چھوڑ دے مجھے زمانہ دراز تک ﴿۴۶﴾ ابراہیم نے کہا سلامتی ہو تجھ پر عنقریب میں تیرے لئے

لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ

استغفار کروں گا اپنے رب سے بیشک وہ مجھ پر مہربان ہے ﴿۴۷﴾ اور میں جدا ہوتا ہوں تم سے اور ان سے جن کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۫ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾

تم پکارتے ہو اللہ کے علاوہ اور میں پکارتا ہوں اپنے رب کو قریب ہے کہ نہیں ہوں گا میں اپنے رب کو پکارنے کے ساتھ محروم ﴿۴۸﴾

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ
پھر جب انہوں نے علیحدگی اختیار کر لی ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے علاوہ تو ہم نے انہیں عطا کیا اسحاق
وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا
اور یعقوب اور ہر ایک کو بنایا ہم نے نبی ﴿۴۹﴾ اور عطا کیا ان کو ہم نے اپنی رحمت کا حصہ
وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾
اور بنا دیا ہم نے ان کے لئے سچائی کی زبان کو بلند ﴿۵۰﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ: کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے! اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا بے شک وہ ابراہیم صدیق نبی تھے، صِدِّيْقًا، نَّبِيًّا یہ دونوں کان کی خبر ہیں، صدیق کا لفظ صدق سے لیا گیا ہے، صدق کا معنی سچائی اور صدیق کا معنی سچا، جو سچائی کو اختیار کرنے والا ہے اس میں مبالغہ پایا جاتا ہے ہر لحاظ سے سچا، زبان کا سچا، کردار کا سچا، وعدہ کا پکا سب چیزیں صدیق میں آجاتی ہیں اور صدیق کے مفہوم میں یہ بھی ہے کہ اس کا قول اس کے عمل کے مطابق ہے اور اس کا عمل اس کے قول مطابق ہے، جو بات زبان سے کہتا ہے عمل سے اس کو سچا کر دکھاتا ہے اور ایسے ہی صدیق اس کو کہتے ہیں جس میں سچائی کو قبول کرنے کی صلاحیت علی وجہ الکمال موجود ہو، اس لفظ میں یہ سارے پہلو ہیں۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ: قابل ذکر ہے وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا، اس باپ کا نام سورہ انعام میں آپ کے سامنے "آزر" گذرا ہے، اپنے باپ سے کہا يٰۤاَبَتِ، یہ اصل میں یا ابی ہے اور کافیہ میں آپ نے پڑھا کہ اس میں کبھی کبھی تاء کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے، اے میرے ابا جان! لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا کیوں عبادت کرتا ہے تو ایسی چیزوں کی، "ما" لفظوں میں چونکہ مذکر ہے اس لیے لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ

وَلَا يُغْنِيْ یہ مذکر کے صیغے ہی آئے ہیں کیونکہ ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے اور ہم چونکہ چیزوں کا لفظ استعمال کریں گے اور اردو میں یہ مؤنث استعمال ہوتا ہے تو ہم ترجمہ مؤنث کے طور پر کریں گے، کیوں پوجا کرتے ہیں، آپ ایسی چیزوں کی جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ تجھے کوئی فائدہ دیتی ہیں، يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ اے میرے ابا جان! بے شک میرے پاس علم آ گیا مَا لَمْ يَاْتِكَ جو تیرے پاس نہیں آیا، فَاتَّبِعْنِيْۤ پس تو میری اتباع کر اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ، میں تیری راہنمائی کروں گا درست راستہ کی طرف۔

يٰۤاَبَتِ: اے میرے ابا جان! لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ، شیطان کی عبادت نہ کر اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا بے شک شیطان رحمٰن کے لئے نافرمان ہے، عصی، سرکش، باغی، نافرمان، يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ اے میرے ابا! بے شک میں خوف کرتا ہوں کہ پہنچے گا تجھے عذاب رحمٰن کی طرف سے فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا پھر تو ہو جائے گا شیطان کا ساتھی، ولی سے یہاں ساتھی مراد ہے یعنی جس طرح شیطان عذاب میں مبتلاء ہو گا تو بھی اس کا ساتھی بن جائے گا اور عذاب میں مبتلاء ہو گا۔

قَالَ اس کے باپ نے کہا یعنی اس آزر نے کہا اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ، رَغِبَ کا صلہ فی بھی آتا ہے اور عن بھی آتا ہے، رَغِبَ فِيْهِ یہ شوق ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے، کسی چیز کا شوق ہو تو رغب کے بعد فی صلہ آیا کرتا ہے اور اگر رغب کا صلہ عن آ جائے تو اس میں اعراض والا معنی ہوتا ہے رَغِبَ عَنْهُ، اس سے اعراض کر گیا، یہاں صلہ عن آیا ہوا ہے اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ، کیا تو اعراض کرنے والا ہے، میرے معبودوں سے اے ابراہیم، لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ اگر تو باز نہ آیا لَاَرْجُمَنَّكَ تو میں تجھے رجم کر دوں گا، رجم کا معنی سنگسار کرنا، پتھر مار مار کے مار دوں گا وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا، ملیّ کہتے ہیں زمانہ طویل کو اور جدا ہو جا مجھ سے زمانہ دراز تک، مجھ سے دور ہو جا مدت دراز تک۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ: ابراہیم نے کہا کہ آپ پر سلام ہو سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ، میں عنقریب بخشش طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب سے اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا بے شک وہ میرا رب میرے ساتھ مہربان ہے، حفی اس کو کہتے ہیں جو کسی کی بہت خبر رکھنے والا ہو، اس کی خاطر بہت اہتمام کرنے والا ہو، وَاَعْتَزِلُكُمْ اور میں تم سے جدا ہوتا ہوں وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور ان چیزوں سے جدا ہوتا ہوں جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وَاَدْعُوْا رَبِّيْ اور میں

اپنے رب کو پکارتا ہوں عَسٰٓی اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا امید ہے کہ نہیں ہوگا میں اپنے رب کو پکارنے کے ساتھ نامراد، محروم نہیں رہوں گا، اور دعاء یہاں عبادت کے معنی میں ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ: پس جس وقت ابراہیم ان سے جدا ہو گئے وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور ان چیزوں سے جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے تھے وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ہم نے عطا کیے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام، اسحاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور یعقوب علیہ السلام پوتے ہیں وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا اور ہم نے ہر کسی کو نبی بنایا، یعنی ان میں سے بھی ہر ایک نبی تھا وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا اور ہم نے عطا کی ان کو اپنی رحمت، لهم میں سب آ گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام ان کو ہم نے اپنی رحمت دی وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا، لسان زبان کو کہتے ہیں اور پھر لسان کا لفظ بول کر ذکر اور شہرت مراد ہوتی ہے، ہم نے ان کے لئے بڑا اچھا ذکر عالیشان کیا یعنی ان کے بعد ان کا تذکرہ بہت اچھی صورت میں، بہت عالی صورت میں ہم نے باقی رکھا، بہت اچھی شہرت ہم نے ان کو عطا کی لسان صدق میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے کہ اچھا تذکرہ، عَلِیًّا عالی شان، ہم نے ان کے لئے اچھا اور عالیشان ذکر بنایا یعنی ان کی شہرت بہت اچھی ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام اور ان کے تذکرے کا مقصد:۔

حضرت زکریا و یحیٰ، حضرت عیسیٰ و مریم علیہ السلام، کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا تھا، اب اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے اور رکوع کی آخری آیات میں ضمناً حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر بھی آ جائے گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسے نبی گذرے ہیں کہ جن کو انبیاء کے سلسلہ میں جد الانبیاء کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، ابوالانبیاء بھی کہا جاتا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہیں تو اب کے لفظ کے ساتھ ہی کرتے ہیں یعنی اپنا باپ ظاہر کرتے ہیں اور بات بھی ایسے ہی کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، بڑے حضرت اسماعیل علیہ السلام جن کی اولاد میں یہ قریش اور اہل مکہ تھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی کے سلسلہ سے آئے تو یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ ہی ہے اور دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، آگے

حضرت یعقوب علیہ السلام سے نسل پھیلی ان کے بارہ بیٹے تھے، بارہ خاندان بنے یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل تھا تو وہ سارے کے سارے خاندان بنو اسرائیل کہلاتے تھے، اور بنو اسرائیل میں بے شمار انبیاء آئے وہ بھی سارے کے سارے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی تھے اس لیے عیسائی ہوں یا یہودی یا قریش مکہ اور عرب کے مشرک یہ سارے کے سارے اپنی نسبت حضرت ابراہیم کی طرف کرتے تھے اور ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں، مشرکین مکہ کہتے تھے کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں، یہود اور نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں اسی لیے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے سامنے یہ بات واضح کی تھی کہ ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفاً مسلماً، نہ وہ یہودی تھا، نہ وہ نصرانی تھا بلکہ وہ تو مخلص موحد تھا اور مشرکین میں سے بھی نہیں تھا، تو مشرک بھی اس کے طریقہ پر نہیں، یہود ونصاریٰ بھی اس کے طریقہ پر نہیں اس لیے یہاں توحید کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ یہ نصاریٰ کیلئے بھی عبرت ہو جو اپنے آپ کو ملت ابراہیم پر قرار دیتے ہیں حالانکہ شرک میں مبتلاء ہیں اور مشرکین کے لئے بھی خاص طور پر تنبیہ ہو جو اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد قرار دیتے ہیں اور اولاد قرار دینے کے ساتھ ساتھ وہ مدعی ہیں کہ وہ اپنے اباء کے طریقہ پر ہیں تو ان کے سامنے واضح کر دیا جائے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کیا ہے، تو مسئلہ توحید کی وضاحت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وعظ سے ہو جائے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کو نصیحت کرنے کا واقعہ:۔

کتاب میں ابراہیم کا تذکرہ کیجئے، کتاب سے قرآن کریم مراد ہے کہ اپنی اس کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے، اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا، کہ وہ صدیق نبی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جس خاندان میں پیدا ہوئے وہ مشرکین کا خاندان تھا، اور یہ عام طور پر آپ سنتے رہتے ہیں کہ ان کے باپ آزر بت تراش تھے اور بت فروش تھے یعنی صرف بت کی پوجا ہی نہیں کرتے تھے بلکہ بتوں کے تاجر تھے، بت تراشتے تھے اور بتوں کو بیچتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت ہوش سنبھالا تو اپنے گھر کے اندر انہی چیزوں کو دیکھا، پتھر کی مورتیاں جن کی پوجا کی جا رہی تھی تو جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم وحکمت دیا آپ نے اپنے وعظ کی ابتداء جو کی ہے وہ اپنے باپ کے سامنے سے کی ہے گھر سے ہی اس بات کی ابتداء ہوئی، گھر میں تذکرہ کیا، پھر تو قوم کے سامنے کیا

پھر حکومت تک آواز پہنچی ، براہ راست بادشاہ کے ساتھ ٹکراؤ ہوا جیسے سورۂ بقرہ میں آپ کے سامنے آیا تھا آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملک چھوڑنا پڑ گیا، درجہ بدرجہ اسی طرح آپ کی آواز ملک میں پھیلی ہے اور ٹکراؤ جیسے جیسے مزید ہوتا چلا گیا اس کے نتیجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ علاقہ چھوڑنا پڑ گیا، ہجرت کر کے پھر آپ شام کی طرف آ گئے تھے، اپنے باپ کو وعظ کرتے ہوئے کتنا پیارا انداز اختیار کیا، کتنا ادب اور محبت کا، باجود اس بات کے وہ مشرک ہے، مشرک ہونے کی بناء پر ان کے سامنے کوئی گستاخی نہیں کی اور نہ کسی سخت لب ولہجہ کے ساتھ ان کو پکارا ہے بلکہ محبت کے انداز میں کہا اے میرے ابا! لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبادت تو اس کی کی جاتی ہے کہ جو انسان کے کام آئے، جو آپ کی دعاء کو سنے، آپ کے حالات کو دیکھے اور آپ جس مصیبت میں اس کو پکاریں وہ اس مصیبت کو دور ہٹانے پر قادر بھی ہو، کسی کو الٰہ مان لینا، کسی کو معبود مان لینا یہ کوئی کھیل اور تماشہ تو نہیں ہے اور نہ کوئی عیاشی کے طور پر مانا جاتا ہے بلکہ یہ تو زندگی کی ایک ضرورت ہے جس کے بغیر انسان سمجھتا ہے کہ زندگی کی گاڑی ہی نہیں چلتی، جب تک اپنے اوپر کسی کو نہیں مانتا، اپنا خالق اور مالک نہیں مانتا اس وقت تک اس کی فطرت مطمئن نہیں ہوتی تو الٰہ کو ایک ضرورت کی بناء پر مانتا ہے، مجبوری کی بناء پر مانتا ہے، فطرت کا تقاضہ ہے، اس کے بغیر انسان نہ اپنی ابتداء کو سمجھ سکتا ہے اور نہ انتہاء کو سمجھ سکتا ہے، اور اس عقیدہ کے بغیر بہت سارے مسائل الجھے رہ جاتے ہیں تو ایک کو انسان اس لیے مانتا ہے کہ باقی دوسری چیزیں جو مانی جاتی ہیں آخر ان کے لئے کوئی دلیل نہیں، نہ وہ کام آنے والی، نہ وہ دعاء سن سکیں، نہ کسی کے حالات کو دیکھ سکیں اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکیں تو ایسی چیزوں کی پوجا کرنے کی کیا ضرورت ہے......؟ کتنی پیاری دلیل اور کتنے اچھے انداز کے ساتھ ادا کی یعنی اس میں بتوں کی صحیح حیثیت واضح کر دی کہ نہ یہ سنتے ہیں، تیرے حالات کو دیکھتے ہیں اور تیرے اوپر کوئی مصیبت آ جائے تو تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو پھر تو ان کی پوجا کیوں کرتا ہے......؟ ان کی عبادت کیوں کرتا ہے......؟ ان کے سامنے اپنا ماتھا کیوں ٹیکتا ہے......؟ ان کے سامنے عبدیت کا اقرار اور اظہار کیوں کرتا ہے......؟

اتباع علم کی کی جاتی ہے نہ کہ جہالت کی:۔

اے میرے ابا! بے شک میرے پاس وہ علم آ گیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا، مطلب یہ کہ اس قسم کی چیز اگر اختیار کرنی چاہیے تو علمی دلیل کے تحت اختیار کرنی چاہیے اور اللہ نے مجھے علم دیا ہے، اور آپ کے علم میں نہیں

ہے، دنیا میں ہمیشہ سے عقل مندوں کا اصول ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ اتباع علم کی کی جاتی ہے جہالت کی نہیں، یہاں عمر کا لحاظ نہیں ہے کہ ایک باپ ہے وہ لازماً متبوع ہے اور اس کی بات ماننی ہے اور ایک بیٹا ہے اور اس کو لازماً پیچھے لگنا چاہیے، یہ کوئی اصول نہیں کہ باپ کہے کہ میں تمہارا باپ ہوں لہٰذا میری بات مان، جیسے میں کرتا ہوں تجھے ایسے کرنا چاہیے، جیسے میں کہتا ہوں اسی طرح تجھے چلنا چاہیے یہ کوئی اصول نہیں کہ باپ باپ ہونے کی وجہ سے متبوع ہو اور بیٹا بیٹا ہونے کی وجہ سے تابع ہو، یہ کوئی بات نہیں ہے، اتباع علم کی ہے اگر باپ کے پاس علم ہے تو اولاد کو اس کے پیچھے لگنا چاہیے اور اگر باپ جاہل ہے اور اولاد کے پاس علم ہے تو باپ کو اولاد کے پیچھے لگنا چاہیے، اصل متبوع علم ہے جہالت نہیں اس لیے اگر آپ اپنی برادری میں سے کچھ لوگوں کی ایسی بات مانتے ہیں جو علمی دلیل کے خلاف ہے اور آپ کے پاس علم ہے قرآن کا، حدیث کا، فقہ کا اور آپ سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ غلط ہے اگر یہ جاننے کے باوجود کہ ان کی بات جہالت پر مبنی ہے اور آپ کے پاس علم ہے، آپ ان کے پیچھے لگ جائیں اور ان کی بات مان لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے علم کو جہالت کے تابع کر دیا اور اس سے بڑھ کے علم کی توہین کوئی نہیں ہے ، بات اگر مانی جاسکتی ہے تو اہل علم کی مانی جاسکتی ہے، علمی دلیل کے سامنے پھر بڑے چھوٹے کا سوال نہیں ہے، اگر علم بیٹے کے پاس ہے تو باپ مکلف ہے کہ بیٹے کی بات مانے، وہاں عمر کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا کہ میں بڑی عمر کا ہوں اس لیے ضروری ہے کہ تم میری بات مانو، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے تو چاہے باپ غلط ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب علم آیا تو اپنے باپ کو بھی کہا کہ تو غلطی پر ہے اس لیے تجھے میرے پیچھے چلنا چاہیے اور اس کے ساتھ، مشرکین کی وہ دلیل ٹوٹ گئی جو ہمیشہ وہ اپنے عمل اور کردار کے لئے دیتے تھے کہ ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے ہم تو اپنے آباء کے طریقہ پر چلیں گے۔

متبوع علم ہے عمر نہیں:۔

انہیں کہا جا رہا ہے کہ عقل کے اندھو! جس ابراہیم علیہ السلام کی طرف تم اپنے آپ کو منسوب کرتے ہو انہوں نے تو اپنے باپ کا طریقہ اپنایا نہیں، ان کی جب سمجھ میں آ گیا کہ باپ کا طریقہ غلط ہے تو انہوں نے تو باپ کو بھی ٹوک دیا، اگر تم ملت ابراہیمی پر ہو تو تمہیں یہ اصول چلانا چاہیے کہ آباؤ اجداد جو جاہل ہوں ان کی طریقہ پر چلنا یہ ابراہیمی اصول نہیں ہے بلکہ ان کے اوپر تنقید کرنا، ان کو سمجھانا، ان کو صحیح راستہ پر لانا یہ صحیح اصول ہے تو حضرت

ابراہیم علیہ السلام بھی تمہارے آباؤ اجداد میں داخل ہیں اگر تم نے کسی کی تقلید کرنی ہے کسی کے پیچھے چلنا ہے، کسی کی بات مانی ہے تو اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی مان لو یا ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اپناؤ کہ وہ تو جاہل باپ کے پیچھے نہیں لگے، علم کی بات آ جانے کے بعد تو انہوں نے باپ کو بھی ٹوک دیا پھر تم یہ اصول کس طرح اپنائے بیٹھے ہو کہ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر چلیں گے، ہم اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات میں اتنی جان ہے کہ آباء کا طریقہ جہالت پر مبنی ہے تو قابل قبول نہیں ہے، غلطی پر باپ بھی ہے تو اس کو سمجھاؤ لیکن نرم لب ولہجہ کے ساتھ اور علم آ جانے کے بعد بھی جہالت کے پیچھے نہ لگو اگر علم آ جانے کے بعد تم جہالت کے پیچھے لگ گئے تو یہ علم کی زبردست توہین ہے، متبوع علم ہے عمر نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ بات کون کہہ رہا ہے، علم کس کے پاس ہے، جس کی بات علم اور عقل کے مطابق ہوگی اس کو تسلیم کریں، اگرچہ کہنے والا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور جس کی بات جہالت پر مبنی ہے، اس کو ہم نہیں مانیں گے اگرچہ کہنے والا بڑا ہی کیوں نہ ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فقرے سے یہ اصول واضح ہو گیا، میرے پاس علم آ گیا جو تیرے پاس نہیں آیا تو میری اتباع کر میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

شیطانی طریقہ:۔

اور جو تم نے طریقہ اپنایا یہ تو شیطان کی عبادت ہے، شیطان نے تمہیں بہکایا ہے، اس کا کہنا تم مان رہے ہو، علمی دلیل کے خلاف دوسرے نظریہ کو جو آدمی قبول کرتا ہے وہ سب شیطانی طریقہ ہے اللہ کی بات کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی بات کو مان لینا یہ اس کی پوجا ہے اس لیے فرمایا کہ تو شیطان کی پوجا نہ کر، شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے اور جب تم ایک نافرمان کے پیچھے لگ جاؤ گے تو تم بھی رحمٰن کے نافرمان ہو جاؤ گے، اے ابا! بے شک میں ڈرتا ہوں اس بات سے، مجھے خوف ہے کہ اگر تو اپنا طریقہ چھوڑے گا نہیں تو رحمٰن کی طرف سے تجھے عذاب آ لگے گا، عذاب پہنچ جائے گا پھر تو اس عذاب میں شیطان کے ساتھ ہو جائے گا یہ انجام سے ڈرایا ہے۔

جاہل دلیل کا جواب طاقت سے دیتا ہے:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کتنے پیارے انداز سے، کتنی محبت کے ساتھ اپنے باپ کو سمجھا رہے ہیں اب چاہیے تو یہ تھا کہ وہ بھی آگے سے نرم لب ولہجہ اختیار کرتا، اپنے مسلک کو دلیل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرتا کہ بیٹا تجھے معلوم نہیں ہے، اس بات کو یوں سمجھو! مسلک کو سمجھانے کی کوشش کرتے لیکن جاہل کے پاس دلیل تو ہوتی نہیں اور

آگے سے مکا دکھاتا ہے، وہ دلیل کا جواب طاقت سے دیتا ہے یہاں بھی نرم لب ولہجہ کے جواب میں سخت لب ولہجہ اختیار کیا کہ اے ابراہیم! تو میرے معبودوں سے منہ موڑنے والا ہے، تو میرے معبودوں کو چھوڑنے والا ہے، اب یہ کوئی دلیل ہے کہ چونکہ میرے معبود ہیں اس لیے تجھے ان کی پوجا کرنی چاہیے، یہ کوئی دلیل تو نہیں ہے، اگر تو باز نہ آیا یعنی اس قسم کی گفتگو کرنے سے اور مجھے روکنے ٹوکنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے رجم کردوں گا، پتھر مار مار کے تجھے ماردوں گا، تیری جان نکال دوں گا، اور زمانہ دراز تک مجھ سے جدا ہو جا، یہ بات کتنے دنوں تک چلتی رہی، قوم سے بات ہوئی، بادشاہ تک یہ بات پہنچی آخر علیحدگی کی صورت بن گئی، اس کا مطلب نہیں کہ اتنی سی گفتگو ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر سے نکل گئے، آخر نتیجہ یہی نکلا کہ جب باپ نے اصرار کیا کہ اپنے گھر سے نکل جا اور مجھ سے زمانہ دراز تک جدا ہو جا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا سلام علیک، آپ پر سلام ہو، یہ سلام ہے جس کو سلام مقاطعہ کہتے ہیں یعنی علیحدگی بھی سلامتی کے انداز میں ہی ہوگئی، آپ پر سلامتی ہو اور میں آپ کے لیے استغفار کروں گا، اپنے رب سے اس وقت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے مشرک کے لیے استغفار کی ممانعت نہیں آئی تھی، اور مشرک کے لئے زندگی میں استغفاریوں کیا جاسکتا ہے کہ اے اللہ! اس کو بخش دے یعنی توبہ کی توفیق دے کر بخشش کا سامان پیدا کردے لیکن جب پتہ چل جائے کہ اس کا انتقال بھی شرک پر ہو گیا ہے تو پھر اس کے لئے دعا کرنی جائز نہیں ہے، میں تیرے لیے استغفار کروں گا، اپنے رب سے بے شک وہ میرا رب میرے ساتھ مہربان ہے، امید ہے کہ میری دعا کی بناء پر تجھے ہدایت مل جائے گی۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: صاف صاف کہہ دیا جس میں کوئی کسی قسم کا خفا نہیں ہے کہ میں تم سے جدا ہوتا ہوں اور جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو ان سے بھی جدا ہوتا ہوں، میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کو چھوڑ کے میرا تعلق کس سے ہے وَاَدْعُوْا رَبِّيْ میں اپنے رب کی عبادت کروں گا، اپنے رب کو پکاروں گا، اور مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے کے ساتھ نامراد نہیں رہوں گا،

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے جدا ہو گئے علاقہ چھوڑ دیا اب چونکہ اللہ کی خاطر اپنا گھر چھوڑا تھا، خاندان چھوڑا تھا، ہر کسی سے علیحدگی اختیار کرلی تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا کہ صالح اولاد عطاء فرمائی۔ اولاد میں سب سے پہلے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے ان کا یہاں ضمنی ذکر نہیں کیا بلکہ آگے مستقل

عنوان کے ساتھ ان کو ذکر کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے آگے حضرت یعقوب پیدا ہوئے اور یہ سارے ہی نبی ہوئے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا کی، دنیا میں مختلف قسم کے کمالات عطا کیے اور ان کے پیچھے ہم نے ان کا بہت عالیشان اور اچھا ذکر چھوڑا یعنی یہ چلے گئے اور دنیا کے اندر ان کی شہرت باقی ہے، اس وقت سے چلی اور قیامت تک رہے گی، کتنی بڑی امتیں ان کی طرف منسوب ہوئیں، ہر ایک ان کی نسبت پر فخر کرتا ہے، یہ دنیا میں اللہ کی طرف سے ان پر انعام ہے ان مشکلات کے نتیجہ میں جو انہوں نے دین کی محبت میں برداشت کیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى

اور ذکر کیجئے کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا

اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

بیشک وہ خالص کیے ہوئے تھے اور وہ رسول تھے نبی تھے ﴿۵۱﴾ اور ہم نے اس کو پکارا طور کی دائیں

الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ

جانب سے اور ہم نے اس کو قریب کیا سرگوشی کرتے ہوئے ﴿۵۲﴾ اور ہم نے عطا کیا اسے اپنی رحمت سے اس کا بھائی

هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ

ہارون نبی بنا کر ﴿۵۳﴾ اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کا بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ

اور رسول نبی تھے ﴿۵۴﴾ وہ حکم دیتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا اور وہ اپنے

عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا

رب کے نزدیک پسندیدہ تھے ﴿۵۵﴾ اور ذکر کیجئے کتاب میں ادریس کا بے شک وہ صدیق تھے

نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

نبی تھے ﴿۵۶﴾ اور ہم نے انہیں اٹھایا بلند مرتبے میں ﴿۵۷﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن پر انعام کیا اللہ نے

مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ

یعنی انبیاء جو آدم کی نسل سے ہیں اور ان کی نسل سے جنہیں ہم نے سوار کیا نوح کے ساتھ اور

ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى

ابراہیم واسماعیل کی نسل سے ہیں اور ان میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور جن کو ہم نے چن لیا جب تلاوت کی

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

جاتی ہیں ان پر رحمٰن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ﴿۵۸﴾ پھر آ گئے ان کے بعد ایسے جانشین

خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

جنہوں نے ضائع کر دیا نماز کو اور پیچھے لگ گئے خواہشات کے پس عنقریب وہ ملیں گے خرابی کو ﴿۵۹﴾

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

مگر وہ شخص جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے پس یہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں

وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

اور ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۶۰﴾ وہ ہیشگی کے باغات ہیں جس کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں سے

بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ

بن دیکھے بے شک اس کا وعدہ ضرور آنے والا ہے ﴿۶۱﴾ وہ نہیں سنیں گے اس میں کوئی لغو بات سوائے سلام کے

وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ

اور ان کے لیے ان کا رزق ہوگا اس جنت میں صبح و شام ﴿۶۲﴾ یہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے

عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ

اپنے بندوں میں سے اسے جو ڈرنے والا ہوگا ﴿۶۳﴾ اور ہم نہیں اترتے مگر تیرے رب کے حکم کے ساتھ، اس کیلئے ہے جو ہمارے

اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ

آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا ﴿۶۴﴾ وہ رب ہے

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ

آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے پس آپ اسی کی عبادت کریں اور ثابت قدم رہیں اس کی عبادت پر کیا

تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴿۶۵﴾

آپ جانتے ہیں اس کا کوئی ہم نام ﴿۶۵﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى: کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے!، اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا بے شک وہ موسیٰ چنا ہوا تھا، خاص کیا ہوا تھا، مخلص اخلص خاص کرنا، خاص کر لینا، چنا ہوا، خاص کیا ہوا، وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا اور وہ رسول نبی تھا، یعنی رسول بھی تھا اور نبی بھی تھا، دونوں صفتوں کا جامع تھا، رسول اور نبی میں کچھ تھوڑا سا فرق ہوا کرتا ہے یہ آخر میں بیان کریں گے۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ: آواز دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو طور کی جانب سے الْاَيْمَنِ یہ جانب کی صفت ہے، ایمن یہ یمین سے بھی ہو سکتا ہے اور یُمْن سے بھی ہو سکتا ہے، یمن برکت کو کہتے ہیں تو ایمن برکت والی، طور کی برکت والی جانب سے ہم نے اس کو آواز دی جیسا کہ دوسری جگہ اس کو مقدس وادی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے پھر معنی یوں ہوگا کہ ہم نے اس کو طور کی برکت والی جانب سے آواز دی اور اگر ایمن دائیں جانب کے معنی میں لیا جائے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ طور کی دائیں جانب سے آواز دی، یعنی جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام طور کی جانب متوجہ ہوئے تو ان کے دائیں طرف وہ حصہ تھا، جہاں سے ان کو آواز آئی وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو قریب کیا، نجیی سرگوشی اور راز کی بات کو کہتے ہیں، اس میں مصدری معنی بھی ہوتا ہے اور نجیی اس شخص کو بھی کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ سرگوشی یا راز کی صورت میں بات کی جائے تو یہاں یوں معنی کریں گے ہم نے اس کو قریب کیا سرگوشی کے لئے، راز کی بات کرنے کے لئے اور اگر صفت کا صیغہ لیا جائے تو معنی ہوگا ہم نے اس کو قریب کیا اس حال میں کہ وہ سرگوشی کیا ہوا تھا، راز کی بات کیا ہوا تھا، پھر یہ موسیٰ علیہ السلام سے حال واقع ہو جائے گا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا: اور ہم نے عطا کیا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی، اخاہ ھارون بدل مبدل منہ ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ: اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کا اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ بے شک وہ سچے وعدے والے تھے وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا اور رسول نبی تھے، وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ اور وہ اپنے گھر والوں کو حکم دیا کرتے تھے نماز کا اور زکوۃ کا وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا اور وہ اسماعیل علیہ السلام اپنے رب کے پاس پسندیدہ تھے، مرضی یرضی سے مفعول کا صیغہ ہے پسند کرنا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ: اور ذکر کیجئے کتاب میں ادریس کا اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا بے شک وہ صدیق نبی تھے وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے ان کو اٹھایا بلندی کے مرتبے میں، ہم نے ان کو بلند مرتبہ میں اٹھایا، مَكَانًا عَلِيًّا کا معنی اونچی جگہ، علو والی جگہ، اٹھایا ہم نے اس کو اونچے مرتبہ میں یعنی ان کا درجہ ہم نے بلند کیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: یہ وہ لوگ ہیں جب کے اوپر اللہ نے انعام کیا مِّنَ النَّبِيّٖنَ نبیوں میں سے ہیں مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ، آدم کی اولاد میں سے ہیں وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ اٹھایا وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ، ابراہیم اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں وَمِمَّنْ هَدَيْنَا اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی وَاجْتَبَيْنَا اور جن کو ہم نے چنا، اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ جب پڑھی جاتی ہیں ان پر رحمٰن کی آیتیں خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا تو گر پڑتے ہیں وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے، سُجَّدًا یہ ساجد کی جمع ہے اور بُكِيًّا "باکی" کی جمع ہے، فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ، خلف لام کے سکون کے ساتھ بُرے جانشین کو کہتے ہیں اور خلف لام کے فتح کے ساتھ اچھے جانشین کو کہتے ہیں، یہاں لام سکون کے ساتھ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان لوگوں کے پیچھے بُرے جانشین آگئے، اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ جنہوں نے نماز کو ضائع کردیا وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ اور شہوات کے پیچھے لگ گئے فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا، غی کا لفظ رشد کے مقابلہ میں آیا کرتا ہے، رشد کہتے ہیں بھلائی کو، ہدایت کو، خیر کو اور اس کے مقابلہ میں غی آ گیا خرابی گمراہی اور ضلالت کے لئے، وہ ملاقات کریں گے گمراہی سے یعنی اپنی گمراہی کی سزا سے ملاقات کریں گے، عنقریب ملیں گے وہ گمراہی کو یعنی جو گمراہی انہوں نے دنیا میں اختیار کی تھی اس کے وبال اور سزا کو وہ لوگ عنقریب ملیں گے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ: مگر جو کوئی توبہ کرے، وَاٰمَنَ اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

الْجَنَّۃَ ،اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جنہوں نے یہ گمراہی اختیار کی، اتباع شہوات کیا اور بعد میں توبہ کر لی مطلب یہ کہ جو متبع شہوات ہیں ان کے لئے بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں، جو شخص توبہ کرے یعنی اپنی پچھلی غلطی پر نادم ہو جائے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے پس یہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں وَ لَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا اور کچھ بھی ظلم نہیں کیے جائیں گے، ان کے اوپر کچھ ظلم وزیادتی نہیں ہوگی۔

جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ ، یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ: میں جو الجنۃ ہے یہ جنت عدن اس سے بدل ہے، جمع مؤنث سالم کا وزن ہونے کی وجہ سے جنت کے نیچے کسرہ آ گیا، داخل ہوں گے جنت میں یعنی ہیشگی کے باغات میں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے بن دیکھے، اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا ، ماتیا یہ اتی یاتی سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اتیٰ یاتی آنا اور ماتی وہ چیز ہوا کرتی ہے جس تک کوئی شخص پہنچتا ہے، جہاں کوئی شخص آتا ہے وہ ماتی ہے یہاں مطلب یہ ہوگا کہ بے شک اللہ کا وعدہ ماتی ہے یعنی اس وعدہ تک لوگوں کی رسائی ہوگی، لوگ وہاں پہنچیں گے، بے شک اللہ کا وعدہ ایسا ہے کہ جس تک رسائی ہوگی۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا: لغو کہتے ہیں فضول بات کو یا ایسی بات کہ جو ایک دوسرے کو تکلیف پہنچائے، نہیں سنیں گے وہ ان باغات کے اندر کوئی لغو بات، فضول اور باعث تکلیف بات نہیں سنیں گے اِلَّا سَلٰمًا یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ سَلٰمًا یہ لغو میں شامل نہیں ہے، مستثنیٰ منقطع وہ ہوتا ہے جو مستثنیٰ منہ میں شامل نہیں ہوتا، یہاں بھی سَلٰمًا چونکہ لَغْوًا میں شامل نہیں اس لیے یہ مستثنیٰ منقطع ہے، ہاں سلامتی کی بات سنیں گے، جس میں یہ معروف سلام بھی ہے کہ فرشتے بھی سلام کہیں گے، آپس میں بھی ایک دوسرے کو یہ لوگ سلام کہیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کو سلام کہا جائے گا، سلامتی ہی سلامتی کی بات سنیں گے، کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے جو باعث تکلیف ہو وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا اور ان کے لئے ان کا رزق ہے ان باغات میں صبح وشام، صبح وشام ان کو ان کا رزق ملے گا، صبح وشام اس لیے کہا کہ عادت ہی صبح وشام کی ہے یا صبح وشام بول کے تمام اوقات مراد ہیں، ہر وقت ان کو روزی میسر ہوگی، جب چاہیں مزے لیں اور کھائیں جیسے دن رات بول کے جمیع اوقات مراد لے لیتے ہیں اسی طرح صبح وشام بول کے بھی جمیع اوقات مراد لیے جا سکتے ہیں۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا: یہی جنت ہے جس کا وارث بنائیں گے ہم اپنے بندوں میں اس شخص

کو جو پرہیز گار ہوگا، ہمارے بندوں میں سے جو شخص متقی ہوگا ہم اس کو اس جنت کا وارث بنائیں گے وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ نہیں اترتے ہم مگر تیرے رب کے حکم کے ساتھ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا رب کے لیے ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے وَمَا خَلْفَنَا یہ زمان کے اعتبار سے بھی ہے کہ جو زمانہ ہمارے سامنے ہے جیسے مستقبل، جو ہمارے پیچھے ہے جیسے ماضی اور وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ حال ہوگیا اور مکان کے اعتبار سے بھی ہے، مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا، اللہ تعالیٰ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول نقل فرمارہے ہیں جب جبرائیل آسمان سے آتے ہیں تو مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا کا مصداق زمین ہے وَمَا خَلْفَنَا کا مصداق آسمان ہے اور وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ یہ فضا ہوگئی اور جاتے ہوئے مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا آسمان ہے پیچھے زمین ہے اور وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ فضا ہے، جو کچھ ہمارے آگے ہے، جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے یہ سب کچھ رب کے لئے ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا اور تیرا رب بھولنے والا نہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور ان چیزوں کا رب ہے جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں فَاعْبُدْهُ پس تو اسی کی عبادت کر وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ اور اس کی عبادت پہ جمارہ، جیسے صبر کا معنی ہوتا ہے اپنے آپ کو روک کے رکھنا اصطبر اس میں اور زیادہ مبالغہ پیدا ہوگیا اس لیے ترجمہ یوں کیا گیا کہ اللہ کی عبادت کے لئے جمار، ثابت قدم رہ، هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا سمی کا معنی ہم نام یا ہم صفت، مثل اور نظیر، کیا تو اس رب کے لئے کوئی ہم نام جانتا ہے......؟ کیا تو اس رب کے لئے کوئی ہم صفت جانتا ہے کیا اس کی کوئی اور نظیر تجھے معلوم ہے......؟ (نہیں) جب اس کی کوئی مثل اور نظیر نہیں ہے، وہ بے مثل اور بے مثال ہے، اس کا کوئی ہم نام نہیں تو ایسی صورت میں عبادت صرف اسی کی ہونی چاہیے، اس کی عبادت کو چھوڑ کے کسی اور طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام صفت ''کلیم اللہ'' کے ساتھ ممتاز ہیں:۔

انبیاء کا تذکرہ شروع ہوا تھا اب یہاں پہلے ذکر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا، حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب نبی اور رسول ہوئے ہیں، ان کے اوپر ''توراۃ'' اتری تھی اور معلوم یوں ہوتا ہے کہ ''توراۃ'' کے علاوہ ان پر کچھ اور صحیفے بھی اترے تھے جیسے تیسویں پارہ میں سورۃ الاعلیٰ میں ہے صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ صحیفے اترے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی کچھ صحیفے اترے تھے بہر حال جو ان کو کتاب دی گئی وہ ''توراۃ'' ہے جو ایک بہت بڑی جامع کتاب تھی، ان کیلئے مُخْلَصْ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ویسے تو

سارے انبیاء ہی مخلص ہیں، چنے ہوئے خاص کیے ہوئے اور کسی کسی نبی کی صفت نمایاں کر کے ذکر کر دی گئی ورنہ یہ صفت سب میں مشترک ہے، مخلص یہ چنے ہوئے ہیں، یہاں جو خصوصی صفت ان کے لئے ذکر کی جا رہی ہے جس میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا عمومی طور پر شریک نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی براہ راست کلام ہے، باقی انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کلام وحی کے ذریعہ ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ہیں جن کو کلیم اللہ کیا جاتا ہے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کلام براہ راست ہوئی اور یہ دوسروں کیلئے نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئی لیلۃ المعراج میں یا ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی براہ راست کلام ہوئی، یہ واقعات نادر ہیں لیکن بعد میں آنے والے تمام انبیاء میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس صفت کے ساتھ ممتاز ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بغیر فرشتہ کی وساطت سے براہ راست آواز دے کے گفتگو کی جیسا کہ آگے ذکر کیا جا رہا ہے۔

انبیاء سابقین کے تذکرہ کا مقصد:۔

قرآن کریم میں ان انبیاء کو ذکر کیا جاتا ہے ان کے ماننے والوں کو متاثر کرنے کے لئے کہ یہود کو کچھ شرم آئے کہ جس نبی کا وہ نام لیتے ہیں، ہم ان کا اسی طرح احترام کرتے ہیں، جس طرح اپنے نبی کا کرتے ہیں، ہم ان کی عظمت کے معترف ہیں، جو کتاب وہ لے کر آئے تھے، ہم اس کتاب کو مانتے ہیں تو جس طرح ہم یہ انصاف کرتے ہیں کہ ان کے پیغمبر کو مانتے ہیں، ان کی کتاب کی تصدیق کرتے ہیں، تو ان کو بھی رواداری کا ثبوت دینا چاہیے، یہ کیا کہ ہم تو ان کی کتاب کو کہیں کہ واقعی اللہ کی جانب سے ہے اور ان کے نبی کو کہیں کہ واقعی وہ اللہ کا سچا رسول ہے لیکن ان کو ذرا بھی حیا نہیں آتی وہ ہمارے نبی کی مخالفت کرتے ہیں اور ہماری کتاب کی بھی مخالفت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ضد میں آ کے ہم نے ان کے نبی کا انکار نہیں کیا، نہ ان کی کتاب کا انکار کیا ہے، جب ایک واقعہ ہے تو ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہود کا جس پیغمبر پر ایمان ہے، وہ اللہ کے سچے رسول تھے اور جو کتاب ان کو دی گئی تھی وہ اللہ کی سچی کتاب ہے۔

رسول اور نبی میں فرق:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چنے ہوئے تھے اور وہ رسول نبی تھے یہ دو صفتیں ذکر کی گئیں، رسول اور نبی...... رسول اور نبی کے درمیان میں کیا فرق ہے......؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ''بیان القرآن'' میں یہاں ذکر کیا کہ آیات کی

طرف دیکھ کے اور روایات میں غور کر کے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی میں عموم خصوص من وجہ ہے یعنی من وجہ رسول عام ہے نبی سے اور من وجہ نبی عام ہے رسول سے، آپ جانتے ہیں کہ جن دو چیزوں کے درمیان نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہوتی ہے اس میں تین مادے نکالے جاتے ہیں، دو افتراقی اور ایک اجتماعی، رسول کا مفہوم ہے جو اپنے مخاطبین کیلئے نئی شریعت لے کر آئے یعنی خود چاہے وہ صاحب کتاب نہ ہو، لیکن جن کی طرف وہ تبلیغ کرنے کے لئے گیا ہے ان کے لئے وہ شریعت نئی ہے جیسے آگے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے بھی رسول کا لفظ استعمال کیا جائے گا، حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کوئی مستقل شریعت نہیں لائے تھے، ان کی یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام والی شریعت تھی لیکن مکہ معظمہ جہاں آباد ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں ٹھہرایا گیا تھا اور ایک قبیلہ بنو جُرہم یہاں آکے آباد ہو گیا تھا، ان کے سامنے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تبلیغ کی ان لوگوں کے لئے وہ نئی شریعت ہے جس کی بناء پر حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی رسول ہیں اور اس کا صاحب وحی ہونا ضروری نہیں اس لیے غیر نبی پر بھی رسول کا لفظ بولا جا سکتا ہے، قرآن کریم میں فرشتوں کو بھی رسول کے لفظ تعبیر کیا گیا ہے اور نبی جو اپنا پیغام دے کے کسی کی طرف کسی کو بھیجتا ہے، اس کو بھی رسول کے لفظ سے حدیث شریف میں تعبیر کیا گیا ہے تو یہ غیر نبی پر بھی بولا جاتا ہے اور نبی کہتے ہیں صاحب وحی کو چاہے اس کے پاس شریعت جدیدہ ہو اور چاہے اس کے پاس شریعت جدیدہ نہ ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو شریعت جدیدہ لائے تھے اور بعد میں آنے والے بنی اسرائیل کے سب پیغمبر انہی کی شریعت کے مبلغ تھے اس لیے وہ نبی کہلائے رسول نہیں، تو ایک تو ایسا ہوگا جو رسول ہے نبی نہیں جیسے فرشتے رسول ہیں، وہ نبی نہیں کہلاتے ہیں، اور بعض رسول نہیں جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء جو ''توراۃ'' کے مبلغ تھے وہ انبیاء کہلاتے ہیں رسول نہیں کہلاتے اور ایک نبی بھی ہوگا رسول بھی ہوگا کہ وہ صاحب شریعت جدیدہ بھی ہے اور صاحب وحی بھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں، اس لیے ان کو یہاں جمع کر دیا گیا رسولاً نبیاً وہ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔

ہم نے ان کو آواز دی طور کی دائیں جانب سے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے تھے تو وہ جگہ دائیں جانب تھی جہاں سے آواز آئی یا برکت والی جگہ سے آواز دی دونوں طرح بات ٹھیک ہے، کیونکہ اس کو وادی مقدس کے ساتھ بھی تعبیر کیا گیا ہے اور ہم نے اس کو سرگوشی کرتے ہوئے قریب کیا اور اس کو اپنی رحمت کی وجہ سے اس کا بھائی

ہارون نبی عطا کیا، اس کا مفصل قصہ سورۃ طٰہٰ میں آ رہا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ:۔

کتاب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی تذکرہ کیجئے، وہ بڑے سچے وعدے والے تھے، اب اسی طرح وعدہ کا سچا ہونا یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی صفت ہے لیکن یہاں ان کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کیا گیا یہ بہت سچے وعدے والے تھے اس کی تفصیل سورۃ الصافات میں آئے گی وَكَانَ نَبِيًّا اور یہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے، صاحب وحی تھے اور جن لوگوں کے سامنے شریعت لے کر گئے تھے، ان کے سامنے وہ شریعت جدیدہ تھی جس کی بناء پر یہ رسول قرار پائے وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ اور یہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے، یہ بھی ہر نبی کی صفت ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا ہے، یہ کچھ زیادہ اہتمام کرتے ہوں گے، پھر چونکہ مشرکین مکہ منسوب تھے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف اس لیے یہ باتیں زیادہ واضح کر کے کہی جا رہی ہیں یہ اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں قرار دیتے تھے بواسطہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اسماعیل کی اولاد میں سے بھی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی تھے وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا اور اسماعیل علیہ السلام اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے، پسندیدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو جیسا دیکھنا چاہتا ہے وہ ویسے ہی تھے اور یہ بہت بڑی تعریف ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ: کتاب میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر کیجئے! حضرت ادریس علیہ السلام کے حالات تاریخی طور پر زیادہ یقینی معلوم نہیں ہیں کہ یہ کس زمانہ میں ہوئے، تفسیری روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کا ہے گویا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان میں ہوئے ہیں، ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے طریقے بھی وحی کے ذریعہ سے سمجھائے ہیں، لکھا ہے کہ کتابت کا سلسلہ حضرت ادریس علیہ السلام سے شروع ہوا ہے، کپڑے سینے کا طریقہ حضرت ادریس علیہ السلام سے شروع ہوا ہے اور جنگی آلات بنانا، جس سے شکار کیا جائے یا دشمن کا مقابلہ کیا جائے اس کی تعلیم بھی حضرت ادریس علیہ السلام سے شروع ہوئی، تو یہ علوم اللہ تعالیٰ نے ان کی وساطت سے انسانوں تک پہنچائے اور سکھائے تھے، إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا

نَّبِيًّا ، یہ لفظ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں بھی آچکا ہے کہ صدیق تھے ، نبی تھے ، بہت راست باز تھے ، زبان کے سچے ، قول کے پکے ، کردار گفتار کے مطابق تھا ، ہر سچائی کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار تھے ، یہ صفت ان پر غالب تھی اور نبی تھے ہم نے ان کو اونچے مرتبہ میں اٹھایا ، ہم نے ن کو بہت اونچا مرتبہ دیا بعض غیر صحیح روایات میں معلوم یوں ہوتا ہے کہ ان کو بھی زندہ آسمان پر اٹھایا گیا تھا ، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا تو پھر یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھایا یعنی زندگی میں ہم ان کو اٹھا کے عالم بالا میں لے گئے لیکن یہ ترجمہ زیادہ راجح ہے کہ ہم نے ان کو بلند مرتبہ عطا کیا۔

گذشتہ انبیاء کا اجمالی تذکرہ:۔

یہی لوگ ہیں جن کے اوپر اللہ نے انعام کیا ، یہ نبیوں میں سے ہیں ، آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ، ابتداء سورۃ سے لے کر اب تک جتنوں کا ذکر آیا سب ہی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ، اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ اٹھایا ، تو حضرت ادریس علیہ السلام کے علاوہ باقی سارے ان میں سے ہیں وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں اور اسرائیل کی اولاد میں سے ہیں ، جتنے نبیوں کا ذکر آیا یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اسرائیل کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ باقی سب شامل ہیں ، حضرت اسماعیل علیہ السلام براہِ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اسرائیل حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں ، اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام دونوں بھائی ہیں اس لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اسرائیل نہیں ہوں گے ، صرف وَمِنْ ذُرِّيَّةِ ابراهيم ہوں گے اور باقی سب وَمِنْ ذُرِّيَّةِ ابراهيم و اسرائيل بھی ہیں اور یہ ان میں سے ہیں ، جن کو ہم نے ہدایت دی اور جن کو ہم نے چن لیا اتنے اعلیٰ درجہ کے یہ لوگ تھے ، صاحب وحی تھے ، رسول تھے نبی تھے ، اللہ نے ان کو اتنی بلند صفتیں دی تھیں لیکن ان صفتوں کے باوجود وہ اللہ کے سامنے اکڑتے نہیں تھے ، نہ کوئی تکبر کرتے تھے بلکہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتیں تو وہ ان آیات سے متاثر ہو کر روتے ہوئے اللہ کے سامنے سجدہ میں گر جاتے تھے ، یہ ان کی تواضع ہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف کا غلبہ ہے اور سب انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے یہ بات اس لیے بتائی جارہی ہے کہ ان کے نام لیواؤں کو بھی چاہیے کہ وہ تکبر نہ کریں ، اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر جھکا دیں ، یہاں چونکہ انبیاء علیہم السلام کا یہ حال ذکر کیا گیا کہ جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی

جاتی تھیں، تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے تھے، تو ضروری ہے کہ پڑھنے والے بھی انبیاء کے حال کے ساتھ مطابقت اختیار کرتے ہوئے اس آیت کے اوپر سجدہ کریں، اس لئے جن آیات کے اوپر سجدہ کرنا ضروری ہے ان میں سے ایک آیت یہ بھی ہے۔

نااہل جانشینوں کا تذکرہ:۔

یہ تو ایسے تھے، اللہ کے سامنے گردن جھکانے والے، اللہ کی کلام کو سن کے رونے والے لیکن وہ جو بعد میں ان کے جانشین بنے اللہ کے احکام سے متأثر نہیں ہوتے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت میں جو دین کا ستون رہا نماز ان لوگوں نے نماز تک کو ضائع کر دیا، اب نام ان کے لیتے ہیں، گدی نشین ان کے بنے بیٹھے ہیں، روٹیاں ان کے نام پر کھاتے ہیں لیکن نماز تک بھی نہیں پڑھتے، اس وقت انبیاء کے جو جانشین بنے بیٹھے تھے یہود و نصاریٰ ان کی بھی یہی کیفیت تھی اور اب آپ کے سامنے تو ہے ہی کہ اولیاء اللہ کی مسندوں پر بیٹھنے والے، ان کے گدی نشین کس طرح شہوات کے متبع ہوگئے اور کس طرح نماز کو ضائع کیے بیٹھے ہیں، جب چاہیں آپ پرانی خانقاہوں میں جا کے دیکھ سکتے ہیں کہ جن خانقاہوں میں ہر وقت اللہ اللہ ہوتی تھی، اللہ کا خوف لوگوں کو دلایا جاتا تھا اور اللہ سے ڈرتے ہوئے وہ راتوں کو جاگتے تھے اور اللہ کے سامنے روتے تھے آج ان کی خانقاہوں میں جس قسم کے لوگ قابض ہیں، مسند نشین ہیں ان میں وہ بات ذرا برابر بھی باقی نہیں ہے، تو یہ نااہل جانشین ہیں جنہوں نے اس مشن کو ضائع کر دیا ہے جس مشن کے اوپر انبیاء علیہم السلام آئے تھے انہی کے حال پر علامہ اقبال نے کہا تھا کہ

وارثت میں ملی ہے ان کو مسند ارشاد ــــ زاغوں کے تصرف میں ہے عقابوں کے نشیمن۔

یعنی مسند ارشاد ان کو وارثت میں مل گئی، یہاں جو اصل آ کے آباد ہوئے وہ تو شاہین تھے اور اب اس کے اوپر کوے قابض ہو گئے ہیں، یہ وہی بات ہے کہ انبیاء کی مسندوں پر بیٹھنے والے، ان کی طرف نسبت کر کے اپنے آپ کو ان کا وارث قرار دینے والے سب کچھ ہی ضائع کر بیٹھے، بڑی بات یہ ہے کہ نماز تک کو ضائع کر دیا، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بُرا ہے اور انہوں نے بہت بُری بُری صفتیں اختیار کیں لیکن یہاں نماز کو ضائع کرنے کا ذکر خصوصیت سے ہے بالکل نہ پڑھی جائے یہ بھی اضاعت صلوٰۃ ہے، وقت کی پابندی نہ کی جائے یہ بھی اضاعت صلوٰۃ ہے، اس کے آداب و شرائط کی رعایت نہ رکھی جائے یہ بھی اضاعت صلوٰۃ ہے حتیٰ کہ

ہماری شریعت میں نماز اگر مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ پڑھے تو کامل طریقہ سے ادا ہوتی ہے اگر کوئی شخص مسجد میں پڑھتا ہے لیکن جماعت سے نہیں پڑھتا تو من وجہ اس نے بھی نماز کو ضائع کر دیا، یہ سب اس کے درجات ہیں اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے، اب یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ کا حکم کیا ہے، یوں دیکھتے ہیں کہ دل کس چیز کو چاہتا ہے جس چیز کو دل چاہے وہ کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو نہیں دیکھتے اس کو اتباع شہوات کہتے ہیں عنقریب یہ لوگ خرابی کو پالیں گے یعنی جو خرابی ان لوگوں نے اختیار کی ہے اس کا بُرا انجام ان کے سامنے آ جائے گا۔

توبہ کا انعام:۔

ہاں جو توبہ کرے یعنی ان گدی نشینوں کے لئے بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہے، جو نبیوں کی مسند پر بیٹھے ہیں اور انہوں نے اس مسند کو دنیا داری کا ذریعہ بنالیا ہے، شہوت پرستی کا ذریعہ بنالیا ہے ایسے بدکرداروں کیلئے بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہے، جو بھی توبہ کرے، ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ زیادتی نہیں ہوگی، ان کا کوئی حق ضائع نہیں کیا جائے گا، وہ جنت جس میں ہیشگی کے باغات ہیں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ بن دیکھے وعدہ کیا ہے یعنی ابھی وہ غیب میں ہیں، آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں لیکن رحمٰن کا وعدہ ہے اور سچا وعدہ ہے، اس وعدہ تک رسائی ضرور ہوگی۔

پھر آگے کچھ جنت کی تعریف کر دی گئی ترغیب دلانے کے لئے کہ اس جنت میں کوئی لغوبات نہیں سنیں گے، آپس میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی، جھگڑا نہیں ہوگا، گالی گلوچ نہیں ہوگی، نہ کوئی ایسی بات کان میں پڑے گی جو باعث تکلیف ہو ہاں سلامتی کی باتیں سنیں گے، ایک دوسرے سے محبت اور پیار کی باتیں سنیں گے، ایک دوسرے کو سلام کہیں گے، آپس میں سلام کہیں گے، فرشتے سلام کہیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی جنتیوں کو سلام کہا جائے گا، سلامتی ہی سلامتی کی باتیں ہوں گے ولھم رزقھم فیھا سلامتی کی باتوں سے روحانی راحت ہوگی اور صبح وشام ان کو رزق ملے گا یعنی ہر وقت روزی میسر ہوگی، جو چاہیں گے لیں گے، جب چاہیں کھائیں جب چاہیں پئیں کوئی کسی قسم کی پابندی نہیں ہوگی، یہی جنت ہے کہ جس کا وارث بنائیں گے ہم اپنے بندوں میں اس کو جو پرہیز گار ہے اس لیے اگر جنت حاصل کرنے کا شوق ہے تو پرہیز گاری اختیار کرو۔

شان نزول اور آیات کا مفہوم:۔

اگلی آیت کے شان نزول میں ذکر کیا گیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کو بہت اشتیاق رہتا تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جلدی جلدی آئیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایات لے کر آئیں وحی آئے، اس شوق میں آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ تو بہت دیر سے آتا ہے تو جلدی آیا کر تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی کلام کو اللہ تعالیٰ یہاں نقل فرماتے ہیں کہ اس میں جبرائیل کا کوئی اختیار نہیں، نہ کسی دوسرے فرشتہ کو کسی کام کا اختیار ہے، جب اللہ کی مرضی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھیج دیتے ہیں، باقی آپ بے فکر رہیں اگر دیر ہو جائے تو یہ کوئی بھول چوک کا نتیجہ نہیں ہے، اللہ بھولا نہیں کرتے، اس کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ حکمت کی وجہ سے دیر ہوتی ہے، باقی اس میں کوئی بھول چوک کا اثر نہیں ہے، تو صبر وتحمل کے ساتھ آپ وقت گزاریئے اور ان کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہیے، اللہ کی عبادت پر ڈٹے رہیے، اللہ جیسا کوئی دوسرا موجود نہیں اور اس بات سے یہ نشاندہی ہوگئی کہ فرشتے بھی اللہ کے سامنے بے بس ہیں، اللہ چاہتا ہے تو یہ آسکتے ہیں، اللہ نہیں چاہتا تو یہ نہیں آسکتے اس میں توحید کا سبق بھی ہے، تو یہ جبرائیل علیہ السلام کی کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ یہاں نقل کر رہے ہیں، ''نہیں اترتے ہم مگر تیرے رب کے حکم کے ساتھ'' یعنی تیرے رب کا حکم ہو تو اتر سکتے ہیں ورنہ ہم نہیں اتر سکتے، اسی کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور تیرا رب بھولنے والے نہیں یعنی اگر کبھی تاخیر ہو جاتی ہے تو یہ بھول چوک کا نتیجہ نہیں حکمت کا تقاضہ ہے، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول بھی ہو سکتا ہے اور براہِ راست اللہ تعالیٰ کا قول بھی ہو سکتا ہے، مفسرین نے یہاں دونوں باتیں لکھی ہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ان چیزوں کا رب ہے، جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں، پس تو اسی کی عبادت کر اور اسی کی عبادت کیلئے ڈٹا رہ، کوئی آپ کو اس طریقہ سے ہٹا نہ سکے، کیا تو اس رب کے لئے کوئی ہم صفت جانتا ہے، کیا اس کی کوئی مثال اور نظیر موجود ہے کہ جس کے لئے عبادت ہو......؟ جب اس کا کوئی ہم صفت نہیں، کوئی اس کی نظیر نہیں، کوئی اس کی مثل نہیں تو عبادت صرف اسی کی ہونی چاہیے، کسی دوسرے کی نہیں ہونی چاہیے، اس میں حضور ﷺ کو عبادت پر جمے رہنے کا حکم دے کر دوسروں کو بھی سنانا مقصود ہے اور هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا میں دلیل توحید کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی با اختیار نہیں، کوئی مالک نہیں، کسی کو قدرت نہیں تو عبادت میں کسی کو شریک بھی نہیں کرنا چاہیے۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا

اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو نکالا جاؤں گا زندہ کرکے ﴿٦٦﴾ کیا انسان

يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پیدا کیا اس سے پہلے اور وہ کچھ بھی نہ تھا ﴿٦٧﴾

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

پس تیرے رب کی قسم! ہم ضرور جمع کریں گے انہیں اور شیاطین کو پھر ہم ان کو حاضر کریں گے اس حال میں کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے ﴿٦٨﴾

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

پھر ہم جدا کریں گے ہر جماعت میں سے ان کو جو زیادہ سخت ہیں رحمٰن کے مقابلہ میں ازروئے سرکشی کے ﴿٦٩﴾

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا

پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو زیادہ مستحق ہیں اس جہنم میں داخل ہونے کے ﴿٧٠﴾ اور نہیں ہے تم میں سے

وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا

کوئی مگر وہ اس پر وارد ہونے والا ہے یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے ﴿٧١﴾ پھر نجات دے دیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا

وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ

اور ہم چھوڑ دیں گے ظالموں کو اس میں اس حال میں کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے ﴿٧٢﴾ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری کھلی آیات

الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ

تو کہتے ہیں کافر لوگ ایمان والوں سے دو فریقوں میں سے کون بہتر ہے ازروئے مقام کے اور کون اچھا ہے

نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾

ازروئے مجلس کے ﴿٧٣﴾ اور کتنی ہی جماعتوں کو ہم نے ہلاک کیا اس سے پہلے جو اچھی تھیں ازروئے سامان کے اور ازروئے دیکھنے کے ﴿٧٤﴾

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰى إِذَا رَاَوْا

آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص ہوگا گمراہی میں تو اسے مہلت دے گا رحمٰن حتیٰ کہ وہ دیکھ لیں گے

مَا يُوْعَدُوْنَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ

اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یا عذاب یا قیامت پس وہ عنقریب جان لیں گے

شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ

کہ کون برا ہے ازروئے مکان کے اور کون کمزور ہے ازروئے لشکر کے ﴿۷۵﴾ اور زیادہ کرے گا اللہ ان لوگوں کو جنہوں نے ہدایت پائی ازروئے ہدایت کے

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ أَفَرَءَيْتَ

اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے پاس ازروئے ثواب کے اور بہتر ہے ازروئے انجام کے ﴿۷۶﴾ کیا آپ نے دیکھا

الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَأُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ ۭ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ

اس شخص کو جس نے انکار کیا ہماری آیات کا اور اس نے کہا میں ضرور دیا جاؤں گا مال اور اولاد ﴿۷۷﴾ کیا اطلاع پالی ہے غیب پر

أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ ۙ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ

یا اختیار کیا ہے رحمٰن کے پاس کوئی عہد ﴿۷۸﴾ ہرگز نہیں، ہم عنقریب لکھ لیں گے جو وہ کہتا ہے اور ہم بڑھائیں گے

لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ ۙ وَّنَرِثُهُ مَا يَقُوْلُ وَيَأْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَاتَّخَذُوْا

اس کے لئے عذاب کو ﴿۷۹﴾ اور ہم وارث ہوں گے اس بات کے جو وہ کہتا ہے اور وہ آئے گا ہمارے پاس اکیلا ﴿۸۰﴾ اور انہوں نے بنا لیے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ ۙ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ

اللہ کو چھوڑ کر دوسرے الٰہ تاکہ وہ ہو جائیں ان کے لئے عزت کی چیز ﴿۸۱﴾ ہرگز نہیں ایسا ہوگا عنقریب وہ انکار کریں گے

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ ع

ان کی عبادت کا اور وہ ہو جائیں گے ان کے مخالف ﴿۸۲﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ: اور کہتا ہے انسان ءَاِذَا مَامِتُّ کیا جس وقت میں مرجاؤں گا لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا البتہ نکالا جاؤں گا زندہ کر کے، حیاً یہ اخرج کی ضمیر سے حال واقع ہے اور انسان سے کافر انسان مراد ہے جو آخرت کا منکر ہو یعنی وہ تعجب کے طور پر کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا میں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جاؤں گا، ان لفظوں کے ضمن میں اللہ کی قدرت میں شک معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد، ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد، بوسیدہ ہوجانے کے بعد دوبارہ زندہ کیونکر کیا جاؤں گا......؟ اس لیے آگلی آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ: کیا انسان یاد نہیں رکھتا، کیا اسے یاد نہیں ہے اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ کہ بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا اس سے پہلے وَلَمْ يَكُ شَيْئًا اور وہ کچھ بھی نہیں تھا، جب ہم نے پہلے اس کو عدم سے وجود دیا ہے تو ایک دفعہ موجود کر کے پھر دوبارہ موجود کرنا ہمارے لیے کیا مشکل ہے کیا اس کو یہ بات یاد نہیں ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ: پس تیرے رب کی قسم البتہ ضرور ہم جمع کریں گے انہیں وَالشَّيٰطِيْنَ یہ مفعول معہ ہے واؤ یعنی مع، جمع کریں گے ان سب کو شیاطین کے ساتھ اور اگر عطف کرنا ہو تو وہ بھی ٹھیک ہے البتہ ضرور جمع کریں گے ہم ان کو اور شیاطین کو ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ پھر ہم البتہ ضرور حاضر کریں انہیں حَوْلَ جَهَنَّمَ جہنم کے اردگرد جِثِيًّا، یہ جاثٍ کی جمع ہے، جثیٰ يَجْثُوْ گھٹنوں کے بل گرنا، البتہ ضرور حاضر کریں گے ہم انہیں جہنم کے اردگرد اس حال میں کہ یہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ: شیعہ جماعت، شیعہ ایسی جماعت کو کہتے ہیں جو کسی شخصیت پر اکھٹی ہوئی ہو یا کسی نظریہ پر، ہمارے ہاں جو شیعہ ہیں جن کو رافضی کہا جاتا ہے، یہ اصل کے اعتبار سے ''شیعہ علی'' کہلاتے ہیں، علی جو کہ مضاف الیہ ہے، اس کو گرادیا جاتا ہے اور باقی صرف شیعہ ہی رہ گیا اصل لفظ ہے ''شیعہ علی''، علی کی جماعت، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں چونکہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اٹھے تھے اس لیے ''شیعہ علی'' کہلاتے ہیں، پھر البتہ ضرور نکالیں گے ہم ہر جماعت میں سے اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا جو کوئی ان میں سے زیادہ سخت ہے

رحمٰن پر از روئے سرکشی کے، دنیا کے اندر رہتے ہوئے جو رحمٰن کے مقابلہ میں زیادہ سرکش تھا پھر ان جماعتوں میں سے ہم ان کو علیحدہ کرلیں گے۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا: صَلِیَ یَصْلٰی آگ میں داخل ہونا، پھر ہم البتہ ضرور جانتے ہیں ان لوگوں کو جو زیادہ لائق ہیں جہنم کے ساتھ از روئے داخل ہونے کے، جن کا جہنم میں داخل ہونا زیادہ لائق ہے ان کو ہم خوب جانتے ہیں وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، نہیں ہے تم میں سے کوئی بھی مگر اس جہنم پر وارد ہونے والا ہے، كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا یہ بات تیرے رب کے ذمہ ہے لازم فیصلہ شدہ، حتم کے معنی لازم مقضیاً کا معنی فیصلہ شدہ۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا: پھر ہم نجات دیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا اور چھوڑ دیں گے ہم ظالموں کو اس جہنم میں اوندھے گرے ہوئے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا: اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں بَيِّنٰتٍ واضح واضح قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے، کہتے ہیں کافر مومنوں کو اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا، دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق بہتر ہے از روئے ٹھکانہ کے اور زیادہ اچھا ہے از روئے مجلس کے، ندی مجلس کو کہتے ہیں، فریقین سے مراد کافر اور مومن ہیں یعنی ہم میں اور تم میں سے کون شخص زیادہ بہتر ہے از روئے ٹھکانہ کے اور زیادہ اچھا ہے از روئے مجلس کے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ. مِّنْ قَرْنٍ یہ کم کی تمیز ہے، قرن کہتے ہیں ایک زمانہ کے موجود لوگوں کو اس لیے یہاں یہ جماعت کے معنی میں ہے، ہم نے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کردیا ان سے قبل وہ زیادہ اچھے۔ تھے از روئے سامان کے اور زیادہ اچھے تھے از روئے منظر کے، اَثَاثًا کہتے ہیں گھر کے سامان کو، رِءْيًا کا معنی ہے منظر، نام ونمود کے اعتبار سے وہ زیادہ اچھے تھے۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ: آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص گمراہی میں ہے فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا، فَلْيَمْدُدْ لَهُ یہ امر کا صیغہ ہے، چاہیے کہ رحمٰن اس کو ڈھیل دے خوب ڈھیل دینا، امر کے صیغہ کا مطلب یہ ہے کہ رحمٰن کی شان کے

لائق یہی ہے کہ اس کی رسی ڈھیلی چھوڑ دے حَتّٰٓى اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ حتی کہ جب دیکھیں گے یہ لوگ اس چیز کو جس کا وعدہ کیے جاتے ہیں یا عذاب یعنی دنیا میں یا قیامت میں، فَسَيَعۡلَمُوۡنَ پس عنقریب جان لیں گے مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا کون شخص زیادہ برا ہے از روئے مکان کے اور زیادہ کمزور ہے از روئے لشکر کے جند کہتے ہیں لشکر کو جس کی جمع جنود آتی ہے۔

وَيَزِيۡدُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا هُدًى: اور بڑھاتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ہدایت یافتہ ہیں ہدایت، یعنی زیادہ کرتا ہے، اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا، باقی رہنے والے نیک اعمال بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک از روئے بدلہ کے اور بہترین از روئے انجام کے، مَّرَدًّا مصدر میمی ہے، رَدَّ يَرُدُّ لوٹانا واپس لوٹانے کے اعتبار سے نیک اعمال اچھے ہیں۔

اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا: کیا پھر آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا وَقَالَ اور اس نے کہا لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا البتہ ضرور دیا جاؤں گا میں مال اور اولاد یعنی اگر قیامت ہوئی تو میں اس میں مال اور اولاد ضرور دیا جاؤں گا، اَطَّلَعَ اصل میں تھا اَاِطَّلع، ہمزہ وصلی گر گیا اور ہمزہ استفہام کو ساتھ جوڑ کے پڑھ لیا گیا، کیا اس نے اطلاع پالی ہے غیب پر، کیا اس نے غیب کو جھانک کے دیکھ لیا ہے اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا یا اس نے رحمٰن کے نزدیک کوئی عہد لے لیا ہے۔

كَلَّا ہرگز نہیں سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ، ضرور لکھیں گے ہم جو کچھ وہ کہتا ہے وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا اور لمبا کریں گے اس کے لئے عذاب لمبا کرنا، وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ اور ہم وارث ہو جائیں گے اس چیز کے جو وہ کہتا ہے وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا اور آئے گا وہ ہمارے پاس تن تنہا۔

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً: ان لوگوں نے اختیار کیے اللہ کے علاوہ معبود لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا تاکہ ہو جائیں وہ آلہۃ ان کے لئے عزت کا باعث، غلبہ کا باعث، كَلَّا، یہ ہرگز عزت کا باعث نہیں ہوں گے سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ عنقریب انکار کر دیں گے وہ ان کی عبادت کا وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا اور ہو جائیں گے ان کے خلاف، ان پر ضد ہو جائیں گے، ضد مخالف کو کہتے ہیں، ہو جائیں گے وہ ان کے خلاف۔

بعث بعد الموت پر اشکال کا تفصیلی جواب:۔

آیات کے ترجمہ سے آپ کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ رکوع تذکیر آخرت پر مشتمل ہے اور جو

لوگ آخرت کے منکر ہیں ان کے جس قسم کے شبہات ہیں ان کو ان آیات میں رد کیا گیا ہے، بہت ساری آیات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ یہ مشرکین مکہ جو آخرت کے منکر تھے، عیسائی آخرت کے منکر نہیں تھے، یہود آخرت کے منکر نہیں تھے کیونکہ یہ تو اپنے آپ کو اللہ کے پیغمبروں کی طرف منسوب کرتے ہیں، اپنے آپ کو صاحب کتاب کہتے ہیں، ہر پیغمبر نے آخرت کی تذکیر کی، یہود بھی آخرت کے قائل ہیں اور نصاریٰ بھی قائل ہیں البتہ مشرکین مکہ منکر تھے، وہ کہتے تھے کہ مر جائیں گے، مٹی ہو جائیں گے، بعد میں کہاں اٹھنا، اٹھانا ہوگا، یہ ایسی ہی باتیں ہیں، جو کچھ ہے اسی زندگی میں ہے یہ مشرکین کا نظریہ تھا، جب ان کے سامنے یہ بات آتی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مار کے دوبارہ زندہ کرے گا تو وہ تعجب کرتے کہ جب یہ ہڈیاں چورا چورا ہو جائیں گی اور انسان ذرات کی شکل میں بکھر جائے گا، مٹی ہو جائے گا تو کیا کوئی دوبارہ بھی زندہ ہو سکتا ہے، ان میں جان ڈالی جا سکتی ہے......؟ تو یہ لفظ جو بولتے تھے اس کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کے اوپر انسان کو اعتماد ہو کہ کوئی ذرہ بھی اللہ کے علم سے باہر نہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کے علم میں ہے اور انسان کو اللہ کی قدرت کا خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قادر ہے تو پھر انسان آخرت کا انکار نہیں کر سکتا۔

اس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے اکثر و بیشتر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اس کی ابتدائی پیدائش ہی یاد دلائی ہے کہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر تعجب کیوں ہے؟ کیا تم اپنے آپ کو دیکھتے نہیں کہ ہم نے پہلے بھی تمہیں پیدا کیا ہے، یہ بہت بڑی دلیل ہے، یہ کوئی معمولی بات نہیں، سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ، وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ، قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ① ، یہی مضمون وہاں ہے کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اس کو ایک ٹپکائی بوند سے پیدا کیا، یہ ایک بوند سے بنایا گیا ہے اور اب یہ کھلم کھلا جھگڑے کرتا ہے، ہمارے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنے پیدا کیے جانے کو بھول گیا ہے، مثالیں کیا بیان کرتا ہے......؟ کہ ہڈیاں کو کون زندہ کرے گا جس وقت بوسیدہ ہو جائیں گی، ان ہڈیاں کو کون زندہ کرے گا، ہمارے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے اور بات وہی ہے کہ اپنے پیدا کیے جانے کو بھول گیا ہے تو آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ ان کو وہی پیدا کرے

① پارہ نمبر ۲۳ سورۃ نمبر ۳۶ آیت نمبر ۷۷، ۷۸، ۷۹، ص ۴۰۲

گا جس نے ان کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے، ''ابتداءً'' پیدا کرنا بھی جانتا ہے اور دوبارہ پیدا کرنا بھی جانتا ہے، وہ خلاق ہے، ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور خوب اچھی طرح سے پیدا کر سکتا ہے، علم اس کا بہت محیط ہے تو قدرت میں شک کی بناء پر وہ اس قسم کی بات کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی ابتداءِ خلق یاد دلاتا ہے۔

اس میں ذرا تھوڑا سا اور غور فرمایئے! انسان کی بنیاد رکھی گئی پانی کے ایک قطرہ سے لیکن یہ پانی کا جو قطرہ ہے یہ خلاصہ ہے ان غذاؤں کا، دواؤں کا، مشروبات کا جو آپ کے باپ نے استعمال کیے تھے، جس سے وہ نطفے کا قطرہ تیار ہوا، غذائیں کھائیں، مشروبات پیئے، دوائیاں استعمال کیں تو اس میں سے یہ خلاصہ نکلا، اب اس میں بھی معلوم نہیں کہ کہاں کہاں کے اثرات ہیں، پہلے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں کہاں کہاں سے اثر آیا پھر اس پر جو تعمیر شروع ہوتی ہے اس میں ماں کا خون شامل ہوتا ہے اور وہ خون بھی غذا کا خلاصہ ہے اب ماں نے جتنا گوشت کھایا اس میں ذرات ہیں جو آپ کے وجود کو لگتے جا رہے ہیں، جتنا دودھ پیا اس میں ذرات ہیں جو آپ کے وجود کو لگتے جا رہے ہیں، جتنا فروٹ کھایا اس میں ذرات ہیں جو آپ کے وجود کو لگتے جا رہے ہیں، اور جتنی ادویات، مقویات، جو بھی استعمال کیا اس کے ذرات آپ کے وجود کو لگتے جا رہے ہیں اور آپ بنتے جا رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد آپ دنیا میں تشریف لے آئے تو قد آپ کا نو انچ تھا اور اس کے بعد آپ کی یہ تعمیر جو شروع ہوئی تو اسی غذا سے ہے، آپ کھاتے جاتے ہیں، وہ تعمیر ہوتی جاتی ہے، اب آپ کو معلوم ہے کہ گندم کے دانے کہاں کہاں سے اکٹھے ہوئے جو آپ کے اس وجود کو لگے ہوئے ہیں......؟ دودھ کہاں سے آیا اور اس بھینس نے کہاں کہاں سے گھاس کھایا تھا جس کے ذرات آپ کے وجود میں آئے......؟ پانی کہاں کہاں سے آیا تھا جس کو آپ نے پیا آپ کے بدن کی تعمیر میں وہ صرف ہوا، دوائیاں کہاں کہاں سے آئی تھیں کیا کوئی انسان یہ تفصیل جان سکتا ہے کہ اس کے ذرات دنیا میں کہاں کہاں بکھیرے ہوئے تھے جو اکٹھے ہو کے اس وجود میں آ گئے......؟ اب میں مثال کے طور پر ایک گائے کا گوشت کھاتا ہوں تو گائے کا گوشت ان چیزوں سے تیار ہوا ہے جو گائے نے کھایا تھا، جہاں جہاں سے اس نے گھاس کھایا اور اس کے ذرات اس کے بدن میں آ کے گوشت بنے اور وہ گوشت میرے وجود میں آیا، اس کے ذرات میرے وجود کو لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے علاقہ میں میرے ذرات بکھیرے ہوئے تھے،

جو اس راستہ سے اکھٹے ہو کے میرے وجود میں آ گئے، دوائیاں کہاں کہاں سے آتی ہیں، فروٹ کس کس علاقہ سے آتے ہیں تو جب ہم کھاتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ جو انگور ہم نے کھایا ہے وہ چمن اور کوئٹہ سے آئے تھے اس میں بھی ہمارے وجود کے ذرات تھے جو اکھٹے ہو کے ہمارے وجود میں آ گئے اور ہمارے وجود کے ساتھ لگ گئے۔

یہ ابتداءً جو آپ کو پیدا کیا گیا ہے وہ بھی ساری دنیا سے بکھیرے ہوئے ذرات اکھٹے کر کے آپ کو بنایا ہے، یہ نہیں کہ ایک ہی جگہ سے مٹی نکالی اور اس کا بت بنا کے اس میں روح ڈال دی ایسی بات نہیں ہے، ساری دنیا سے بکھیرے ہوئے ذرات اکھٹے کیے جاتے ہیں اور اکھٹے کرنے کے بعد آپ کا وجود بنتا ہے، ہمارا گوشت ہماری غذا کا نتیجہ ہے اور دیکھو! ہماری غذا کہاں کہاں سے آتی ہے؟ ہر جگہ آپ کے ذرات بکھیرے ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اکھٹے کر کے آپ کا ایک وجود بنا دیتا ہے تو اگر ایک دفعہ بکھیرے ہوئے ذرات جن کو اللہ تعالیٰ وجود بخشتا ہے تو دوبارہ، اجزاء کو منتشر کرنے کے بعد کیا ان کو دوبارہ اکھٹا نہیں کر سکے گا؟ جب ایک دفعہ اس نے اکھٹا کر لیا تو یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ دوسری دفعہ پھر بھی اکھٹے کیے جا سکتے ہیں، انسانوں کے محاورے میں پہلی دفعہ کام کرنا مشکل ہوتا ہے دوبارہ کرنا آسان ہوتا ہے، وھو اھون علیہ جس طرح کہا جاتا ہے تو یہ دوبارہ اعادہ اس کے اوپر زیادہ آسان ہے، اعادہ اول بار کرنے کے مقابلہ میں اھون ہوتا ہے، اس لیے تمہیں یہ بات سمجھنی چاہیے اور ان مشرکین کو اسی دلیل کے ساتھ سمجھایا جا رہا ہے کہ اولا یذکر الانسان کیا انسان کو یاد نہیں ہے کہ ہم اس کو پیدا کر چکے ہیں اس سے اور وہ کچھ بھی نہیں تھا، جب ہم نے اس کو پہلے عدم سے موجود کیا ہے تو دوبارہ زندہ کرنا اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا......؟۔

احوال کی اصلاح میں سب سے زیادہ مؤثر عقیدہ آخرت کا ہے:۔

اور قرآن کریم میں اس عقیدہ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے کیونکہ عمل کی اصلاح کے لئے، نظریات کی اصلاح کے لئے جتنا مؤثر یہ عقیدہ ہے اتنا مؤثر کوئی عقیدہ نہیں ہے اگر انسان کو پتہ ہے کہ میں نے کسی کے سامنے پیش ہونا ہے اور جا کے حساب کتاب دینا ہے تو وہ اپنی زندگی سوچ سمجھ کے گذارے گا، ایک ایک لمحہ میں وہ اپنی ذمہ داری محسوس کرے گا تو اس کی زندگی خاص نہج پر آ جائے گی، فکر جس وقت لگ جائے گی کہ میں نے حساب کتاب دینا ہے تو انسان اپنے آپ کو سنبھال لے گا، سنوار لے گا اور جب اس کو پتہ ہے کہ صرف کھانے پینے کیلئے آئے ہیں اور

اس کے بعد کچھ نہیں تو کونسی چیز ہے جو انسان کو سنبھالے اور نیکی کی طرف لائے تو وہ اپنی شہوات کے پیچھے لگ جائے گا، جانوروں کی طرح کھائے گا اور اپنی زندگی گزارے گا، تو انسان میں کردار کی کمزوری غفلت فی الآخرۃ کے نتیجہ میں ہے اور اعمال کی اصلاح ہوتی ہے فکر آخرت کے ساتھ اس لیے اللہ تعالیٰ بار بار اس عقیدہ کی یاد دہانی فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ علم پر مبنی ہوگا جس کے خلاف کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوگی:۔

آگے تاکید کے ساتھ اس بات کو نقل کیا گیا کہ تیرے رب کی قسم البتہ ہم انہیں ضرور جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی، شیاطین سے مراد ان کے لیڈر جو ان کو بہکاتے ہیں یا شیاطین جن، دونوں مراد ہو سکتے ہیں یعنی ان کے وہ لیڈر جو ان کو بہکاتے ہیں اور اسلام قبول کرنے سے روکتے ہیں وہ شیاطین بھی ساتھ ہوں گے اور ان کے جو متبعین ہیں یہ بھی اور اسی طرح شیاطین اور ان کے چیلے بھی پھر ہم انہیں حاضر کریں جہنم کے اردگرد اس حال میں کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے، پھر ہم جدا کریں گے ہر جماعت میں سے اس کو جو رحمٰن پر زیادہ سرکش ہے یعنی جو زیادہ سرکش ہے، لیڈر اور قائد قسم کا آدمی ہے اس کو ہم علیحدہ کرلیں گے اور ان کی قطار آگے لگائی جائے گی باقی ان کے پیچھے پیچھے چلیں گے جیسے دنیا میں وہ آگے آگے ہوتے ہیں اور قوم پیچھے پیچھے ہوتی ہے، وہاں بھی ان کو علیحدہ کرکے آگے لگائیں گے تاکہ جہنم میں سب سے پہلے یہی گریں اور اپنے ساتھ پھر اپنی قوم کو بھی لے جائیں پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو جہنم میں جانے کے زیادہ لائق ہیں یعنی ہمارا فیصلہ علم پر مبنی ہوگا، یہ نہیں کہ جس طرح دنیا میں پکڑ دھکڑ شروع ہوتی ہے تو بے گناہ بھی پکڑے جاتے ہیں، اس لیے کسی کے متعلق کہنے سننے کا موقع ہوتا ہے کہ فلاں شخص تو بہت اچھا اور نیک ہے آپ نے خواہ مخواہ اس کو پکڑ کے جیل میں ڈال دیا تو حاکم کے سامنے لوگ صفائیاں دینے کے لئے چلے جاتے ہیں اور اس طرح باتیں کرکے اس کو چھڑا کے لے آئیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ علم پر مبنی ہوگا وہاں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو پکڑے اور کہے کہ یہ جہنم میں جانے کے لائق ہے اور کوئی جا کے کہے کہ یہ تو بہت نیک آدمی ہے ایسا نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ علم پر مبنی ہے جس کے خلاف کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوگی، کوئی اس کی صفائی نہیں دے سکے گا جس کو اللہ تعالیٰ پکڑے گا۔

جہنم پر سے ہر ایک نے گذرنا ہے:۔

تم میں سے کوئی بھی نہیں مگر وہ جہنم پر وارد ہونے والا ہے، اس کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک پل ہے جس کو آپ پل صراط کہتے ہیں اس کے اوپر سے ہر کسی کو گزارا جائے گا تاکہ جہنم کا ایک نظارہ دیکھ لیں اور دیکھنے کے بعد جب جنت میں جائیں گے تو جنت کی لذت زیادہ محسوس ہوگی وہاں سے کوئی اس طرح گذر جائے گا جس طرح آنکھ جھپکتی ہے اور کوئی اس طرح گذر جائے گا جس طرح بجلی کوندتی ہے، کوئی یوں گذریں گے جس طرح تیز رفتار گھوڑے پر جاتے ہیں، کوئی پیدل جائے گا، کوئی کبھی گرے گا اور کبھی اٹھے گا اور کوئی ایسے بھی ہوں گے جن کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا①، یہ ساری تفصیل احادیث صحیحہ میں آتی ہے، بخاری و مسلم میں بڑی لمبی لمبی روایتیں ہیں جہاں جہنم پر سے ہر کسی کے گذرنے کا ذکر آیا ہے، تو سب وارد ہوں گے اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لی اور فیصلہ شدہ ہے، سب نے جانا ہے لیکن جانے کے بعد پھر ہوگا کیا؟ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا جو متقی اور پرہیزگار ہوں گے ان کو ہم بچالیں گے، ان کو جہنم کی گرم ہوا بھی نہیں لگے گی اور وہ جلدی سے گذر جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لئے جہنم پر سے گذر کے جانا پڑے گا تاکہ جاتے جاتے اسے بھی دیکھتے جائیں اور پھر جب جنت میں جائیں گے تو اس کی قدر ہوگی، اس سے شکر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نعمت کا احساس ہوتا ہے اور چھوڑ دیں گے ظالموں کو جہنم میں منہ کے بل گرے ہوئے، اوندھے گرے ہوئے جس طرح پریشانی کی حالت میں انسان ہوتا ہے۔

آخرت کے متعلق کفار کی خوش فہمی:۔

جن پر ہماری واضح واضح آیات پڑھی جاتی ہیں اور اس میں آخرت کی یاد دہانی کروائی جاتی ہے، آخرت کا عذاب ذکر کیا جاتا ہے اور ثواب کا تذکرہ آتا ہے تو یہ کافر تعجب کرتے ہیں کہ دیکھو! ایک فریق تم ہو جو کہتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں، ہم ایمان لے آئے اور ایک فریق ہم ہیں جن کو تم کہتے ہو کہ کافر ہیں، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں تو مال ہمارے پاس، دولت ہمارے پاس، برادری ہماری، جتھہ ہمارا، دوست ہمارے، احباب ہمارے، رونق ہماری مجلسوں میں، گھر سامان سے ہمارے بھرے پڑے ہیں تو دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال تو ہم ہیں اور اس کے مقابلہ میں

① دیکھیں بخاری ج۲ص۱۱۰۷، مسلم ج۱ص۱۰۲، ج۱ص۱۱۲ط۔قدیمی کتب خانہ

تمہارے پاس کیا ہے، روٹی کھانے کو نہیں ہے، پہننے کو کپڑا نہیں ہے، دھکے کھاتے ہو، یہ تمہاری کیفیت ہے، تو اس طرح وہ مقابلہ کرتے ہیں کیونکہ قدرتی بات ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی ہے کہ اکثر و بیشتر اہل ایمان کفار کے مقابلہ میں دولت میں اور دنیا داری میں کچھ کم ہی ہوتے ہیں، اور پھر خاص طور پر ابتدائی دور میں جب حضور ﷺ نے دعوت شروع کی تھی اس وقت زیادہ تر ماننے والے مساکین اور غلام ہی تھے، دولت منداور صاحب وجاہت بھی تھے لیکن زیادہ طبقہ مساکین کا تھا کہتے ہیں کہ یہاں ساری نعمتیں ہمارے لیے ہیں اور تم ہر نعمت سے محروم ہو، اول تو آخرت ہوگی ہی نہیں اگر آخرت ہوئی تو ہماری یہ حالت بتاتی ہے کہ اللہ کو ہمارے ساتھ محبت ہے، ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں اور یہ ہمارا مقدر ہے کہ ہم نے خوشحال رہنا ہے اگر آخرت ہوئی تو آخرت میں بھی ہمارا یہی حال ہوگا تو دنیا کے اندر اپنی خوشحالی کو اپنے حق ہونے کی دلیل بناتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی دلیل بناتے اور یہی ذہن آج بھی ہے یعنی اگر کسی شخص کو نیکی کی ترغیب دوتو وہ نیکوں کا حال دیکھ کے کہتے ہیں کہ اللہ کے مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں، ہمیں اللہ نے کاریں دے رکھی ہیں، کوٹھیاں دے رکھی ہیں اور یہ سب سامان عشرت دے رکھا ہے، یہ علامت ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں جیسے اللہ کی عنایت ہم پر یہاں ہے اگر آخرت ہوئی تو آخرت میں بھی ایسے ہی ہوگا، یہ ان کو مغالطہ لگتا تھا۔

یہاں ان کی یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری واضح واضح آیتیں پڑھی جاتی ہے تو یہ کافر لوگ مؤمنوں کو کہتے ہیں دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق بہتر ہے از روئے ٹھکانہ کے اور کون زیادہ بہتر ہے از روئے مجلس کے، مطلب یہ کہ ہم اچھے ہیں، ہمارا مکان بھی اچھا ہے اور ہماری مجلس بھی اچھی ہے، اس سے وہ اپنے حق ہونے پر استدلال کرتے ہیں یا اچھے ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے الزامی جواب:۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ بھولے ہوئے ہیں، ان کو پچھلی تاریخ پر نظر ڈالنی چاہیے، واقعات سب سے سچی دلیل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کو چاہیے کہ ماقبل کی طرف دیکھیں، گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں ان لوگوں سے زیادہ مالدار لوگ، ان لوگوں سے بڑے ذی وجاہت لوگ اور بڑی بڑی فوجوں اور بڑے بڑے خاندانوں والے اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی مروڑ کے رکھ دیا اور ان کے اوپر جو عذاب آیا یہ قطعی دلیل ہے

اس بات کی کہ دنیا میں ساز وسامان کا حاصل ہونا اللہ کے ہاں مقبولیت کی دلیل نہیں ہے اگر مقبولیت کی دلیل ہوتی تو وہ دنیا میں عذاب کی گرفت میں کیوں آتے......؟ اور کتنے قصے قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں کہ اللہ نے مؤمنوں کو دنیاوی عذاب سے بچایا ہے، ایک ہی بستی میں رہنے والے ہیں، ایک ہی محلہ میں رہنے والے ہیں عذاب آتا ہے اور کافر رگڑے جاتے ہیں اور مؤمن بچ جاتے ہیں یہاں سے یہ لوگ دلیل پکڑ سکتے ہیں کہ مال ودولت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت نہیں ہے۔

تحقیقی جواب:۔

اب آگے تحقیقی جواب آگیا کہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وحکمت کے طور پر ہر ایک بات اختیار کر رکھی ہے کہ جو گمراہی میں ہوتا ہے اللہ اسے فوراً نہیں پکڑتا بلکہ اپنے علم وحکمت کے طور پر اللہ نے یہ عادت اختیار کر لی کہ اس کی رسی ڈھیلی چھوڑتا ہے کہ اگر سمجھنا ہو تو سمجھ جائے ورنہ یہ انتہاء کو پہنچ جائے اور پکڑا جائے تو چھوٹنے کی گنجائش نہ ہو اور یہ جو رسی ڈھیلی چھوڑتا ہے یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے اور وہ کافر سمجھتے ہیں کہ شاید اللہ ہم سے خوش ہے جو اس نے ہمیں کھلانا پلانا شروع کر دیا، پتہ نہیں آپ نے مچھلی کا کبھی شکار کیا ہے یا نہیں، کبھی کسی کو مچھلی کا شکار کرتے ہوئے دیکھا ہے یا نہیں؟ جب مچھلی کو پکڑنے کے لئے کانٹا پھینکا جاتا ہے تو اس کے اوپر اس کی خوراک لگا دی جاتی ہے اور کانٹا پھینک دیا جاتا ہے، اب مچھلی آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ بہت لذیذ قسم کا لقمہ آ گیا اور وہ منہ کھول کے اس کو نگلتی ہے تو جب نگلتی ہے اور دھاگہ کو جھٹکا لگتا ہے تو شکاری سمجھ جاتا ہے کہ کسی مچھلی نے منہ مارا ہے تو جو تجربہ کار شکاری ہوتا ہے وہ فوراً نہیں جھٹکا دیتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نے منہ لگایا ہی ہو اور یہ جھٹکا دے دے تو کانٹا اچھی طرح پھنسے گا نہیں اور وہ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے، جب وہ رسی ڈھیلی چھوڑ دے گا تو مچھلی کانٹا اچھی طرح نگل جائے گی، پھر جھٹکا جو دیا جائیگا تو چھوٹنے کی گنجائش نہیں ہوگی اور جب رسی ڈھیلی چھوڑی تھی تو وہ خوش تھی اس کو کسی اردو شاعر نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے کہ۔

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے صیاد خوش ہوا کہ کانٹا نگل گئی

یعنی وہ تو سمجھتی ہے کہ مجھے لقمہ مل گیا، شکاری خوش ہے کہ کانٹا نگل گئی ہے تو یہ حساب ایسے ہی ہوتا ہے کہ جب ایک ہی جھٹکا لگتا ہے تو پھر کانٹا ایسے حلق میں پھنستا ہے کہ پھر نکلنے کی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے یہ مال، یہ

دولت، یہ دنیا کا جاہ جلال، یہ سب ایک آزمائش کی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے، اب یہ لوگ کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور اللہ کے سامنے غراتے ہیں تو جس دن اللہ نے پکڑ لیا پھر چھوٹنے کی گنجائش نہیں ہوگی، ان کے مال و دولت کا انجام یہ ہوگا۔

اور جن کو اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی توفیق دے دیتے ہیں ان کے سامنے بہترین انجام پیش آئے گا وہ ثواب اور انجام کے اعتبار سے اللہ کے ہاں بہت اچھے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا یہاں مقابلہ کیا ہے سوچنے کی بات ہے کہ ایک کو تو اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر مال و دولت دیتا ہے اور نیکی سے محروم کر دیتا ہے وہ برائی میں پڑا رہ جاتا ہے اور ایک کو اللہ تعالیٰ نیکی کے اعمال کی توفیق دیتا ہے، ظاہری طور پر وہ مال و دولت سے محروم ہوتا ہے، یہ دو فریق ہیں اب سمجھنے کو تو چاہے مال و دولت والے اپنے آپ کو اچھا سمجھیں لیکن اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ وہ اچھے ہیں جن کو نیکی کی توفیق ہوگئی کیونکہ دیکھنا انجام کو ہے، ظاہر کو نہیں دیکھا جاتا۔

مثال سے وضاحت:۔

مثال کے طور پر ایک ہی دستر خوان پر دو آدمی بیٹھے ہیں، ایک کے سامنے بھنا ہوا گوشت اور حلوہ رکھا ہوا ہے اور وہ مزے لے لے کر کھا رہا ہے، دوسرا خشک روٹی پانی کے ساتھ کھا رہا ہے یا بیٹھا ہوا خشک چنے چبا رہا ہے اور پانی کے گھونٹ بھر رہا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ چنے اور یہ خشک روٹی یہ صحیح ہے اور دوسرے کھانے میں زہر ملی ہوئی ہے، اب جس وقت ایک آدمی ان کو دیکھے گا تو کہے گا مزے تو اس کے ہیں، دیکھو! کیسا شاندار مصالحہ دار گوشت کھا رہا ہے، اور کس طرح لذیذ حلوہ کھا رہا ہے، اس کی بھی کوئی زندگی ہے خشک ٹکڑے چبا رہا ہے اور پانی کے ساتھ ان کو نگل رہا ہے، اب جب تک دستر خوان پر بیٹھے ہیں تو کیفیت ایسے ہی ہے، خوشحال یہ نظر آتا ہے اور جس وقت اٹھ کے چلیں گے اور چند گھنٹے گذریں گے اور یہ انتڑیاں جب اندر سے کٹ کٹ کے پاخانہ کے راستہ نکلنے لگیں گی اور یہ ناک کے بل گرے گا، اور وہ چنے کھا کے گھوڑے کی طرح ہنہنائے گا اور خشک ٹکڑے کھا کے وہ صحت مند ہو کے بھاگا پھرے گا پھر پتہ چلے گا کہ یہ حلوہ اور قورمہ کیا حیثیت رکھتا تھا، اور یہ ٹکڑے کیا حیثیت رکھتے تھے، یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد انسان کہے گا کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ میں نے وہ حلوہ نہیں کھایا، اے اللہ! تیرا احسان ہے کہ میرے سامنے وہ پلیٹ نہیں آئی اچھا ہوا کہ خشک ٹکڑے پر گذارا کر لیا، یہ چند منٹ کی لذت کے بعد جب یہ انجام سامنے آئے گا تو ٹکڑے

چبانے والے اللہ کا شکر ادا کریں اور قورمہ کھانے والے ناک کے بل گے ہوئے ہوں گے۔

لیکن یہ حیثیت انسان کے ذہن میں اترتی نہیں، غفلت اس طرح طاری ہے اور اللہ تعالیٰ یہی کہتا ہے کہ دو باتیں ہیں دنیا کے ساز و سامان میں پھنس کے جو لوگ غافل ہو گئے ان کی کیفیت ایسی ہے کہ بعد میں جب عذاب آئے گا تو اس وقت ان کے سامنے ساری حقیقت کھل جائے گی کہ ہم تو بہت بڑے دھوکہ میں تھے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے نیکی کی توفیق دے دی وہ بظاہر اگرچہ تمہیں مال میں کم نظر آئیں اور یہ نظر آئے کہ ان کی کوئی عزت نہیں ہے، ان کا کوئی جاہ و جلال نہیں ہے، ان کا کوئی ساتھ دینے والا نہیں لیکن چند دن ٹھہر جایئے، ذرا اس جہان سے آنکھیں بند ہونے دیجئے اور جب اگلا جہان آئے گا تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ نتیجہ کیا نکلا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ باقیات صالحات یہ نتیجہ کے اعتبار سے اچھے ہیں اور یہ مال و دولت اور جاہ جلال نتیجہ کے اعتبار سے خراب ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ تَؤُزُّہُمۡ اَزًّا ﴿۸۳﴾ۙ فَلَا

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے بھیجا شیاطین کو کافروں پر وہ ان کو خوب ابھارتے ہیں ﴿۸۳﴾ پس آپ

تَعۡجَلۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَہُمۡ عَدًّا ﴿۸۴﴾ۚ یَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِیۡنَ اِلَی

جلدی نہ کیجئے ان پر سوائے اس کے نہیں ہم شمار کر رہے ہیں ان کی باتوں کو ﴿۸۴﴾ جس دن ہم جمع کریں گے متقین کو

الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا ﴿۸۵﴾ۙ وَّنَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ وِرۡدًا ﴿۸۶﴾ۘ

رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر ﴿۸۵﴾ اور ہم چلائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف اس حال میں کہ پیاسے ہوں گے ﴿۸۶﴾

لَا یَمۡلِکُوۡنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ﴿۸۷﴾ۘ

وہ نہیں مالک ہوں گے سفارش کے مگر جس نے اختیار کرلیا رحمٰن کے پاس کوئی عہد ﴿۸۷﴾

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ؕ لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَیۡئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ۙ تَکَادُ

اور انہوں نے کہا کہ اختیار کرلی ہے رحمٰن نے اولاد ﴿۸۸﴾ البتہ تحقیق تم بہت سخت بات لائے ہو ﴿۸۹﴾ قریب ہے کہ

السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ ہَدًّا ﴿۹۰﴾ۙ

آسمان پھٹ پڑیں اس سے اور شق ہوجائے زمین اور گر پڑیں پہاڑ ٹوٹ کر ﴿۹۰﴾

اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ۚ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ

اس بات سے کہ وہ تجویز کریں رحمٰن کیلئے اولاد ﴿۹۱﴾ اور نہیں مناسب رحمٰن کیلئے کہ وہ اختیار کرے

وَلَدًا ﴿۹۲﴾ؕ اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿۹۳﴾ؕ

اولاد ﴿۹۲﴾ نہیں ہے کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں مگر وہ رحمٰن کے پاس آنے والی ہے بندگی کرتے ہوئے ﴿۹۳﴾

لَقَدۡ اَحۡصٰہُمۡ وَعَدَّہُمۡ عَدًّا ﴿۹۴﴾ؕ وَکُلُّہُمۡ اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ

البتہ تحقیق شمار کر رکھا ہے ان کو اور اچھی طرح گن رکھا ہے ﴿۹۴﴾ اور ہر ایک آنے والا ہے قیامت کے دن

فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ
تنہا ﴿۹۵﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب کردے گا
الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ
رحمٰن ان کیلئے محبت ﴿۹۶﴾ ہم نے آسان کردیا اس قرآن کو آپ کی زبان پر تا کہ آپ بشارت دیں اس کے ساتھ متقین کو
وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ
اور ڈرائیں اس کے ساتھ جھگڑالو قوم کو ﴿۹۷﴾ اور کتنی ہی جماعتوں کو ہم نے ہلاک کردیا ان سے پہلے کیا آپ
تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع
محسوس کرتے ہیں ان میں سے کسی کو یا آپ سنتے ہیں کسی کی آہٹ کو ﴿۹۸﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا: اَزَّ یَؤُزُّ اَزًّا ابھارنا، اکسانا، ترغیب دے کر کسی شخص سے کوئی کام کروانا، کیا آپ نے دیکھا نہیں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بے شک ہم نے بھیجا شیاطین کو کافروں پر، ارسلنا یہاں چھوڑنے کے معنی میں ہے۔ بے شک ہم نے چھوڑا شیاطین کو کافروں پر وہ شیاطین ان کافروں کو ابھارتے ہیں خوب ابھارنا، اچھالتے ہیں خوب اچھالنا، اکساتے ہیں خوب اکسانا، یعنی ان شیاطین کو کافروں پر مسلط کردیا ہے وہ ان کو اکساتے اور بہکاتے ہیں۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ: پس آپ ان پر جلدی نہ کیجیے، اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا، عَدَّ یَعُدُّ شمار کرنا، سوائے اس کے نہیں کہ ہم ان کے لئے شمار کرتے ہیں شمار کرنا، گنتے ہیں ہم ان کے لئے گننا، کیا گنتے ہیں نعد کا مفعول یہاں محذوف ہے، ہم ان کے سانس شمار کرتے ہیں، ان کے دن گنتے ہیں، ان کی باتیں شمار کررہے ہیں، ان کے کفریات کو شمار کررہے ہیں، نعد کے مفہوم میں سب کچھ ہے ان کی چیزیں ہمارے احاطہ میں ہیں، کوئی چیز ہمارے احاطہ سے

باہر نہیں ہے۔

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا: وفد "وافد" کی جمع ہے اور وافد اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی بڑے آدمی سے ملنے کے لئے جائے، جو معزز قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو حاکم سے ملنے کے لیے جاتے ہیں اور قوم کے نمائندہ ہوتے ہیں اور آگے ورداً کا لفظ آ رہا ہے یہ ورد، یرد سے ہے پانی پر وارد ہونا، اور پانی پر پیاسے لوگ جایا کرتے ہیں اس لیے ورداً سے یہاں پیاسے لوگ ہی مراد ہیں اور وفداً سے معزز لوگ مراد ہیں، جس دن ہم جمع کریں گے متقین کو رحمٰن کی طرف اس حال میں کہ وہ وفد ہوں گے اور وفد کے مفہوم میں آ گیا باعزت ہونا، جس دن ہم جمع کریں گے متقین کو رحمٰن کی طرف اس حال میں کہ وہ معزز ہوں گے۔

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ: اور ہم ہانکیں گے مجرمین کو، ساق سوقاً پیچھے سے ہانکنا جس طرح قاد یقود آگے سے چلانے کو کہتے ہیں۔ چلائیں گے ہم مجرمین کو جہنم کی طرف اس حال میں کہ وہ پیاسے ہوں گے، لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ: اختیار نہیں رکھیں گے شفاعت کا اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا مگر وہی لوگ جنہوں نے رحمٰن کے اس عہدہ کو حاصل کرلیا، مَن لفظوں میں مفرد ہے اور معنیً جمع ہے، مگر جس نے رحمٰن کے پاس عہد حاصل کرلیا وہی سفارش کر سکے گا اور کوئی سفارش نہیں کر سکے گا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کی، ولد اولاد کے معنی میں ہے اس کو عام رکھیں تا کہ یہ سب فرقوں کو شامل ہو جائے، عیسائیوں نے لڑکے کا قول کیا، یہودیوں نے بھی بیٹے کا قول کیا، مشرکین مکہ لڑکیوں کے قائل تھے تو ولد کا لفظ عام ہو جائے گا، اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اختیار کی رحمٰن نے اولاد لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا، یہ تم کا خطاب انہی لوگوں کو ہے جو اس قسم کا قول کرتے ہیں اور اِدّ کہتے ہیں بھاری چیز کو، بہت بھاری بات کا تم نے ارتکاب کیا، البتہ آئے ہو تم بہت بھاری چیز کے پاس، یہ بہت بڑی بات تم نے کہہ دی۔

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ: کاد یکاد افعال مقاربہ میں سے ہے، تفطّر پھٹ جانا، انشق بھی پھٹ جانے کو کہتے ہیں، تخرّ گرنا، ھَدًّا بھی گرنے کو ہی کہتے ہیں یہ تخرّ کا مفعول مطلق ہے، قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اس بات سے اور زمین چر جائے اور گر پڑیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر، ھَدًّا مفعول مطلق بطور تاکید کے لئے اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لئے اولاد کا قول کیا، اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا، دَعَا یَدْعُوْ بلانا، پکارنا انہوں نے رحمٰن

کے لیے اولاد کو، یہ رحمٰن کے لئے اولاد کو پکارتے ہیں اس سبب سے ہوسکتا ہے کہ زمین و آسمان گر جائیں اور قیامت برپا ہو جائے وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا نہیں مناسب رحمٰن کے لئے کہ اختیار کرے اولاد۔

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ: آسمان اور زمین میں جو لوگ بھی موجود ہیں، سب وہ لوگ جو زمین و آسمان میں موجود ہیں "إِنْ" یہ نافیہ ہے نہیں ہیں یہ سب لوگ مگر آنے والے ہیں رحمٰن کے پاس از روئے عبد ہونے کے، آتی مفرد کا صیغہ ہے اور عبد بھی مفرد ہے کیونکہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لفظوں میں مفرد ہے، لَقَدْ أَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا، البتہ تحقیق رحمٰن نے ان سب کو گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے خوب شمار کرنا، وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا اور ان میں سے ہر ایک آنے والا ہے، رحمٰن کے پاس قیامت کے دن تن تنہا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا عنقریب کرے گا اللہ تعالیٰ ان کے لئے ود، ود کہتے ہیں محبت کو، اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت قرار دے گا، بنائے گا ان کے لئے محبت، یہ محبت کس کی کس کے ساتھ ہوگی، کون محبت کرنے والا ہوگا اور کس سے محبت کرنے والا ہوگا یہاں اس کی تعیین نہیں کی گئی اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت قرار دے گا، خود ان کے ساتھ محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت ڈالے گا یا مخلوق کے دل میں ان کی محبت ڈالے گا، یا ان کے دل میں مخلوق کی محبت ڈالے گا یا ان کے دل میں آپس میں ایک دوسرے کی محبت ڈالے گا یہ سارے مفہوم اس میں آسکتے ہیں اور سارے ہی روایات سے مؤید ہیں۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ: سوائے اس کے نہیں ہم نے اس قرآن کو آسان کر دیا تیری زبان میں لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ تا کہ بشارت دے تو اس کے ذریعہ سے متقین کو وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا، لدا یہ "اَلَدّ" کی جمع ہے اور "اَلَدّ" جھگڑالو کو کہتے ہیں اور ڈرائے تو اس کے ذریعہ سے جھگڑالو قوم کو، جھگڑالو قوم سے یہاں وہی عربی لوگ مراد ہیں، ایک امی اور جاہل ہونے کی وجہ سے ہر ہر بات پر جھگڑا کرتے تھے دوسرا یہ کہ ان میں مذہبی تعصب بھی تھا، جو بات بھی ان کے سامنے ذکر کی جاتی، چاہے وہ کتنی ہی سیدھی کیوں نہ ہوتی وہ اس میں بھی الجھاؤ پیدا کر لیتے، ڈرائے تو اس کے ذریعہ سے جھگڑالو قوم کو۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ: مِّنْ قَرْنٍ یہ کَمْ کی تمیز ہے، کتنی جماعتیں ہم نے ان سے قبل ہلاک

کر دیں، قرن کہتے ہیں جماعت کو، ایک زمانہ میں موجود لوگ قرن کا مصداق ہوتے ہیں، ایک دور کے لوگ، ایک زمانہ کے لوگ، کتنی ہی جماعتیں ہم نے ان سے قبل ہلاک کر دیں ھل تحس منھم منه احد کیا تو ان میں سے کسی کو محسوس کرتا ہے اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا، رکز کہتے ہیں خفی آواز کو جو سمجھ میں نہ آئے، جس کیلئے ہم اردو میں آہٹ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، یا بھنک کا لفظ استعمال کرتے ہیں، یا تو ان کی بھنک بھی سنتا ہے، کیا تو ان کے لئے کوئی آہٹ سنتا ہے یعنی معمولی آواز چاہے سمجھ میں نہ آئے۔

ماقبل سے ربط:۔

ردشرک اور اثبات توحید کا مضمون آپ کے سامنے آ رہا ہے اور جس کے ساتھ ساتھ آخرت کی یاد دہانی ہے، پچھلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ آلہتہ اختیار کر لیے تا کہ ان کے لئے باعث عزت ہوں، ان کے لئے غلبہ حاصل ہونے کا باعث ہوں اور کلا کے ساتھ تردید کی گئی تھی کہ ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے، ایسا ہر گز نہیں ہوگا جیسا یہ چاہتے ہیں، یہ آلہتہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے، قرآن کریم میں کثرت کے ساتھ یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے، آگے سرور کائنات ﷺ کے لئے کچھ تسلی بھی ہے اور مشرکین کے لئے کچھ تنبیہ بھی ہے۔

سرور کائنات ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون:۔

تسلی بایں طور کہ آپ ان کے متعلق جلدی نہ مچائیں، جلدی مچانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ مخالفت میں انتہاء کو پہنچ گئے تھے، مکی زندگی کے آخر میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے جب کہ مخالفت انتہا کو پہنچ گئی تھی، ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے، آپ کا دل یہ چاہتا تھا کہ اب کوئی آخری فیصلہ سامنے آ جائے، یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ان کے اوپر جلدی نہ مچائیں، ہم ان کی ایک ایک بات کو شمار کر رہے ہیں، ان کی کوئی بات ہم سے مخفی نہیں ہے اور یہ لوگ آج کل شیاطین کے تسلط میں ہیں، جیسا کہ احادیث میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شیاطین بھی پیدا کیے ہیں، فرشتے بھی پیدا کیے ہیں فرشتے انسان کو خیر پر ابھارتے ہیں، شیاطین فسق وفجور پر ابھارتے ہیں اور انسان جب پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی اس کے پیچھے ایک فرشتہ اور ایک شیطان

لگا دیا جاتا ہے، جب اس کی ابتداء کا دور شروع ہوتا ہے تو فرشتہ اس کو خیر پر ابھارتا ہے اور شیطان اس کو برائی پر ابھارتا ہے ① اور انسان درمیان میں ہچکولے لیتا ہے تو یہ اپنے ارادے کے ساتھ اپنی قوت کو جس طرف متوجہ کر دیتا ہے وہ اس طرف غالب آجاتی ہے، آپ نیکی کا ارادہ کریں اور اپنے ارادے میں بُرائی کی مخالفت کریں اور پھر اس نیکی کو کرنے لگ جائیں، تو ملک کی قوت کو ترجیح حاصل ہوگئی پھر فرشتوں کے ساتھ آپ کی مناسبت ہوتی چلی جائے گی اور شیاطین سے بُعد ہوتا چلا جائے گا، آخر ایک وقت آئے گا کہ شیطان آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا پھر اگر کوئی انسان اگر برائی کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے ذریعہ سے تحفظ ہو جاتا ہے کہ بُرائی کے اسباب ہی مہیا نہیں ہوتے، انسان بُرائی سے بچ جاتا ہے اور شیطانی قوت بالکل ضعیف ہو جاتی ہے اور وہ انسان کو کسی بُرائی میں مبتلاء نہیں کر سکتی اور ایک ہے کہ انسان اپنے علم اور ارادہ کے ساتھ گناہوں کی طرف متوجہ ہو گیا، اس نے نیکی کا ارادہ چھوڑ دیا تو اس کی مناسبت شیطانوں کے ساتھ ہوتی چلی جاتی ہے، آخر آخر آہستہ آہستہ وہ شیطان اس کے اوپر مسلط ہو جاتے ہیں پھر نہ اس کے دل میں کسی نیکی کا خیال آتا ہے اور نہ وہ نیکی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ان شیطانوں کو پورا تسلط حاصل ہو جاتا ہے اور وہ انسان کو اکسا اکسا کر، ابھار ابھار کر بُرائی کی طرف لے جاتے ہیں تو یہ مناسبت ہے جس طرف ہو جائے، اچھی قوت کے ساتھ مناسبت ہو جائے تو نیکی کا راستہ آسان ہوتا چلا جاتا ہے، یہی ہے مجاہدہ اور ریاضت جو ابتداء میں کروایا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو مجبور کرو، اپنے آپ کو اپنی خواہشات کے خلاف چلاؤ، نیکی کا راستہ اختیار کرو، چند دن مزاحمت ہوگی اس کے بعد معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔

یہ مشرکین چونکہ بالکل ہی مخالفت پر اترے ہوئے ہیں تو ان کی مکمل مناسبت شیاطین کی طرف ہوگئی، اب شیاطین ان کے اوپر پوری طرح تسلط حاصل کر چکے ہیں، اب ان کو نیکی کی طرف آنے ہی نہیں دیتے، ان کے دل دماغ کے اندر اچھائی کا خیال ہی نہیں آنے دیتے تو جب ان کے اوپر اتنے شیاطین مسلط ہو گئے ہیں تو اب آپ ان کی فکر چھوڑیئے، ہم ان کے سانس شمار کر رہے ہیں، ان کے لقمے گن رہے ہیں، ان کی باتیں ہمارے شمار میں ہیں، یہ ہم سے باہر نہیں ہیں، جب ان کا وقت آجائے گا، ان کا شمار پورا ہو جائے گا تو اس وقت یہ پکڑ لیے جائیں گے، آپ ان کے بارے میں جلدی نہ مچایئے، صبر اور تحمل کے ساتھ وقت گزاریئے!

---

① ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸ ط۔ ایچ ایم سعید کمپنی، مشکوۃ ج ۱ ص ۱۹ ط۔ مکتبہ امدادیہ

متقین وکافرین کا انجام:۔

آگے انجام کی خبر دے دی کہ متقین کو ہم رحمٰن کی طرف اس طرح لے جائیں گے جس طرح معزز لوگ بڑے آدمی کے پاس ملاقات کے لئے جایا کرتے ہیں، مہمانوں کے طور پر بلائے جاتے ہیں، متقین تو یوں جمع کیے جائیں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانک کے لے جائیں گے، اس حال میں کہ وہ پیاسے ہوں گے، جس طرح پیاسے اونٹوں کو کوئی ہانک کے پانی کی طرف لے جاتا ہے، اس طرح پیاسے ہونے کی حالت میں ہم ان کو جہنم کی طرف چلا کے لے جائیں گے، یہ ان کا انجام ہوا۔

آخرت میں شفاعت کا نظریہ:۔

باقی ان لوگوں نے جو سہارے تلاش کر رکھے ہیں کہ فلاں سفارش کر دے گا، آگے اس سے مایوس کیا جا رہا ہے کہ کوئی سفارش کرنے کا اختیار نہیں رکھے گا مگر وہی جس نے رحمٰن کے پاس عہد اختیار کر لیا اور وہ متقین لوگ ہیں مقبولین جن کے ساتھ ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، اجازت سے سفارش کریں گے، بعض متقین لوگ سفارش کریں گے اور ان کی سفارش کریں گے جن کی طرف رحمٰن کی رضا محسوس کریں گے، یہ نہیں کہ جس کو چاہیں چھڑا لیں، اچھائی کو بُرائی کر کے دکھا دیں، بُرائی کو اچھائی کر کے دکھا دیں، اچھے کو بُرا ثابت کر دیں، بُرے کو اچھا ثابت کر دیں ایسی بات نہیں ہوگی، مشرکین کا جو شفاعت کا نظریہ تھا کہ یہ چھڑانا چاہیں اور رحمٰن نہ چھوڑے تو بھی چھڑا لیں گے، ایسی بات نہیں ہے، اس نظریہ کی تردید کرنی مقصود ہے ورنہ شفاعت کا عقیدہ حق ہے، ہم بھی شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن اس کے لئے چند شرطیں ہیں، سفارش وہ کرے گا جو اللہ کا مقبول ہوگا، اس کی کرے گا جس کے پاس ایمان ہوگا، پھر اہل کبائر کی سفارش بھی ہوگی، اہل معاصی کی بھی ہوگی، کفر اور شرک کی حالت میں کسی کی سفارش نہیں ہو سکتی اور جو خود اللہ کا مقبول نہیں ہے، اس کو بھی سفارش کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے یہ کوئی اعتماد کی بات نہیں کیونکہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں ہوگا! اور جس کے متعلق ہم سوچے بیٹھے ہیں پتہ نہیں اس کو اجازت بھی ہوگی یا نہیں، آخرت میں اس کی اپنی کیا کیفیت ہوگی تو یہ اعتماد کی بات نہیں جس اعتماد پر انسان بُرائی اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق اولاد کا نظریہ:۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا: یہ آیت بھی گویا کہ نظریہ شفاعت سے ہی تعلق رکھتی ہے، مشرکین نے جن کو

اپنا شفعاء سمجھا ہوا تھا ان کے متعلق عقیدہ یہ رکھتے تھے کہ یہ رحمٰن کی اولاد ہیں جیسا کہ فرشتوں کو بیٹیاں کہتے تھے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے حقیقتاً بیٹا یا بیٹوں کی طرح دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں بہرحال مقصد یہ تھا کہ جب یہ اولاد ہیں یا اولاد کی طرح، دنیا میں اولاد اپنے ماں باپ کو منوالتی ہے اسی طرح یہ بھی ہمارے حق میں منوالیں گے، ان کے اس ''ولدیت'' والے عقیدہ کا شفاعت کے عقیدہ کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے، نصاریٰ نے بھی یوں ہی کہا تھا کہ انسان چونکہ گناہ گار ہے اپنے عمل کے ساتھ جنت حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بھیجا اور بعد میں اس کو سولی پر چڑھا کر گویا کہ اس کے ماننے والوں کی طرف سے اس کو فدیہ میں قبول کر لیا، اب اس کے ماننے والے جو چاہیں کرتے رہیں بس مسیح علیہ السلام ان کو چھڑا لیں گے کیونکہ وہ اپنے ماننے والوں کی خاطر خود اپنی جان دے چکا ہے اور اس قربانی کے نتیجہ میں اس کے ماننے والے سب چھوٹ جائیں گے۔

نظریہ اولاد کی تردید:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بہت ہی بُرا نظریہ ہے، تم نے بہت بڑی بات کا ارتکاب کیا ہے یہ تو بہت بڑی بات ہے، اتنی بڑی بات ہے کہ زمین، آسمان اور پہاڑ بظاہر دیکھنے میں کتنی بڑی بڑی مخلوق ہیں لیکن اس عظیم بات کے صدمہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ بھی پھٹ جائیں، قریب ہے کہ یہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں، جس سے معلوم ہو گیا کہ ساری کائنات کی فطرت ابراہیمی ہے یہ الوہیت میں کسی دوسرے شریک کو برداشت نہیں کرتی، بہت بڑی بات ہے جو تمہارے منہ سے نکلی ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے، بہت عظیم اور مُنکر بات کا تم نے ارتکاب کیا ہے کیونکہ اولاد اگر کوئی اختیار کرتا ہے تو اولاد اپنے باپ کی ہم جنس ہوتی ہے بے جنس ہو تو ویسے عیب ہے، اگر کسی کے گھر میں اس کی جنس کے خلاف بچہ پیدا ہو جائے تو یہ عیب ہے تو اگر اللہ کے لئے اللہ کا ہم جنس مانو گے تو وہ اسی طرح واجب الوجود ہو گا، اسی طرح اس کے اندر صفات ہوں گی اگر وہ صفات اس میں موجود نہ ہوں تو خلاف جنس ہوا تو یہ ایک عیب ہے اور ہم جنس ماننے کی صورت میں دوسرا الٰہ ثابت ہو گیا، شرک آ گیا۔

اور پھر اولاد کی ضرورت کیوں محسوس ہوا کرتی ہے......؟ اولاد کی ضرورت اس لیے محسوس ہوتی ہے کہ انسان زندگی میں اکیلا کاروبار سنبھال نہیں سکتا تو کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہو جائے جو کم از کم میرے کاروبار میں میری مدد

کرے گا، کمانے میں ساتھ شریک ہو جائے گا یا اس لیے ہوتا ہے کہ میں مر جاؤں تو پیچھے میری جائیداد کون سنبھالے گا......؟ اللہ تعالیٰ اولاد دے دے تاکہ میری جائیداد یہ سنبھال لیں کوئی دوسرا نہ لے جائے یا یہ ہوتا ہے کہ بوڑھا ہو جاؤں گا تو بوڑھاپے میں خدمت کون کرے گا......؟ تو اللہ تعالیٰ اولاد دے دے جو بوڑھاپے میں خدمت گار ہو گی یا مر جائیں گے تو مرنے کے بعد نام کون باقی رکھے گا، اولاد ہو گی تو کم از کم نام تو زندہ رہے گا یہ ہی نظریات ہیں جس کی بناء پر لوگ اولاد کو چاہا کرتے ہیں اور اولاد کی تمنا پیدا ہوتی ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان سب چیزوں کے اندر احتیاج کا پہلو ہے، اکیلے کاروبار نہیں چلا سکتے یہ بھی عاجز آ گیا اس لیے اولاد کی طرف محتاج ہے، مرنے کے بعد جائیداد کے چلے جانے کا اندیشہ ہے، اس لیے اولاد کی طرف احتیاجی ہے کہ یہ جائیداد اپنے ہی گھر میں رہ جائے، نام کو زندہ رکھنے کے لئے اولاد کی ضرورت ہے، بڑھاپے میں خدمت کے لئے اولاد کی ضرورت ہے، تو جو شخص بھی اولاد کا نظریہ اختیار کرتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے آخر وہ ان وجوہ میں سے کوئی وجہ تو بیان کرے گا ہی اور جو وجہ بھی بیان کریں گے، اس میں عجز اور احتیاجی آ گئی اور عجز اور احتیاجی اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں ہے تو پھر آپ اولاد کس لیے تجویز کرتے ہیں، کیوں اس کے لئے اولاد کا قول کرتے ہیں......؟

نظریہ اولاد میں ایک بھڑ بونجے کا عیسائی پادری کو مسکت جواب:۔

کہتے ہیں کہ جب ابتداء ابتداء میں انگریزوں کی حکومت ہوئی تو یہ پادری لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے، بہت کثرت کے ساتھ ان کے پادری آتے تھے اور لوگوں کو مرتد کرتے تھے، کھلم کھلا تقریریں کرتے تھے، ہمارے علماء پر سختی تھی وہ مقابلہ میں آ نہیں سکتے تھے، آتے تھے تو حکومت رکاوٹ ڈالتی تھی، دہلی میں ایک پادری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا ثابت کرنے کیلئے تقریر کر رہا تھا کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، ایک بھڑ بونجا (دانے بھوننے والا) بھی اس مجمع میں تھا تو اس نے کھڑے ہو کر پادری سے سوال کیا کہ پادری صاحب یہ بتائیے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے تو کیا اس کے علاوہ اللہ کا کوئی اور بیٹا بھی ہے......؟ اس پادری نے کہا اور تو کوئی نہیں ہے یہ اکلوتا بیٹا ہے، وہ کہتا ہے کہ کوئی اور ہونے کی توقع ہے......؟ پادری صاحب کہتے ہیں کہ نہیں اور ہونے کی بھی توقع نہیں ہے تو وہ جاہل بھڑ بونجا کہتا ہے کہ پادری صاحب یہ تو پھر کوئی کمال نہ ہوا، میری اتنی عمر ہے اور میری شادی کو اتنے سال ہو گئے ہیں اور میرے بارہ بیٹے ہیں، تیرے اللہ نے اتنی مدت میں ایک ہی بنایا ہے اور

دوسرا ہونے کی توقع بھی نہیں ہے، تو پادری مقابلہ میں چپ ہوگیا، اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا، کہتے ہیں کہ دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب جو دارالعلوم کے صدر اول ہیں اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دورہ انہی سے پڑھا ہے اور ان کے بعد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ صدر بنے ہیں، ان کے پاس یہ بات پہنچ گئی تو سن کے بہت خوش ہوئے، فرمانے لگے کہ اس نے ایک ایسی دلیل ہے کہ جس کا جواب پادری کیا پادری کے باپ کے پاس بھی نہیں ہے، لیکن وہ جاہل تھا اس نے اسی عنوان سے ادا کردی اور اگر آپ اس کو علمی انداز سے ادا کرنا چاہیں تو وہ دلیل یوں ہوگی کہ اولاد کا ہونا عیب ہے یا کمال، اگر عیب ہے تو ایک بیٹا بھی عیب ہے، اللہ کی ذات عیب سے پاک ہے اس میں ایک عیب بھی نہیں ہوسکتا اور اگر اولاد کا ہونا کمال ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ کے باقی کمالات کی کوئی حد نہیں اور اس کی مخلوق میں اس کے کمال کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تو پھر چاہیے تھا کہ اولاد بھی اس کی اتنی ہوتی کہ مخلوق میں سے کوئی اس کا مقابلہ نہ کرسکتا، سب سے زیادہ اس کی اولاد ہوتی، اب آپ دیکھیں! جانوروں کے کتنے بچے ہیں، مچھلی کتنے بچے دے دیتی ہے اور باقی جانوروں کے کتنے ہیں اور انسانوں میں بھی ایک ایک آدمی کی کتنی کتنی اولاد ہوجاتی ہے تو یہ کیسا کمال ہے کہ جس میں مخلوق خالق سے بڑھی ہوئی ہے، یعنی اللہ کے مقابلہ میں یہ کمال مخلوق کے لئے زیادہ ثابت ہوگیا، یہ کیسے ہوسکتا ہے! اگر اس کو عیب قرار دو تو بھی اللہ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے، کمال قرار دو تو بھی نسبت صحیح نہیں ہے تو مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے اس کی تعبیر اس انداز میں کردی۔

بہر حال جو نظریہ بھی اختیار کیا جائے اولاد کی نسبت اللہ کی طرف گوارہ نہیں ہے یہی بات اللہ تعالیٰ نے یہاں کہی کہ تم نے ایک بہت بڑی بات ارتکاب کیا ہے، تم نے اتنی مُنْکَر بات منہ سے نکالی ہے کہ قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پھوٹ جائے اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہوکر گر پڑیں اور وجہ یہی ہے کہ یہ رحمٰن کے لئے اولاد کو پکارتے ہیں اور ان کا رحمٰن کے لئے اولاد پکارنا درست نہیں ہے، رحمٰن کے لئے مناسب ہی نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے، جتنے لوگ ہیں سب کے سب اللہ کے پاس آئیں گے، اور عبد ہونے کی حیثیت میں آئیں گے، یہ مخلوق عبد ہونے کا تعلق رکھتی ہے، یہ اللہ کے بندے ہیں، اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ کے غلام ہیں، اللہ کے مملوک ہیں اس کے علاوہ ان کی حیثیت کوئی نہیں ہے، جتنے ہیں سب عبد ہونے کی حیثیت میں آئیں گے اور اللہ نے سب کو شمار کر رکھا ہے، سب کو گن رکھا ہے، کوئی اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے، سارے کے سارے قیامت کے دن تن تنہا آئیں گے، کوئی کسی

کا معاون اور مددگار بن کے نہیں آئے گا، یہ علیحدہ بات ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کسی کو اجازت دے دیں اور کوئی کسی کی سفارش کر دے لیکن جب آئیں گے تو ہر ایک کی حیثیت فردی ہوگی۔

ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں محبوبیت کا مقام حاصل ہوتا ہے:۔

آگے مؤمنین کے لئے ایک بہت بڑی بشارت ہے، بے شک وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں رحمٰن کے ان کے لئے محبت قرار دے گا، محبت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ رحمٰن خود ان کے ساتھ محبت کرے گا، دنیا و آخرت میں محبوبیت کا مقام ایک ایسا مقام ہے کہ جس میں راحت ہی راحت، عزت ہی عزت، بالا دستی ہے، راحت اور آرام جتنا محبوبیت میں پہنچتا ہے، اتنا کسی دوسری چیز میں نہیں پہنچتا، نیک لوگوں کے ساتھ اللہ محبت کرتا ہے، یہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کسی نیک بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو محبت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بلاتے ہیں اور اس کو اطلاع دیتے ہیں کہ فلاں شخص کے ساتھ مجھے محبت ہے تو بھی اس سے محبت کر، یہ حکم تکوینی ہوتا ہے فوراً جبرائیل کے دل میں بھی اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام ساتویں آسمان پر اعلان کرتے ہیں کہ فلاں شخص اللہ کا محبوب ہے تم بھی اس کے ساتھ محبت کرو، اس طرح چھٹے آسمان پر، پانچویں پر، چوتھے پر، تیسرے پر، دوسرے پر اور آسمان اول پر سب فرشتوں میں اعلان ہو جاتا ہے اور وہ شخص تمام فرشتوں کا محبوب بن جاتا ہے پھر یہی اعلان زمین میں اتار دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیک بندے کے ساتھ مخلوق محبت کرنے لگ جاتی ہے ① اور یہ واقعہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہوتا ہے دلوں کی گہرائی میں اللہ تعالیٰ اس کی محبت ڈال دیتے ہیں، عداوت اور بغض جو لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے وہ ہے خارجی حالات کے اعتبار سے، کسی کے ساتھ خود غرضی کی بناء پر کوئی اختلاف کرتا ہے یا نفسانیت کی بناء پر کوئی اختلاف کرتا ہے، یہ علیحدہ بات ہے، جس کا نفسانیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، خود غرضی کی بات نہیں تو اولیاء اللہ کی محبت دلوں کی گہرائی میں اتری ہوئی ہوتی ہے اور مخلوق کھنچی ان کی طرف جاتی ہے، اولیاء اللہ کے حالات کو اگر آپ

---

① اذا احب اللّٰہ العبد نادی جبرئیل ان اللّٰہ یحب فلانا فاحببہ فیحبہ جبرئیل فینادی جبرئیل فی اھل السمآء ان اللّٰہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض (صحیح البخاری ج۱ص۴۵۶ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ/ صحیح مسلم ج۴ص۲۰۳۰ مطبوعہ بیروت/ معجم ابن عساکر ج۲ص۱۱۶۲)

دیکھیں گے تو یہ بات آپ کے سامنے کھل کر آ جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنی محبت ان کے لئے کر دے گا، اپنی مخلوق کی محبت ان کے لئے کر دے گا، وہ سب مخلوق کے محبوب بن جائیں گے، یہ مقام بھی بالکل نمایاں ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں انعام دیتا ہے۔

اپنی محبت بھی ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور اپنی محبت ان کے دلوں میں ڈالنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اطاعت آسان ہو جاتی ہے، اب آپ احکام شریعت پر عمل کرتے ہیں اگر آپ کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت نہیں تو یہ ضابطہ کی کاروائی ہوگی اور ضابطہ کے طور پر جب کوئی کام کیا جاتا ہے تو اس میں انسان تھک بھی جاتا ہے، جی بھی چراتا ہے، طبیعت میں لذت اور سرور محسوس نہیں ہوتا اور اگر اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت انسان کے قلب میں آ جائے تو پھر ان کے احکام ماننے میں انسان لطف محسوس کرتا ہے اور خلاف ورزی ناگوار گذرتی ہے بالکل اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جیسے ایک استاد سے آپ کو دلی تعلق نہیں اور وہ آپ کو خدمت کے لئے بلا لے تو بات اور ہوتی ہے اور جس کے ساتھ دلی تعلق ہے وہ اگر خدمت کے لئے بلالے تو دل کی کیفیت اور ہوتی ہے، کسی اجنبی کی خدمت کرنی پڑ جائے جس کے ساتھ آپ کو کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے تو وہاں قلب کی کیفیت اور ہوتی ہے اور اپنے والدین، استاد اور پیر کی خدمت کرنی پڑ جائے، گھنٹوں انسان لگا رہے تو دل کی کیفیت اور ہوتی ہے، ان دونوں باتوں کے درمیان فرق اسی وجہ سے ہے کہ ایک جگہ محبت ہے اور ایک جگہ محبت نہیں ہے تو جب محبت ہو جاتی ہے اور مخالفت کی طرف انسان کی طبیعت نہیں جاتی مخالفت مشکل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نیک انسان کے دل میں مخلوق کی ہمدردی اور محبت بھی ڈال دی جاتی ہے جس کی بناء پر مخلوق کی خدمت آسان ہوگئی، ان کے ساتھ مروت اور احسان آسان ہو گیا تو انسان مروت کرتا ہے، احسان کرتا ہے، اپنی رقم ان کے اوپر خرچ کرتا ہے، تو الٹا لطف محسوس کرتا ہے، اس کو کسی قسم کی گرانی نہیں ہوتی، اس کے نتیجہ میں دنیا میں نیکی کا راستہ آسان ہوتا چلا جاتا ہے اور آخرت میں جو محبوبیت کا مظاہرہ ہوگا کہ اللہ محبت کرے گا، فرشتے محبت کریں گے تو انسان کتنی عزت اور راحت محسوس کرے گا، یہ بہت بڑی بشارت ہے جو یہاں سنائی گئی کہ بے شک وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں رحمٰن ان کے لئے محبت قرار دے گا۔

آخری آیات کا مفہوم:۔

ہم نے اس قرآن کو آسان کر دیا آپ کی زبان میں یعنی آپ عربی ہیں اور آپ کے مخاطبین عربی ہیں تو پہلے مخاطبین کی رعایت رکھتے ہوئے اس کو نہایت اچھے انداز کے ساتھ اور ہر طرح سے کامل کر کے آپ کو دے دیا گیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ سے متقین کو بشارت دیں اور اس کے ذریعہ سے ان جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں، نبی کے یہ دونوں کام ہوتے ہیں انذار اور تبشیر، آگے پھر وعید پر اس سورۃ کو ختم کر دیا کہ ان سے پہلے کتنی ہی جماعتیں ہم نے ہلاک کر دیں، جیسے تفصیل پہلے آپ کے سامنے آچکی ہے اور اس طرح ہم نے ان کو بے نام ونشان کر دیا کہ کیا تو ان میں سے کسی کو محسوس کرتا ہے، ان میں سے تجھے کوئی نظر آتا ہے یا تو ان کے لئے کوئی آہٹ سنتا ہے یعنی ان کو بالکل بے نام ونشان کر کے رکھ دیا اس لیے ان لوگوں کو بھی چاہیے کہ اس تاریخ سے سبق حاصل کریں، اپنی قوت پر ناز نہ کریں، نہ اپنی کثرت پر ناز کریں، اگر یہ سیدھے نہیں ہوں گے تو ان کا بھی نام ونشان اسی طرح مٹا دیا جائے گا جس طرح پہلے لوگوں کا نام ونشان مٹا دیا گیا ہے۔

سُورَةُ

طٰهٰ

مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا ۱۳۵	۲۰ سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ ۴۵	رکوعاتھا ۸

سورۂ طٰہٰ مکہ میں نازل ہوئی، اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طٰهٰ ۞ ۱ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ

طٰہٰ ۱ نہیں اتارا ہم نے آپ پر قرآن تاکہ آپ مشقت میں پڑ جائیں ۲ مگر نصیحت ہے اس شخص کے لیے

یَّخْشٰى ۳ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۴ اَلرَّحْمٰنُ

جو ڈرتا ہو ۳ یہ نازل ہوا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور آسمانوں کو ۴ وہ بڑی رحمت

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۵ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ

والا ہے عرش پر مستوی ہے ۵ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے

وَ مَا بَیْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰى ۶ وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ

اور جو ان کے درمیان میں ہے اور جو تحت الثریٰ ہے ۶ اور اگر آپ جہر کریں بات میں تو بے شک وہ جانتا ہے

السِّرَّ وَ اَخْفٰى ۷ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۸ وَ هَلْ

پوشیدہ بات کو اور اس سے بھی مخفی بات کو ۷ اللہ کوئی معبود نہیں مگر وہی، اس کیلئے اچھے اچھے نام ہیں ۸ اور کیا

اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ۘ ۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ

آپ کے پاس آئی ہے موسیٰ علیہ السلام کی خبر ۹ جب انہوں نے دیکھا آگ کو تو کہا اپنے گھر والوں سے تم ٹھہرو میں

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۱۰

نے آگ دیکھی ہے شاید کہ میں لے آؤں تمہارے پاس اس میں ایک شعلہ یا میں پاؤں آگ پر راستہ بتانے والا ۱۰

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ

پس جب وہ آئے تو انہیں آواز دی گئی اے موسیٰ ﴿۱۱﴾ بے شک میں تیرا رب ہوں پس تو اتار دے اپنے جوتے بیشک

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾

آپ ایک مقدس وادی یعنی طویٰ میں ہو ﴿۱۲﴾ اور میں نے تجھے چن لیا ہے پس تو سن اس بات کو جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے ﴿۱۳﴾

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾

بیشک میں اللہ ہوں، نہیں کوئی معبود میرے علاوہ پس تو میری ہی عبادت کر اور قائم کر نماز میری یاد کیلیے ﴿۱۴﴾

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

بے شک قیامت آنے والی ہے قریب ہے کہ میں پوشیدہ رکھوں گا تا کہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو ان کاموں کا جو اس نے کیے ﴿۱۵﴾

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

پس آپ کو روک نہ دے اس سے وہ شخص جو اس پر ایمان نہ لائے اور اتباع کرے اپنی خواہشات کا ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے ﴿۱۶﴾

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا

اور کیا ہے یہ تیرے دائیں ہاتھ میں اے موسیٰ ﴿۱۷﴾ اس نے کہا یہ میری لاٹھی ہے میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر

وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا

اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر اور میرے لیے اس میں اور بھی منافع ہیں ﴿۱۸﴾ اللہ نے کہا تو

يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۫ وقفة

اس کو ڈال دے اے موسیٰ ﴿۱۹﴾ اس نے اس کو ڈال دیا تو وہ اچانک سانپ تھا دوڑتا ہوا ﴿۲۰﴾ اللہ نے کہا تو اس کو پکڑ لے اور خوف نہ کر

سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

ہم اس کو لوٹا دیں گے پہلی حالت پر ﴿۲۱﴾ اور ملا لے اپنے ہاتھ کو اپنے بغل کی طرف وہ نکلے گا روشن ہو کر

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾
بغیر کسی عیب کے یہ دوسری نشانی ہے﴿۲۲﴾ تاکہ ہم دکھائیں آپ کو بڑی نشانیوں میں سے کچھ﴿۲۳﴾
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾
توجا فرعون کی طرف بے شک اس نے سرکشی کی ہے﴿۲۴﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

سورۃ طٰہٰ مکہ میں نازل ہوئی اوراس کی ایک سو پینتیس آیتیں ہیں اور آٹھ رکوع ہیں، طٰہٰ یہ حروف مقطعات ہیں، اللّٰہ اعلم بمراد ہ بذلك، ان حروف سے جو اللہ کی مراد ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ،تشقٰی یہ شِقَی یشقٰی سے ہے شقاءً مصدر ہے مشقت میں پڑنا، محنت میں پڑنا، لِتَشْقٰٓى تاکہ تو مشقت میں پڑ جائے، نہیں نازل کیا ہم نے تجھ پر قرآن تاکہ تو مشقت میں پڑ جائے۔

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ: یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی لٰکِنْ اَنْزَلْنَا تذ کرۃً لمن یخشٰی لیکن ہم نے یہ قرآن اتارا اس شخص کے تذکرہ کے لئے جو ڈرتا ہے، اس کی یاد دہانی کے لئے، نصیحت کرنے کیلئے اس شخص کو جو کہ ڈرتا ہے، تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى، تَنْزِيْلًا یہ بھی اَنْزَلْنَا کا مفعول مطلق ہے اور مجہول کے طور پر ترجمہ کیا جائے گا، اتارا گیا یہ قرآن اتارا جانا، اس کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو، اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ، رحمٰن عرش پر مستوی ہے، وہ رحمٰن ہے عرش کے اوپر قرار پکڑے ہوئے ہے، لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے، ثریٰ کہتے ہیں گیلی مٹی کو، جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ: تَجْهَرْ کا خطاب عام مخاطب کو ہے، اے مخاطب! اگر تو بات کو بلند آواز سے کہے فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى پس بے شک وہ جانتا ہے سر اور اخفیٰ کو، کلام اصل میں یوں ہوگی، (مقابلۃً بعض الفاظ کو حذف کر دیا جاتا ہے)، کہ اے مخاطب! اگر تو جہر کرے بات کے ساتھ یا تو اس کو چھپائے وہ دونوں صورتوں میں

جانتا ہے کیونکہ وہ توسر اور اخفیٰ کو بھی جانتا ہے تو جہر کو کیسے نہیں جانے گا؟ جہر کا جاننا تو بدرجہ اولیٰ ہو گیا، سر چھپی ہوئی چیز اخفیٰ اور زیادہ پوشیدہ، یہ اسم تفضیل ہے، پوشیدہ اور پوشیدہ ترین، مخفی اور مخفی ترین چیزوں کو جانتا ہے، جب وہ مخفی چیزوں کو بھی جانتا ہے اور مخفی ترین چیزوں کو بھی جانتا ہے تو جہر کو تو بدرجہ اولیٰ جانے گا، اس طرح اس کا مفہوم تام ہو جائے گا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہ اللہ ہے اور کوئی معبود نہیں اس کے سوا، لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اس کے لئے اچھے اچھے نام ہیں اور وہ نام وہی ہیں جو اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں اس لیے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کے لئے اچھی اچھی صفتیں ہیں۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى: کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی بات آئی، کیا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی بات پہنچی......؟ جب کہ دیکھا تھا اس نے آگ کو فَقَالَ لِاَهْلِهِ پھر اس نے کہا اپنے اہل کو، اہل کا معنی گھر والے، امْكُثُوْٓا، یہ محاورہ ہے کہ خطاب ایک عورت کو بھی جمع کے صیغہ سے کرلیا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت کوئی خادم بھی ساتھ ہو، تم ٹھہرو اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا میں نے معلوم کی ہے آگ لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ قبس کہتے ہیں شعلہ کو، شاید کہ میں لے آؤں تمہارے پاس اس آگ سے کوئی شعلہ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى، یا پالوں میں آگ پر کوئی راہنمائی، مصدر کے طور پر ترجمہ یوں ہو گا اور اگر اس ھدی کو اسم فاعل کے معنی میں لیں تو ھادی ہو گا پھر ترجمہ یوں ہو گا یا پالوں میں اس آگ پر کوئی راستہ بتانے والا۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا: پھر جب آ گئے موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس نودی یاموسیٰ، آواز دیئے گئے اے موسیٰ! اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ بے شک میں تیرا رب ہوں فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ پس تو اپنے دونوں جوتے اتار دے اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى بے شک تو پاک وادی طویٰ میں ہے، طویٰ نام ہے اور بدل ہے الواد المقدس مبدل منہ ہے، بے شک تو پاک وادی طویٰ میں ہے، وَاَنَا اخْتَرْتُكَ اور میں نے تجھے پسند کرلیا، فَاسْتَمِعْ پس تو توجہ سے سن لِمَا يُوْحٰى ان باتوں کو جو وحی کی جاتی ہیں، اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ، بے شک میں اللہ ہوں کوئی معبود نہیں میرے سوا فَاعْبُدْنِيْ پس تو میری عبادت کر وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ اور مجھے یاد کرنے کے لئے نماز قائم کر، ذکری میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ: بے شک قیامت آنے والی ہے، اَكَادُ اُخْفِيْهَا قریب ہے کہ میں اس کو چھپائے رکھوں اکاد افعال مقاربہ میں سے ہے اور "بیان القرآن" میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کاد بمعنی ارادہ بھی کیا ہے تو اکاد "اُرِيْدُ"

کے معنی میں ہو جائے گا، وہ کہتے ہیں کہ عربی محاورہ میں اکاد ارید کے معنی میں بھی آتا ہے تو پھر اَکَادُ اُخْفِیْهَا کا معنی ہوگا کہ میں اس کو چھپائے رکھنا چاہتا ہوں لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ اس کا تعلق آتیۃ کے ساتھ ہے بے شک قیامت آنے والی ہے تا کہ بدلہ دیا جائے ہر نفس اپنی سعی کا، جو اس نے کی ہے، جو کوشش اس نے کی ہے اس کا بدلہ دیا جائے۔

فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا: پس ہرگز نہ روکے تجھے، عَنْهَا کی ضمیر ساعۃ کی طرف بھی جاسکتی ہے، اس قیامت سے تجھے کوئی نہ روکے یعنی قیامت کے متعلق تیاری کرنے سے نہ روکے وہ شخص جو اس قیامت پر ایمان نہیں لاتا، جو شخص اس قیامت پر ایمان نہیں لاتا وہ تجھے اس ساعۃ سے نہ روک دے یعنی اس ساعۃ کے متعلق تیاری کرنے سے نہ روک دے اور اگر عَنْهَا کی ضمیر کا مرجع صلوۃ کو بنالیا جائے تو بھی معنی صاف ہے، پیچھے دو باتوں کا ذکر آیا ہے کہ نماز کو قائم کر اور ساتھ یہ بھی یاد دہانی کرائی گئی کہ قیامت بھی آنے والی ہے، تجھے اس نماز سے نہ روک دے وہ شخص جس کا قیامت پر ایمان نہیں ہے، جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا وہ تجھے کہیں نماز سے نہ روک دے کیونکہ جس شخص کا قیامت پر ایمان ہوگا وہ تو نماز پابندی سے پڑھے گا پھر یہ مفہوم ہوگا اور یہ ترجمہ بھی اچھا ہے عام طور پر مفسرین نے عَنْهَا اور بِهَا کی ضمیریں قیامت کی طرف لوٹائی ہیں وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور اس نے اپنی خواہش کی اتباع کی ہے، وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے، فَتَرْدٰی، رَدِیَ یَرْدٰی ہلاک ہونا، پھر تو ہلاک ہو جائے گا یعنی اگر کسی کے روکنے سے تو رک گیا، قیامت کی تیاری سے رک گیا یا نماز سے رک گیا تو تو ہلاک ہو جائے گا۔

قَالَ خُذْهَا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو پکڑ لے وَلَا تَخَفْ اور کوئی خوف نہ کر، سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی عنقریب لوٹا دیں گے، ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر، سیرت سے حالت مراد ہے، وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ اور ملا تو اپنے ہاتھ کو اپنے پہلو کی طرف تَخْرُجْ بَیْضَآءَ نکلے گا وہ چمکتا ہوا سفید مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ بغیر کسی قسم کی بیماری کے اٰیَةً اُخْرٰی، اس کو تَخْرُجْ کی ضمیر سے حال واقع کر لیجئے نکلے گا وہ سفید چمکتا ہوا، اس حال میں کہ یہ ایک اور نشانی ہے، یا اس کو مفعول بنالیں فعل محذوف کا خذ آیۃ اخری یہ دوسری نشانی پکڑ تو لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی تا کہ دکھائیں تجھے اپنی آیات میں سے بڑی نشانی، اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ تو چل فرعون کی طرف اِنَّهٗ طَغٰی بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے، طَغٰی طغیان سے ہے بے شک وہ طاغی اور سرکش ہو گیا ہے۔

سرورِ کائنات ﷺ کو تسلی اور نزول قرآن کا مقصد:۔

پہلے آپ کے سامنے سورہ مریم گذری اس میں کثرت کے ساتھ انبیاء کے واقعات ذکر کیے گئے تھے اور سرور کائنات ﷺ کو اپنے مخالفین کے مقابلہ میں صبر اور استقامت کی تلقین کی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں اور خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں توحید کی وضاحت کی گئی تھی یہ سورۃ جو آپ کے سامنے آرہی ہے اس کا زیادہ تر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر مشتمل ہے، ولادت سے لے کر آخر تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات مختصر طور پر اس سورۃ میں ذکر کیے گئے ہیں، سب سے پہلے توحید کا ذکر ہے سرور کائنات ﷺ چونکہ اس مسئلہ کو بیان کرتے تھے اور اس مسئلہ میں کشاکشی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور آپ کو غم اور صدمہ بھی تھا کہ یہ مشرکین مانتے کیوں نہیں، قرآن کریم میں جگہ بجگہ آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اتنا غم نہ کریں، آپ اس طرح ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں گویا کہ آپ تو ان کے پیچھے گھل گھل کے جان ہی دے دیں گے حضور ﷺ کو یہ فکر جو لگ گئی تھی اور آپ ﷺ اس کے لئے دن رات محنت کرتے تھے اور پھر قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے، رات کو قیام فرماتے اور اتنا قیام فرماتے کہ پاؤں پر ورم آجاتا مشرکین دیکھ کر کہتے تھے کہ قرآن اس پر کیا اترا، یہ تو مصیبت میں پڑ گیا ہے، اس کو کسی وقت چین ہی نہیں ہے اور پہلے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی تہجد فرض تھی تو پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کو تلقین کی ہے کہ آپ ﷺ اتنی محنت نہ کریں اور نہ آپ اتنے غم میں پڑیں، یہ قرآن کریم آپ ﷺ پر اس لیے نہیں اتارا گیا کہ آپ اتنی مشقت اٹھائیں جتنی مشقت میں آپ ﷺ پڑ گئے ہیں، اس کا مقصد تو ڈرنے والوں کے لئے تذکرہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرے اسے یاددہانی کراؤ، جو اپنے انجام کی فکر کر کے وہ اپنے آپ کو سدھارے اور جس کے دل میں خوف ہی نہیں ہے، خشیت ہی نہیں ہے، اس کو انجام کی فکر ہی نہیں وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا جیسے ابتداء ابتداء میں آیا تھا ھدی للمتقین یہ تو ڈرنے والوں کے لئے راہنمائی کرتا ہے اور اگر خوف وخشیت نہیں اور انجام کی فکر نہیں تو وہ شخص قرآن کریم کی راہنمائی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

عظمت قرآن صفات الٰہی کے ضمن میں:۔

قرآن کریم کی عظمت کو ظاہر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ اس کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے زمین کو

پیدا کیا اور آسمانوں کو پیدا کیا جو کہ بلند ہیں، اس سے اس کی عظمت نمایاں ہے اور یہ بھی عظمت کی بات ہی ہے کہ قرآن کریم کو اتارنے والا رحمٰن ہے تو قرآن کریم کا اترنا اس کی رحمت کا مظہر ہے، یہ قرآن کریم کا اترنا مشقت میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ظہور ہے، اس لیے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور قرآن کریم کے ذریعہ سے ہوا ہے اور پھر وہ رحمٰن عرش کے اوپر قرار پکڑے ہوئے ہے اس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ اعراف میں گذری تھی کہ عرش پر استویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کو پیدا کرنے کے بعد فارغ ہو کے ایک طرف ہو کے نہیں بیٹھ گیا کہ زمین اور آسمان کو پیدا کر دیا مخلوق تو اللہ تعالیٰ نے بنا دی اور اس کے اوپر حکومت کسی اور کی ہو جائے، ایسی بات نہیں ہے، اس کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اس کائنات میں تخت نشین بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، کوئی دوسرا تخت نشین نہیں، تخت نشین ہونا یہ صاحب اقتدار اور صاحب حکومت ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس کائنات میں تخت نشین اللہ ہی ہے، تخت نشین اور بادشاہ وہی ہے تو اس کا فرمان قرآن کریم کی شکل میں آیا، اس کو نہ ماننا، گویا کہ کائنات کے بادشاہ کے خلاف بغاوت ہے، ایک ملک میں رہتے ہوئے اگر آپ بغاوت کریں تو بچنے کی کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے، چھپ جاؤ، بادشاہ کے ہاتھ میں نہ آؤ یا جس طرح باغی لوگ ملک کی حدود سے نکل کر دوسرے ملکوں میں چلے جاتے ہیں اور اس حکومت کے بس سے باہر ہو جاتے ہیں لیکن یہ بادشاہ تو ایسا ہے جس کی بادشاہت سارے زمین و آسمان میں ہے، اس کا باغی نکل کے جا نہیں سکتا اور نہ وہ کہیں چھپ سکتا ہے اس لیے آگے احاطہ کو ذکر کیا ہے، اس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان میں اور جو کچھ گیلی مٹی میں کے نیچے ہے، سب میں ملکیت اسی کی ہے، دوسرا کوئی مالک نہیں ہے، حاکم وہی ہے، کوئی دوسرا حاکم نہیں، خالق وہی ہے کوئی دوسرا خالق نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کایا انہی آیات سے پلٹی تھی:۔

اور آپ کو یاد ہوگا یہی وہ آیات ہیں جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کایا پلٹ دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے جذبہ سے گھر سے نکلے تھے، تو راستہ میں کوئی اور مل گیا تھا اور اس نے پوچھا تھا کہ عمر کہاں جا رہے ہو......؟ تو آپ نے کہا کہ میں روز روز کا جھگڑا ختم کرنا چاہتا ہوں، جس نے برادری میں تفریق ڈال دی، جس نے ہمارے آباء کے مذہب کو بدل کے رکھ دیا، آج میں اس کا خاتمہ کر دوں گا، اس کو قتل کرنے کی نیت سے

جا رہا ہوں انہوں نے کہا آپ کس خیال میں پڑے ہوئے ہیں پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو آپ کی بہن اور بہنوئی دونوں ہی مسلمان ہو چکے ہیں، ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کو غصہ آیا تو یہ واپس چلے گئے، جب آپ واپس گئے تو ان کی بہن اور بہنوئی بیٹھے قرآن کریم ہی پڑھ رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کے انہوں نے وہ اوراق چھپا لیے، اب حضرت عمر نے بہن کو پیٹا، بہنوئی کو پیٹا لیکن کسی طرح بھی وہ نہیں مانے اور باز نہیں آئے، تو پھر ان کا دل نرم ہوا اور پوچھنے لگے کہ تم کیا پڑھ رہے تھے تو بہن نے کہا تو ناپاک ہے اور وہ چیز پاک ہے ہم وہ تیرے ہاتھ میں نہیں دے سکتے پہلے غسل کرو، صفائی حاصل کرو اس کے بعد دیں گے تو انہوں نے طہارت حاصل کی تو بعد میں جو اوراق ان کے ہاتھ میں دیئے گئے ان میں یہی آیات لکھی ہوئی تھیں تو انہی کو پڑھ کے حضرت عمر کا دل دماغ بدل گیا اور وہ صحابی جو ان کو پڑھانے کے لئے بیٹھے تھے اور حضرت عمر کو آتا دیکھ کر چھپ گئے تھے وہ ظاہر ہو گئے تو انہوں نے حضرت عمر کو بشارت دی کہ حضور ﷺ نے کل ہی دعا فرمائی تھی اللھم اعزّ الاسلام بعمرو بن ھشام او بعمر بن الخطاب ①، عمرو بن ہشام، یہ ابو جہل کا نام ہے، حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دو میں سے ایک مانگا ہے کہ یا اللہ اسلام کو قوت پہنچا یا عمرو بن ہشام کو اسلام کی توفیق دے کر یا عمر بن خطاب کو اسلام کی توفیق دے، وہ دعا تیرے حق میں قبول ہوگئی، اسی وقت جا کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے، یہی آیات تھیں جس میں شرک کی جڑ بایں انداز کاٹ دی گئی کہ اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں، اللہ کے علاوہ کوئی حاکم نہیں، اللہ کے علاوہ کوئی مالک نہیں اور اللہ کی قدرت اور اس کا علم بہت تام ہے، تو جب اس میں اس قسم کی صفتیں جمع ہیں اور بھی بے شمار صفتیں جمع ہیں تو اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک کس طرح ہو سکتا ہے اور ایسے حاکم اعلیٰ، مالک حقیقی اور خالق حقیقی کی طرف سے یہ کلام آیا ہوا ہے، تو اس کی عظمت کا احساس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہو گیا اور ساری زندگی کا کفر و شرک کٹ گیا۔

اللہ کے علم کا احاطہ اور صفات الٰہیہ کا مقتضیٰ:۔

آگے علم کا احاطہ آ گیا کہ تم جو کچھ زبان سے بول دو وہ تو اللہ جانتا ہی ہے کیونکہ وہ تو سر اور اخفی کو بھی جانتا

① مشکوٰۃ ص۵۵۷ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ / ترمذی ج۲ ص۲۰۹ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ / فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل ج۱ ص۳۴۹ / مسند احمد ج۱ ص۲۴۴ / مسند البزار ج۱۲ ص۱۹۴ / صحیح ابن حبان ج۱۵ ص۳۰۶ / المعجم الاوسط ج۵ ص۸۷ / المستدرک علی الصحیحین للحاکم ج۳ ص۸۹ / السنن الکبریٰ للبیہقی ج۶، ص۳۷۰، ۶۰۲

ہے، سر وہ ہے جو آپ کے دل میں خیال آیا اور آپ ابھی چھپائے بیٹھے ہیں اور اخفی یہ ہے کہ جو آنے والا خیال ہے جس کا ابھی تک آپ کو بھی پتہ نہیں یا یوں فرق کر لیں کہ جہر تو وہ ہے جس طرح اب میں بول رہا ہوں، سر وہ ہوتا ہے چپکے چپکے آپ نے زبان سے الفاظ ادا کریں، جو دوسرے کو پہنچتے نہیں ہیں لیکن آپ زبان سے ادا کرتے ہیں یہ سر ہے اور اخفی وہ ہے جو آپ کے دل میں خیال آ رہا ہے جو ابھی تک زبان پر بھی نہیں آیا تو جہر کرو، چپکے چپکے کہو دل میں چھپاؤ کوئی چیز چھپی نہیں رہتی سب کچھ اللہ جانتا ہے، اللہ کے علم کا احاطہ یہ ہے تو ان صفات کا تقاضہ یہ ہوا **لا الٰہ الا ھو** اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں، اس کی الوہیت میں کوئی شریک نہیں، اس کے لئے اچھی اچھی صفتیں ہیں اور یہ وہ صفتیں ہیں جو شرک کی جڑ کاٹ کے رکھ دیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اس طرح انسان کے ذہن میں آتی ہے کہ کسی دوسرے کو ساتھ شریک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کا مقصد:۔

آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سرور کائنات ﷺ کو جو سنایا جا رہا ہے تو یہ آپ کے حال کے بہت مطابق تھا، واقعہ کے ضمن میں گویا کہ ہدایات دی جا رہی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کن حالات میں وقت گزارا اور کیسی بڑی طاقت کے ساتھ آپ کی ٹکر ہوئی اور کس طرح ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے ساتھ شامل حال ہوئی، انہوں نے کیسے صبر و استقامت اختیار کیا تو آپ کو بھی چاہیے کہ آپ بھی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ صبر و تحمل سے کریں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور آخر کامیابی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوئی اور جو وقت کا بڑا فرعون تھا اس کی ہر تدبیر مقابلہ میں عاجز رہ گئی اسی طرح آپ کے مخالفین بھی ناکام ہوں گے، واقعہ کے ضمن میں گویا کہ یہ سبق پڑھایا جا رہا ہے، مثال اور واقعہ کے ساتھ کسی انسان کے ذہن میں حقیقت کا اتارنا آسان ہوتا ہے اور واقعہ کے ضمن میں بات اچھی طرح سمجھ میں آیا کرتی ہے، اس لیے جو اصول ذکر کیے ہیں بعد میں ان کو جب عملی نقشہ کے طور پر دکھایا جاتا ہے تو سمجھ اچھی طرح آ جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا واقعہ:۔

یہاں سے واقعہ شروع ہوا کہ کیا آپ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات آئی، یہ بھی گفتگو کا محاورہ ہے کہ

کیا آپ کو پتہ ہے، آپ نے دیکھا؟ آپ نے سنا؟ اس قسم کے لفظ کلام کی ابتداء میں آیا کرتے ہیں، واقعہ کا جو ابتدائی حصہ ہے، وہ بھی آگے آرہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت کیا حالات تھے بعد میں کن حالات کے تحت ان کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا، اس کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی اور یہ ملک چھوڑ کے مدین چلے گئے تھے، وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر ٹھہرے اور ان کی بیٹی سے شادی کی اور آٹھ سال یا دس سال ان کے ہاں بکریاں چراتے رہے اور جب وہ مدت پوری ہوگئی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپسی کا سوچا، اب مصر سے تو وہ بھاگے تھے اور ایک آدمی کو قتل کر کے بھاگے تھے۔ اب واپسی کا اس لیے سوچ رہے ہیں کہ اب اتنی مدت گذر گئی اور اب جا کے چپکے چپکے اپنی برادری میں شامل ہو جائیں، اپنی ماں اور دوسرے متعلقین کا حال دیکھیں! اتنے عرصہ کے بعد اگر کوئی انسان مخفی طور پر حالات وغیرہ معلوم کرنے کے لئے چلا جائے تو ضروری نہیں ہوتا کہ کسی کی گرفت میں آجائے، اندریں حالات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے مصر کی طرف سفر کیا۔

موسم سرد تھا اور رات کی تاریکی میں راستہ بھول گئے اور ادھر سردی کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے، لاٹھی آپ کے ہاتھ میں ہوتی ہی تھی، بکریاں چرانے والے ویسے بھی آپ کو پتہ ہے کہ ڈنڈا ہاتھ میں رکھا ہی کرتے ہیں! لیکن ہاتھ کے اندر لاٹھی کا رکھنا یہ انبیاء کی سنت نقل کی ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک جگہ صراحت فرمائی ہے کہ انبیاء ہاتھ میں لاٹھی رکھا کرتے اور آپ ﷺ کی لاٹھی کا ذکر بھی حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے، تو چلتے ہوئے عام طور پر ڈنڈا ہاتھ میں رکھنا، لاٹھی ہاتھ میں رکھنا یہ انبیاء کی سنت ہے اور آپ نے اکابر علماء کو دیکھا ہوگا وہ بھی اکثر و بیشتر لاٹھی ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں اور اس میں فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مسلمان کم از کم ادنیٰ سا مسلح رہے اور کوئی نقصان پہنچانے والی چیز سامنے آجائے تو اس کا مقابلہ تو کر سکے، ڈنڈے میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ اس کا ہر چیز پر رعب پڑتا ہے، انسان اگر خالی ہاتھ ہو تو کتی کا بچہ بھی اگر سامنے آجائے تو وہ بھی چھیڑنے کی جرات کرتا ہے اور اگر ڈنڈا ہاتھ میں آجائے تو اس کا باپ بھی ڈر جاتا ہے، یہ ڈنڈے کی خاصیت ہے اور انبیاء کی سنت بھی اسی طرح ہے، رات کو راستہ بھول گئے، سردی کی تکلیف تھی تو "طور" کے اوپر اس طرح چمک معلوم ہوئی جس طرح آگ جل رہی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پڑ گئی، گھر والوں سے کہا کہ تم تو یہاں ٹھہرو! اور میں وہاں جاتا ہوں یا تو وہاں سے آگ لاؤں گا اور یہاں آگ جلائیں گے

سردی کا علاج ہوجائے گا اور عادت بھی یہی ہے کہ جہاں آگ جل رہی ہے وہاں کوئی آدمی بھی ضرور ہوگا، تو میں اس سے راستہ بھی پوچھ لوں گا، راہنمائی حاصل ہوجائے گی اس طرح اپنے گھر والوں کو کہہ کے وہ طور کی طرف چلے گئے۔

جب وہ اس درخت کے قریب پہنچے تو جا کے عجیب نظارہ دیکھتے ہیں کہ آگ جل رہی ہے اور درخت بالکل سرسبز ہے اور جیسے جیسے آگ جوش مارتی ہے درخت اور زیادہ سرسبز ہوتا جا رہا ہے، آگ کا اثر درخت پر نہیں ہو رہا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس درخت سے آواز آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے عقیدہ کی تلقین کی، آخرت کے عقیدہ کی تلقین کی اور خود ان کے لئے، رسالت کا تذکرہ کیا کہ میں نے تجھے چن لیا اور میں تجھے جو کلام پہنچا رہا ہوں اس کو توجہ کے ساتھ سنو، توحید، رسالت اور معاد تینوں چیزیں اس میں آگئیں اور یہی بنیادی عقیدے ہیں جو انبیاء کو دیئے جاتے ہیں اور انبیاء آگے قوم کو پہنچاتے ہوتے ہیں اور پھر خصوصیت سے نماز کا ذکر کر دیا تو اس سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ نماز کتنی اہم چیز ہے کہ ان عقائد کے تذکرے کے ساتھ ساتھ نماز کا حکم دیا جا رہا ہے اور پھر محتاط کیا جا رہا ہے کہ دیکھنا کہیں وہ لوگ جو آخرت کے قائل نہیں ہیں، وہ تجھے نماز سے روک نہ دیں، جو خواہشات پر چلتے ہیں، آخرت کے قائل نہیں ہیں وہ تمہیں کہیں نماز سے روک نہ دیں، ان کے ساتھ مل کے، ان کے پاس بیٹھ کے متاثر نہیں ہونا اور نماز سے غفلت نہیں برتنی، یہ ساتھ تاکید آگئی اور عقیدوں پر پختگی کا ذکر کر دیا کہ جن کا خود آخرت میں یقین نہیں ہے کہیں وہ تمہیں آخرت کی تیاری سے غافل نہ کر دیں، یہ تو پہلے عقائد کی تلقین کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات:۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزے دیئے جا رہے ہیں، معجزات: دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مسلح کیا جا رہا ہے عام طور پر انبیاء کو معجزہ اس وقت دیا جاتا ہے کہ جب قوم سے جا کر مخاطب ہوتے ہیں اور قوم سے مخاطب ہونے کے بعد قوم کوئی نشانی مانگتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ ظاہر کیا جاتا ہے لیکن یہاں قوم کے سامنے تو ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے ہی نہیں اور ان کو پہلے مسلح کیا جا رہا ہے کیونکہ جس کی طرف ان کو بھیجا جا رہا تھا وہ انتہائی درجہ کا سرکش ہے تو ایسا تھا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جاتے اور اس کے سامنے اگر کوئی مرعوب کن بات نہ ہوتی تو ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دست درازی کرتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں جانے سے پہلے ہی اتنے عظیم معجزے دیئے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان پر اتنا اعتماد دلا دیا گیا کہ جس طرح فرعون کو اپنی فوجوں پر اعتماد ہے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے

معجزات دے کر خود اعتمادی پیدا کر دی کہ ان معجزات کو لو اور دشمن کے مقابلہ میں چلے جاؤ، اب ایک طرف روحانیت ہے اور ایک طرف مادیت ہے کہ ساری فرعون کی فوجیں اور اس کی حکومت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ کے دیئے ہوئے ہتھیار ہیں کہ یہ لے کر جاؤ اور دشمن کے مقابلہ میں جب جاؤ گے تو ان شاء اللہ ہر جگہ کامیاب ہو گے۔

پہلے متوجہ کیا کہ یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے......؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، متوجہ اس لیے کیا کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے کلام ہو رہی تھی اور آپ جانتے ہیں کہ جب یہ صورت پیش آئی ہوئی ہوگی تو موسیٰ علیہ السلام اپنے آپ سے بھی غافل تھے، انسان کی کسی دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہوتی، اگر ہاتھ میں پکڑے پکڑے ویسے ہی وہ سانپ بن جاتا تو موسیٰ علیہ السلام کو خیال ہوتا کہ شاید رات کے اندھیرے میں، میں نے پہلے ہی کوئی غلط چیز پکڑ رکھی تھی، اس لیے پہلے متوجہ کیا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے......؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام متوجہ ہو گئے کہ یہ لاٹھی ہے، میں اس پر سہارا لیتا ہوں جس طرح آدمی چلتا ہوا لاٹھی پر سہارا لے کر چلتا ہے یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا جو نقشہ ذکر کیا گیا ہے وہ اس طرح نہیں ہے، جس طرح ہمارے ہاتھ میں کھونٹی ہوتی ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لاٹھی کا ذکر تو ایسے ہی ہے کہ وہ اوپر سے مڑی ہوئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو لاٹھی ذکر کی گئی ہے اس میں کیفیت اور ہے، نیچے سے لمبا ڈنڈا اور اوپر سے دو شاخیں ہوتی تھیں، تو جب بکریاں چراتے تھے اس وقت اس کو بغل میں دے کر اس پر سہارا لے کر کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ ایک اچھا خاصہ سہارا بن جاتا ہے اور کھڑے ہونے میں سہولت ہو جاتی ہے اور جہاں کہیں درخت کھڑا ہوا اور بکریاں وہاں تک منہ نہ لے جاسکیں تو اس لاٹھی کے ذریعہ سے پتے جھاڑتے تھے تاکہ بکریاں کھالیں اور اس کے علاوہ اور ضروریات جیسے سانپ کو مارنا ہو گیا، بچھو کو مارنا ہو گیا، سامان کندھے پر رکھ کے لاٹھی کے ساتھ سامان اٹھا لیتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساری تقریر کر دی جس سے اس لاٹھی کی ذات اور صفات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگئیں اور کامل توجہ اس طرف ہو گئی پھر اللہ نے کہا کہ اب اسے پھینک دو، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھینکا تو پھینکتے ہی وہ سانپ بن گیا، بڑی تیزی سے حرکت کرنے لگ گیا اور بہت عظیم الجثہ ہو گیا، دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طبعی طور پر کچھ خوف سا طاری ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اب اسے پکڑو اور جب پکڑو گے تو ہم اسے پہلی صورت پر ہی لوٹا دیں گے۔

بعض آثار میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پکڑنے کے لئے کہا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہاتھ کے اوپر کپڑا لپیٹنے لگے کہ کپڑا لپیٹ کر اس کو پکڑتا ہوں، کہتے ہیں کہ فرشتوں نے کہا موسیٰ! اگر اللہ تعالیٰ بچانا نہ چاہے تو کیا یہ کپڑا تجھے بچائے گا......؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ بچا تو نہیں سکتا لیکن میں ایک ضعیف انسان ہوں اس لیے مجھے ظاہری اسباب کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔

فوائد عثمانی میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے یہ ایک طبعی کیفیت ہے کہ جب وہ سانپ تھا اور منہ کھولے ہوئے تھا، موسیٰ علیہ السلام کو جب پکڑنے کے لئے کہا گیا تو طبعی سی ہیبت طاری ہوئی اور جب فرشتوں کی طرف سے یہ گفتگو ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ اس کے منہ میں دیا اور منہ میں ہاتھ کا دینا ہی تھا کہ وہ بالکل لاٹھی بن گیا، یہ معجزہ دکھایا گیا۔

اور دوسرے معجزہ کے لئے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ کو پہلو میں لگاؤ اور جب پہلو میں لگا کر نکالا تو سفید چمکتا ہوا سورج کی طرح ہاتھ نکل آیا اور یہ کسی بیماری کے اثر سے نہیں تھا کیونکہ اگر بیماری کے اثر سے سفید ہو تو پھر وہ سفید ہی رہے اور جب دوبارہ یوں کرتے تو وہ صحیح کیفیت پر آجاتا تھا جس کو ''ید بیضاء'' کہا جاتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دو معجزے دیئے اور حکم دیا کہ اب تم فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ

موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب کھول دے میرے لیے میرا سینہ ﴿۲۵﴾ اور آسان کردے میرے لیے میرا کام ﴿۲۶﴾ اور کھول دے

عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿۲۸﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿۲۹﴾

گرہ میری زبان سے ﴿۲۷﴾ تا کہ وہ سمجھیں میری بات کو ﴿۲۸﴾ اور بنادے میرے لیے ایک وزیر میرے خاندان سے ﴿۲۹﴾

هَارُونَ أَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿۳۱﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿۳۲﴾

یعنی میرے بھائی ہارون کو ﴿۳۰﴾ مضبوط کردے اس کے ذریعہ میری قوت ﴿۳۱﴾ اور اس کو شریک کردے میرے کام میں ﴿۳۲﴾

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿۳۳﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿۳۴﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿۳۵﴾

تا کہ ہم تیری تسبیح بیان کریں کثرت سے ﴿۳۳﴾ اور ہم یاد کریں تجھے کثرت سے ﴿۳۴﴾ بیشک تو ہمیں دیکھنے والا ہے ﴿۳۵﴾

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً

اللہ نے کہا تحقیق تو دے دیا گیا اپنا سوال اے موسیٰ! ﴿۳۶﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا تجھ پر ایک اور

أُخْرَىٰ ﴿۳۷﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿۳۸﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي

مرتبہ بھی ﴿۳۷﴾ جب ہم نے وحی کی تیری ماں کی طرف جو وحی کی گئی ﴿۳۸﴾ یہ کہ تو ڈال دے اسے ایک صندوق میں

التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ

پھر تو ڈال دے اس کو سمندر میں پھر ڈال دے گا سمندر اسے کنارے پر۔ پکڑے گا اس کو

عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ

وہ شخص جو میرا دشمن ہے اور اس کا دشمن ہے اور میں نے ڈال دی تجھ پر محبت اپنی طرف سے تا کہ تو پرورش پائے میری

عَيْنِي ﴿۳۹﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن

نگرانی میں ﴿۳۹﴾ جب چلتی ہوئی آئی تیری بہن اور اس نے کہا کیا میں تمہاری راہنمائی نہ کروں اس پر

يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۬ؕ وَقَتَلْتَ

جو اس کی پرورش کرے پس ہم نے لوٹا دیا تجھے تیری ماں کی طرف تا کہ ٹھنڈی ہو جائیں اس کی آنکھیں اور وہ غمگین نہ ہو، اور تو نے قتل

نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ قف فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْۤ

کیا ایک نفس کو پھر ہم نے نجات دی تجھے غم سے اور ہم نے تجھے آزمائش میں ڈالا پس تو ٹھہرا رہا کئی سال

اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ

اہل مدین میں پھر تو آیا ایک خاص وقت پر اے موسیٰ! ﴿۴۰﴾ اور میں نے تجھے منتخب کرلیا

لِنَفْسِىْ ۚ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ۚ ﴿۴۲﴾

اپنے لیے ﴿۴۱﴾ جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ اور تم سستی نہ کرنا میری یاد میں ﴿۴۲﴾

اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚ ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ

تم جاؤ فرعون کی طرف بے شک اس نے سرکشی کی ہے ﴿۴۳﴾ پھر تم کہو اس سے نرم بات شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے

اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ

یا ڈر جائے ﴿۴۴﴾ انہوں نے کہا اے ہمارے رب! بیشک ہم خوف کرتے ہیں کہ وہ زیادتی کرے گا ہم پر یا وہ سرکشی کرے گا ﴿۴۵﴾ اللہ نے کہا

لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِىْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ

تم خوف مت کرو بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں ﴿۴۶﴾ پس تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو بیشک ہم تیرے رب کے

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ

کے قاصد ہیں پس تو بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور تو انہیں تکلیف نہ دے تحقیق ہم لائے ہیں تیرے پاس نشانی

مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ اِلَيْنَاۤ

اپنے رب کی طرف سے اور سلام ہو اس شخص پر جو اتباع کرے ہدایت کی ﴿۴۷﴾ بے شک وحی کی گئی ہے ہماری طرف

اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰى مَنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنۡ رَّبُّكُمَا يٰمُوۡسٰى ﴿۴۹﴾
کہ بے شک اس پر عذاب ہے جو جھٹلائے اور منہ موڑ لے ﴿۴۸﴾ فرعون نے کہا تمہارا رب کون ہے اے موسیٰ! ﴿۴۹﴾
قَالَ رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ
موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے عطاء کی ہر چیز کو اس کی پیدائش پھر اس کی رہنمائی کی ﴿۵۰﴾ فرعون نے کہا کیا حال ہے
الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ فِىۡ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىۡ
پہلی جماعتوں کا ﴿۵۱﴾ موسیٰ نے کہا اس کا علم میرے رب کے پاس ہے کتاب میں میرا رب نہ غلطی کرتا ہے
وَلَا يَنۡسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّسَلَكَ لَكُمۡ فِيۡهَا
اور نہ وہ بھولتا ہے ﴿۵۲﴾ وہی ذات ہے جس نے بنا دیا تمہارے لیے زمین کو فرش اور بنائے تمہارے لیے اس میں
سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ
راستے اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے ہم نے اس کے ساتھ جوڑے مختلف
شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوۡا وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَكُمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۵۴﴾
نباتات کے ﴿۵۳﴾ تم کھاؤ اور چراؤ اپنے جانوروں کو بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے ﴿۵۴﴾
مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ﴿۵۵﴾
اس سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اس میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے دوسری مرتبہ ﴿۵۵﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق

قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِىۡ صَدۡرِىۡ: موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! رَبِّ کی باء کے نیچے جو کسرہ ہے یہ یاء متکلم پر دلالت کرتا ہے، اے میرے رب! کھول دے میرے لیے میرا سینہ، سینہ کے کھولنے سے مراد یہ ہے کہ میرا

حوصلہ بڑھادے، میرا حوصلہ مضبوط کردے وَيَسِّرۡلِىۡٓ اَمۡرِىۡ اور میرے لیے کام آسان کردے، وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِىۡ اور کھول دے گانٹھ میری زبان سے، عقدۃ کہتے ہیں گانٹھ کو اور حَلَّ يَحُلُّ کھولنا، میری زبان سے گانٹھ کھول دے یعنی میری زبان میں جو رکاوٹ ہے بیان کرنے سے اس رکاوٹ کو دور کردے يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِىۡ، یہ وَاحۡلُلۡ کا جواب ہے، کہ کھول دے میری زبان سے گانٹھ کو کہ سمجھیں وہ لوگ میری بات، تا کہ وہ میری بات سمجھیں، وَاجۡعَلۡ لِّىۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِىۡ اور بنادے میرے لیے وزیر میرے اہل میں سے، میرے خاندان میں سے، وزر کا لفظ کئی مرتبہ قرآن کریم میں آتا ہے تو وزر بوجھ کو کہتے ہیں اور وزیر اسی سے فعیل کے وزن پر ہے اس کا لفظی معنی ہوتا ہے بوجھ اٹھانے والا تو وزیر کا مفہوم یہی ہے کہ جو صاحب سلطنت کا بوجھ اٹھاتا ہے اس کے ساتھ وہ معاون ہوتا ہے اور امور سلطنت کی ذمہ داری سنبھالتا ہے تو لفظی معنی اس کا بوجھ اٹھانے والا ہوتا ہے، هٰرُوۡنَ اَخِى، بنادے میرے لیے وزیر میرے اہل میں سے ہارون کو جو میرا بھائی ہے، اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِىۡ، ازر کمر کو بھی کہتے ہیں اور مطلق قوت کو بھی کہتے ہیں، مضبوط کردے اس کے ذریعہ سے میری کمر، یا یوں ترجمہ کرلیں کہ اس کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کردے، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، کمر کو مضبوط کرنے کا، مفہوم بھی یہی ہوتا ہے کہ قوی کردینا، مضبوط کردینا، مضبوط کردے اس کے ذریعہ سے میری کمر کو یا مستحکم کردے اس کے ذریعہ سے میری قوت کو، وَاَشۡرِكۡهُ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ، اور شریک کردے یعنی براہ راست نبوت دے کر اس کو اس تبلیغ کا ذمہ دار ٹھہرادے، كَىۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا تا کہ ہم تیری تسبیح بیان کریں بہت زیادہ وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا اور تجھے یاد کریں بہت زیادہ اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا، بے شک تو ہمیں دیکھنے والا ہے۔

قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى، مَسْئُوْل، سئول کے معنی میں ہے، تحقیق دے دیا گیا تو اے موسیٰ علیہ السلام! تیری مانگی ہوئی چیز، تو دے دیا گیا اپنی مانگی ہوئی چیز یعنی جو چیز تو نے مانگی ہے جو تیرا مسئول ہے وہ تجھے دے دیا گیا یعنی تیری دعا قبول ہوگئی، جو کچھ تو نے طلب کیا تجھے دے دیا گیا، وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰٓى، البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا تیرے اوپر ایک اور مرتبہ، مَنَّ يَمُنُّ احسان کرنا، اِذۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوۡحٰٓى، جب کہ وحی کی ہم نے تیری ماں کی طرف جو وحی کی جاتی ہے، اس کا لفظی معنی یہی ہے، مفہوم یوں ادا کرسکتے ہیں کہ جب ہم نے وحی کی تیری طرف وہ بات جواب تیری طرف وحی کی جاتی ہے، جو ہم اب تجھے بتارہے ہیں یہ بات ہم نے تیری

ماں کی طرف وحی کی۔

وہ وحی کیا تھی؟ اَنِ تفسیر یہ ہے اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ، قَذَفَ يَقْذِفُ پھینکنا، اقذفی واحد مؤنث مخاطب کا صیغہ ہے، تو ڈال دے اس موسیٰ کو تابوت میں تابوت سے صندوق مراد ہے، فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ پھر ڈال دے تو اس تابوت کو دریا میں، یم کا معنی ہے دریا اس سے دریاء نیل مراد ہے، فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ پھر دریا کو چاہیے کہ ڈال دے اس تابوت کو کنارہ پر یعنی ہم نے دریا کو بھی حکم دے دیا ہے وہ یونہی کرے گا، يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ پکڑے گا اس تابوت کو یا اس موسیٰ کو عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ، لہ کی ضمیر بالیقین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے، میرا دشمن اور اس کا دشمن، پکڑ لے گا اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن، اس کا مصداق فرعون ہے، میرا دشمن تو اس لیے کہ مقابلہ میں خدائی کا دعویٰ کیے بیٹھا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا دشمن اس لیے کہ وہ اسرائیل کا دشمن تھا اور موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے ہی تھے، وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ اور میں نے ڈال دی تیرے اوپر اپنی طرف سے محبت، مَحَبَّةً مصدر ہے محبوبیت کے معنی میں، میں نے تیرے اوپر اپنی جانب سے محبوبیت ڈال دی وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ، تا کہ تجھ سے محبت کی جائے اور تا کہ تیری پرورش کی جائے میری حفاظت میں۔

اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ: جب کہ چلتی تھی تیری بہن فَتَقُوْلُ پھر وہ کہتی تھی هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ کیا میں تمہاری راہنمائی کروں ایسے شخص پر جو کہ موسیٰ کی کفالت کرے، جو اس موسیٰ کو سنبھالے، فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ پھر ہم نے لوٹا دیا تجھے تیری ماں کی طرف، كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے، وَلَا تَحْزَنَ اور تا کہ وہ غم نہ کرے، وَقَتَلْتَ نَفْسًا اور تو نے قتل کیا ایک نفس کو فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ پھر ہم نے تجھے نجات دی غم سے وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا اور ہم نے تجھے آزمایا خوب آزمانا، آزمائشوں میں ڈالا خوب آزمائش میں ڈالنا، فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ، پھر ٹھہرا تو کئی سال مدین والوں میں، ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى پھر آ گیا تو اے موسیٰ ایک وقت مقدر پر، ایک مقدر پر جو میری طرف سے تجویز کیا ہوا تھا۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ: میں نے تجھے تیار کیا ہے، بنایا ہے، تربیت دی ہے اپنے لیے، میں تجھ سے اپنا ایک خاص کام لینا چاہتا ہوں، اصطنعتُ یہ صنع سے باب افتعال ہے اور ''صرف'' میں آپ نے قاعدہ پڑھا تھا کہ باب افتعال کی فاء میں اگر صاد، ضاد، طا، ظا آ جائے تو تاء افتعال طاء کے ساتھ بدل جاتی ہے، میں نے تجھے تیار کیا ہے

اپنے لیے، اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ جاتو اور تیرا بھائی، وَاَخُوْكَ کا عطف چونکہ اِذْهَبْ کے فاعل پر تھا اور ضمیر مستتر پر عطف بغیر اعادہ ضمیر کے نہیں ہوا کرتا اس لیے اَنْتَ کو ظاہر کر دیا گیا، یہ ضمیر منفصل بطور تاکید کے آئی ہے اور وَاَخُوْكَ کا عطف فاعل کے اوپر درست ہو گیا، جاتو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا، تم دونوں سستی نہ کرنا میری یاد میں۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ: تم دونوں جاؤ فرعون کی طرف اِنَّهٗ طَغٰى بے شک وہ فرعون بہت سرکش ہو گیا ہے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا پھر کہو تم دونوں اس کو نرم بات، قُوْلَا تثنیہ کا صیغہ ہے، کہو تم اس کو نرم بات لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرے اَوْ يَخْشٰى یا وہ ڈر ہی جائے، نصیحت حاصل کرے، بالکل ہی سدھر جائے یا اس کے دل میں کوئی خوف اور خشیت پیدا ہو جائے۔

قَالَا ان دونوں نے کہا رَبَّنَآ اے ہمارے پروردگار! اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى، بے شک ہم ڈرتے ہیں، ہمیں خوف و اندیشہ ہے کہ وہ زیادتی کر جائے گا، ہم پر وہ سرکش ہو جائے گا، مطلب یہ ہے کہ ہمیں دیکھے گا تو دیکھتے ہی جھپٹ پڑے گا، ہم تیری بات پہنچا ہی نہیں سکیں گے، جاتے ہی ہمیں قتل کر دے گا یا ہماری بات سننے کے بعد زیادہ سرکش ہو جائے گا، قَالَ لَا تَخَافَآ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں اندیشہ نہ کرو اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں اَسْمَعُ وَاَرٰى میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں، تمہاری اور تمہارے دشمن کی بات کو سنتا ہوں اور سب کے حال کو دیکھ رہا ہوں، فکر نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔

فَاْتِيٰهُ: یہ پھر امر کا صیغہ آ گیا، آؤ تم دونوں اس فرعون کے پاس فَقُوْلَآ پھر کہو تم دونوں اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ پس چھوڑ دے تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو یعنی بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزادی دے دے وَلَا تُعَذِّبْهُمْ اور انہیں عذاب نہ دے، قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تحقیق ہم لائے ہیں تیرے پاس دلیل تیرے رب کی طرف سے یعنی ہمارا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے، ہم اس بات پر تیرے رب کی طرف سے دلیل لائے ہیں وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اور سلامتی اس شخص پر ہے جو کہ ہدایت کی اتباع کرے، جو ہدایت کی اتباع کرے اس کے لیے سلامتی ہے یعنی دنیا و آخرت کے عذاب سے محفوظ رہ

جائے گا، اِنَّا قَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡنَاۤ بے شک ہماری طرف یہ بات وحی کی گئی ہے اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰی مَنۡ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی کہ بے شک عذاب اس شخص پر ہے جو کہ جھٹلائے اور پیٹھ پھیرے، جو حقیقت کو جھٹلاتا ہے اور حق بات کے قبول کرنے سے پیٹھ پھیرتا ہے عذاب اس شخص پر ہے۔

قَالَ فرعون نے کہا فَمَنۡ رَّبُّکُمَا یٰمُوۡسٰی، کون ہے تم دونوں کا رب اے موسیٰ! قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کا خلق دیا اور پھر راہنمائی کی، خلق سے بناوٹ مراد ہے، ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی یعنی جس چیز جیسا بنانا چاہا اس کو بنایا اور بنانے کے بعد اس کی راہنمائی کی، قَالَ فَمَا بَالُ الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰی، فرعون نے کہا کہ پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے......؟ بال کا معنیٰ حال، قرون قرن کی جمع، پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے......؟

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ ان کا علم میرے رب کے پاس ہے فِیۡ کِتٰبٍ ایک کتاب میں، اس کتاب سے لوح محفوظ یا ہر ایک کا اعمال نامہ مراد ہے، ان کا علم میرے رب کے پاس ہے ایک کتاب میں لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَلَا یَنۡسَی، نہ میرا رب غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے یعنی ہر چیز کا علم کما حقہ اللہ کے پاس محفوظ ہے، وہی جانتا ہے کہ پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے، کیا نہیں ہے......؟ مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا: یہ اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کلام پر اضافہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے کہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا وَّسَلَکَ لَکُمۡ فِیۡهَا سُبُلًا اور بنائے تمہارے لیے اس زمین کے اندر راستے، جاری کیے تمہارے لیے اس زمین میں راستے، سڑکیں بنادیں، وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اتارا اس نے آسمان سے پانی فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰی، پھر نکالا ہم نے اس پانی کے ذریعے سے نباتات کی مختلف قسموں کو، شتّٰی یہ ازواجاً کی صفت ہے، کُلُوۡا کھاؤ تم وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَکُمۡ البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے، مِنۡهَا خَلَقۡنٰکُمۡ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا وَفِیۡهَا نُعِیۡدُکُمۡ اور اسی زمین میں ہم تمہیں لوٹائیں گے وَمِنۡهَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی، اور اسی زمین سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

ماقبل سے ربط:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ شروع ہے اور یہ سب آیات اسی واقعہ پر ہی مشتمل ہیں، خاص طور پر اللہ تعالیٰ

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرتے ہوئے ان کو ذمہ دار ٹھہرایا جس طرح پچھلے رکوع کی آخری آیت ہے کہ تو فرعون کی طرف جا وہ بہت باغی ہے اور اسے جا کے سمجھا تو جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ میں پیغمبر بنا دیا گیا ہوں اور میرے ذمہ فرعون کو سمجھانے کا کام لگایا گیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ بہت بڑی ذمہ داری تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سونپی گئی، ویسے بھی نبوت کا بوجھ بہت ہے اور اتنی بڑی زبردست قوت کے ساتھ جا کے ٹکر لینی اور ان کو جا کے تبلیغ کرنی اور پھر بظاہر وہ فرعون ان کی قوم کو غلام بھی بنائے ہوئے تھا اور موسیٰ علیہ السلام ان کے گھر میں پلے بھی تھے، موسیٰ علیہ السلام کی پرورش بھی اسی نے کی تھی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قصور ہوگیا تھا جس کی بناء پر وہاں سے نکل بھاگے تھے گویا کہ فرعون کے سامنے ان کی حالت مجرمانہ تھی، اب ایسے شخص کے سامنے جانا ہے تو آپ اندازہ کیجئے کہ دل دماغ کے اوپر اس ذمہ داری کا کتنا بوجھ ہوگا......؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے دعا:۔

اللہ تعالیٰ نے جس وقت آپ کو نبوت کے منصب پر فائز کیا اور یہ بات ظاہر کردی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی یعنی اس کام سے انکار تو نہیں ہے، جب آپ کا حکم ہوگیا ہے تو جاؤں گا لیکن اس کے مناسب میرے ساتھ آپ کی مدد ہونی چاہیے، پہلی بات تو یہ کہی کہ میرا سینہ کھول دو، میرا حوصلہ فراخ کر دو تا کہ میں آنے والی مشکلات برداشت کرسکوں، میرے اس معاملہ میں آسانی پیدا کر دیجئے! کیونکہ کسی مشکل کام کو آسان کرنا یہ اللہ ہی کے بس کی بات ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب مہیا ہو جائیں تو مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتا ہے اور اگر اسباب مہیا نہ ہوں تو آسان سے آسان کام بھی مشکل ہو جاتا ہے، انبیاء ہر چیز میں اللہ کی طرف ہی رجوع کیا کرتے ہیں کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہی ہوتا ہے، اپنے عجز کا اظہار اللہ کے سامنے ہی کرتے ہیں اور پھر وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی بہت فصیح اللسان خطیب نہیں تھے، اور جب کسی کے سامنے جا کے تبلیغ کرنی ہے، اس کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرنا ہے تو اس کے لئے بڑی صاف زبان کی ضرورت ہے، زور بیان ہونا چاہیے، خوب اچھی طرح اپنے مدعا کو واضح کرسکیں، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ یا اللہ! میری زبان میں جو رکاوٹ ہے کہ میں بات کھل کر نہیں کرسکتا اس رکاوٹ کو دور کر دے، اسی جگہ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کچھ لکنت تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس

کے ازالہ کی دعا کی کہ میری زبان سے یہ رکاوٹ دور کردو لیکن یہ لکنت کا قصہ اسرائیل روایات سے ماخوذ ہے اور قرآن کریم میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں کہ جس کا مصداق یہ ہو کہ ان کی زبان میں لکنت تھی، عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ میں یہ بھی ہوسکتا ہے جیسے ہمارے مقررین بھی یہی دعا پڑھتے ہیں تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ چاہے لکنت نہ ہو پھر بھی زبان کے اندر بسا اوقات ایک بندش سی ہوتی ہے کہ انسان اپنی بات واضح طور پر نہیں کہہ سکتا جیسے الفاظ انسان بولنا چاہتا ہے بسا اوقات وہ زبان پر نہیں چڑھتے، بیان میں کچھ کمزوری ہوتی ہے تو اس کمزوری کے ازالہ کے لئے بھی یہ دعاء کی جاتی ہے اس لیے ضروری نہیں کہ لکنت ہی ہو، لکنت نہ بھی ہو لیکن بیان صاف ستھرا کرنے کے لئے ، روانگی کے لئے یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ مذکور ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وزیر یا نبی بنانے کے لئے درخواست کی تھی تو اس میں ایک وجہ یہ بیان کی تھی کہ لاینطلق لسانی میری زبان نہیں چلتی، اس کا مطلب یہی ہے کہ میں کوئی زور آور خطیب نہیں ہوں، مجھے تقریر کرنے کی عادت نہیں، کہیں کسی مجمع کے سامنے جا کے بولنے کا موقع نہیں ملا اور جب میں تقریر کرنا چاہوں گا تو میری زبان کما حقہ چلے گی نہیں اور ہارون کے متعلق کہا ھُوَ افصح منی لسانًا اس کی زبان بڑی صاف ہے، وہ تقریر بہت اچھی کرتے ہیں، اس کو بڑی فصاحت حاصل ہے اس لیے اس کو میرا معاون بنادو لیکن قرآن کریم کا سارا واقعہ پڑھنے کے بعد اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ہر مجمع میں، ہر موقع پر تقریر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہی کی ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام ساتھ معاون رہے ہیں یعنی قرآن کریم میں حضرت ہارون علیہ السلام کی تقریر کہیں نقل نہیں کی گئی کہ فرعون کے دربار میں کھڑے ہو کر ھارون نے یہ تقریر کی تھی، قرآن نے جہاں تقریر نقل کی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل کی ہے تو وہ ساتھ معاون بن گئے، وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ میری زبان سے عقد، کو دور کردو، گرہ کو کھول دو، رکاوٹ دور کردو تا کہ وہ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں مطلب یہ ہوا کہ آسان ہو، صاف ستھرا ہو اور جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اس کو اچھے انداز کے ساتھ کہہ سکوں اس بات کی مجھے توفیق دیجئے!

اور میرے لیے میرے اہل سے ایک وزیر بنادو، جو میرا بوجھ بٹانے والا ہوتا کہ جب ہم جائیں تو دونوں ہی جائیں، ایک دوسرے کی تائید سے قوت حاصل ہو جائے ویسے بھی آپ کہا کرتے ہیں کہ ایک ایک ہوتا ہے اور دو

گیارہ ہو جاتے ہیں، اتنی قوت کے سامنے جو جانا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ معاون چاہا، میری کمر اس کے ذریعہ سے مضبوط کر دے یا میری قوت کو مستحکم کر دے اور ان کو میرے امر میں شریک ٹھہرا دو یعنی ان کو بھی نبوت دے کر اس کا ذمہ دار ٹھہرا دو تا کہ ہم مل کے تیری تسبیح بیان کریں، یہ تسبیح بیان کرنا انفراداً بھی ہے جیسے خلوت میں بیٹھ کے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد وعظ بھی ہے کیونکہ انہوں نے جا کے جو وعظ کہنا تھی اور اللہ کی توحید پیش کرنی تھی تو اس میں دونوں باتیں ہی ہیں اللہ کے متعلق بیان کیا جائے کہ اس میں کوئی نقص نہیں ہے اور دوسرے نمبر پر کہا جائے کہ اس میں سب خوبیاں موجود ہیں تو یہ تسبیح تحمید وغیرہ تبلیغ میں بھی ہوتی ہے کہ اللہ کی تسبیح بیان کی جائے یعنی اس کو عیوب سے پاک قرار دیا جائے، اللہ کا ذکر کیا جائے یعنی اس کی عظمت کو بیان کیا جائے یہ وعظ و تبلیغ میں بھی ہوتا ہے، تا کہ ہم تیری تسبیح بہت بیان کریں اور تجھے بہت یاد کریں، بے شک تو ہمیں دیکھنے والا ہے، ہمارا حال تیرے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب:۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً جواب مل گیا کہ اے موسیٰ! تو نے جو کچھ مانگا ہے تجھے دے دیا گیا، تیری دعا قبول ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی پھر مزید مہربانی ظاہر کرنے کے لئے جیسے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کیونکہ اب آگے ان کو چونکہ بھیجنا تھا تو حوصلہ بڑھانے کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایک اور بھی احسان کر چکے ہیں، یاددہانی کرائی محض اپنی رحمت اور مہربانی کو ظاہر کرنے کے لئے کہ جب تو نے ابھی سوال بھی نہیں کیا تھا، تیری پیدائش کا موقع تھا تو دیکھ ہم نے تجھ پر کیسے احسان کیا تھا، تجھے دشمن سے کیسے بچایا؟ بلکہ دشمن کے گھر تیری پرورش کرائی اور کیسے کیسے نازک مواقع آئے جب ہم نے تجھے بچایا اور اپنی مدد تیرے ساتھ شامل رکھی اب بھی تو گھبرا مت جب تو جائے گا تو ہم تیرے ساتھ ہی ہوں گے، وہ ولادت کا واقعہ یاد دلا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور پرورش کا قصہ:۔

اس واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ فرعون کو کچھ آثار سے یہ معلوم ہو گیا تھا یا بعض لوگوں نے پیش گوئی کے طور پر اس کے سامنے ذکر کیا تھا کہ اسرائیلیوں میں کوئی بچہ پیدا ہوگا، جو تیرا تختہ الٹے گا تو فرعون نے اس خطرہ سے بچنے کے لئے یہ حکم دے دیا تھا کہ اسرائیلیوں کے گھر میں جو بچہ پیدا ہو اس کو قتل کر دو، قرآن کریم میں بار بار اس بات کو ذکر

کیا گیا ہے کہ وہ تمہارے بچوں کو قتل کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے، پہلے تو کہتے ہیں کہ ہر بچہ کو قتل کرتے تھے لیکن پھر یہ خیال آیا کہ یہ قوم تو ہماری غلام ہے اور ہم سارا کام انہی سے لیتے ہیں، کاشت کاری بھی کرتے ہیں ، باقی خدمات بھی سرانجام دیتے ہیں اگر اسی طرح یہ بچے قتل کرتے رہے تو پھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک سال کے بچے زندہ چھوڑ دیا کرو اور ایک سال کے قتل کر دیا کرو، تو کام کے لئے تو یہ بوڑھے مرجائیں گے، بچے ہوں گے نہیں تو پھر آگے ہمارا کام کس طرح چلے گا، یہ بات زیر بحث آ گئی تو پھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک سال کے بچے زندہ چھوڑ دیا کرو اور ایک سال کے بچے قتل کر دیا کرو، تو کام کے لئے آدمی بھی مہیا ہوتے رہیں گے اور ان کی قوت بھی بڑی نہیں ہوگی، قومی قوت بڑھے گی نہیں جس کی بناء پر یہ جمع ہو کر مقابلہ نہیں کر سکیں گے یوں تجویز ہوگئی، کہتے ہیں کہ حضرت ہارون کی ولادت اس سال ہوئی جو سال بچوں کے چھوڑنے کا تھا اس لیے وہ تو یوں بچ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس سال ہوئی جو سال بچوں کو قتل کرنے کا تھا تو بچوں کو قتل کرنے کے سال میں جب ولادت ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے پہلے ان کو چھپایا لیکن آخر کب تک چھپاتیں، اندیشہ تھا کہ ظاہر ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایک بات ڈالی، یہ وحی وہ ہے جو القاء فی القلب کے معنی میں ہے، اللہ نے دل میں بات ڈالی، دل میں ایک تجویز ڈالی اور انہوں نے اسی تجویز پر عمل شروع کر دیا کہ ایک تابوت بنا کر اس میں بچہ کو رکھ کر دریا میں ڈال دیں، دریا اس کو کسی کنارہ پر ڈال دے گا، کوئی اس کو اٹھائے گا تو مہربانی کرے گا، پتہ نہیں ہوگا کہ کس کا بچہ ہے تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ اسرائیلیوں کا ہے تو پکڑ کے پال لے گا اور اس طرح اس بچہ کی جان بچ جائے گی، یہ ساری تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ڈال دی یوں کر، ایسا کر تو دل میں خیال کے طور پر یہ بات آ گئی۔

انہوں نے ایسے ہی کیا کہ اس کو تابوت میں رکھا اور اس کو دریا میں ڈال دیا، دریا نے وہ تابوت خشکی تک پہنچا دیا اور خشکی تک پہنچنے کے بعد وہ تابوت فرعون کی بیوی کی نوکرانیوں کے ہاتھ میں آ گیا اور جب کھولا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفظ یوں ہوا کہ اس کے اوپر بہت محبوبیت ڈال دی گئی کہ جو دیکھتا وہی پیار کرتا اور اس کے دل میں اس کی محبت آ جاتی تو فرعون کی بیوی نے جب دیکھا تو اس کے دل میں بھی محبت آ گئی، وہ اس کو فرعون کے پاس لے گئی کہ اپنی اولاد نہیں ہے ہم اس بچہ کو لیتے ہیں، ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے، قرۃ عین لی ولك ، میرے لیے اور

تیرے لیے یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے فرعون نے بھی اجازت دے دی کہ اچھا رکھ لو، اس خیال سے کہ اول تو یقین ہی نہیں ہے کہ اسرائیلیوں میں سے ہو اور اگر یہ اسرائیلیوں میں سے ہی ہو تو جب ہمارے گھر میں پلے گا، ہمارا کھائے گا، ہم اس کی تربیت کریں گے، تو یہ ویسے ہو جائے گا جس طرح ہم ہیں، کوئی ضروری نہیں کہ اس کے جذبات بھی اسرائیلیوں والے ہوں، اس قسم کی مصلحت سوچ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھ لیا گیا۔

ادھر ماں کو دل میں خیال آیا کہ میں نے ڈال تو دیا ہے، پتہ نہیں کیا بنے گا تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو کہا کہ تو ذرا دریا کے کنارے کنارے چل اور دیکھتی رہنا کہ یہ تابوت کس طرف جاتا ہے تو تابوت پکڑا گیا فرعون کے محلات میں چلا گیا، بچہ کے ساتھ سب کو محبت ہو گئی، فیصلہ ہو گیا کہ اس کو رکھنا ہے، قتل نہیں کرنا تو اب فکر ہوئی کہ اس کو دودھ پلانے کے لئے عورتیں چاہیں، کوئی عورت ملے جو اس کو دودھ پلائے، اب بادشاہ کے لئے اس قسم کا انتظام کرنا کیا مشکل ہے، تو عورتیں اکٹھی کر لیں، جو عورت آتی ہے موسیٰ علیہ السلام کو پکڑتی ہے، موسیٰ علیہ السلام اس کے پستان کو منہ ہی نہیں لگاتے، سورہ قصص میں لفظ آئے گا وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ ① ہم نے دودھ پلانے والی عورتوں کو اس کے اوپر ممنوع ٹھہرا دیا، اس نے منہ نہیں لگایا، بہت پریشان اب محبت انتہائی درجہ کی ہو گئی اور بچہ کسی کا دودھ پیتا ہی نہیں ہے تو اتنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی چلتی پھرتی اسی مجمع میں پہنچ گئی تو یہ کہتی ہے کہ مجھے ایک عورت معلوم ہے اس کو بھی بلا کے دیکھ لو، شاید اس کا دودھ یہ پی لیں، اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں جو بات ڈالی تھی اس میں یہ وعدہ بھی تھا کہ ان شاء اللہ کسی وقت موسیٰ علیہ السلام تیرے پاس واپس آئے گا، ہم اس کو تیری طرف لوٹا دیں گے اور تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، اس کی بہن نے بات کی تو وہ تو چاہتے ہی تھے کہ کوئی عورت ملے، انہوں نے فوراً کہا کہ تو اس کو بھی بلاؤ شاید اسی کا دودھ پی لے، جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلا کر لائیں اور اس نے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا گویا کہ بچہ ماں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

اب وہ کہنے لگی کہ تو ہمارے پاس یہاں رہے گی اور تو اس کو دودھ پلایا کر، تو وہ کہنے لگی میں یہاں نہیں رہ سکتی میں تو اپنے گھر میں ہی رہوں گی، مجبوری کی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے سپرد کرنا پڑا اور ماں کی گود میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش شروع ہوئی لیکن فرعونیوں کے انتظام کے تحت، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

① پارہ نمبر ۲۰ سورۃ نمبر ۲۸ آیت نمبر ۱۲ ص ۳۴۹

کی پرورش اسی دشمن کے ہاتھ سے کروائی جو دشمن موسیٰ علیہ السلام کی خاطر پتہ نہیں کتنے ہزار بچوں کا قتل کر چکا تھا، یہ اللہ کی قدرت اور تدبیر ہے، جو اللہ کرنا چاہیے اس کے سامنے کوئی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں پیدا کی جا سکتی، انسان کی ساری تدبیریں رہ جاتی ہیں اور ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قبطی کے قتل کا واقعہ:۔

جب دودھ کا زمانہ ختم ہوا تو انہوں نے بچہ واپس لے لیا، فرعون کے گھر ہی ان کی پرورش شروع ہوگئی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ان کو نبی بنانے والے تھے اور نبی بہت فطرت صحیحہ پر ہوتا ہے اس لیے ان کی ہمدردیاں اسرائیلیوں کے ساتھ تھیں، جوان ہو گئے، جوان ہونے کے بعد ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں جا رہے تھے، وقت ایسا تھا کہ جس میں عام سڑکوں کے اوپر آبادی نہیں تھی جیسا کہ گرمیوں میں دوپہر کے وقت سنسان سا معاملہ ہو جاتا ہے، دیکھا کہ ایک اسرائیلی ہے اور ایک قبطی ہے اور یہ دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں، قبطی اسرائیلی کی پٹائی کر رہا ہے اور اسرائیلی ان کے غلام تھے، ان کا ان کے سامنے کیا زور اور قوت تھی، وہ اس سے کوئی کام لینا چاہتا تھا اسرائیلی آگے سے اڑ گیا تو اس نے مارنا شروع کر دیا، موسیٰ علیہ السلام پاس سے گذرے تو جس طرح ایک مظلوم آدمی کسی سے فریاد کیا کرتا ہے، اس نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی مجھے اس کے ظلم سے بچاؤ، موسیٰ علیہ السلام پہلے سے دیکھ رہے تھے کہ فرعونی کسی طرح اسرائیلیوں پر ظلم کر رہے ہیں، اگر چہ نمایاں نہیں تھے، رہتے فرعون کے گھر ہی تھے لیکن فطرت صحیح کے طور پر ظالم اور مظلوم میں فرق تو کرتے تھے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہوگا کہ اسے چھوڑ دے، کیوں اس کو مار رہے ہو؟ اور وہ حاکمانہ ذہن کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اکڑا تو موسیٰ علیہ السلام نے ایک مکا لگا دیا، ایک ہی مکا مارنا تھا کہ اس نے پانی بھی نہیں مانگا اور وہیں ڈھیر ہو گیا، اب موسیٰ علیہ السلام کو فکر ہوئی کہ یہ کیا ہوا، اب قتل کرنا تو مقصود نہیں تھا، اب وہ قبطی اگر چہ ظالم تھا اور وہ کافر تھے، محارب تھے جو کچھ بھی تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ان کے خلاف اعلان جنگ تو تھا نہیں اور پھر سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ یہ جو قبطی میرے ہاتھ سے مارا گیا ہے، کہیں اس کے انتقام میں قبطی اسرائیلیوں پر اور ظلم نہ شروع کر دیں فرقہ وارانہ جنگ چھڑ جائے گی اور نقصان اسرائیلیوں کا ہوگا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ کیا ہو گیا، لیکن اس کا پتہ کسی کو نہیں چلا، دیکھنے والا کوئی نہیں تھا سوائے اس اسرائیلی کے جو لڑ رہا تھا اور کسی اور تیسرے آدمی کو پتہ نہیں تھا کہ اس کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے۔

جب فرعون کو پتہ چلا کہ میری قوم کا ایک آدمی مارا گیا ہے، تو حکومت کی طرف سے تفتیش شروع ہوگئی کہ اس کے قاتل کو تلاش کرو، قاتل کی جستجو ہو رہی تھی لیکن کوئی ثبوت مہیا نہیں ہو رہا تھا، انہی دنوں میں پھر ایک واقعہ پیش آ گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر جا رہے ہیں اور دیکھا کہ وہی اسرائیلی ایک اور قبطی سے لڑ رہا ہے، اس نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اب موسیٰ علیہ السلام نے زبان سے تنبیہ تو اس اسرائیلی کو کر رہے ہیں کہ تو بڑا خراب ہے، ہر وقت تو لڑتا رہتا ہے، زبان سے اسرائیلی کی تنبیہ کر رہے تھے لیکن ہاتھ ڈال کے اس قبطی کو پکڑنے لگے لیکن وہ اسرائیلی بے وقوف ایسا نکلا کہ اس نے سمجھا کہ جب زبان سے ڈانٹ مجھے رہے ہیں تو شاید ہاتھ بھی مجھ پر اٹھا رہے ہیں تو وہ فوراً بول پڑا کہ اے موسیٰ علیہ السلام کیا مجھے بھی اس طرح قتل کرنے کا ارادہ ہے جیسے تو نے پہلے ایک قبطی مار دیا ہے، وہ آدمی کم عقل تھا اس نے ساری بات ظاہر کر دی، جب اس قبطی کے سامنے یہ بات آ گئی کہ پچھلا قبطی جو مرا ہے اس کا قاتل یہ ہے تو اس نے فوراً جا کے اطلاع دے دی کہ اس کا قاتل مل گیا اور فلاں شخص اس کا قاتل ہے۔

اب فرعون کے دربار میں مشورہ ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی لڑکا ہے جو آپ کی حکومت کے خلاف تحریک اٹھائے گا اور حکومت کا تختہ الٹ دے گا، فیصلہ ہو گیا کہ اس کو بھی قتل کر دیا جائے، جب یہ مشورہ ہو رہا تھا تو درمیان میں ایک آدمی ایسا تھا جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہمدرد تھا، وہ خفیہ طور پر آیا اور اس نے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ تیرے متعلق سرکاری دربار میں قتل کا مشورہ ہو رہا ہے اس لیے تجھے نصیحت کرتا ہوں تو یہاں سے نکل جا، حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے بھاگے، راستہ معلوم نہیں تھا مصر کی حدود سے نکل کر مدین پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین کے حالات:۔

مدین ایک شہر ہے اور وہاں جو قبیلہ آباد تھا اس کا نام بھی مدین ہی ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی اولاد میں سے تھے اس وقت وہاں حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، وہاں جاتے ہیں تو باہر ایک کنواں ہے، وہاں لوگ اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے آتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو لڑکیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بکریاں علیحدہ لئے کھڑی ہیں اور آگے پانی پلانے نہیں جاتیں تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑی ہو......؟ انہوں نے کہا کہ جب تک یہ سارے فارغ ہو کر نہیں چلے جائیں گے، اس وقت تک ہم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں، ایک تو وہاں جو ڈول تھا اس کو کھینچنا عورت کے بس کی بات نہیں تھی، دوسرا مردوں کے ساتھ تصادم بھی مشکل

ہوتا ہے، تو جب یہ چلے جائیں گے تو بچا ہوا پانی ہماری بکریاں پی لیں گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے، جا کے ڈول کھینچ کے پانی نکالا اور ان لڑکیوں کی بکریوں کو پلایا اور یہ لڑکیاں بکریاں لے کر اپنے گھر چلی گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طرف ہٹ کے سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ سے دعاء کی، بھوکے بھی تھے اور بظاہر کوئی یار اور مددگار بھی نہیں تھا کہ اے اللہ! جو خیر میری طرف نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں، اس طرح اللہ کے سامنے دعا کی، کہتے ہیں کہ جب یہ لڑکیاں بکریاں لے کر گھر گئیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے سوچا کہ آج یہ اتنی جلدی کیسے آگئیں؟ ان لڑکیوں نے سارا واقعہ ذکر دیا کہ اس طرح ایک مسافر آیا ہے اور اس نے ہم پر مہربانی کی، ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا اور وہ بہت طاقت ور تھا، وہ ڈول جو کئی آدمی مل کر کھینچتے تھے اس نے اکیلے ہی کھینچ لیا، لڑکیوں نے یہ واقعہ بیان کیا اور ساتھ ہی یہ درخواست کر دی کہ اے ابا جان! گھر میں کام کرنے کے لئے کسی آدمی کی ضرورت ہے، ہم گھر میں کام کرنے کے لئے اسی کو کیوں نہ رکھ لیں کیونکہ گھر میں جو مزدور کھا جائے اس میں دو صفتیں ہونی چاہیں ایک وہ امانت دار ہو دوسرا قوت والا ہو اور یہ دونوں صفتیں اس میں نمایاں ہیں، طاقت ور بھی ہے اور چہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑا شریف آدمی ہے، ہم گھر میں اسی کو رکھ لیں، حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک لڑکی کو بھیجا کو جاؤ جا کر اسے بلا کر لاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے، آپس میں معاملہ طے ہو گیا، جب انہوں نے حالات معلوم کر لیے کہ ایسے خاندان کا ہے، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے تو کفو بھی معلوم ہو گیا تو کہنے لگے میرا ارادہ یہ ہے کہ ان دونوں بچیوں میں سے ایک بچی کا نکاح میں تجھ سے کر دوں لیکن شرط یہ ہے کہ آٹھ سال تک یا دس سال تک میرے گھر میں کام کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منظور کر لیا، حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر شادی ہو گئی اور وہیں رہنا سہنا ہو گیا، بکریاں چرانے کی خدمت ان کے سپرد ہو گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال یا دس سال بکریاں چرائی ہیں۔

یہ سارا اللہ کی طرف سے احسان تھا کہ کیسا واقعہ پیش آیا، اللہ نے کس طرح ان کو مدین پہنچایا اور کس طرح حضرت شعیب علیہ السلام ان کے سرپرست بن گئے اور ان کی موجودگی میں کیسا ان کا وقت گزرا اور پھر ان کا واپس آنا جیسا کہ پہلے اشارہ گذرا ہے تو اللہ تعالیٰ نے وہ احسانات یہاں یاد دلائے ہیں کہ تو اب دعا کر رہا ہے اور میں تیری دعا کو قبول کر رہا ہوں اس سے پہلے بھی میں نے تجھ پر احسان کیا ہے اور وہ احسان یہی تربیت کا ہے جو واقعہ آگے نقل کیا جا رہا ہے۔

آیات کا مفہوم:۔

جب کہ وحی کی ہم نے تیری ماں کی طرف جو وحی کی جاتی ہے یعنی اب وحی کی جاتی ہے یا ایسی بات جو وحی کی جانی چاہیے تھی، وحی کے لائق تھی کہ وہ ڈال دے اس کو تابوت میں اور پھر تابوت کو ڈال دے دریا میں پھر چاہیے کہ دریا اس کو ڈال دے کنارے پر، پکڑے گا اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن اور میں نے تیرے اوپر اپنی طرف سے محبوبیت ڈال دی تا کہ تو محبت کیا جائے اور تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے ہو، یاد کیجئے جب کہ تیری بہن چلی جا رہی تھی اور وہ کہتی تھی یعنی ان فرعونیوں کو کہ کیا میں تمہاری راہنمائی کروں ایسے شخص پر جو اس کی کفالت کرے، چنانچہ اس مشورہ کے بعد ہم نے تجھے لوٹا دیا تیری ماں کی طرف تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور وہ غم زدہ نہ ہو اور تو نے قتل کیا ایک نفس کو جس کے بعد تو پریشانی میں مبتلاء ہوا پھر ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور خوب آزمائش میں ڈالا، پھر کئی سال تک تو ٹھہرا رہا اہل مدین میں۔ پھر آ گیا تو ایک وقت مقدر پر اے موسیٰ علیہ السلام! تقدیری طور پر آ گیا اور طور پر پہنچ گیا، میں نے تجھے اپنے لیے تیار کیا ہے، جا تو اور تیرا بھائی میری آیات لے کر اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا، ہر جگہ میرا ذکر کرنا، وعظ، تبلیغ، اللہ کی یاد دہانی، اللہ کے احکام کی یاد دہانی یہ سب ذکر میں شامل ہے، تثنیہ کے صیغہ کے طور ذکر دیا گویا کہ ہارون علیہ السلام کو نبی بنا دیا گیا، جاؤ فرعون کی طرف وہ بڑا سرکش ہے۔

تبلیغ کا ایک بہت بڑا اصول اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو نصیحت:۔

لیکن آگے دیکھیے آپ حضرات کے لئے خصوصیت سے قابل توجہ بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام یہ دو پیغمبر ہیں اور وقت کے سب سے بڑے سرکش اور باغی کے مقابلہ میں جا رہے ہیں جو رب ہونے کا دعویٰ کئے بیٹھا ہے، جس کا نعرہ تھا انا ربکم الاعلیٰ، اس کے سامنے جا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کی جا رہی ہے فقولا لہ قولاً لیناً اس کے ساتھ بات نرم لب ولہجہ سے کرنا سخت زبان استعمال نہیں کرنی، اب آگے سے وہ کیسی ہی سرکشی کرے تم نے بات اس سے نرم لب ولہجہ سے کرنی ہے، اب فرعون وقت سے بھی بات کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا جا رہا ہے کہ کوئی سخت الفاظ نہیں استعمال کرنا جس سے خواہ مخواہ اس کو اشتعال آئے، نرم گفتگو کرنا ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرے، بالکل ہی سنبھل جائے ورنہ اس کے دل میں کچھ خوف وخشیت ہی پیدا ہو جائے، جب ان کو مکلّف کیا گیا اور جو یہ کچھ کہا جا رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے مصر پہنچنے کے بعد ہی کہا جا رہا ہے جب کہ دونوں بھائی اکٹھے ہو گئے۔

وہ دونوں کہنے لگا کہ یا اللہ! ہمیں تو اندیشہ ہے کہ ہم اس کے سامنے جائیں گے تو وہ فوراً ہی بھڑک پڑے گا اور ہم پر زیادتی کر گذرے گا، ہو سکتا ہے کہ ہم تیرا پیغام پہنچا ہی نہ سکیں یا ہماری بات سننے کے بعد وہ اور سرکشی میں آ جائے، ہمیں بھی تکلیف پہنچائے اور ہماری قوم کو بھی زیادہ تکلیف پہنچائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب خوف کرنے کی بات نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں اور جب اللہ تعالیٰ کی معیت ساتھ ہو تو پھر کیا چاہیے......!

غار ثور میں جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کچھ خوف و ہراس طاری ہوا تھا مشرکین مکہ کو دیکھ کر تو حضور ﷺ کی طرف سے بھی یونہی کہا گیا تھا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا① غم کرنے کی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، جب اللہ تعالیٰ کی معیت اپنے ساتھ ہوتی ہے تو پھر خوف کس بات کا ہے، اس لیے کہا ڈرو نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں، سن بھی رہا ہوں دیکھ بھی رہا ہوں، نہ کسی کی بات مجھ سے مخفی ہے اور نہ کسی کا حال مجھ سے مخفی ہے اور جاؤ کے جا کے اس کے سامنے یوں تبلیغ کرو......!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ:۔

پہلے اپنی رسالت کا ذکر کرنا کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں اور جیسے دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو توحید کی دعوت بھی دی گئی، اس کو نیکی کی دعوت بھی دی گئی لیکن ساتھ ساتھ اس مظلوم قوم کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا، جس کو وہ غلام بنائے بیٹھا تھا اور ان کو انتہائی ظلم و ستم کا سامنا تھا ان کی رہائی کا مطالبہ بھی کیا کہ ان کو چھوڑ دے، ہم ان کو لے کر جائیں یعنی ان کو غلامی سے آزاد کر دے اور انہیں تو عذاب میں مبتلاء نہ کر، باقی ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم تیرے رب کی طرف سے آئے ہیں، یہ بے دلیل نہیں ہے، ہم تیرے رب کی طرف سے واضح دلیل بھی لائے ہیں اور اس دلیل سے وہی معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے، جن کے ساتھ ان کو مسلح کر کے بھیجا تھا اور پھر آگے ذکر کر دیا کہ سلامتی اس پر ہے جو ہدایت کی اتباع کرے، جو صحیح راستے پر چلے یعنی اگر تو دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے اور سلامتی حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہدایت کا راستہ قبول کر اور آگے وضاحت سے کہہ دیا گیا کہ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ عذاب اسی شخص پر ہے جو جھٹلاتا ہے اور پیٹھ پھیرتا ہے، اب

① پارہ نمبر ۱۰ سورۃ نمبر ۹ آیت نمبر ۴۰ ص ۱۷۵

وہ فرعون تو اپنے آپ کو رب سمجھتا تھا، جب انہوں نے کہا ہم تیرے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں تو اس نے پوچھا کہ وہ رب کون ہے؟ مَنْ رَّبُّكُمَا تم دونوں کا رب کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو بناوٹ دی اور پھر ہدایت دی، اب یہ تو فرعون بھی جانتا تھا کہ یہ نباتات، یہ حیوانات اور دنیا کے سارے انسان ان کا خالق میں تو نہیں ہوں، یہ بات واضح تھی، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی، اور ضروریات پورا کرنے کے لئے ہدایت دی، جو چیز اللہ نے بنائی اس کے لئے اس کے مناسب ہدایت بھی رکھی یہ ایک بہت واضح دلیل تھی جس میں گویا کہ ساری کائنات کو فرعون کے سامنے پیش کر دیا گیا تو بتا تو سہی ان چیزوں میں سے کون کونسی چیز تیری بنائی ہوئی ہے اور کس کس چیز کو تو نے ہدایت دی ہے تو رب وہ ہے جو ساری کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور ان کی ضرورت کے مطابق ان کو ہدایت دینے والا ہے۔

اب فرعون نے بات کو الجھانا چاہا، وہ کہتا ہے کہ اچھا یہ بتاؤ جو جماعتیں پہلے گذری ہیں ان کا کیا حال ہے......؟ مطلب یہ تھا کہ اس کو پچھلی تاریخ میں الجھا دو جب یہ کہے گا سب بے ایمان تھے، سب کافر تھے، سب جہنم میں گئے تو ان لوگوں کو مشتعل کرنا آسان ہو جائے گا کہ دیکھو! تمہارے ماں باپ کو یوں کہتا ہے، اس طرح ان کو پچھلے واقعات میں الجھا دیا جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے بھی بڑے اچھے طریقہ سے نکل گئے، کہنے لگے مجھے ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا علم میرے رب کے پاس ہے، جو کچھ انہوں نے کیا ان کے سامنے آ جائے گا، نہ میرا رب کسی فیصلہ میں غلطی کرتا ہے اور نہ کسی کی بات کو بھولتا ہے، اس لیے میں کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کے لئے تیار نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا اور کیا ہوگا......؟ جو کچھ ہوگا وہ اللہ کے علم میں ہے۔

رب وہ ہے جو ان صفات کا حامل ہے:۔

اب آگے اللہ تعالیٰ نے اس کی کچھ وضاحت کر دی جس میں توحید کی وضاحت ہوگئی کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے لیے اس میں راستے جاری کیے، آسمان سے پانی اتارا، یہ سب انسان کے لئے انعامات ہیں اور اللہ کی قدرت کے مظاہر ہیں اور پھر اس پانی کے ذریعہ سے مختلف قسم کی نباتات پیدا کیں اور پھر اللہ نے تمہیں کہا کہ اس میں سے کھاؤ بھی اور اپنے جانوروں کو چراؤ بھی، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے، عقل والے اگر اس بات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ خالق اللہ، منعم اللہ، محسن اللہ ہے لہٰذا رب کہلانے کا بھی

وہی حقدار ہے، اس کے علاوہ دوسرا کوئی رب نہیں اس لیے فرعون یا اس جیسا کوئی دوسرا آدمی اگر ربوبیت کا دعویٰ کیے ہوئے ہے تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہے، رب تو وہ ہوتا ہے جو اس قسم کی ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے اور پھر اسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں ہم تمہیں دوبارہ لوٹائیں گے، مرنے کے بعد انسان جیسا کیسا بھی ہو لوٹ کر آخر زمین میں ہی آتا ہے اور دوبارہ یہیں سے ہم تمہیں اٹھائیں گے، اس میں معاد کا تذکرہ آ گیا۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا

البتہ تحقیق ہم نے دکھائیں اس فرعون کو اپنی ساری نشانیاں پس اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ﴿۵۶﴾ اس نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے تا کہ تو ہمیں نکال دے

مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

ہمارے علاقہ سے اپنے جادو کے ذریعہ سے اے موسیٰ! ﴿۵۷﴾ پس ہم آئیں گے تیرے مقابلہ میں اسی جیسے جادو کے ساتھ

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

پس تو مقرر کر لے اپنے درمیان اور ہمارے درمیان ایک وعدہ نہیں اس کی خلاف ورزی کریں گے ہم اور نہ تو ایک ہموار جگہ میں ﴿۵۸﴾

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى

موسیٰ نے کہا تمہارا وعدہ میلہ کا دن ہے اور یہ کہ جمع کیا جائے لوگوں کو چاشت کے وقت میں ﴿۵۹﴾ پس لوٹا

فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا

فرعون اور اس نے جمع کیا اپنی تدبیر کو پھر وہ آ گیا ﴿۶۰﴾ کہا ان کو موسیٰ نے ہلاکت ہو تمہارے لیے تم نہ گھڑو

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾

اللہ پر جھوٹ پس وہ تمہیں ختم کر دے گا عذاب کے ساتھ اور تحقیق ناکام ہوا وہ شخص جو جھوٹ گھڑتا ہے ﴿۶۱﴾

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ

پھر انہوں نے جھگڑا کیا اپنے معاملہ میں آپس میں اور انہوں نے چھپایا مشورہ کو ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا بیشک یہ دونوں

لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ

جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو کے ذریعہ سے اور ختم کر دیں تمہارے

الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ

عمدہ طریقہ کو ﴿۶۳﴾ پس تم جمع کرو اپنی تدبیر کو پھر آؤ تم صف بنا کر اور تحقیق کامیاب ہوگا آج کے دن وہی

اسْتَعْلٰی ﴿۶۴﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ

جو غالب ہو ﴿۶۴﴾ انہوں نے کہا اے موسیٰ! یا تم پہلے ڈالو یا ہو جائیں ہم پہلے

مَنْ اَلْقٰی ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ

ڈالنے والے ﴿۶۵﴾ موسیٰ نے کہا بلکہ ڈالو پس اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں خیال کی جاتی تھیں

اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ﴿۶۷﴾

ان کے جادو کی وجہ سے کہ وہ دوڑ رہی ہیں ﴿۶۶﴾ پس محسوس کیا موسیٰ نے اپنے دل میں تھوڑا سا خوف ﴿۶۷﴾

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا

ہم نے کہا تو خوف نہ کر بے شک آج تو ہی بلند رہے گا ﴿۶۸﴾ اور تو ڈال دے جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے وہ نگل جائے گا

صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾

اس سب کو جو انہوں نے بنایا ہے، بیشک جو کچھ انہوں نے بنایا ہے وہ جادوگروں والا مکر ہے اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جہاں کہیں بھی وہ آئے ﴿۶۹﴾

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی ﴿۷۰﴾ قَالَ

پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ میں اور انہوں نے کہا ہم ایمان لائے ہارون اور موسیٰ کے رب پر ﴿۷۰﴾ فرعون نے کہا

اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

تم ایمان لائے ہو موسیٰ پر قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا، بیشک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ

پس میں ضرور بالضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں خلاف سے اور میں تمہیں ضرور سولی دوں گا

جُذُوْعِ النَّخْلِ ؗ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰی ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ

کھجور کے تنوں پر اور تم ضرور جان لو گے کون زیادہ سخت ہے از روئے عذاب دینے کے اور کون زیادہ باقی رہنے والا ہے ﴿۷۱﴾ جادوگروں نے کہا

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ
ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے اس کے مقابلہ میں جو آئے ہیں ہمارے پاس واضح دلائل اور وہ ذات جس نے ہمیں پیدا کیا پس تو فیصلہ کر جو تو فیصلہ
قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا
کرنے والا ہے سوائے اس کے نہیں تو فیصلہ کرے گا اسی دنیاوی زندگی میں ﴿۷۲﴾ بیشک ہم ایمان لائے اپنے رب پر تا کہ وہ بخش دے
خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ
ہماری خطاؤں کو اور جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو پر اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے ﴿۷۳﴾ بیشک جو شخص
مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾
آئے گا اپنے رب کے پاس مجرم بن کر پس بیشک اس کے لئے جہنم ہے نہ اس میں مرے گا اور نہ جئے گا ﴿۷۴﴾
وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ
اور جو شخص آئے گا مومن ہو کر جس نے نیک عمل کئے ہوں گے پس یہی لوگ ہیں ان کے لئے بلند درجات
الْعُلٰى ۙ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
ہیں ﴿۷۵﴾ ہمیشگی کے باغات ہیں جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں
وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾
یہ جزاء ہے اس شخص کی جو پاک ہوا ﴿۷۶﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا۔ لَقَدْ تاکید کے لئے ہے، البتہ ضرور ہم نے دکھائیں اس کو اپنی ساری نشانیاں،
کُلَّھَا یہ آیات کی تاکید ہے، اور آیات جمع مؤنث سالم کا وزن ہونے کی وجہ سے مکسور پڑھا گیا ورنہ اصل کے اعتبار

سے منصوب ہے ارینا کا مفعول ہے اور کلھا کے اوپر اسی لیے فتح پڑھا گیا کہ یہ منصوب کی تاکید ہے، ہم نے اس کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں فَكَذَّبَ فرعون نے تکذیب کی وَاَبٰی اور ماننے سے انکار کردیا، ارینٰاہ کی ہٗ ضمیر بھی فرعون کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا: فرعون نے کہا کیا آیا ہے تو ہمارے پاس، جنت کا خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہے، کیا آیا ہے تو ہمارے پس تا کہ تو نکال دے ہمیں ہمارے علاقہ سے، ہماری زمین سے بِسِحْرِكَ اپنے جادو کے زور سے یا موسیٰ اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس آیا ہے تا کہ نکال دے تو ہمیں ہمارے علاقہ سے اپنے جادو کے زور سے، فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ پس ہم ضرور دلائیں گے تیرے پاس ایسا ہی جادو فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا، پس تو متعین کر ہمارے درمیان اور اپنے درمیان ایک وعدہ ہے، موعد مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے اور ظرف کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور ظرف زمان بھی ظرف مکان بھی، ہمارے درمیان اپنے درمیان ایک وعدہ متعین کرے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو مَكَانًا سُوًى کسی برابر میدان میں، مَكَانًا سُوًى کا مفہوم دو طرح سے ہے یا تو برابر میدان مراد ہے کہ وہ جگہ برابر ہو اس میں نشیب وفراز نہ ہو جس کو ہم چٹیل اور صاف میدان کہتے ہیں، کسی صاف میدان میں ہمارے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تو ہم سے کوئی وعدہ متعین کرلے، اس کے تو بھی خلاف نہ کرنا ہم بھی اس کے خلاف نہیں کریں گے یا مَكَانًا سُوًى کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی درمیان سی جگہ، برابری جگہ متعین کرلو، جہاں تمہارا پہنچنا بھی آسان ہو اور ہمارا پہنچنا بھی آسان ہو، دونوں طرح اس کا مفہوم ادا کیا گیا ہے۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ تمہارے وعدہ کا دن يَوْمُ الزِّيْنَةِ ہے، جشن کا دن ہے فرعونی کوئی میلہ منایا کرتے تھے تو يَوْمُ الزِّيْنَةِ سے وہی میلہ کا دن مراد ہے، تمہارے وعدہ کا وقت جشن کا دن ہے وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى اور یہ کہ جمع کیا جائے لوگوں کو چاشت کے وقت یعنی سورج جب اونچا ہو جائے، دن بھی متعین ہوگیا اور وقت بھی متعین ہوگیا، فَتَوَلّٰى فرعون نے پیٹھ پھیری یعنی پیٹھ پھیر کے چلا گیا فَجَمَعَ كَيْدَهٗ پھر اس نے اپنی تدبیر جمع کی ثُمَّ اَتٰى، پھر اپنی تدبیر جمع کر کے مقابلہ میں آ گیا، وہ تدبیر جادوگروں کو اکٹھا کرنا تھا۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى: موسیٰ علیہ السلام نے کہا ان جادوگروں کو، ہم ضمیر جادوگروں کی طرف لوٹ رہی ہے جو کہ کید کا مصداق ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے کہا وَيْلَكُمْ تمہاری خرابی، تمہارا ستیاناس ہو جائے لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

كَذِبًا اللہ کے اوپر جھوٹی بات نہ گڑھو یعنی میرے معجزہ کو جھوٹ بول کے جادو نہ کہنا یا اللہ کے ساتھ شریک قرار دے کر فرعون کو رب مان کر اللہ پر افتراء نہ کرو فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ پھر وہ ختم کردے گا تمہیں عذاب کے ساتھ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى تحقیق نامراد ہوا وہ شخص جس نے جھوٹ گھڑا، خاب نامراد ہونا یہ فاز کے مقابلہ میں آیا کرتا ہے فاز کامیاب ہونا جو جھوٹ گھڑے وہ نامراد ہوا۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ: پھر ان جادوگروں نے اپنے معاملہ میں جھگڑا کیا یعنی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کا معاملہ درپیش تھا اس میں تبادلۂ خیالات کیا، کوئی کچھ بولا کوئی کچھ بولا، انہوں نے آپس میں اپنے امر میں جھگڑا کیا، آپس میں بحث مباحثہ کیا وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى اور پوشیدہ کیا سرگوشی کو، چپکے چپکے مشورے کیے۔

قَالُوْٓا وہ کہنے لگے اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ، ساحران کے اوپر جو لام آیا ہوا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان نافیہ نہیں بلکہ مخفف ہے مثقل سے اصل میں تھا اِنَّ هٰذٰنِ اور اِنْ کے بعد هٰذٰنِ کی بجائے آپ کے نحوی قاعدہ کے مطابق هٰذَيْنِ ہونا چاہیے کیونکہ اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے لیکن یہاں مرفوع ہے، تو یہاں لکھا ہے کہ کلام عرب میں مثنّٰی کا اعراب بسا اوقات تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ بھی ہوتا ہے، اس لیے یہاں اِنْ هٰذٰنِ یہ اسی لغت کے اعتبار سے ہے، اس کی ایک ہی حالت ہے، رفعی حالت ہو تو بھی هٰذٰنِ ہوگا، نصبی حالت ہو تو بھی هٰذٰنِ ہی ہوگا، یہاں اعراب اس کے مطابق ہے، بے شک یہ دونوں البتہ جادوگر ہیں يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ ارادہ کرتے ہیں یہ دونوں کہ نکال دیں تمہیں مِّنْ اَرْضِكُمْ تمہارے علاقہ سے، تمہارے ملک سے بِسِحْرِهِمَا اپنے جادو کے زور سے، هٰذٰنِ کا اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف ہے، ارادہ کرتے ہیں کہ تمہیں نکال دیں تمہارے علاقہ سے اپنے جادو کے زور سے وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى، ذہب کا معنی جانا اور بطریقۃ میں جو باء آ گئی تعدیہ کی تو لے جانے کا معنی ہو گیا، اور لے جائیں تمہارے اچھے طریقہ کو مثلیٰ یہ اَمْثَلُ کی مؤنث ہے عمدہ اور بہترین یعنی تمہارا طور طریقہ، تمہارا طرز زندگی، تمہاری تہذیب، تمہارے تمدن کو برباد کرنا چاہتے ہیں فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ پس تم پختہ کرواپنی تدبیر ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا پھر آؤ قطاریں باندھ کر وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى تحقیق کامیاب ہو گیا آج وہ شخص جو غالب آ گیا، آج جو غالب آ گیا اصل کامیاب وہی ہے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰی جادوگروں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام! اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ یا تو ڈال، تُلْقِیَ کا مفعول محذوف ہے کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا ڈالا کرتے ہیں جو کہ سانپ بن جاتا ہے اور وہ بھی مقابلہ کرنے کے لئے اسی طرح لاٹھیاں اور رسیاں لے کر آئے تھے تو ڈالنے کا مفعول وہی ہے کہ کرتب دکھانے کے لئے چیز تو ڈالتا ہے یا ہم ڈالیں۔

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا: موسیٰ علیہ السلام نے کہا بلکہ تم ہی ڈالو، فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ، حبال حبل کی جمع ہے اور حبل رسی کو کہتے ہیں، عصی یہ عصا کی جمع ہے اور عصا لاٹھی کو کہتے ہیں، پس اچانک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں يُخَيَّلُ اِلَيْهِ موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ڈالی جاتی تھیں مِنْ سِحْرِهِمْ ان جادوگروں کے جادو کی وجہ سے اَنَّهَا تَسْعٰی کہ وہ بھاگ رہی ہیں، فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰی، چھپایا اپنے دل میں موسیٰ علیہ السلام نے خوف۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ: ہم نے کہا کہ خوف نہ کر اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی بے شک تو ہی غالب آنے والا ہے وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ ڈال تو اس چیز کو جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا نگل جائے گی یہ اس چیز کو جو انہوں نے بنائی ہے، جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اس کو یہ چیز نگل جائے گی جو تیرے ہاتھ میں ہے اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ، بے شک جو چیز انہوں نے بنائی ہے، یہ جادوگر کا مکر ہے، یہ جادوگر کی تدبیر ہے وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰی اور ساحر کامیاب نہیں ہوگا جہاں بھی آئے۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا: پس ڈال دیئے گئے جادوگر سجدہ میں قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی، کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے رب کے ساتھ، قَالَ فرعون نے کہا، اٰمَنْتُمْ لَهٗ تم ایمان لے آئے اس موسیٰ کے لئے قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں، اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ بے شک یہ موسیٰ تمہارا بڑا ہے الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ پس البتہ میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھوں کو وَاَرْجُلَكُمْ اور تمہارے پاؤں کو مِّنْ خِلَافٍ مختلف جانب سے یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اور البتہ ضرور سولی دوں گا میں تمہیں فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ کھجور کے تنوں پر، یہ فی بمعنی علیٰ ہے، وَلَتَعْلَمُنَّ اور ضرور جان لوگے تم اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی کہ ہم سے کون زیادہ سخت ہے از روئے عذاب کے اور کون

زیادہ باقی رہنے والا ہے، "اَیُّنَا" سے مراد یہ ہے کہ میں، یارب موسیٰ جس سے ڈر کے تم مان گئے ہو۔

قَالُوْا وہ جادوگر کہنے لگے لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا ہرگز نہیں ترجیح دیں گے ہم تجھے اس چیز پر جو آ گئی ہمارے پاس بینات سے، مِنَ الْبَيِّنٰتِ یہ ما کا بیان ہے، واضح دلائل ہمارے پاس آ گئے ہم اس پر تجھے ترجیح ہرگز نہیں دیں گے وَالَّذِيْ فَطَرَنَا، واؤ کو اگر عاطفہ بنائیں تو ماجاء نامن البینات والذی فطرنا، تو یہ علی کا مجرور ہے، ہرگز نہیں ترجیح دیں گے ہم تجھے ان دلائل پر جو ہمارے پاس آ گئے اور اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا یعنی اب ہم اللہ کے مقابلہ میں تجھے ترجیح دے دیں کہ تجھے مانیں اللہ کو نہ مانیں اب ایسا نہیں ہوگا، اور وَالَّذِيْ کے اندر واؤ قسمیہ بھی ہوسکتی ہے پھر معنی یہ ہوگا قسم اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز نہیں تجھے ترجیح دیں گے ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس آ گئے، فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ، قاض اصل میں قاضی تھا اور "ما" موصولہ ہے اس کی طرف جو ضمیر لوٹ رہی ہے، وہ محذوف ہے اصل عبارت ہے فاقض ماانت قاضیہ، کرگذر تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے تو جو کچھ کرنے والا ہے، کرگزر، اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو کرسکتا ہے اسی دنیاوی زندگی میں۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا: بے شک ہم ایمان لے آئے اپنے رب کے ساتھ، ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا، تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ، مِنَ السِّحْرِ یہ ما کا بیان ہے، اکرہ کا معنی ہوتا ہے کسی کو مجبور کرنا، اور بخش دے ہمیں وہ جادو کہ جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا، جس جادو پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا یہ بھی ہمارا جرم ہے جو تیرے مجبور کرنے پر ہم نے کیا ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ جرم بھی معاف کردے وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اللہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا بے شک بات یہ ہے کہ جو کوئی اپنے رب کے پاس آئے گا مجرم ہونے کی حالت میں فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ پس اس کے لئے جہنم ہے لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى نہ اس میں مرے گا اور نہ اس میں زندہ رہے گا یعنی اس کی زندگی بدتر ہوگی، نہ اس کو زندہ کہہ سکتے ہیں کہ زندوں والی راحت کوئی نہیں اور نہ اس کو مرا ہوا ہی کہہ سکتے ہیں کیونکہ حقیقت میں وہ بے جان نہیں ہے یعنی وہ زندگی تو ہوگی لیکن موت سے بدتر ہوگی۔

ابتداءً نجات کے لئے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی شرط ہیں:۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا: لقد اور جو اپنے رب کے پاس آئے گا مؤمن ہونے کی حالت میں قَدْ عَمِلَ

الصّٰلِحٰتِ جس نے نیک عمل بھی کیے ہوں گے فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى پس ان کے لئے بلند درجے ہیں، ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا لفظ جو آتا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آخرت میں نجات کے لئے صرف عقیدہ کافی نہیں بلکہ نیک اعمال بھی ضروری ہیں اور اگر کسی کا عقیدہ صحیح ہے اور نیک اعمال نہیں ہیں تو اس کے لئے نجات کا وعدہ نہیں، وہ عذاب میں مبتلاء ہوگا، سزا پائے گا اور پھر آخر کار اللہ تعالیٰ اس کو کہیں مدت مدید کے بعد معاف کر دیگا، اگر کوئی ابتداء نجات چاہتا ہے کہ میں عذاب میں مبتلاء نہ ہوں اور ابتداء سے بچ جاؤں تو پھر عمل صالح ساتھ شرط ہے باقی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی مہربانی کے ساتھ بغیر اس کے عمل کے معاف کر دے یہ اس کا کام ہے، یہ ضابطہ نہیں ہے، ضابطہ یہی ہے کہ ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نیک عمل کی پابندی کرو گے تب نجات ہوگی۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ: یہ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى کا بیان آ گیا، ہمیشگی کے باغات جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى، یہ بدلہ ہے اس شخص کا جو کہ صاف ستھرا بنے، کفر و شرک اور فسق و فجور کی آلودگیوں سے اپنے آپ کو صاف کرے، جو صاف ستھرا ہو اس کا بدلہ یہی ہے۔

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو سیاسی رنگ دینا اور اس کی وجوہات:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ چلا آ رہا ہے، بات یہاں تک پہنچی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جا کر فرعون کو دعوت دی، ایمان لانے کے لئے بھی کہا جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات میں مذکور ہے اور ساتھ بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کے لئے بھی کہا کہ ان کو عذاب سے نجات دے دے، اپنی غلامی سے ان کو چھوڑ دے اب فرعون کے سامنے جب یہ بات گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معجزات کا اظہار کیا جیسے پیچھے آیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا میں دلیل بھی لے کر آیا ہوں تو فرعون نے پوچھا تھا کہ کیا دلیل ہے تو انہوں نے یہی عصا کا سانپ بنا کر دکھایا اور ہاتھ بغل میں دے کر کھینچا تو یہ بیضاء ہو گیا، یہ نشانیاں بھی دیکھ لیں، وہ وقت ایسا تھا کہ جس میں جادوگروں کی بہت بہتات تھی اور لوگ جادو کا مشغلہ بہت رکھتے تھے، اب فرعون یا تو اتنی سی عقل کا مالک تھا کہ جادو میں اور معجزہ میں فرق نہیں کر سکا، اس لیے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دلیل کو کمزور کرنے کے لئے اسے جادو کا کرتب قرار دیا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو یا جادو کا نتیجہ ہے یا وہ سمجھ تو گیا لیکن اس کے پاس اس کے بغیر چارہ کوئی نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کو خراب کرنے کے لئے ان کو جادوگر قرار دے دے، بہر حال اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت کو

ایک سیاسی رنگ دے دیا۔

وہ اس طرح کہ پہلے ان کے دربار میں اس قسم کے تذکرے تو ہوتے ہی تھے کہ اسرائیلی زور پکڑتے جارہے ہیں، ان کی تعداد بڑھتی جارہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی وقت یہ حکومت وقت کا تختہ الٹ دیں، اپنی حکومت کے تحفظ کے لئے ہی تو انہوں نے قتل ابناء کی سکیم جاری کی تھی کہ لڑکوں کو مارنا شروع کردو۔

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی:۔

کیونکہ اس زمانہ میں برتھ کنٹرول کی گولیاں تو نکلی نہیں تھیں ورنہ وہ کھلانی شروع کردیتے کسی قوم کی طاقت کو کمزور کرنے کیلئے برتھ کنٹرول ایک بہترین نسخہ ہے زبردستی نسل بندی شروع کردیتے تاکہ اسرائیلیوں کی اولاد نہ ہو یا ہمارے اکبر الہٰ آبادی کے کہنے کی طرح اس وقت اس کو کالج کھولنے کی نہیں سوجھی ورنہ تعلیم ہی ایسی جاری کردیتا کہ بچے اسرائیلیوں کے ہوتے اور دل و دماغ کے اعتبار سے فرعونی ہوتے اور ان کا دماغ ہی غلامی کا بن جاتا جیسے انگریز نے یہاں ہندوستان میں کیا کہ تعلیم ایسی جاری کردی کہ جو کالجوں میں پڑھ گیا، پڑھنے کے بعد رنگ و روپ کے اعتبار سے اگرچہ ہندوستانی رہا لیکن اپنے دل و دماغ کے اعتبار سے انگریزی بنا تو کالجوں کی یہی حیثیت دیکھ کے کہ کالجوں سے پیدا ہونے والی نسل کس طرح انگریزوں کی حامی ہے اور انگریز کے فرمانبردار ہیں اور ان کی غلامی و ملازمت کو کس طرح اپنے لیے باعث فخر سمجھتے اکبر الہٰ آبادی جو خود بھی ایک جج تھا اس نے بڑی پیاری چوٹ کی ہے، کہتا ہے کہ،

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا   افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اگر فرعون کو بھی یہ طریقہ سمجھ میں آجاتا کہ کالج کھول لے اور آنے والی نسل کو اپنا ہم مسلک بنالے تو وہ بچوں کو قتل کر کے بدنام نہ ہوتا، بہرحال یہ چرچا تو ان میں رہتا تھا کہ یہ پرائی قوم ہے، بیرونی قوم ہے، جو قوت پکڑتی جارہی ہے کہیں ایسا نہ ہو تختہ ہی الٹ دے اور حکومت کے اوپر قبضہ کرلے یہ ان کے اندر دہشت تو رہتی تھی، ہر وقت ڈرتے تھے، اب جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قسم کی بات کی اور یہ تو معلوم تھا کہ یہ اسرائیلیوں میں سے ہی ہیں اور ان کی ہمدردیاں اسرائیلیوں کے ساتھ پہلے سے وہ دیکھے بیٹھے تھے، اب فرعون کا دل دھڑک گیا کہ پہلے تو وہ قوم منتشر تھی، ان کے پاس کوئی ایسا راہنماء، ایسا قائد اور ایسا ہادی نہیں تھا جو ان کو منظم کر کے مقابلہ میں آجائے، اب

حضرت موسیٰ علیہ السلام آ گئے ہیں تو قوم کی قیادت یہ کریں گے اور جب یہ قوم کی آزادی کا نعرہ لگائیں گے تو ساری قوم ان کے پیچھے ہو جائے گی اور یہ تختہ الٹ کے رکھ دیں گے اب اپنی قوم کو برانگیختہ کرنے کے لئے کہ وہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوں، اس نے یہ شوشا چھوڑ دیا کہ میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں، تم ہماری حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہو اور ہمیں ملک سے نکالنا چاہتے ہو اپنے جادو کے زور سے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس کوشش کو اس نے ایک سیاسی تحریک بنا دیا تاکہ قبطی جو فرعون کی قوم ہے کم از کم وہ مشتعل ہو جائیں اور ان کے اس قسم کے ہتھکنڈوں میں نہ آئے اور ان کے وعظ و تبلیغ سے متاثر ہو کر یہ قوم نہ اس کے پیچھے لگ جائے، تو اس کو سیاسی تحریک کا رنگ دے دیا کہ تم اپنے جادو کے زور سے ہمیں نکالنا چاہتے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین مقابلہ کی بات چیت:۔

باقی اس قسم کے جادو سے ہم ڈرنے والے نہیں ہیں، ہم تیرے مقابلہ میں اس قسم کا جادو لا سکتے ہیں، تو ہم سے مقابلہ کا وعدہ کر لے، ایک جگہ متعین کر جو بالکل صاف ستھرا میدان ہو، اس میں کوئی کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو اور درمیانی سی جگہ ہو جہاں ہو کسی کے لئے پہنچنا آسان ہو، وعدہ متعین کر لے اور پھر تو بھی اس کے خلاف نہ کرنا، ہم بھی اس کے خلاف نہیں کریں گے، میدان میں مقابلہ کر کے دیکھ لیتے ہیں کون کامیاب ہوتا ہے؟ اور ہمارے پاس ایسے بڑے بڑے جادوگر ہیں جو تجھے شکست دے دیں گے اور تیری یہ دلیل ختم ہو جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ اعتماد تھا جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ جادو نہیں ہے، اس لیے آپ نے بلا جھجک کہا کہ بالکل ٹھیک ہے، مقابلہ اسی دن ہوگا جو میلہ کا دن ہے اور چاشت کے وقت میں مقابلہ ہوگا جس وقت کہ لوگ اکھٹے ہوتے ہیں، اس دن ذرا اہتمام سے لوگوں کو اکٹھا کر لینا، تاکہ سارے لوگ مقابلہ دیکھ لیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دن بھی متعین کر دیا اور مقابلہ کا وقت بھی متعین کر دیا۔

فرعون کا جادوگروں کو جمع کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے خطاب اور اس کا اثر:۔

جب اس طرح مقابلہ کا دن اور وقت متعین ہو گیا تو پھر فرعون نے سارے ملک کے اندر اپنے آدمی دوڑائے، بڑے بڑے نامی گرامی جادوگر اکھٹے کر لئے، اکھٹے کر کے ان کے سامنے یہ صورت پیش کی ہوگی، اب ان کے سامنے جب یہ بات آئی کہ ایک عجیب قسم کا جادوگر آیا ہوا ہے جس کا مقابلہ کرنا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات جاننے کا شوق ان کے دل میں خود پیدا ہوگا، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ ہوتا ہوگا وہیں پہنچ

جاتے ہوں گے کہ دیکھیں تو سہی یہ کہتا کیا ہے، اور کرتا کیا ہے، جب مقابلہ کرنا ہوتا ہے تو اپنے مد مقابل کے حالات کو انسان جاننے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو، ان کے وعظ میں شمولیت یہ جادوگر کرتے رہے، جب وہ سارے اکٹھے ہو گئے اور مقابلہ کا دن قریب آ گیا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجتماعی طور پر جادوگروں کو خطاب کیا اور ان کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو! تم اپنی عاقبت برباد نہ کرو، فرعون کے لئے تم اپنی آخرت برباد نہ کرو، بات صحیح صحیح کرنا، یہ نہ ہو کہ میں اللہ کی طرف سے حاصل شدہ معجزہ دکھاؤں اور تم جھوٹ بول کے اسے جادو کہہ دو، اور قوم کو مغالطہ دے دو یا تم سمجھ رہے ہو کہ فرعون رب نہیں ہے، اور تم اس کو رب کہہ کر اللہ کا شریک قرار دے کر رب کے اوپر افتراء کرو، ایسا نہ کرنا ورنہ تمہیں اللہ کا عذاب پکڑ لے گا، تو فرعون کے جمع کیے ہوئے جادوگروں کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کی، جب تبلیغ کی تو اتنے دنوں سے ویسے بھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات دیکھ رہے تھے اور ان کی باتیں سن رہے تھے تو ان کے کان میں توحید کا مسئلہ بھی پڑ گیا، رسالت کا مسئلہ بھی پڑ گیا، آخرت اور عذاب کا ذکر بھی ان کے سامنے آ گیا جس کی بناء پر ان کے دلوں میں کھٹکا تو پیدا ہوا کہ واقعی ہمیں ان کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان کے ساتھ ٹکرائیں لیکن حکومت کا زور تھا اور اہل حکومت نے ان کو جمع کیا تھا، اب اگر مقابلہ میں نہ آئے تو ڈر تھا کہ حکومت پکڑ لے گی اس لئے کسی درجہ میں وہ مجبور ہو کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔

نبی اور پیشہ ور آدمی میں فرق:۔

لیکن جب مقابلہ کے لئے تیار ہو رہے تھے اس وقت انہوں نے فرعون سے ایک وعدہ بھی لیا تھا اور یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ نبی میں اور جادوگروں میں کتنا عظیم فرق ہے، کوئی بالکل اندھا نہ ہو جائے تو یہ فرق سمجھنا مشکل نہیں ہے، فرعون سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم غلبہ پا گئے تو کیا ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا تو فرعون نے کہا تھا نعم، ہاں انعام بھی ملے گا وانکم لَمِنَ المقربین اور تم میرے مقرب بن جاؤ گے، میرے درباری ہو جاؤ گے، دربار میں تمہیں کرسی ملے گی یعنی اجر کے اندر مال کی طمع دلائی اور مقرب بنانے میں جاہ کی طمع دلائی تو پہلے قدم پر ہی انہوں نے بتا دیا کہ پیشہ ور آدمی کا کام ہوتا ہے پیسے کمانا، تعریف سننا اور لوگوں سے انعامی سر ٹیفکیٹ حاصل کرنا۔ پیشہ ور لوگوں کا حال یہ ہوا کرتا ہے اور انبیاء جب آیا کرتے ہیں وہ پہلے ہی اعلان کر دیتے ہیں لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا، اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ، ہم کوئی اجرت نہیں مانگتے ہم کوئی انعام کے طالب نہیں ہیں، ہمارا

اجر اللہ کے ذمہ ہے، یہ وعدہ لے کر آخر جادوگر مقابلہ کے اندر آ گئے۔

میدان مقابلہ میں فرعون کا خطاب:۔

چونکہ ان کے علم میں آ گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کو سانپ بناتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہی شکل بنا کے آئے، اپنے طور پر انہوں نے جادو کے اندر ایک اضافہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو صرف لاٹھی ڈالیں گے اور لوگ دیکھیں گے کہ سانپ بن گیا وہ جادوگر لاٹھیاں بھی لے آئے اور ساتھ رسیاں بھی لے آئے، گویا کہ اپنے طور پر یہ اضافہ کیا کہ جب ہم دو چیزوں کو سانپ بنائیں گے تو لوگ کہیں گے دیکھو! اس نے ایک کو سانپ بنایا ہے، انہوں نے دو کو بنا دیا ہے، غلبہ اس طرح ظاہر ہو جائے گا تو یہ اضافہ کر کے لائے، جب صف بندی ہو گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آ گئے، اور ان کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام بھی ہوں گے اور فرعون نے جادوگروں کو خوب اچھی طرح سے پکا کر لیا کہ ہر طرح سے ان کو مغلوب کرنے کی کوشش کرو اگر حکومت کا تختہ الٹا گیا تو تمہیں بھی کوئی سکون سے اس ملک میں نہیں رہنے دے گا، آج فیصلہ کن مقابلہ ہے جو آج غالب آ گیا وہی ہمیشہ کے لئے غالب ہے، اس طرح فرعون نے ان کو متاثر کیا کہ اگر اس حکومت کا تختہ الٹ گیا تو تم بھی اس ملک میں نہیں رہ سکو گے، ہم جائیں گے تو تم بھی ساتھ ہی جاؤ گے اس لیے اپنے ملک اور برادری کا تحفظ اسی میں ہے کہ تم مقابلہ میں آؤ اسی طرح ان کو برانگیختہ کیا اور پھر تمہاری یہ تہذیب، تمہارا تمدن، تمہارا رہن سہن کتنا عمدہ ہے اگر یہ لوگ غالب آ گئے تو ہر چیز کو مٹا دیں گے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ فرعون نے ان کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی سے تمہارا ملک بھی برباد ہو گا اور تمہارا دین بھی برباد ہو گا، یہاں یہ اس طرح فساد برپا کر دے گا کہ تمہارا تہذیب و تمدن اور دین بھی خراب ہو جائے گا، اپنے آبائی دین سے تمہیں علیحدہ ہونا پڑے گا اور تمہیں ملک سے بھی نکال دے گا اس طرح برانگیختہ کر کے ان کو مقابلہ میں لے آیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں میں مقابلہ:۔

اب جس وقت سارے کے سارے جادوگر سامنے کھڑے ہیں، دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی کھڑے ہیں، تو جادوگر پوچھتے ہیں کہ اے موسیٰ علیہ السلام! پہلا وار تو کرے گا یا ہم کریں......؟ القاء کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی لاٹھی ہاتھ میں لیے کھڑے تھے اور ان کو پتہ تھا کہ انہوں نے یہی

تو پھینکنی ہے اس لیے کہا کہ آپ پہلے ڈالتے ہیں یا ہم پہلے ڈالنے والوں میں سے ہو جائیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری لاپروائی سے جواب دیا کہ تم ہی ڈالو، یہ اس لیے کہا کہ اس قسم کے مقابلہ میں بسا اوقات پہلے وار کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے کہ جو شخص پہلا وار کردے بسا اوقات کامیاب وہی ہو جاتا ہے اور دوسرے کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اگر میں نے پہلا وار کیا تو تم شاید یہ کہہ سکو گے کہ چونکہ انہوں نے پہلے وار کر دیا تھا اس لیے ہم سنبھل نہ سکے، تم اپنے ارمان نکال لو، حسرت نکال لو خالی میدان میں جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو کر لو، میں بعد میں کرلوں گا تو یہ ایک قسم کا استغناء ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا ہے کہ مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ پہلے وار کون کرتا ہے، تم کرلو۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تو انہوں نے اپنے پروگرام کے مطابق لاٹھیاں بھی میدان میں پھینک دیں اور رسیاں بھی میدان میں پھینک دیں، جب لاٹھیاں اور رسیاں میدان میں پھینک دیں تو اس وقت انہوں نے لوگوں کی آنکھوں اور ان کے دل و دماغ پر جادو اس طرح چلایا، جادو کی تاثیر یہی ہوتی ہے کہ چیز تو ویسی ہی ہوتی ہے لیکن دل و دماغ اور آنکھوں کو اس طرح متاثر کیا کہ سارے کا سارا مجمع بمع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھ رہا تھا وہ لاٹھیاں بھی سانپوں کی طرح بھاگی پھر رہی ہیں اور رسیاں بھی سانپوں کی طرح بھاگی پھر رہی ہیں، اب جس وقت یہ واقعہ سامنے آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو دل میں ڈر گئے، ڈرنا ان سانپوں سے نہیں تھا، ڈر یہ ہو گیا کہ میں نے بھی لاٹھی پھینکی ہے اور لوگ دیکھیں گے کہ وہ بھی سانپ بن گئی، اب لوگ فرق کس طرح کریں گے کہ یہ جادو ہے یا معجزہ ہے؟ بظاہر دیکھنے میں دونوں باتیں ایک جیسی ہو گئیں، یہ تو بہت کام خراب ہوا، اس طرح دل کے اندر اندیشہ سا پیدا ہوا کہ عوام کے سامنے تو معاملہ خلط ملط ہو جائے گا، لوگ کس طرح فرق کریں گے، کہ جادو کیا ہے اور معجزہ کیا ہے؟ یہ اندیشہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ فکر نہ کر، ڈرنے کی بات نہیں ہے تو ڈال دے جو کچھ انہوں نے بنایا ہے سب کو نگل جائے گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے عصا کو پھینکا تو سانپ بنتے ہی اس نے منہ جو کھولا تو سب رسیوں اور لاٹھیوں کو اس نے نگلنا شروع کر دیا اور میدان صاف کر دیا۔

جادوگروں کا اعتراف شکست اور قبول ایمان:۔

جب میدان کو صاف کر دیا تو اب دیکھو! عوام جو کسی فن کو جاننے والے نہیں ہوتے ان کو کسی مسئلہ میں

اشتباہ پیدا کر سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ کس فن کا ہے لیکن صاحب فن کو اشتباہ نہیں ہوتا، اب مثال کے طور پر میں ایک صیغہ بیان کرر ہا ہوں تو آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ ''صرف'' کا مسئلہ ہے پھر میں ایک ترکیب بتا رہا ہوں کہ یہ مرفوع ہے یا منصوب ہے تو آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ ''نحو'' کا مسئلہ ہے لیکن اگر کوئی کاشتکار سامنے بیٹھا ہو جس کو پتہ ہی نہیں کہ ''صرف'' کیا ہوتی ہے، ''نحو'' کیا ہوتی ہے وہ نہیں سمجھ سکے گا، کہ اب یہ مسئلہ ''صرف'' کا بیان ہو رہا ہے ،اب یہ مسئلہ ''نحو'' کا بیان ہو رہا ہے، اب یہ مسئلہ فقہ کا بیان ہو رہا ہے، اب یہ مسئلہ حدیث کا بیان ہو رہا ہے، اس بات کا تعلق فن تفسیر کے ساتھ ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکے گا اس لیے اب عوام سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے جادوگر سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا ہے یہ جادو نہیں ہے، جادو تو وہ ہے جو ہم نے کیا ہے، وہ تو ہے کسی اصول کے تحت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جو کچھ ظاہر ہوا یہ جادو نہیں ہے کیونکہ وہ صاحب فن تھے، وہ جانتے تھے کہ اس فن کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے اور کیا نہیں ہو سکتا تو ان کے اوپر رعب پڑ گیا اور فوراً سجدہ میں گر گئے، سجدہ میں گرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برتری کا اعتراف ہے، اس زمانہ کے اعتبار سے جو شخص دوسرے کی برتری کو تسلیم کر لیتا تھا تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا تھا، سجدہ کیا اور اپنی شکست کا زبان سے بھی اعتراف کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صحیح کہتے ہیں اور ان کی یہ دلیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ واقعی یہ اللہ کے رسول ہیں اور جتنی باتیں ہم نے ان سے سنی ہیں کہ اللہ ایک ہے، اللہ کیساتھ ربوبیت میں کوئی شریک نہیں، آخرت آنے والی ہے ہم ان سب باتوں کے اوپر ایمان لاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں صحیح ہیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے شکست کھانے کے بعد فوراً انہوں نے اپنے ایمان کا اظہار کر دیا۔

فرعون کی سیاسی چال اور جادوگروں کو دھمکی:۔

اب اندازہ کیجئے کہ فیصلہ کن مقابلہ تھا، سارے ملک کے لوگ جمع ہیں، میلہ کا دن ہے، عوام وخواص سب جمع ہیں، فرعون بھی موجود ہے اس کی موجودگی میں اس کی لائی ہوئی فوج شکست کھا گئی اس سے زیادہ تکلیف دہ بات فرعون کے لئے اور کیا ہو سکتی تھی لیکن وہ بھی آخر وقت کا فرعون تھا، بادشاہوں کا دماغ بھی بادشاہوں جیسا ہوتا ہے، اس نے حوصلہ نہیں چھوڑا، وہ بھی خمینی کی طرح مضبوط اعصاب کا مالک تھا کہ چاہے ملک سارا اجڑ جائے لیکن شکست تسلیم نہیں کرنی، اس نے فوراً وہی اپنی فرعونیت دکھائی، کہنے لگا ہاں میں سمجھ گیا ہوں، میرے خلاف یہ تمہاری سازش

ہے اور یہ تمہارا بڑا ہے، آپس میں مل کے تم نے اندر سے سازش کی، یہ تمہارا استاد ہے اس نے تمہیں جادو سکھایا، پھر تم نے پروگرام بنایا کہ پہلے ایک جا کے چیلنج کرے پھر دوسرے مقابلہ میں آئیں گے اور میدان میں شکست کا اعتراف کریں گے تا کہ حکومت کا تختہ الٹنا آسان ہو جائے، حکومت کے خلاف یہ تو تمہاری سازش ہے، اس نے فوراً اس کو سازش کا عنوان دے دیا، میں تمہیں ابھی پوچھ لیتا ہوں، ان کو اس قسم کی دھمکی دی جس قسم کی دھمکی حکومت کے باغیوں کو دی جاتی ہے، کہ میں تمہارے ہاتھ کاٹوں گا، تمہارے پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں درخت کے اوپر الٹا کر کے لٹاؤں گا، تمہیں پتہ چلے گا کہ تم جو موسیٰ علیہ السلام کے رب کے عذاب سے ڈر گئے ہو میرا عذاب زیادہ سخت ہے یا اس کا عذاب سخت ہے! تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا، اس نے ان کو اس طرح ڈانٹا جس سے باقی عوام کو بھی مرعوب کرنا مقصود تھا اور ان کے ذہن میں الجھاؤ بھی پیدا کر دیا کہ یہ تو سازش ہے تا کہ یہ شکست فرعون کی شکست نہ کہلائے بلکہ یہ ایک سیاسی تحریک بن جائے اور لوگ سمجھیں کہ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح ہی ہو، یوں اس نے چکر چلا کے لوگوں کے ذہن میں الجھن پیدا کرنے کی کوشش کی۔

جادوگروں کی طرف سے ایمان افروز جواب:۔

لیکن ان جادوگروں کے دل میں تو اتنے زبردست طریقہ سے ایمان آ چکا تھا اور نبی کی موجودگی میں جو شخص ایمان لاتا ہے، وہ صحابی ہوتا ہے اور ایک ہی مجلس میں ان کے وہ درجات طے ہو گئے جو آپ کے برسوں میں بھی طے نہیں ہوتے، وہ جادوگر جو نبی کے سامنے آئے تھے اور نبی کے سامنے انہوں نے ایمان قبول کیا وقت کی حکومت سے ٹکر لی اور حکومت کی ہر قسم کی دھمکی ان کو مرعوب نہ کر سکی، جب اس نے یہ کہا کہ میں تمہارے ہاتھ کاٹوں گا، پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں میں الٹا لٹکاؤں گا تو آگے سے ان کا جواب یہ تھا کہ جو تیرا جی چاہے کر لے، ہمارے پاس جو دلیل آ گئی ہم اس دلیل کے مقابلہ میں تجھے ترجیح نہیں دے سکتے، اپنے پیدا کرنے والے کے مقابلہ میں ہم تجھے ترجیح نہیں دے سکتے یا مطلب یہ ہے کہ قسم اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے اس دلیل کے مقابلہ میں جو دلیل ہمارے پاس آ گئی، جو تجھ سے ہو سکتا ہے تو کر لے، کیا کرے گا، جو کچھ کرے گا اسی دنیا میں ہی کرے گا، آخر ہم مر جائیں گے، مرنا پھر بھی ہے لیکن ہم آخرت کی سزا سے بچنا چاہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ جو مجرم بن کے آئے اس کا یہ حال ہوتا ہے اور جو مؤمن بن کے آئے اس کا یہ حال ہوتا ہے، ہم

مؤمن بن کے جانا چاہتے ہیں، ایمان لا کے جانا چاہتے ہیں، باقی تیری سزا اور تیرا عذاب صرف اس دنیا میں ہے اس سے آگے کچھ نہیں ہے۔

نبی کے سامنے ایمان قبول کرنے کا مقام:۔

اندازہ کیجئے کہ کتنا پختہ ایمان اور کتنا پختہ یقین آخرت کے معاملہ میں آ گیا کہ فرعون کی کوئی دھمکی ان کو مرعوب نہیں کر سکی اور ان کے قدم نہیں ڈگمگائے، انبیاء کے سامنے ایمان لانے والوں کا یہی حال ہوا کرتا ہے کہ ایمان لاتے ہی وہ اتنے اونچے درجہ کے ولی بن جاتے ہیں کہ بعد میں آنے والے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا اپنے ایمان کی حالت دیکھو اور ان کے ایمان کی حالت دیکھو تمہیں معلوم ہوگا اور یہی تھا سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کہ پکے پکے مشرک جس وقت سامنے آئے اور ایک دفعہ ایمان قبول کر لیا بعد میں چاہے ان کو آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا، چاہے ان کے سینوں پر پتھروں کی چٹانیں رکھی گئیں، چاہے ان کے چمڑے اتارے گئے، چاہے ان کو سولی پر لٹکایا گیا لیکن کیا مجال ہے کہ کسی کا قدم ڈگمگا جائے، نبی کے سامنے ایمان لانے والا فوراً صحابی بن جاتا ہے، اور اس کا درجہ اتنا اونچا ہو جاتا ہے اور اس کا ایمان اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ پھر نہ وہ دنیا کے کسی لالچ سے متاثر ہوتا ہے اور نہ کسی بڑی سے بڑی طاقت کے خوف سے متاثر ہوتا ہے، یہ ہے توحید کا اعلیٰ مقام جو کہ ان لوگوں کو حاصل ہوا۔

اور آخر میں جا کر پھر انہوں نے تفصیل کی کہ جو مجرم بن کر جائے اس کا معاملہ یوں ہوگا اور جو مؤمن بن کر جائے گا اس کا معاملہ یوں ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں آخرت پر یقین آ گیا، ہم آخرت کی نجات چاہتے ہیں، دنیا کی تکلیف کو ہم کوئی حیثیت نہیں دیتے، اس طرح وہ مقابلہ ختم ہوا اور جادوگر مؤمن ہو گئے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ

اور البتہ تحقیق ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف تو چل رات کو میرے بندوں کو ساتھ لے کر پھر تو بنا ان کیلئے

طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾

خشک راستہ سمندر میں نہ خوف کر کسی کے تعاقب کا اور نہ کوئی اور خوف ہوگا﴿۷۷﴾

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾

پھر ان کے پیچھے چلا فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ پھر ڈھانپ لیا ان کو دریا سے اس چیز نے جس نے کہ ان کو ڈھانپا﴿۷۸﴾

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور گمراہ کردیا فرعون نے اپنی قوم کو اور اس نے ہدایت نہ پائی﴿۷۹﴾ اے بنی اسرائیل!

قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ

تحقیق ہم نے تمہیں نجات دی تمہارے دشمن سے اور ہم نے وعدہ کیا تم سے طور کی دائیں جانب کا

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اور ہم نے اتارا تم پر من اور سلویٰ﴿۸۰﴾ تم کھاؤ پاکیزہ رزق میں سے

مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ

جو ہم نے تمہیں عطا کیا اور حد سے تجاوز نہ کرو اس میں پس اترے گا تم پر میرا غضب اور جس پر

يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ

پڑے میرا غضب پس وہ ہلاک ہوگیا﴿۸۱﴾ اور بے شک میں اسے البتہ بہت بخشنے والا ہوں

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ

جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے پھر ہدایت پر قائم رہا﴿۸۲﴾ اور کس چیز نے جلدی میں ڈالا تجھے تیری قوم

يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾

سے اے موسیٰ! ﴿۸۳﴾ اس نے کہا وہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں اور میں نے جلدی کی تیری طرف اے میرے رب! تاکہ تو راضی ہو جائے ﴿۸۴﴾

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾

اللہ نے کہا بیشک ہم نے فتنہ میں ڈال دیا تیری قوم کو تیرے بعد اور ان کو گمراہ کردیا سامری نے ﴿۸۵﴾

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ

پس لوٹے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غصہ اور افسوس کرتے ہوئے، کہا اے میری قوم! کیا تم سے وعدہ نہیں کیا تھا

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ

تمہارے رب نے اچھا وعدہ، کیا گذر گیا تم پر لمبا زمانہ یا تم نے ارادہ کیا کہ آ کر پڑے تم پر

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

غضب تمہارے رب کا پس تم نے خلاف کیا میرے وعدہ کے ﴿۸۶﴾ انہوں نے کہا ہم نے تیرے وعدہ کے خلاف نہیں کیا

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

اپنے اختیار کے ساتھ لیکن لاد دیا گیا ہم پر بوجھ قوم کے زیوروں کا پس ہم نے اس کو ڈال دیا پس اسی طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا

ڈالا سامری نے ﴿۸۷﴾ پس نکالا اس نے لوگوں کے لئے ایک بچھڑا جو جسم تھا اس کے لئے گائے کی آواز تھی تو وہ کہنے لگے

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ

یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے وہ تو بھول گئے ہیں ﴿۸۸﴾ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ نہیں لوٹاتا ان کی طرف

قَوْلًا ۬ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

کسی بات کو اور نہیں مالک ان کے لئے نقصان کا اور نہ نفع کا ﴿۸۹﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی: البتہ تحقیق ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف، لام چونکہ تاکید کے لئے ہے، اس لیے ترجمہ یونہی کر دیا جاتا ہے، یہ پکی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی، اَنْ تفسیر یہ ہے، وحی کا مضمون کیا تھا، اَسْرِ بِعِبَادِیْ میرے بندوں کو لے کے رات کو چل، سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ میں یہی لفظ آیا تھا اَسْرٰی، اسراءٌ رات کو چلنا اور باء تعدیہ کی آ گئی، میرے بندوں کو لے کر رات کو چل، فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا یبس مصدر ہے اور یابس کے معنی میں ہے اور یہ طریق کی صفت بن رہا ہے، پھر بنا تو ان کے لئے خشک راستہ سمندر میں، یہ ضرب جعل کے معنی میں ہے لیکن ضرب کے ساتھ تعبیر کرنے میں یہ نکتہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ راستہ بننے کی صورت یہی پیش آئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو سمندر میں مارا تھا تو اس نے راستہ چھوڑ دیا تو صورۃً چونکہ مارنا پیش آیا اس لیے اس کو ضرب سے تعبیر کیا گیا ہے اور یوں بھی تقدیر عبارت نکالی گئی ہے کہ اپنے عصا کو سمندر پر مارتا کہ ان کے لئے راستہ ہو جائے اِضْرِبْ لهم البحرَ یَصِرْ لهم الطریقُ، پھر مفہوم یوں بن جائے گا ورنہ ضرب الطریق، جعل الطریق کے معنی میں ہے لَا تَخٰفُ دَرَكًا نہیں اندیشہ کرے گا تو پائے جانے کا، درک پانے کو کہتے ہیں یہ مصدر مجہول کا مفہوم ادا کرے گا، تو پائے جانے کا اندیشہ نہیں کرے گا اور نہ تو غرق ہونے سے ڈرے گا، یہ صورۃً خبر ہے اور معناً انشاء ہے کہ نہ تو اس بات سے ڈرنا کہ تجھے کوئی پکڑ لے گا اور نہ ہی اس بات سے ڈرنا کہ تو ڈوب جائے گا، نہیں اندیشہ کرے گا تو پائے جانے کا اور نہیں ڈرے گا تو غرق ہونے سے۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ: پیچھا کیا ان کا فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ، مِنَ الْیَمِّ یہ ما کا بیان ہے، یم دریا کو کہتے ہیں، پس ڈھانپ لیا ان کو جس چیز نے ڈھانپ لیا یعنی سمندر نے، وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ، فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا وَمَا هَدٰی اور سیدھا راستہ نہیں دکھایا، بھٹکا دیا فرعون نے اپنی قوم کو اور سیدھا راستہ نہیں دکھایا۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ: اے اسرائیل کے بیٹو! اے اسرائیل کی اولاد! قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ بے شک ہم نے تمہیں نجات دی تمہارے دشمن سے وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ، الْاَیْمَنَ چونکہ منصوب ہے اس لیے یہ

طور کی صفت نہیں، طور تو مجرور ہے یہ جانب کی صفت ہے ہم نے وعدہ کیا تم سے طور کی دائیں جانب کا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اور اتارا ہم نے تم پر من وسلویٰ، سلویٰ تو کوئی بٹیر جیسا پرندہ تھا، یہ کثرت کے ساتھ آ گئے اور مَن یہ آسمان سے کوئی چیز برستی تھی یا درختوں کو لگتی تھی یہ میٹھی ہوتی تھی۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ: ہم نے کہا کہ کھاؤ اب عمدہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ اور اس میں سرکشی اختیار نہ کرو، فِيْهِ کی ضمیر مَا رَزَقْنٰكُمْ کی طرف لوٹ رہی ہے، رزق میں سرکشی اختیار نہ کرو، حد سے نہ نکلو، حدود کی رعایت رکھو، حلال طریقہ سے حاصل کرو، حاصل شدہ رزق کو کھا کے اللہ کا شکر ادا کرو اور اس رزق کو معصیت اور نافرمانی کا ذریعہ نہ بناؤ، فضول خرچی نہ کرو، حاصل شدہ رزق میں فضول خرچی کرنا، اس کو معصیت میں خرچ کرنا، شکر ادا نہ کرنا یہ سب چیزیں رزق میں طغیان ہیں فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ پھر اتر پڑے گا تم پر میرا غصہ یعنی اگر طغیان اختیار کرو گے تو میرا غصہ اتر جائے گا وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ اور جس شخص پر میرا غصہ اتر گیا فَقَدْ هَوٰى پس وہ تو برباد ہو گیا۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ: اور بے شک میں البتہ بخشنے والا ہوں، بہت معاف کرنے والے ہوں، درگذر کرنے والا ہوں اس شخص سے جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے راستہ پر چلتا رہے، ایمان و عمل اختیار کرنے کے بعد اهْتَدٰى کا لفظ جو بولا گیا یعنی اس طرز پر چلتا رہے، آخر وقت تک جس کا یہ حال رہے، میں اس کو بہت معاف کرنے والا ہوں وَمَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى، اے موسیٰ علیہ السلام! تجھے کس چیز نے عجلت میں ڈال دیا اپنی قوم سے یعنی تو اپنی قوم کو چھوڑ کے اتنی جلدی کیوں آ گیا۔

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِيْ: موسیٰ علیہ السلام نے کہا وہ یہیں ہیں میرے نقش قدم پر یعنی وہ قریب ہی میرے پیچھے ہیں، وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى اور میں نے جلدی کی تیری طرف اے میرے رب! تا کہ تو خوش ہو جائے، تا کہ تو راضی ہو جائے، رَبِّ کی باء کے نیچے جو کسرہ ہے یہ یا متکلم پر دلالت کرتا ہے۔

قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ بے شک ہم نے فتنہ میں ڈال دیا تیری قوم کو مِنْۢ بَعْدِكَ تیرے بعد وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا، سامری کے حالات روایات میں مذکور نہیں اس لیے اختلاف ہے کہ یہ اسرائیلی تھا یا قبطی تھا......؟ یا کس قوم سے تعلق رکھتا تھا یہ سامری کسی سامرہ بستی کی طرف

منسوب ہونے کی وجہ سے سامری کہلاتا ہے یا کسی قوم اور قبیلہ کی طرف سے منسوب ہونے کی وجہ سے سامری کہلاتا ہے، کہاں کا رہنے والا تھا، اس کے متعلق مختلف اقوال تفسیر میں نقل کے گئے ہیں، حتیٰ کہ ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے، کہ یہ ہندوستانی ہندوؤں میں سے تھا جن کی طبیعت میں گاؤ پرستی رچی بسی ہوئی ہے اس لیے اس نے بچھڑا بنایا اور لوگوں کو اس کے پوجنے پر برانگیختہ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر منافقانہ ایمان لایا تھا اس قسم کی باتیں اس کے متعلق تفاسیر میں موجود ہیں۔

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ: پھر موسیٰ علیہ السلام لوٹے اپنی قوم کی طرف غَضْبَانَ اَسِفًا غصہ سے بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے، قَالَ يٰقَوْمِ، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ کیا تم سے تمہارے رب نے وعدہ نہیں کیا تھا وَعْدًا حَسَنًا اچھا وعدہ، اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ کیا تم پر زمانہ دراز گذر گیا یعنی وعدہ پورا ہونے میں دیر لگ گئی، اس عہد سے مراد ہو وہ عہد ہے جو اللہ نے توراۃ دینے کا کیا تھا، یا ارادہ کیا تم نے کہ اتر پڑے تم پر غضب رب کا پھر تم نے خلاف کیا میرے وعدے کے۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا: وہ کہنے لگے نہیں ہم نے خلاف نہیں کیا تیرے وعدہ کے اپنے اختیار کے ساتھ وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ لیکن قوم کی زینت سے بہت سارے بوجھ ہم پر لاد دیے گئے تھے فَقَذَفْنٰهَا پھر ہم نے ان بوجھوں کو پھینک دیا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ اسی طرح سامری نے ڈال دیا فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا پھر سامری نے نکالا ان کے لئے ایک بچھڑا جَسَدًا جو ایک وجود تھا لَّهٗ خُوَارٌ جس کے لیے گائے کی آواز تھی فَقَالُوْا تو سامری اور اس کے ماننے والے کہنے لگے هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى، یہ ہے تمہارا الٰہ اور موسیٰ کا الٰہ، تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود، فَنَسِيَ پس موسیٰ بھول گیا، اَفَلَا يَرَوْنَ کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ کہ وہ نہیں لوٹاتا تھا ان کی طرف کوئی بات وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اور نہیں اختیار رکھتا تھا وہ بچھڑا ان کے لئے کسی نقصان کا اور نہ نفع کا۔

فرعون کے نہ سمجھنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کرنے کا حکم:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مسلسل چلا آ رہا ہے، مقابلہ میں جادوگر شکست کھا گئے، جادوگروں کی شکست اصل میں فرعون کے لئے ایک ذلت آمیز شکست تھی جس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے اور

فرعونیوں کی کشاکشی حد سے بڑھ گئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون کو سمجھانے کے لئے مختلف قسم کی نشانیاں پے در پے ظاہر کی گئیں جس کی تفصیل آپ کے سامنے سورہ اعراف میں گذر چکی ہے، کبھی ان کے اوپر پانی کا سیلاب آیا، کبھی ان کے اوپر ٹڈیوں کا عذاب بھیج دیا گیا، کبھی مینڈک کثرت سے آگئے اور کبھی خون ہی خون ہوگیا، اور اس طرح مختلف طوفان ان کے اوپر مسلط کیے گئے، کبھی قحط پڑ گیا، پھل کم ہو گئے، پیداوار نہ ہوئی، یہ نشانیاں تھیں جب ایک عذاب آتا فرعونی کچھ ڈھیلے ہوتے اور درخواست کرتے کہ اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کر کے اس کو ختم کروا دیجئے ہم ایمان لے آئیں گے، موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے وہ عذاب ٹل جاتا اس کے بعد ان کی پھر وہی سرکشی شروع ہو جاتی، ان تمام واقعات کی تفصیل سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے لیکن جب معاملہ انتہاء کو پہنچ گیا اور فرعون کسی صورت میں بھی ماننے کیلئے تیار نہ ہوا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ اپنے متبعین کو لے کر اس علاقہ سے ہجرت کر جائیں جیسا کہ انبیاء کی سنت ہے کہ جب کسی علاقہ میں ان کے لئے حالات سازگار نہیں رہتے، ہر قسم کی کوشش کے باوجود حالات کنٹرول میں نہیں آتے تو پھر وہ علاقہ چھوڑ دیا کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہی حکم آ گیا کہ اپنی قوم کو ساتھ لیں اور اور یہاں سے کوچ کر جائیں، جو راستہ متعین کیا گیا وہ راستہ ایک سمندر میں سے گذرتا تھا۔

یہ وہی ہے جس کے ساتھ آج کل نہر سویس ملتی ہے،، بحر روم اور بحر قلزم کو ملانے کے لئے جو نہر کھودی گئی ہے، جس کو نہر سویس کہتے ہیں، نہر سویس کا ایک کنارہ تو بحر روم کے ساتھ لگتا ہے اور دوسرا کنارہ بحر قلزم کی ایک شاخ ہے،، جس کو بحر احمر کے ساتھ بھی تعبیر کرتے ہیں، اس کے ساتھ لگتا ہے تو یہ جو شاخ ہے اس میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گذرنے کے بعد صحراء سینا کو طے کر کے شام کی طرف آنا تھا، راستہ یہ متعین کیا گیا، درمیان میں وہ سمندر آتا تھا اور اس کو عبور کرنے کے لئے کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سمندر کو پار کرنا اور فرعون کا غرق ہونا:۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر نکلے ہیں تو ان کے نکلنے کے بعد فرعون کو پتہ چلا کہ اسرائیلی تو سارے نکل گئے ہیں تو اس نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔

اب جس وقت یہ سمندر کے قریب پہنچے اور اسرائیلیوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرعون بھی اپنی فوج کے

ساتھ آ رہا تھا، اس وقت وہ دیکھ کے گھبرا گئے، یہ لفظ آئے گا کہ ان کی قوم نے کہا انا لمدرکون، اے موسیٰ علیہ السلام ہم تو پکڑے گئے، اب آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون اور اس کا لشکر ہے، راستہ کوئی نہیں اب ہم تو پکڑے جائیں گے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا "کلا ان معی ربی سیھدین" ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم پکڑے جائیں، میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے راستہ دے گا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو، راستہ بن جائے گا اور آپ اسرائیلیوں کو لے کر چلے جائیں بالکل اندیشہ نہ کریں، تم نہ پکڑے جاؤ گے اور نہ غرق ہو کے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت آ گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اپنی جماعت کو لے کر آگے گذر گئے اور پیچھے سے فرعون بھی وہیں پہنچ گیا، اب راستہ آگے بنا ہوا تھا، فرعون نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، وہ سمجھا کہ شاید اسی طرح ہی ہے اور ممکن ہے کہ اس نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ سمندر نے میرے لیے راستہ چھوڑا ہے، جلدی سے اپنی فوجیں لے کر اسی طرح سمندر میں داخل ہو گیا تو اسرائیلی باہر نکل گئے اور فرعونی سارے کے سارے سمندر کے اندر آ گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانی کو ملا دیا گیا، اب وہ پانی جو کہ پہاڑوں کی طرح اِدھر اُدھر رکا ہوا تھا اس کو آپس میں ملا دیا گیا اور وہ پانی فرعونیوں کے اوپر سے گذر گیا تو فرعونی سارے کے سارے غرق ہو گئے فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ان ہی لفظوں کے اندر سارے قصہ کو سمیٹ دیا گیا فرعون اپنی فوجوں سمیت ان کے پیچھے لگا پھر ڈھانپ لیا ان فرعونیوں کی جس نے کہ ڈھانپ لیا سمندر سے، جو چیز ان پر چڑھی تھی چڑھ گئی مراد اس سے وہی پانی ہے یعنی موجیں مارتا ہوا پانی ان کے اوپر آ چڑھا جس کی وجہ سے وہ سارے کے سارے غرق ہو گئے۔

فریقین کی قیادت کا نتیجہ:۔

اب ایک قوم کی قیادت فرعون کر رہا تھا اور ایک قوم کی قیادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کر رہے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے تھے اور اللہ کے احکام کے مطابق قوم کو چلا رہے تھے اور فرعون اپنی منشاء کے مطابق چلا رہا تھا، یہ دو طاقتیں تھیں جو آپس میں متصادم تھیں لیکن نتیجہ سامنے آ گیا وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى، فرعون نے قوم کو برباد کر دیا، برائی میں ڈال دیا، کوئی راستہ نہیں دکھایا تو فرعون کی قیادت غلط ثابت ہوئی اور قیامت کے دن بھی نتیجہ یونہی ظاہر ہوگا کہ فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور سب کو لے کر جہنم

میں دھونک دے گا، دنیا میں یہ سزا ملی، اس قیادت کے نتیجہ میں قوم اس نتیجہ پر پہنچی اور آخرت میں اس طرح جہنم میں جائیں گے اور برباد ہو جائیں گے تو فرعون کے پیچھے لگنے والے نفع میں نہ رہے بلکہ انہوں نے دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھایا، اس کی قیادت کا تو یہ نتیجہ نکلا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت کا یہ نتیجہ نکلا کہ قوم دنیا کی ذلت سے بچی، اور اس کو آزادی نصیب ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ان کے اوپر مہربانی فرمائی جیسے کہ اگلے الفاظ میں ذکر فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں نجات دی تمہارے دشمن سے، اس دشمن سے یہی فرعون مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا:۔

اور جس وقت نجات دی اور سمندر سے پار ہو گئے تو پھر اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اب ہم مطمئن ہو گئے ہیں، اب اگر اللہ سے کچھ احکام آئیں گے، تو ہم اس کے مطابق زندگی گزاریں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اسی وادی میں آ جاؤ جہاں پہلے کلام ہوئی تھی طور کی دائیں جانب وادی تھی وہاں جا کر اعتکاف کرو چالیس دن وہاں گزارو تو اس کے اختتام پر تمہیں کتاب دی جائے گی تو یہ اللہ کی طرف سے ایک وعدہ ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام طور کی طرف تشریف لے گئے، جس وقت طور کی طرف تشریف لے گئے ہیں تو الفاظ سے کچھ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ قوم کے کچھ افراد کو بھی ساتھ لے جانا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تم تیاری کر کے آ جاؤ، میں ذرا جلدی چلتا ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شوق چڑھا ہوا تھا کہ اللہ نے بلایا ہے اور وہاں جا کے میں اللہ کی عبادت کروں گا اس ذوق و شوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے تشریف لے گئے۔

اور اُدھر پیچھے قصہ اور ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا اور انہیں تاکید کر دی کہ دیکھو! اس قوم کے اندر کچھ شریر لوگ بھی ہیں، جس طرح ہر جماعت اور ہر طبقہ میں کچھ ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جو کوئی نہ کوئی سازش کرتے رہتے ہیں، ان کی کچھ نشاندہی کی کہ ان کی طرف سے ذرا ہوشیار رہنا، یہ تمہیں کسی غلطی میں نہ ڈالیں، ان کی بات نہ ماننا اور میرے پیچھے قوم کو سنبھال کے رکھنا، ان کے حالات کی اصلاح کرنا، حضرت ہارون کو تاکید کر کے اور اپنا نائب بنا کے تشریف لے گئے تھے۔

اب پیچھے جو قوم ٹھہری ہوئی تھی، یہ بہت سخت مزاج تھے کیونکہ غلامی کی زندگی گذاری تھی، جوتے کھانے

کے عادی تھے، جو ہر وقت جھڑکیں کھانے کے عادی ہوں، مار کھانے کے عادی ہوں، دوسروں کے سامنے ذلیل رہیں اور ڈنڈے سے کام کرنے کے عادی ہوں، تو جب ان کو آزادی ملا کرتی ہے آزادی ملنے کے بعد اگر ان کے اوپر وہ سختی بحال نہ رہے تو پہلے پہلے ان کے اندر بڑی سرکشی آتی ہے، جو لوگ ذلت کے عادی ہو جاتے ہیں ان کو پھر جلدی سے عزت کی زندگی نہیں آتی ایسے ہی حال ان اسرائیلیوں کا تھا، اب ان کو اللہ نے عزت دی، آزادی دی، دشمن سے نجات ملی لیکن اس کے باوجود بھی ان کے دماغ ان کمینی حرکتوں پر ہی اڑا ہوا تھا، انہوں نے اپنی عزت کا احساس نہیں کیا۔

سامری کا زیورات سے بچھڑا بنا کر قوم کو بت پرستی میں مبتلاء کرنا:۔

ایک شخص تھا اس قوم میں جس کا نام سامری تھا، اس کا اصل نام بعض روایات میں موسیٰ ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں ہارون ذکر کیا گیا ہے، ظاہری طور پر اس نے اسلام قبول کیا ہوا تھا، کس خاندان سے تھا اس میں اختلاف ہے اور یہ بت گری کا ماہر تھا، اب یہ اسرائیلی جس وقت مصر سے چلے ہیں تو اس سے قبل انہوں نے فرعونیوں سے کچھ زیورات مستعار لئے تھے اپنی کسی شادی کے بہانہ سے یا کسی اور عذر سے، عام مفسرین کی روایات کے مطابق اس کو ذکر کر رہا ہوں اسرائیلیوں نے کچھ فرعونیوں کے زیور لئے ہوئے تھے اور اچانک ہجرت کا حکم ہو گیا اور وہ زیورات بھی ساتھ ہی لے آئے، اب یہ زیورات جو ان کے لئے مباح ہے یعنی کافر کی طرف واپس کرنا ضروری نہیں ہے، مال غنیمت ہو یا اس کو مال فئی قرار دیں اس سے استفادہ اس امت کے لئے جائز نہیں تھا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ مال غنیمت کو حلال اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے کیا ہے ①، یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، پہلی امتوں میں مال غنیمت حلال نہیں تھا حتیٰ کہ اگر لڑتے تھے ہوئے بھی کوئی مال حاصل ہو جاتا اس کو بھی اکٹھا کر کے ایک جگہ رکھ دیا کرتے تھے، آسمان سے آگ آتی تھی اور اس کو جلا جاتی تھی، یہ علامت ہوتی تھی کہ جہاد قبول ہو گیا ہے اور اگر آگ آ کر اس مال کو نہ جلائے تو علامت ہوتی تھی کہ یہ جہاد قبول نہیں ہے۔

بہر حال وہ زیورات اکٹھے کر لیے گئے کیونکہ ان کو اپنے پاس رکھنا درست نہیں تھا اور سامری کے پاس بھی

---

① واحلت لی الغنائم عن ابی ھریرۃ (مشکوۃ ص۵۱۲/ مسند ابی داؤد الطیالسی ج۱ ص۳۷۹/ مسند الحمیدی ج۲ ص۱۸۳/ مصنف ابن ابی شیبہ ج۶ ص۳۰۳/ مسند احمد ج۱ ص۱۵۷/ صحیح بخاری ج۱ ص۹۵ مطبوعہ بیروت/ صحیح مسلم ج۱ ص۳۷۰ مطبوعہ بیروت/ سنن الترمذی ج۳ ص۷۵ اباب ماجاء فی الغنمیۃ مطبوعہ بیروت

کچھ تھا، اس نے بھی ڈال دیا تو سامری نے ان سب کو اکھٹا کر کے پگھلا دیا اور بت گری جو اس کا پیشہ تھا جس کو وہ جانتا تھا اس کے تحت اس نے ایک بچھڑے کی تصویر بنادی، اس بچھڑے کی تصویر ایسے طور بنائی جیسے آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ مختلف قسم کے کھلونے جو بن کے آتے ہیں جب ان میں سیل ڈال دیا جاتا ہے تو اس میں مختلف قسم کی آوازیں بھی آتی ہیں، کتا ہے تو کتے طرح بھونکے گا، بلی ہے تو بلی کی طرح آواز نکالے گی، اسپرنگوں کے ساتھ انہوں نے اسی قسم کی آوازیں اب بھی کھلونوں میں بند کی ہوئی ہیں، اس نے کوئی سیل تو نہیں ڈالا ہوگا لیکن اس کی بناوٹ ایسی بنائی کہ ہوا اگر ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکلے تو وہ بھی گائے کی طرح آواز دیتا تھا یا تو اس کی بناوٹ ایسی تھی کہ ہوا کے گذرنے کے ساتھ آواز پیدا ہوتی تھی جس طرح آپ کے باجوں سے پھونک مارنے کے ساتھ مختلف قسم کی آوازیں نکلتی ہیں تو اس کی بناوٹ ایسی تھی کہ اس سے ہوا کے گذرنے کے ساتھ گائے کی آواز پیدا ہوتی تھی یا بعض روایات میں یوں ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہیں اور جا رہے ہیں، گھوڑا جہاں قدم رکھتا ہے وہیں سبزہ اگ آتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ جبرائیل کے گھوڑے کے قدموں کی جو مٹی ہے اس میں تاثیر حیات ہے، وہ مٹی اس نے محفوظ رکھ لی اور وہ سونے کا بچھڑا بنا کے وہ مٹی ڈال دی، مٹی ڈالنے کے ساتھ اس میں اس درجہ کی حیات پیدا ہوگئی کہ وہ گائے کی طرح بولنے لگ گیا، اتنا سا اس میں زندگی کا اثر آ گیا۔

جب اس نے یہ کرتب دکھایا تو اس کے ساتھ شرارتی قسم کے لوگ اور بھی مل گئے اور وہ کہنے لگے ھٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى، یہ ہے اصل میں تمہارے اور موسیٰ کا الٰہ، اور گائے پرستی مصر میں پہلے ہی تھی لوگ گائے کے بتوں کو پوجتے تھے اور کافروں کے گھروں میں رہنے کی وجہ سے یہ بھی بت پرستی سے مانوس تھے تو لوگ اسی کے پیچھے لگ گئے اور اسی کو پوجنے لگ گئے اور اسی کو الٰہ بنالیا، اب بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ گئی حضرت ہارون علیہ السلام اب ان کو ہر طرح سمجھاتے تھے لیکن یہ نہ سمجھے حضرت موسیٰ کے آنے تک یہ قوم فتنہ میں مبتلاء ہوگئی اگلے رکوع میں اس کی کچھ تفصیل آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے طور کے اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ آپ کے آنے کے بعد ہم نے آپ کی قوم کو فتنہ میں ڈال دیا اور سامری نے تیری قوم کو گمراہ کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو ڈانٹنا اور قوم کی طرف سے جواب:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن وہاں گزارے، چالیس دن کے بعد توراۃ مل گئی، توراۃ کو لے کر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے ہیں تو پہلے آ کر اپنی قوم کو ڈانٹا، لوٹے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غصہ سے بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے، پہلے تو قوم کو خطاب کیا کہ اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں جلد ہی تمہیں کتاب دوں گا، پھر تم اس کے مطابق زندگی گزارنا، کیا اس وعدہ کے اوپر وقت زیادہ گذر گیا تھا کہ تم مایوس ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو کوئی قانون کی کتاب آتی نہیں چلو ہم ہی اپنے لیے کوئی تجویز کرلیں، یا تم اس قسم کے بدبخت ہو کہ تم نے یہی چاہا کہ اللہ کا غضب اتر پڑے، تم نے میرے وعدہ کے خلاف کیا، تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہم ٹھیک رہیں گے، ہم انتظام بحال رکھیں گے، کوئی غلط حرکت نہیں کریں لیکن میرے بعد تم ان سب باتوں کو چھوڑ بیٹھے، میرے وعدہ کے خلاف کرلیا۔

قوم کے وہ افراد جو اس فتنہ میں مبتلاء ہو گئے تھے انہوں نے آگے سے عذر کیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کے خلاف نہیں کیا بلکہ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ ہم مجبور ہو گئے، یہ مجبوری ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص دلیل کے سامنے مجبور ہو جاتا ہے گویا کہ دماغ کی ساخت ایسی تھی کہ یہ سامری کی باتیں سن کر انہوں نے اپنے اندر قوت ہی نہیں پائی کہ اس کے خیالات کا دفاع کریں اور اس کے پیدا کیے ہوئے شبہات کو دور کرسکیں، اس کے اشکالات اور اس کی دلیل سے متاثر نہ ہوں، اس بات کی انہوں نے اپنے اندر قوت ہی نہیں پائی بلکہ جب اس نے ایک نعرہ لگایا تو بے اختیار یہ بھی اس کے پیچھے ہو لیے، ہم نے تیرے وعدہ کے خلاف اپنے اختیار سے نہیں کیا لیکن ہم اٹھائے گئے تھے قوم کی زینت میں سے بوجھ، ہم پر بوجھ پڑے ہوئے تھے ہم نے وہ ڈال دیئے، ایسے ہی سامری نے ڈال دیے، بعد میں سامری نے ان کو پگھلا کر بچھڑے کی شکل بنادی۔

لٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ کا دوسرا مفہوم:۔

اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ: کی تفسیر عام طور پر یہی کی گئی ہے کہ انہوں نے فرعونیوں سے زیورات مستعار لیے تھے کہ ہجرت کا حکم آ گیا اب یہ ان کو اپنے لیے مباح نہیں سمجھتے تھے اس لیے ضائع کرنے کی یہ تدبیر سوچی لیکن بعض حضرات نے یوں بھی کہا کہ یہ چونکہ صرف اسرائیلی روایت ہے کہ انہوں نے فرعونیوں سے زیورات

مستعار لیے تھے اور ان مستعار زیورات کو لے کر وہ ہجرت کر گئے تھے بعد میں اکھٹے کیے گئے، یہ اسرائیلی روایت ہے اگر اس کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قوم کے اپنے زیورات جو سونا چاندی کے تھے بعض ذمہ دار آدمیوں کے پاس جمع تھے جیسے سفر میں کمزور قسم کے لوگ بڑوں کے پاس امانت رکھ دیا کرتے ہیں، جب وہاں جا کے ٹھہرے تو انہوں نے وہ بوجھ ادا کر دیا، قوم کی طرف لوٹا دیا لیکن قوم اپنے طور پر ان زیورات کو کہاں سنبھالتی یہ ایک مسئلہ تھا تو مشورہ کر کے انہوں نے کہا کہ سارے زیورات اکھٹے کر دو، اکھٹا کر کے پگھلا کے اس کی اینٹیں یا سلاخیں بنالی جائیں تا کہ ان کا سنبھالنا آسان ہو اور اس سونے کے پگھلانے پر سامری کو متعین کر دیا کیونکہ یہ اس قسم کے کام جانتا تھا، تو اس نے ان کو پگھلا کر اس کی سلاخیں یا اینٹیں بنانے کی بجائے ایک بچھڑا بنا دیا اور اس طرح قوم کے لئے ایک فتنہ کھڑا کر دیا تو پھر زِيْنَةِ الْقَوْمِ سے اپنی قوم کے زیورات مراد ہیں اور حُمِّلْنَآ کا مطلب ہوگا کہ وہ ذمہ دار اشخاص کہنے لگے کہ یہ ہم پر خواہ مخواہ کا بوجھ پڑا ہوا تھا، ہم نے وہ اتار پھینکا، قوم کو واپس کر دیا۔

پھر سامری نے ان کے لئے ایک بچھڑا نکالا جو کہ جسد تھا، جسد کا معنی کمالات سے خالی جو صرف ایک وجود ہی وجود تھا اتنی بات تھی کہ اس کے لئے گائے کی سی آواز پیدا ہوگئی، آواز کیسے پیدا ہوئی اس کی دونوں صورتیں ہیں جو آپ کی خدمت میں عرض کی گئیں تو کہنے لگے یہی تمہارا الٰہ ہے اور موسیٰ کا الٰہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہہ دیا کہ ان کو مغالطہ لگ گیا، وہ تو بھول گئے جو طور پر اپنے الٰہ سے ملنے چلے گئے، الٰہ تو یہ ہے۔

اسرائیلیوں کی حماقت کا اظہار:۔

اگلے الفاظ میں صرف ان کی حماقت بیان کی گئی ہے کہ ان احمقوں نے یہ تو دیکھ لیا کہ بچھڑے کی شکل ہے اور اس میں گائے کی آواز پیدا ہوگئی لیکن خدا کوئی کھلونا نہیں ہوا کرتا کہ لوگ جس کو دل بہلانے کے لئے اختیار کرتے ہیں، وہ تو زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس کے بغیر انسان کی ضرورت پوری نہیں ہوتی، انسان اس کی مدد کا محتاج ہے، اس سے ہدایت حاصل کرنے کا محتاج ہے اور جو انسان کی راہنمائی نہ کر سکے اور اس کو نقصان سے بچا نہ سکے، نفع پہنچا نہ سکے تو پھر اس کھلونے کو لینے کا کیا فائدہ......؟ اس الٰہ کی بندگی کرنے کا کیا فائدہ......؟ اور اس کے سامنے جھکنے کا کیا فائدہ......؟ اگر ہم نے کوئی الٰہ مانا ہے اور ہم اس کے سامنے جھک رہے ہیں، اور اس کی عبادت کر رہے ہیں تو اس ضرورت کی بناء پر کر رہے ہیں کہ اس کے بغیر راہنمائی حاصل نہیں ہوتی ہے، اس کے بغیر ہم نفع

نہیں حاصل کر سکتے، نقصان سے بچ نہیں سکتے، نفع حاصل نہیں کر سکتے، دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے الٰہ ماننے کی ضرورت ہے، اور زندگی میں راہنمائی حاصل کرنے کے لئے الٰہ ماننے کی ضرورت ہے، ورنہ یہ کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے کہ کھیل تماشہ کے طور پر ہی کسی کو الٰہ مان لو، اب یہ دونوں باتیں ہی اس میں نہیں تھیں اگر یہ اس سے کچھ پوچھتے تو وہ جواب نہیں دیتا تھا اور نہ ان کے لئے دفع مضرت کا اختیار رکھتا تھا اور نہ ہی حصول منفعت کا اختیار رکھتا تھا ان احمقوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، صرف اس کی آواز سن کے اس کو الٰہ مان بیٹھے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ

اور البتہ تحقیق کہا ان کو ہارون نے اس سے پہلے اے میری قوم! سوائے اس کے نہیں تم فتنہ میں ڈالے گئے ہو اس کی وجہ سے

رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ

اور بے شک تمہارا رب رحمٰن ہے پس تم میری اتباع کرو اور اطاعت کرو میرے حکم کی ﴿۹۰﴾ انہوں نے کہا ہم ضرور اس پر جمے

عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ

رہیں گے حتیٰ کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ علیہ السلام ﴿۹۱﴾ موسیٰ نے کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا

اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ

جب تو نے دیکھا ان کو کہ یہ گمراہ ہو گئے ﴿۹۲﴾ کہ تو میری اتباع کرتا کیا تو نے نافرمانی کی میرے حکم کی ﴿۹۳﴾ اس نے کہا

يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ

اے میری ماں کے بیٹے! تو نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ میرا سر، بے شک میں نے خوف کیا کہ تو کہے گا کہ تو نے پھوٹ

بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ

ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور تو نے انتظار نہ کیا میری بات کا ﴿۹۴﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا حال ہے تیرا

يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ

اے سامری! ﴿۹۵﴾ اس نے کہا میں نے دیکھی وہ چیز جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی پس میں نے اٹھا لی ایک مٹھی فرشتہ

اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ

کے نقش قدم سے پس میں نے اس کو ڈال دیا اور اس طرح بنا دی میرے لیے میرے نفس نے ایک بات ﴿۹۶﴾ موسیٰ نے کہا

فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ

پس تو چلا جا بس تیرے لئے زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو کہتا رہے گا مجھے کوئی نہ چھوئے، اور بے شک تیرے لیے

مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ

ایک وعدہ ہے جس کا خلاف نہ ہوگا اور تو دیکھ اپنے اس معبود کی طرف جس پر تو جما ہوا تھا

عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ

البتہ ہم ضرور اسے جلائیں گے پھر بکھیریں گے اس کو دریا میں بکھیرنا ﴿۹۷﴾ سوائے اس کے

اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ

نہیں تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وسیع ہے ہر چیز کو از روئے علم کے ﴿۹۸﴾ اسی طرح بیان

نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا

کرتے ہیں ہم آپ پر واقعات ان کے جو گذر گئے اور تحقیق دی ہم نے آپ کو اپنی طرف سے

ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ ۚۖ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ ۙ

نصیحت ﴿۹۹﴾ جس نے اعراض کیا اس سے پس بے شک وہ اٹھائے گا قیامت کے دن بوجھ ﴿۱۰۰﴾

خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ ۙ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں اور برا ہوگا ان کے لئے قیامت کے دن بوجھ ﴿۱۰۱﴾ جس دن پھونک ماری جائے گی

الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ ۚۖ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ

صور میں اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی ﴿۱۰۲﴾ وہ چپکے چپکے باتیں کریں گے آپس میں

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ

کہ نہیں ٹھہرے تم مگر دس دن ﴿۱۰۳﴾ ہم خوب جانتے ہیں اس کو جو وہ کہتے ہیں جبکہ کہے گا ان میں سے زیادہ صحیح

طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

رائے والا کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک ہی دن ﴿۱۰۴﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ: لَقَدْ تاکید کے لئے ہوتا ہے، البتہ تحقیق ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس سے پہلے کہا یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ، اے میری قوم! بے شک تم اس عجل کی وجہ سے فتنہ میں ڈال دیئے گئے وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ اور بے شک تمہارا رب رحمٰن ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ پس تم میری پیروی کرو، وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ اور میرا کہنا مانو، قَالُوْا وہ کہنے لگے لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ، ہمیشہ رہیں گے ہم اس بچھڑے پر ہی اعتکاف کرنے والے، جم کے بیٹھے والے، عٰكِفِیْنَ یہ عکوف سے لیا گیا ہے، ہمیشہ رہیں گے ہم اس پر جم کے بیٹھنے والے حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی، حتی کے بعد محاورۃً نفی کا ترجمہ ہوتا ہے، جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف لوٹ کے نہ آ جائے، اور اگر نفی ظاہر نہ کرنی ہو تو پھر معنی یونہی کریں گے، حتی کہ لوٹ آئے ہماری طرف موسیٰ علیہ السلام۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یٰهٰرُوْنُ، اے ہارون! مَا مَنَعَكَ، تجھے کس چیز نے روکا، اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْٓا، جب تو نے انہیں دیکھا تھا کہ یہ بھٹک گئے اَلَّا تَتَّبِعَنِ، نون کے نیچے جو کسرہ ہے یہ یاءِ متکلم پر دال ہے، اب یہاں بھی اَنْ کے بعد جو لا ہے اس کو زائدہ قرار دیا گیا اور ان فعل کو مصدر کی تاویل میں کر دے گا یعنی یوں ہو جائے گا کس چیز نے روکا تجھے جب تو نے دیکھا ان کو کہ یہ گمراہ ہو گئے میری اتباع کرنے سے، تجھے میری اتباع کرنے سے کس چیز نے روکا، اور اگر لا کا معنی ظاہر کرنا ہو تو بھی ترجمہ ہو سکتا ہے، تجھے کس چیز نے روکا جب تو نے ان کو دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے تھے کہ تو نے میری پیروی نہ کی، اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ، کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی......؟

قَالَ یَبْنَؤُمَّ: ہارون نے کہا، یَبْنَؤُمَّ اصل یَا ابْنَ اُمِّیْ ہے، اے میری ماں جائے، اے میری ماں کے بیٹے! ماں کی طرف نسبت شفقتاً ہے ورنہ یہ بات نہیں کہ وہ باپ کی طرف سے بیٹے نہیں تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے حقیقی بھائی ہیں، ماں کی طرف نسبت شفقت ابھارنے کے لئے ہے، اے میری ماں کے بیٹے! لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ، میری ڈاڑھی نہ پکڑ وَلَا بِرَاْسِیْ اور نہ میرا سر پکڑ، اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ، بے شک میں نے اندیشہ کیا کہ تو کہے گا کہ پھوٹ ڈال دی تو نے بنی اسرائیل کے درمیان، تفریق ڈال

دی، ان کے فرقے بنا دیئے، وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ اور تو نے میری بات کی رعایت نہیں رکھی، میری بات کا لحاظ نہیں رکھا، میری بات کا خیال نہیں رکھا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ: موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا واقعہ ہے تیرا اے سامری! تو نے یہ کیا کیا ہے، قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا، سامری نے کہا کہ دیکھی میں نے ایسی چیز جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی، بصر سے یہاں بصر بالعین مراد ہے آنکھ کے ساتھ دیکھنا، دیکھی میں نے ایک ایسی چیز جو ان لوگوں نہیں دیکھی فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ، پھر رسول کے نقش قدم سے میں نے مٹی بھر لی، فَنَبَذْتُهَا پھر میں نے اس کو ڈال دیا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ، ایسے ہی بات بنائی میرے لیے میرے نفس نے۔

قَالَ فَاذْهَبْ: موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ چلا جا، یہ چونکہ ناراضگی کے مقام میں ہے اس لیے دفع ہونے کے معنی میں ہے، دفع ہو جا فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ، پس تیرے لیے زندگی میں یہ بات ہے کہ تو کہے گا لَا مِسَاسَ مساس یہ مس سے مصدر ہے چھونے کے معنی میں ہے، تو کہے گا کہ چھونا نہیں ہے یعنی مجھے ہاتھ مت لگاؤ، تو یہ کہتا پھرے گا کہ مجھے ہاتھ مت لگاؤ، میرے قریب نہ آؤ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا اور تیرے لیے ایک وعدہ ہے لَّنْ تُخْلَفَهٗ جس کے تو خلاف نہیں کیا جائے گا وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا اور تو دیکھ اپنے اس الٰہ کی طرف جس کے اوپر تو جم کے بیٹھا ہوا تھا لَنُحَرِّقَنَّهٗ، البتہ ضرور جلا دیں گے ہم اسے ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ پھر البتہ ہم ضرور اسے بکھیر دیں گے فِي الْيَمِّ، سمندر میں نَسْفًا اچھی طرح سے بکھیرنا، اس کا ذرہ ذرہ بکھیر دیں گے۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارا معبود اللہ ہی ہے کہ جس کے بغیر کوئی دوسرا معبود نہیں، وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا، وہ ہر چیز کو علم کے اعتبار سے وسیع ہے، وسیع ہے وہ از روئے علم کے یہ تمیز مُحَوَّلْ عن الفاعل ہے یعنی اس کا علم ہر چیز سے وسیع ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ: اسی طرح بیان کرتے ہیں ہم آپ پر جو کچھ پہلے ہو چکا اس کی خبریں، نبأ کی جمع ہے، نباء خبر کو کہتے ہیں، جو کچھ پہلے ہو چکا اس کی خبروں میں سے ہم آپ پر بیان کرتے ہیں وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا اور تحقیق ہم نے اپنی طرف سے آپ کو ایک نصیحت دی ہے، ذکر دیا ہے، ذکر کا مصداق

یہاں یہی کتاب ہے جو ذکر پر مشتمل ہے، مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ، جو اس ذکر سے اعراض کرے گا، عَنْهُ پھرے گا، فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا پس بے شک وہ اٹھائے گا قیامت کے دن بوجھ، خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ہمیشہ رہے گا اس بوجھ میں وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا اور برا ہے ان کے لئے قیامت کے دن اٹھایا ہوا بوجھ، یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ،جس دن کہ صور میں پھونک ماری جائے گی وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور جمع کریں گے ہم مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ ، آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں گے اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر دس، آگے تمیز مذکور نہیں ہے، دس راتیں، کیونکہ عشر کے آخر میں تاء نہ ہو تو اس کی تمیز مذکر ہونی چاہیے اس لیے یہاں لیالٍ کا لفظ نکالیں، نہیں ٹھہرے ہو تم مگر دس راتیں، مراد اس سے دن رات دونوں ہیں جس طرح مرضی تعبیر کرلو، نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ہم زیادہ جاننے والے ہیں اس بات کو جو وہ کہتے ہیں اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً جب کہ کہے گا ان میں سے بہتر ازروئے طریقہ کے یعنی ایسا شخص جو طریقہ کے اعتبار سے بہتر ہے، جس کی سوچ بچار کا طریقہ ان کے مقابلہ میں اچھا ہے، جس کی روش اچھی ہے اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا نہیں ٹھہرے ہو تم مگر ایک دن۔

ماقبل سے ربط:۔

پچھلے رکوع سے سامری کے بچھڑے سے بنائے ہوئے بت کی وجہ سے بنی اسرائیل کے گمراہ ہونے کا واقعہ چلا آ رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے تھے تو آ کے سب سے پہلے قوم کو خطاب کیا تھا اور ان کے اوپر ناراضگی کا اظہار کیا تھا پچھلے رکوع کے آخر میں اسی بات کا ذکر تھا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، حضرت ہارون علیہ السلام عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے ہیں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی ہیں لیکن آپ نے پیچھے تفصیل سن لی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے ان کو نبوت دلائی تھی، اور اپنے لیے وزیر مانگا تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کی حیثیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایسے تھی جس طرح بادشاہ کے ساتھ وزیر کی ہوتی ہے گویا کہ تمام امور میں حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اگرچہ عمر میں چھوٹے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن اختیار، اقتدار اور عہدہ کے لحاظ سے بڑے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب طور پر گئے تو براہ راست اللہ تعالیٰ کا معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چلتا ہے، کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی اور اس کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام اس

کتاب کے مکلف ٹھہرائے گئے، تبلیغ کے مکلف ٹھہرائے گئے، اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کے لئے بھی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی جاتے تھے، جب یہ طور پر جا رہے تھے تو پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین متعین کر گئے تھے اور یہ تاکید کی تھی کہ اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کے راستہ پر نہ چلنا یعنی کچھ شریر لوگ درمیان میں موجود ہیں وہ اگر کہیں شرارت اٹھائیں تو ان سے بچ کے رہنا، ان کی شرارت کا شکار نہ ہو جانا، قوم کا خیال رکھنا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور پیچھے سامری نے یہ تماشہ دکھا دیا اور قوم اس کے فتنہ میں آ گئی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بہت جانسوزی کے ساتھ قوم کو سمجھایا کہ تم باز آ جاؤ یہ فتنہ ہے، یہ بچھڑا تمہارا إلٰہ نہیں، تمہارا رب رحمٰن ہے اور میری اتباع کرو، میری بات مانو اور اس گمراہ کے پیچھے نہ لگو، حضرت ہارون علیہ السلام نے خوب اچھی طرح سمجھایا لیکن حضرت ہارون علیہ السلام کا مزاج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ نرم معلوم ہوتا ہے اور یہ قوم سختی کی عادی تھی، یہ نرمی سے کہاں ماننے والی تھی تو ایسے وقت میں بعض لوگ تھے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ ہو لیے اور بعض لوگ سامری کے فتنہ کا شکار ہو گئے۔

ایک ہی مسئلہ میں دو نبیوں کی دو رائیں:۔

اب یہاں حضرت ہارون علیہ السلام کی سوچ یہ ہے کہ ان کے ساتھ خلط ملط رہنا چاہیے یا اپنے ماننے والوں کو ان سے علیحدہ کر لینا چاہیے، حضرت ہارون علیہ السلام کا ذہن اس طرف گیا کہ یوں ان کے ساتھ خلط ملط رہنا بہتر ہے، ہم اپنے طور پر ان کو سمجھاتے رہیں اور جس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں آئیں گے ہماری اسی طرح کوشش جاری رہے گی اور اگر میں نے اپنے ماننے والوں کو علیحدہ کر لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم دو حصوں میں بٹ جائے گی، مستقل دو فرقے بن جائیں گے، اور ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلہ میں لڑائی ہو جائے تو قوم خونریزی میں مبتلاء ہو جائے گی جیسا کہ آثار تھے، آثار اس لیے تھے کہ ابھی آپ کے سامنے یہ بات آئے گی کہ حضرت ہارون علیہ السلام پر جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گرفت کی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ ① کہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں تو جب میں ان کو سمجھاتا تھا اور ان کو منع کرتا تھا تو وہ میرے ہی قتل کے درپے ہو گئے اور مجھے انہوں نے سمجھا کہ یہ تو کمزور ہے اس کے ساتھ لوگ تھوڑے ہیں، اس سے

① پارہ نمبر ۹ سورۃ نمبر ۷ آیت نمبر ۱۵۰ ص ۱۵۳

اندازہ ہوتا ہے کہ بچھڑا پوجنے والوں کے جذبات کیسے تھے اور منع کرنے والوں کے خلاف وہ کس طرح مشتعل تھے تو اگر حضرت ہارون علیہ السلام ایک گروہ کو علیحدہ کر لیتے تو اندیشہ تھا کہ آپس میں لڑائی ہو جائے گی اور قوم خونریزی میں مبتلاء ہو جائے گی تو حالات کی اصلاح کے لئے تقاضہ یہ ہے کہ آپس میں خلط ملط رہیں تا کہ ٹکراؤ نہ پیدا ہو، جہاں تک ہو سکے، سمجھاتے رہیں باقی یہ کہ پھوٹ ڈالنا اور دو پارٹیاں بنا دینا مناسب نہیں ہے حضرت ہارون علیہ السلام کی سوچ اس طرح سے تھی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سوچ یوں تھی کہ جس وقت پتہ چل گیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سمجھاتے ہوئے یہ لوگ نہیں سمجھے تو ساتھ اکھٹے نہیں رہنا چاہیے تھا، اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر میرے پیچھے آ جاتے اور ان بدبختوں کو بالکل اپنے سے علیحدہ کر لیتے، دیکھو! مسئلہ ایک ہے کہ قوم کے حالات کی اصلاح کا کیا تقاضہ ہے اور اس میں دو نبیوں کی دو رائیں ہیں، موسیٰ علیہ السلام کی رائے یہ ہے کہ ان سے بائیکاٹ کر دینا چاہیے تھا اور اپنے ماننے والوں کو علیحدہ کر کے ان کو لے کر میرے پیچھے آ جاتے اور ان کے ساتھ میل ملاپ بالکل ترک کر دیتے اور ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے اور ہارون علیہ السلام کی سوچ یہ ہے کہ حالات کی اصلاح کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ان سے ملتے جلتے رہیں، اگر ہم ملتے جلتے رہیں گے تو فساد زیادہ نہیں ہوگا اور اگر ہم بالکل علیحدہ ہو گئے اور ان سے بالکل قطع تعلق کر لیا ایک تو یہ پوری طرح شرارتیں مچائیں گے پھر ہو سکتا ہے کہ اشتعال انگیزی کے ساتھ دونوں فریقوں میں لڑائی ہی ہو جائے، خونریزی ہو جائے گی، بعد میں ایک دوسرے کو سمجھانا بھی مشکل ہو جائے گا، دونوں باتیں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن دونوں کی سوچ علیحدہ علیحدہ ہونے کی بناء پر ظاہری طور پر اختلاف ہوا۔

ائمہ فقہاء کے اختلافات کی حیثیت:۔

اہل حق میں جو اختلاف ہوتا ہے اس کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ نیت دونوں طرف صحیح ہوا کرتی ہے لیکن ایک شخص بہتر یوں سمجھتا ہے، دوسرا شخص بہتر یوں سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں ہی ٹھیک ہوتے ہیں، دونوں معذور ہوتے ہیں کسی کے اوپر کوئی کسی قسم کا الزام نہیں ہوا کرتا، ائمہ فقہاء کے اختلافات اسی قسم کے ہیں، ایک ہی بات سامنے ہوتی ہے اور اس کے مطلب دو بن سکتے ہیں، ایک کے نزدیک یہ راجح ہے دوسرے کے نزدیک وہ راجح نہیں ہے جیسے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے درمیان اختلاف ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے حضرت ہارون علیہ السلام کو سرزنش اوران کا جواب:۔

تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے چونکہ غصہ تو بہت چڑھا ہوا تھا، اب ایک نبی اپنی قوم کو شرک میں مبتلاء دیکھ کر کیسے برداشت کرسکتا ہے! نبی کی فطرت شرک سے اتنا بُعد رکھتی ہے اور اتنی نفرت کرتی ہے کہ اس کا آپ اندازہ ہی نہیں کرسکتے، پہلے تو قوم پر غصہ تھا قوم کو جھاڑا، پھر حضرت ہارون علیہ السلام کو چونکہ براہ راست ذمہ دار ٹھہرا گئے تھے تو غصہ حضرت ہارون علیہ السلام پر بھی ہے حضرت ہارون علیہ السلام سامنے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیاں پکڑی ہوئی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ جو آیا تو یہ ہمیشہ قاعدہ ہوتا ہے کہ آپ نے ایک چیز ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے اور سامنے کوئی شخص کھڑا ہے جس پر آپ کو غصہ آ گیا، تو غصہ آنے کی صورت میں یہ خیال نہیں رہتا کہ میں اس کو ذرا خیال سے رکھ دوں بلکہ انسان اتنی تیزی سے رکھتا ہے گویا کہ پھینک دی اور حضرت ہارون علیہ السلام پر جھپٹ پڑے، جا کے سر سے پکڑ لیا اور ایک ہاتھ داڑھی کی طرف بڑھایا اور ان کو اپنی طرف کھینچنے لگے کہ یہ کیا کیا، میں تجھے ذمہ دار ٹھہرا کر گیا تھا، یہ کیا ساری قوم برباد کر کے رکھ دی، تو نے میرے قول کی رعایت کیوں نہیں کی، میں جو تجھے کہہ کے گیا تھا کہ قوم کی اصلاح کرنی ہے تو نے میری بات کا لحاظ کیوں نہیں رکھا، اب چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حاکم ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام محکوم ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اصل ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام وزیر ہیں تو انتظامی امور میں چونکہ ماتحت تھے تو اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت ہارون علیہ السلام پر گرفت ایسی ہے جیسی گرفت کوئی حاکم اپنے ماتحت پر کرتا ہے اور غصہ اس لیے چڑھا ہوا ہے کہ شرک قابل برداشت نہیں تو جس وقت سر اور داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اپنی طرف پکڑ کے کھینچا تو حضرت ہارون علیہ السلام نہایت نرمی کے ساتھ کہتے ہیں کہ اے میری ماں جائے! اے میرے بھائی غصہ نہ کیجئے! مجھے آپ ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجئے، میرا کوئی کسی قسم کا قصور نہیں، میری بات تو سنو! میں نے اپنی طرف سے انہیں پوری طرح سمجھایا لیکن انہوں نے مجھے کمزور سمجھا یہ تو میرے قتل کے درپے ہوگئے اور انہوں نے یہ کہا کہ جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آئیں گے ہم تو اپنے اسی طریقہ پر رہیں گے میں نے خیال کیا کہ اگر میں ان کو لے کر علیحدہ ہوگیا تو، تو آ کے مجھے الزام دے گا کہ تو نے پارٹی بازی کروادی، میرا انتظار کرتے حالات کو برداشت کرتے پھر تو مجھ پر یہ الزام دیتا کہ تو نے میری بات کا خیال نہیں رکھا، قوم کے حالات کو سنوارنے کی بجائے تو نے پارٹی بازی کروادی اس لیے میں ان کو لے کر علیحدہ نہیں ہوا، تو یہ عذر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک قابل قبول تھا، وہ سمجھ گئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے کوئی کسی قسم کی فروگذاشت نہیں کی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بھائی کے لئے استغفار بھی کی۔

سامری کی سرزنش اور اس کا جواب:۔

پھر یہاں سے فارغ ہو کر سامری کی طرف متوجہ ہوئے جو اصل فتنہ کی جڑ تھی یعنی قوم سے خطاب کیا وہاں سے بھی کچھ حالات معلوم ہوئے انہوں نے بھی الزام سامری پر دھرا، حضرت ہارون علیہ السلام سے گفتگو ہوئی وہاں سے بھی حالات معلوم ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری طرح یقین آ گیا کہ اس فتنہ کا سرغنہ سامری ہے اور یہ ساری شرارت اس نے اٹھائی ہے، پھر اس طرف متوجہ ہوئے کہ تو بتا یہ کیا گل کھلائے، یہ تیرا کیا واقعہ ہے، یہ تو نے کیا کیا اور کیوں کیا......؟ تو سامری کہتا ہے کہ میں نے ایک بات دیکھی تھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی، وہ کیا بات تھی......؟ جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ اس کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ میں نے ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا، وہ گھوڑے پر سوار تھے جہاں اس کا نقش قدم پڑتا تھا تو نیچے سے سبزہ اگتا تھا تو میں نے سمجھ لیا کہ اس مٹی کے اندر حیات کی تاثیر ہے، میں نے وہاں سے ایک مٹھی بھر کے رکھ لی اور پھر میں نے یہ بچھڑا بنایا تو میں نے یہ مٹھی اس میں ڈال دی اور یہ جو کرشمہ بنا یہ سب اسی مٹی کا اثر ہے، اب یہ واقعہ ایسا ہے یا نہیں! قرآن کریم اس بات کی تصدیق نہیں کرتا کہ واقعی ایسے ہوا تھا لیکن اس کی طرف سے یہ بات بیان کرتا ہے کہ سامری نے یہ کہا گویا کہ اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ یہ جو کچھ ہے یہ سارے کا سارا جبرائیل علیہ السلام کے قدموں کا فیض ہے اور اسی سے کرامت ظاہت ہوئی، اپنے فعل کے بہانہ اور عذر کے لئے اس نے یہ قصہ سنایا، اس نے یہ بات بنائی لیکن اس کی اس بات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ اس کو معذور قرار دیا بلکہ اس کے اوپر ناراض ہوئے اور اس کا جرم ثابت ہو گیا جس وقت جرم ثابت ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کیلئے ایک سزا تجویز کی۔

قوم اور سامری کی سزا:۔

ایک سزا قوم کے لئے تجویز کی، حضرت ہارون علیہ السلام بری ہو گئے معلوم ہو گیا کہ ان کی طرف سے کوئی قصور نہیں ہوا اور نہ نبی ایسے معاملات میں قصور کر سکتا ہے، یہ اجتہادی اختلاف تھا بعد میں بات ٹھیک ہو گئی، قوم میں سے جنہوں نے بچھڑا پوجا تھا ان کے لئے تو سزا قتل تجویز ہوئی، جنہوں نے نہیں پوجا تھا انہیں حکم دیا کہ ان پوجنے والوں کو

قتل کرو جیسا کہ مرتد کی سزا قتل تجویز ہوئی، یہ بھی مسلمان تھے، مسلمان ہونے کے بعد بچھڑے کو پوج کر مرتد ہو گئے، تو ان کو سزا کے طور پر قتل کیا گیا اور سامری کو قتل نہیں کیا گیا کیونکہ قتل ایک ایسی سزا ہے کہ جس سے جلدی جان چھوٹ جاتی ہے، مرا اور آدمی گیا، اس کے لئے سخت سزا تجویز کی گئی، قومی سطح پر اس کا بائیکاٹ کروا دیا گیا، کوئی اس کے قریب نہ جائے، کوئی اس کے ساتھ کھانا پینا نہ رکھے، لامساس اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ چھونا نہیں، مجھے چھوؤ نہیں، میرے قریب نہ آؤ، پاگلوں جیسی اس کی کیفیت آ گئی، انسانوں سے بدکتا تھا، وحشی جانوروں کی طرح جنگل کی طرف بھاگ گیا اگر کوئی انسان اس کے قریب آتا تو کہتا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا بعض راویات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس کو ہاتھ لگا دے یا وہ کسی کو ہاتھ لگا دے تو دونوں کو سخت بخار چڑھتا تھا اور سخت تکلیف ہوتی تھی، زندگی بھر اس کو اس طرح ذلیل کر دیا گیا کہ انسانی معاشرہ میں بیٹھنے کے قابل نہ رہا، کسی سے ملنے جلنے کے قابل نہ رہا، ہماری کتابوں میں اس کے حالات میں اسی طرح لکھا ہے۔

اور بعض مفسرین نے یوں بھی لکھا ہے کہ اس کو اس ماحول کا اچھوت بنا دیا گیا کہ اس کے ذمہ یہ بات لگ گئی کہ جو بھی تیرے پاس آئے تو اس کو یہ کہا کر میں چھونے کے قابل نہیں، میں گناہ گار اور نالائق آدمی ہوں، مجھ سے دور رہو اور جب ایک آدمی کو کسی معاشرہ کے اندر یوں کر دیا جائے تو وہ موت سے بدتر ہو کر رہ جاتا ہے، تو زندگی میں تیری یہ سزا ہے کہ تو انسانی برادری میں بیٹھنے کے قابل نہیں ہے اور مرنے کے بعد تیری سزا جہنم ہے، یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فتنہ کے اوپر قابو پایا۔

یہ قوم جو شرک میں مبتلاء ہوئی تھی اسی سے آخر میں یہ کلام توحید کی طرف منتقل ہو گئی جیسا کہ سورۃ کی ابتداء میں بھی آیات ایسی ہی آئی تھیں۔

ان کے بت کا حال:۔

سامری سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے یہ بھی کہا کہ یہ جو تو نے معبود گھڑ لیا تھا اور جس کے اوپر تو جم کے بیٹھا ہوا تھا دیکھ میں اس کا کیا حال کرتا ہوں، جیسا کہ توحید ثابت کرنے کے لئے اور شرک کی تردید کے لئے بت شکنی کی جاتی ہے، سرور کائنات ﷺ نے جب مکہ معظمہ فتح کیا تو قوم کو شرک سے روکا تو ساتھ ساتھ بیت اللہ کے اندر جو انہوں نے بت بنا کے رکھے ہوئے تھے چاہے وہ حضرت ابراہیم کی طرف منسوب تھے، چاہے

حضرت اسماعیل کی طرف منسوب تھے چاہے وہ فرشتوں کی طرف منسوب تھے، وہ سب حضور ﷺ نے توڑے اور ریزہ ریزہ کیے تو شرک کی بنیاد اسی طرح ختم ہوتی ہے کہ جوانہوں نے بت یا معبود تجویز کیا ہے اس کی صورت بھی باقی نہ رہے، تصویر کو پھاڑ دینا، بت کو توڑ دینا گویا کہ یہ شرک کی جڑ کاٹنے والی بات اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ دیکھ جس کو تو معبود بنائے بیٹھے تھا اس کا میں کیا حال کرتا ہوں، ہم اسے جلائیں گے اور پھر اس کی جو راکھ بنے گی ہم اس کو سمندر میں بہادیں گے، تو تمہارے سامنے آجائے گا کہ ایسی عاجز مخلوق جو اپنے آپ کو بچا نہیں سکتی اور اس طرح فناء ہوگئی وہ بھلا کس طرح معبود بننے کے قابل ہے......؟ اس کے بعد پھر آگے توحید کی تلقین ہے۔

واقعات بالا میں امت محمدیہ کے لئے سبق آموز پہلو:۔

واقعات ذکر کرنے کے بعد عام طور پر جس طرح اس کا سبق آموز پہلو نمایاں کیا جاتا ہے یہاں بھی وہ نمایاں کیا جاتا ہے، سرور کائنات ﷺ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ ہم اسی طرح آپ پر گذرے واقعات پڑھتے ہیں، جس میں آپ کے لئے سبق موجود ہے جیسے ابتداء کے اندر بتایا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس داستان میں حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صبر کی تلقین ہے اور مشقت برداشت کرنے کے لئے آمادہ کرنا ہے کہ دیکھو! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا برداشت کیا اور ان کی قوم کیسی کیسی غلطیاں کرتی تھی، کن حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو سنبھالا، اب یہ چیزیں حضور ﷺ کے سامنے ذکر کی جارہی ہیں کہ آپ کے سامنے بھی اس قسم کے حالات آنے والے تھے، آپ نے بھی یونہی گھر بار چھوڑنا تھا، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام چھوڑ کر گئے تھے اور بہت سخت قوم کے ساتھ آپ کو واسطہ تھا تو صبر وتحمل کے لئے یہ واقعہ سنا کے، گویا کہ آمادہ کیا جارہا ہے اور ہم نے آپ کو ایک یاداشت دی، ذکر سے قرآن کریم مراد ہے، جو کوئی اس سے اعراض کرے گا یعنی اس کو قبول نہیں کرے گا اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں، ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں آتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں، آپ کا فرض ہے یاد ہانی، جو اس یاد ہانی سے متاثر نہیں ہوگا، اعراض کرے گا قیامت کے دن وہ اپنا بوجھ اٹھائے گا اور ہمیشہ اس بوجھ میں دبا رہے گا اور یہ بہت بُرا بوجھ ہوگا جو ان کے اوپر پڑے گا، یہ اسی قسم کی آیات ہیں جو سورۃ کی ابتداء میں آئی تھیں کہ اس ذکر کی وجہ سے آپ کے ذمہ تذکیر ہے باقی اگر کوئی نہیں مانے گا تو نقصان اپنا کرے گا۔

قیامت میں پھونکے جانے والے صور کی حقیقت وکیفیت:۔

جس دن پھونک ماری جائے گی صور میں، صور اصل میں کہتے ہیں، حدیث شریف میں جیسے آتا ہے کہ وہ ایک سینگ کے شکل کی چیز ہے ① جس طرح آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض ملنگ لیے پھرتے ہیں اور جب اس میں پھونک مارتے ہیں تو آواز پیدا ہوتی ہے جس کو آج آپ ''بگل'' کے ساتھ تعبیر کرسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے حالات کو، جنت اور دوزخ کی چیزوں کو ایسے الفاظ سے بیان فرماتے ہیں کہ جس سے لوگ سمجھ سکیں ورنہ جس وقت واقعہ سامنے آئے گا تو اس وقت آپ کو پتہ چلے گا کہ اس کی دنیا کے ''بگل'' کی آپس میں کوئی مناسبت نہیں ہے، جس طرح جنت کی نعمتوں کے لئے جو الفاظ استعمال کیے گئے، وہ الفاظ وہی ہیں جو ہم دنیا میں استعمال کرتے ہیں، ہم کیلا کھاتے ہیں تو وہاں بھی کیلے کا ذکر آیا، یہاں انار ہیں وہاں بھی انار کا ذکر آیا، یہاں انگور ہیں وہاں بھی انگور کا ذکر آیا کیونکہ ہم ان نعمتوں کو سمجھتے ہیں اسی عنوان سے ان کو ذکر کردیا گیا، ورنہ جنت کے انار میں اور دنیا کے انار میں، جنت کے انگور میں اور دنیا کے انگور میں اتنا فرق ہوگا جتنا آپ سوچ بھی نہیں سکتے تو اسی طرح دنیا کے اندر ہمیشہ یہ قاعدہ ہے کہ لشکروں کو اکٹھا کرنے کیلئے ان میں کوئی کسی قسم کا اعلان کرنے کے لئے بگل بجاتے ہیں اور آج تک فوج میں یہ دستور ہے جیسے نقارہ بجاتے ہیں تو آواز سن کے سارے اکٹھے ہوجاتے ہیں جس طرح آپ کو اکٹھا کرنا ہو تو گھنٹی بجادی جاتی ہے، کھیل رہے ہیں گھنٹی بجادی تو سارے کے سارے منتشر ہوگئے یہ علامت متعین کردی جاتی ہے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو توڑنے پھوڑنے کے لئے صور میں پھونک مروائے گا، جب آواز پیدا ہوگی تو مخلوق کا ذرہ ذرہ بکھر جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ دوبارہ زندہ کرنے کا ہوگا تو اسی صور میں پھونک ماری جائے گی تو ساری مخلوق اکٹھی ہوجائے گی، باقی وہ صور کیسا ہوگا، پھونک ماری جائے، اس سے کیسی آواز پیدا ہوگی اس کو مثال کے ساتھ واضح نہیں کیا جاسکتا۔

آخرت میں جا کر دنیا کی زندگی ایک دن کے برابر معلوم ہوگی:۔

تو جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو ہم مجرموں کو اکٹھا کرلیں گے اور وہ اس طرح دہشت زدہ ہوں

① الصُّور قرن ينفخ فيه (مشکوۃ ص ۴۸۲ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ / سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۳۶، باب في ذكر البحث والصور مطبوعہ بیروت/ شرح مشكل الآثار ج ۱۳ ص ۳۷۸ مطبوعہ بیروت

گے، ان کے دل دماغ پریشان ہوں گے کہ ان کی آنکھوں میں کوئی رونق نہیں، نہایت بدنما اور نیلی آنکھیں ہوں گی، پریشان آدمی کی آنکھوں میں رونق نہیں رہا کرتی جو انسان پریشان ہوتا ہے، دہشت زدہ ہوتا ہے اس کی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں، جتنا دل میں سرور اور خوشی ہوتی ہے اتنی آنکھوں میں رونق ہوتی ہے، نیلی آنکھیں ہوں گی، آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں گے، کہیں ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ دنیا ہی دنیا ہے، اس سے کبھی ہم نے زائل ہی نہیں ہونا، کبھی ہم پر زوال نہیں آئے گا، ہم سمجھتے تھے ہم نے بڑی لمبی لمبی عمریں پائی ہیں لیکن اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سارا قصہ دس دن میں ہی گذر گیا، ہم تو سمجھتے تھے بڑی طویل مدت ہے، بڑی دراز عمر ہے لیکن یہ تو ایسے ہی تھا جیسے دس دن میں ہی گذر گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دس دن کا اندازہ کرنے والوں سے بھی زیادہ سمجھدار آدمی وہ ہے جو صرف ایک دن سے اندازہ کرے گا کیونکہ قیامت اور قیامت کے بعد والے حالات کے مقابلہ میں دنیا ایک دن کے برابر بھی نہیں ہے، وہ کہے گا ہم تو ایک ہی دن کے طور پر رہے ہیں، یہ اتنا سا وقت تھا جیسے ایک ہی دن ملا ہے، آج یہ ان حالات پر مست ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں دوام ہی دوام ہے لیکن یہ دنیا کی زندگی اور دوسرے گذرے ہوئے حالات ایسے ہوں گے جیسے ایک ہی دن کا قصہ تھا جو ختم ہو گیا۔

اور یہ انسان کا اس قسم کا مزاج ہے، اب آپ پندرہ پندرہ بیس بیس، پچیس پچیس سال گزارے بیٹھے ہیں لیکن آج اگر کسی قسم کی تکلیف آجائے تو پچھلی راحت کی گذری ہوئی عمر ایسے ہوگی جیسے خواب وخیال ہی تھا، ایسے تھا جیسے کل آئے تھے اور آج چلے گئے، گذرے ہوئے حالات ایسے معلوم ہوا کرتے ہیں، خاص طور پر مصیبت آجانے کے بعد راحت کے دن ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے چٹکی میں گذر گئے تو یہ بھی ایک یاد دہانی ہے کہ آج تم اس دنیا پر مست ہو، دنیا مست ہونے کی چیز نہیں، قیامت کے دن تمہیں ایسے معلوم ہوگا کہ جیسے چٹکی میں گذر گئی۔

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّىۡ نَسۡفًا ۙ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا

اور لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں پہاڑوں کے متعلق آپ کہہ دیجئے اڑادے گا ان کو میرا رب اچھی طرح اڑانا ﴿۱۰۵﴾ پھر چھوڑ دے گا اس کو

قَاعًا صَفۡصَفًا ۙ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيۡهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا ؕ﴿۱۰۷﴾ يَوۡمَئِذٍ

ایک چٹیل میدان ﴿۱۰۶﴾ نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی پستی اور نہ کوئی بلندی ﴿۱۰۷﴾ اس دن

يَّتَّبِعُوۡنَ الدَّاعِىَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ

لوگ پیروی کریں گے بلانے والے کی جس کے لئے کوئی ٹیڑھا پن نہ ہوگا اور پست ہوجائیں گی آوازیں

لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ

رحمٰن کیلئے پس تو نہیں سنے گا مگر آہٹ ﴿۱۰۸﴾ اس دن نہیں نفع دے گی شفاعت

اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَرَضِىَ لَهٗ قَوۡلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ

مگر اجازت دے جس کے لئے رحمٰن اور پسند کرے اس کے لئے بولنا ﴿۱۰۹﴾ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے

اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ

اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ نہیں احاطہ کرسکتے اس کا ازروئے علم کے ﴿۱۱۰﴾ اور جھک جائیں گے

الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَىِّ الۡقَيُّوۡمِ ؕ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنۡ

چہرے حی و قیوم کے لئے اور تحقیق ناکام ہوا وہ شخص جس نے اٹھایا ظلم ﴿۱۱۱﴾ اور جس شخص نے

يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا هَضۡمًا ﴿۱۱۲﴾

نے نیک عمل کیے مؤمن ہونے کی حالت میں پس وہ نہیں خوف کرے گا ظلم کا اور نہ کمی کا ﴿۱۱۲﴾

وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفۡنَا فِيۡهِ مِنَ الۡوَعِيۡدِ

اور اسی طرح ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن بنا کر اور ہم نے پھیر کر بیان کیا اس میں وعید کو

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ

شاید کہ وہ لوگ ڈر جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن ان کے لئے نصیحت ﴿۱۱۳﴾ پس بلند ہے اللہ بادشاہ ہے حق ہے

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ

اور تو جلدی نہ کر اس قرآن کے ساتھ قبل اس کے کہ پوری کردی جائے آپ کی طرف اس کی وحی اور آپ کہہ

رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ

دیجئے زیادہ کر مجھے از روئے علم کے ﴿۱۱۴﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے عہد لیا آدم سے اس سے پہلے پس وہ بھول گئے

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور ہم نے نہ پائی اس کیلئے کوئی پختگی ﴿۱۱۵﴾ اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو کہ تم سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا

سوائے ابلیس کے اس نے انکار کر دیا ﴿۱۱۶﴾ تو ہم نے کہا اے آدم! بیشک یہ دشمن ہے تیرا اور تیری بیوی کا پس تم

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا

دونوں کو نکال نہ دے جنت سے پھر تو مشقت میں پڑ جائیگا ﴿۱۱۷﴾ بے شک تیرے لیے یہ بات ہے کہ تو بھوکا نہیں رہتا اس میں

وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ

اور نہ تو ننگا ہوتا ہے ﴿۱۱۸﴾ اور بیشک تو پیاسا نہیں ہوتا اس میں اور نہ دھوپ لگتی ہے ﴿۱۱۹﴾ پس وسوسہ ڈالا اس کی طرف

الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

شیطان نے اس نے کہا اے آدم! کیا میں راہنمائی نہ کروں تیری ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہت پر جو کبھی بوسیدہ نہ ہو ﴿۱۲۰﴾

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

پس کھا لیا ان دونوں نے اس سے تو ظاہر ہوگئیں ان کے لئے ان کی شرم گاہیں اور وہ دونوں شروع ہوئے چپکاتے تھے اپنے اوپر

وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

جنت کے پتے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا پس وہ غلطی میں پڑ گئے ﴿۱۲۱﴾ پھر چن لیا ان کو ان کے رب نے

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اور رجوع کیا اس پر اور ہدایت دی ﴿۱۲۲﴾ اللہ نے کہا تم دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تمہارا بعض بعض کے لئے

عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ

دشمن ہوگا اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے اتباع کیا میری ہدایت کا وہ نہ گمراہ ہوگا

وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

اور نہ بدبخت ہوگا ﴿۱۲۳﴾ اور جس نے اعراض کیا میری نصیحت سے پس اس کیلئے تنگی کا جینا ہے

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ

اور ہم اس کو اٹھائیں گے قیامت کے دن اس حال میں کہ اندھا ہوگا ﴿۱۲۴﴾ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے کیوں اٹھایا مجھے اندھا کر کے

كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ

حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا ﴿۱۲۵﴾ اللہ کہیں گے اسی طرح آئیں تھیں تیرے پاس ہماری نشانیاں پس تو اسے بھول گیا اسی طرح آج کے دن

تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ

تو بھلا دیا جائے گا ﴿۱۲۶﴾ اور اسی طرح ہم سزا دیں گے اس کو جو حد سے گذر جائے اور ایمان نہ لائے اپنے رب کی آیات پر

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ کیا ہدایت نہیں دی ان کو اس بات نے کہ کتنی جماعتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا

مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي

ان سے پہلے یہ چلتے پھرتے ہیں ان کی رہنے کی جگہوں میں، بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں

النُّهٰی ﴿۱۲۸﴾ وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّی ﴿۱۲۹﴾

عقل والوں کیلئے ﴿۱۲۸﴾ اور اگر نہ ہوتی بات جو سبقت کر گئی تیرے رب کی طرف سے اور اجل مقرر نہ ہوتی تو لازمی عذاب آ جاتا ﴿۱۲۹﴾

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

پس تو صبر کر اس پر جو یہ کہتے ہیں اور تسبیح بیان کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں تسبیح پڑھیے اور دن کے اطراف میں شاید کہ آپ

تَرْضٰی ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

خوش ہو جائیں ﴿۱۳۰﴾ اور ہرگز نہ بڑھائیں اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف جو ہم نے نفع کے طور پر دیں ان کو ان کی بیویاں

زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ﴿۱۳۱﴾

اور دنیاوی زندگی کی زینت تا کہ ہم ان کو آزمائیں اس کے ساتھ اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے ﴿۱۳۱﴾

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ

اور آپ حکم دیجئے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور آپ بھی پابندی کیجئے اس پر ہم نہیں سوال کرتے آپ سے رزق کا، ہم آپ کو

نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

رزق دیں گے اور اچھا انجام پرہیزگاری کا ہی ہے ﴿۱۳۲﴾ اور ان لوگوں نے کہا کیوں نہیں لاتا یہ ہمارے پاس اپنے رب کی نشانی،

اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ

کیا نہیں آیا ان کے پاس پہلی کتابوں کا مضمون ﴿۱۳۳﴾ اور اگر ہم ان کو ہلاک کر دیتے

بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

عذاب کے ساتھ اس سے پہلے تو یہ کہتے اے ہمارے رب! کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم اتباع کرتے

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا
تیری آیات کا قبل اس کے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے ﴿۱۳۴﴾ آپ کہہ دیجئے ہر شخص انتظار کرنے والا ہے پس تم بھی انتظار کرو
فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾
پس عنقریب تم جان لو گے کون ہے سیدھے راستہ والا اور کون ہے ہدایت یافتہ ﴿۱۳۵﴾

تفسیر

قیامت کے دن پہاڑوں کو بکھیر دیا جائے گا:۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ: پوچھتے ہیں آپ سے پہاڑوں کے متعلق فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ، نسف کا معنی ہے بکھیرنا، اڑادینا، منتشر کردینا، آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کو بکھیر دے گا خوب اچھی طرح بکھیرنا، پچھلے رکوع کے آخر میں قیامت کا ذکر شروع ہوا تھا، اور جہاں بھی قرآن کریم میں قیامت کا ذکر آتا ہے تو یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ یہ کائنات ٹوٹ پھوٹ جائے گی، مشرکین جس طرح دوسرے اشکالات کرتے تھے، ایک اشکال ان کے سامنے یہ بھی آتا تھا کہ پہاڑ اتنے اونچے اتنے مضبوط کیا یہ بھی ٹوٹ جائیں گے! اسی بات پر ان کو تعجب ہوتا تھا اس لیے وہ پوچھتے تھے کہ ان پہاڑوں کا کیا بنے گا......؟ آپ کو کہتے ہیں کہ ساری کائنات ٹوٹ جائے گی کیا یہ پہاڑ بھی ٹوٹ جائیں گے! ان پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے بار بار ان پہاڑوں کے متعلق یہ ذکر کیا ہے کہ یہ بھی روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے، تیسویں پارہ میں سورۃ القارعۃ میں الفاظ آئیں گے، وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ① ، عھن کہتے ہیں اون کو منفوش کا معنی دھنکی ہوئی، دھنکی ہوئی اون کی طرح یہ ہو جائیں گے، یہاں بھی یہی بات کہی گئی کہ آپ سے یہ پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے میرا رب ان کو بکھیر دے گا خوب اچھی طرح بکھیرنا ، ذرہ ذرہ کر کے ان کو اڑا دے گا، نَسْفًا یہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے، فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ، ھا ضمیر زمین کی طرف لوٹ رہی ہے، اس کا ذکر اگرچہ صراحتاً نہیں آیا لیکن لفظ جبال اس کے اوپر دال ہے پھر چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس زمین کو صاف چٹیل میدان، لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا ، یہ گویا کہ

①

قَاعًا صَفْصَفًا کی تفصیل ہے، نہیں دیکھے گا تو اس زمین میں کوئی نشیب وفراز، عوج کا معنی بلندی اور امتا کا معنی پستی، نہ کہیں سے یہ نیچی ہوگی اور نہ کہیں سے اونچی ہوگی، اس میں نہ گڑھا ہوگا نہ ٹیلا بالکل چٹیل میدان ہوگا۔

قیامت کے دن لوگوں کا حال:۔

یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ: یَوْمَئِذٍ اصل میں یَوْمَ اِذْ کَانَ کَذَا تھا، جب یہ حالات پیش آئیں گے یعنی قیامت قائم ہوگی یہ لوگ بلانے والی کی اتباع کریں گے لَا عِوَجَ لَهٗ اس بلانے والے کے لئے ان لوگوں میں کوئی کجی باقی نہیں رہے گی اور دب جائیں گی آوازیں رحمٰن کے لئے، پس نہیں سنے گا تو مگر آہٹ ھمس کہتے ہیں آہٹ کو، جس طرح جب آپ چلتے ہیں تو چلتے وقت زمین پر پاؤں لگتا ہے تو اس سے معمولی سی آواز پیدا ہوتی ہے اس کو ھمس کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ آج تو اللہ کی طرف بلانے والا انہیں بلاتا ہے اور یہ اس کے بلانے کو قبول نہیں کرتے، اس کے سامنے ٹیڑھے ہوجاتے ہیں، ترچھے ہوجاتے ہیں، وہ کدھر کو بلاتا ہے یہ کدھر کو جاتے ہیں اور جب اللہ کا قرآن انہیں سنایا جاتا ہے، داعی ان کے سامنے وعظ کہتا ہے تو یہ شور مچاتے ہیں اور آواز سننے نہیں دیتے لیکن جب قیامت آجائے گی اس دن بلانے والا جو بلائے گا، یہ نفخ صور ہوگا جس کا مطلب ہوگا کہ سارے اکھٹے ہوجاؤ تو یوں کان دبا کے چلے آئیں گے کہ ان میں کوئی کجی باقی نہیں رہے گی، یہ بالکل سیدھے ہوجائیں گے، اس دن یہ داعی کی اتباع کریں گے، جو حشر کی طرف بلانے والا ہوگا کہ آؤ اللہ کے دربار میں سارے اکھٹے ہوجاؤ تو پھر یہ بالکل سیدھے ہوں گے، اس دن ان کی سب ٹیڑھ نکل جائے گی اور بولنے کی کسی میں ہمت نہیں ہوگی، رحمٰن کے لیے آوازیں دب جائیں گی پس نہیں سنے گا تو مگر آہٹ یعنی چلنے کی وجہ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ کوئی آواز نہیں ہوگی۔

نظریہ شفاعت کی تردید اور اللہ کا احاطہ علمی:۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ: جس دن ایسا ہوگا اس دن شفاعت نفع نہیں دے گی یعنی مشرکین کا یہ خیال تھا کہ اول تو قیامت ہوگی نہیں اگر ہوگی اور کوئی مشکل پیش آگئی تو یہی شفعاء وہاں بھی ہمیں بچالیں گے تو ان کا نظریہ بھی غلط، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہیں دے گی اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهٗ

الرَّحۡمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوۡلًا مگر جس شخص کو رحمٰن اجازت دے دے اور اس کے لئے بولنا پسند کرے، تو رحمٰن کی اجازت کے تحت ہوگی اور اس کے لئے ہوگی جسے کے متعلق دوسری جگہ واضح کر دیا گیا کہ کافروں کے لئے کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا، یہ شفاعت ہوگی مؤمنین کے لئے جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہوگا تو اگر کفر کیے ہوئے ہوگا تو کفر کی حالت میں شفاعت نہیں ہوگی، تو تمہارا یہ سہارا بھی غلط ہے اس کو بھی دل دماغ سے نکال دیجئے یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ اللہ جانتا ہے ان چیزوں کو جو ان کے سامنے ہیں وَمَا خَلۡفَھُمۡ اور جو ان کے پیچھے ہیں وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِہٖ عِلۡمًا اور نہیں احاطہ کرتے یہ لوگ اس اللہ کا از روئے علم کے، اللہ نے احاطہ کیا ہوا ہے ان سب کے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے لیکن یہ لوگ اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتے، از روئے علم کے، ایسی تو بے انتہاء اور بے شمار باتیں ہیں جو اللہ کے علم میں ہیں اور مخلوق کے علم میں نہیں لیکن ایسی کوئی بات نہیں جو مخلوق کے علم میں ہو اور اللہ کے علم میں نہ ہو، شفاعت کے نظریہ کو ذکر کرنے کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کا حوالہ دیتے ہیں، جہاں بھی شفاعت کا ذکر آئے گا وہاں علم کا حوالہ آئے گا، آیت کرسی بھی اسی طرح ہے مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ وَمَا خَلۡفَھُمۡ، وہاں بھی یہی بات ہے تو اللہ تعالیٰ علم کا حوالہ دے کر یہ بتلاتے ہیں کہ میرا کوئی فیصلہ ناواقفی کی بناء پر ہوگا ہی نہیں کہ اس میں کسی کو کہنے سننے کی گنجائش ہو، دنیا میں تو آپ ایک آدمی کو مجرم سمجھ کے پکڑ لیتے ہیں لیکن سفارش کرنے والے پہنچ جاتے ہیں اور جا کے کہتے ہیں کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے یا اس کی شکایت کسی نے آپ کے سامنے غلط کر دی ہے یہ تو مجرم نہیں ہے، یہ تو بے قصور ہے جس کو آپ نے پکڑ لیا ہے یوں کر کے لوگ چھڑا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں کوئی کسی قسم کی ایسی بات نہیں ہے، میں سب کچھ جانتا ہوں اس لیے جس کو پکڑ لوں گا معلومات کی بناء پر پکڑوں گا، وہاں کسی کی سفارش کا کیا دخل جو کسی مجرم کو غیر مجرم ثابت کر دے ایسا نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کی پکڑ معلومات کی بناء پر ہوگی، وہاں کوئی کسی قسم کا تغیر برپا نہیں کر سکے گا، کہ اللہ کے سامنے جا کے یوں سفارش کرنے لگ جائے کہ نعوذ باللہ آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، آپ نے اس کو مجرم سمجھ لیا یہ تو مجرم نہیں ہے تو کوئی سفارش کرنے والا سفارش کر کے کسی مجرم کو غیر مجرم نہیں ثابت کر سکتا اور کسی غیر مجرم کو مجرم نہیں ثابت کر سکتا، اللہ کو ہر قسم کی معلومات حاصل ہیں، اس لیے کسی کا زور نہیں چلے گا اور کسی کی سفارش نہیں چلے گی تو سفارش کے نظریہ کو ذکر کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے علم کو جو ذکر فرمایا کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ کا مفہوم:۔

عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ: جھک جائیں گے چہرے حی وقیوم کے لئے، ایسے کے لئے جو کہ زندہ ہے اور تھامنے والا، جس میں مشرکوں کے اس نظریہ کی تردید بھی کردی جو اللہ کو مانتے تو تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے اب فارغ ہو کے بیٹھ گیا ہے اور اس نے اپنے اختیارات دوسروں کو سونپ دیئے ہیں، اب یہ خدائی اور کائنات جو چل رہی ہے یہ شرکاء کے ذریعہ سے چل رہی ہے، اللہ تعالیٰ کو وہ نعوذ باللہ خاندان کے سربراہ کے طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ جو سب کچھ بنا کے بیٹوں کو اختیار دے کر فارغ ہو کے بیٹھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ خاندان کے سربراہ کی طرح نہیں کہ بوڑھا ہونے بعد سب کو اپنے بچوں کے سپرد کر کے چارپائی کی زینت بن کے بیٹھ جائے، اس طرح نہیں وہ تو قیوم بھی ہے، حی ہے قیوم ہے، زندہ ہے اور سارے جہان کو تھامنے والا ہے، ساری کائنات کو تھامنا اسی کا کام ہے، وہ بے کار ہو کر نہیں بیٹھ گیا بلکہ تصرف اسی کا چلتا ہے، جھک جائیں گے چہرے، دب جائیں گے چہرے اس اللہ کے لئے جو کہ حی وقیوم ہے، وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا نامراد ہو گیا وہ شخص جس نے ظلم اٹھایا، جس نے ظلم کا ارتکاب کیا، جو ظلم کو اپنے اوپر لاد کر لے آیا وہ نامراد رہا۔

ایمان کے ساتھ عمل صالح کا فائدہ:۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ: اور جو کوئی نیک عمل کرے گا وَهُوَ مُؤْمِنٌ بشرطیکہ مؤمن ہو، وَهُوَ مُؤْمِنٌ حال ہے اور شرط کے قائم مقام ہے، جو کوئی نیک کام کرے اس حال میں کہ مؤمن ہو کیونکہ ایمان کے بغیر نیکی قبول ہی نہیں ہے، اگر کفر کی حالت میں کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو صورۃً نیکی ہے حقیقت میں کوئی نیکی نہیں ہے، آخرت میں یہ نیک اعمال اس طرح ہوں گے جس طرح راکھ کو سخت آندھی اڑا کے لے جاتی ہے، تو کفر کی حالت میں نیکیاں راکھ ہی ہوتی ہیں، ان میں کوئی وزن نہیں ہوتا وَهُوَ مُؤْمِنٌ کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ نیک عمل قبول تب ہی ہوگا جب کہ ایمان صحیح ہو اگر ایمان صحیح نہیں تو نیک عمل بھی قبول نہیں، جو شخص نیک عمل کرے اس حال میں کہ مؤمن ہے فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا پس نہیں اندیشہ کرے گا وہ زیادتی کا اور نہ کمی کا، اس کے اوپر نہ کوئی زیادتی ہوگی اور نہ کوئی کمی ہوگی، اس پر کوئی کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا کہ اس کی حق تلفی کردی جائے، جس کا وہ حقدار تھا اس کو وہ نہ دیا جائے اور ہضم کا معنی یہ ہے کہ اس کا دوسرا حق بھی چھین لیا جائے، حاصل اس کا یہی ہے کہ اس پر کوئی کسی قسم کا ظلم و زیادتی نہیں ہوگی بلکہ

اللہ تعالیٰ اس کو صحیح صحیح بدلہ دیں گے۔

نزول قرآن کا مقصد:۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا: ہم نے اس کتاب کو ایسے ہی قرآن عربی بنا کر اتارا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ اور ہم نے اس میں وعید مختلف طریقوں سے، پھیر پھیر کر بیان کی، وعید ڈرانے کو کہتے ہیں یعنی انجام سے ہم نے ڈرایا اور مختلف طریقوں سے ڈرایا، عقلی دلائل کے تحت بھی بیان کیا کہ کفر وشرک غلط ہے اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا فطری دلائل کے تحت بھی سمجھایا، تاریخ کے واقعات بیان کر کے بھی سمجھایا، گذشتہ امتوں کے حالات بیان کر کے بھی سمجھایا، ہم نے اس کے اندر وعید بار بار بیان کر دی لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تا کہ لوگ ڈر جائیں گے اور ڈر کے بالکل سیدھے ہو جائیں اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا یا یہ قرآن ان کے لئے یاداشت تازہ کر دے، احداث ذکر کا بھی معنی نصیحت تازہ کر دینا بات دوہرا دی، یاد دہانی کروا دی تا کہ ان کے سامنے یہ بات تازہ ہو جائے اور ان کو پتہ چل جائے کہ کفر وشرک کا انجام ایسا ہوتا ہے جس طرح گذشتہ امتوں کا ہوا ہے۔

حضور ﷺ کو عدم تعجیل با قرآن کا حکم:۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ: پس عالیشان ہے اللہ حقیقی بادشاہ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ، سرور کائنات ﷺ کے دل میں شوق ہوتا تھا کہ وحی جلدی جلدی آئے کیونکہ آپ کے لئے اس جنگ کے اندر ہتھیار ایک وحی ہی تو تھا، مشرکین کے اعتراضات کا جواب آتا، حضور ﷺ کو قوت ہوتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی نئی باتیں آتیں، حضور ﷺ کو نئے نئے دلائل مہیا ہوتے اس لیے آپ کو بہت شوق ہوتا تھا کہ وحی جلدی جلدی آئے، تو وحی کے بارے میں حضور ﷺ کو جو بار بار بے چینی لاحق ہوتی تھی اس بارے میں اللہ تعالیٰ تلقین فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے شوق ہونا چاہیے لیکن اتنا نہیں کہ بے چینی پیدا ہو جائے وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ، جلدی نہ کریں قرآن کریم کے ساتھ قبل اس سے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کر دی جائے اور آپ یہ دعا کریں کہ اے میرے رب! زیادہ کر مجھے از روئے علم، اللہ تعالیٰ سے زیادتی علم کی دعا کرتے رہیے کہ اے اللہ! میرا علم بڑھا دے، دعا اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتے رہیں باقی صبر و تحمل کے ساتھ انتظار میں رہا کریں جب اللہ کی طرف سے وحی آئے

اس کواوراس کے مطابق تبلیغ کرو، باقی اس کے ساتھ جلدی نہیں مچانی چاہیے جس کے ساتھ بے چینی پیدا ہوجائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ:۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ: ہم نے آدم کو وصیت کی تھی اس سے پہلے، عهد الیه یہ لفظ کسی تاکیدی حکم کے لئے آیا کرتا ہے، ہم نے آدم کوتاکیداً کہا، ہم نے اس کوزوردارالفاظ میں وصیت کی، ہم نے آدم کو حکم دیا، اس سے قبل آدم کو ہم نے ایک وصیت کی فَنَسِيَ تو وہ آدم بھول گئے آدم نے وہ یاد نہ رکھی وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور ہم نے اس کے لئے کوئی پختگی نہ پائی بلکہ اس بارے میں آدم کمزور ثابت ہوا، آگے یہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ سنایا جارہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کوختم کرنے کے بعد تذکیر آخرت کی گئی تھی اور آگے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ سنایا جارہا ہےتو اس میں بھی اسی قسم کا سبق دینا مقصود ہے کہ دیکھو! آدم کوکس طرح شیطان نے چکر دیا تھا، اولا دآدم کوبھی ہوشیار رہنا چاہیے، وہی ان کوبھی چکر دیئے ہوئے ہے اگر یہ اپنا انجام اچھا چاہتے ہیں توان کوشیطان کے چکر سے نکلنا چاہیے، واقعات کے ساتھ ان چیزوں کوواضح کیا جارہا ہے۔

یہ واقعہ آپ کے سامنے تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف میں گذر چکا ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ، یادکیجئے جب ہم نے کہا فرشتوں کو کہ سجدہ کیجئے! آدم کوانہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اَبٰى ابلیس نے انکار کردیا تو ہم نے کہا اے آدم! اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ یہ تیرا دشمن ہے وَلِزَوْجِكَ اور تیری بیوی کا فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ پس یہ تمہیں نکال نہ دے جنت سے فَتَشْقٰى پھر تو مشقت میں پڑجائے گا تشقیٰ یہ لفظ شقاوت سے لیا گیا ہے ایک تو شقاوت اخری ہے کہ انسان بدبخت ہوجائے اور مشقت میں واقع ہوجائے تو یہاں تشقیٰ سے شقاوت دنیاوی مراد ہے، تمہیں یہ جنت سے نہ نکال دے کہ پھر تو مشقت میں پڑجائے گا، یہاں تجھے بہت راحت حاصل ہے اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا بے شک تیرے لیے یہ بات ہے کہ تو اس جنت میں بھوکا نہیں ہوتا، وَلَا تَعْرٰى اور نہ تو ننگا ہوتا ہے، وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا اور بے شک تو پیاسا نہیں ہوتا اس جنت میں وَلَا تَضْحٰى اور نہ تجھے دھوپ لگتی ہے،، یہ ساری راحت کے سامان تجھے بلا مشقت حاصل ہیں تو بھوکا نہیں ہوتا کہ تو روٹی کا محتاج ہو، تو بھوک میں مبتلاء نہیں ہوتا، تو ننگا نہیں ہوتا کہ تجھے کپڑے کی ضرورت پیش آئے، پیاسا نہیں ہوتا کہ پانی کا محتاج ہو اور دھوپ نہیں لگتی کہ تو مکان

اور سایہ کا محتاج ہو، یہ تیری ساری ضروریات یہاں پوری ہیں، یہ انسان کی بنیادی ضروریات ہیں جن کو لوگ آج کل روٹی، کپڑا اور مکان سے تعبیر کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تجھے یہ تیری بنیادی ضرورتیں جنت میں مہیا ہیں اس لیے تو راحت اور آرام کے ساتھ یہاں رہ اگر تو یہاں سے نکل گیا تو پھر تو مشقت میں پڑ جائے گا کہیں روٹی کی فکر ہوگی، کہیں پانی کی فکر ہوگی، کہیں کپڑے کی فکر ہوگی اور کہیں مکان کی فکر ہوگی، دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ کی فکر ہوگی، پانی میسر نہیں ہوگا تو، تو مشقت میں پڑ جائے گا، نلکے لگاتا پھرے گا کنویں کھودے گا ٹیوب ویل لگائے گا، بھوک لگے گی تو بھوک کو زائل کرنے کے لئے تو روٹی کا محتاج ہوگا یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جو تجھے جنت میں میسر ہیں اگر تو جنت سے نکل گیا تو روٹی، کپڑا اور مکان کا چکر تیرے گلے میں ایسا پڑے گا کہ تو مشقت میں آ جائے گا۔

اور پھر یہاں ذکر تو کیا ہے، دونوں کا کہ یہ تیرا دشمن ہے اور تیری بیوی کا اور اگر شیطان نے تجھے جنت سے نکال دیا تو تشقیٰ کے اندر نسبت اکیلے آدمی کی طرف ہے کہ مشقت میں پڑ جائے گا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا روٹی، کپڑا اور مکان مرد کے ذمہ ہے، عورت کو خود اپنی فکر نہیں کرنی پڑتی اس لیے اس نعمت سے محروم تو دونوں ہوں گے لیکن مشقت میں مرد پڑے گا، عورت کو کما کے دینا پڑے گا، روٹی، کپڑا اور مکان کی مشقت مرد کے ذمہ ہے جس طرح آپ فقہ کے اندر پڑھتے ہیں کہ بیوی کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہوتا ہے اور اس کے اندر تینوں چیزیں ہی آ گئیں، روٹی، کپڑا، اور مکان تو پہلے ہی کہہ دیا کہ اس کا خیال رکھنا ورنہ تو مشقت میں پڑ جائے گا۔

فَوَسْوَسَ اِلَیْہِ الشَّیْطٰنُ: اب شیطان ان کے پیچھے لگا اور قسمیں کھا کر اور ہمدردی جتا کر ان سے کہنے لگا کہ دیکھو! اس درخت کے کھانے سے جو منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اسے کھالے گا وہ یہاں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا اور اس کے کھانے سے تم دونوں فرشتے بن جاؤ گے اور یہاں جو تمہیں عیش و آرام حاصل ہے اس میں کبھی بھی کمی نہیں آئے گی، اس نے یہ بات قسم کھا کر کہی و را پنے آپ کو ہمدرد ظاہر کیا کہ میرا مقصد تمہاری ہمدردی ہے، تمہاری خیر خواہی کے لئے کہہ رہا ہوں، اب یہ دونوں حضرات اس کے بہکاوے میں آ گئے اور اس درخت سے کھا لیا جس درخت سے منع کیا گیا تھا اس درخت کا کھانا تھا کہ ان کے کپڑے جسموں سے علیحدہ ہو گئے اور دونوں شرم کی وجہ سے جنت کے درختوں کے پتے لے کر اپنے جسموں پر چپکانے لگے،، دشمن کے پھسلانے میں آ کر اپنے

رب کی نافرمانی کر بیٹھے اور غلطی میں پڑ گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوئی کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس سے بچ کے رہنا، چونکہ ان کی نافرمانی سرکشی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بھول سے نافرمانی ہوگئی تھی اس لیے فوراً اپنے قصور کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور توبہ کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور انہیں اور زیادہ مقبول بنالیا، ان کی توبہ تو قبول کر لی لیکن چونکہ ان کی پیدائش اصل میں ہوئی ہی زمین میں خلافت کے لئے تھی اس لیے اس واقعہ کے بعد انہیں زمین میں اتار دیا گیا اور کہا کہ اب یہ تمہاری دشمنی یہاں نہیں چلے گی بلکہ اب تمہارے دشمن کا میدان زمین ہے، وہاں میں اپنی ہدایت اتاروں گا جو میری ہدایت کو قبول کرے گا نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا، فالتفصیل واقعہ پہلے کئی مرتبہ آپ کے سامنے گذر چکا ہے۔

قرآن کریم سے منہ موڑنے کے نقصانات:۔

اگلے الفاظ میں ان لوگوں کے لئے تنبیہ ہے جو اللہ کے ذکر سے اعراض کرتے ہیں، یہاں ذکر سے مراد قرآن کریم ہے، جو شخص قرآن کریم سے اعراض کرتا ہے، اس سے منہ موڑ لیتا ہے، روگردانی کرتا ہے یعنی اس کی ہدایات پر نہ ایمان لاتا ہے اور نہ ان پر عمل کرتا ہے اس کے لئے تنگ زندگی ہے اور اس تنگ زندگی سے عذاب قبر مراد ہے اور اگر الفاظ کے عموم کی طرف دیکھتے ہوئے دنیا کی زندگی میں تنگی مراد لی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کافر دنیا میں چاہے کتنا ہی خوشحال اور مالدار کیوں نہ ہو لیکن اس کو دلی اطمینان اور سکون نصیب نہیں ہوتا، ہمیشہ زیادہ کی طلب میں سرگرداں و پریشان رہتا ہے، مصائب اور مشکلات میں پھنسا رہتا ہے، ایک تو اسے یہ سزا ملتی ہے اور دوسری سزا یہ ہے کہ قیامت کے دن اندھا ہو کر اٹھے گا، اور وہ کہے گا اے میرے رب! میں تو دنیا میں بینا اور دیکھنے والا تھا، آپ نے مجھے نابینا کر کے کیوں اٹھایا......؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ جس طرح تو نے دنیا میں ہماری آیات کو جھٹلایا، تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو نے ان سے منہ موڑا اور دنیا میں ہدایت سے اندھا بنا رہا آج ہم نے تجھے حقیقت میں اندھا کر دیا، تو نے ہماری آیات کو بھلایا آج ہم نے تجھے حقیقت میں اندھا کر دیا، تو نے ہماری آیات کو بھلایا آج ہم نے بھی تجھے بھلا دیا اور آگے قانون بتا دیا کہ اسی طرح ہم اس شخص کو بدلہ دیتے ہیں جو حد سے آگے نکلے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور

بہت دیا ہے اس میں یہ بتادیا کہ ہر وہ شخص جس نے کفر اختیار کیا اس کا یہی حال ہوگا دنیا میں بھی معاشی تنگی میں مبتلا ہوگا، عذاب قبر بھی پہنچے گا اور آخرت کی تباہی و بربادی سے بھی نہیں بچ سکے گا۔

کیا انہیں اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ان سے پہلے ہم نے بہت ساری جماعتوں کو ہلاک کردیا یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں، ان کے نشانات کو دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح ہلاک ہوئے، ان کے حال سے انہیں عبرت اور نصیحت حاصل کرنی چاہیے، کیا یہ لوگ ان کے حالات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

حضور ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون:۔

رسول اللہ ﷺ جب اہل مکہ کو توحید کی دعوت دیتے، ایمان لانے کی تلقین کرتے اور نہ ماننے کی صورت میں عذاب سے ڈراتے تو وہ لوگ آگے سے استہزاء کرتے تھے کہ اگر ہم غلط ہیں تو پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ اس کا جواب پہلے بھی کئی بار دیا گیا اور یہاں بھی یہی بات کہی کہ عذاب کے لئے ایک وقت مقرر ہے، دنیا میں اگر عذاب آنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور جو آخرت کا عذاب ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وقت مقرر نہ ہوتا، مدت متعین نہ ہوتی تو پھر ان پر عذاب آجاتا اب چونکہ اللہ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اس لیے اللہ انہیں ڈھیل دے رہا ہے اور جب وہ وقت آئے گا تو ان کو اس طرح پکڑ لے گا کہ پھر یہ کبھی چھوٹ نہیں پائیں گے اور حضور ﷺ کو فرمایا کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں آپ صبر کیجئے، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے سورج کے طلوع سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح پڑھئے اور دن کے اطراف میں بھی تسبیح پڑھیے ان دونوں چیزوں کے اختیار کرنے سے منکرین کی طرف سے جو تکلیف پہنچے گی وہ ختم ہو جائے گی، اور یہ اس لیے ہے تا کہ آپ خوش ہو جائیں، علماء نے لکھا ہے اس آیت میں بالاجمال پانچوں نمازوں کا ذکر آ گیا قبل طلوع الشمس سے فجر کی نماز قبل غروبہا سے ظہر اور عصر کی نماز اور وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور اطراف النہار میں دوبارہ نماز فجر اور نماز عصر کی تاکید فرمادی۔

سرور کائنات ﷺ اور آپ کے صحابہ انتہائی غربت اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے، فقر و فاقہ میں مبتلاء تھے دنیا کے مال و دولت سے محروم تھے اور ان کے مقابلہ میں جو کافر تھے بظاہر ان کو ہر طرح کی عیش و عشرت حاصل

تھی، دنیا کا ساز وسامان وافر مقدار میں مہیا تھا اور یہی چیز ان کو دھوکہ میں ڈالی ہوئے تھی کہ اللہ کے مقبول بندے ہوتے تو ان کے پاس بھی مال ودولت کے انبار ہوتے اور حال یہ ہے کہ یہ فقیر مسکین لوگ ہیں اور ان کے مقابلہ میں ہمیں ہر طرح کا ساز وسامان حاصل ہے معلوم ہوتا کہ صحیح راستہ پر ہم ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور اس میں خطاب اگرچہ حضور ﷺ کو ہے لیکن دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ ان لوگوں کو جو ہم نے بیویاں دیں، زیب و زینت کا سامان دیا آپ ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں یہ تو ہم نے اس لیے دیا ہے کہ انہیں فتنہ میں ڈالیں لہٰذا یہ چیز اس لائق نہیں کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا جائے اور آپ کے رب کا رزق جو دنیا میں اس کی رضا کے ساتھ ملے یہ بہتر ہے اور اس کی طرف سے جو آخرت میں رزق ملے گا وہ بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے کیونکہ وہاں نعمتیں ہمیشہ رہیں گی اور اہل جنت ان سے ہمیشہ نفع اٹھاتے رہیں گے اس لیے ان کے مال ودولت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے اور آخر میں فرمایا کہ آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اسی پر جمے رہیے یعنی پابندی کے ساتھ ادا کیجئے لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ معاش کمانے لگیں یعنی زندگی کا مقصد معاش کمانا نہیں بلکہ زندگی کا مقصد تو اللہ کی اطاعت اور اہمیت بتانا مقصود ہے کہ رزق تو ہم آپ کو دیں گے اس کی فکر کی ضرورت نہیں اصل چیز اطاعت اور عبادت ہے اس کا اہتمام کرنا چاہیے وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى اور اچھا انجام پرہیزگاری کا ہی ہے لہٰذا فرائض کا اہتمام کیا جائے اور ان میں سے سب سے بڑی چیز نماز ہے جس کا ذکر بار بار اس رکوع میں کیا گیا ہے۔

آخری آیات کا مفہوم:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ صاحب نبوت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ہم جو کہتے ہیں کہ اس دعویٰ کی دلیل دو تو وہ اس کی کوئی دلیل کیوں نہیں دیتے......؟ ان کی یہ بات محض ضد اور عناد پر مشتمل ہے ورنہ سرور کائنات ﷺ کے سینکڑوں معجزات ان کے سامنے تھے اور سب سے بڑا معجزہ خود یہ قرآن کریم ہے جو پہلی کتب کے مضامین پر مشتمل ہے اگر یہ لوگ مانتے تو انہی معجزات کو دیکھ کر ایمان لا سکتے تھے لیکن انہوں نے ایمان تو لانا نہیں محض بہانے بنا کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں اور اگر قرآن کریم اتارنے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اگر ہمارے پاس رسول آتا تو ہم اس کی اتباع کرتے، اس پر ایمان لاتے اور

عذاب میں پڑ کر ذلیل اور رسواء نہ ہوتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول بھیج کر حجت پوری کر دی، اب ان کے لئے یہ بات کہنے کا موقع نہیں رہا کہ کوئی رسول ہماری طرف کیوں نہیں بھیجا گیا......؟اور آخر آخر میں جا کر یہ بات کہہ دی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور آخرت میں کیا ہوگا سب اس کے انتظار میں ہیں پس تم بھی انتظار کرو عنقریب تم جان لو گے کہ سیدھا راستہ پر چلنے والا کون ہے اور ہدایت یافتہ کون ہے......؟اب تو حق کی تکذیب کرتے ہیں کل جب آخرت میں جائیں گے تو پتہ چل جائے گا صحیح راستہ پر کون تھا اور غلط راستہ پر کون تھا......؟اس لیے سب انتظار کر رہے ہیں تم بھی انتظار کرو۔

سُورَةُ

الْأَنْبِيَاءِ

مَكِّيَّةٌ

رکوعاتھا ۷ ۲۱ سُورَۃُ الْاَنْبِیَآءِ مَکِّیَّۃٌ ۷۳ ایاتھا ۱۱۲

سورۃ انبیاء مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ ①

لوگوں کیلئے ان کا حساب قریب آ گیا اور وہ لوگ غفلت میں ہیں اعراض کرنے والے ہیں ①

مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ

نہیں آتی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت مگر یہ لوگ اس کو سنتے ہیں

وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۙ② لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِیْنَ

اس حال میں کہ کھیلتے ہیں ② غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کے دل انہوں نے سرگوشی کو چھپایا جنہوں نے

ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ

ظلم کیا نہیں ہے یہ شخص مگر تم جیسا انسان کیا تم پھر آتے ہو جادو کو حالانکہ تم

تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ

صاحب بصیرت ہو ③ اس شخص نے کہا میرا رب جانتا ہے قول کو جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ④ بَلْ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ

اور وہ سننے والا علم والا ہے ④ بلکہ ان ظالموں نے کہا کہ یہ تو پراگندہ خیالات ہیں بلکہ اس نے اس بات

افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۖۚ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤

کو گھڑ لیا ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے چاہیے کہ لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح کہ پہلے لوگ بھیجے گئے تھے ⑤

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ
نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جس کو ہم نے ہلاک کردیا کیا پھر یہ
يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ
ایمان لے آئیں گے ۝٦ نہیں بھیجا ہم نے آپ سے قبل مگر مردوں کو ہی ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے
فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ
پس پوچھ لو تم اہل ذکر سے اگر تمہیں پتہ نہیں ۝٧ اور ہم نے ان رسولوں کو ایسے نہیں بنایا
جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝٨ ثُمَّ
جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ۝٨ پھر
صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا
ہم نے سچا کیا ان سے وعدے کو پھر ہم نے انہیں نجات دیدی اور جن کو ہم نے چاہا نجات دیدی اور حد سے بڑھنے والوں کو
الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ
ہم نے ہلاک کردیا ۝٩ البتہ تحقیق اتاری ہم نے تمہاری طرف کتاب اس میں تمہارا ذکر ہے
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ ع
کیا تم سوچتے نہیں ہو؟

تفسیر

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ: لوگوں کے لئے انکا حساب قریب آ گیا، حساب کے قریب آنے سے مراد یہ ہے کہ وقتِ حساب قریب آ گیا وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔ فِيْ غَفْلَةٍ یہ پہلی خبر ہے اور وہ لوگ غفلت میں ہیں اعراض کرنے والے ہیں غفلت کا مطلب یہ ہے کہ خود متوجہ نہیں بے فکری میں پڑے ہوئے ہیں، اور اعراض کا معنی یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے متوجہ کرنے سے بھی متوجہ نہیں ہوتے یعنی اعراض غَفْلَةٍ سے اگلا درجہ ہو گیا۔

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ: محدث یہ ذکر کی صفت ہے، اَحْدَثَ، اِحْدَاثٌ کا

معنیٰ ہوتا ہے کوئی نئی بات ظاہر کرنا بدعت کو مُحْدَث اس لیے کہتے ہیں کہ اسکا نمونہ پہلے سے موجود نہیں ہوتا، لوگ اپنی طرف سے ایک نئی بات نکال لیتے ہیں، تو یہاں محدث سے مراد ہے نئی ظاہر کی ہوئی بات ذکر نصیحت، یعنی نہیں آتی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت۔

اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ: مگر یہ لوگ اس کو سنتے ہیں اس حال میں کہ کھیلتے ہیں یعنی اس نصیحت کو کھیل بنالیتے ہیں، یا اپنے کھیل کی طرف لگے رہتے ہیں، اور سمجھنے کی نیت سے نہیں سنتے لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ، قُلُوْبُهُمْ یہ لَاهِيَةً کا فاعل ہے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کے دل لہو ولہب یہ دو لفظ اکھٹے آیا کرتے ہیں لیکن دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، ضروری اور اہم بات سے غفلت کرنا یہ لہو ہے اور غیر ضروری چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ لعب ہے مطلب یہ ہے کہ جو کام کرنے کے ہیں وہ کرتے نہیں اور جو نہ کرنے کے ہیں وہ کرتے ہیں ان کے دل لہو میں پڑے ہوئے ہیں۔

صرفی نحوی اور لغوی تحقیق:۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى: نجوی کا لفظ گزر چکا ہے، خفیہ خفیہ بات کرنے کو کہتے ہیں سرگوشی کرنے کو یعنی چھپایا انہوں نے سرگوشی کو الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا یہ اَسَرُّوا کی ضمیر سے بدل ہے نحو کے اندر آپ نے قاعدہ پڑھا کہ جس وقت کسی فعل کا فاعل ظاہر ہو تو اس وقت فعل ہمیشہ واحد کا صیغہ ہی آیا کرتا ہے جیسے ذھب زیدٌ ذھب الزیدان ذھب الزیدون یوں نہیں کہیں گے، ذھب زیدٌ ذھبا الزیدان، ذھبوا الزیدون کیونکہ ذھبا کے اندر جو ضمیر ہے وہ فاعل کی ہے پھر آگے زیدان فاعل آرہا ہے، تو جس وقت فاعل ظاہر آجائے اس وقت فعل ضمیر سے خالی ہوتا ہے اور جب فعل ضمیر سے خالی ہوگا تو وہ واحد کی شکل میں رہے گا اس میں تغیر نہیں آئے گا اور یہاں الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا یہ آگے فاعل آیا ہوا ہے اور اَسَرُّوْا یہ جمع کا صیغہ ہے، تو یہ اس نحوی قاعدے کے خلاف ہے اُس کی توجیہ کی طرف میں نے اشارہ کیا کہ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا یہ فاعل سے بدل ہے یہ کافیہ کے اندر آپ نے ایک اصطلاح پڑھی ہوگی اکلونی البراغیث مجھے مچھر کھالیگا البراغیث آگے فاعل آیا ہوا ہے اور اکلوا یہ جمع کا صیغہ ہے تو وہاں یہ قاعدہ بتایا کرتے ہیں کہ جہاں اس قسم کی صورت پیدا ہو جائے تو وہاں اسم ظاہر کو بدل بنالیا جاتا ہے فاعل کی ضمیر سے، یہاں اس طرح سے اَسَرُّوْا کے اندر فاعل کی ضمیر ہے اور الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اس سے بدل ہے۔ انہوں نے سرگوشی کی چھپایا......انہوں

سے کون مراد......؟ اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا جنہوں نے ظلم کیا یعنی چپکے چپکے باتیں کیں کیا بات کی؟ وہ آگے ذکر ہے هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ نہیں ہے یہ شخص مگر تم جیسا انسان، اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ کیا تم پھر آتے ہو جادو کو حالانکہ تم صاحب بصیرت ہو...... دیکھنا ایک ہوتا ہے دل کا اور ایک ہوتا ہے آنکھ کا، جو دل کا دیکھنے والا ہوتا ہے اسے سمجھدار کہتے ہیں "مبصر" کے دونوں مفہوم آیا کرتے ہیں، تو یہاں اس کا ترجمہ یوں ہوگا "کیا تم آتے ہو جادو کو حالانکہ تم سمجھدار ہو" قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ، "قٰلَ" کی ضمیر رسول کی طرف لوٹ گئی جس کی طرف اشارہ هَلْ هٰذَآ میں آیا تھا، اس شخص نے کہا مصداق اس کا رسول ہے، میرا رب جانتا ہے قول کو جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے اور وہ سننے والا ہے علم والا ہے، بلکہ ان ظالموں نے کہا "اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ" جمع ہے حُلُمٌ کی اور حلم کہتے ہیں خواب کو، اور اَضْغَاثُ یہ جمع ضغث کی "ضِغْثٌ" کہتے ہیں اصل میں مختلف تنکوں کے مٹھے کو، تو اَضْغَاثُ، اَحْلَامٍ جہاں اکھٹا لفظ آ جائے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے پریشان خیالات پراگندہ خواب یعنی ایسے خیالات جو سوئے ہوئے انسان کو بے تعبیر لے آتے ہیں، جن کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی بلکہ ان ظالموں نے کہا کہ یہ تو پراگندہ خیالات ہیں اور اَضْغَاثُ، اَحْلَامٍ یہ کہا جا رہا ہے ان نصیحتوں کو جو رسول ان کے سامنے بیان کرتا تھا، بَلِ افْتَرٰىهُ بلکہ اس نے اس بات کو گھڑ لیا ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے اس کی سب باتیں ہی خیالی ہیں، جس طرح شاعر خیالی پلاؤ پکایا کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ چاہئے کہ لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح کہ پہلے لوگ بھیجے گئے تھے۔ نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جس کو کہ ہم نے ہلاک کر دیا کیا پھر یہ ایمان نہیں لائیں گے......؟ قریہ سے مراد اھل قریہ ہیں یعنی ایمان نہیں لائیں گے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نہیں بھیجا ہم نے آپ سے قبل مگر مردوں کو ہی، ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے پس پوچھ لو تم اھل ذکر سے یہاں ذکر سے علم مراد ہے اور اھل ذکر کا لفظ بول کے اھل کتاب مراد ہیں کیونکہ اس مسئلہ میں اھل کتاب متفق تھے اھل اسلام کے ساتھ کہ رسول بشر ہوتا ہے اس لیے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں پتہ نہیں تو تم ان اھل علم سے پوچھ لو اگر تمہیں پتہ نہیں تو تم ان اھل علم سے پوچھ لو اگر تمہیں پتہ نہیں وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ، "لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ" یہ جَسَدًا کی صفت ہے اور ہم نے ان رسولوں کا ایسے بدن نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے، ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ پھر ہم نے سچا کیا ان سے وعدے کو پھر ہم نے انہیں نجات دیدی اور جن کو ہم نے چاہا نجات دیدی اور حد سے بڑھنے

والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا البتہ تحقیق اتاری ہم نے تمہاری طرف کتاب اس میں تمہارا ذکر ہے ذکر سے نصیحت بھی مراد ہوسکتی ہے کہ تمہاری نصیحت ہے اس میں ذکر سے شہرت بھی مراد ہوسکتی ہے، شرف بھی مراد ہوسکتا ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم سوچتے نہیں ہو......؟

سورۃ میں بیان کردہ مضامین:۔

یہ سورۃ چونکہ مکی ہے اور مکی سورتوں میں تین قسم کے مضمون آیا کرتے ہیں، توحید، رسالت، معاد، اب آگے جو آیات آرہی ہیں یعنی اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ان میں پہلے معاد کا ذکر ہے پھر رسالت کا اور آگے انبیاء کے واقعات ہیں ان کے اندر انہی اصولوں کی تائید ہوگی۔

ماقبل سے ربط:۔

اور پچھلی سورۃ کی آخری آیات میں مشرکین مکہ کو یہ تنبیہ کی گئی تھی کہ اب وقت ہے سمجھ جاؤ اگر اس کتاب کے اتارنے سے پہلے ہم تمہیں ہلاک کر دیتے تو تم یہ بہانہ کرتے کہ اے اللہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تو ہم ذلت اور رسوائی سے بچ جاتے اب اسی کے مطابق آگے کلام چلائی جارہی ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ قدیم ہیں اسی طرح اللہ کی کلام بھی قدیم ہے:۔

اِقْتَرَبَ لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آگیا اور وہ غفلت میں ہیں اور بات کو ٹلا رہے ہیں جب ان کو متوجہ کیا جاتا ہے تو متوجہ نہیں ہوتے، دونوں میں فرق، میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا یہ شکوہ شکایت ہے ان کی اس غفلت کی کہ جب بھی ان کے سامنے کوئی نئی نصیحت آتی ہے ہمارے سامنے ظاہر ہونے کے اعتبار سے اس کو محدث اور نئی کہدیا گیا ورنہ اللہ کی کلام قدیم ہے جس طرح سے اللہ تعالیٰ قدیم ہے اس طرح سے اللہ کی کلام بھی قدیم ہے قرآن کریم کو حادث نہیں کہا جاسکتا اس اعتبار سے یہ حادث ہے کہ ہمارے سامنے بعد میں یہ نمایاں ہوا، پہلے نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا یہ حدوث کی صفت اس کے ساتھ جو لگائی جارہی ہے یہ ہمارے سامنے ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے، اور یہ مسئلہ پہلے زمانہ میں اٹھا تھا جس سے اھل حق بہت بڑی آزمائش میں پڑ گئے تھے معتزلہ قرآن کو حادث کہتے تھے اور اھل حق کا مسلک تھا کہ یہ قدیم ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسی مسئلہ پر ہی آزمائش میں ڈالے گئے تھے، حکومت کا خیال معتزلہ کے موافق تھا تو اسی لیے بہت سختیاں آئیں ان کے اوپر، تو

اھل حق کا مسلک قدیم کا ہے، اور مُحۡدَثٌ اس کو اِتیان کے اعتبار سے کہا جا رہا ہے، جب ان کے سامنے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اس کو وہ توجہ سے نہیں سنتے بلکہ ایسے حال میں سنتے ہیں کہ جب یہ کھیل تماشے میں لگے ہوتے ہیں یعنی یہ لوگ لہو ولعب میں مبتلاء ہیں۔

کافر جتنی خفیہ میٹنگیں اور سازشیں کریں اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے:۔

اور چپکے چپکے خفیہ میٹنگیں کرتے ہیں اور اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے رسول پر یوں تبصرے کرتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر انسان تم جیسا۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ باتیں کرتا ہے، تو اس میں اثر بہت ہے اثر تو اس میں ایسے ہے، جس طرح سے جادو میں ہوتا ہے، جو بات دوسرے کے اوپر اثر ڈالے اور دوسرے کو متاثر کر کے قائل کر لے اس کو ہمارے ہاں بھی جادو سے تعبیر کیا جاتا ہے تو یہ اثر کے اعتبار سے اللہ کی کلام کو جادو کہتے تھے کہ جب یہ بیان کرتے ہیں تو اس طرح سے ہے جیسے جادو ہی کرتے ہیں کسی کے اوپر۔ تو کیا تم اس جادو کے پاس آتے ہو حالانکہ تم سمجھدار ہو یعنی دیکھتے بھالتے ہوئے تم ان کو اگر قبول کرو گے تو ایسا ہے جیسے تم کسی جادو کے سامنے مرعوب ہو گئے۔ یہ کتاب اللہ کی حیثیت کو ختم کرنے کے لئے حضور ﷺ کی باتوں کی اہمیت مٹانے کے لئے وہ اس قسم کے تبصرے کرتے تھے تو اللہ کے رسول کے سامنے جب کوئی نئی بات آتی تو اللہ کا رسول کہتا کہ اللہ کو سب معلوم ہے آسمان میں اور زمین میں تم جتنی چاہو چھپ چھپ کے سازشیں کر لو وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ تو خفیہ کاروائی کرنے والوں کے لئے یہ ایک بڑی دھمکی ہوتی ہے کہ ہمیں پتہ ہے جو تم کر رہے ہو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خفیہ طور پر کر رہے ہیں لیکن جب انہیں بتا دیا جائے کہ ہمیں پتہ ہے تو یہ ان کے لئے ایک بہت بڑی تنبیہ ہوتی ہے اللہ کے رسول نے کہا کہ میرا رب جانتا ہے بات کو جو آسمان و زمین میں ہے وہ سننے والا جاننے والا ہے یہ اس نجویٰ کا آگے ذکر آ گیا خفیہ طور پر باتیں کرنے میں ایک تو یہ آ گیا کہ کہتے ہیں ایک جیسے انسان ہیں، اس میں اور تم میں کیا فرق ہے......؟ اور پھر کہتے ہیں یہ باتیں جو لوگوں کو آخرت کی سناتا ہے یہ پریشان خیالات ہیں کوئی ربط نہیں ہے نہ ان کی کوئی تعبیر ہے بلکہ یہ جھوٹ گھڑتا رہتا ہے۔

سابقہ امم نے بھی نشانی مانگی تھی لیکن وہ ایمان نہ لائے نتیجۃً ہلاک کر دیئے گئے:۔

فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ: تمہارے پاس یہ نشانی لے کر آئے جس طرح سے پہلے رسول بھیجے گئے تھے اور ان کی قوم نے ان سے نشانی مانگی تو وہ لے کر آئے تو اس طرح یہ بھی لے آئے۔ نشانی سے مراد ایسی نشانی تھی جس کا وہ مطالبہ کیا

کرتے تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات تو بے شمار ظاہر کئے گئے، ہر ہر بات کو مدلل کر کے ذکر کیا گیا اگلی بات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پہلی امتیں جن کے پاس رسول آئے تھے انہوں نے نشانی مانگی اور ہم نے انہیں دکھائی وہ ایمان نہیں لائے نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاک کر دیئے گئے اور ان لوگوں کو ہلاک کرنا ابھی مصلحت نہیں ہے، جس طرح سے یہ زد میں آئے ہوئے ہیں تو اگر ان کے سامنے ان کی منہ مانگی نشانی بھی ظاہر کر دی جائے تو یہ بھی نہیں مانیں گے، پہلے سے انسانوں کا رواج یہی چلا آتا ہے۔نہیں ایمان لائی ان سے قبل کوئی بستی جس کو ہم نے ہلاک کر دیا یعنی جس طرح وہ ایمان نہیں لائے اسی طرح یہ بھی نہیں لائیں گے۔

اللہ نے جتنے انبیاء بھیجے سب بشر ہی تھے:۔

باقی رہا انکا یہ کہنا کہ یہ تو تم جیسا انسان ہی ہے تو اس میں کوئی بات نہیں ہے بشر تو واقعی ہی ہیں اور پہلے جتنے بھی رسول آئے تھے سارے ہی بشر تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس وحی آتی ہے، جس کی وجہ سے وہ باقی انسانوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں، اس لیے ان کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر ان کی بات کو ٹھکرانا یہ حماقت ہے اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ انبیاء بشر ہوتے ہیں اور جب کوئی بات متواتر ہو جائے تو وہاں روای کی عدالت یا اس کا کفر و ایمان بھی زیر بحث نہیں آیا کرتا۔

مسئلہ بشریت اھل کتاب سے پوچھ لو......!:۔

اس لیے اھل کتاب باوجودیکہ اس وقت کافر ہو چکے تھے حضور ﷺ کا انکار کرنے کی وجہ سے لیکن یہ مسئلہ چونکہ ان کی کتابوں میں مذکور تھا اس لیے کہا کہ اگر تمہیں ہم پر اعتبار نہیں تو جو تمہارے یار دوست ہیں ان سے پوچھ لو فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یہاں تو اس آیت کا موقع محل یہی ہے کہ مسئلہ بشریت اھل کتاب سے پوچھ لو اور ویسے چونکہ الفاظ کا عموم مراد ہوتا ہے تو اس سے یہ بات بھی نکل آئی کہ جو لوگ خود علم نہ رکھتے ہوں انہیں چاہیے کہ اھل علم سے پوچھ پوچھ کے کام کریں چنانچہ تقلید کے وجوب کے لئے ہمیشہ حضرات اسی آیت سے استدلال کیا کرتے ہیں، یہ سارے کے سارے اعتراض تبھی ہوتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کا رسول بشر نہیں ہونا چاہیے فرشتہ ہونا چاہیے، اس لیے نہ اس کو کھانے کی ضرورت پیش آئے اور نہ اس کو معاشی ضروریات کے لیے چلنے پھرنے کی ضرورت ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں پہلے ایسے بدن نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ

ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے یعنی موت انبیاء علیہم السلام پر بھی آتی ہے یوں کہہ سکتے ہیں مَاتَ الْاَنْبِیَاءُ لیکن مرنے کے بعد کیا کیفیت ہوتی ہے تو یہ الگ بات ہے تو اس میں اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اتنی حیات حاصل ہے کہ ان کو بالکل زندہ کہا جاسکتا ہے، ان کے بدن پر بھی حیات کے آثار ہیں اور اسی طرح سے ان کو پوری طرح سے شعور حاصل ہے عام اموات کی طرح ان کو نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن موت کے وارد ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اس لیے بسا اوقات لوگ بحث کرتے ہوئے اس قسم کی آیات اور احادیث پڑھنا شروع کردیتے ہیں، جس میں موت کا لفظ آیا ہوا ہوتا ہے تو اس میں تو کوئی جھگڑا ہی نہیں۔

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ: فرق یہ تھا کہ ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے اس وحی نے آکر ان کو عام انسانوں سے ممتاز کردیا تو مثلیت صرف انسان ہونے میں ہے، بنی آدم ہونے میں ہے، باقی جہاں تک علوم کی بات ہے، فضیلت کی بات ہے، مرتبہ کی بات ہے، دنیا و آخرت میں کوئی شخص انبیاء علیہم السلام کی ہوا کو بھی نہیں پہنچ سکتا تو جب اللہ کی طرف سے ان کے پاس وحی آگئی تو یہ عام انسانوں سے بہت ممتاز ہوگئے ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ، پھر ہم نے سچا کر دکھایا...... وعدہ ان سے یہ تھا کہ جو تمہیں نہیں مانیں گے وہ گرفت میں آجائیں گے، تو وعدہ سچا ہوا ہم نے ان انبیاء علیہم السلام کو بھی نجات دی اور ان کے ساتھ جو لوگ دوسرے تھے، ان کو بھی نجات دی اور جو حد سے بڑھنے والے لوگ تھے ان کو ہم نے ہلاک کردیا لَقَدْ اَنْزَلْنَآ یہ اجمالی طور پر ذکر آگیا انبیاء علیہم السلام کی نجات کا اور دوسرے ماننے والوں کی نجات کا...... البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب اتاری اس سے اہل مکہ مراد ہیں جس میں تمہارا شرف ہے، نصیحت ہے شہرت ہے کیا تم سوچتے نہیں......؟

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا

کتنی بستیوں کو ہم نے نیست و نابود کردیا ایسی بستی جو کہ ظالم تھی اور اٹھایا ہم نے ان بستیوں کے

قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (۱۱) فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ (۱۲)

اورلوگوں کو (۱۱) جب ان لوگوں نے ہمارے عذاب کومحسوس کیا اچانک وہ لوگ ان بستیوں سے بھاگنے لگے (۱۲)

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ

مت بھاگو لوٹو اسی سازو سامان کی طرف جس میں تم خوشحالی دیئے گئے اور لوٹو اپنی حویلیوں کی طرف

لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ (۱۳) قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (۱۴)

شاید کہ تم سے پوچھا جائے (۱۳) وہ کہنے لگے اے ہماری خرابی بیشک ہم ہی قصور وار تھے (۱۴)

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ (۱۵)

پس ہمیشہ رہی ان کی یہی چیخ و پکار حتی کہ بنادیا ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح (۱۵)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (۱۶) لَوْ اَرَدْنَآ

نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان کواور زمین کواوران چیزوں کو جوان کے دونوں کے درمیان میں ہیں کھیلتے ہوئے (۱۶) اگر ہم ارادہ کرتے

اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ (۱۷) بَلْ

کہ اختیار کریں کوئی کھیل تو ہم اختیار کرلیتے اس کھیل کو اپنے پاس سے ہی اگر ہم کرنیوالے ہوتے (۱۷) بلکہ

نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ

پھینکتے ہیں ہم حق کو باطل پر پس وہ حق باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے پس اچانک وہ باطل جانے والا ہوتا ہے

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ (۱۸) وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

تمہارے لئے خرابی ہے ان باتوں کی وجہ سے جوتم بیان کرتے ہو (۱۸) اوراسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اورزمین میں ہے

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ (۱۹)

اور جو لوگ اللہ کے مقرب ہیں نہیں تکبر کرتے وہ اللہ کی عبادت سے اور نہ وہ تھکتے ہیں (۱۹)

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝۲۰ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً

دن رات اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں سستی نہیں کرتے ۝۲۰ کیا ان لوگوں نے اختیار کیا معبودوں کو

مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝۲۱ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ

زمین سے جو بے جان چیزوں میں جان ڈالتے ہیں؟ ۝۲۱ اگر زمین وآسمان میں معبود ہوتے اللہ کے علاوہ تو یہ زمین

اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۲۲

وآسمان دونوں خراب ہو جاتے اور ان میں فساد برپا ہو جاتا پس پاک ہے اللہ عرش کا رب ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں ۝۲۲

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝۲۳ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ

نہیں پوچھا جاتا وہ اس چیز کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور اس کے علاوہ جتنے بھی ہیں سب پوچھے جائیں گے ۝۲۳ کیا ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ

دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ

معبود اختیار کئے آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی برہان لاؤ یہ ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ ہیں

وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ

اور ذکر ہے ان لوگوں کا جو مجھ سے پہلے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے وہ حق کو جانتے نہیں

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۴ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

پس وہ اعراض کرنے والے ہیں ۝۲۴ نہیں بھیجا ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول

اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝۲۵ وَ قَالُوا اتَّخَذَ

مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے تھے کہ میرے بغیر کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو ۝۲۵ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ

الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝۲۶ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ

رحمٰن نے اولاد اختیار کی ہے وہ رحمٰن پاک ہے بلکہ وہ باعزت بندے ہیں ۝۲۶ نہیں سبقت

بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
لے جاتے وہ اللہ پر بات کے ساتھ اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں ﴿۲۷﴾ جانتا ہے اللہ ان سب حالات کو جو ان کے سامنے ہیں
وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ
اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ سفارش نہیں کریں گے مگر اس شخص کے متعلق جس کے متعلق اللہ کی رضا ہو
خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ
اور وہ اللہ کی ہیبت سے ڈرنے والے ہیں ﴿۲۸﴾ اور جو کوئی کہہ دے ان میں سے کہ میں الٰہ ہوں اللہ کے علاوہ
دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾
پس یہی شخص ہے کہ جس کا بدلہ ہم جہنم دیں گے اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۲۹﴾

تفسیر

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ: من قریة یہ کم کی تمیز ہے قَصَمَ يَقْصِمُ پیس ڈالنا نیست و نابود کر دینا، کتنی ہی بستیوں کو ہم نے نیست و نابود کر دیا، كَانَتْ ظَالِمَةً یہ قریۃ کی صفت ہے، ایسی بستی جو کہ ظالمہ تھی یعنی اس کے رہنے والے ظلم کا ارتکاب کرنے والے تھے اور ظلم کا اعلیٰ فرد ہے شرک ہے۔

وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا: اور اٹھایا ہم نے ان بستیوں کے بعد اور لوگوں کو فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اَحَسُّوْا یہ اھل قریہ کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے جن کے ہلاک کرنے کا ذکر آیا، جب ان لوگوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا اچانک وہ لوگ ان بستیوں سے بھاگنے لگے، رَكَضَ يَرْكُضُ اصل میں ایڑی مارنے کو کہتے ہیں لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا، لَا تَرْكُضُوْا سے پہلے قیل لھم محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کہا گیا تکوینی طور پر کہ مت بھاگو لوٹو اسی ساز و سامان کی طرف جس میں تم خوشحالی دیئے گئے تھے اور لوٹو اپنی حویلیوں کی طرف شاید کہ تم سے پوچھا جائے...... یا تاکہ تم سے سوال کیا جائے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ تاکہ تمہاری مزاج پرسی کی جائے یہ ان کے ساتھ استہزاء اور تحکم ہے قَالُوْا وہ کہنے لگے اے ہماری خرابی! بے شک ہم ہی قصوروار تھے، پس ہمیشہ رہی ان کی یہی چیخ و پکار حتی کہ بنا دیا ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح یعنی جیسے کوئی چیز جل کے راکھ

ہوجائے آگ بجھ جائے مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی نام ونشان نہیں رہتا اسی طرح سے کھیتی لہلہاتی ہوئی کاٹ ڈالی جائے تو کاٹنے کے بعد وہ ذرات ہوجاتی ہے، منتشر ہوجاتی ہے، ہم نے ان کو اسی طرح سے ہی کر دیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ ہوتی ہے

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ: نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان کو اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں کھیلتے ہوئے لٰعِبِیْنَ یہ خَلَقْنَا کی ضمیر سے حال ہے، لَوْ اَرَدْنَآ اگر ہم ارادہ کرتے کہ اختیار کریں کوئی کھیل تو ہم اختیار کر لیتے اس کھیل کو اپنے پاس سے ہی اگر ہم کرنے والے ہوتے بلکہ پھینکتے ہیں ہم حق کو باطل پر پس وہ حق اس باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے، پس اچانک وہ باطل جانے والا ہوتا ہے تمہارے لیے خرابی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بیان کرتے ہو اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور جو لوگ اللہ کے پاس ہیں یا اللہ کے مقرب ہیں، اس سے فرشتے مراد ہیں۔ نہیں تکبر کرتے وہ اللہ کی عبادت سے اور نہ وہ تھکتے ہیں، دن رات اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں سستی نہیں کرتے۔ کیا ان لوگوں نے اختیار کیا معبودوں کو زمین سے جو بے جان چیزوں میں جان ڈالتے ہوں، مُردوں کو زندہ کر دیں اور انشار کا لفظ ارض کے لئے بھی بولا جاتا ہے تو اس وقت ترجمہ ہوگا کیا اختیار کیا انہوں نے معبود زمین سے وہ معبود اس زمین کو سرسبز وشاداب کرتے ہوں۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ: فِيْهِمَآ کی ضمیر زمین آسمان کی طرف لوٹ رہی ہے اگر زمین وآسمان میں معبود ہوتے اللہ کے علاوہ تو یہ زمین وآسمان دونوں خراب ہوجاتے، ان میں فساد برپا ہوجاتا لَوْ کے متعلق آپ پڑھتے رہتے ہیں انتفاءِ ثانی اس میں دلیل بنا کرتا ہے انتفاءِ اوّل کے لئے، یہاں دوسرا جز ہے لَفَسَدَتَا اور ہم زمین وآسمان کو دیکھتے ہیں کہ یہ صحیح نظم کے ساتھ چل رہا ہے، اس میں کوئی فساد نہیں۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ پس پاک ہے اللہ عرش کا رب ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں، نہیں پوچھا جاتا وہ اس چیز کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور اس کے علاوہ جتنے بھی ہیں سب پوچھے جائیں گے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ: کیا ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ معبود اختیار کیے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی برھان لاؤ یہ ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ ہیں، اور ذکر ہے ان لوگوں کا جو مجھ سے پہلے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن کریم اور پہلے لوگوں پر اتری ہوئی کتابیں وہ ساری کی ساری موجود ہیں، ان کو دیکھ لو کیا کسی کے اندر یہ موجود

ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہے، توراۃ، انجیل، زبور، اگر چہ ان میں کتنی ہی تحریف ہوئی لیکن آج بھی وہ کتابیں توحید کے مضمون پر ہی مشتمل ہیں، تو یہ نقلی دلیل کی طرف اشارہ ہے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے یعنی یہ جو شرک کا قول کرتے ہیں ان کے پاس دلیل وغیرہ نہیں بلکہ اکثر ان میں بے علم ہیں، لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ وہ حق کو جانتے نہیں پس وہ اعراض کرنے والے ہیں۔

مشرکین کی تردید:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ: نہیں بھیجا ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے تھے کہ میرے بغیر کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کی ہے وہ رحمٰن پاک ہے اس عیب سے کہ اولاد اختیار کرے، اولاد کا قول کرتے تھے وہ فرشتوں کے متعلق کہ فرشتے اللہ کی اولاد ہیں، تو عبادٌ مکرمون یہ انہی فرشتوں کو کہا جا رہا ہے وہ اولاد نہیں بلکہ وہ باعزت بندے ہیں، نہیں سبقت لے جاتے وہ اللہ پر بات کے ساتھ یعنی اللہ کے سامنے بڑھ کے بات نہیں کر سکتے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ: جانتا ہے اللہ ان سب حالات کو جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ سفارش نہیں کریں گے مگر اس شخص کے متعلق جس کے متعلق اللہ کی رضا ہو اور وہ اللہ کی ہیبت سے ڈرنے والے ہیں اور جو کوئی کہہ دے ان میں سے کہ میں اِلٰہ ہوں اللہ کے علاوہ ان فرشتوں میں اگر کوئی ایسی بات کہہ دے پس یہی شخص ہے کہ جسکا بدلہ ہم جہنم دیں گے اور اسی طرح سے ہم ظالموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ماقبل رکوع سے ربط ظلم کا اعلیٰ مصداق شرک ہے:۔

اس رکوع کی پہلی آیت حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ تک اس میں تو پہلی تاریخ کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے دنیوی عذاب سے وعید کی ہے اور ایسے ہی پچھلے رکوع کے آخر میں لفظ آیا تھا اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ہم نے مسرفین کو ہلاک کیا یہ دنیوی عذاب ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترہیب ہے اسی کی کچھ وضاحت ان آیات میں بھی ہے کہ کئی ساری بستیاں جو کہ ظالمہ تھیں اللہ کا حق پہچاننے والیاں نہیں تھیں اور ظلم کا اعلیٰ مصداق شرک ہے۔

مشرکین سرداری کے غرور میں نبی کی بات نہیں مانتے تھے:۔

ہم نے ان کو تھوڑ چھوڑ دیا اور ان کے ہلاک کرنے کے ساتھ ہمارا کوئی نقصان نہ ہوا ہم نے ان کے بعد اور

لوگوں کو اٹھا دیا ان کے بعد ہماری زمین میں کوئی بے رونقی نہیں ہوگئی بلکہ ان کے بعد ہم نے اور لوگ پیدا کر دیئے زمین ویسی کی ویسی آباد رہی اور جن کو ہم نے ہلاک کیا ان کا حال یہ تھا بڑے بڑے محلات والے تھے مجلسیں لگاتے لوگ ان کے پاس ان کی مزاج پرسی کے لئے آتے اس طرح سے گویا کہ وہ صاحب مجلس ہوتے تھے اور رسول جس وقت ان کو سمجھاتے تو آگے سے اکڑتے تھے سرداری کے غرور میں وہ بات کو مانتے نہیں تھے۔

جب عالم آخرت منکشف ہو جائے یا عذاب آ جائے تو پھر توبہ واستغفار کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا:۔

لیکن جب عذاب کے آثار ظاہر ہوئے تو پھر ان بستیوں سے نکل کر بھاگنے لگے کہ بھاگ کر کہیں جان بچالیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکویناً کہا گیا کہ اب کہاں بھاگے جا رہے ہو مت بھاگو وہیں چلو جہاں تمہارے بیٹھنے کی جگہ ہے، لوگ تمہارے پاس تمہاری مزاج پرسی کے لئے آئیں تم سے مشورے لینے کے لئے آئیں ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ جس ساز و سامان پر تم ناز کرتے تھے کیا اب وہ تمہارے کام آرہا ہے لیکن وہ آگے سے پھریوں چیخنے لگے کہ واقعی قصور ہمارا تھا انبیاء علیہم السلام نے تو ہمیں سمجھایا لیکن ہم نہیں سمجھے قصوروار ہم تھے اور ایسے موقع پر انسان توبہ کرتا ہے چیخ و پکار کرتا ہے لیکن یہ مسئلہ آپ کے سامنے بار بار واضح کر دیا گیا کہ جب عالم آخرت منکشف ہو جائے یا عذاب آ جائے تو اس کے بعد پھر توبہ استغفار کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، تو وہ چیختے رہے حتیٰ کہ ہم نے ان کو اس طرح کر دیا جس طرح کہ کٹی کھیتی ہوتی ہے اور جلی ہوئی چیزیں بجھی ہوئی ہوتی ہیں یہاں تک تو اس عذاب کا ذکر ہے۔

مشرکین کے عقیدۂ سفارش کی تردید:۔

آگے توحید کو ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ نہ زمین میں کوئی معبود اور نہ آسمان میں اور خصوصیت کے ساتھ ان آیات میں رد کیا گیا ہے شفاعت کے نظریہ کا کہ مشرکین نے جو اپنے الٰھہ تیار کر رکھے تھے ان کو وہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اور سفارشی کا مفہوم ان کے ذہن میں وہی تھا جیسے آج کل لوگوں نے سفارشی بنا رکھے ہیں، دنیوی عدالتوں کیلئے کہ ایک آدمی کا کوئی سہارا ہوتا ہے جس کو وہ سمجھتا ہے کہ حاکم اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا تو اس قسم کے لوگ جرائم کرنے میں بڑے بے باک ہوتے ہیں اور یہ دلیری اس وجہ سے

ہوتی ہے کہ اول تو ہمارے اس بڑے کا لحاظ کرتے ہوئے حکومت ہمیں پکڑے گی نہیں کیونکہ یہ فلاں کا بھائی ہے فلاں کا بیٹا ہے، اور اگر پکڑ بھی لے گی تو کیا ہے! وہ آئے گا آکر چھڑا کے لے جائے گا جس شخص کا نظریہ اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے کسی شخص کے متعلق یہی ہے وہ کبھی قانون کی پابندی نہیں کرتا، وہ لاقونیت کے ساتھ زندگی گزرتا ہے اور فتنہ وفساد کا ذریعہ بنتا ہے، اور اس کی زندگی مجرمانہ ہوتی ہے اور جن عدالتوں میں اس قسم کی سفارشیں مانی جائیں آپ جانتے ہیں کہ ان عدالتوں میں عدل وانصاف کا خون ہوتا ہے، وہاں حق و باطل کی تمیز نہیں رہتی تو یہ مشرکین بھی ایسا عقیدہ رکھتے تھے کہ جن کی ہم پوجا کررہے ہیں یہ فرشتے ہیں یہ اللہ کی اولاد ہیں یہ جو چاہیں اللہ سے منوالیں اس لیے ان کو خوش رکھو جب یہ خوش ہونگے تو دنیوی ضرورتیں بھی پوری کروائیں گے اور آخرت میں بھی اگر اللہ کے سامنے کسی قسم کی گرفت ہوئی تو چھڑالیں گے، تو آپ جانتے ہیں کہ اگر یہ نظریہ صحیح ہوتو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں عدالت کیا ہوئی......؟ انصاف کیا ہوا......؟ حق و باطل کا امتیاز کیا ہوا......؟ اب پھر کون شخص اللہ کے احکام کی پابندی کرے گا......؟ ایسا نظریہ رکھنے والے ہر قسم کی بدامنی میں مبتلاء ہونگے!

آج کل سجادہ نشینوں کی زندگی انتہائی مجرمانہ ہے:۔

واقعہ ہے کہ آج کل بھی بزرگوں کی اولاد جو اپنے آپ کو قرار دیتے ہیں یہ سجادہ نشین اور نسل جو بزرگوں کی طرف انتساب رکھتی ہے وہ آج بھی یہی ذہن لیے ہوئے ہیں کہ ہمارا تو فلاں ولی اللہ تھا ہمیں کیا پرواہ ہے......؟ ہم اس کی اولاد ہیں وہ ہمیں چھڑالیں گے اگر کوئی ایسی بات ہو بھی گئی تو اللہ تعالیٰ ہمارا لحاظ کرے گا۔ اول تو پکڑے گا نہیں اگر پکڑ لیا تو وہ چھڑالیں گے، ان لوگوں کی زندگی انتہائی مجرمانہ ہوا کرتی ہے تو یہ نظریہ باطل ہے اور وہ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

شفاعت والا عقیدہ انسان کو بدعملی کی طرف لے جاتا ہے:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا اِلٰہ نہیں نہ میری کوئی اولاد ہے، اور نہ میرے سے کوئی پوچھ سکتا ہے کہ تو نے یہ کیوں کیا......؟ اور باقی جتنے ہیں وہ سارے کے سارے میرے محکوم ہیں اور جن کے متعلق تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ یہ فرشتے اولاد ہیں اللہ کے سامنے ناز کرتے ہیں اور منوالیتے ہیں......تو یہ میرے سامنے بول ہی نہیں سکتے میری اجازت کے بغیر اور جو میں کہوں وہی کرتے ہیں صبح شام تسبیح میں لگے ہوئے ہیں، کسی وقت تھکتے

نہیں جس طرح سے انسانوں کا سانس چلتا ہے اور ہم ہر کام کرتے ہوئے سانس لیتے رہتے ہیں فرشتے اسی طرح سے ہر کام کرتے ہوئے بھی اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جیسے ہم سانس لیتے ہوئے تھکتے نہیں اور کسی وقت میں ہمارا سانس رکتا نہیں ہے اسی طرح سے فرشتے اللہ کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں، کبھی ان کی تسبیح رکتی نہیں ہے وہ تو ایسے اللہ کے سامنے ڈرے ہوئے دبے ہوئے ہیں کہ بات کرنے کی جرأت نہیں اور اگر ان میں سے کسی کے منہ سے یہ نکل جائے کہ ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے تو آج ہی اٹھا کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں اللہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے ظالموں کا میرے ہاں ٹھکانہ جہنم ہے تو جن کے متعلق تم یہ عقیدہ رکھے ہوئے ہو وہ تو اس قسم کی مخلوق ہے اللہ کے بندے ہیں باعزت بندے ہیں لیکن یہ نہیں کہ ان کو خدائی میں شریک کرلیا، یا ان کی بات اللہ ضرور مانتا ہے، یا اللہ اگر کچھ کرنا چاہے تو پوچھ سکتے ہیں کہ تو نے ایسا کیوں کیا، یا ایسا کرنا چاہیے تھا اور کیوں نہیں کیا یہ بات کرنے کی ان میں جرأت نہیں ہے۔ اس طرح سے شفاعت کے عقیدے کو رد کیا جارہا ہے کہ یہ عقیدہ انسان کو بدعملی کی طرف لے جاتا ہے، جو یہ سمجھے کہ مجھے کوئی چھڑوا لے گا وہ کبھی قاعدہ قانون کی پابندی نہیں کیا کرتا تو یہ شفاعت والے عقیدے کی تردید ان آیات میں خصوصیت کے ساتھ کی جارہی ہے۔

آسمان و زمین کی تخلیق کوئی فعل عبث نہیں بلکہ اس میں حق و باطل کی کشاکشی ہے:۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ زمین و آسمان کو ہم نے کوئی کھیل تماشا کے طور پر نہیں بنایا بلکہ اس میں اگر حق اور باطل کی کشاکشی ہے تو اہل حق کے سامنے ان کا نتیجہ آئے گا اہل باطل کے سامنے ان کے نتیجہ آئے گا اگر ظالم اور مظلوم میں فرق نہ ہو باغی اور فرمانبردار میں فرق نہ ہو تو پھر تو یہ کھیل تماشا ہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی کھیل تماشا اختیار کرنا ہوتا تو لوگوں کو مکلف کرنے کی آپس میں لڑانے کی کیا ضرورت تھی؟ ہم اپنے پاس کوئی اور مشغلہ بنالیتے اور آپ جانتے ہیں کہ لَو بالفرض کے لئے ہوتا ہے بالفرض اگر ہم ایسا کرنا چاہتے اگر ہم ارادہ کرتے لیکن ایسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو حکیم مطلق ہے اس کی شان سے یہ بعید ہے کہ محض فضول کوئی کام کرے کھیل تماشے کے طور پر جس میں کوئی اچھا نتیجہ نکلنے والا نہ ہو۔ یہ زمین و آسمان کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے، اس لیے یوں نہ سمجھو! کہ آخرت نہیں آئے گی اور کوئی فیصلہ نہیں ہوگا ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں حق و باطل کی لڑائی ہے اور اللہ تعالیٰ دلائل کے ساتھ حق کو غالب کرتا ہے اور باطل اس کے سامنے فنا ہوتا ہے اور دلائل قائم کیے جاتے ہیں آفاق میں زمین میں

آسمان میں اور دلائل تنزیلی جو اللہ کی طرف سے اترتے ہیں وہ سب حق کو غلبہ دینے کے لئے ہیں۔

مشرکین کو تنبیہ:۔

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ: کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی زبان سے جو اس قسم کی باتیں کرتے ہو کہ آخرت نہیں ہے بس دنیا ہے اس میں جو کچھ کرنا ہے کرلو یا سفارشی کے متعلق کو تم نے عقیدے اختیار کر لیے اس قسم کی باتیں کو کرتے ہو۔ یہی تمہارے لیے خرابی کا باعث بنے گیں۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اسی کا مملوک ہے جس میں فرشتے بھی آگئے اور انکا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ اللہ کے پاس جو فرشتے ہیں اللہ کے مقرب۔ وہ تو اس کی عبادت سے اکڑتے نہیں تو ہمیشہ اس کی عبادت کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔

نظام کائنات چلانے میں اللہ تعالیٰ خود مختار ہے:۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ: آسمانوں والوں کا تو یہ حال ہے جو اوپر ذکر کر دیا باقی رہے زمین والے، کیا انہوں نے زمین سے کوئی الٰہ بنالیے ہیں جو زمین کو آباد کرتے ہوں، اس کو شاداب کرتے ہوں، اس قسم کے اختیارات کس کے لئے ہیں......؟ یا کوئی ایسے معبود ہیں جو بے جان چیزوں میں جان ڈال کر اٹھا کر کھڑا کریں، یعنی ایسے بھی کوئی نہیں...... مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تو ہے آسمانوں کے اوپر گویا کہ اس کا دارالسلطنت زمین سے بہت دور ہے، اور اتنے دور دراز علاقے کے انتظام کرنے کے لئے اس نے کچھ اور منتظمین اپنے ماتحت بنالیے ہیں تا کہ اس علاقے کو سنبھالیں اس قسم کے نظریے تھے جس میں اللہ کی قدرت کے اندر خلط پڑتا تھا اور اللہ کے علم میں کمی بھی لازم آتی ہے، وہ سب میرے سامنے ہے سب میرے علم میں ہے تو اس قسم کے نظریہ جیسے کیسے بھی بنایا جائے وہ غلط ہے اللہ تعالیٰ نے کسی علاقے کی حکومت کسی کو ایسے طور پر نہیں دی کہ وہ خود مختار ہو جائے جو کچھ چاہے کرتا رہے۔

تعدد الٰہ کے ابطال پر انتہائی پختہ دلیل:۔

کیا انہوں نے زمین سے معبود اختیار کر لیے کہ وہ اٹھاتے ہیں یا زمین کو آباد کرتے ہیں بالکل غلط نہ کوئی

آسمان میں معبود ہے اور نہ زمین میں، اگر اللہ کے علاوہ اس زمین یا آسمان میں کوئی معبود ہوتے تو ان میں انتظام کبھی برپا نہ رہتا فساد برپا ہوجاتا، یہ دلیل ایک بہت سادہ سی دلیل ہے مطلب اس کا یوں سمجھئے جیسا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑی سے وضاحت فرمائی تعدد الٰھہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی اسکو یوں سمجھو! کہ عبادت نام ہے کامل تذلل کا کہ کسی کے سامنے پوری طرح سے ذلت اختیار کرلینا پست ہوجانا اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے، جو اپنی ذات وصفات میں ہر طرح کامل ہو اور اسی کو ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں، ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو، نہ وہ بے کار، نہ عاجز، نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے اور نہ کوئی دوسرا اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے، اب اگر فرض کیجئے! کہ آسمان وزمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہونگے اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات اور سفلیات کی تجویز دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے۔ یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہوجاتا ہے، اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا اس لیے دونوں نے مل کر انتظام کیا معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر ایک تنہا سارے عالم کا کامل طور پر سرانجام دے سکتا تھا، تو دوسرا بے کار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اس لیے ماننے پڑتا کہ اس کے ماننے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہوسکتا، اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں یا ایک مغلوب ہوکر اپنے ارادہ تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا وہ خدا نہ رہا یا دونوں بالکل مساوی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادے اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے، اول تو خداؤں کی اسی سرکشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہیں ہوسکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگے گی، تو کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوجائے گی، یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان زمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہوجاتا، ورنہ ایک خدا کا بے کار یا ناقص یا عاجز ہونا لازم آتا جو اللہ ہونے کے اور الٰھہ ہونے کے منافی ہے تو یہ ساری کی ساری کائنات جو ایک نظم کے ساتھ کے ساتھ چل رہی ہے، یہ علامت ہے اس بات کی کہ اس کے اوپر کنٹرول ایک کا ہی ہے فسبحن اللہ رب العرش اس میں اشارہ کردیا کہ عرش کا مالک وہ ایک ہی ہے پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو کہ یہ بیان کرتے ہیں، اور وہ عرش کا رب ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا.....؟ یا یہ کام کیوں نہیں

کیا......؟اور باقی جتنے ہیں وہ سارے کے سارے اس کے ماتحت ہیں پوچھے جائیں گے۔

مشرکین اپنے دعویٰ پر دلیل لائیں:۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً : یا اللہ کے علاوہ انہوں نے کچھ آلہہ اختیار کیے ہیں، آپ ان سے کہیے کہ اس کے اوپر دلیل لاؤ، ایک اللہ کو تو مان لیا، مشرک نے بھی مان لیا، موحد نے بھی مان لیا، لیکن اب اس کے ماتحت چھوٹے چھوٹے اور الٰہ بھی ہیں یا نہیں......؟ وہ کہتے ہیں کہ ہیں، ہم کہتے ہیں کہ نہیں، جو کہتا ہے کہ نہیں اس کے ذمہ تو دلیل نہیں ہے، دلیل اس کے ذمہ ہوتی ہے جو ثابت کرنا چاہے، اب ایک کے اوپر اضافہ کرنے والوں سے پوچھو کہ برھان لاؤ ان کے وجود پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ یہ اپنی دلیل کی طرف اشارہ کر دیا کہ عقلی دلیل اوپر آ گئی اور نقلی دلیل یہ آ گئی کہ یہ کتاب ہے میرے ساتھیوں کی اور پہلے لوگوں کی جو پہلے لوگ موجود ہیں، ان میں دیکھ لو کہ کیا کسی کتاب میں یہ تذکرہ ہے، کہ اللہ نے اختیارات دیکر زمین میں یا آسمان میں کوئی اور آلہہ اپنے ماتحت بنا لیے کسی میں کوئی تذکرہ نہیں ہے ان کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے بلکہ ان میں سے اکثر حق کو جانتے نہیں ہیں، اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔

توحید کا دعویٰ تمام انبیاء کا متفق علیہ مسئلہ ہے، اور رحمان ہر عیب سے پاک ہے:۔

اور آگے بھی اسی طرح سے نقلی دلیل کی طرف اشارہ ہے کہ یہ توحید کا دعویٰ کوئی حضور ﷺ نے نہیں کیا بلکہ جتنے بھی رسول پہلے آئے ہیں سب کا متفق علیہ مسئلہ ہے، نہیں بھیجا ہم نے آپ سے قبل کسی رسول کو مگر اس کی طرف یہی وحی کی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ، اور یہ مشرک کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے اس کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے، اسی کا آگے بیان آ رہا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ رحمان نے اولاد اختیار کی، رحمان پاک ہے اس عیب سے بلکہ وہ تو باعزت بندے ہیں، آگے بڑھ کے بات نہیں کر سکتے رحمان کے سامنے۔ وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے سب حالات کو جانتا ہے اور وہ فرشتے جن کو انہوں نے سفارش کرنے والا سمجھا ہوا ہے وہ سفارش نہیں کریں گے مگر اسی کے متعلق جس کے متعلق اللہ کی رضا ہو گی تو پھر تم ان پر اعتماد کس طرح کیے ہوئے ہو......؟ اور وہ اللہ کی ہیبت کے سامنے ڈرنے والے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی یہ بول دے کہ وہ اِلٰہ ہے اللہ کے

علاوہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے متعلق کبھی ایسا نہیں کہہ سکتے اگر کہیں گے تو وہ بھی جہنم میں جائیں گے اور ہم اس طرح سے ظالمین کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا

کیا کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین دونوں بند تھے پھر ہم نے ان دونوں

رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ

کو کھول دیا اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا

اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ

کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۳۰﴾ بنائے ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ تا کہ وہ زمین ہچکولے نہ لینے لگ جائے

بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

ہم نے بنائے زمین میں راستے کھلے تا کہ وہ لوگ راہ پائیں ﴿۳۱﴾

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور یہ لوگ اس آسمان کی نشانیوں سے

مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

اعراض کرنے والے ہیں ﴿۳۲﴾ اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو

وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ

اور چاند کو ان میں سے ہر ایک اپنے دائرے میں تیرتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور نہیں بنایا ہم نے کسی کے لئے آپ سے پہلے

قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ

خلد (ہمیشگی) کو کیا پھر اگر آپ وفات پاجائیں گے پھر یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ﴿۳۴﴾ ہر نفس

ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا

موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم آزماتے ہیں تمہیں شر اور خیر کے ساتھ اور ہماری طرف ہی

تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵ وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا

تم سب لوٹائے جاؤ گے ۝۳۵ اور جس وقت دیکھتے ہیں آپ کو وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں بناتے وہ آپ کو مگر

هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

ٹھٹھہ کیا ہوا۔ یہ وہ شخص ہے جو تمہارے آلہہ کا ذکر کرتا ہے اور وہ خود رحمٰن کے ذکر کا

هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ

انکار کرنے والے ہیں ۝۳۶ انسان جلد بازی سے بنایا گیا ہے عنقریب دکھاؤں گا میں تمہیں اپنی نشانیاں

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۳۷ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

پس تم مجھ سے جلدی مطالبہ نہ کرو ۝۳۷ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم

صٰدِقِیْنَ ۝۳۸ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ

سچے ہو ۝۳۸ اگر جان لیں یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اس وقت کو جب نہیں روک سکیں گے یہ

وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝۳۹

اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ یہ مدد کیے جائیں گے ۝۳۹

بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا

بلکہ وہ آگ ان کے پاس اچانک آئے گی پھر وہ آگ ان کو حیرانی میں ڈال دیگی پھر یہ نہیں طاقت رکھیں گے

وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝۴۰ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ

اس آگ کو رد کرنے کی اور نہ یہ مہلت دیئے جائیں گے ۝۴۰ یہ بات پکی ہے کہ استہزاء کیا گیا ان رسولوں کے ساتھ

فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۱ ع

جو تم سے پہلے ہیں پھر گھیر لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ٹھٹھہ کیا تھا اس چیز نے جس کیساتھ وہ ٹھٹھہ کیا کرتے تھے ۝۴۱

تفسیر

اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا: لم یر کے اندر رؤیت یہ فعل قلب ہے فعل بصر نہیں..... کیا کافروں کو معلوم نہیں......؟ کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں......؟ اگر دیکھنے کا لفظ بولیں گے تو یہ آنکھ کا فعل بنتا ہے۔ اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں یہ ترجمہ کریں گے تو یہ دل کا فعل ہے اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا، رتق بند کرنے کو کہتے ہیں، اور فتق کھولنے کو کہتے ہیں، رتق مصدر ہے اس لیے کانتا یہ تثنیہ کا صیغہ ہے، آگے اس کی خبر مفرد ذکر کی گئی، کیونکہ مصدر کو تثنیہ اور جمع نہیں لایا کرتے، جس وقت اس کا معنی کریں گے تو معنی تثنیہ والا ہوگا یہ رتق مصدر مفعول کے معنی میں ہے کَانَتَا مَرْتُوْقَتَیْنِ آسمان اور زمین دونوں بند تھے، پھر ہم نے ان دونوں کو کھول دیا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ، حَیٍّ یہ شَیْءٍ کی صفت ہے اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے......؟ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ، رَوَاسِیَ رواسی یہ راسیۃ کی جمع ہے رواسی ثوابت کے معنی میں ہے یہ صفت ہے جبال کی جبال رواسی جمنے والے پہاڑ، بوجھل پہاڑ، بنائے ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ، تَمِیْدَ یہ مید سے ہے حرکت کرنا اور اور یہ حرکت اضطرابی ہے تو معنی یہ ہوگیا تاکہ وہ زمین ان لوگوں کے ساتھ ہچکولے نہ لینے لگ جائے وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا فجاج یہ فجٌّ کی جمع ہے فج کہتے ہیں کشادہ راستے کو اور سُبُلًا سبیل کی جمع ہے بمعنی راستہ سبلاً بدل ہے فجاجاً سے یا سبلاً ذوالحال ہے اور فجاجا حال ہے نحو کے اندر قاعدہ ہے کہ جس وقت ذوالحال نکرہ ہو تو اس وقت حال کو مقدم کردیا جاتا ہے کیونکہ اگر ہم اس کو مؤخر کریں گے پھر یہ صفت موصوف بن جائیں گے حال ذوالحال نہیں ہوگا، مقدم کرنے کی صورت میں یہ حال بن جائے گا تو پھر ترجمہ ہوگا ہم نے بنائے زمین میں راستے کھلے کھلے اس حال میں کہ وہ فراخ ہیں تاکہ وہ لوگ راہ پائیں، راہ پانے کے یہاں دونوں معنی ہیں یا تو ان راستوں کے ذریعہ سے اپنے راستہ تک منزل پالیں اور یا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ کے ہدایت حاصل کریں کفر و شرک کو چھوڑیں تو ہدایت سے معنوی اور ظاہری دونوں مراد ہوسکتی ہیں، وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا، سقف کہتے ہیں چھت کو اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور یہ لوگ اس آسمان کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو، دن کو، سورج کو، اور چاند کو ان میں سے ہر ایک اپنے دائرے میں تیرتے ہیں اور نہیں بنایا ہم نے کسی کے لئے تیرے سے پہلے خلد یعنی ہمیشگی کو۔ کیا پھر

اگر آپ وفات پا جائیں گے پھر یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں......؟ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم آزماتے ہیں تمہیں شر اور خیر کے ساتھ۔ شر سے مراد ہوتے ہیں وہ حالات جو انسان کی اپنی خواہش کے خلاف پیش آ جائیں جیسے آپ کی مراد دشمن پر غلبہ پانے کی ہے لیکن آپ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور خیر سے مراد ہوتے ہیں وہ حالات جو انسان کی خواہش کے موافق پیش آتے ہیں غنا حاصل ہو گیا رزق کی وسعت حاصل ہو گی، دشمنوں کے مقابلے میں غلبہ حاصل ہو گیا فتنۃ یہ نبلوا کا مفعول مطلق ہے مِنْ غَيْرِ لَفْظِهٖ خوب آزمانا اور اگر مفعول لہ کے طور پر ترجمہ کرنا چاہیں تو بھی ہو سکتا ہے ہم تمہیں آزماتے ہیں خیر اور شر کے ذریعہ سے پرکھنے کیلئے اور ہماری طرف ہی تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ جس وقت دیکھتے ہیں آپ کو وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں بناتے وہ آپ کو مگر ٹھٹھہ یعنی ٹھٹھہ کیا ہوا یعنی آپ کو ایسا شخص بنا دیتے ہیں جس کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ اور یوں کہتے ہیں کیا وہ شخص ہے جو تمہارے الٰھہ کا ذکر کرتا ہے یعنی بُرائی کے ساتھ اور وہ خود رحمان کے ذکر کا انکار کرنے والے ہیں خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ عجل کہتے ہیں جلد بازی کو انسان جلد بازی سے بنایا گیا ہے یہ عنوان ہوتا ہے کسی چیز کے فطرت میں داخل ہونے کیلئے یعنی انسان کی فطرت میں جلد بازی داخل ہے۔

سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ: عنقریب دکھاؤں گا میں تمہیں اپنی نشانیاں پس تم مجھ سے جلدی مطالبہ نہ کرو، یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا یعنی یہ وعدہ واقع کب ہو گا......؟ اگر تم سچے ہو اگر جان لیں یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اس وقت کو جب نہیں روک سکیں گے یہ اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ یہ دور کیے جائیں گے یعنی کیا ہی اچھا ہو کہ ان لوگوں کو اس وقت کا علم ہو جائے جس وقت نہ یہ اپنے چہروں سے آگ روک سکیں گے نہ اپنی پشتوں سے یعنی آگے پیچھے دونوں طرف سے آگ میں گھرے ہوئے ہوں گے، نہ سامنے سے آگ کو ہٹا سکیں گے اور نہ پیچھے سے، اگر اس وقت کا علم انہیں حاصل ہو جائے تو پھر یہ اس قسم کی شرارتیں نہ کریں، اور اس طرح سے پھر جلدی جلدی مطالبہ نہ کریں۔ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً بلکہ وہ آگ ان کے پاس اچانک آئے گی پھر وہ آگ ان کو حیرانی میں ڈال دے گی پھر یہ نہیں طاقت رکھیں گے اس آگ کو رد کرنے کی اور نہ یہ مہلت دیئے جائیں گے۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ، لَقَدْ یہ تحقیق کیلئے ہوتا ہے یہ بات پکی ہے کہ استہزاء کیا گیا ان رسولوں کے ساتھ جو تم سے پہلے ہیں پھر گھیر لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ٹھٹھہ کیا تھا اس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھہ کیا کرتے تھے۔

استہزاء اڑاتے تھے وہ عذاب کی خبروں کا کہ جب انبیاء ان کے سامنے ذکر کرتے کہ یوں تم تباہ ہو جاؤ گے یوں آگ آئے گی یوں تم جلو گے تو ان باتوں کا مذاق اڑاتے تھے تو جن باتوں کے ساتھ وہ مذاق اڑاتے تھے یعنی وہ عذاب جس کے ذریعہ سے وہ استہزاء کرتے تھے اس نے ان لوگوں کو گھیر لیا۔

ماقبل سے ربط: دو باتیں انسان کے نظریہ کو ٹھیک کرنے والی ہیں:۔

پچھلے رکوع میں توحید کا مضمون چلا آ رہا ہے خاص طور پر مشرکین کا جو عقیدہ تھا شفاعت کا اس کو رد کیا گیا، اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کچھ آیات توحید کو یا دلائل توحید کو واضح کیا ہے، خاص طور پر اپنی قدرت نمایاں کی ہے، جس میں بہت سے احسان آپ کے پہلو میں بھی ہیں، دونوں باتیں ہی انسان کے نظریے کو صحیح کرنے والی ہیں اور اطاعت اور عبادت کے اوپر برانگیختہ کرنے والی ہیں، پہلی بات جو کہی اس کا حاصل یہ ہے کہ آسمان اور زمین کو اللہ نے پیدا کیا تو یہ بند تھے، بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان پہلے آپس میں خلط ملط تھے جس طرح سے ایک ہی مادہ کسی چیز کا تیار کیا جاتا ہے اور پھر بعد میں اللہ نے ان کو کھول دیا کہ زمین کو علیحدہ کر دیا اگر رتق اور فتق کا یہ معنی مراد لیا جائے تو رؤیت سے رؤیت علمی مراد ہے کہ ان کافروں کو پتہ نہیں کہ پہلے زمین و آسمان ایسے تھے، کیونکہ یہ کوئی دیکھنے کی چیز نہیں، ان کافروں نے اس چیز کو دیکھا نہیں یہ اللہ تعالیٰ کے وضاحت کرنے کے ساتھ پتہ چلا کہ پہلے یہ بند تھے، پھر بعد میں ان کو کھولا گیا اور اگر فتق اور رتق کا معنی لیا جائے کہ زمین بند ہے اسمیں سے نباتات نہیں اگتی اور آسمان بند ہے اس میں سے بارش نہیں اترتی، پھر اللہ تعالیٰ زمین کو کھول دیتے ہیں کہ اس میں سے نباتات اگنے لگ جاتی ہے اور آسمان کو کھول دیتے ہیں کہ اوپر سے بارش اترتی ہے تو یہ چیز ایسی ہے جو وقتاً فوقتاً دیکھنے کی ہے، تو پھر یہاں رؤیت بصری بھی مراد لی جاسکتی ہے، تو اس میں جیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے ویسے اللہ تعالیٰ کا احسان بھی ہے۔

مشرکین کا اللہ کی سلطنت کو عام بادشاہوں کی سلطنت پر قیاس کرنا غلط ہے:۔

اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ زمین و آسمان دونوں اللہ تعالیٰ کے کنٹرول میں ہی ہیں، جو پیچھے آیا تھا کہ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ کہ انہوں نے زمین میں کئی خدا بنا رکھے ہیں، زمین کی طرف سے کئی

الٰہ قرار دے دیئے جیسے میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو عرش پر ہے اور زمین یہ بہت دور دراز کا علاقہ ہے۔ تو جس طرح سے ایک بادشاہ اپنے دارالسلطنت سے دور دراز علاقوں کا کنٹرول نہیں کر سکتا بلکہ وہاں وہ دوسروں کو بٹھا دیتا ہے تا کہ اس علاقے کو سنبھالیں تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی زمین کو جو ایک دور دراز علاقہ ہے اس کے عرش سے یہ بھی دوسروں کے سپرد کر دی، اور اس کا انتظام دوسروں کے ہاتھ میں ہے، اس نظریہ میں اللہ تعالیٰ کا عجز اور اللہ تعالیٰ کے علم کا نقص معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ اللہ کے علم کو محیط سمجھتے ہیں اور نہ اللہ کی قدرت کو محیط سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ ظاہری بادشاہوں کے اوپر قیاس کر کے یوں سمجھتے ہیں جیسے دور دراز کے علاقے دوسروں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اس طرح سے زمین بھی دوسرے خداؤں کے سپرد کر دی، اللہ نے اپنے ماتحت وہاں بٹھا دیئے جن کے ذریعہ وہاں کا انتظام ہو رہا ہے، تو یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمین ہے یا آسمان دونوں پر تصرف اسی کا چلتا ہے، زمین اس کی اجازت کے بغیر ایک پتہ نہیں اگا سکتی اور آسمان اس کی اجازت کے بغیر ایک قطرہ نہیں گرا سکتا، یہ اللہ کی قدرت ہے دونوں پر کنٹرول ہے۔

زمین وآسمان دونوں کی آپس میں موافقت ہے:۔

اور پھر ان دونوں کی آپس میں موافقت ہے کہ زمین وآسمان کے اثرات آپس میں ملتے ہیں تو انسان کی زندگی کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، نہ اکیلی زمین سے انسان کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اور نہ اکیلے آسمان سے، اسی لیے اگر آسمان کی حکومت کسی اور کے پاس ہو اور زمین کی حکومت کسی اور کے پاس ہو، ان کی آپس میں موافقت نہ ہو تو پھر یہ نظم کس طرح سے ٹھیک رہے......؟ یہ فتق اور رتق کا معنی ایسا ہے جو مشاہدے میں آتا رہتا ہے کیا کافروں نے دیکھا نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے ان دونوں کو کھول دیا۔

ہر چیز کو اللہ نے پانی سے پیدا کیا، قدرت کے احسانات، انعامات اور نشانیاں:۔

اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا، زندہ چیز جس میں حیات ہے اس میں کسی نہ کسی درجے میں رطوبت ضرور ہوتی ہے، جو پانی کا اثر ہے حیوانات اور انسانوں میں تو آپ دیکھتے ہی ہیں کہ پانی کے بغیر ان کی زندگی کیسے گزر سکتی ہے، پانی کے ساتھ ہی نباتات اگتی ہیں نباتات کے ساتھ انسان وحیوان غذائیں حاصل کرتے ہیں اور یہ

جتنے کیڑے مکوڑے ہیں اکثر وپیشتر یہ رطوبت سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ایمان نہیں لاتے......؟ یعنی یہ قدرت کی نشانیاں دیکھ کے اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات محسوس کر کے یہ یقین نہیں کرتے اور ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ ڈال دیئے یہ بھی آپ کے سامنے ہیں اور اتنے بڑے بڑے پہاڑ جو جمے ہوئے ہیں اور ہلائے نہیں ملتے اور ان میں اللہ کی قدرت بھی نمایاں ہے کہ کتنے بڑے بڑے بنائے۔

زمین کے توازن کو بحال رکھنے کے لئے اللہ نے زمین پر پہاڑوں کو قائم کر دیا ہے:۔

اور اس میں یہ احسان کا پہلو بھی ہے کہ آپ نے دیکھا ہوگا! کہ زمین کا اکثر حصہ پانی کے ساتھ ملا ہوا ہے اور یہ ساری کی ساری زمین کرے کی شکل میں ہوا کے اوپر ہے، اردگرد اس کے ساری ہوا ہے اور تین حصے اس میں پانی ہی پانی اور اتنا گہرا پانی میلوں گہرا اور یہ تھوڑا سا حصہ خشکی میں نمایاں ہے جو کل زمین کا بڑی مشکل سے چوتھا حصہ ہے، اب پانی اس قدر اور پھر ہوا کے درمیان میں یہ کرہ لٹکا ہوا ہے، تو اس میں اگر اضطرابی حرکت پیدا ہو جائے تو آپ جانتے ہیں کہ اس کے اوپر انسان کی زندگی مشکل ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اتنے بڑے بڑے وزنی پہاڑ جو قائم کیے ہیں ان سے مقصود یہ ہے کہ تاکہ یہ اضطرابی حرکت نہ کرے زمین کا توازن بحال ہو گیا اور اسی زمین کے توازن کے بحال ہونے کے ساتھ انسان کا اس کے اوپر رہنا ممکن ہو گیا تو پہاڑوں کے قائم کرنے میں اللہ کی قدرت بھی نمایاں ہے اور ساتھ ساتھ یہ احسان بھی ہے کہ اس کے ساتھ زمین کی اضطرابی حرکت قائم ہوگئی، یہ اضطرابی حرکت ایسے سمجھیں جیسے یہ زلزلہ آیا کرتا ہے اور جہاں زلزلہ آتا ہے زمین ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے تو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس قسم کے آثار نمایاں کر دیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو پھر یہ زمین کسی صورت میں بھی قرار نہ پکڑتی بلکہ اس میں ہچکولے ہوتے تو یہ اس میں احسان کا پہلو بھی ہے، تو اس میں ہم نے بڑے بڑے بوجھل پہاڑ ڈال دیئے تاکہ یہ زمین ان لوگوں کو لے کے اضطرابی حرکت نہ کرے ہچکولے نہ کھائے یہ ہچکولوں کی نفی کرنی مقصود ہے، باقی اگر وہ یوں چلتی ہو جس طرح سے سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ زمین بھی گھومتی ہے سورج کے اردگرد یہ حرکت ایسی ہے جس طرح سے ریل گاڑی چلتی ہے یا کشتی ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف چلتی ہے، اس حرکت کی نفی کرنی یہاں مقصود نہیں ہے کیونکہ وہ حرکت انسانی آبادی کے لئے نقصان دینے والی نہیں ہچکولوں والی حرکت نقصان دینے والی ہے اس کا روکنا مقصود ہے پہاڑ ڈالنے سے۔

پہاڑوں کے اندر راستے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے:۔

پھر اگر یہ پہاڑ اس طرح سے ڈال دیئے جاتے تو ان میں راستہ نہ ہوتا ایک طرف سے دوسری طرف جانے کو تو پھر بھی انسان کے لئے مشکلات پیش آتیں اب اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے بڑے پہاڑ بناتا ہے کہ یوں جھانکیں گے، تو ان کی چوٹی نظر نہیں آتی اونچے اونچے ہوتے ہیں لیکن تھوڑی تھوڑی جگہ پر جا کر پھر درے بنے ہوئے ہیں راستے، تا کہ ایک طرف سے دوسری طرف اگر جانا چاہیں تو راستہ موجود ہے یہ بھی اللہ کا احسان ہے جیسے سمندروں کو عبور اپنی کشتیوں کے ذریعے کر لیا اس کا بھی اللہ نے احسان جتلایا بار بار اسی طرح سے پہاڑوں کے اندر یہ راستے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں کہ ایک وادی سے دوسری وادی میں پہنچنا آسان ہو گیا، بنادیا اللہ تعالیٰ نے زمین میں یا بنادیا اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں کھلے کھلے راستے فیھا کی ضمیر رواسی کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور ارض کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے، لعلھم یھتدون کے اندر دونوں مطلب آ گئے جیسے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ لوگ اپنی منزل مقصود تک راستہ پائیں تا کہ یہ لوگ ہدایت پائیں یہ تو نیچے والے جہان کی کچھ علامات بتلائیں۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا:۔

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا یہ چھت محفوظ ہے ٹوٹنے پھوٹنے سے اور اسی طرح سے شیاطین کے تصرف سے اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کیے ہوئے ہیں، غور کر کے اللہ کی ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے، آگے زمانے کی بات آ گئی جس طرح سے پہلے مکان کا تذکرہ تھا کہ اللہ وہ ہے جس نے رات اور دن کو بنایا یہ دونوں کس طرح سے موافقت کے ساتھ آتے جاتے ہیں، یہ سب آیات قدرت تھیں جن میں احسان کے پہلو بھی ہیں۔

نظریہ مشرکین کی تردید کہ آپ ﷺ کے جانے کے بعد آپ کا کام ختم ہو جائے گا:۔

اور آپ کو معلوم ہوگا کہ پیچھے رسالت کا تذکرہ بھی تھا کہ یہ لوگ حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح بشر ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت وہاں بھی کی تھی اور جب وہ حضور ﷺ کے دلائل کا جواب نہ دے سکتے یا آپ کی باتوں کے سامنے مرعوب ہوتے تو پھر آپس میں بیٹھ کے یوں کہتے کہ کوئی بات نہیں جب تک یہ زندہ ہے اسوقت تک یہ شور ہے، آخر ایک دن یہ مر جائے گا تو بات ختم ہو جائے گی یتربص به

ریب المنون، موت کے حادثے کا انتظار کرتے ہیں، تو موت کا تذکرہ جو وہ کرتے تھے حضور ﷺ کا اگر تو وہ اس لیے کرتے تھے کہ مرجانا علامت اس بات کی ہے کہ نبی نہیں اگر نبی ہوتا تو موت نہ آتی، تو یہ بات بھی غلط کیونکہ پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے کسی کے لئے خلد نہیں قرار دیا بلکہ وہ بھی اپنا اپنا وقت گزار کے اپنی حیثیت کے مطابق موت کے دروازے سے گزر گئے، اس طرح سے اگر آپ کی وفات ہو جائے گی تو آپ کی نبوۃ کے یہ منافی نہیں ہے۔ جس طرح سے پہلے انبیاء علیہم السلام تھے ان کو وقت پر موت آئی تو آپ کو بھی آجائے گی اور اگر یہ موت کا تذکرہ خوشی کے طور پر کرتے ہیں کہ مرے گا تو یہ کام ختم ہو جائے گا ان سے پوچھو اگر میں نے مرنا ہے تو تم نے کوئی ہمیشہ زندہ رہنا ہے؟ اس لیے کسی کی موت یہ کوئی خوشی کی بات نہیں ہے۔

اگر آپ مرجائیں گے تو کیا یہ ہمیشہ دنیا میں رہیں گے......؟:۔

تو آگے اسی شبہ کو دور کیا جا رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی موت کا انتظار کیا کرتے تھے اگر وہ یہ نبوۃ کے طور پر کرتے تھے کہ اگر مر گئے تو معلوم ہوگا کہ نبی نہیں تو پہلے انبیاء علیہم السلام کا حوالہ آ گیا اور اگر وہ اس خوشی کے طور پر کرتے تھے کہ ایک دن مرجائیں گے پھر ان کو ان کی موت یاد دلائی جا رہی ہے کہ مرنا کوئی اکیلا انہوں نے نہیں، تم نے بھی مرنا ہے، نہیں بنایا ہم نے کسی انسان کے لئے تم سے قبل ہمیشگی کو، کیا اگر آپ مرجائیں گے تو یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ باقی رہے کہ اچھے بُرے حالات کوئی فقیر ہے کوئی غنی ہے جس طرح سے وہ لوگ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بنانا تھا تو طائف اور مکہ میں بڑے بڑے رئیس بڑے بڑے دولت مند تھے ان میں سے کسی کو بنا دیتا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ① قریتین سے طائف اور مکہ مراد ہیں۔ کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن دونوں شہروں میں سے کسی آدمی پر ایسا آدمی جو کہ بڑا ہو، عظیم سے مراد ان کے ہاں سردار، مالدار لوگ تھے کہ اللہ نے اگر رسول بنانا ہی تھا تو کسی سردار، مالدار کو بناتا یہ کیسا رسول ہے......؟ کہ کھانے کو کچھ نہیں! پینے کو کچھ نہیں! کیسا اللہ کا رسول ہے؟ یہ مشرکین کا ذہن تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا کے اندر جو اچھے بُرے حالات آتے ہیں کہ کوئی فقیر ہے کوئی غنی ہیں یہ کوئی عظمت کی دلیل نہیں یہ تو مال کی قلت و کثرت صرف آزمائش کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ اسی شخص کا ہوگا جو اللہ کے احکام کے مطابق چلتا ہے اور پھر ہماری

① پارہ نمبر ۲۵، آیت نمبر ۳۱، سورۃ نمبر ۴۳

طرف ہی لوٹ کر آ ؤ گے وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ اس آزمائش میں تم کتنے اترے......؟

جس کی بات اگر کسی نے نہ مانی ہو تو پھر اس کا وہ مذاق اڑاتا ہے:۔

اور یہ کافر جس وقت آپ کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں یہ ابتداء سے ہی کفار کا معاملہ رہا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔تو یہ آیات حضور ﷺ کی تسلی کے لئے ہیں کیونکہ عام آبادی خواہشات کے پیچھے چلنے والی ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام ان کو خواہشات سے موڑ کے اللہ کی اطاعت اور عبادت کی طرف لانا چاہتے ہیں اطاعت اور عبادت نفس کو گراں گزرتی ہے،اس لیے لوگ انبیاء علیہم السلام کی بات کو مانتے نہیں پھر جس کی بات کو نہ مانا ہو تو پھر انسان اس کی ہنسی بھی کرتا ہے مذاق بھی اڑاتا ہے تکلیف بھی پہنچاتا ہے،اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں،تو حضور ﷺ کے ساتھ بھی وہ ایسا معاملہ کرتے تھے تو آپ کو تسلی دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ،جس وقت دیکھتے ہیں یہ کافر لوگ آپ کو تو نہیں بناتے مگر وہ جس کے ساتھ ٹھٹھہ مذاق کیا جاتا ہے مذاق بھی کرتے ہیں۔

مشرکین بتوں کی حمایت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق تلف کر رہے ہیں:۔

اور پھر ساتھ لوگوں کو کہتے بھی ہیں کہ کیا یہ ہے؟ جو تمہارے بتوں کا تذکرہ کرتا ہے تمہارے معبودوں کا تذکرہ کرتا ہے یعنی بُرائی کے ساتھ،تو بتوں کے تذکرے پر تو وہ یوں چڑتے ہیں لیکن خود رحمٰن کے ذکر کا انکار کرنے والے ہیں اس پر ان کو حیا نہیں آتی یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا جو معاملہ ہے اس کو تو وہ محسوس نہیں کرتے اور اگر کوئی ان کے بتوں کے ساتھ اس قسم کی بات کرتا ہے تو پھر یہ چڑتے ہیں تو کتنی ناانصافی ہے......؟ کہ بتوں کی حمایت میں اس طرح سے بازو چڑھائے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں اور ادھر خیال ہی نہیں ہے۔

انسان بڑا جلد باز ہے:۔

یہ جلد بازی انسان کی خصلت ہے،انسان اس سے پیدا کیا گیا ہے سرشت میں داخل ہے پیدا کیا گیا کا یہ معنی نہیں کہ جلد بازی کوئی ایسی چیز ہے جس سے انسان کو بنایا گیا ہو،بنا تو انسان مٹی سے ہے،جس میں پانی کا عنصر ہے،ہوا ہے،آگ ہے،یہ ہیں،عناصر جن سے انسان کو بنایا گیا،جب کوئی عادت کسی شخص کے اوپر غالب آجاتی ہے تو یہ عرب کا محاورہ ہے کہ یوں کہتے ہیں کہ یہ فلاں چیز سے پیدا ہوا جیسے کوئی بہت غصے والا آدمی ہو تو کہتے ہیں کہ

یہ تو مجسمہ غصہ ہے تو اس محاورے کے تحت یہ بات ہے، عام طور پر انسان جلد باز ہے مطلب یہ ہے کہ جلد بازی کرنے کی ضرورت نہیں تم اپنی سوچ سے چلتے رہو جو انجام تمہیں بتایا جارہا ہے وہ بہت جلدی تمہارے سامنے آجائے گا۔

عنقریب یہ عذاب دیکھ لوگے جس کے بارے میں تم جلدی مچاتے ہو:۔

سَاُورِیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ: میں جلدی ہی تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤنگا پس تم اسے جلدی طلب نہ کرو! اور یہ ان کی وہی جلدی کی بات ہے، کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا؟ یعنی اس وعدے کے پورا ہونے کا وقت کب آئے گا؟ اگر تم سچے ہو تو عذاب ہمارے سامنے لے آؤ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ مہلت جو تمہیں دی گئی ہے تمہارے فائدے کے لیے ہے اور اس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو ورنہ اگر تمہیں اس وقت کا پتہ چل جائے جس وقت تمہارا یہ حال ہوگا چاروں طرف سے تمہیں آگ گھیرے ہوئے ہوگی، نہ تم اپنے سامنے سے ہٹا سکو گے نہ اپنے پیچھے سے ہٹا سکو گے، نہ تمہاری کوئی مدد کرنے کے لئے آئے گا، اگر اس وقت کا تمہیں اندازہ ہو جائے تو پھر تم اس طرح سے جلدی نہ مچاؤ! یہ مفہوم ہے اگلی آیات کا، اگر جان لیں یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اس وقت کو جس وقت کہ نہیں ہٹائیں گے نہیں روکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے آگ کو اور نہ یہ مدد دیئے جائیں گے لَوۡ کا جواب محذوف ہے اگر جان لیں تو پھر یہ جلدی نہ مچائیں بلکہ وہ آگ ان کے سامنے اچانک آجائے گی پھر ان کو حیران کردیگی اور پھر یہ اس کو دور نہیں ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت ملے گی، فوراً اس عذاب کے اندر مبتلاء ہو جائیں گے۔

انبیاء کا استہزاء کرنے والے عذاب کے چکر میں آگئے:۔

اور آگے حضور ﷺ کو پچھلی تاریخ کا حوالہ دے کر تسلی دی جارہی ہے کہ آپ سے قبل بھی رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا تھا، اس لیے اگر آپ کے ساتھ استہزاء کیا جارہا ہے تو آپ اس کو محسوس نہ کریں جیسے وہ استہزاء کرنے والے عذاب کے چکر میں آگئے اور اسی عذاب نے جس کی خبر سن کر وہ مذاق اڑاتے تھے، اس عذاب نے ان کو گھیر لیا اسی طرح سے آپ کے ساتھ استہزاء کرنے والے بھی بچیں گے نہیں، وقت پر یہ بھی اسی طرح سے عذاب کی گرفت میں آجائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ

آپ کہہ دیجئے کون حفاظت کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے بلکہ اپنے

عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ

رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں ﴿۴۲﴾ کیا ان کے لئے کچھ الٰہ ہیں جو انہیں بچاتے ہیں

دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا

ہمارے علاوہ نہیں طاقت رکھتے وہ اپنے آپ کی مدد کرنے کی اور نہ وہ ہماری طرف سے ساتھ

يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ

دیئے جاتے ہیں ﴿۴۳﴾ بلکہ ہم نے ان کو نفع پہنچایا اور ان کے آباء کو حتیٰ کہ دراز ہوگئی ان کے اوپر عمر

الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

کیا پھر یہ دیکھتے نہیں ہم آتے ہیں ان کی زمین کو گھٹاتے ہوئے کناروں سے

اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ

کیا پھر یہ غالب آنے والے ہیں؟ ﴿۴۴﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں وحی کے ذریعہ سے اور نہیں سنتے

الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ

بہرے پکار کو جس وقت ان کو ڈرایا جاتا ہے ﴿۴۵﴾ اگر ان کو عذاب کا ایک جھونکا چھو جائے

عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَضَعُ

البتہ ضرور کہنے لگ جائیں گے اے ہماری خرابی بیشک ہم ہی قصور وار تھے ﴿۴۶﴾ ہم انصاف والی ترازو

الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ

رکھیں گے قیامت کے دن پھر نہیں ظلم کیا جائے گا کوئی نفس کچھ بھی

وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا
اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں
حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً
حساب کرنے والے ﴿۴۷﴾ البتہ ہم نے موسیٰ اور ھارون کو فرقان ضیاء
وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ
اور ذکر دیا متقین کے لئے ﴿۴۸﴾ متقین وہ لوگ ہوتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ
مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ
قیامت سے بھی ڈرتے ہیں ﴿۴۹﴾ اور اسی طرح یہ ذکر مبارک ہے جس کو ہم نے اتارا
اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾
کیا پھر تم اس کا انکار کرنے والے ہو ﴿۵۰﴾

تفسیر

مشرکین کے الٰہ بے بس ہیں:۔

آپ کہہ دیجئے کہنے سے مراد یہاں پوچھنا ہے کون حفاظت کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے؟ یعنی رحمان کے عذاب سے بَلْ هُمْ بل ادراک کے لئے آیا کرتا ہے، تو یہاں ادراک یوں ہو جائے گا کہ اس پر چاہیے تو تھا کہ وہ شکر ادا کرتے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہو جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات عافیت دے رکھی ہے، عذاب سے یہ محفوظ ہیں باوجود اس چیز کے ہر قسم کی سرکشی کا یہ ارتکاب کرتے ہیں، لیکن یہ متاثر نہیں ہوتے اور اس عافیت کی قدر نہیں کرتے اور اس عافیت پر شکر ادا نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں کیا ان کے لئے کچھ الٰھہ ہیں.....؟ جو انہیں بچاتے ہیں ہمارے علاوہ اگر ان کے الٰھہ ہیں جس طرح سے انہوں نے بنا رکھے ہیں، وہ ان کو بچا نہیں سکتے ان کا تو حال ہے کہ نہیں طاقت رکھتے وہ اپنے آپ کی مدد کرنے کی یعنی وہ بے جان ہیں بے اختیار ہیں اگر ان کو کوئی توڑنا چاہے تو اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے، وَلَا هُمْ مِّنَّا

یُصۡحَبُوۡنَ اور نہ وہ ہماری طرف سے ساتھ دیئے جاتے ہیں صَحِبَہٗ ساتھ بنا اور یہاں محاورے کے تحت ایک ترجمہ ہوگا انا صاحبك مِنۡ فلانٍ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں فلاں سے بچانے کے لئے تیرے ساتھ ہوں، یعنی فلاں کے مقابلے میں تیرے ساتھ ہوں، تو یہاں اس محاورے کے مطابق ترجمہ ہوگا کہ ہمارے مقابلے میں وہ ساتھ نہیں دیئے جائیں گے، نہ یہ معبود ان کو بچا سکتے ہیں یہ تو خود اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ہمارے مقابلے میں ان معبودوں کے علاوہ اور بھی کوئی ان کا ساتھ نہیں ہوگا یہ مقابلے والا ترجمہ بیان القرآن میں حضرت تھانوی ؒ نے کیا ہے اسی محاورے کے مطابق، بَلۡ مَتَّعۡنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ، یہاں بھی بل ادارک کے لئے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو توحید کو اختیار نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے اس دعوے میں یا دلیل میں کوئی خلل ہے اور یہ دعویٰ اور دلیل ان کے نزدیک صحیح نہیں یا شرک کے اوپر ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔ نفع پہنچایا ان کو اور ان کے آباء، کو حتیٰ کہ دراز ہوگئی ان کے اوپر عمر۔ تو اصل بات یہ ہے کہ لمبی لمبی عمریں ان کی گزر گئیں ہم نے ان کو عیش وعشرت دے رکھی ہے، ان کو بھی اور ان کے اباء کو بھی، یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اسی طرح سے خوشحالی ہماری وارثت میں آ رہی ہے اور ہم ہمیشہ خوشحال ہی رہیں گے، اس لیے ان کو یہ فکر نہیں کہ کوئی ہمیں پکڑ بھی سکتا ہے......؟ نعمتوں کو کھاتے کھاتے ان کا دل دماغ خراب ہوگیا ہے ابھی انہوں نے عذاب کا دھکا دیکھا نہیں اس لیے ان کے دل دماغ ٹھکانے نہیں۔

کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ان کا گھیرا تنگ ہو رہا ہے اور اسلام پھیلتا چلا جا رہا ہے:۔

اَفَلَا یَرَوۡنَ: کیا پھر یہ دیکھتے نہیں ہم آتے ہیں ان کی زمین کو گھٹاتے ہوئے یعنی علاقہ تنگ ہوتا چلا جا رہا ہے اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا چلا جا رہا ہے اور یہ سمٹتے چلے جا رہے ہیں تو ان کو یہ مستقبل اپنا نظر نہیں آتا......؟ کہ کس طرح سے ان کی زمین گھٹتی چلی جا رہی ہے۔ ہم آتے ہیں زمین کو اس حال میں کہ ہم گھٹاتے ہیں اس کے کنارے سے، جس طرح سے ہم کہتے ہیں کہ چاروں طرف سے اب ان پر گھیرا تنگ ہوتا چلا جا رہا ہے جیسے جیسے اسلام پھیلتا چلا جا رہا ہے ان کے اختیارات ختم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ: کیا پھر یہ غالب آنے والے ہیں......؟ یعنی یہ اپنے آثار نہیں دیکھتے؟ اپنے مستقبل کو محسوس نہیں کرتے؟ کیا یہ غالب آتے چلے جا رہے ہیں......؟ یعنی یہ نہیں غالب آ رہے بلکہ غالب اسلام آ رہا ہے جس کی وجہ سے ان کا علاقہ گھٹتا چلا جا رہا ہے آخر گھٹتا گھٹتا سب ختم ہو جائے گا جیسے واقعہ یہی پیش آیا کہ ایک وقت آیا

مکہ بھی فتح ہوگیا تو جوزمانہ دراز تھا جس میں عیش وعشرت کرتے رہے تھے وہ سارے کا سارا ختم ہوگیا اَفَلَا یَرَوْنَ کیا یہ دیکھتے نہیں......؟ کہ ہم آتے ہیں زمین کو گھٹاتے ہوئے اس کے اطراف سے، کیا پھر یہ غالب آنے والے ہیں......؟ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ، آپ کہہ دیجئے! کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں وحی کے ذریعہ سے، ڈرانا دو طرح سے ہوگیا ایک ہے کہ عذاب دکھا کے ڈرایا جائے، اور ایک ہے کہ خبر دے کر ڈرایا جائے کہ یوں ہوجائے گا تو میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو عذاب کی وحی آئی ہے وہ میں ذکر کر کے ڈراتا ہوں تم اس سے ڈر جاؤ! اگر عذاب آنے کے بعد سمجھے تو اس سمجھنے کا کیا فائدہ......؟

مشرکین بالکل بہرے بنے ہوئے ہیں:۔

وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ: اور نہیں سنتے بہرے پکار اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ جس وقت ان کو ڈرایا جاتا ہے تو ''صم'' سے یہاں مشرکین مراد ہیں یعنی یہ بالکل بہرے بنے ہوئے ہیں جب بھی ان کو ڈرایا جاتا ہے اور مستقبل کے خطرے سے آگاہ کیا جاتا ہے تو گویا کہ ایسے بہرے ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔

عذاب آنے کے بعد انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا:۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ: نفحہ کہتے ہیں اصل کے اعتبار سے خوشبو کے پھیلنے کو اور یہاں اس کا معنی ہم کردیں گے جھونکا، اگر ان کو عذاب کا جھونکا چھو جائے البتہ ضرور کہنے لگ جائیں گے ''اے ہماری خرابی بے شک ہم ہی قصور وار تھے، یعنی یہ اکڑ ان کی اس وقت تک ہے جب تک عذاب کی ان کو ہوا نہیں لگتی اور اگر ان کو عذاب کی ذراسی ہوا بھی لگ جائے، اسی وقت یہ ساری اکڑ ختم ہوجائے گی اور فوراً اپنے قصور کا اعتراف کرنے لگ جائیں گے لیکن عذاب کے آجانے کے بعد اپنی غلطی کا احساس کرنا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جس طرح سے فرعون ساری زندگی خدا بنا رہا اور جب تھوڑا سا ناک میں پانی پڑا تو فوراً اکڑ نکل گئی اور کہتا ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لاتا ہوں لیکن اب کچھ فائدہ نہ دیا ایمان لانے نے۔

اصل محاسبہ قیامت کے دن ہوگا:۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ: موازین یہ میزان کی جمع ہے ترازو۔ قسط کہتے ہیں انصاف کو یہاں القسط

الموازین کی صفت ہے مصدر ہونے کی وجہ سے اس کو مفرد لایا گیا، اگر چہ موصوف جمع ہے اور یہ حمل مبالغۃ ہے زیدٌ عدلٌ کی طرح اور جب مصدر آئے تو مصدر میں تثنیہ جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اور یوں بھی کر سکتے ہیں کہ اس کے اوپر مضاف محذوف نکال لیجئے! نضع الموازین ذوات القسط پھر یہ مجرور ہو جائے گا اور مضاف کو محذوف کرنے کے بعد مضاف الیہ کو جو مضاف کے قائم مقام جو کیا تو وہی اعراب اس کو دے دیا، ہم انصاف والی ترازو رکھیں گے قیامت کے دن پھر نہیں ظلم کیا جائے گا کوئی نفس کچھ بھی اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو لے آئیں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے یعنی اصل محاسبہ قیامت کے دن ہوگا اور پورا پورا ہوگا کسی نفس پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اعمال کا وزن ہوگا یہ ضروریات دین میں سے ہے جس کا انکار کفر ہے:۔

اور اعمال کو تولا جائے گا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یا تو نامہ اعمال تولا جائے گا جن کے اندر عمل درج کیے ہوئے ہیں، یا یہ اعمال ہی متشکل ہو جائیں گے اور ان اعمال کو شکل دے کر ترازو کے اندر ڈال کے تولا جائے گا، ورنہ آج دنیا میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایسی چیزیں جن کا ظاہری وجود بھی معلوم نہیں ہوتا اَعراض ہیں، ان کے تولنے کے لئے بھی مختلف ترازو بن گئے، آپ کے بدن میں حرارت ہے اس کو تولنے کیلئے تھرمامیٹر بن گیا، تو یہ اَعراض جن کا وجود کوئی علیحدہ معلوم نہیں ہوتا، ان کے اندازہ کرنے کے بھی ترازو بن گئے، تو اب اعمال کا وجود اگر ہمیں علیحدہ محسوس نہیں ہوتا تو ان کے ماپنے اور تولنے کے لئے اللہ کے ترازو میں کوئی شبہ نہیں رہے گا، آج یہ بات سمجھنی مشکل نہیں ہے کہ اعمال کا وزن کیا جائے گا یہ ضروریات دین میں سے ہے اس کا انکار کفر ہے، باقی تولے کس طرح جائیں گے......؟ ترازو کی شکل وصورت کیا ہوگی......؟ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جس طرح سے ہم آخرت کی دوسری نعمتوں کی کیفیات متعین نہیں کر سکتے اس کی بھی کیفیت کا متعین کرنا مشکل ہے۔

نصیحت سب کے لئے ہوتی ہے مگر فائدہ متقین اٹھاتے ہیں:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ: یہاں سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں توحید کا ذکر بھی ہوتا ہے رسالت کا بھی ہوتا ہے، اور آخرت کا بھی ہوتا ہے، یہ سارے مضمونوں کی تائید ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کے واقعات سے، البتہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان ضیاء اور ذکر کر دیا متقین کے لئے، فرقان ''حق

وباطل میں فرق کرنے والی چیز'' ضیاء یعنی روشنی، ذکر یعنی نصیحت لِلْمُتَّقِیْنَ کا تذکرہ اس لیے آ گیا کہ اگرچہ یہ نصیحت ہر کسی کے لئے ہوتی ہے لیکن فائدہ وہی اٹھاتے ہیں، جو اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں تو فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے للمتقین کی تخصیص آ گئی تو فرقان، ضیاء، ذکر ان تینوں کا مصداق ''توراۃ'' ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ کی کتاب یہی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہوتی ہے۔ اللہ کی کتاب ہر قسم کے کفر شرک فسق کی ظلمت سے انسان کو روشنی مہیا کرتی ہے وہاں سے نکلتی ہے اور یہ نصیحت اور یاددہانی بھی ہے، آنے والے حالات کی یاددہانی ہے اور اس بات کی یاددہانی ہے کہ تمہیں اللہ نے پیدا کیا تم اس کو کیوں بھول گئے تم اس کو یاد رکھو! ذکر کے اندر یہ ساری باتیں ہوتی ہیں، اور متقین کا ذکر انتفاع کے لئے ہو گیا کہ فائدہ یہ لوگ اٹھاتے ہیں اور فرقان سے معجزات بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کے ساتھ سچے اور جھوٹے میں فرق ہوتا ہے ضیاء اور ذکر کا مصداق بہرحال ''توراۃ'' ہے لِلْمُتَّقِیْنَ کی آگے صفت ذکر کر دی گئی۔

غیب پر ایمان لانے والے تنہائی میں بھی اپنے رب سے ڈرتے ہیں:۔

الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ: متقین وہ لوگ ہوتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، غیب کا یہ معنی ہے کہ رب کو دیکھا نہیں صرف انبیاء علیہم السلام کی زبان سے سن کر ڈرتے ہیں یا بالغیب کا مطلب یہ ہے کہ جب تنہائی میں ہوتے ہیں اس وقت بھی رب سے ڈرتے ہیں کیونکہ بسا اوقات لوگوں کے سامنے انسان بڑا متقی پرہیزگار ہوتا ہے اور جب خلوت میں چلا جاتا ہے تو سب خوف اتر جاتے ہیں وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ، اور وہ قیامت سے بھی ڈرتے ہیں اور قیامت سے ڈرنا بھی اصل میں اللہ سے ڈرنے کی وجہ سے ہوتا ہے قیامت کا خوف وہ بھی اللہ کا خوف ہی ہے وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ جس طرح سے موسیٰ و ہارون کو یہ کتاب دی گئی تھی اور ان کے اوپر یہ نصیحت اتاری گئی تھی اسی طرح سے یہ ذکر مبارک ہے مبارک کا معنی کثیر النفع ہے ھذا ذکر یہ قرآن کی طرف اشارہ ہے اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ کیا پھر تم اس کا انکار کرنے والے ہو......؟ گویا کہ توراۃ کا ذکر کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کا ذکر کر دیا۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ

البتہ تحقیق ہم نے ابراہیمؑ کو ان کا رشد دیا تھا موسیٰ و ھارون سے پہلے اور ہم ابراہیم کے متعلق

عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ

علم رکھنے والے تھے ﴿۵۱﴾ قابل ذکر ہے وہ وقت جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو یہ کیا واھیات

الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ

مورتیاں ہیں جن کے لئے تم جم کر بیٹھنے والے ہو ﴿۵۲﴾ وہ کہنے لگے پایا ہم نے

اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ

اپنے آباؤ اجداد کو ان مورتیوں کی پوجا کرنے والے ﴿۵۳﴾ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم

وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ

اور تمہارے آباء صریح گمراہی میں ہو ﴿۵۴﴾ ان لوگوں نے کہا ابراہیم سے کہ کیا تو واقعی حق بات لایا ہے

مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

یا تو کھیلنے والوں میں سے ہے ﴿۵۵﴾ انہوں نے کہا بلکہ تمہارا رب آسمان اور زمین کا رب ہے

الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ﳲ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ تَاللّٰهِ

جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اس بات پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں ﴿۵۶﴾ اللہ کی قسم

لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ

البتہ ضرور خفیہ تدبیر کروں گا میں تمہارے بتوں کے متعلق بعد اس کے کہ تم پیٹھ پھیر کے چلے جاؤ گے ﴿۵۷﴾ پس ریزہ ریزہ کر دیا

جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ

سب کو مگر ان کے بڑے بت کو تاکہ وہ لوگ ابراہیم کی طرف لوٹیں ﴿۵۸﴾ کہنے لگے کہ

فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا

کس نے کیا یہ کام ہمارے الٰہ کیساتھ بے شک وہ تو البتہ بہت ظالموں میں سے ہے ﴿۵۹﴾ کچھ بولے سنا ہم نے

فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى

ایک جوان کو جو ان بتوں کا تذکرہ کرتا تھا اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ﴿۶۰﴾ پھر کچھ لوگ کہنے لگے لے آؤ اسے

اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا

لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تاکہ لوگ گواہ ہو جائیں ﴿۶۱﴾ کہنے لگے کہ کیا تو نے کیا یہ کام

بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ

ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم؟ ﴿۶۲﴾ ابراہیم نے کہا بلکہ کیا ہے یہ ان کے اس بڑے نے، ان

اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ

چھوٹوں سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں ﴿۶۳﴾ پس رجوع کیا ان لوگوں نے اپنے دلوں کی طرف پھر اپنے دلوں میں کہنے لگے

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ

بیشک تم ہی لوگ قصور وار ہو ﴿۶۴﴾ پھر وہ اپنے سروں پر الٹے کر دیئے گئے البتہ تجھے معلوم ہے

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ

کہ یہ تو بولتے نہیں ﴿۶۵﴾ حضرت ابراہیم نے کہا کیا پھر تم پوجا کرتے ہو اللہ کے علاوہ ایسی چیزوں کی جو تمہیں فائدہ

شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نہیں پہنچا سکتے کچھ اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں ﴿۶۶﴾ تمہارے لئے اور تمہارے ان معبودوں کیلئے جنکو تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تف ہے کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ ﴿۶۷﴾ کہنے لگے کہ جلا دو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم

فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

کرنے والے ہو﴿۶۸﴾ تو ہم نے کہہ دیا اے آگ ٹھنڈی ہوجا! اور سلامتی والی ابراہیم پر﴿۶۹﴾

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا

انہوں نے ارادہ کیا ابراہیم کے متعلق تدبیر کا ہم نے انہی کو خسارے میں پڑنے والے بنادیا﴿۷۰﴾ اور ہم نے ابراہیم کو نجات دی

اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

اور لوط کو ایسی زمین کی طرف کہ جس میں ہم نے برکت دی تھی جہان والوں کیلئے﴿۷۱﴾ اور ہم نے عطاء کیا ابراہیم کو اسحاق

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً

اور یعقوب انعام میں اور ہم نے سب کو نیک بنایا﴿۷۲﴾ اور ہم نے بنایا ان کو امام

يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ

جو کہ ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے حکم بھیجا ان کی طرف نیکیوں کے کرنے کا اور نماز کے قائم کرنے کا

وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا

اور زکوٰۃ کے دینے کا اور وہ لوگ ہماری عبادت کرنے والے تھے﴿۷۳﴾ اور لوط کو ہم نے نبی بنایا اور اس کو علم وحکمت دی

وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ

اور ہم نے نجات دی اس کو ایسی لبستی سے جو بستی خبیث کام کیا کرتی تھی

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ

بے شک وہ برے لوگ تھے بدمعاش تھے﴿۷۴﴾ اور ہم نے اس لوط کو داخل کیا اپنی رحمت میں

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

وہ بہت ہی اچھے آدمیوں میں سے تھا﴿۷۵﴾

تفسیر

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ اور قوم کو خطاب:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ: من قبل یہ مبنی بر ضم ہے، اور مضاف الیہ اس کا محذوف ہے اور وہ ہے موسیٰ و ہارون، البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کا رشد دیا تھا، موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام سے پہلے، رشد یہ ہدایت کے معنی میں ہوتا ہے یہاں فہم وفراست مراد ہے، وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ اور ہم ابراہیم علیہ السلام کے متعلق علم رکھنے والے تھے یعنی ان کی استعداد ان کے کمالات ہمیں معلوم تھے بہ کی ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ قابل ذکر ہے وہ وقت جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو ماھذہ التماثیل تماثیل تمثال کی جمع ہے مورتی کیا ہیں یہ مورتیاں؟ اور یہ استفہام تحقیر کے لئے ہے اسی تحقیر کو ظاہر کرنے کے لئے بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ استعمال کیا کہ یہ کیا واہیات مورتیاں ہیں، اب یہ واہیات کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے وہ اس استفہام کی تعبیر ہے کیونکہ یہ استفہام تحقیر کے لئے ہے، کیا ہیں یہ مورتیاں؟ جن کے لئے تم جم کے بیٹھنے والے ہو قَالُوْا، وہ کہنے لگے پایا ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان مورتیاں کی پوجا کرنے والے یہ شروع میں جو لفظ اذ آیا ہے اس کا متعلق محذوف بھی نکالا جا سکتا ہے، اُذْكُرْ یا اُذْكُرْ کے متعلق اس کو کر لیا جائے، اور اس اذ کا تعلق قَالُوْا وَجَدْنَاۤ کے ساتھ بھی لگایا جا سکتا ہے، ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباء کو پایا کہ ان مورتیوں کی پوجا کرنے والے تھے یہ ان لوگوں نے کب کہا تھا......؟ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کیا ہیں یہ مورتیاں جن کے لیے تم جم کے بیٹھنے والے ہو؟ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے وقت انہوں نے یوں کہا تو پھر اذ کا تعلق محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں جب ابراہیم نے کہا تو قوم نے یہ جواب دیا۔ تو قوم کا جواب اس وقت ہوا جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات کہی۔

آزر کے متعلق تحقیق:۔

اور باپ کا مصداق آزر ہے جس کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ اگر چہ علماء کی دو رائیں ہیں بعض آزر کو چچا کہتے ہیں بعض حقیقی باپ کہتے ہیں لیکن قرآن کی آیات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باپ تھا، ہر جگہ اس کو اب کے لفظ کے

ساتھ ہی ذکر کیا ہے، عم کا لفظ اس کے لئے کہیں بھی استعمال نہیں ہوا نہ قرآن میں نہ حدیث میں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم اور تمہارے آباء صریح گمراہی میں ہو:۔

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ: تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم اور تمہارے آباء صریح گمراہی میں ہو یہ دو آیتوں میں گویا کہ اس ساری کشمکش کی تعبیر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بار بار قوم کو سمجھایا اپنے باپ کے سامنے توحید کا وعظ کیا، اور ان کی دلیل اپنے لئے یہی دی تھی کہ ہمارے آباء کا یہ طریقہ ہے، ہم تو اپنے آباء کے طریقے پر چلنے والے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے سامنے یہ ثابت کرتے تھے کہ تم بھی غلطی پر ہو اور تمہارے آباء بھی غلطی پر تھے حاصل اور خلاصہ اسی بحث کا جو ان کے درمیان ہوتی رہتی تھی۔ یہی ہے جو ذکر کر دیا قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ ان لوگوں نے کہا ابراہیم علیہ السلام سے کہ کیا تو واقعی حق بات لایا ہے یا تو کھیلنے والوں میں سے ہے یعنی جس وقت بار بار حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قسم کی باتیں کرتے ان کو بھی اور ان کے آباء کو بھی غلطی پر بتاتے تو لوگ پوچھتے کہ اے ابراہیم !واقعی تم اپنے خیال کے مطابق سچی بات کہہ رہے ہو یا ہنسی مذاق کر رہے ہو قَالَ بَلۡ رَّبُّكُمۡ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ انہوں نے کہا یہ لعب کوئی نہیں بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا اور میں اس بات پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بتوں پر خفیہ حملہ:۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيۡدَنَّ اَصۡنَامَكُمۡ: تَاللّٰهِ یہ قسم ہے اللہ کی قسم البتہ ضرور خفیہ تدبیر کروں گا میں اَصۡنَامَكُمۡ اصنام صنم کی جمع بت، تمہارے بتوں کے متعلق بعد اس کے کہ تم پیٹھ پھیر کے چلے جاؤ گے لاکیدن اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تو تم بیٹھے ہو، میں اگر ان بتوں کو چھیڑوں تم ان کا دفاع کرو گے تم ذرا جاؤ جس وقت تم موجود نہیں ہو گے تو میں ان کی خبر لوں گا، میں ان کی مرمت کروں گا، میں علاج کروں گا ان کا، میں ان کی گت بناؤں گا، تو چنانچہ ایک دن آ گیا کہ قوم میلے پر گئی اور یہ بت خانے میں داخل ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب بتوں کو توڑ دیا مگر بڑے بت کو منصوبتاً چھوڑ دیا:۔

فَجَعَلَهُمۡ جُذٰذًا: پس ریزہ ریزہ کر دیا سب کو، اور جوان کا بڑا بت تھا، بڑا دونوں اعتبار سے یا تو جصے کے

اعتبار سے بڑا تھا یا وہ سمجھتے تھے کہ بڑا یہ ہے ان سب کا، چاہے قد کے اعتبار سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، جیسے انسانوں کے قد وقامت تو ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن انسانوں میں سے ایک کو بڑا کہا جاتا ہے مرتبہ کے لحاظ سے، ممکن ہے اس کو کوئی اختیارات زیادہ دے رکھے ہوں گے کہ باقیوں کے لحاظ سے یہ اختیارات کا زیادہ مالک ہے۔

اس لیے یہ بڑا ہے تو جس کو اس بت خانے کے اندر بڑائی حاصل تھی اس کو چھوڑ دیا جیسے تاریخی روایات میں آتا ہے کہ وہ ہتھوڑا اس کے کندھے پر رکھ آئے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک ذہنی منصوبہ تھا کہ باقیوں کو توڑ دیا اور اس کو چھوڑ دیا مقصد یہ تھا کہ جب وہ لوگ آئیں گے اور اسی حالت میں دیکھیں گے تو دفعۃً ان کو خیال یہ آئے گا شاید یہ بڑا جو تھا یہ باقی چھوٹوں پر ناراض ہو گیا، اور اس نے مار مار کے سارے توڑ دیئے اور پھر بعد میں خود ہی سوچیں گے کہ یہ تو حرکت کر سکتا نہیں اس طرح سے ممکن ہے ان کا ذہن حرکت کرے اور انکا عجز اور عاجزی ان کے سامنے نمایاں ہو جائے یا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آئیں تو ابراہیم علیہ السلام کہہ سکے گا کہ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو جس کے کندھے پر ہتھوڑا ہے اسی سے پوچھو! اور یہ کہنا اسی لیے تھا کہ وہ از خود کہیں کہ یہ تو کر نہیں سکتا تو اپنی زبان سے اقرار کر لیں گے جیسے ایک بہت مشکل کام ہو اور میں اس کو کرلوں اور قاری صاحب کے متعلق مجھے پتہ ہے کہ یہ نہیں کر سکتے اور بعد میں یہ قاری صاحب مجھ سے پوچھیں کہ یہ کام کس نے کیا......؟ میں کہوں آپ نے کیا وہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ طنز ہے اور مقصد ہوتا ہے، تا کہ یہ زبان سے خود ظاہر کر دیں کہ نا جی؟ میں یہ کام کہاں کر سکتا ہوں......؟ تو یہ بات اس کو جھوٹ نہیں کہتے، دوسرے کو مجبور کرنا ہوتا ہے اپنے جھوٹ کو تسلیم کرنے کیلئے بوجھ آپ اٹھا کے لے آئے تو کوئی پوچھتا ہے کہ اس کو کون اٹھا کے لے آیا تو آپ کہیں کہ تو لایا ہے، یا تیرا باپ لایا ہے، تو کون سمجھتا ہے کہ انسان جھوٹ بول رہا ہے۔ مقصد صرف طنز ہے کہ نہ یہ تیرے اٹھانے کی بات تھی اور نہ تیرے باپ کے اٹھانے کی بات تھی میں اٹھا کے لایا ہوں۔

مشرک کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے؟:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باقی سارے چھوٹے چھوٹے توڑ کر اس بڑے کو جو چھوڑ دیا تو یہ ذہنی منصوبہ تھا کہ وہ آئیں اس کے بعد یہ جو نقشہ ان کے سامنے آئے گا تو وہ ابراہیم علیہ السلام سے پوچھیں گے! یا جس سے بھی پوچھیں گے سوچیں گے کہ کیا ہوا پھر خود انکا ذہن حرکت کرے گا کہ یہ جو توڑ دیئے گئے یہ تو اپنے آپ کو نہیں بچا سکے اور یہ ہتھوڑا

جو لیے کھڑا ہے بظاہر معلوم ایسے ہوتا ہے کہ جیسے اس نے توڑ دیئے ہوں لیکن یہ تو حرکت نہیں کر سکتا اس نے کیسے توڑ دیئے......؟ تو جب وہ یوں غور کریں گے تو غور کرنے کے بعد انکا عجز خود سمجھ میں آ جائے گا اور وہ سوچیں گے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وعظ تو کرتے رہتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ ادھر بھی انکا ذہن چلا جائے کہ دیکھو! تو متعدد خدا ایک جگہ گزارہ نہیں کر سکتے کبھی کبھی بڑا خدا ناراض ہو کر سب کا رگڑا نکال دیتا ہے۔ تو اس طرح سے خدا ایک ہی رہ سکتا ہے۔

زیادہ نہیں رہ سکتے۔ ہو سکتا ہے انکا ذہن ادھر منتقل ہو جائے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو توحید کا درس دیتے رہتے ہیں، تو وہ ادھر سوچنے لگ جائیں تو ان کے منصوبے کے مطابق ہی واقعہ پیش آیا کہ جب وہ سارے لوگ باہر سے آئے اور آ کر بت خانے میں یہ حال دیکھا تو حیران ہو گئے سوچنے لگ گئے کہ کس نے کیا ہوگا یہ سب......؟

اے ابراہیم علیہ السلام......! ہمارے خداؤں کا یہ حال تو نے کیا ہے......؟ اور ابراہیم علیہ السلام کا جواب:۔

تو بعض نے کہا کہ بھائی ایک جوان ہے جو ہمیشہ ان بتوں کا ذکر برائی سے کرتا رہتا ہے، ہمیں تو شک ہے کہ یہ حرکت اسی نے کی ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا لیا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ اے ابراہیم علیہ السلام! ہمارے خداؤں کا یہ حال تو نے کیا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے اطمینان سے جواب دیا **بل فعلہ ھذا** اس نے کیا ہے! جس کے پاس ہتھیار ہے تم اس کی طرف نسبت کیوں نہیں کرتے، اور اگر اس کے سامنے تم نہیں بول سکتے نہیں پوچھ سکتے، تو یہ ٹوٹے پڑے ہیں، ان سے پوچھ لو! یہ تمہیں بتا دیں گے اب آپ اندازہ کیجئے! کہ کیا پتھروں کی طرف اشارہ کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام دل سے سمجھتے تھے کہ یہ پوچھیں گے تو جواب دے دیں گے؟ نہیں یہ دوسرے پر الزام دینے والی بات ہے ان سے پوچھو! جن کو مار پڑی ہے۔

اور اگر ظاہری علامت دیکھنا چاہتے ہو تو یہ کھڑا ہے، تو یہ الزام دینے والی بات ہے نہ سننے والوں نے اس کو جھوٹ سمجھا ہے، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارادہ جھوٹ بولنے کا ہے، یہ ایک منصوبہ تھا کہ اس طرح سے توحید کو عملاً ثابت کروں گا، غصہ نکالنے کا موقعہ تو بھی ملا تھا، ورنہ سیدھی بات ہے آگے سے کوئی بولتا کہ ابراہیم علیہ السلام جھوٹ کیوں بولتے ہو......؟ وہ سمجھ گئے کہ یہ گفتگو کا ایک اصول ہے اور ہر زبان کے اندر یہ اصول ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے جواب سے کافر شرمسار ہو گئے:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے میں نے نہیں کیا، اس نے کیا ہے، ان کا بڑا ہے اس سے پوچھ لو! جب یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہی تو وہ لوگ تھوڑی دیر کے لئے شرمسار ہو گئے اس کے بعد دل میں سوچنے لگے کہ غلطی تو ہماری ہے، غلطی ہماری ہے یہ کیا مطلب تھا ان کا؟ یا تو یکدم ان کے سامنے ایک حق نمایاں ہوا لیکن جاہل آدمی جب اپنی ہٹ دھرمی پہ پکا ہوتا ہے، تو اس کو یکدم اگر حق کی روشنی آتی بھی ہے، تو اپنی جاہلی عصبیت میں وہ خود اس کو دبا دیتا ہے، حق کی روشنی ان کے سامنے آئی دل میں خیال آیا کہ واقعی غلطی ہماری ہے۔ شرم کے مارے سر جھکا لیا اس کے بعد شرمیلے سے ہو کے آہستہ سے کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام آپ کو تو پتہ ہے کہ یہ تو بول نہیں سکتے اور یہی نکلوانا چاہتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بدبختو! تم پر بھی لعنت اور تمہارے معبودوں پر بھی لعنت جن میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے کہ اپنے آپ کو بچا سکیں اور کسی تکلیف میں مبتلاء ہو جائیں بلکہ تم ان سے پوچھو! تو بتا بھی نہیں سکتے، تف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر یعنی تم اس قابل ہو کہ تم پر اور تمہارے معبودوں پر تھوکا جائے کہ تمہیں اتنی عقل نہیں ہے کہ جو بول نہیں سکتے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے تم ان کی پوجا کرتے ہو اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھانا چاہتے تھے۔

اور ایک مطلب یہ ہے پہلے ان کے دل میں کوئی حق کی کرن آئی جس کی بنا پر ان کو خیال آیا کہ واقعی غلطی پر ہم ہیں لیکن پھر الٹے ہو گئے یعنی پھر وہی جاہلیت والی اڑی میں آ گئے، اس لئے پھر حمایت کرنے لگے کہ یہ تو بول نہیں سکتے تو خود بتا کیا بات ہے......؟ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا مدعیٰ علیہ صاف الفاظ میں بیان کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جو کہا غلطی تمہاری ہے اس غلطی سے ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم ان کی جو پوجا کر رہے ہیں وہ غلطی ہے۔ بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بت خانہ خالی کیوں چھوڑا......؟ اس میں تو یہ غلطی تمہاری ہے۔

جب دلیل کا جواب نہ رہے تو باطل لڑائی پر اُتر آتا ہے:۔

بہر حال وہ اپنی جاہلانہ ہٹ دھرمی پر آ گئے تو پھر وہ کہنے لگے جب کوئی دلیل نہیں رہی...... جاہل آدمی کا کام ہوتا ہے کہ جب زبان سے کوئی دلیل قائم نہ کر سکے، یا دوسرے کی دلیل کا جواب نہ دے سکے تو پھر وہ مکا نکالتا

ہے، اب دلیل تو کوئی تھی نہیں، اب ساری قوم نے اتفاق کرلیا کہ اپنے معبودوں کا بدلہ لینے کے لئے اس کو جلا دو! گویا کہ ان کے نزدیک یہ سخت سے سخت سزا تھی جو کسی مذہبی مجرم کو دی جاسکتی ہے، اور وہ سمجھتے تھے کہ اس سے بڑا مجرم کون ہوسکتا ہے؟ کہ جو خداؤں کی توہین کرے اور ان کے اوپر بھی ہاتھ اٹھاتا ہے، اس لیے تم اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم نے کرنی ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا منصوبہ بن گیا، ایندھن اکٹھا کیا گیا، آگ جلائی گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اٹھا کر پھینک دیا گیا لیکن اللہ کی طرف سے یہاں پھر معجزہ نمایاں ہوا کہ آگ کے اندر جلانے کی صلاحیت ختم ہوگئی تو وہ مغلوب کرنا چاہتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، اور اسی مقابلے میں خود مغلوب ہو گئے۔

یہاں تک جب بات پہنچی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کرلیا کہ اب اس علاقے میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہاں سے ہجرت کر جانی چاہیے کسی دوسرے علاقے میں جا کر امن سے وقت گزاریں یہ عراق کے علاقے سے شام تشریف لے گئے، وہیں جا کر آپ کی اولاد ہوئی ہے اور پھر وہیں حضرت اسحاق کے بیٹے یعقوب اور یعقوب کی اولاد اس علاقے میں پھیلے ہیں اس رکوع کے اختتام تک یہی واقعہ آ رہا ہے۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا: ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا مگر ان کے بڑے بت کو...... تاکہ وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹیں اور بات کریں یا وہ لوگ اس بڑے کی طرف لوٹیں اور دیکھیں کہ یہ کھڑا ہے، باقی ٹوٹے ہوئے ہیں، اور توڑنے کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہے، کیا اس نے توڑ دیئے کیا یہ توڑ سکتا ہے؟ ادھر رجوع کر کے وہ ان باتوں کو سوچیں یا تاکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں اور ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اوپر الزام قائم کرنے کا موقع مل جائے۔ قَالُوْا کہنے لگے کہ کس نے کیا یہ کام ہمارے آلہہ کے ساتھ بے شک وہ تو البتہ بہت ظالموں میں سے ہے۔ کچھ بولے سنا ہم نے ایک جوان کو جو ان بتوں کا تذکرہ کرتا تھا، یعنی بُرائی کے ساتھ، اس کو ابراہیم علیہ السلام کہا جاتا ہے پھر کچھ لوگ کہنے لگے لے آؤ اسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے، تاکہ لوگ گواہ ہو جائیں یعنی لوگوں کی شہادۃ کے ساتھ یہ جرم ان کا ثابت ہو جائے گا، جنہوں نے اس کی بات یہ سنی تھی کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایسا کروں گا، وہ لوگ گواہی دیں۔

ایسے معبودوں کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان:۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا: کہنے لگے کہ کیا تو نے کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم علیہ السلام؟

ابراہیم علیہ السلام نے کہا بلکہ کیا ہے یہ ان کے اس بڑے نے ان چھوٹوں سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں پس رجوع کیا ان لوگوں نے اپنے دلوں کی طرف پھر اپنے دلوں میں کہنے لگے بے شک تمہی لوگ قصوروار ہو، اب اس کے دو مطلب ہیں جو میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے، ثُمَّ نُكِسُوا پھر وہ اپنے سروں پر الٹے کر دیئے گئے اس کے بھی دو مفہوم میں نے آپ کے سامنے ذکر کر دیئے۔

کہنے لگے البتہ تجھے معلوم ہے کہ یہ تو بولتے نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ پھر تم پوجا کرتے ہو اللہ کے علاوہ ایسی چیزوں کی جو تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتے کچھ اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تمہارے لیے اور تمہارے ان معبودوں کے لئے جن کو تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو اُف ہے تف ہے تھک ہے، کیا تم سوچتے نہیں ہو......؟۔

مشرک کہنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلا دو......! اللہ نے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا:۔

قَالُوْا: کہنے لگے کہ جلا دو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کرنے والے ہو یعنی بدلہ لو اپنے خداؤں کا، قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ تو ہم نے کہہ دیا اے آگ ٹھنڈی ہو جا! اور سلامتی والی ابراہیم علیہ السلام پر انہوں نے ارادہ کیا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تدبیر کا ہم نے انہی کو خسارے میں پڑنے والے بنا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ظاہری و معنوی برکتوں سے نوازا:۔

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو نجات دی اور لوط علیہ السلام کو بھی ایسی زمین کی طرف کہ جس میں ہم نے برکت دی تھی برکت دو طرح سے دی (۱) ظاہری (۲) معنوی، ظاہری برکت یہ کہ بہت شاداب علاقہ ہے تمام علاقوں کے مقابلے میں، اور معنوی برکت اس میں یہ تھی اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اس میں بہت سے انبیاء علیہم السلام بھیجے، وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ اور ہم نے عطا کیا ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق اور یعقوب ہم نے سب کو نیک بنایا اور ہم نے بنایا ان کو امام جو کہ ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے حکم بھیجا ان کی طرف نیکیوں کے کرنے کا اور نماز کے قائم کرنے کا اور زکوۃ کے دینے کا، اور وہ لوگ ہماری عبادت کرنے والے تھے اور لوط علیہ السلام کو ہم نے نبی بنایا اس کو علم وحکمت دی اور ہم نے نجات دی اس کو ایسی بستی سے جو بستی خبیث کام کیا کرتی تھی بستی کی طرف نسبت مجازاً ہے خبیث کام بہت سارے کرتے تھے لیکن ان میں جو سر فہرست تھا وہ تھا مردوں کے ساتھ قضائے شہوت کرنا۔

ایک اہم غلطی کی طرف توجہ!:۔

جس کو آج کل زبان میں لواطت کہا جاتا ہے یہ لفظ بعد میں ایجاد ہوا ہے اور جس نے بھی اس کو ایجاد کیا ہے اس نے بہت زیادہ زیادتی کی ہے کیوں کی......؟ کہ لفظ بنالیا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا اس فعل سے کیا تعلق......؟ فعل تو ان کی قوم کا تھا، اس لیے میں کہہ رہا ہوں جنہوں نے اس لفظ کو ایجاد کیا انہوں نے بڑی زیادتی کی، اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ، بے شک وہ بُرے لوگ تھے بدمعاش تھے وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے اسی لوط کو داخل کیا اپنی رحمت میں وہ بہت اچھے آدمیوں میں سے تھا۔

اثبات توحید کے متعلق قرآن میں سب سے واضح واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ جو آپ کے سامنے آیا اس کا نمایاں پہلو اثبات توحید اور ردشرک ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیاء علیہم السلام میں بہت نمایاں شخصیت ہیں بلکہ جدالانبیاء ہیں دو بیٹے تھے آپ کے، اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام، حضرت اسحاق کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور انکا نام تھا اسرائیل اور انبیائے بنی اسرائیل جتنے بھی ہیں وہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اثبات توحید میں جتنا واضح واقعہ ان کا ہے اتنا واضح واقعہ قرآن میں دوسرا نہیں۔

عقیدۂ توحید کی وضاحت:۔

تو خیال ہوا کہ اس وقت توحید وشرک کے متعلق کوئی بات واضح کر دی جائے کہ شرک کا مفہوم کیا ہے......؟ اور توحید کا حاصل کیا ہے......؟ توحید یہ اسلام کے بنیادی عقیدوں میں سے اہم عقیدہ ہے کہ جس میں ذرا سا بھی خلل واقع ہو جائے تو انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس کے مقابل ہے شرک، توحید کا لفظی معنیٰ ایک قرار دینا، اللہ کی توحید یعنی اللہ کو ایک قرار دینا، موٹی سے بات ہے کہ اللہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے چاہے اوپر ہے یا نیچے ہے یا درمیان میں ہے ہر چیز کا خالق اللہ ہے، اس کے علاوہ اور کوئی نہیں پھر اس مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی اس پر مالکیت قائم ہے، ذرہ ذرہ اللہ کے علم میں ہے، ہر چیز پر قدرت اسی کو حاصل ہے، ذرے ذرے میں تصرف اسی کا ہے اور ان سب چیزوں کے اندر اللہ تعالیٰ یکتا ہے یہ واضح باتیں ہیں جن کے متعلق ہمیں عقیدہ رکھنا چاہیے اور قرآن مجید کے اندر بار باران باتوں کا تکرار آیا ہے تو جو سمجھیں کہ وہ اللہ کو یکتا قرار دیتا ہے اللہ کو واحد قرار

دیتا ہے، اور ایسا قرار دینے والا موحد ہے، اور شرک کا مطلب ہوتا ہے شریک کردینا دوسرے کو حصہ دار بنادیا اب اس درجے کا حصہ دار کہ جس طرح سے اللہ خالق ہے ایسی ہی زمین وآسمان کا خالق کوئی اور ہو یا جس طرح سے ساری کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ حاکم اعلیٰ ہے، اسی طرح سے کوئی دوسرا بھی حاکم اعلیٰ ہو، ایسا عقیدہ غالباً دنیا کے اندر کسی مشرک قوم کا نہیں رہا، شرک کے اندر قیادت اور سیادت حاصل ہے مشرکین مکہ کو اور مشرکین مکہ کا تو عقیدہ نہیں تھا، کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا خالق ہے یا مالک ہے، تو پھر وہ حصہ دار کس چیز میں بناتے تھے......؟ اور شرک کیسے ہوتا ہے......؟ اللہ تعالیٰ کے برابر کی سطح پر تو اس کی صفات کا کوئی شریک نہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے ماتحت قرار دیتے ہوئے کسی کو اپنی حکومت میں شریک کرلیا ہو اور اس کیلئے کوئی شعبہ قرار دے دیا ہو، اور اس شعبے میں اسے با اختیار کردیا ہو، کیا اللہ تعالیٰ کی ماتحتی کے اندر اس کائنات میں کوئی ایسے مختار موجود ہیں؟ مشرکین کا جواب یہ ہے کہ ہیں اور موحدین کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔

ایک بہترین مثال سے مسئلہ کی وضاحت:۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کے اندر جس قسم کا تصرف کرتا ہے اس تصرف کرنے میں اللہ تعالیٰ نے واسطہ بنایا ہوا ہے فرشتوں کو یہ واسطہ ہم بھی مانتے ہیں اور مشرکین بھی مانتے تھے تو ہمارے واسطے اور مشرکین کے واسطے میں فرق کیا ہے......؟ اس کو ایک موٹی سی مثال سے سمجھئے! پاکستان میں آج کل اقتدار حاصل ہے ضیاء الحق صاحب کو یہ صدر ہیں اور ملک میں صدر ایک ہی ہوتا ہے تو گویا کہ اقتدار اعلیٰ ایک ہی شخص کے پاس ہے، اب اتنے بڑے ملک کو اکیلا آدمی کس طرح سے سنبھالے......؟ اس نے اس کو سنبھالنے کے لئے اپنے چار تو گورنر بنائے ہوئے ہیں۔

اور ہر گورنر نے آگے کام چلانے کیلئے کمشنر بنائے ہوئے ہیں اور کمشنروں کے تحت ہر ضلع کے اندر ڈپٹی کمشنر ہے اور ڈپٹی کمشنر کے ماتحت ہر تحصیل کے اندر حکومت کا عملہ ہے اور ہر تحصیلدار کے تحت پٹواری ہیں، یہ سلسلہ صدر سے لے کر اسی طرح نیچے تک چلتا ہے، اور آپ جانتے ہیں یہ حکومت میں حصہ دار ہیں، یہ اصحاب اقتدار سمجھے جاتے ہیں اور ایک ہوتا ہے صدر کا چپراسی جو سامنے کھڑا ہے، اس کا کوئی عہدہ نہیں ہوتا یہ بھی صدر کا ہاتھ بٹاتا ہے، اسکے حکموں کی تعمیل کرتا ہے لیکن آپ دونوں کی حیثیت میں فرق سمجھتے ہیں، گورنر کی حیثیت تو حکومت میں یہ ہے کہ

صدر نے ایک صوبہ متعین کر کے اس کے سپرد کر دیا، اب بنانا اور ہٹانا یہ دونوں صدر کے اختیار میں ہے، جب چاہے بنا دے جب چاہے ہٹا دے اتنا یہ گورنر صدر کے ماتحت ہے لیکن جس وقت صدر نے اس کو بنا دیا تو گورنر رہنے کے زمانہ میں یہ اپنے حدود واختیار میں رہتا ہوا جو چاہے کرے صدر سے پوچھے کی ضرورت نہیں اسی طرح جب گورنر سے کمشنر بنا دیا کمشنر رہنے کے زمانہ یہ اپنے حدود واختیار میں رہتا ہوا جو چاہے کرتا رہے، گورنر سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اسی طرح ڈپٹی کمشنر اور تحصیلدار وغیرہ اب اگر ہمیں کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو ہم تحصیلدار وغیرہ کے پاس جائیں گے نہ کہ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر اور گورنر اور صدر کے پاس۔

موحدین کے یہاں واسطوں کی حیثیت اور ہے مشرکین کے یہاں اور ہے:۔

اس حکومت کے شعبوں کی تقسیم کا یہ نتیجہ نکلا مشرکین اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اس طرح کے حصہ دار بناتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ ہیں سارے کے سارے یہ اللہ کے مملوک، ماتحت جب چاہے اللہ ان کو بنائے جب چاہے ہٹائے لیکن جب اللہ نے ان کو اختیارات دے دیئے تو دینے کے بعد اب ہمارا تعلق ان سے ہے اوپر نہیں ہے اس لیے وہ طواف کریں گے تو انکا کریں گے سجدہ کریں گے، تو ان کے سامنے کریں گے اور کہیں گے یہ ہمارے شفعاء ہیں اگر یہ ہم پر خوش ہیں خوش ہونے کے بعد ہماری سفارش کریں تو اوپر قبول ہی قبول ہے۔

اور اگر یہ ناراض ہو گئے تو اوپر کوئی رسائی نہیں، یہ تھا مشرکین کا نظریہ اس طرح سے انہوں نے دوسری چیزوں کو شریک ٹھہرا رکھا تھا، اور ہم جو اللہ تعالیٰ کے ہاں واسطے مانتے ہیں کام میں تو ان کی حیثیت وہ ہے جو کارکن کی ہے کہ ان کے ہاتھ میں اختیار نہیں حاکم جو کہہ دے گا وہ وہی کریں گے اگر حاکم سو روپیہ دینا چاہتا ہے تو ان میں جرات نہیں کہ اس کا ایک سو ایک روپیہ بنا دیں یا سو کا ننانوے کر دیں، اگر حاکم نے زید کا نام لے لیا تو ان میں جرات نہیں کہ یہ بکر کو دے دیں نیچے والے حاکم جو ہیں وہ تو اگر پیسے تقسیم ہونے کے لئے آ جائیں حکومت کی طرف سے، تو آپ جانتے ہیں کہ تعلقات کی بناء پر کسی کو دیدیئے کسی کو نہیں دیئے مستحق کو نہیں دیئے غیر مستحق کو دیدیئے جن سے تعلقات ہوتے ہیں ان کو فائدہ پہنچا دیتے ہیں۔ اور جن سے نہیں ہوتے ان کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ یہ ہے اصل کے اعتبار سے شرک کہ یوں مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی شعبہ کسی کے سپرد ایسے طور پر کر دیا ہے کہ اب وہ کام کرنے میں ہر ہر جزئیہ کے اندر اللہ تعالیٰ سے پوچھنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اس کے اپنے اختیار میں ہے جو چاہے کرے، چاہے

اصل کے اعتبار سے اس شخصیت کو اللہ کے ماتحت ہی مانا جائے کہ اللہ ہی اس کو بناتا ہے اور اللہ ہی اس کو ہٹا سکتا ہے، اس عقیدے کے باجود اس قسم کا حصہ دار حکومت میں جو شریک بنالیا گیا اور ایسا نظریہ رکھنے والے جو ہیں مشرکین ہوگئے اور اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حکم سارا اللہ کا ہی چلتا ہے، اللہ چاہے تو کسی کو دے چاہے تو نہ دے، اور یہ کارکن کچھ نہیں کرسکتے اللہ کی طرف سے جو اجازت ملے گی وہی یہ کام کریں گے جن کو اجازت نہیں ملتی نہیں کرسکتے تو اس میں واسطے ماننے کے باجود آپ موحد ہیں، مشرک نہیں ہیں یہ بنیادی طور پر فرق ہے۔

ہمارے عقیدے میں اور مشرکین کے عقیدے میں فرق یہ ہے کہ مشرکین شرکاء کو مانتے تھے کہ جس طرح سے دنیوی بادشاہت کے اندر اسکے عہدیدار حصہ دار ہوتے ہیں کہ اپنے عہدے کے زمانہ میں جو چاہیں کرتے رہیں اوپر والے حاکم سے پوچھنے کے محتاج نہیں ہوتے۔

مشرکین جیسے الٰہ کا لفظ اللہ کے لئے بولتے تھے تو یہی لفظ معبودان باطلہ کیلئے بھی استعمال کرتے تھے:۔

یہی وجہ ہے کہ مشرکین اپنے تجویز کردہ لوگوں کو اٰلِھِہ کہتے تھے اور اٰلِھِہ اِلٰہ کی جمع ہے تو جیسا لفظ وہ اللہ کے لئے بولتے تھے ایسا ان کے لئے بولتے تھے کیونکہ ان کے اندر بھی مستقل ہونے کی حیثیت مانتے تھے، اور پھر جو معاملہ ان کے ساتھ وہ کرتے تھے اس کو وہ عبادت کہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ کے سامنے تذلل اختیار کیا وہ بھی عبادت، ان کے سامنے کیا وہ بھی عبادت...... اور ہم مانتے بھی ہیں کہ ہم نہ تو فرشتوں کو الٰھہ کہتے ہیں اور نہ فرشتوں کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ جس معاملے کی بناء پر ہم یہ کہیں یہ ہمارا معاملہ ان کے ساتھ عبادت کا معاملہ ہے، علم میں ہم اساتذہ کو واسطہ سمجھتے ہیں، پیدا ہونے میں والدین کو واسطہ سمجھتے ہیں۔

والدین کو، اساتذہ کو، مشائخ کو نہ ہم اِلٰھہ کہتے ہیں نہ ہم ان کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہیں اسکو عبادت قرار دیتے ہیں، ہمارا عقیدہ ان واسطوں کے متعلق یہ ہے کہ اصل تصرف اللہ کا ہے یہ تو محض واسطہ ہیں بایں معنیٰ کہ غیر مختار واسطہ کہ کوئی کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتے جو اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے بس انہوں نے تو وہی کام کرنا ہوتا ہے۔

شرک کی ابتداء کب ہوئی ہے......؟:۔

شرک کی ابتداء جو ہوئی ہے یہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہوئی ہے، نیک لوگوں کی تصویریں لوگوں نے

بنا کے رکھیں کہ ان کو ہم دیکھیں گے! تو ان کے دیکھنے کے ساتھ ہمیں بھی اللہ یاد آتا رہے گا اور اسطرح لوگوں نے کوئی تصور جمانے کیلئے فرشتوں کے فوٹو بنا لیے جنات کے بنا لیے ابتداء ابتداء کے اندر تو شخصیات مراد ہوتی تھیں محض تصویریں تھیں ان کی یاددلانے کے لئے تو شریک اگر ٹھہرائے ہیں لوگوں نے تو انسان ٹھہرائے ہیں، فرشتے ٹھہرائے ہیں، جن ٹھہرائے ہیں، لیکن بعد میں ایسا خلط عظیم واقع ہوا کہ لوگوں کے سامنے صرف یہ پتھر کی مورتیاں رہ گئیں، شخصیات کا تصور ہی ذہن سے نکل گیا، اب شرک دنیا میں کیسا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو شریک کرنے والے بھی موجود تھے جیسا کہ عیسائی یا بعض یہودی۔ اور فرشتوں اور جنات کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے والے بھی موجود تھے، پیروں اور فقیروں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے والے بھی موجود تھے۔

قوم ابراہیم علیہ السلام کا شرک جہالت کی انتہاء پر تھا:۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ بے جان چیزوں کو پوجنے والے بھی دنیا میں موجود تھے، جن کے سامنے صرف پتھر کا بت ہے اور شخصیت وغیرہ کوئی نہیں ان کی طرف نسبت کرتے تھے ان چیزوں کی کہ ان کو اللہ نے اختیارات دے رکھے ہیں یہ جہل عظیم واقع ہو گیا جہالت کے ساتھ شخصیت اوجھل ہو گئیں، اور محض پتھروں کو پوجنے والے بھی آ گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جو شرک ہے وہ اسی درجے کا ہے وہ جہالت کی انتہا پر تھے ستاروں کو بھی پوجتے تھے لیکن ساتھ پتھر کے بتوں کو بھی پوجتے تھے پتھر کے بت یہ کسی شخصیت کی علامت ہوں، ایسی بات نہیں ہے قرآن کریم میں آتا ہے اتعبدون ماتنحتون کیا پوجتے ہو تم ان چیزوں کو جن کو خود تراشتے ہو......؟ اگر حقیقتاً ان کے معبود فرشتے تھے وہ ان کے تو تراشے ہوئے نہیں تھے اگر جنات تھے تو وہ بھی ان کے تراشے ہوتے نہیں ہیں۔

ماتنحتون تو وہی ہیں جو لکڑی کے بنا لیے پتھر کے بنا لیے اور ان کو بنانے کے بعد ان کی پوجا شروع کر دی تو اس کے اوپر صادق آئے گا کہ اتعبدون ماتنحتون دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان معبودوں کا جو عجز ثابت کیا کہ یہ سنتے نہیں یہ دیکھتے نہیں یہ بولتے نہیں اور یہ کچھ کر نہیں سکتے، نفع نہیں دے سکتے نقصان نہیں دے سکتے تو ان کو عاجز ثابت کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا......؟ ان پتھر کی مورتیوں کو توڑا......؟ انہی کو مارتے جاتے تھے اور انہیں سے کہتے جاتے تھے کہ تم کھاتے کیوں نہیں ہو......؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو......؟ اور ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم انہی سے پوچھو! اور اگر یہ کوئی شخصیات کی تصویریں ہوتیں تو پھر یہ برتاؤ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کیسے صحیح

ہوتا! وہ کہتے جی یہ تو محض تصویر ہے، ہم تو اس کی پوجا نہیں کرتے یہ تو محض معبود کی نشانی کے طور پر رکھا گیا ہے تو پھر ان بتوں کی طرف نسبت کر کے اس قسم کی باتیں کرنا کہ یہ تو بول نہیں سکتا، سن نہیں سکتا یہ تو کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا یہ بات صادق نہیں آتی، کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو ہماری مراد ہی نہیں یہ تو محض یاددہانی کے لئے سامنے رکھے ہوئے ہیں، اصل کے اعتبار سے تو ہمارے معبود وہ ہیں، اور ان سے جا کر بات کرو، وہ بات بھی کریں گے اور وہ سنتے بھی ہیں۔

محض تصویریں رہ گئیں شخصیات اوجھل ہو گئیں:۔

اور پھر کسی کی تصویر کو پھاڑ دینا، اس کے عاجز ہونے کی دلیل نہیں ہے، اب یہ بھی اگر محض تصویریں تھیں اور وہ پوجنے والے کسی دوسری چیز کو پوجتے تھے، تو ان تصویروں کا پھاڑ دینا ان کے عاجز ہونے کی دلیل کس طرح سے ہو گیا......؟ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح لکھا ہے کہ پہلے شرک اگرچہ اسی طرح سے شروع ہوا کہ شخصیات کی تصویریں بنائی گئیں، لیکن بعد میں ایسا جہلِ عظیم واقع ہوا ایسا خلط عظیم واقع ہوا کہ لوگوں کے سامنے صرف تصویریں ہی رہ گئیں شخصیات اوجھل ہو گئیں، اس لیے قرآن کریم میں ان کی تردید کرتے ہوئے کہ بتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں، کیا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ یہ سنتے ہیں، کیا انکے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ یہ پکڑتے ہیں، کیا انکی ٹانگیں ہیں جن کے ساتھ چلتے ہیں، یہ باتیں جنات پر یا فرشتوں پر صادق نہیں آتیں، اگر کوئی شخص زندہ معبود کو پوجنے لگ جائے جس طرح فرعون کو لوگ پوجتے تھے اس پر پھر یہ بات کس طرح سے صادق آسکتی ہے، وہ تو کہیں گے کہ اس کی تو آنکھیں ہیں دیکھتا بھی ہے اس کے تو کان ہیں تو یہ سنتا بھی ہے، اسکے تو ہاتھ ہیں پکڑتا بھی ہے، اسکی تو ٹانگیں ہیں چلتا بھی ہے، تو یہ باتیں جو صادق آتی ہیں تو انہیں تصویروں پر صادق آتی ہیں۔

ترا ھم ینظرون الیك وھم لایبصرون ①: تو دیکھ رہا ہے کہ تیری طرف جھانک رہے ہیں، لیکن ان کو نظر نہیں آ رہا جیسے آنکھیں بنی ہوئی ہیں، تو جس وقت آپ اس تصویر کو دیکھیں گے تو معلوم ہوگا جیسے تیری طرف جھانک رہے ہیں، لیکن انکو نظر کچھ نہیں آ رہا، تو مشرکین مکہ کے شرک کے اندر یہ بات تھی کہ وہ فرشتوں کو بھی شریک

① سورۃ اعراف آیت ۱۹۸

ٹھہراتے تھے اور اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام کو بھی بعضے مشرک شریک ٹھہراتے تھے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا لوگوں نے حضرت مریم کو شریک ٹھہرایا، حضرت عیسیٰ کو شریک ٹھہرایا لیکن ہر مشرک کا شرک اس درجے کا نہیں ہوتا بعضے ایسے بھی تھے جو حیوانات کو بھی پوجتے تھے اور بعضے ایسے بھی تھے جو کہ بے جان چیزوں کو بھی پوجتے تھے، یہ جہل عظیم ہے جو ان لوگوں کے لئے واقع ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا شرک تو اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے۔

صرف اللہ کی ذات مختار کل ہے:۔

اب ہمارا یہ عقیدہ جس طرح سے میں نے آپ کے سامنے واضح کر دیا اسی درجے کا ہے ہم کہتے ہیں کوئی ہو اللہ کے سوا جاندار ہو، بے جان ہو، فرشتہ ہو، جن ہو، ولی ہو، نبی ہو، کوئی ہو، سب کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ اس کو کوئی کسی قسم کا مستقل اختیار حاصل نہیں ہے، بس وہی ہو گا جو اللہ چاہے گا، کسی دوسرے کی مشیت نہیں چلتی تصرف پورا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی دوسرا متصرف نہیں چاہے کوئی بزرگ ہو، چاہے کوئی فرشتہ ہو، اگر وہ واسطہ ہے تو اس درجے کا واسطہ ہے کہ اللہ کے حکم کی وہ تنفیذ آگے کرے گا، لیکن اپنے طور پر وہ کسی قسم کا تصرف اس میں نہیں کر سکتے اس لیے کسی فرشتے کو واسطہ مانتا ہے کوئی یا کسی بزرگ کو مانتا ہے، اگر اس درجے میں مانتا ہے تو شرک نہیں، اُس درجے میں مانتا ہے تو مشرک ہے۔

لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ اِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ کی وضاحت:۔

اور دوسری بات جو آپ کے سامنے عرض کرنی تھی وہ یہ تھی کہ حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ اِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ ① اس کا لفظی ترجمہ بظاہر یوں ہوتا ہے کہ ابراہیم نے جھوٹ نہیں بولا مگر تین مرتبہ یہی تین جھوٹ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بولے ہیں اس لفظ کے ظاہر میں بڑی شدت معلوم ہوتی ہے مشکوۃ شریف میں روایت موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے جن میں ایک یہ مقام بھی ہے۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا: پہلے آپ حضرات کے سامنے یہ عرض کیا تھا کہ یہ جملہ جھوٹ نہیں ہے، کسی صورت میں بھی نہ بولنے والے نے جھوٹ کی نیت سے بولا اور نہ سننے والے والوں نے اس کو جھوٹا سمجھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آگے سے یہ نہیں کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، پھر حدیث شریف میں یہ جو لفظ آیا ہے تو اس کا کیا

① مشکوۃ ص ۵۰۶ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیھم السلام / عن ابی ھریرۃؓ صحیح بخاری ص ۱۴۰ ج ۶ باب قول اللہ تعالی واتخذوا (بیروت) / صحیح مسلم ص ۲۶۶ ج ۲

مطلب......؟ بعض حضرات نے تو صرف اس ''کذب'' کے لفظ کو دیکھ کے اس حدیث کو غلط اور باطل قرار دے دیا لیکن اصل بات یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے اور مضمون بھی اس کا اپنی جگہ صحیح ہے، بیان کرنے کی اپنی انسان کی غلطی ہے کہ جس طرح سے چاہے اس کو ادا کر لیتا ہے، کذب کا لفظ ہم جو بولتے ہیں اس کا ترجمہ صرف وہی نہیں ہوتا جس کو ہم اردو میں جھوٹ بولنا کہتے ہیں، کذب کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ جھوٹ بولا، یہ بھی ہوتا ہے کہ اس نے غلطی کی، یہ اس کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ جس کے لئے عربی میں توریہ کا لفظ بولتے ہیں یعنی ایسے انداز میں بات کرنا کہ دوسرا انسان اس کے ظاہر سے کچھ اور سمجھے اور حقیقت میں مراد کچھ اور ہو، یہ بوقت ضرورت اس طرح سے کلام کی جاتی ہے، اب یہ جو متکلم کی مراد کے خلاف دوسرا آدمی سمجھتا ہے، كَذَبَ فُلَانٌ یعنی اس نے بات ایسی کی جو اس سے مطلب سمجھ میں آیا حقیقت میں مراد وہ نہیں اس کو ''توریہ'' کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، تو تمام شارحین نے، اہل حق نے، اہلسنت والجماعت نے اس کو ''توریہ'' پر محمول کیا ہے جب کذب کا مصداق توریہ بھی ہوسکتا ہے تو صرف لفظ کذب کی طرف دیکھ کے اس حدیث کی تکذیب نہیں کرنی چاہیے موقع محل پر اس قسم کے الفاظ بول دیئے جاتے ہیں۔

صحیح مقصد کے تحت کہ جس سے مراد دوسرا سننے والا مطلب کچھ اور سمجھ لے اور متکلم کی مراد کچھ اور ہو تو چونکہ وہ مراد خلاف ظاہر ہے اس اعتبار سے اس مضمون کو ادا کر کے یوں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص نے جیسے ہم اپنی زبان میں کہیں......اس نے غلط بیانی کی لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ غلط بیانی کے درجے کی بات نہیں ہوتی جو اس کی مراد تھی وہ اپنی جگہ حق ہے، لیکن لفظ اس میں ایسے استعمال کیے گئے کہ جس سے بظاہر مراد دوسری معلوم ہوتی ہے تو اس لیے صرف کذب کے لفظ کی طرف دیکھتے ہوئے اس حدیث کی تکذیب نہیں کی جاسکتی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کمال:۔

اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کمال بایں معنیٰ نمایاں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سو سال ہوئی یا سو سے بھی زیادہ ہوئی ساری زندگی میں تین باتیں اس قسم کی ہیں کہ جو ظاہری مطلب کے اعتبار سے خلاف واقع معلوم ہوتی ہیں، اور زندگی میں اور کوئی واقعہ نہیں کہ جس میں ظاہری مطلب کے طور پر بھی وہ خلاف واقع معلوم ہوا اس میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدق کو نمایاں کیا گیا ہم اگر دیکھیں! صبح سے شام تک ہم واقعتاً کتنی غلط بیانیاں کرتے ہیں، اور ایک سو سال کی زندگی میں صرف تین باتیں ایسی صادر ہوئیں کہ جو

ظاہری مطلب کے اعتبار سے جو دوسرا آدمی سمجھتا ہے اس کے اعتبار سے وہ خلاف واقع ہوتی ہے، لیکن جب حقیقت دیکھی گئی تو وہ بات بھی خلاف واقع نہیں، لیکن یہ باتیں جو تین صادر ہوئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کو بھی آپ نے اپنے حق میں بہت شدید سمجھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی فطرت بڑی پاکیزہ تھی:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جس وقت ساری مخلوق جمع ہوگی، اور انسان یہ چاہیں گے کہ ہم کسی کو اللہ کی دربار میں سفارشی بنا کر لے جائیں جو سفارش کرے اور ہمارا حساب شروع ہو جائے تو ہر نبی کے پاس جائیں گے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ عذر کر دیں گے کہ میں نے تو ایک غلطی ایسی کی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی پر پکڑا تو میں کیا کروں گا؟ اسی طرح سے ہر نبی نے کوئی نہ کوئی عذر کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب لوگ جائیں گے تو یہی عذر کریں گے کہ مجھ سے تو تین باتیں ایسی صادر ہوئیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت کر لی تو میں کیا کہوں گا؟ تو یوں سمجھئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فطرت اتنی پاکیزہ تھی کہ یہ تین ہی باتیں جو بظاہر خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہیں ان کی کڑواہٹ وہ قیامت کے دن تک بھی محسوس کرتے رہیں گے تو یہ ان کی پاک فطرت تھی اور سچی فطرت تھی، یہ بہت ہی ایک واضح نشانی ہے اور ہم صبح شام رات دن غلط بیانیاں کرتے ہیں۔

اور صراحتاً غلط بیانیاں کرتے ہیں اور ان سے اتنی بڑی عمر کے اندر تین ہی باتیں صادر ہوئیں جو حقیقت کے اعتبار سے صحیح ہیں لیکن سننے والا ان کو ظاہری طور پر ایسا سمجھ لیتا ہے کہ خلاف واقعہ کہی گئیں تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صداقت پر کوئی کسی قسم کا دھبہ نہیں آتا۔①

① صحیح بخاری ص۴۷۷ ج۲/ مسند احمد ص۳۳۰ ج۱۲/ ترمذی ص۶۹ ج۲ کتاب صفۃ القیامۃ/ مسند ابی یعلی الموصلی ص۳۱۰ ج۲/ السنن الکبری للبیہقی ص۶۰۰ ج۷/ شرح السنۃ للبغوی ص۱۵۴ ج۵۔

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ

یاد کیجئے جس وقت پکارا نوح نے ابراہیم سے پہلے ہم نے اس کی دعا قبول کر لی پھر ہم نے اس کو نجات دی اور اس کے متعلقین کو

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

بہت بڑی بے چینی سے ﴿۷۶﴾ اور ہم نے اس کی مدد کی انتقام لیتے ہوئے ان لوگوں سے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا بے شک وہ لوگ بُرے لوگ تھے پھر ہم نے ان

اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ

سب کو ڈبو دیا ﴿۷۷﴾ اور یاد کیجئے داؤد اور سلیمان کو جبکہ وہ دونوں فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے بارے میں جبکہ

نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ۙ

اس کھیتی میں جا پڑیں تھیں قوم کی بکریاں اور ہم ان دونوں کے فیصلے کا مشاہدہ کرنے والے تھے ﴿۷۸﴾

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؗ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ

ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم دیا تھا اور مسخر کر دیا ہم نے

دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمْنٰهُ

داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو اور پرندوں کو یہ سب تسبیح پڑھتے تھے اور ہم کرنے والے ہیں ﴿۷۹﴾ اور سکھا دیا ہم نے

صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

داؤد کو زرہ کا بنانا تاکہ وہ تمہاری حفاظت کرے آپس کی لڑائی سے پھر کیا تم

شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى

شکر گزار ہو ﴿۸۰﴾ اور مسخر کیا ہم نے سلیمانؑ کے لئے ہوا کو اس حال میں کہ وہ تیز چلنے والی تھی چلتی تھی

الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَىْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

وہ سلیمان کے حکم سے اس علاقہ کی طرف جس میں ہم نے برکت دی اور ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں ﴿۸۱﴾

وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ

اور مسخر کیا ہم نے شیاطین میں سے ان کو جو غوطہ لگاتے تھے سلیمان کیلئے اور کرتے وہ کام اس کے علاوہ بھی

ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ

اور ہم ان شیاطین کی نگرانی کرنے والے تھے ﴿۸۲﴾ اور یاد کیجئے! ایوبؑ کو جب کہ پکارا اس نے اپنے رب کو بیشک

مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا

تکلیف نے مجھے چھوا ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۸۳﴾ ہم نے اس کی بھی دُعا قبول کر لی دور کر دی ہم نے

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً

اس سے جو تکلیف اس کو تھی اور دیا ہم نے اسی ایوب کو اس کا اہل وعیال اور ان جیسے اور بھی ان کیساتھ اپنی طرف سے رحمت کی وجہ سے

مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ

اور عابدین کی نصیحت کے لئے ﴿۸۴﴾ یاد کیجئے! اسماعیل کو اور ادریس کو

وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۖ

اور ذا الکفل کو ان میں سے ہر کوئی صبر کرنے والوں میں سے تھا ﴿۸۵﴾ اور ہم نے داخل کیا ان کو اپنی رحمت میں

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ

بے شک وہ اچھے لوگوں میں سے تھے ﴿۸۶﴾ یاد کیجئے! مچھلی والے کو جس وقت وہ چلا گیا غصے کا اظہار کرتا ہو پھر اس نے خیال کیا

اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ

کہ ہم اس پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے اس پر پھر پکارا اس یونس نے تاریکیوں میں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں

سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

تو ہر عیب سے پاک ہے بیشک میں ہی قصور وار ہوں ﴿۸۷﴾ پھر ہم نے اس کی بھی دعاء قبول کر لی اور اس کو اس گھٹن

مِنَ الْغَمِّ ۖ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ

سے نجات دی اور ہم مؤمنوں کو ایسے ہی نجات دیا کرتے ہیں ﴿۸۸﴾ اور زکریا کو یاد کیجئے! جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو وارثوں میں سے بہتر وارث ہے ﴿۸۹﴾ پھر ہم نے اس کی بھی دعا قبول کر لی

وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ

اور ہم نے اس کو یحییٰ دیا اور ہم نے اس کی بیوی کو درست کر دیا بے شک یہ سارے کے سارے لوگ نیکیوں میں جلدی

فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾

کرنیوالے تھے اور ہمیں پکارا کرتے تھے رغبت کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور یہ سارے کے سارے ہم سے ڈرنے والے تھے ﴿۹۰﴾

وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا

اور دیا کیجئے! اس عورت کو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پھر ہم نے اس عورت میں پھونک دی اپنی روح اور بنایا ہم نے

وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا

اس عورت کو اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لئے نشانی ﴿۹۱﴾ بے شک یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو ﴿۹۲﴾ اور ٹکڑے ٹکڑے کر لیا لوگوں نے اپنے دینی معاملے کو اور ہر کوئی ہماری طرف لوٹ کر آنے والا ہے ﴿۹۳﴾

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کرب عظیم سے نجات دی:۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ: نوحاً یہ منصوب ہے فعل محذوف کی وجہ سے اور اس کا عطف ہے لوطاً کے اوپر، یا تو معنیٰ یوں ظاہر کریں گے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو بھی علم و حکمت دیا، جس طرح سے پیچھے آیا تھا کہ لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے علم و حکمت دی، یا اس کو اذکر کا مفعول بنا لیجئے! نوح کا تذکرہ کیجئے! اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ یہ مبنی بر ضم ہے مضاف الیہ اس کا محذوف منوی یعنی من قبل ابراھیم یاد کیجئے! جس وقت پکارا نوح علیہ السلام نے ابراہیم سے پہلے، ہم نے اس کی دعا قبول کر لی پھر ہم نے اس کو نجات دی، اور اس کے متعلقین کو ''اہل'' کا لفظ یہ عام ہوتا ہے صرف اولاد

پر ہی نہیں بولا جاتا ہے بلکہ جتنے متبعین ہوتے ہیں، متعلقین سب کیلئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ مِنَ الْكَرْبِ ”کرب“ کہتے ہیں بے چینی کو ”غم“ کو تکلیف کو، بہت بڑی بے چینی سے، تکلیف سے، اور اس کرب عظیم کا مصداق یا تو وہ قوم کا برتاؤ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ وہ کرتے تھے، ہم نے اس کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی یعنی قوم کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچ رہی تھیں ہم نے نوح علیہ السلام کو ان تکلیفوں سے نجات دے دی۔

اور یا کرب عظیم سے مراد وہ عذاب الٰہی ہے جو اس قوم پر آیا تھا کہ باقی ساری قوم اس کرب عظیم کی لپیٹ میں آ گئی اور نوح علیہ السلام کو ہم نے بچالیا اس لفظ کا مصداق دونوں ہو سکتے ہیں وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ، اور ہم نے اس کی مدد کی آ گے صلہ من آ گیا تو یہ من یہاں بتاتا ہے کہ نصرت کے اندر انتقام والا معنیٰ ہے انتقام والے معنیٰ کی تضمین کر کے من کو اس کا صلہ بنایا جائے گا ہم نے اسکی مدد کی انتقام لیتے ہوئے ان لوگوں سے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو یہ من اصل کے اعتبار سے صلہ انتقام کا ہو گیا، اور یہ انتقام کا معنیٰ نصرت کے اندر مضمر ہے ہم نے اس کی مدد کی انتقام لیتے ہوئے ان لوگوں سے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا، اور نوح علیہ السلام کی دعا جو انہوں نے کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قبول کی سورۃ قمر میں اور آ گے سورۃ نوح میں آ ئے گی مختلف سورتوں میں یہ دعائیں حضرت نوح علیہ السلام کی ذکر کی گئیں ہیں اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ بے شک وہ لوگ بُرے لوگ تھے پھر ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

سلیمان علیہ السلام و داؤد علیہ السلام کو اللہ نے علم و حکمت اور دیگر انعامات سے نوازا:۔

اور یاد کیجئے! داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام سلیمان علیہ السلام کے باپ ہیں اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ، حرث یہ مصدر بھی ہے حَرَثَ يَحْرُثُ بونا اور حرث بول کر کھیتی بھی مراد لی جاتی ہے، جو بوئی ہوئی ہوتی ہے، اور حرث بول کر کھیت بھی مراد لے لیتے ہیں جو موضع کھیت ہوتا ہے تو یہاں حرث سے کھیتی مراد ہے، جب کہ وہ دونوں فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے بارے میں جب کہ اس کھیتی میں جا پڑی تھیں قوم کی بکریاں ”نفش“ کہتے ہیں جانوروں کا چرنا رات کے وقت خصوصیت سے وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ”ھم“ ضمیر ان اہل مقدمہ کی طرف لوٹ رہی ہے جو جھگڑا لے کر آئے تھے یعنی ایک بکریوں والے لوگ ہو گئے اور ایک کھیتی والے ہو گئے۔

اور اگر سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کی طرف ضمیر لٹائیں تو پھر لِحُكْمِهِمَا ہونا چاہیے تھا قاعدے کے مطابق ہم ان دونوں کے فیصلے کو مشاہدہ کرنے والے تھے، اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تثنیہ کو جمع سے تعبیر کر دیا ایسا بھی ہوتا

رہتا ہے جیسے مفرد کو بھی کبھی تعظیم کے طور پر جمع سے تعبیر کر دیتے ہیں تو تثنیہ کو، مافوق الواحد کو جمع سے تعبیر کر دیتے ہیں، اس لیے ھم ضمیر ان دونوں کی طرف لوٹا دی جائے تو بھی قاعدے کے لحاظ سے گنجائش ہے ورنہ یہ ھم ضمیر لوٹے گی ان لوگوں کی طرف جو کہ اہل مقدمہ تھے اور حکم کی اضافت ان کی طرف ہو گی بِاَدْنٰی مُلَابِسَۃٍ یعنی ان لوگوں کے بارے میں جو فیصلہ تھا ہم اس فیصلے کو دیکھنے والے تھے فَفَهَّمْنٰهَا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم دیا تھا اور مسخر کر دیا ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو اور پرندوں کو یہ سب تسبیح پڑھتے تھے اور ہم کرنے والے ہیں یعنی یہ کام کسی اور کے کرنے کا نہیں ہمارے کرنے کا ہے، ہم نے پہاڑوں کو تابع کر دیا، پرندوں کو بھی تابع کر دیا، اور وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل کر تسبیح پڑھتے تھے وَ عَلَّمْنٰهُ اور سکھایا ہم نے داؤد کو لباس کا بنانا، لباس یہ نہیں جو عام طور پر ہم کپڑے پہنتے ہیں، بلکہ اس سے مراد لوہے کا لباس ہے جس کو زرہ سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسری جگہ ہم نے سکھایا داؤد کے لئے زرہ کا بنانا لِتُحْصِنَكُمْ تاکہ وہ زرہ تمہاری حفاظت کرے آپس کی لڑائی سے یہ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ لبوس سے یہ عام قمیص مراد نہیں بلکہ وہی لوہے کی قمیصیں مراد ہیں، جس کو زرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، فَهَلْ اَنْتُمْ پھر کیا تم شکر گزار ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ نے ہوا کو مسخر کیا:۔

اور مسخر کیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو اس حال میں کہ وہ تیز چلنے والی تھی عَاصِفَةً وہ ہوا ہوتی ہے جو آندھی کی شکل میں آتی ہے، توڑ پھوڑ کرنے والی تجری چلتی تھی وہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اس علاقے کی طرف جس میں ہم نے برکت دی ہے، الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا سے شام کا علاقہ مراد ہے، جہاں بھی قرآن کریم میں یہ الفاظ آتے ہیں وہاں یہی علاقہ شام کا مراد ہوتا ہے، معلوم ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام کا پایہ تخت کسی اور علاقہ میں تھا اور وہاں سے ہوا ان کو لے کر چلتی تھی شام کے علاقے کی طرف اور مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اصل دارالسلطنت یمن میں تھا اور وہاں سے شام کی طرف ہوا چلا کرتی تھی ان کو لے کر وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ اور ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں۔

شیاطین کو بھی سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ نے مسخر کر رکھا تھا:۔

وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ: مِنَ الشَّیٰطِیْنِ یہ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور مسخر کیا ہم نے

شیطاطین میں سے ان کو جو غوطہ لگاتے تھے سلیمان علیہ السلام کے لئے یعنی سمندروں میں غوطہ لگا کر جواہرات نکالتے تھے، وہ کام اسکے علاوہ بھی اور ان کاموں کی تفصیل سورۃ سبا میں آئے گی، وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ اور ہم ان شیاطین کی نگرانی کرنے والے تھے۔

جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے امتحان میں ثابت قدم رہتا ہے تو اللہ اسے نوازتا ہے:۔

وَاَيُّوْبَ: اور یاد کیجئے! ایوب علیہ السلام کو جب کہ پکارا اس نے اپنے رب کو اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ یہ ان کی دعا کے الفاظ ہیں بے شک مجھے تکلیف نے چھوا ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے، ہم نے اس کی بھی دعا قبول کر لی دور کر دی، ہم نے اس سے جو تکلیف اسکو تھی اور دیا ہم نے اس ایوب علیہ السلام کو اس کا اہل وعیال اور ان جیسے اور بھی ان کے ساتھ اپنی طرف سے رحمت کی وجہ سے اور عابدین کی نصیحت کے لئے تا کہ اس سے عابدین کو نصیحت ہو کہ جو لوگ صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آمدہ امتحان میں ثابت قدم رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر ان کو اس طرح سے نوازتا ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ: اور یاد کیجئے! اسماعیل کو! اور ادریس کو اور ذ الکفل کو ان میں سے ہر کوئی صبر کرنے والوں میں سے تھا اور ہم نے داخل کیا ان کو اپنی رحمت میں بے شک وہ اچھے لوگوں میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ پاکیزہ لوگوں کو معمولی لغزش کو بھی سختی سے ادا کرتے ہیں:۔

وَذَا النُّوْنِ: نون کہتے ہیں مچھلی کو اور یاد کیجئے! مچھلی والے کو اس سے حضرت یونس علیہ السلام مراد ہیں جس طرح سے بعض آیات کے اندر ان کو صاحب الحوت کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا گیا حوت بھی مچھلی کو کہتے ہیں تو ذا النون اور صاحب حُوت یہ لقب ہیں حضرت یونس علیہ السلام کے۔ یاد کیجئے مچھلی والے کو! جس وقت وہ چلا گیا غصے کا اظہار کرتا ہوا غصہ کا اظہار کرتا ہوا کس پر؟ اسکا مفعول محذوف ہے یعنی اپنی کافر قوم پر فَظَنَّ پھر اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر ہرگز قدرت نہیں پائیں گے، قدر یقدر قدرت پانے کو بھی کہتے ہیں اگر معنیٰ یہ ہو تو پھر اسکی تعبیر کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی جس طرح عادت ہے کہ اپنے پاکیزہ لوگوں کی معمولی لغزش کو بھی اس طرح سے سختی سے ادا کرتے ہیں، جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑی غلطی کی تو حضرت یونس علیہ السلام چونکہ چلے گئے تھے غصے ہوتے ہوئے اپنی قوم پر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے یہ سمجھا تھا کہ ہم اس کو پکڑ ہی نہیں سکیں گے، یہ ان کے حال کی ایک تعبیر ہے حالانکہ یونس علیہ السلام کا

یہ واقعہ اس طرح سے نہیں ہوا یہ تو کسی مومن کے دل میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اللہ مجھے پکڑ نہیں سکے گا، میں بھاگ جاؤں نبی کے دل میں کیا خیال آسکتا ہے......؟۔

یہ ایسے ہی ہے جس طرح سے آپ کوئی کام کریں آپ کے دل میں خیال نہیں ہوتا لیکن آپ کے حال کی شدت کی تعبیر یوں ''تو نے کیا سمجھ لیا تھا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے'' حالانکہ جس وقت آپ وہ غلطی کرتے ہیں تو آپ کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، لیکن جب ایک چیز سے غفلت برتتے ہوئے آپ کوئی کام کرتے ہیں تو آپ کا استاد آپ کے اوپر جو حاکم ہے وہ یونہی کہتا ہے کہ تو نے سمجھ لیا تھا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے! تو یہ ایک واقعہ کی شدت کی تعبیر ہوتی ہے، اگرچہ وہ دل میں خیال ہوتا نہیں محاورے کے طور پر اس حال کی شدت کی تعبیر اسی طرح سے ہے۔

اور ''قدر'' تنگی کرنے کو بھی کہتے ہیں پھر اس کا معنیٰ ہوگا کہ اس نے خیال کیا کہ ہم اس کے اوپر کوئی گرفت نہیں کریں گے، ہم اس کے اوپر کوئی تنگی نہیں ڈالیں گے، یعنی وہ یوں وہاں سے نکل گیا قوم سے غصہ کرتے ہوئے اور ان کو یہ خیال تھا کہ میرا یہ نکلنا میرے عذر کی بناء پر ہے، اللہ تعالیٰ میرے اوپر کوئی گرفت نہیں کرے گا، اس معاملے میں اپنے آپ کو معذور سمجھتے ہوئے نکل گئے، اور یہی معنیٰ سب سے اچھا ہے عین محاورے کے بھی مطابق ہے اور لغت کے بھی مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ مصیبت سے کوئی نجات دلانے والا نہیں:۔

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ: پھر پکارا اس یونس علیہ السلام نے تاریکیوں میں واقعہ کی تفصیل جب آئے گی تو بات کھل جائے گی کہ کس طرح انہوں نے تاریکیوں میں پکارا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں اور جب اس قسم کی مصیبت کے وقت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ کہا جا رہا ہے، تو اس میں خاص طور پر اس معنیٰ کی طرف اشارہ ہے کہ تیرے بغیر اس مصیبت سے نجات دلانے والا کوئی نہیں الٰہ کے اندر یہ مضمون یہاں خصوصیت سے نمایاں ہے۔ سُبْحٰنَكَ تو ہر عیب سے پاک ہے، بے شک میں ہی قصور واروں میں سے ہوں پھر ہم نے اسکی بھی دعا قبول کر لی اور اسکو اس گھٹن سے نجات دی اور ہم مومنوں کو ایسے ہی نجات دیا کرتے ہیں۔

انبیاءنیکیوں میں جلدی کرنے والے، اللہ کی طرف رغبت کرنے والے......
اورصرف اسے پکارنے والے ہوتے ہیں:۔

وَزَكَرِيَّآ: اور زکریا علیہ السلام کو یاد کیجئے! جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ۔ اکیلے ہونے سے مراد یہ ہے کہ اولاد نہیں ہے گھر میں اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو وارثین میں سے بہتر وارث ہے، پھر ہم نے اس کی دعا بھی قبول کر لی اور ہم نے اس کو یحییٰ علیہ السلام دے دیا اور ہم نے اس کے لئے اس کی بیوی کو درست کر دیا جو قابل اولاد نہیں تھی وہ اولاد والی ہوگئی بے شک یہ سارے کے سارے لوگ نیکیوں میں جلدی کرنے والے تھے، اور ہمیں پکارا کرتے تھے رغبت کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے رغبۃ میں امید آ گئی اور رھبۃ میں خوف آ گیا، وَكَانُوۡا لَنَا خٰشِعِيۡنَ اور یہ سارے کے سارے ہم سے ڈرنے والے تھے، اور یاد کیجئے اس عورت کو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پھر ہم نے اس عورت میں پھونک دی اپنی روح، اپنی روح سے یہاں عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، اس لیے ان کا لقب ہے روح اللہ کیونکہ ظاہری اسباب کے خلاف ان کی ولادت ہوئی، اس لیے براہ راست ان کی نسبت اللہ کی طرف ہے وَجَعَلۡنٰهَا اور بنایا ہم نے اس عورت کو اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لئے نشانی بے شک یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو، اور ٹکڑے ٹکڑے کر لیا لوگوں نے اپنے دینی معاملے کو اور ہر کوئی ہماری طرف لوٹ کے آنے والا ہے۔

انبیاء کے واقعات سے دین کے مختلف پہلو نمایاں کرنا مقصود ہوتے ہیں:۔

انبیاء علیہم السلام کے تذکرے آپ کے سامنے ہو رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کا ذکر اجمالاً آیا تھا، اور اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسحاق و یعقوب کا ذکر تھا، اور اس رکوع میں متعدد انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کیا گیا اور یہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات جو ذکر کیے جا رہے ہیں، ان میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کر کے، توحید کے مضمون کو واضح کیا اور شرک کی تردید کر دی اور اس طرح سے لوط علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں ان خباثتوں کی طرف اشارہ کر دیا جن خباثتوں کے اندر ان کی قوم مبتلاء تھی اور اس کے نتیجے میں وہ تباہ ہوئے یہ واقعات بیان کر کے سننے والوں کے لئے نصیحت کرنی مقصود ہے۔

جتنا عرصہ قوم کے ساتھ جہاد کا حضرت نوح علیہ السلام کو ملا ہے اتنا طویل عرصہ کسی کو نہیں ملا:۔

اب آگے ذکر آ گیا حضرت نوح علیہ السلام کا۔ انکا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہے، اب ان کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے ان کے صبر واستقامت کو دکھاتے ہوئے کہ جتنا طویل عرصہ نوح علیہ السلام نے قوم سے مصیبتیں اٹھائی ہیں اور قوم کو سمجھایا ہے اتنا طویل زمانہ شاید کسی قوم کے ساتھ جہاد کرنے کا کسی نبی کو نہیں ملا قرآن کریم کہتا ہے کہ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ① نوح علیہ السلام اپنی قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال ٹھہرے تھے یعنی ساڑھے نو سو سال نوح علیہ السلام وعظ کرتے رہے اور ان کی طرف سے تکلیفیں برداشت کرتے رہے، جب ہر طرح سے مایوسی ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع مل گئی کہ جنہوں نے ایمان لانا تھا وہ ایمان لے آئے اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا پھر حضرت نوح علیہ السلام کے اندر اللہ تعالیٰ کے لئے غصہ اور غضب اسی قوم پر آیا پھر اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ یہ گندگی کا ڈھیر صاف کردے تاکہ تیری زمین پاک ہوجائے اگر تو ان کو چھوڑے گا تو یہ فاجر اور کفار کو ہی جنیں گے اور میں ان کے سامنے مغلوب ہوگیا ہوں، یہ میری تبلیغ پر غالب آگئے ہیں مجھ پر زیادتیاں کرتے ہیں، پس تو ہی ان کو سنبھال لے جب یہ دعائیں کیں حضرت نوح علیہ السلام نے تو اللہ نے دعا قبول کرلی۔

انبیاء علیہم السلام دشمنوں کے سامنے مغلوب ہونے لگتے تو اللہ کو ہی پکارتے تھے:۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے مفصلاً سورۃ ہود میں گزر چکا اس سے بھی اثبات توحید اور رد شرک اور اللہ کے راستے میں تکلیفیں اٹھانے کا اچھا انجام اور اللہ کی بات نہ ماننے کا بُرا انجام اس واقعہ کے ضمن میں نمایاں ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کے اس عمل سے ساتھ یہ بات بھی آگئی کہ دشمنوں سے نجات پانے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کرنا ہے، انبیاء علیہم السلام جس وقت دشمنوں کے سامنے مغلوب ہونے لگتے تو وہ اللہ کو ہی پکارا کرتے تھے۔

اللہ کے نیک بندے باوجود بادشاہ ہونے کے اکڑتے نہیں:۔

آگے ذکر آ گیا داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا یہ دونوں پیغمبر بھی ہیں اور بادشاہ بھی ہیں تو یہاں انکا جو ذکر کیا جارہا ہے اس میں شکر گزاری ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ بادشاہ ہونے کے باوجود اللہ کے سامنے اکڑتے نہیں تھے

① پارہ نمبر۲۰، سورۃ عنکبوت، آیت نمبر۱۴

اور ایسی بے مثال اللہ نے ان کو سلطنت دی تھی اس کے باوجود یہ اللہ کے شکر گزار تھے اور عبادت گزار تھے گویا کہ بادشاہی میں فقیری اور درویشی ان کی شان تھی تو انبیاء علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ دنیا دیتے ہیں، اور دنیا کے وسائل دیتے ہیں تو ان وسائل کے حاصل ہونے کے بعد میں ان میں کوئی بڑائی اور تکبر نہیں پیدا ہوا کرتا بلکہ وہ اللہ کے شکر گزار رہتے ہیں تو اس میں یہ نصیحت کا پہلو ہے کہ انسان میں یہ کمزوری ہے کہ ذرا سی خوشحالی آتی ہے تو اسکی گردن اکڑ جاتی ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں ہی سب سے بڑا ہوں میرے اوپر کسی کی گرفت نہیں ہے لیکن جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، ان کا یہ حال نہیں ہوتا وہ اگر دن کو بادشاہی کرتے ہیں تو رات کو اللہ کے سامنے روتے ہیں اور ذرہ ذرہ بات میں اللہ کے احکام کی رعایت رکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کی آپس میں معاونت کی تاریخی مثال:۔

اور پھر ایک پہلو اس میں خصوصیت سے نمایاں کیا جا رہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام یہ بیٹے ہیں داؤد علیہ السلام کے اور وہ باپ بڑا خوش قسمت باپ ہوتا ہے کہ جس کو ایسی اولاد مل جائے جو نیکی میں اس کی معاون ہو کہ داؤد علیہ السلام حکومت پر تھے لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے تھے، ایک واقعہ ان کے سامنے آیا کہ کوئی جھگڑا تھا بکریوں والوں کا اور کھیتی والوں کا کہ بکریوں نے کھیتی اجاڑ دی تھی یہ مقدمہ آیا داؤد علیہ السلام کے سامنے تو داؤد علیہ السلام فیصلہ کرتے ہوئے اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکے ان کے فیصلے میں کوئی کمی رہ گئی تو سلیمان علیہ السلام نے فوراً ان کو متوجہ کیا تو اولاد کا کام ہے کہ باپ میں اگر کوئی غلطی ہو تو اس کی رہنمائی کریں۔

یہی معاونت ہوتی ہے دینی معاملات میں اور داؤد علیہ السلام ایسے خوش قسمت تھے اور ایسے نیک سلیقے والے تھے کہ انہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ میں باپ ہوں تو میرے سامنے یہ بات اس طرح سے کیوں کرتا ہے......؟ یا میری بات میں اگر کوئی کمی کا پہلو رہ گیا ہے تو اس میں یہ نشاندہی کیوں کرتا ہے......؟ انہوں نے سلیمان علیہ السلام کی بات کو مان لیا اور قبول کر لیا تو باپ بیٹا اس طرح سے ایک دوسرے کی معاونت کرتے تھے، داؤد علیہ السلام بادشاہ ہونے کے باوجود یہ دماغ نہیں رکھتے تھے کہ میری بات پر کوئی دوسرا بات کیوں کرے اور سلیمان علیہ السلام نے یہ خیال نہیں کیا کہ یہ میرے باپ ہیں میں ان کے سامنے آگے بات کیوں کروں! اب مقدمہ کیا تھا......؟ اور داؤد علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا......؟ سلیمان علیہ السلام نے کس طرح سے بات بتلائی اس کی تفصیل قرآن کریم میں نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم کوئی قصہ گوئی کی

کتاب نہیں اس میں تو اتنا بتایا کہ بادشاہ ہونے کے باوجود چھوٹے چھوٹے معاملات کی طرف توجہ کرتے تھے۔ جو مخلوق کو پیش آتے تھے، اور اگر کہیں ان کو کسی طرف سے اچھا مشورہ مل جاتا تھا تو فوراً قبول کر لیتے تھے اور سلیمان علیہ السلام نے ایک اچھا مشورہ محسوس کیا تو فوراً اپنے باپ کے سامنے ذکر کر دیا۔

بڑے کی شائستگی اس میں ہے کہ چھوٹے کی بات کو مان لے:۔

تو نیکی میں تعاون یہ ہوا کرتا ہے، اس پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے ویسے مفسرین نے لکھا ہے اور فوائد عثمانیہ میں حضرت شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے، کہ صورت واقعہ کچھ ایسی تھی کہ رات کو کسی کی بکریاں چھوٹیں کسی کے کھیت میں جا پڑیں اور وہ کھیت انہوں نے اجاڑ دیا اب وہ کھیت والے آ گئے بکریوں والوں کو پکڑ کے، داؤد علیہ السلام کے سامنے تو داؤد علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ کھیت کا کتنا نقصان ہوا ہے۔

اب وہ نقصان جو تھا وہ بکریوں کی قیمت کے برابر تھا تو آپ نے ان کو فیصلہ دے دیا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں اس طرح سے ان کے نقصان کی تلافی ہو جائی گی حضرت سلیمان علیہ السلام بھی کہیں بیٹھے ہوئے تھے، وہ فرمانے لگے کہ اگر اس طرح سے کر لیا جائے کہ بکریاں کھیت والے کے سپرد کر دی جائیں وہ دودھ پیتا رہے ان سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت بکریوں والوں کو دے دیا جائے یہ اس پر محنت کریں تاکہ ان کی فصل پہلی حالت پر آ جائے جس وقت وہ کھیت پہلی حالت پر آ جائے تو کھیت کھیت والوں کو دے دیا جائے اور بکریاں بکریوں والوں کو واپس لٹا دی جائیں، یوں نقصان کی تلافی کرا دی جائے تو اس میں کیا حرج ہے......؟ تو داؤد علیہ السلام نے اس کو قبول کر لیا① تو یہ ایسے ہی ہے جس طرح سے ہمارے فقہاء قیاس کے مقابلے میں استحسان کو لے لیا کرتے ہیں قیاس بھی اپنی جگہ صحیح ہوتا ہے لیکن استحسان میں قیاس کے مقابلے میں باریکی زیادہ ہوتی ہے، اس لیے قیاس اور استحسان کا مقابلہ کہیں آ جائے تو فقہاء قیاس کے مقابلے میں استحسان کو لے لیتے ہیں۔

اور ایسے مواقع نادر ہیں کہ استحسان کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح ہو تو یہ دونوں کا اختلاف بھی کچھ اس قسم کا ہے تو ایسا ہو جانا کہ واقعہ کی نوعیت کو چھوٹا سمجھ جائے اچھی طرح سے، اور اس میں فائدے کا پہلو زیادہ ہو اور بڑے کا ذہن ادھر نہ جائے تو ایسا ہو جاتا ہے، تو بڑے کی شائستگی یہ ہے کہ اگر کوئی اس قسم کی بات محسوس کرتا ہے تو ادب کے

① تفسیر الطبری ص ۴۷۵ ج ۱۸/ تفسیر السمرقندی ص ۴۳۴ ج ۲/ تفسیر الماوردی ص ۴۵۶ ج ۳/ الدر المنثور ص ۳۲۴ ج ۴ عن ابی مسعود و مسروق وابن عباس ومجاہد وقتادہ والزھری

ساتھ بڑے کے سامنے کہہ دے اور آپ کے سامنے یہ بات نمایاں ہوگئی کہ حق پرستی اور حق کو قبول کرنا باوجود بادشاہ ہونے کے ان لوگوں میں کس طرح سے تھا اور عدل وانصاف کی کتنی رعایت رکھتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور فیصلہ:۔

ایسے ہی ایک واقعہ حدیث شریف میں بھی ہے اس کا تعلق اس آیت سے نہیں ویسے ہی ذکر کرتا ہوں کہ دو عورتیں تھیں حضور ﷺ نے فرمایا دونوں کے پاس اپنا اپنا بچہ تھا ایک عورت کا بچہ بھیڑیا لے گیا اور ایک کا باقی رہ گیا تو صورۃ حال ایسی بنی کے اس بچے کے بارے میں بڑی اور چھوٹی کا نزاع ہوگیا، بڑی کہتی تھی یہ میرا ہے اور چھوٹی کہتی تھی یہ میرا بچہ ہے، اور وہ بچہ لے کر داؤد علیہ السلام کے سامنے آگئے تو داؤد علیہ السلام نے آثار دیکھے قرائن دیکھے ہوسکتا ہے۔ بچہ اس وقت بڑی کے ہاتھ میں ہو تو انہوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ کردیا بڑی لے کر باہر نکل رہی تھی کہ سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی تو سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کیا بات ہے.....؟ تو انہوں نے واقعہ سنایا پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں فیصلہ کروں اگر تم چاہو تو وہ کہنے لگیں کہ آپ فیصلہ کردیں! فرمایا کہ بچے کو یہاں رکھو چھری لے آؤ میں اس کو کاٹ کے دو حصے کر کے آدھا آدھا دے دیتا ہوں جب سلیمان علیہ السلام کی زبان سے یہ لفظ نکلا تو چھوٹی جلدی سے بول پڑی کہ نہیں حضور یہ بچہ اسی کا ہی ہے، میرا نہیں اور بڑی رہ گئی چپ تو حضرت سلیمان علیہ السلام فرمانے لگے کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے بڑی کا نہیں یعنی جو حقیقتاً ماں تھی وہ تو اس بات کو سن کر تڑپ اٹھی کہ میرے بچے کو کاٹ دیا جائے گا اور بڑی یہ سمجھی کہ میرا بچہ بھیڑیا لے گیا اور یہ چھری سے کٹ جائے گا اچھا ہے۔ دونوں برابر ہوجائیں گے تو سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ مامتا یہ ہے جو تڑپ اٹھی چنانچہ بات ایسی نکلی اور وہ بچہ چھوٹی کو دلا دیا گیا تو ظاہری دلیل کے تحت حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی اپنی جگہ درست تھا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی تدبیر سے بہت باریکی نیچے سے نکل آئی اور بڑی کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگیا کہ اس کا بیان جو تھا وہ غلط تھا۔ ①

غلط بیانی کرنے والے کیلئے وہ چیز حرام ہوتی ہے جو اس نے چرب لسانی کی وجہ سے حاصل کی:۔

تو اس طرح سے کسی میں فیصلے کی قوت زیادہ ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ زیادہ باریکیوں کی رعایت رکھ لیتا ہے، تو ایک دلیل کے اعتبار سے بات ہمارے سامنے آئی دیکھو حضور ﷺ فرماتے ہیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تم

① صحیح بخاری ص ۴۸۷ ج ۱ عن ابی ھریرہؓ/ صحیح مسلم ص ۱۳۴۴ ج ۳، بیروت باب بیان اختلاف المجتہدین/ نسائی ص ۲۳۴ ج ۸ حکم الحاکم بعلمہ/ مشکوۃ ص ۵۰۸، باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام

میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو ایسا ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک بلیار (بولنے والا) زیادہ ہو جو اپنی دلیل کو زیادہ اچھی طرح سے واضح کر دے اور ہو حقیقت میں غلطی پر، میں اس کے ظاہری بیان کو سن کر فیصلہ دے دوں گا کہ حق اس کا ہے، اور حقیقت میں حق اس کا نہیں ہوگا تو میرے فیصلہ کرنے کے ساتھ وہ چیز تمہارے لیے حلال نہیں ہوگی بلکہ یوں سمجھو جس طرح سے میں تم کو دوزخ کی آگ کاٹ کر دے رہا ہوں (۱) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حاکم نے تو ظاہری بیان سن کر فیصلہ کرنا ہے اور ایک آدمی زور زبان کے ساتھ اپنے مدعیٰ کو اچھی طرح سے واضح کر دیتا ہے اور دوسرا واضح نہیں کر سکتا تو حاکم اس دلیل سے متاثر ہو کے فیصلہ اس کے حق میں دے دے گا لیکن اس کے لئے ویسے حرام ہے تو انبیاء علیہم السلام بھی ظاہر کو دیکھ کے فیصلہ دیتے ہیں۔

اور ہو سکتا ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے بیان دینے والے نے بیان غلط دیا ہو اور اس بیان دینے کی بناء پر وہ فیصلہ غلط ہو گیا ہو لیکن اس کی ذمہ داری فیصلہ کرنے والے پر نہیں ہوتی بیان دینے والے پر ہوتی ہے، تو یہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی صلاحیت کہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم و حکمت تو داؤد علیہ السلام کو بھی دیا تھا، سلیمان علیہ السلام کو بھی دیا تھا لیکن فیصلے کی صلاحیت سلیمان علیہ السلام کے اندر بمقابلہ داؤد علیہ السلام زیادہ نمایاں تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام باوجود بادشاہ ہونے کے بڑے ذاکر، شاکر، عبادت گذار اور خوبصورت آواز کے مالک تھے:۔

وَّ سَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ: اب دونوں کے امتیازات علیحدہ علیحدہ آ گئے کہ حضرت داؤد بادشاہ تھے بادشاہ ہونے کے باوجود بڑے ذاکر شاکر تھے بہت اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بہت خوش آواز تھے لحن داؤدی ایک محاورہ ہے اور ان کے اوپر کتاب اتری تھی وہ زبور تھی، اس کے اندر زیادہ تر اللہ کی حمد و ثناء شعروں کی شکل میں تھی نظموں کی شکل میں وہ اللہ کی حمد و ثناء کیا کرتے تھے، پھر ایک پڑھنے والا نبی ہو اور انتہائی درجے کا خوش آواز ہو خلوۃ میں بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہوں اور دل کا رجز بھی ساتھ شامل ہو تو اندازہ کیجئے! کہ فضا کس طرح سے جھوم اٹھتی ہوگی......؟ تو اللہ کی طرف سے یہ بات نمایاں تھی کہ ویسے تو ہر چیز تسبیح پڑھتی ہے پہاڑ بھی پڑھتے ہیں اور پرندے بھی پڑھتے ہیں ہم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں لیکن اس وقت کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح بھی اچھی طرح سے نمایاں ہوتی ہے اور داؤد علیہ السلام اس کو سنتے تھے۔

حضرت داؤود علیہ السلام کے ساتھ ساری فضا اللہ کے ذکر سے گونج اٹھتی تھی:۔

تو اب ایک آدمی بیٹھا اللہ اللہ کر رہا ہو اس کے ساتھ چار آدمی اور مل جائیں تو یہ اللہ اللہ کرنے والوں سے پوچھو کہ دوسروں کی آواز جب کان میں آتی ہے تو اپنی طبیعت میں بشاشت زیادہ پیدا ہوتی ہے یہ اولیاء اللہ کے ہاں جو مل کے بیٹھ کے ذکر کرنے کی بات ہے، اس میں یہی قصہ ہے کہ کان دوسرے کی آواز کے ساتھ جب مشغول ہوتے ہیں۔ اور اپنی آواز بھی ہوتی ہے تو اسمیں انسان کے حواس زیادہ بیدار ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے تو داؤد علیہ السلام جب اللہ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھے تو ان کے ساتھ بیٹھ کے پہاڑ بھی اور پرندے بھی سبحان اللہ، الحمد اللہ پڑھتے اس طرح سے ساری کی ساری فضا اللہ کے ذکر سے گونج اٹھتی، اب ہم نہیں سن سکتے تسبیح پہاڑوں اور پرندوں کی لیکن انبیاء علیہم السلام سنتے تھے اس کے ساتھ طبیعت میں نشاط اور بشاشت اور ذکر کی برکات زیادہ نمایاں ہوتی ہیں، ایک تو ان کی یہ خصوصیت ظاہر کی اور وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ میں یہ بتادیا کہ یہ ہم کرنے والے تھے اس لیے تمہیں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے! کہ پہاڑ اور پرندے داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل کر ذکر کس طرح سے کرتے تھے ہم کرنے والے تھے اور پھر ساتھ ساتھ بادشاہوں کو فوجوں کو مسلح کرنے کے لئے جس طرح ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور دوسروں کے مقابلے میں غلبہ نمایاں کرنے کے لئے اسلحہ چاہیے تو حضرت داؤود علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں خاص سلیقہ دیا یہ زرہ اس وقت تک مروج نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے داؤود علیہ السلام کو سکھائی اور انہوں نے زرہیں بنائیں جن کے ساتھ ان کی فوجی قوت ان کا فوجی اسلحہ دوسروں کے مقابلے میں نمایاں ہوا، وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ ،اور سکھادی ہم نے زرہ کی صنعت تمہارے فائدے کے لئے تاکہ وہ تمہیں تمہاری لڑائی سے بچائے تو کیا تم شکر گزار ہو......؟ ان کی وساطت سے اللہ نے تم پر یہ انعام کیا تو تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے وہ تو بادشاہ ہو کے بھی شکر گزار تھے...... تمہیں بھی اسی طرح سے شکر گزار ہونا چاہیے۔

جو چیز مادی وسائل کے تحت حاصل ہوگئی وہ سلیمان علیہ السلام کو معجزے کے طور پر حاصل تھی:۔

آگے خصوصیت آگئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی کہ سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے بادشاہت بے مثال دی تھی، اور انہوں نے دعا کی تھی وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ① اے اللہ مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی

① پارہ نمبر ۲۳، سورۃ ص، آیت ۳۵

کی شان کے لائق نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو اس طرح سے حکومت ہوا پر بھی دی انسانوں پر بھی حکومت، جنات پر بھی حکومت، پرندوں بھی حکومت، حتیٰ کہ چیونٹیوں تک کی بولی حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھتے تھے، جیسے سورۃ نمل میں آئے گا تو یہاں ہوا کے مسخر ہونے کا ذکر ہے کہ تیز وتند ہوا ہم نے ان کے لیے مسخر کر دی ان کے حکم کے تحت چلتی تھی کہتے ہیں تخت بچھا لیتے اس کے اوپر بیٹھ کے ہوا کو حکم کرتے ہوا ملک شام تک لے جاتی صبح کو اس کا چلنا بھی ایک مہینے مسافت ہوتا تھا، اور شام کو اس کا چلنا بھی ایک مہینے کی مسافت یعنی عام قافلے اور عام سوار جس طرح سے ایک مسافت ایک مہینے میں طے کرتے تھے، سلیمان علیہ السلام اس ہوا کے ذریعہ سے صبح کے وقت ہی طے کر لیتے تھے اب پرانے زمانہ میں لوگ اس کے اوپر تعجب کرتے تو کرتے لیکن آج نہیں ہے عام انسانوں نے مادی اسباب کو اختیار کر کے مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں کر لی، واقعہ ہے یہ ہوائی جہاز آپ کے سامنے اڑتے ہیں اور مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کرتے ہیں تو آج جو چیز مادی وسائل کے تحت حاصل ہوگئی، وہ سلیمان علیہ السلام کو معجزے کے طور پر حاصل تھی تو آج اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے دین میں یہی چیز نمایاں تھی کہ وہ ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں:۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَۃً: ہوا جو تیز وتند چلنے والی تھی ہم نے ان کے لیے مسخر کر دی چلتی تھی، ان کے حکم کے ساتھ ایسے علاقے کی طرف جس میں ہم نے برکت دی ہے اور ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں، یہ نمایاں کی جارہی ہے بات ہر جگہ کہ جو کچھ ہوا ہمارے تصرف سے ہوا، آج کل کے بددین لوگ جس وقت اس قسم کی کسی چیز کو اپنے قابو میں لے آتے ہیں جیسے ہوا قابو میں کر لی آگ قابو میں کر لی بجلی پہ قدرت حاصل کر لی تو کہتے ہیں ہم نے کیا، ہم نے اپنے زور اور حکمت اور علم سے ان کو قابو میں کر لیا ہے، اللہ والوں کی شان یہ نہیں ہوتی ان کو جو کچھ ملتا ہے وہ کہتے ہیں بس جو کچھ ملا اللہ کی طرف سے ملا اور اللہ تعالیٰ یہی بتاتے ہیں کہ جو کچھ کیا میں نے کیا، یہی وجہ ہے جب تک اللہ کی توفیق نہیں ہوتی تو یہی چیزیں مصیبت بن جاتی ہیں انبیاء علیہم السلام کے دین میں یہی چیز نمایاں ہے کہ وہ ہر کام کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ کا انعام سمجھتے ہیں اس قسم کی چیزوں کے حاصل ہونے کے بعد وہ اکڑتے نہیں اور اللہ کے سامنے غرور میں نہیں آتے تو جیسے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی تھی ایسے جنات بھی مسخر کر دیئے تھے ان کے لئے کام کرتے تھے سرکش قسم کے جن سمندروں میں غوطے لگاتے ان کے لئے موتی نکال

کے آتے اس کے علاوہ اور کام بھی کرتے جیسے سورۃ سباء میں تفصیل آئے گی اور ہم ان کی نگرانی کرنے والے تھے اس لیے وہ جنات سلیمان علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔

حضرت داوٗد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے اوپر ان دونوں پیغمبروں کا ذکر جو آیا تو یہ شکرگزاری میں ممتاز ہیں اب آگے ذکر آ رہا ہے جو صبر میں ممتاز ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور اس پر ایوب علیہ السلام کا صبر:۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق روایات میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت خوشحالی دے رکھی تھی اور اس خوشحالی میں وہ شکرگزار تھے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر امتحان آیا، مال بھی سارا چھن گیا اہل وعیال فوت ہوگئے اور پھر بدنی تکلیف میں بھی مبتلاء ہوگئے اور بدنی تکلیف کوئی سخت قسم کی تھی بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سے سارے جسم پر خارش ہوجاتی ہے پھوڑے اور دانے نکل آتے ہیں جس کے ساتھ بدن گل سڑ گیا انتہائی تکلیف میں مبتلاء ہوئے اور خوشحالی کے بعد سخت سے سخت بدحالی اور آزمائش میں بھی اللہ کے سامنے صابر رہے اور شکایت کا حرف اپنی زبان پر نہیں لائے اور جب تکلیف انتہا کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ دعا کی جو آگے الفاظ میں آپ کے سامنے آ رہی ہے وَاَیُّوۡبَ یاد کیجئے ایوب کو! جب کہ انہوں نے رب کو پکارا اور رب کو پکارتے ہوئے یہ بات کہی اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے، اور تو اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ہے دعا کے الفاظ پر غور کریں کہ اپنے دکھ کا اظہار تو کیا ہے اللہ کے سامنے، اور اللہ تعالیٰ کے اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ہونے کا ذکر کر دیا اپنی طرف سے کچھ مانگا نہیں اے اللہ میں تکلیف میں ہوں اور تو اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ہے تو جس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنا عجز تو اللہ کے سامنے نمایاں کیا تکلیف تو ذکر کی باقی آگے اللہ کی طرف سے کیا برتاؤ ہونا چاہیے جو اس کی رحمت کا تقاضا ہے میں اپنے لیے کچھ تجویز نہیں کرتا جو تیری طرف سے معاملہ ہوگا وہ تیری رحمت کا تقاضا ہے انہی الفاظ کے ساتھ بس اپنے دکھ کا اظہار کیا ہے۔

اللہ کی طرف سے جو معاملہ ہو اسے صبر و شکر کے ساتھ گذارنا چاہیے......!:۔

جب اللہ کو پکارا تو اللہ نے دعا قبول کر لی تفصیل اس کی آگے آئے گی ”ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا“

پھر جو تکلیف اس کو تھی وہ دور ہٹادی اور ہم نے اس کو اس کا اہل دیا اور اتنے اور بھی ساتھ دیئے اپنی طرف سے رحمت کی وجہ سے اور عابدین کیلئے نصیحت کے واسطے تاکہ عبادت گزاروں کو نصیحت ہو کہ اللہ کی طرف سے جو معاملہ ہو اس کو صبر و شکر کے ساتھ گزارنا چاہیے جلدی سے گھبرا نہیں جانا چاہیے۔ نہ خوشحالی میں انسان اکڑے اور نہ کسی مشکل میں مبتلاء ہو جانے کے بعد شکوہ شکایت کرنے لگ جائے پھر اللہ کی رحمت انسان کو نوازتی ہے، دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے، اور اس میں یہ بات بھی آ گئی کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ عادت ہے کہ مشکل سے مشکل ترین وقت میں وہ اللہ کو ہی پکارتے ہیں اور ان کے دل میں کوئی اور خیال یا وسوسہ نہیں آتا اور یہ مضمون توحید سے مناسبت رکھتا ہے۔

اور یاد کیجئے! اسماعیل علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، اور ذاالکفل کو ذاالکفل کا لفظی معنیٰ تو ہے صاحب نصیب اور ان کے حالات روایات میں مذکور نہیں ہیں صرف نام ہی قرآن میں مذکور ہے باقی ان کے کیا واقعات تھے......؟ کن کی طرف یہ مبعوث ہوئے تھے......؟ اور امت کے ساتھ ان کا کیا واقعہ پیش آیا......؟ یہ روایات میں مذکور نہیں بس اتنی بات ہی ہوئی کہ یہ سارے کے سارے صبر کرنے والوں میں سے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ ان کی زندگی میں بھی امتحانات آئے تھے اور یہ ثابت قدم رہتے تھے۔

ہجرت انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے:۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام پر جو امتحان آیا تھا اسکا ذکر تو قرآن میں ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام اور ذاالکفل ان کے واقعات قرآن میں مذکور نہیں وَأَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک یہ اچھے لوگوں میں سے تھے، آگے حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ آ گیا کچھ ذکر ان کا پہلے ہو چکا سورۃ یونس میں، حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے میں نینوا شہر میں مبعوث ہوئے، اس شہر کی آبادی ایک لاکھ سے زائد تھی اور آج بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں، ان لوگوں کو آپ تبلیغ کرتے رہے لیکن اس قوم نے نہیں مانا اور حضرت یونس علیہ السلام کو وہ لوگ ہر طرح سے پریشان بھی کرتے تھے، آخر حضرت یونس علیہ السلام ان کے ہاتھوں سے تنگ آئے اور خیال یہ کیا کہ اب ان کے اوپر چونکہ حجت تام ہو چکی اس لیے میں اگر ان سے علیحدہ ہو جاؤں تو وقت عافیت سے گزاروں گا اور اللہ کی طرف سے مجھ پر کوئی مزید آزمائش نہیں ڈالی جائے گی۔

اب یہ بات تو بالکل ٹھیک تھی کہ کافروں سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کر لی جائے، یہ علیحدگی بھی

اللہ کے لئے ہے، دین کے جذبے سے کہ جب یہ مانتے ہی نہیں تو اب ان میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں لیکن اسی غصے میں حضرت یونس علیہ السلام سے ایک بات اوجھل ہوگئی وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مشرک قوموں کو چھوڑا تو کرتے ہیں اور ہجرت کیا کرتے ہیں یہ ہجرت کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے لیکن جب تک صراحتاً اللہ کی طرف سے اجازت نہ آجائے اس وقت تک انبیاء علیہم السلام اس علاقے کو چھوڑتے نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ:۔

اور حضرت یونس علیہ السلام سے یہی لغزش ہوئی کہ اللہ کی طرف سے صراحتاً اجازت آنے کا انتظار نہیں کیا بلکہ اپنے خیال سے غصہ میں آکر ان سے علیحدگی اختیار کرلی بس اتنی سی بات ہے جس پر گرفت ہوئی مشہور واقعہ ہے شہر سے نکلے کشتی میں سوار ہوگئے کشتی چلی جارہی تھی اب آگے طوفان کی نذر ہوگئی اندیشہ پیدا ہوگیا کہ یہ ڈوب جائے گی اس زمانے کے خیال کے مطابق ملاحوں نے ذکر کیا کہ معلوم یوں ہوتا ہے کہ اس میں کوئی ایسا غلام سوار ہے جو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر آگیا ہے۔

اس کو متعین کرنے کے لئے قرعہ اندازی تجویز ہوگئی اور قرعہ ڈالنے کے لیے متعین بھی حضرت یونس علیہ السلام کو کردیا گیا کیونکہ سب میں یہی ثقہ معلوم ہو رہے تھے، یونس علیہ السلام نے قرعہ ڈالا تو انہیں کا نام ہی نکل آیا جب ان کا نام نکل آیا تو یہ دریا میں کود گئے اور دل میں یہ خیال بھی آگیا کہ میں ہی بغیر اجازت کے آیا ہوں، کہیں میری وجہ سے ہی پوری کشتی مصیبت میں آرہی ہو......؟ یہ سوچ کر اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا اب چونکہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش پیش آنی تھی تو جس وقت سمندر میں اترے تو مچھلی مامور تھی اللہ کی طرف سے، اس نے ان کو نگل لیا یوں سمجھے! اللہ نے مچھلی کے پیٹ کو یونس علیہ السلام کے لئے ایک جیل خانہ بنادیا جس وقت یونس علیہ السلام پیٹ میں چلے گئے ہوش وحواس قائم ہیں تو فوراً سمجھ گئے کہ یہ مجھ سے لغزش ہوئی، اللہ کی طرف سے میں گرفت میں آگیا اپنی کوتاہی کا احساس ہوگیا تو تاریکیوں میں یعنی مچھلی کے پیٹ کی تاریکی سمندر کے تہہ کی تاریکی اور اگر اوپر سے پھر رات آجائے تو یہ تہہ بتہہ کی تاریکی آجاتی ہے تو وہاں سے پھر اللہ کو پکارا۔

کتنی تاریکیاں سامنے آجائیں انبیاء علیہم السلام اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے:۔

تو یہاں بھی وہی بات آئی کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ پہلے تو توحید کا اقرار کیا کہ اے اللہ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے بے شک میں قصوواروں میں سے ہوں، یہاں بھی وہی بات ہے اپنے قصوروار ہونے کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اور اللہ تعالیٰ کے پاک ہونے کا تذکرہ کیا حاصل خود یہی ہو گیا کہ میں قصوروار ہوں اور تو تمام خوبیوں کا مالک ہے، تیرے بغیر کوئی نہیں مطلب یہ تھا کہ میرا قصور معاف کر دے یہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہے اور حضور ﷺ نے اس دعا کو بھی اسم اعظم قرار دیا کہ اس کو پڑھ کے جو کچھ اللہ سے مانگا جائے تو اللہ قبول کرتے ہیں ① تو جب یہ دعا کی تو ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا اور اس کو اس گھٹن سے نجات دے دی، اور ہم ایسے ہی مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں یہ فقرہ بڑھا دیا آپ کے سبق کے لئے کہ اس سے سیکھو کہ انبیاء علیہم السلام نے کیا نمونہ قوم کے سامنے رکھا ہے کیسی مشکل میں پھنس جائیں کتنی تاریکیاں سامنے آجائیں لیکن وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے اللہ کو پکارتے ہیں تو اللہ کی رحمت ان کی دستگیری کرتی ہے۔

تو مومنین کو بھی ایسے ہی طریقہ اپنانا چاہیے کسی مشکل میں گھبرائیں نہیں اور مایوس نہ ہوں بس اپنی غلطی کا اعتراف کریں اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اللہ سے اس کی رحمت مانگیں اللہ کی رحمت دستگیری کرتی ہے، یہ توحید کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ:۔

اور زکریا کو یاد کیجئے! انہوں نے طلب اولاد کے لئے اپنے رب کو پکارا تھا بیوی بانجھ تھی خود بھی بوڑھے ہو گئے تھے، ظاہری اسباب بالکل نہیں تھے، لیکن پھر بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے اور یہ کہا کہ اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ یعنی میرے گھر میں اولاد دے دے کیونکہ جس دین کا میں وارث ہوں اس دین کا میرے گھر میں کوئی سنبھالنے والا نہیں، اور تو بہترین وارث ہے کیا مطلب......؟ کہ تو اپنے دین کا وارث ہے اگر میرا کوئی وارث پیدا نہیں ہوگا، تو تو بہترین وارث ہے لیکن میں ظاہری سبب کے طور پر ایک چیز طلب کرتا ہوں کہ مجھے ایک

① الترغیب والترھیب للمنذری ص ۳۱۹ ج ۲، عن سعد بن ابی وقاص۔

ایسا بچہ دے دے لائق فائق جو اس دینی وارثت کو سنبھالے، ہم نے اس کی بھی دعا قبول کر لی اور اس کو یحییٰ دے دیا اس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ مریم میں آ چکی اور اس کی بیوی کو اس کے لیے ٹھیک کر دیا جو قابل اولاد نہیں تھی اس کو اولاد کے قابل بنا دیا۔

سب انبیاء علیہم السلام نیکیوں کی طرف بھاگ بھاگ کے جانے والے تھے:۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ: یہ جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر آیا یہ سارے کے سارے نیکیوں کی طرف بھاگ بھاگ کے جانے والے تھے اور پکارتے تھے ہمیں رغبت کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے امید وخوف کے درمیان جس میں یہ بات بھی آ گئی کہ کیسے ہی حالات ہوں اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے اور پھر اللہ سے رحمت کی امید بھی رکھنی چاہیے، اور یہی ایمان کی نشانی ہے وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ اور وہ ہمارے لیے دبنے والے تھے خوف اور اندیشہ کرنے والے تھے آگے حضرت مریم کا ذکر آ گیا انہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی احصان فرج یہ کنایہ ہے عصمت سے پھر ہم نے اس عورت میں اپنی روح پھونک دی اور اس عورت کو اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لئے نشانی بنا دیا۔

انبیاء علیہم السلام سب کے اصول ایک ہی تھے:۔

ان سب کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جماعت ایک ہی جماعت ہے جو ابتداء سے چلی آ رہی ہے دین کے اعتبار سے اللہ نے تمام انسانوں کو ایک ہی جماعت بنایا ہے، اور انبیاء علیہم السلام سب ایک ہی طریقے پر تھے یعنی اصول سب کے ایک ہیں، چاہے وقتی مصلحت کے طور پر فروعی احکام علیحدہ علیحدہ ہوں لیکن دین اصل کے اعتبار سے اصول کا ہی نام ہے، اصول میں کوئی اختلاف نہیں آیا توحید، رسالت، معاد، جنت، جہنم، اور اسی قسم کی دوسری باتیں اللہ کی صفات وذات کے متعلق سب دین میں ایک ہیں، اور امت طریقے کے معنیٰ میں بھی آ سکتا ہے ان انبیاء علیہم السلام کے طریقے کو ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارا طریقہ ہے اور حاصل سب کا یہی ہے کہ میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو، وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ لوگوں نے اپنے دینی امر کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیے سارے ہماری طرف لوٹ کے آنے والے ہیں اور ہم ان سے پوچھیں گے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ

پھر جو کوئی نیک عمل کرے گا اس حال میں کہ مؤمن ہو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور ہم اس کی

وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

کوشش کو لکھنے والے ہیں ﴿۹۴﴾ ممنوع ہے اس بستی پر جس کا ہلاک کرنا ہم نے مقدر کر دیا کہ وہ سیدھے راستہ کی طرف لوٹ کے آئے ﴿۹۵﴾

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ

حتی کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے

يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ

پھسلنے والے ہوں گے ﴿۹۶﴾ اور سچا وعدہ قریب آ گیا اچانک واقعہ یہ ہوگا کہ پھٹنے والی ہوں گی آنکھیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا

ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا کہہ رہے ہوں گے اے ہماری بربادی! ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم

ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ

قصور وار تھے ﴿۹۷﴾ بے شک تم اور وہ چیزیں جن کو تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہے

اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَاۤءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ

تم سب اس جہنم کیلئے وارد ہونیوالے ہو ﴿۹۸﴾ اگر یہ سارے الٰھہ ہوتے تو یہ جہنم میں وارد نہ ہوتے

وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور یہ سارے کے سارے اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ﴿۹۹﴾ وہ گدھے کیطرح اکیس آوازیں نکالیں گے اور وہ اس جہنم میں نہیں سنیں گے ﴿۱۰۰﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ۙ

بیشک وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے حسنیٰ سبقت لے گئی یہ لوگ اس جہنم سے دور ہٹائے جائیں گے ﴿۱۰۱﴾

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِىْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ

نہیں سنیں گے اس جہنم کی آہٹ اور وہ اس چیز میں جس کو ان کا جی چاہے گا

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۰۲﴾ بڑی گھبراہٹ ان کو غم میں نہیں ڈالے گی اور آگے بڑھ کے ان سے ملاقات کریں گے فرشتے

هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ

یہی ہے تمہارا وہ دن جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے ﴿۱۰۳﴾ جس دن ہم لپیٹے گے آسمانوں کو مثل لپیٹنے والے

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا

لکھے ہوئے مضمونوں کے کاغذ کو جس طرح سے ہم نے شروع کیا ہر چیز کو پہلی مرتبہ پیدا کر کے اسی طرح سے ہم ہر چیز کو لوٹائیں گے

عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ

یہ وعدہ ہے ہمارے ذمے بیشک ہم کرنیوالے ہیں ﴿۱۰۴﴾ البتہ لکھا ہم نے زبور میں ذکر کے بعد کہ

الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ

بیشک ہوں گے اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ﴿۱۰۵﴾ بے شک اس بات میں

هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

البتہ کافی مضمون ہے جو مقصد تک پہنچانے والا ہے عابدوں کیلئے ﴿۱۰۶﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپکو کسی مقصد کیلئے مگر عالمین کیلئے

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

رحمت کے واسطے ﴿۱۰۷﴾ آپ کہہ دیجئے اس کے سوا کچھ نہیں کہ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى

تو کیا تم فرمانبردار بننے والے ہو؟ ﴿۱۰۸﴾ اگر یہ لوگ پیٹھ پھیر جائیں تو آپ کہہ دیجئے میں نے تمہیں اطلاع دیدی

سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ

برابر سرابر اور نہیں جانتا میں کہ قریب ہے یا دور ہے وہ چیز جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ﴿۱۰۹﴾ بیشک وہ اللہ

يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ

جانتا ہے ظاہر بات کو بھی اور اس کو بھی جس کو تم چھپاتے ہو ﴿۱۱۰﴾ اور میں نہیں جانتا

أَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ
شاید کہ یہ تاخیر آزمائش ہو تمہارے لئے اور فائدہ پہنچانا ہو ایک وقت تک ﴿۱۱۱﴾ رسول نے کہا
رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى
اے میرے رب فیصلہ کردے حق کے ساتھ اور ہمارا رب رحمان ہے مدد طلب کیا ہوا ہے اس بات پر
مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع
جو تم بیان کرتے ہو ﴿۱۱۲﴾

تفسیر

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ:۔

پھر جو کوئی نیک عمل کرے گا اس حال میں کہ مومن ہو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور ہم اس کی کوشش کو لکھنے والے ہیں، وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ حرام یہاں ممتنع کے معنیٰ میں ہے یعنی ممنوع ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کر دیا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ اس میں لا زائدہ ہے کہ وہ لوٹ کر آئیں ان کا لوٹ کے آنا ممنوع ہے جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ہلاک کرنا عام ہے موت کے ساتھ ہو یا عذاب کے ساتھ ہو یعنی جن بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں چاہے موت کے ساتھ یا عذاب کے ساتھ اب وہ دنیا کی طرف لوٹ کے نہیں آسکتے یہ چیز ممنوع ہے اور اگر لَا يَرْجِعُوْنَ سے یہ مراد لیا جائے کہ وہ سیدھے راستہ کی طرف نہیں لوٹ سکتے تو پھر اَهْلَكْنٰهَآ کا ترجمہ یوں کریں گے کہ جس کا ہلاک کرنا ہم نے مقدر کر دیا ہے ممنوع ہے اس بستی پر جس کا ہلاک کرنا ہم نے مقدر کر دیا کہ وہ سیدھے راستہ کی طرف لوٹ کے آئے، حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ اور یہ ان کا لوٹ کے نہ آنا اس وقت تک ہے جب تک کہ قیامت نہیں آجاتی اور آگے یہ قیامت کے مبادیات ہیں حتیٰ کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے پھیلنے والے ہوں گے۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ: سچا وعدہ قریب آگیا فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ هِيَ ضمیر قصہ ہے جس طرح سے ضمیر شان ہوتی ہے اچانک واقعہ یہ ہوگا کہ پھٹنے والی ہوں گی آنکھیں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا یقولون کہہ

رہے ہوں گے یہ لفظ یہاں محذوف نکالیں گے یٰوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا اے ہماری بربادی ہم غفلت میں تھے اس سے بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ بل اضراب کے لئے ہے یعنی غفلت میں بھی نہیں، کیونکہ رسولوں نے ہمیں بہت سمجھایا بلکہ ہم قصوروار تھے اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ، حصب ایندھن کو کہتے ہیں بے شک تم اور وہ چیزیں جن کو تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہے، تم سب اس جہنم کے لئے وارد ہونے والے ہو، اگر یہ سارے الٰھہ ہوتے تو یہ جہنم میں وارد نہ ہوتے اور یہ سارے کے سارے اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں یعنی عابدین بھی اور معبودین بھی لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ، زفیر چیخنے چلانے کو کہتے ہیں اور یہ اصل کے اعتبار سے لفظ گدھے کی آواز کے لئے بولا جاتا ہے، گدھے کی آواز دو طرح آیا کرتی ہے جب وہ سانس باہر کو نکالتا ہے تب بھی آواز آتی ہے جب پیچھے کو لوٹاتا ہے تو بھی آواز آتی ہے تو باہر نکالتے وقت جو آواز آتی ہے اس کو زفیر کہہ دیں گے اور پیچھے لوٹاتے وقت کی آواز کو شہیق کہہ دیں گے بہر حال یہ گدھے کی ابتدائی اور آخری آواز ہے۔

تو یہاں ان کے چیخنے کو جو زفیر کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا تو اس میں تحقیر کا پہلو ہے، کہ وہ گدھے کی طرح اس میں آوازیں نکالیں گے ان کے لیے اس میں چیخنا چلانا ہے اور وہ اس جہنم میں نہیں سنیں گے یعنی اتنا شور ہوگا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیگی یا لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ یہ عابدین کے متعلق ہو جائے کہ یہ پوجنے والے گدھے کی طرح چیخیں گے، چلائیں گے، اور اپنے ان معبودوں کو فریاد کریں گے، اور وہ معبودان کی کچھ سنیں گے بھی نہیں، یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے، اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے حسنٰی سبقت لے گئی الحسنیٰ یہ احسن کی مؤنث ہے اس کا موصوف نکالیں گے العاقبة الحسنیٰ جن کے لیے ہماری طرف سے اچھا انجام سبقت لے گیا یہ لوگ اس جہنم سے دور ہٹائے جائیں گے، نہیں سنیں گے اس جہنم کی آہٹ اور وہ اس چیز میں جس کو ان کا جی چاہے گا، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، بڑی گھبراہٹ ان کو غم میں نہیں ڈالے گی اور آگے بڑھ کے ان سے ملاقات کریں گے فرشتے ان کا استقبال کرتے ہوئے جس طرح ہم خوش آمدید کہتے ہیں تو فرشتے ان کو کہیں گے هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہی ہے تمہارا وہ دن جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ جس دن ہم لپیٹیں گے آسمانوں کو مثل لپیٹنے لکھے ہوئے مضمونوں کے کاغذ کو جس طرح سے ہم نے شروع کیا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے وقت بدأنا کا مفعول محذوف نکال لیجئے كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ، کل شئی جس طرح سے

ہم نے شروع کیا ہر چیز کو پہلی مرتبہ پیدا کر کے اسی طرح سے ہم ہر چیز کو لوٹائیں گے یعنی دوبارہ بھی پیدا کریں گے وَعْدًا عَلَيْنَا یہ وعدہ ہے ہمارے ذمے یعنی وعدنا وعداً بے شک ہم کرنے والے ہیں وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ البتہ لکھا ہم نے زبور میں ذکر کے بعد بے شک زمین میں وارث ہوں گے اس زمین کے نیک بندے مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ توراۃ کے بعد جو زبور اتری ہم نے اس میں یہ مضمون لکھا اور زبور سے مطلقاً آسمانی کتابیں مراد لے لی جائیں تو ذکر سے مراد لوح محفوظ بھی لیا جا سکتا ہے کہ لوح محفوظ کے بعد ہم نے کتاب میں جو آسمان سے اتری یہ بات لکھی کہ زمین اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے اور اگر واقع کے لحاظ سے زبور کا مطالعہ کیا جائے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری ہے تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں ایک بہت لمبی نظم ہے کیونکہ زبور نظموں کی شکل میں تھی کہ جس میں بار بار اس مضمون کو دہرایا گیا کچھ نصیحتیں کی گئی ہیں اچھائی اختیار کرنے کیلئے اور برائی سے بچنے کیلئے اور پھر بار بار اس فقرے کو دہرایا گیا ہے کہ میری زمین کے وارث نیک لوگ ہوں گے، تو اگر اس مضمون کو دیکھ لیا جائے تو پھر ذکر سے نصیحت بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ہم نے وعظ و نصیحت کرنے کے بعد زبور میں یہ بات لکھی ہے کہ زمین اس کے وارث نیک بندے ہوں گے اور تدبر القرآن میں مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سارا مضمون زبور سے نقل کیا ہے اور اس زمین سے مراد ہے جنت کی زمین کیونکہ یہ زمین جس پر ہم بستے ہیں اس کے کافر بھی مالک بنتے ہیں اور غیر کافر بھی اور نیک بھی اور بد بھی اور یہ وراثت جو دائمی ہوگی یہ جنت کی زمین پر بات صادق آتی ہے اور خود قرآن کریم میں بھی جنت کے لئے ارض کا لفظ سورۃ زمر میں بھی استعمال ہوا ہے واورثنا الارض تو یہاں بھی جنت کی زمین مراد لی جائے گی۔

إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ: بے شک اس بات میں البتہ کافی مضمون ہے جو مقصد تک پہنچانے والا ہے بلاغ یعنی منادی ہے اعلان ہے عابد لوگوں کے لئے، یعنی اس میں کافی مضمون ہے عبادت گزاروں کی تسلی کیلئے ان کی بشارت کیلئے کہ زمین کے وارث یہی نیک لوگ ہوں گے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو کسی مقصد کے لئے مگر عالمین کے لئے رحمۃ کے واسطے رحمۃ یہ مفعول لہ ہے، اور نحو کے اندر قاعدہ ہے کہ مفعول لہ جس وقت بتقدیر لام منصوب ہو تو جس فعل کا وہ مفعول لہ ہے اس کا فاعل اور خود اس مفعول لہ کا فاعل ایک ہوتا ہے یعنی وہ جس کے لئے اس کو بطور علامت کے لایا گیا ہے جیسے ضربت زیداً تادیباً جیسے مارنا میرا فعل ہے

اسی طرح ادب سکھانا بھی میرا فعل ہے۔

اسی طرح سے یہاں ارسلنا یہ فعل معلل ہے اور رحمۃ مفعول لہ ہے لام مقدر ہے تو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس کا فعل ارسال ہے اس کا فعل ہی رحمۃ ہے۔

حضور ﷺ کو بھیج کر اللہ نے حق کو غالب فرمایا جہان والوں کو چاہیے کہ اس رحمت سے فائدہ اٹھائیں:۔

ہم نے آپ کو بھیجا تا کہ ہم جہانوں پر رحمت کریں یعنی آپ کو ہم نے اپنی رحمت کا ذریعہ بنا کر بھیجا ہے تو گویا کہ آپ اللہ کی رحمت کی نشانی ہوئے۔ اور اللہ کی رحمت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اور مبالغۃً کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ بذاتِ خود ہی مجسمۂ رحمت ہیں۔ یعنی اللہ کی رحمت۔ ہم نے جہانوں پر رحم کرنے کیلئے آپ کو بھیجا تا کہ ہم جہانوں پر رحم کریں۔ آپ کو بھیجنا ہماری رحمت ہے جہانوں کیلئے اور وہ کس طرح سے......؟ کہ کفر وشرک کے اندر دنیا مبتلا تھی حق بالکل مٹ چکا تھا اگر یہ دنیا اس طرح رہ جاتی تو سارے کے سارے لوگ جہنم میں جاتے۔ دنیا میں بھی عذاب کا نشانہ بنتے اور آخرت میں بھی۔ ہم نے آپ کو بھیج کر جہانوں پر رحم کیا ہے کہ آپ کو بھیج کر حق کو واضح کر دیا۔ اب جہان والوں کو چاہیے کہ اس رحمت سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ کی تعلیمات کو قبول کریں۔ اللہ کی رحمت سے مالا مال ہو جائیں۔ اور جو لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے حق کو معلوم کریں گے وہ دنیا میں بھی مرحوم ہوں گے اور آخرت میں بھی مرحوم ہوں گے۔ اور جو اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے! یہ سارے جہانوں کے لیے رحمت اس طرح سے ہوگی کہ اگر حق نمایاں نہ کیا جاتا تو باطل کی وجہ سے دنیا برباد ہو جاتی۔ جیسا کہ اب بھی حضور ﷺ کی تعلیمات جب تک باقی ہیں اور اس دنیا کے اندر حق کا نام ہے اللہ اللہ کہنے والے موجود ہیں اس وقت تک یہ دنیا قائم ہے جس دن یہ اہل حق ختم ہو جائیں گے اور کوئی اللہ کا صحیح نام لینے والا نہیں رہے گا اس وقت یہ ساری کی ساری دنیا توڑ پھوڑ دی جائے گی۔ تو اب بھی عالم کی بقاء گویا کہ حضور ﷺ کے صدقے ہے کہ آپ کی تعلیمات باقی ہیں تو یہ جہان باقی ہے۔ جب آپ کی تعلیمات ختم ہو جائیں گی اور حق مٹ جائے گا باطل غالب آ جائے گا کوئی صحیح طریقے سے اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا تو اس وقت یہ جہان فنا ہو جائے گا تو حضور ﷺ کا تشریف لانا اس طرح سے سارے جہانوں کیلئے رحمت بن گیا۔ اور آپ کہہ دیجئے اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے۔ اور یہی مضمون ہے وہ رحمت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے اس دنیا

میں تقسیم کروائی۔ جبکہ ہر طرف کفر و شرک ہو گیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کے سوا کچھ نہیں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو کیا تم فرمانبردار بننے والے ہو؟ فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر یہ لوگ پیٹھ پھیر جائیں تو آپ کہہ دیجئے میں نے تمہیں اطلاع دیدی برابر برابر۔ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اور نہیں جانتا میں کہ قریب ہے یا دور ہے وہ چیز جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔ یعنی نہ ماننے کی صورت میں جس عذاب کا تم وعدہ دیئے جا رہے ہو مجھے نہیں معلوم کہ وہ جلدی آنے والا ہے یا دیر سے آنے والا ہے لیکن آئے گا ضرور۔ بیشک وہ اللہ جانتا ہے ظاہری بات کو بھی اور اس کو بھی جس کو تم چھپاتے ہو۔ اور میں نہیں جانتا شاید کہ یہ تاخیر آزمائش ہو تمہارے لیے اور فائدہ پہچانا ہو ایک وقت تک۔ قال رسول نے کہا اے میرے رب فیصلہ کر دے حق کے ساتھ اور ہمارا رب رحمان ہے مدد طلب کیا ہوا ہے۔ اس بات پر جو تم بیان کرتے ہو۔ یعنی شرک کی باتیں بیان کرتے ہو۔ یا مسلمانوں کے متعلق تم کہتے ہو کہ عنقریب مٹ جائیں گے ان باتوں کے خلاف رحمان سے ہی استعانت کی ہوئی ہے۔ یعنی ہم اسی سے ہی مدد چاہتے ہیں ان باتوں کے خلاف جو تم بیان کرتے ہو۔

ماقبل رکوع سے ربط:۔

پیچھے مضمون آیا تھا کُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ اس مضمون پر اگر کافروں کو شبہ ہو کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں برس گزر گئے دنیا مرتی جارہی ہے کوئی واپس لوٹ کے تو کبھی آیا نہیں اور اس کو شبہ کا باعث بنالیں۔ اگلے الفاظ میں اس کا جواب ہے کہ جن کو ہم فنا کر چکے موت کے ساتھ یا عذاب کے ساتھ وہ اس دنیا کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے ممنوع ہے ان کے لوٹ آنے کا وقت قیامت کے پاس ہی ہو گا۔ جس کی علامات خاص خاص یہ ہوں گی یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے۔ اور اس قسم کے آثار پیدا ہو جائیں گے جب قیامت آئے گی تب یہ لوٹ کر آئیں گے۔ پھر تو اس کا تعلق اُس کے ساتھ ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے ساتھ لگا دیا جائے کہ نیکیاں کرنے والے جو مؤمن ہوں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ لیکن جن کا مقدر ہو گیا ہے ہلاک ہونا کہ یہ برباد ہوں گے۔ ان کی ضد اور عناد کی بناء پر اللہ کی طرف سے فیصلہ ہو گیا کہ ان کے حق میں کامیابی نہیں ہے یہ ہلاک ہونے والے ہیں یہ کبھی اس بات کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

ہلاک شدہ لوگ واپس نہیں آئیں گے، قیامت کی علامات:۔

اور حضور ﷺ کے لئے ان الفاظ پر تسلی ہوجائے گی کہ آپ کے سمجھانے پر اگر یہ سمجھتے نہیں ہیں، تو چھوڑیں ان کا ہلاک ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ یہ باز نہیں آئیں گے۔ اور پہلے مطلب کے لحاظ سے شبہ کا جواب ہے کہ کوئی کہے کہ لوگ واپس تو آئے نہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جن کو ہم ہلاک کر چکے وہ واپس نہیں آئیں گے یہ ممنوع ہے۔ اور ان کا واپس آنا قیامت کو ہوگا۔ جس کی بڑی بڑی علامات یہ ہیں جن کو آگے ذکر کیا جارہا ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ یاجوج ماجوج کا ذکر پہلے سورۃ کہف میں گزر چکا ہے۔

اور وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ کا معنی ہوگا حق کا وعدہ قریب آگیا ہوگا یعنی اس وقت جبکہ اس قسم کے حالات پیش آئیں گے یا اب بھی وہ قریب ہے۔ پس جس وقت وہ سچا وعدہ پیش آئے گا پس اچانک پھٹنے والی ہوں گی آنکھیں، ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا یعنی حیران ہو کے وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہوں گے اور یوں کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہماری بدبختی ہم تو اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم تو قصوروار ہی تھے کیونکہ غفلت میں تو تب ہوتے جب کسی نے متوجہ نہ کیا ہوتا۔ متنبہ نہ کیا ہوتا ہمیں تو بہت لوگوں نے متنبہ کیا لیکن ہم نہیں سمجھے۔

مشرکین اور ان کے معبودانِ باطلہ جہنم کا ایندھن ہیں:۔

اب انجام بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ مشرکین کا تم اور تمہارے معبود اللہ کے علاوہ جتنے بھی ہیں وہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے، باقی معبودوں کی فہرست میں انبیاء بھی ہیں فرشتے بھی ہیں اولیاء بھی ہیں ان کے لئے یہ وعید نہیں بلکہ وہ اس آیت کے تحت آجائیں گے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى وہ مستثنیٰ ہیں اور ان کے علاوہ باقی شیاطین یا اشجار احجار جن کی پوجا کرتے تھے وہ سارے کے سارے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور اصل کے اعتبار سے ان اشجار یا احجار کو سزا دینی مقصود نہیں ہوگی بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہوگا کہ مشرکین کے سامنے کہ یہ ہیں جن کے سامنے تم نے پیشانیاں رگڑیں آج یہ بھی اس مصیبت میں مبتلاء ہیں تمہیں کیا چھڑائیں گے......؟ بیشک تم اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس کے لیے وارد ہونے والے ہو اس وقت تمہیں ڈال کے اور تمہارے معبودین کو ڈال کر یہ کہا جائے گا کہ اگر یہ معبود ہوتے تو جہنم میں کیوں گرتے پھر سارے کے سارے

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور ان کے لیے اس میں چیخنا چلانا ہوگا۔ اور سنتے نہیں ہوں گے جس طرح سے شور برپا ہوجاتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تو کوئی ایک دوسرے کی آواز نہیں سنے گا، اس طرح سے چیخنے چلانے میں لگے ہوئے ہوں گے پھر یہ مفہوم ہوجائے گا یا وہی تقسیم کہ عابدین چیخ رہے ہوں گے اور معبودین سنے گے ہی نہیں کیونکہ ان میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں ہوگی۔

اچھے انجام والے انبیاء و مقبولین جہنم سے دور ہٹا دیئے جائیں گے:۔

اور جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے اچھا انجام سبقت لے گیا اس میں انبیاء آ گئے، اولیاء آ گئے، مقبولین آ گئے چاہے دنیا ان کو کچھ کہتی رہے اس کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے جن کیلئے ہماری طرف سے اچھا انجام سبقت لے گیا وہ اس جہنم سے دور ہٹائے جائیں گے، اس کی آہٹ بھی نہیں سنے گے اور اپنی دل کی چاہی ہوئی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے بڑی گھبراہٹ ان کو غم میں نہیں ڈالے گی۔ ساری مخلوق گھبرائے گی قیامت کے میدان میں جہنم کو دیکھ کے لیکن وہ گھبراہٹ ان کو غم میں نہیں ڈالے گی۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ اور ان کو کہیں گے یہی وہ دن ہے جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔

اللہ نے ہر چیز کا اعلان واضح واضح کر دیا ہے:۔

اور یہ واقعات کب پیش آئیں گے......؟ جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے جس طرح سے لکھے ہوئے مضمونوں کے کاغذ کو لپیٹ لیا جاتا ہے جیسے ہم نے پہلی مرتبہ ہر چیز کو پیدا کیا اسی طرح سے ہم دوبارہ لوٹائیں گے پھر یہ سچا وعدہ ہمارے ذمہ ہے ہم ہی اس کو کرنے والے ہیں، اگلی بات بھی آ گئی اس کی تفصیل پہلے کی جا چکی کہ زبور میں یہ بات لکھ دی گئی ذکر کے بعد کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ اس میں عابدین کو متوجہ کرنا مقصود ہے کہ یہ بشارت جو سنا دی گئی اس میں کافی مضمون ہے تمہارے لیے جو تمہیں مقصد تک پہنچانے والا ہے، یا اس مضمون میں اعلان ہے عابدین کیلئے کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کیلئے آگے بڑھیں۔ آگے حضور ﷺ کی حیثیت کو واضح کر دیا کہ ہم نے آپ کو جہانوں پر رحمت کرنے کیلئے بھیجا ہے اس کی تفصیل بھی ترجمہ میں ہو چکی۔ اپنی تعلیمات کا خلاصہ آپ ﷺ نے ان الفاظ میں نقل کیا کہ میری طرف یہی وحی

کی جارہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے کیا تم ماننے والے ہو......؟ اگر ماننے والے ہو تو فبہا یعنی بہت اچھا ہے اور اگر پیٹھ پھیریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو برابر برابر اعلان کر چکا اب ذمہ داری تم پر ہے میرے پر نہیں برابر برابر یعنی ہر کسی کے لیے کسی سے چھپایا نہیں کسی کو خاص طور پر بتایا نہیں بلکہ عام طور پر سب کے سامنے اعلان کر دیا۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ عذاب آتا کیوں نہیں کب آئے گا......؟

اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے:۔

یہ مجھے معلومات نہیں ہیں میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا دور جس کا تم وعدہ دیئے جا رہے ہو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے جو بات تم جہری طور پر کرتے ہو وہ بھی جانتا ہے اور جس کو چھپاتے ہو وہ بھی جانتا ہے جب تمہارے سارے اعمال اللہ کے سامنے ہیں تو اس پر اللہ محاسبہ کرے گا عذاب ضرور آئے گا اور میں نہیں جانتا کہ یہ تاخیر تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانا ہو۔ آگے نبی کی دعا نقل کی ہے جب بار بار سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھتے تو آخر اللہ کے رسول نے یہ دعا کی کہ اے اللہ فیصلہ کر دے ٹھیک ٹھیک اور ہمارا رب رحمان بھی مدد طلب کیا ہوا ہے۔ اس بات پر جو تم بیان کرتے ہو۔

سُورَةُ

الحج

مَدَنِيَّةٌ

ایاتها ۷۸ | ۲۲ سُورَةُ الحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳ | رکوعاتها ۱۰

سورۃ حج مدینہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھہتر (۷۸) آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ‌ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ ۞ ①

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے ①

يَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَتَضَعُ

جس دن تم اس زلزلے کو دیکھو گے تو غافل ہو جائیگی ہر دودھ پلانے والی عورت اس بچے سے جس کو وہ دودھ پلا رہی ہے

كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمۡ

اور گرا دے گی ہر حمل والی عورت اپنے حمل کو اور دیکھے گا تو لوگوں کو نشے کی حالت میں اور وہ

بِسُكٰرٰى وَلٰـكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيۡدٌ ۞ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ

نشے والے نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی سخت ہے ② اور لوگوں میں سے بعض وہ شخص ہے جو جھگڑتا ہے

فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيۡطٰنٍ مَّرِيۡدٍ ۞ ③ كُتِبَ عَلَيۡهِ

اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور پیروی کرتا ہے ہر سرکش شیطان کی ③ اس شیطان کے

اَنَّهٗ مَنۡ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهۡدِيۡهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ ۞ ④

ذمے لگا دیا گیا ہے کہ جو کوئی شخص اس سے دوستی لگائے گا پس بیشک وہ تو اسے بھٹکائے گا اور اسکی رہنمائی کریگا جہنم کے عذاب کی طرف ④

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ

اے لوگو! اگر تم تردد میں ہو بعث کی طرف سے بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

مٹی سے پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو پورا بنایا ہوا ہے

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا

اور جو پورا بنایا ہوا نہیں تاکہ ہم تمہارے سامنے اپنی قدرت کو واضح کریں اور ٹھہراتے ہیں ہم رحموں میں

نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ

جو چاہتے ہیں ایک وقت معین تک پھر ہم تمہیں نکالتے ہیں اس حال میں کہ تم بچے ہوتے ہو پھر ہم تمہیں مہلت دیتے ہیں

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا

تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ تم میں سے بعض وہ ہے جو وفات دیدیا جاتا ہے اور تم میں سے بعض وہ ہے جو لوٹا دیا جاتا ہے ردی عمر کی طرف

يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ

تاکہ نہ جانے وہ جاننے کے بعد کسی چیز کو اور دیکھتا ہے تو زمین کو خشک پڑی ہوئی پھر جب

اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ

ہم اس کے اوپر پانی اتارتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر پُر رونق قسم کو

بَهِيْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ

وہ اگاتی ہے ۝۵ اور یہ اس سبب سے ہے کہ بیشک اللہ وہ حق ہے اور بیشک وہ زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بیشک وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ

ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۝۶ اور یہ اس سبب سے ہے کہ بیشک قیامت آنیوالی ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

اور اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں ۝۷ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو اللہ کے بارے

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ
میں جھگڑتا ہے بغیر علم کے بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے ۝۸ اس حال میں کہ موڑنے والا ہے اپنے پہلو کو
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهٗ
تاکہ اللہ کے راستہ سے لوگوں کو بھٹکائے اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اس کو
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ
قیامت کے دن جلنے والی آگ کا عذاب ۝۹ یہ کہا جائے گا کہ یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے
وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰
اور یہ بات تو ہے ہی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہے ہی نہیں ۝۱۰

تفسیر

تعارف سورۃ اوراس میں بیان کردہ مضامین:۔

سورۃ الحج یہاں لکھا ہے مدنیہ اور واقع کے لحاظ سے اس میں بعض آیات مدنی ہیں اور بعض آیات مکی ہیں۔ اس کی ۷۸ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں۔

مضامین اس میں اس طرح کے بھی ہیں جس طرح کہ مکی سورتوں میں ہوتے ہیں یعنی اثبات توحید، اثبات رسالت، اثباتِ معاد، اور کفار کیلئے انذار جیسے پچھلی سورۃ کا اختتام بھی انذار کے مضمون پر تھا۔ تو اس کی ابتداء بھی انذار کے مضمون سے ہی ہے اور حج کے احکام بھی مذکور ہوں گے جہاد کرنے کی اجازت آئے گی تو جہاد کرنے کی اجازت جو آئے گی وہ یقیناً مدنی آیات ہیں کیونکہ مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے جہاد کی اجازت نہیں تھی۔

پہلی آیت میں اثبات معاد ہے اور انذار کا مضمون بھی ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو! اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب سے ڈرو بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اس زلزلے کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی عورت اس بچے سے جس کو وہ دودھ پلا رہی ہے۔ مُرْضِعَةٍ جس کے آخر میں ۃ ہے اس سے وہ عورت مراد ہوتی ہے جو دودھ پلا رہی ہو۔ اور اگر بغیر ۃ کے ہو اور مرضع تو وہ دودھ پلانے والی عورت اگرچہ اس وقت

پلا نہیں رہی یعنی ایسے وقت میں ہے کہ جس میں اس کا بچہ دودھ پیتا ہے۔ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ اور گرادے گی ہر حمل
والی عورت اپنے حمل کو اور دیکھے گا تو لوگوں کو نشے کی حالت میں اور وہ نشے والے نہیں ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب
ہی سخت ہے۔ وَ مِنَ النَّاسِ اور لوگوں میں سے بعض وہ شخص ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کے بارے میں یعنی اللہ کے
توحید کے مسئلہ میں جھگڑا کرتا ہے بغیر علم کے اور پیروی کرتا ہے ہر سرکش شیطان کی كُتِبَ عَلَيْهِ اس شیطان کے
ذمے لگا دیا گیا ہے۔ کہ جو کوئی شخص اس سے دوستی لگائے گا پس بیشک وہ تو اسے بھٹکائے گا اور اس کی رہنمائی کرے
گا جہنم کے عذاب کی طرف اے لوگو! اگر تم تردد میں ہو بعث کی طرف سے یعنی مرنے کے بعد اٹھانے کا جو تذکرہ
ہے اگر تم اس کی طرف سے تردد میں ہو تو تم اس بات میں غور کرو! بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے، پھر نطفہ سے،
پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو پورا بنایا ہوا ہے اور جو پورا بنایا ہوا نہیں تا کہ ہم تمہارے
سامنے اپنی قدرت کو واضح کریں اور ٹھہراتے ہیں ہم رحموں میں جو چاہتے ہیں، ایک وقت معین تک پھر ہم تمہیں
نکالتے ہیں اس حال میں کہ تم بچے ہوتے ہو، پھر ہم تمہیں مہلت دیتے ہیں تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ! تم میں سے
بعض وہ ہے جو وفات دیدیا جاتا ہے۔ اور تم میں سے بعض وہ ہے جو لوٹا دیا جاتا ہے ردی عمر کی طرف ردی عمر سے
بڑھاپے کی عمر مراد ہے، جس میں انسان کے اعضاء جواب دیدیتے ہیں۔ لِكَيْلَا يَعْلَمَ تا کہ نہ جانے وہ جاننے
کے بعد کسی چیز کو یہ لام، لام عاقبت کے طور پر ہے یعنی اس ردی عمر کی طرف لوٹانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جاننے کے
بعد پھر انسان انجان بن جاتا ہے۔ وَ تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً اور دیکھتا ہے تو زمین کو خشک پڑی ہوئی پھر جب ہم
اس کے اوپر پانی اتارتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی ہے اور پھولتی ہے اذا کے بعد ماضی آ گئی اس لیے اسکا ترجمہ
استقبال سے کر رہا ہوں۔ وَ أَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ اور ہر پر رونق قسم کو وہ اگاتی ہے زوج قسم کو کہتے ہیں اور
یہ اس سبب سے ہے کہ بیشک اللہ وہ حق ہے اور بیشک وہ زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بیشک وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے
اور یہ اس سبب سے ہے کہ بیشک قیامت آنیوالی ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور اس سبب سے ہے کہ اللہ
تعالیٰ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں گویا ان تصرفات کی تین علتیں بیان کر دیں۔ اور دو حکمتیں۔ اللہ تعالیٰ حق ہے
یہ ان کا ذاتی کمال ہے يُحْيِ الْمَوْتَىٰ یہ اس کا فعلی کمال ہے وَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ یہ اس کا صفتی کمال ہے۔
اور ان تصرفات کے بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ قیامت کی طرف رہنمائی ہو تو یہ نتیجہ سامنے آئے گا کہ قیامت

آنیوالی ہے اس کے آنے میں کوئی تردد نہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے اللہ کے احکام کے بارے میں، اللہ کی باتوں کے بارے، اللہ کی توحید کے بارے، بغیر علم کے، بغیر ہدایت کے، اور بغیر روشن کتاب کے، یہ تین لفظ آ گئے۔ پہلے علم سے مراد ہو جائے گا علم بدیہی جو انسان کو فطری دلیل سے حاصل ہوتا ہے جس میں کسب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور ھدیٰ جو استدلال عقلی دلیل سے حاصل ہوتا ہے اور کتاب منیر ہو جائے گا جو استدلال علمی دلیل سے حاصل ہوتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کے بارے میں یعنی اللہ کی باتوں میں، اللہ کے احکام میں، اللہ کی توحید میں، بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب منیر کے یہ لا جو بار بار آیا ہے یہ نفی کی تاکید ہے ان تینوں لفظوں میں فرق ترجمہ میں ہو چکا۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ: اس حال میں کہ موڑنے والا ہے وہ اپنے پہلو کو یعنی متکبر ہے کوئی اگر علم کی بات اسے بتاتا ہے۔ تو اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس کا ترجمہ کرتے ہوئے دو لفظ بڑھائے ہیں۔ کہ نہ کسی محقق کی پیروی اور تقلید کرتا ہے یعنی پیروی اور تقلید کرنے سے تکبر کرتا ہے یعنی یا تو خود عالم ہو کہ انسان خود دلیل لا سکے استدلال کر سکے یا پھر کسی دوسرے کے پیچھے لگے۔ خود علم بھی ہے نہیں! اور دوسرا کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو اس سے پہلو تہی کر جاتا ہے۔

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: مقصد اس کا یہ ہے کہ تاکہ اللہ کے راستہ سے لوگوں کو بھٹکائے لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن جلنے والی آگ کا عذاب ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ یہ کہا جائے گا کہ یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے۔ اور یہ بات تو ہے ہی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہے ہی نہیں۔

قیامت کے وقوع کے وقت لوگ حواس باختہ ہو جائیں گے:۔

پہلی آیت میں اسی انذار کا مضمون ہے آخرت کو ذکر کر کے کہ قیامت کا زلزلہ ایک ایسا زلزلہ ہو گا کہ جس میں دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور حاملہ عورتیں حمل گرا دیں گی۔ اور لوگ اس طرح سے

مدہوش نظر آئیں گے ان کے ہوش ٹھکانے نہیں ہوں گے کہ دیکھنے والا سمجھے گا کہ انہوں نے نشہ پیا ہوا ہے حالانکہ وہ نشے والے نہیں ہوں گے۔ عذاب کی شدت کی وجہ سے ان کے حواس باختہ ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ایک نقشہ بتایا۔ باقی یہ کہ دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گی یا حاملہ عورتیں اپنے حمل کو گرادیں گی یہ ایک تمثیل بھی ہوسکتی ہے کسی خوفناک حادثے کے بیان کرنے کیلئے کہ اتنا ہیبت ناک حادثہ ہوگا کہ اگر فرض کرو کوئی اس وقت دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو ان کو اپنے بچوں کا خیال نہیں رہے گا۔ اور اس وقت حاملہ عورتیں موجود ہوں تو ان کے حمل ساقط ہو جائیں، اس دہشت کے خوف سے اور اگر اس کو واقع پر محمول کیا جائے تو بھی اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ جس حال میں کوئی مرے گا اسی حال میں اٹھایا جائے گا، تو ایسے حال میں بھی عورتیں مرتی ہیں کہ دودھ پلا رہی ہوتی ہیں اور ایسے حال میں بھی عورتیں مرتی ہیں کہ حاملہ ہوتی ہیں تو جب وہ قیامت کا واقعہ سامنے آئے گا تو اس طرح سے دہشت طاری ہو جائے گی کہ عورتوں کو اپنے بچوں کا خیال نہیں رہے گا اور یہ واقعہ ہے کہ حاملہ عورت کے سامنے اگر کوئی بہت ہی دہشت ناک واقعہ پیش آجائے تو خوف کے ساتھ بسا اوقات حمل ساقط ہو جاتا ہے تو شدت بیان کرنا مقصود ہے اور واقعہ بھی ایسے ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔

قیامت کے دن لوگوں پر ہیبت طاری ہو جائے گی:۔

خاص طور پر حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ جہنم کا لشکر اپنی اولاد میں سے علیحدہ کر دے تو آدم علیہ السلام پوچھیں گے! کہ یارب من کم کم کتنوں میں سے کتنے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہزار میں سے نوسو ننانوے یعنی ایک آدمی جنت کیلئے اور نوسو ننانوے جہنم کیلئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسے ہی یہ اعلان ہوگا تو اس وقت بنی آدم اس طرح سے دہشت ناک ہو جائیں گے کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہیبت کی وجہ سے لوگوں کے سیاہ بال سفید ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے یارسول اللہ! اس ہزار میں ہم میں سے کون ایک ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بے فکر ہو جاؤ! میری امت کا حساب تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج سے بھی پورا کر دیں گے یعنی یاجوج ماجوج کی اتنی زیادہ تعداد ہے کہ ان میں سے نوسو ننانوے اور میری امت کا ایک۔ میری امت کا حساب تو اسی طرح سے پورا ہو جائے گا۔ اور پھر فرمایا کہ تمہاری تعداد تو لوگوں میں ایسی ہے جیسے سفید رنگ کا بیل ہو اور اس کے اندر ایک سیاہ بال ہو یا فرمایا کہ سیاہ رنگ کا

بیل ہو اور اس میں ایک سفید بال ہو تمہاری تعداد تو لوگوں میں ایسی ہے ① یعنی آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک جتنی مخلوق آئے گی ان میں کفار زیادہ ہیں اور مومن کم ہیں تو یہ وقت ہوگا جس وقت لوگوں پر ایک ہیبت طاری ہو جائے گی اور ایسے اور متعدد واقعات آئیں گے۔

وقوع قیامت کے وقت زلزلہ آئے گا تو لوگوں کے دماغ جواب دے جائیں گے:۔

اور فی الواقع زمین پر زلزلہ بھی آئے گا اذا زلزلت الارض زلزالھا جیسے قرآن میں ذکر کیا گیا یہ نفخہ اولیٰ کے وقت بھی ہو سکتا ہے اور بعد میں بھی ہو سکتا ہے اور یہ اس کی ایک ڈراؤنی صورت پیش کی ہے کہ اس طرح سے ہیبت ناک ہوگا کہ لوگوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ جس طرح سے نشہ پینے کے بعد لوگ......لڑکھڑاتے پھرتے ہیں اسی طرح سے جب بہت افسوسناک واقعہ پیش آ جائے تو بھی لوگوں کے دماغ ایسے ہو جاتے ہیں گویا کہ پاگل ہو گئے عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ تو دیکھنے میں ایسے نظر آئیں گے جیسے نشہ پیا ہوا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نشہ نہیں پیا ہوا ہوگا بلکہ عذاب سخت ہوگا جس کی بناء پر یہ سخت صورت حال پیش آ جائے گی۔

لوگ انجام کی نہیں سوچتے بغیر علم کے اللہ کے احکام میں جھگڑا کرتے ہیں:۔

اب انجام تو ایسا ہونے والا ہے......؟ بنی آدم کا، اس انجام کو سوچ کے اللہ سے ڈرنا چاہیے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کی اطاعت کی جائے، تاکہ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔ لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ بعضے بعضے لوگ ایسے ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے بارے میں اللہ کے احکام کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اور علم ہے نہیں اور ان کی اپنی طبیعت میں ایسی صلاحیت ہوتی ہے گمراہی کو قبول کرنے کی کہ کوئی نیک بات کہے تو اس کو وہ ماننے کو تیار نہیں۔

شیطان کو انسان پر بطور امتحان مسلط کیا گیا ہے:۔

لیکن ہر سرکش شیطان کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اور شیطان کا تو کام ہی یہی ہے کہ جو بھی اس سے تعلق پیدا کرے گا، وہ اس کو سیدھے راستہ سے بھٹکا دے گا تو جو اس سے دوستی لگائیں گے بھٹک جائیں گے۔ کُتِبَ علیہ

① مشکوٰۃ ص ۴۸۳ عن ابی سعید الخدریؓ/صحیح بخاری ج ۸ ص ۱۱۰ بیروت باب قولہ عزوجل ان زلزلۃ الساعۃ/صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۱ بیروت باب قولہ یقول اللہ لآدم/شعب الایمان ج ۱ ص ۵۵۳

اس پر یہ بات لکھ دی گئی ہے یعنی اس کی ڈیوٹی یہی ہے کیونکہ شیطان کو جو انسانوں پر مسلط کیا گیا تو امتحان ہی مقصود ہے، اس نے تو لوگوں کو گمراہ ہی کرنا ہے۔ اس پر لکھ دیا گیا کہ جو شخص بھی اس سے دوستی لگائے گا تو وہ اس کو بھٹکائے گا۔ اور اس کو عذاب سعیر کا راستہ دکھائے گا۔

امکان قیامت پر دلیل:۔

اب آگے دلیل دی جا رہی ہے، قیامت کے امکان پر کیونکہ مشرکین سمجھتے تھے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ جہاں بھی قیامت کا تذکرہ کرتے ہیں تو ساتھ اپنی قدرت کو واضح کر کے لوگوں کے سامنے یہ امکان پیش کرتے ہیں کہ جب میری قدرت ایسی ہے تو اس قدرت کے بعد تمہیں کیا شک ہے، اس بات میں کہ کیا اگر میں زندہ کرنا چاہوں گا تو زندہ نہیں کر پاؤں گا اے لوگو! اگر تم بعث سے تردد میں ہو یعنی تمہارا دل مطمئن نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا بھی ہے اور تمہارے دل میں یہ وسوسہ آتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے تو تم اس بات کی طرف غور کرو! تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کیسی کیسی ہے۔

انسان مٹی سے پیدا ہوا، مٹی سے غذا حاصل کی، مرنے کے بعد مٹی میں دفن کیا جائیگا:۔

بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے پہلی منزل انسان کی مٹی ہے، اس کو آپ دو طرح سے سمجھ سکتے ہیں۔ یا تو آدم علیہ السلام کو براہِ راست مٹی سے بنایا گیا اور آدم علیہ السلام ہمارا اصل تو جب وہ مٹی سے بنے تو آگے نسل چلی تو ابتداء تو مٹی سے ہی ہوئی۔ اور یا آج بھی ہم مٹی سے ہی بنتے ہیں۔ کیونکہ ہماری غذا زمین سے اخذ کی جاتی ہے زمین سے نباتات اگتی ہیں اس سے ہم غذا حاصل کرتے ہیں۔ تو مٹی تھے اللہ نے اس کو نباتات کی شکل میں تبدیل کیا بعد میں انسان کے پیٹ میں ڈالا اس کے بعد خون نطفہ سب کچھ بنتی چلی گئی۔ اور پیدا ہونے کے بعد بھی ہم یہی زمینی غذا کھاتے ہیں، جس کے ساتھ ہماری نشو و نما ہوتی چلی جاتی ہے، تو یہ وجود ہمارا جتنا بھی ہے سارا کا سارا ہماری اس غذا کا نتیجہ ہے جو ہم کھاتے ہیں، اور غذا مٹی سے حاصل ہوتی ہے تو مٹی سے اللہ نے ہماری یہ شکل بنائی اور مرنے کے بعد دوبارہ مٹی بنا دیا پھر اس کو دوبارہ ایسی شکل میں اٹھانا کیا مشکل ہے......؟ اس میں اگر تدبر کرو گے تو بات تمہیں اچھی طرح سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔

انسانی تخلیق کے مختلف مراتب:۔

ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پہلی منزل تمہاری مٹی سے دوسری منزل نطفہ ہے اور پھر اس کے بعد وہ جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر اس کے بعد گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے پھر کبھی اس کو پورا بنا دیا جاتا ہے کبھی ناقص رہنے دیا جاتا ہے یہ مفہوم بھی اس کا ہے، اور دوسرا یہ مفہوم بھی ہے کہ مضغہ بننے کے بعد کوئی تو مخلقہ ہوتا ہے کہ اس کے متعلق مقدر ہے کہ اس کو پورا بنا دیا جائے اور بعض غیر مخلقہ ہوتا ہے کہ لوتھڑے کی شکل بن جانے کے بعد اس کو ساقط کر دیا ہوتا ہے کہ لوتھڑے کی شکل بن جانے کے بعد اس کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ ساری باتیں جو تمہارے سامنے کی جارہی ہیں تم کو دکھائی جارہی ہیں، اس لیے تاکہ ہماری قدرت تمہارے سامنے واضح ہو جائے کہ ہم اس طرح سے ذرات کو اکٹھا کر کے دوبارہ بھی زندہ کرنے پر قادر ہیں۔

صلاحیتیں اور قوتیں سب اللہ کی طرف سے ہیں وہ جب چاہے واپس لے لے:۔

اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں جو چاہتے ہیں، جب تک چاہتے ہیں پھر تمہیں بچی بچے بنا کر نکالتے ہیں اور پھر تمہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ! اور تم میں سے بعض وہ ہیں جن کو بچپن میں یا جوانی میں موت آجاتی ہے اور بعضے وہ ہیں جو ردی عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ جانی ہوئی باتیں وہ بھی بھول جاتی ہیں، یہ علم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ملا تھا بچپن میں تھے تو کچھ نہیں جانتے تھے اور اس کے بعد اللہ نے تمہیں قوتیں دیں صلاحیتیں دیں تم نے علم بھی حاصل کیا۔ تو ایسا بھی واقعہ ہوتا ہے کہ جب ردی عمر کو پہنچ جاتے ہو تو جانا ہوا سب بھول جاتا ہے۔ تو یہ جو کہتے ہیں کہ علم ایک ایسی دولت ہے جو لازوال ہے، ایک دفعہ آجائے تو جاتی نہیں یہ بھی ایسے اکثر عادت کے اعتبار سے ہے ورنہ جس طرح سے باقی قوتیں صلاحیتیں اللہ کی دی ہوئیں جب چاہے وہ واپس لے لے۔ اسی طرح علم اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ایک انعام ہے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ آنے کے بعد یہ جاتا نہیں۔ آیا ہوا علم بھی چلا جاتا ہے۔ یہ تو دلیل پیش کی آپ کے نفسوں سے ہی کہ آپ اپنی خلقت میں اگر غور کریں! کہ تم پیدا کس طرح سے ہوئے ہو؟ تو تمہیں اللہ کی قدرت سمجھ میں آئے گی۔

مردہ زمین کو جیسے اللہ زندہ کرتا ہے اسی طرح مردہ انسان کو بھی اللہ زندہ کریگا:۔

دوسری مثال دیدی زمین کی۔ یہ باہر نظر اٹھا کر دیکھو! وہاں بھی اللہ کی قدرت اسی طرح سے ہی ہے۔ اور

یہ بھی ہمیشہ مثال احیاء ارض کی دی جاتی ہے اثبات بعث کیلئے، تاکہ دیکھو! اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کس طرح سے کرتا ہے؟ ھامدہ خشک پڑی ہوئی جس میں کوئی کسی قسم کے حیات کے آثار نہیں اور ہم اس کے اوپر پانی اتارتے ہیں تو حرکت میں آتی ہے پھولتی ہے اور ہر قسم کی پر رونق نباتات کو اگاتی ہے تو ویران زمین کو جو کہ میتہ کے حکم میں ہے اس کو پھر اللہ تعالیٰ اس طرح سے زندہ کر دیتے ہیں اور یہ سب کچھ اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل الذات ہے۔ کامل الافعال ہے کامل الصفات ہے اور یہ سارا اس لیے کیا جا رہا ہے کہ قیامت ایک دن آئے گی اور آنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہر قسم کا فیصلہ فرمائیں گے۔ ہر کسی سے محاسبہ ہوگا۔

چاروں طرف قدرت کے دلائل موجود ہیں جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں:۔

آگے پھر شکوہ ہے اسی قسم کے ضدی انسان کا کہ باتیں تو بالکل واضح ہیں، اللہ کی قدرت کے دلائل دونوں طرح سے ہی ہیں، زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کے جھانکو۔ تمہارا بدن تمہیں بتاتا ہے کہ اللہ کس طرح سے قادر ہے......؟ اور ذرا نظر اُٹھاؤ تو چاروں طرف اللہ کی قدرت کے دلائل جو اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں، وہ سارے کے سارے واضح طور پر بکھرے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ بعضے لوگ بے علم بے عقل بے ہدایت ہیں، کہ پھر بھی وہ جھگڑے ڈال رہے ہیں اور مقصد ان کا صرف بھٹکانا ہوتا ہے، نہ خود ان کو ذاتی طور پر علم ہے نہ دوسرا سمجھائے تو سمجھتے ہیں۔ تکبر کے طور پر پہلو تہی کرنے والے ہیں، اس کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو جلنے والی آگ کا مزہ چکھائیں گے اور اس وقت پھر کہا جائے گا کہ یہ عذاب اسی سبب سے ہے، جو تیرے ہاتھوں نے اعمال آگے بھیجے تھے اور یہ بات تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ

اورلوگوں میں سے بعض وہ ہے جوعبادت کرتا ہے اللہ کی کنارے پر اگر اسے بھلائی پہنچ گئی تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے

خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ

بھلائی کے ساتھ اور اگر اسے کوئی آزمائش پہنچ گئی تو لوٹ جاتا ہے اپنے چہرے کے بل

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

اس شخص نے دنیا اور آخرت میں خسارہ پایا یہ بہت واضح خسارہ ہے ﴿۱۱﴾

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ

پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو کہ نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ اس کو نفع پہنچا سکتی ہے

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ ۚ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ

یہ بہت دور کی گمراہی ہے ﴿۱۲﴾ پکارتا ہے یہ شخص اس شخص کو کہ جس کا نقصان زیادہ قریب ہے

اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اس کے نفع سے البتہ بُرا مولا ہے اور بُرا ساتھی ہے ﴿۱۳﴾ بے شک اللہ تعالیٰ

يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ایسے باغات میں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ

کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں بے شک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے ﴿۱۴﴾ جو شخص یہ گمان کرتا ہے

اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى

کہ اللہ تعالیٰ ہرگز اس کی مدد نہیں کرے گا دنیا اور آخرت میں چاہیے کہ وہ پھیلا لے ایک رسی آسمان کی طرف

السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

پھر اس کو چاہیے کہ قطع کر دے پھر دیکھے یہ شخص کیا اس کی تدبیر لے جائے گی اس چیز کو جو اس کو غصہ میں ڈالتی ہے ﴿۱۵﴾

وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّرِيۡدُ ﴿۱۶﴾

اور ایسے ہی اتارا ہم نے کتاب کو اس حال میں کہ واضح آیات ہیں اور یہ بات تو ہے ہی کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ﴿۱۶﴾

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِـِٕيۡنَ وَالنَّصٰرٰى

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور صابی لوگ اور نصاری

وَالۡمَجُوۡسَ وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ

اور مجوسی اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا بیشک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کردے گا

يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ

قیامت کے دن بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿۱۷﴾ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ بے شک

اللّٰهَ يَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ

اللہ، سجدہ کرتی ہے اس کو ہر وہ چیز جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج

وَالۡقَمَرُ وَالنُّجُوۡمُ وَالۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيۡرٌ

چاند، ستارے اور پہاڑ شجر، دواب اور لوگوں میں سے بھی بہت سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں

مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيۡرٌ حَقَّ عَلَيۡهِ الۡعَذَابُ ؕ وَمَنۡ يُّهِنِ اللّٰهُ

اور بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ ان پر عذاب ثابت ہوگیا اور وہ شخص جس کو اللہ

فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّكۡرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ ۩ ﴿۱۸﴾ هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ

ذلیل کردے اس کو کوئی عزت دلانے والا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے ﴿۱۸﴾ یہ دو فریق ہیں جنہوں نے

اخۡتَصَمُوۡا فِىۡ رَبِّهِمۡ ۖ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ

جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کاٹے جائیں گے ان کے لئے کپڑے

نَارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ
آگ کے ڈالا جائے گا ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ﴿۱۹﴾ جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اس گرم پانی کے ذریعہ سے پگھلا دیا جائے گا
بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا
اور ان کی جلدوں کو پگھلا دیا جائیگا ﴿۲۰﴾ ان کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے ﴿۲۱﴾ جب کبھی ارادہ کریں گے
اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ
اس آگ سے نکلنے کا گھٹن کی وجہ سے تو ان کو پھر اسی میں لوٹا دیا جائے گا کہا جائے گا کہ چکھو
الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جلنے کا عذاب ﴿۲۲﴾ بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو کہ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ
باغات میں جاری ہوں گیں ان کے نیچے نہریں ان کو جنت میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے
ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ
اور موتی اور ان کا لباس اس جنت میں ریشم ہوگا ﴿۲۳﴾ وہ لوگ ہدایت دیئے گئے پاکیزہ
مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾
بات کی طرف اور رہنمائی کئے گئے حمید کے راستے کی طرف ﴿۲۴﴾

تفسیر

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ: حرف کنارے کو کہتے ہیں لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ کی کنارے پر اگر اسے بھلائی پہنچ گئی تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے بھلائی کے ساتھ اور اگر اسے کوئی آزمائش پہنچ گئی تو لوٹ جاتا ہے، اپنے چہرے کے بل اس شخص نے دنیا اور آخرت میں خسارہ پایا۔ یہ بہت واضح خسارہ ہے پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو کہ نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ اس کو نفع پہنچا سکتی ہے یہ بہت دور کی

گمراہی ہے پکارتا ہے یہ شخص اس شخص کو یا اسی چیز کو کہ جس کا نقصان زیادہ قریب ہے، اس کے نفع سے البتہ بُرا مولا ہے اور بُرا ساتھی ہے بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں جنات میں بھی ایسے باغات میں کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز اس کی مدد نہیں کرے گا دنیا اور آخرت میں، چاہیے کہ وہ پھلا لے ایک رسی آسمان کی طرف پھر اس کو چاہیے کہ قطع کر دے یقطع کا مفعول یہاں محذوف ہے الوحی قطع کر دے وحی کو اور آپ جانتے ہیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا اور جب ہو نہیں سکتا تو اللہ کی نصرت شامل حال رہے گی۔ پھر دیکھے یہ شخص کہ کیا اس کی تدبیر لے جائے گی۔ اس چیز کو جو اس کو غصہ میں ڈالتی ہے......؟ یعنی الہ کی نصرت جس کو دیکھ دیکھ کر اس کو غصہ آ رہا ہے تو یہ دیکھ لے کہ اس تدبیر کے ساتھ وہ چیز ختم ہو جائے گی یعنی نہیں ختم ہوگی۔ چاہیے کہ دیکھے یہ شخص کہ کیا لے گئی اس کی تدبیر اس چیز کو جو اس کو غصہ چڑھاتی ہے اور دوسرا یوں بھی ترجمہ کیا گیا کہ فلیقطع سے وحی کا قطع کرنا مراد نہیں بلکہ اس سے مراد اپنا گلہ کاٹنا اور اپنے آپ کو پھانسی دینا اور سماء سے آسمان مراد نہیں لیا گیا بلکہ اس سے چھت مراد ہے۔ تو پھر یہ ویسے محاورہ ہے کہ جس طرح سے ہم کسی کو کہیں کوئی آدمی کسی بات پر چڑے ہم کہتے ہیں کہ بھائی یہ تو ایسے ہو کے رہے گا تو جا کے پھانسی لے لے یعنی تو چاہے لٹک ہی جائے تو بھی یہ چیز نہیں ہوگی۔ ایسا ہو کر رہے گا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا دنیا اور آخرت میں اسے چاہیے کہ چھت کی طرف ایک رسی تان لے اور پھر اپنے گلے کو کاٹ لے اپنے آپ کو پھانسی دیدے پھر دیکھے! کیا اس کی تدبیر اس چیز کو لے جائے گی جو اسے غصہ چڑھا رہی ہے یعنی تم اگر الٹے بھی لٹک جاؤ تو بھی یہ کام ہو کر رہے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ: اور ایسے ہی اتارا ہم نے کتاب (قرآن) کو اس حال میں کہ واضح آیات ہیں اور یہ بات تو ہے ہی کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور صابی لوگ، ''صابی'' یہ ستارہ پرست تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے اس لیے فقہ میں آپ پڑھیں گے کہ صابی اہل کتاب میں شامل ہیں یا نہیں......؟ اس میں اختلاف ہے کتاب النکاح کے اندر یہ مسئلہ آتا ہے کہ اہل کتاب کی لڑکیوں سے نکاح جو درست ہے تو کیا صابیوں کی لڑکیوں سے نکاح درست ہے یا نہیں......؟ تو وہاں کچھ اختلاف نقل کیا جاتا ہے کہ بعض لوگ ان کو اہل کتاب میں

شامل کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے عراق میں یہ لوگ رہا کرتے تھے پھر انہوں نے ستارہ پرستی شروع کر دی پہلے ہوسکتا ہے کہ کسی نبی کی طرف منسوب ہوں وَ النَّصٰرٰی وَ الْمَجُوْسَ نصاریٰ عیسائی ہوگئے اور مجوسی آگ پرست ہوگئے ان کا پیشوا زردشت گزرا ہے جس کے حالات معلوم نہیں۔ اور جن شخصیات کے حالات معلوم نہ ہوں ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ ہم احتیاط یہ کریں گے کہ بُرا نہیں کہیں گے، کیونکہ بعد والی جوان کی امتیں ہیں، ان کی طرف دیکھ کے ہم کسی کی شخصیت نہیں متعین کر سکتے ان کا معاملہ ہم اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ والذین اشرکوا اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا۔ ان الذین امنوا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے یہ تو ایک فریق ہوگیا اور بعد والے سارے ایک فریق ہیں۔ اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ ① ان کے مختلف طبقات کی طرف اشارہ کر دیا ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی ہیں، مجوسی بھی ہیں، صابی بھی ہیں اور مشرک بھی ہیں، یہ مختلف طبقے ہیں لوگوں کے یہ دو اس طرح سے تقسیم ہوگئے کہ آگے آئے گا خصمان کا ذکر ان کو دو جھگڑنے والے قرار دیا جائے گا۔ معلوم ہوگیا یہ دو فریق ہیں دو فریق اسی طرح سے بنتے ہیں کہ مؤمنین کا گروہ علیحدہ ہے اور باقی کافر فرقے جتنے بھی ہیں وہ سارے کے سارے علیحدہ ہوگئے الکفر ملة واحدة

اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ: بے شک اللہ فیصلہ کرے گا قیامت کے دن ان کے درمیان۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے کیا تو نے دیکھا نہیں کہ بیشک اللہ، سجدہ کرتی ہے اس کو ہر وہ چیز جو آسمان میں اور جو زمین میں ہے اور سورج، چاند، ستارے اور پہاڑ شجر، دواب یہ عام کے بعد خاص کا ذکر آگیا اور لوگوں میں سے بھی بہت سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ ان پر عذاب ثابت ہوگیا یہاں سجدہ کرنا مراد ہے اپنی اپنی شان کے لائق اللہ کے سامنے اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کہ ہر چیز اپنی اپنی شان کے لائق اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی ہے جیسی اس میں صلاحیت ہے جس کے وہ لائق اور قابل ہے اور انسانوں کے لائق چونکہ اختیاری سجدہ ہے کہ اللہ کے سامنے جھکیں اور پیشانی رکھیں۔ تو اس لیے کہا کہ بہت سارے انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سارے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا۔ یہ تکوینی طور پر اگرچہ سارے انسان مطیع ہیں لیکن اختیاری سجدہ جو انسان کی شان کے لائق ہے وہ بہت سارے کرتے ہیں بہت سارے نہیں کرتے۔ وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ اور جو شخص

① مؤطا امام مالک روایۃ محمد بن الحسن الشیبانی / مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ ج ۵ ص ۲۰۲۲ / تحفۃ الاحوذی ج ۶ ص ۲۴۲

جس کو اللہ ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دلانے والا نہیں۔یعنی نیکی سے محروم کر کے سجدہ کی توفیق اس کو نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے یہ دو فریق ہیں جنہوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کاٹے جائیں گے ان کے لیے کپڑے آگ کے مطلب یہ ہے کہ جیسے کپڑا آپ کے بدن کو گھیرے ہوئے ہیں، اسی طرح سے ان کے بدنوں کو آگ لپٹی ہوئی ہوگی۔ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ ڈالا جائے گا۔ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے، اس گرم پانی کے ذریعہ سے پگھلا دیا جائے گا اور ان کی جلدوں کو پگھلا دیا جائے گا۔ان کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے جب کبھی ارادہ کریں گے اس آگ سے نکلنے کا گھٹن کی وجہ سے تو ان کو پھر اسی میں لوٹا دیا جائے گا۔یعنی جیسے ایک آدمی تنگ ہوتا ہے پریشانی کے ساتھ نکل کر بھاگتا ہے دروازوں کی طرف تو دھکے دے کر پیچھے ہٹا دیں گے اور کہا جائے گا یہاں بھی قیل کا لفظ محذوف ہے کہا جائے گا کہ چکھو جلنے کا عذاب۔ بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو کہ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں باغات میں، جاری ہوں گیں ان کے نیچے سے نہریں ان کو جنت میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی یعنی موتیوں کے ہار اور ان کا لباس اس جنت میں ریشم ہوگا۔ وہ لوگ ہدایت دیئے گئے پاکیزہ بات کی طرف۔ پاکیزہ بات سے یا تو دنیا میں کلمہ مراد ہے یا آخرت میں پاکیزہ کلمات ان کی زبان پر جو جاری ہوں گے وہ مراد ہے۔ جیسے الحمدللّٰہ الذی ھدانا وغیرہ پاکیزہ بات کی طرف رہنمائی کیے گئے اور حمید کے راستہ کی طرف وہ رہنمائی کیے گئے حمید کہتے ہیں جس کی تعریف کی گئی ہو۔

ماقبل رکوع سے ربط:۔

پچھلے رکوع میں مجادلین کا ذکر آیا تھا جو بغیر علم کے، بغیر ہدایت کے بغیر کتاب منیر کے اللہ کے معاملے میں جھگڑا کرتے ہیں یہ تو تھے اجہل قسم کے لوگ اور پکے کالے کافر۔

منافقین اللہ کی عبادت کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں:۔

اور یہ دوسرے مرحلہ پر ذکر کیا جا رہا ہے منافقین کا، اللہ کی عبادت کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں یہ ایسے ہے جس طرح سے کہیں جہاد اور لڑائی جاری ہو اور ایک شخص کنارے پر کھڑا ہے وہ دیکھتا ہے کہ اگر تو اپنی جماعت کی فتح محسوس کرے گا تو برقرار رہے گا شکست محسوس کرے گا تو بھاگ جائے گا۔اس قسم کے آدمیوں کو کہتے

ہیں کہ یہ کنارے پر کھڑا ہے۔ یعنی یہ وہ گروہ تھا جس وقت اسلام کی طاقت ابھری تو وہ متردد ہو گئے۔ کہ فائدہ ادھر ہے یا ادھر اگر وہ ادھر کو فائدہ محسوس کرتے مسلمانوں کی طرف تو ادھر کو ہو جاتے اور اگر کسی وقت وہ کافروں کی طرف فائدہ محسوس کرتے تو اُدھر کو ہو جاتے ان کو قرار نہیں تھا، فائدہ اٹھانے کے حق میں تھے وہ، اور کوئی کسی قسم کی مشقت اٹھانے کے حق میں نہیں تھے، نہ یہ کفر کے حق میں مخلص اور نہ یہ اسلام کے حق میں مخلص۔

منافقین کیلئے دنیاوآخرت دونوں میں خسارہ ہے:۔

عقلمند آدمی کا کام یہ ہوا کرتا ہے کہ جو نظریہ اختیار کر لے پھر اس کے اوپر پکا رہے چاہے نفع ہو یا نقصان پھر اس میں کوئی آزمائش آئے اس کو برداشت کرے، راحت آئے تو شکر ادا کرے، اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ جس طرح سے صحابہ کرام ﷡ تھے بلکہ صحابہ سے پہلے انبیاء ﷩ کے واقعات ہیں اللہ کے سپرد ہو جانے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ پھولوں کی سیج پر لٹادے تو اس کی مہربانی اور اگر آزمائش کے طور پر سر پہ آرا چلا دے تو اس کی ایک آزمائش ہے جیسے بھی واقعات پیش آئیں گے برداشت کرنے پڑیں گے لیکن یہ مترددین کا گروہ ایسا تھا جو اپنے مفاد کو دیکھتا تھا کنارے پر کھڑے ہیں، ادھر کو مفاد محسوس کرتے ہیں تو ادھر کو ہو جاتے ہیں اُدھر کو مفاد محسوس کرتے ہیں تو اُدھر کو ہو جاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو خیر پہنچ جائے پھر تو مطمئن ہو جاتے ہیں خیر کی وجہ سے، اور اگر ان کو کوئی آزمائش پہنچ جائے تو منہ اٹھا کے بھاگ جاتے ہیں ایسا شخص دنیا وآخرت میں خسارے کے اندر ہے۔ اور اسی قسم کے لوگ ویسے بھی دنیا کی نظر میں ذلیل ہو جاتے ہیں، تو یہ دنیا کا خسارہ ہے اور آخرت میں تو اللہ تعالیٰ نے خبر دے ہی دی کہ یہ لوگ جہنم کے نچلے طبقے میں جائیں گے۔

بدترین قسم کا نفاق:۔

اور پھر کتنے افسوس کی بات ہے کہ اللہ کی طرف سے آزمائش آئی تو وہاں سے تو بھاگا اور مبتلا ہو گیا جا کر شرک میں تو اللہ کو چھوڑ کے ایسی چیزوں کو پکارنے لگ گیا جو نہ اس کے نفع کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ نقصان کا۔ اس لیے اس کو ضلال بعید قرار دیا کہ یہ بہت دور بھٹک گیا۔ اور یہ ایسی چیزوں کو پکارنے لگ گیا جس کا نقصان اقرب ہے بایں معنی کہ یہ نقصان پہنچنے کا سبب بن سکتے ہیں بمقابلہ نفع کے کہ نفع کا محض وہم ہی وہم ہے، مشرک کو اس شرک کی وجہ سے نقصان تو پہنچے گا باقی وہ جو نفع کی توقع لیے بیٹھا ہے تو یہ وہم ہے تو ضرر اقرب ہے نفع کے مقابلے میں۔ تو یہ

مولا بھی بُرا جس کو انہوں نے اختیار کیا اور کارساز سمجھا تو وہ بھی بُرا اور اسکو اپنا رفیق بنایا تو وہ بھی بُرا۔ تو یہ مذمت ہوگئی ان لوگوں کی جو کہ دلی طور پر مطمئن نہیں ہیں اسلامی نظریے پر۔ اپنا مفاد دیکھتے ہیں منہ ایک طرف کو کیا ہوا ہے اور ہاتھ دوسری طرف کو بڑھایا ہوا ہے یعنی ہر وقت اپنے مفاد کو سامنے رکھتا ہے اور یہی بدترین قسم کا نفاق ہوتا ہے کہ انسان کسی نظریے پر پکا نہ ہو بس اپنی مطلب پرستی میں ہر وقت لگا رہے حضور ﷺ نے اس لیے منافق کی مثال دی ہے شہوتی بکری کے ساتھ یعنی وہ بکری جس کی شہوت ابھری ہوئی ہو کبھی بکرے کی تلاش میں اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے کبھی اُس کی طرف دوڑتی ہے ① یہی حال ان منافقین کا ہوتا ہے کہ ان کو تو مفاد چاہیے چاہے کسی حالت میں بھی ہو۔ آگے مخلصین کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلصین کو کیسی جزا دیں گے؟ بیشک اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے باغات میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں بیشک اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

حضور ﷺ کی نصرت کا تذکرہ:۔

اگلی آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضور ﷺ کی نصرت کا ذکر ہے کہ مشرکین اگر اس بات پر چڑتے ہیں کہ ان کو نصرت کیوں حاصل ہوتی ہے......؟ تو یہ نصرت کو روکنے کے لئے اگر کوئی تدبیر کر سکتے ہیں تو کرلیں یعنی یہ نہیں کر سکتے بلکہ جب تک اللہ کی وحی آتی رہے گی یہ نبی ہیں تو اللہ کی نصرت بھی رہے گی اگر تمہارے اختیار میں ہے تو جاؤ آسمان پر چڑھو! اور وحی کا سلسلہ منقطع کرآؤ اور پھر دیکھو! تمہاری کوئی تدبیر اس چیز کو ختم کردے گی۔ جو تمہیں غصہ چڑھا رہی ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے بس کی بات نہیں اللہ کی نصرت ان کے ساتھ شامل رہے گی۔ تم اپنے غصے میں مرتے ہو تو مرتے رہو۔ اور ایسے ہی ہم نے اس قرآن کو واضح آیات کے طور پر اتارا۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

مؤمنین اور کافروں کا تذکرہ:۔

آگے انہی دو گروہوں کا ذکر آ گیا ایک مؤمنین کا اور ایک کافروں کا۔ کافروں کے گروہ کے اندر یہ پانچ ذکر کردیئے گئے۔ یہودی، نصرانی، صابی، مجوسی، مشرک کیونکہ اسلام کے مقابلے میں سب ایک ہی ہیں دنیا کے اندر

① عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل المنافق كالشاةِ العائرةِ بين الغنمين تعير الى هذه مرة والى هذه مرة (مشکوٰۃ ص ۱۷/ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۰ کتاب صفات المنافقین/ مسند احمد ج ۹ ص ۹۹

دلیل کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا۔ لیکن اگر دلیل کے ساتھ یہ لوگ نہیں مانتے تو قیامت کے دن عملی فیصلہ ہو جائے گا۔ عملی فیصلہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین مخلصین کو اچھی حالت میں کر دے گا۔ جنت میں چلے جائیں گے۔ اور یہ سارے کے سارے جہنم میں چلے جائیں گے۔ تو عملاً فیصلہ ہو جائے گا کہ یہ ٹھیک ہیں یا غلط۔ ورنہ دلیل کے ساتھ فیصلہ تو دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ آگے پھر انسان کو کچھ تدبر تفکر کی طرف متوجہ کیا کہ کائنات کی چیزوں میں غور کرو۔ جو کچھ ہے سب اللہ کے حکم کے تابع ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ نباتات ہوں پتھر ہوں اگر چہ یہ اپنی زبان میں اللہ کی تسبیح تحمید کرتے ہوئے ہمیں محسوس نہیں ہوتے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح ہم اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے کہ کھانا بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہا ہے ① تو یہ انکشاف جو بعض واقعات میں ہوتا ہے یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ چیزیں بھی کسی درجے میں حیاۃ اور شعور رکھتی ہیں جس کی بناء پر وہ اللہ کی حمد وثناء کرتی ہیں۔

اصل اعزاز اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے:۔

اور آگے فرمادیا کہ اللہ کی اطاعت کرنا یہی عزت ہے، یہی انسان کیلئے اعزاز ہے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اس عزت سے محروم کر دے، اور اللہ اسے بے قدر اور ذلیل کر دے تو کوئی اس کو عزت دلانے والا نہیں، اور اللہ جو چاہے کرتا ہے، اس لیے اللہ کی عبادت کر کے انسان کو محسوس کرنا چاہیے کہ اس میں عزت ہے ایک اللہ کے سامنے جھکنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری کائنات سے جان چھوٹتی ہے اور جو لوگ اللہ کے سامنے نہیں جھکتے تو ان کو ساری کائنات کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت توحید کے رنگ میں جتنی عزت انسان کو دلاتی ہے دنیا کی کوئی چیز اتنی عزت نہیں دلاتی اور جو اس سے محروم ہو گیا وہ ذلیل ہو گیا۔

اللہ کے احکام میں جھگڑا کرنے والوں کی سزا:۔

اور یہ دونوں گروہ جن کا ذکر آیا یہ اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، تو ان کے انجام کی اگلی آیات میں تفصیل ہے کافروں کے لئے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا۔

① ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل صحیح بخاری ج۱ ص۵۰۵ عن ابن مسعودؓ مشکوٰۃ ص۵۳۸، باب فی المعجزات/ مسند ابن ابی شیبہ ج۷ ص۲۴۷/ مصنف ابن ابی شیبہ ج۶ ص۳۱۶/ مسند احمد ج۷ ص۱۴۰/ سنن الدارمی ج۱ ص۱۷۶/ مسند البزار ج۴ ص۳۰۱/ مسند ابی یعلی ج۹ ص۲۵۳/ شرح مشکل الآثار ج۹ ص۵/ المعجم الاوسط ج۴ ص۳۸۴

اس پانی کے ذریعہ سے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہوگا، اس کو گرادیا جائے گا چمڑوں کو جلادیا جائے گا اور لوہے کی گرزوں کے ساتھ ان کو پیٹا جائے گا، جب کبھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا اس گھٹن کی وجہ سے تو اسی آگ میں ان کو لوٹا دیا جائے گا۔ اور یہ کہا جائے گا کہ جلنے والی آگ کا مزہ چکھو......!

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کیلئے انعامات:۔

اور آگے دوسرے فریق کی جزا آ گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اور ان کو جنہوں نے نیک عمل کیے داخل کرے گا باغات میں کہ جن کے نیچے سے نہریں چل رہی ہوں گیں۔ پہنائے جائیں گے ان کو کنگن سونے سے اور موتی اور ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ اس زمانہ میں عیاش قسم کے لوگوں کا حلیہ اور ہیئت ایسی ہی ہوتی تھی جو یہاں ذکر کی جارہی ہے اور انسان کو وہی چیز سمجھائی جاسکتی ہے جو کچھ نہ کچھ وہ جانتا ہے باقی جنت کے ریشم کی دنیا کے ریشم سے کوئی نسبت نہیں اور جنت کی نعمتوں کی دنیا کی نعمتوں سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر ایسے لفظ بول دیئے جاتے جن کو آپ جانتے پہچانتے نہیں تو سمجھنا آپ کے لئے مشکل ہو جاتا۔ تو لباس اچھے سے اچھا اس وقت یہی سمجھا جاتا تھا جیسے ریشم کا ہوتا ہے اور زینت اچھی سے اچھی یہی سمجھی جاتی تھی کہ سونے کے زیور ہوں موتیوں کے ہار ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہی الفاظ کے ساتھ آپ کو سمجھایا۔ حاصل یہی ہے کہ جنت میں انتہائی درجے کی راحت آرائش زیبائش ہوگی جتنا آپ سوچ سکتے ہیں، اس سے بھی زائد۔ رہنمائی کی گئی ان کی پاکیزہ بات کی طرف یا تو جنت میں پاکیزہ بات ان کی زبان پر جاری ہوگی ہر وقت اللہ کی حمد، شکر پڑھتے رہیں گے اور یہ اللہ کے راستہ کی طرف ہدایت دیدیئے گئے۔ دنیا میں ان کو سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق ہوئی اور آخرت میں بھی یہ جنت میں پہنچے یا دنیا میں تو ان کو اچھی بات کی توفیق ہوگئی یعنی کلمہ نصیب ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف یہ چلا دیئے گئے۔ جس کے نتیجہ میں یہ آخرت میں جنت کے اندر پہنچ گئے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور مسجد حرام سے روکتے ہیں ایسی مسجد حرام جس کو ہم نے لوگوں کے لئے بنایا ہے

الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ

اس حال میں کہ باہر سے آنیوالا اور وہاں رہنے والا برابر ہے اس مسجد میں اور جو شخص ارادہ کرے اس مسجد احرام میں

بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ

الحاد کا اس حال میں کہ وہ شخص ظلم سے متلبس ہو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب ﴿۲۵﴾ قابل ذکر ہے وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو ٹھہرایا

الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ

بیت اللہ کی جگہ یہ حکم دیتے ہوئے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور پاک صاف رکھ میرے گھر کو طواف کرنیوالوں کیلئے

وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ

اور نماز پڑھنے والوں کے لئے ﴿۲۶﴾ اور اعلان کردے لوگوں میں حج کا آئیں گے لوگ تیرے پاس

رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾

پیدل چلتے ہوئے اور ہر لاغر اونٹنی پر آئیں گی وہ اونٹنیاں ہر دور کے پہاڑی راستہ سے ﴿۲۷﴾

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ

تاکہ وہ لوگ حاضر ہوجائیں اپنے منافع کو اور یاد کریں اللہ کا نام چند معلوم دنوں میں

عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا

مخصوص مویشیوں پر جو اللہ نے انہیں دیئے ہیں پھر کھاؤ ان مویشیوں سے اور کھلاؤ سختی

الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ

میں پڑنے والے محتاج کو ﴿۲۸﴾ پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنی میل کچیل دور کریں اور چاہیے کہ اپنی نذریں پوری کریں

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ

اور چاہیے کہ طواف کریں بیت عتیق کا ﴿۲۹﴾ یہ بات تو ہو چکی اور جو کوئی تعظیم کرے گا اللہ کی حرمتوں کی

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى

پس وہ اس کے لئے بہتر ہے اس کے رب کے نزدیک اور حلال کردیئے گئے تمہارے لئے

عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ

خاص چوپائے مگر جو پڑھے جاتے ہیں تم پر بچو تم پلیدی سے اور بچو تم

الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

جھوٹی بات سے ﴿۳۰﴾ اس حال میں کہ اللہ کیلئے مخلص ہونے والے ہو اس حال میں کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ

والے نہیں اور جو کوئی شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گر گیا پھر پرندے اس کو اچکتے ہیں

مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ

یا گرا دیتی ہے اس کو ہوا کسی دور کی جگہ میں ﴿۳۱﴾ یہ بات بھی ہو چکی اور جو کوئی تعظیم کرتا ہے اللہ کے شعائر کی پس بیشک

تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

یہ دل کے ڈرنے کیوجہ سے ہے ﴿۳۲﴾ تمہارے لئے ان حیوانات میں منافع ہیں ایک اجل معین تک پھر

مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

ان کے حلال ہونے کی جگہ بیت عتیق کی طرف ہے ﴿۳۳﴾

تفسیر

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور مسجد حرام سے روکتے ہیں ایسی مسجد حرام جس کو ہم نے لوگوں کیلئے بنایا اس حال میں کہ باہر سے

آنیوالا اور وہاں رہنے والا برابر ہے اس مسجد میں۔ ''عاکف'' وہاں کا باشندہ اور ''بادی'' باہر سے آنے والا۔ یعنی عاکف اور بادی کو اس مسجد میں برابر عبادت کرنے کا حق ہے۔ ومن یرد فیہ اور جو کوئی شخص ارادہ کرے اس مسجد حرام میں الحاد کا ''الحاد'' کجروی اختیار کرنا ''بظلم'' اس حال میں کہ وہ شخص ظلم سے متلبس ہو۔ ظلم کا مصداق شرک بھی ہوسکتا ہے اور ظلم عام بھی ہوسکتا ہے۔ نذقہ ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب۔

شروع میں جو اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا میں اِنَّ ہے اس کی خبر مذکور نہیں ہے، تو اس کی خبر آپ یوں محذوف نکال سکتے ہیں کہ وَالۡبَادِ کے بعد یُعَذَّبُوۡنَ کا لفظ محذوف نکال لیجئے!۔ مابعد والا جملہ اسکے اوپر دال ہے جو ایسے لوگ ہیں وہ عذاب دیئے جائیں گے ایسے ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں اور اگلا جملہ اس پر دلالت ہوگا کہ جو بھی ظلم کرتا ہوگا اس میں کوئی کجروی کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب دیں گے اس طرح سے بات پوری ہوجائے گی۔ تو مسجد حرام سے خاص وہی حصہ مراد نہیں جو نماز پڑھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ اس سے اشارہ سارے حرم کی طرف ہے۔ ان احکام میں سارا حرم ایک ہی ہے۔

وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِیۡمَ: قابل ذکر ہے وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو ٹھہرایا بیت اللہ کی جگہ یہ حکم دیتے ہوئے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اور پاک صاف رکھ میرے گھر کو۔ عربی میں تو امر کا صیغہ ایک ہی طرح آتا ہے اور اس کے مفہوم دونوں ہوتے ہیں ایجاد فعل یا ابقائے فعل جیسے بیٹھے ہوئے آدمی کو ہم کہتے ہیں قم یہ ایجاد فعل ہے۔ اور ایک آدمی کھڑا ہوتا ہے اور ہم اسے کہتے ہیں قم کھڑا رہ یہ ابقائے فعل ہے، اردو میں ہمارے ہاں ''رکھنا'' کا لفظ جو ہم ساتھ بولتے ہیں، یہ اس فعل کو باقی رکھنے کا مفہوم ہے اگر طَهِّرۡ کا ترجمہ یوں کریں کہ میرے گھر کو پاک کر تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا کہ وہ پہلے پاک نہیں تھا اب اسے پاک کرو، اور ایک ہے ترجمہ میرے گھر کو پاک رکھو جس کا مطلب یہ ہوا جیسے پہلے پاک ہے آئندہ بھی اس کو آلودہ نہ ہونے دینا تو یہاں یہ وہی ابقائے فعل والی بات ہے اس لیے ترجمہ میں یونہی کر رہا ہوں پاک صاف رکھو میرے گھر کو یعنی جیسے یہ ابتک پاک صاف ہے اس میں کوئی نجاست نہیں آئی۔ ایسے ہی اس کو پاک صاف رکھو طواف کرنے والوں کیلئے اور نماز پڑھنے والوں کیلئے۔ اور اعلان کردے لوگوں میں حج کا آئیں گے لوگ تیرے پاس پیدل چلتے ہوئے اور ہر لاغر اونٹنی پر جو کہ آئیں گی وہ اونٹنیاں ہر دور کے پہاڑی راستہ سے۔ ''فج'' ایسا راستہ جس میں چلنے کی وجہ سے گہرائی پیدا ہوجائے۔ جس سے یہ اشارہ نکلتا

ہے کہ آمد ورفت اس میں کثرت سے ہوگی دور دور سے لوگ آئیں گے اور ان کے چلنے کی وجہ سے ان راستوں کے اندر گہرائی پیدا ہو جائے گی۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ: تا کہ وہ لوگ حاضر ہو جائیں اپنے منافع کو اپنے منافع پر پہنچ جائیں یعنی اپنی منفعت کی جگہ اور یاد کریں اللہ کا نام چند معلوم دنوں میں مخصوص مویشی پر جو اللہ نے انہیں دیئے ہیں۔ پھر کھاؤ ان مویشیوں سے اور کھلاؤ سختی میں پڑنے والے محتاج کو۔

حج میں ساری کی ساری عاشقانہ حرکات ہیں:۔

پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنی میل کچیل دور کریں اور چاہیے کہ اپنی نذریں پوری کریں۔ میل کچیل کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے حج میں آپ پڑھتے ہیں کہ قربانی کرنے کے بعد پھر انسان سر منڈاتا ہے نہاتا ہے احرام کھولتا ہے، سلے ہوئے کپڑے پہنتا ہے، جس وقت تک احرام باقی ہے اس وقت تک انسان بال نہیں منڈواتا۔ اور اسی طرح سے صابن کے ساتھ نہاتا نہیں، میل نہیں نکالتا، تو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد پھر صفائی کی جاتی ہے اور یہی مقصود ہے کہ حج میں انسان فقیرانہ جائے، اور اس کی حالت دیکھ کے معلوم ہو جیسے کوئی عاشق کسی کی تلاش میں حیران پھر رہا ہے۔ یہ عاشقانہ حرکات ہیں ساری کی ساری جو حج میں کی جاتی ہیں تو چاہیے کہ دور کریں اپنی میل کچیل کو اور چاہیے کہ پوری کریں اپنی نذریں اگر کوئی نذر مانی ہوئی ہے، تو وہ پوری کریں یا نذر سے مطلقاً واجبات مراد ہیں جو احکام ذمے لگے ہوئے ہیں وَلْيَطَّوَّفُوْا اور چاہیے کہ طواف کریں بیت عتیق کا ''عتیق'' پرانا۔ کیونکہ بیت اللہ یہی قدیم گھر ہے پرانا گھر ہے اللہ کا، یہ بات تو ہو چکی اور جو کوئی تعظیم کرے گا اللہ کی حرمتوں کی یعنی قابل احترام چیزوں کی پس وہ اس کیلئے بہتر ہے اس کے رب کے نزدیک اور حلال کر دیئے گئے تمہارے لیے خاص چوپائے مگر جو پڑھے جاتے ہیں تم پر۔ ان کی تفصیل سورۃ مائدہ میں ہو چکی۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ: بچو تم پلیدی سے یعنی بتوں سے اور بچو تم جھوٹی بات سے اس حال میں کہ اللہ کیلئے مخلص ہونے والے ہو اس حال میں کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے نہیں۔ اور جو کوئی شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گر گیا پھر پرندے اس کو اچکتے ہیں یا گرادیتی ہے اس کو ہوا کسی دور کی جگہ میں، یہ بات بھی ہو چکی اور جو کوئی تعظیم کرتا ہے اللہ کے شعائر کی پس بیشک یہ دل کے ڈرنے کی وجہ سے

ہے۔یعنی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرنا یہ تقویٰ کی علامت ہے تمہارے لیے ان حیوانات میں منافع ہیں ایک اجل معین تک پھران کے حلال ہونے کی جگہ بیت عتیق کی طرف ہے۔یعنی پھران کو بیت عتیق کی طرف لے جا کر ہی حلال کرنا چاہیے۔

ماقبل رکوع سے ربط:۔

پیچھے دوگروہوں کا آپس میں جھگڑنے کا ذکر تھا جس میں ایک گروہ تو مؤمنین کا تھا اور دوسرا گروہ کفار کا۔ کفار میں پانچ طبقے ذکر کیے گئے تھے۔یہودی، صابی، نصرانی، مجوسی، اور مشرکین۔

مشرکین مکہ بیت اللہ میں خالصتاً اللہ کی عبادت سے منع کرتے ہیں:۔

اب خصوصیت کے ساتھ ایک جھگڑا جو مشرکین کے ساتھ تھا اس کو ذکر کر کے مشرکین کی مذمت کرتے ہیں وہ جھگڑا یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعمیر کروائی۔ یہ بیت اللہ کی جگہ پہلے سے متعین تھی لیکن یہ طوفان نوح میں اور اس طرح سے مختلف حوادثات میں مٹی میں دب گئی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو نمایاں کیا......نمایاں کرنے کے بعد یہاں اپنا گھر بنوایا۔اعلان کروایا لوگوں کو کہ آئیں اور اس کا حج کریں، اور اللہ نے فرمایا جب تم اعلان کرو گے تو اللہ تعالیٰ یہ آواز ہر جگہ پہنچادے گا تو لوگ سنیں گے اور سننے کے بعد بھاگے ہوئے آئیں گے، پیدل بھی آئیں گے، سوار ہو کر بھی آئیں گے، اور اتنے دور دور سے آئیں گے کہ سفر کرتے ہوئے ان کی سواریاں بھی لاغر ہو جائیں گیں۔اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ کثرت سے آئیں گے، بہت دور دراز علاقے سے آئیں گے، پیدل بھی آئیں گے، سواریوں پر بھی آئیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اس گھر کو طواف کرنے والوں کیلئے اور نماز پڑھنے والوں کیلئے صاف ستھرا رکھنا ہے اور اس کو سب لوگوں کے لئے عام قرار دیا تھا۔اب یہ مشرکین مکہ جو ہیں یہ اپنے آپ کو کہتے تو ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وارث لیکن اس وراثت میں انہوں نے اتنی گڑ بڑ کر رکھی ہے کہ جن مقاصد کے لیے بیت اللہ کو بنایا گیا تھا وہ سب انہوں نے ختم کر دیئے۔ بیت اللہ تو اس لیے بنایا گیا تھا کہ اس میں آ کر لوگ عبادت کریں۔ جہاں سے چاہیں آئیں اور یہ روکتے ہیں کسی کو آنے نہیں دیتے خاص طور پر اھل اسلام کے لئے تو انہوں نے پابندی لگا رکھی تھی جو وہاں رہتے تھے ان کو بھی مار مار کے بھگا دیا۔اور باہر سے جو آنا چاہتے تھے تو ان کو آنے نہیں دیتے تھے جیسے حدیبیہ کے مقام میں

حضور ﷺ اور صحابہ ؓ کو روک لیا گیا تھا۔

مشرکین مکہ بیت اللہ کے نا اہل وارث:۔

اب آگے ان کی مذمت ہے۔ کہ یہ نا اہل وارث ہیں، اب یہ وراثت ان سے چھن جانی چاہیے کیونکہ انہوں نے ان حقوق کی رعایت نہیں رکھی۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اس بیت اللہ کے لیے متعین کیے گئے تھے یہ ملحد ہیں، بے دین ہیں، شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے بے دینی اختیار کیے ہوئے ہیں، اس کو اس رکوع میں بیان کیا گیا اور جو احکام تھے ان کو بھی اللہ نے بیان کیا ہے، بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور مسجد حرام سے روکتے ہیں مراد سارا حرم ہے۔

بیت اللہ میں عبادت سے روکنے والے ظالم ہیں:۔

حالانکہ اس کا تو مقام یہ ہے کہ اس میں باہر سے آنیوالے، وہاں کے رہنے والے سب برابر کا حق رکھتے ہیں، جو چاہے اس میں آ کر عبادت کر سکتا ہے، تو وہاں سے ان کو روکنے کا حق کس طرح سے حاصل ہو جائے گا......؟ اور جو بھی اس مسجد حرام میں کسی بے دینی کا ارادہ کرے، تو ہم اس کو سخت عذاب دیں گے، تو یہ روکنے والے بھی ظالم ہیں یہ بھی عذاب دیئے جائیں گے، اس لیے خبر یُعَذَّبُوْنَ نکال لی جائے گی یا خبریوں نکال لیں کہ ایسا کرنے والے ظالم ہیں، انہوں نے بیت اللہ کے حقوق تلف کر دیئے اور لوگوں کو بھی ان کے حق عبادت سے محروم کر دیا۔ اور جب یہ ظالم ٹھہرے تو جو بھی ظالم ہوگا ہم اس کو عذاب الیم دیں گے۔ تو دونوں طرح سے مفہوم ہو گیا۔ آگے بیت اللہ کی اس تاریخ کی طرف اشارہ ہے جس میں اس کا مقام واضح ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اسی وجہ سے اپنے آپ کو بیت اللہ کا متولی قرار دیئے ہوئے تھے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ بیت اللہ جو تعمیر کروایا تھا اللہ تعالیٰ نے تو کن مقاصد کیلئے تعمیر کروایا تھا اور تم نے وہ مقاصد کس طرح سے ضائع کر دیئے......!

بیت اللہ میں نہ ظاہری نجاست ہو اور نہ ہی باطنی نجاست ہو:۔

ہم نے ٹھہرایا ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی جگہ پر یہ کہتے ہوئے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا اور مشرکین مکہ اسی کی مخالفت کیے بیٹھے ہیں اور بیت اللہ کو صاف ستھرا رکھنا ہے یعنی اس میں کوئی کفر و شرک کی حرکت نہ

ہونے پائے، ظاہری نجاست بھی اس میں کوئی نہ آئے، اور معنوی نجاست بھی نہ ہو، طواف کرنے والوں کے لئے قیام کرنے والوں کیلئے رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہ حج کا اعلان کرو:۔

اور یہ اعلان کروایا تھا لوگوں میں کہ آؤ اللہ کے گھر کا حج کرو! چنانچہ جس وقت یہ حکم آیا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کے، یہ پہاڑ متصل ہے حرم شریف کے اور بہت اونچا ہے یعنی اب بھی جو مسجد حرام بنی ہوئی ہے اور اس کے منارے ان سے بھی زیادہ بلندی ہے اس کی اور اس کے اوپر جو مسجد بنی ہوئی ہے جس کو لوگ مسجد بلال کہتے ہیں، حالانکہ وہ مسجد بلال نہیں بلکہ مسجد ہلال ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاند دیکھا کرتے تھے، اس لیے اس کو مسجد ہلال کہتے ہیں اس کے اوپر بہت زیادہ آبادی تھی اب کہتے ہیں کہ شاہ فیصل نے آبادی ہٹالی اور اپنا محل بنالیا ہے۔

اللہ کی طرف سے جب یہ حکم آیا کہ لوگوں کو حج کا اعلان کرو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پہاڑ پر چڑھ گئے اور اعلان کیا اے لوگو! اللہ کا گھر بن گیا ہے اور اس کے حج کیلئے آؤ تو روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آواز ہر جگہ پہنچادی اور اس زمانہ میں یہ چیز لوگوں کیلئے باعث تعجب ہوگی۔ ایک جگہ بولے آدمی اور ساری دنیا میں آواز کیسے گونج جائے......؟

جدید ایجادات نے بہت سارے حقائق نمایاں کردیئے ہیں:۔

لیکن آج کل کوئی تعجب نہیں ہے امریکا میں ایک آدمی بیٹھ کے بات کرتا ہے اور ہم یہاں بیٹھ کر سنتے ہیں تو جیسے ان اسباب ظاہرہ کے ساتھ ایک جگہ کی بات دنیا کے ہر کونے میں پہنچادی گئی تو اسی طرح سے محض اللہ کی قدرت کے ساتھ بغیر اسباب کے جو کام ہوا کرتے ہیں اس کو معجزہ کہتے ہیں، اب اتنی بات تو ہوگئی کہ واقعی ایک جگہ کی آواز ساری دنیا میں پہنچ سکتی ہے، کسی نے اس ذریعہ سے پہنچادی کسی نے روحانی قوت کے ساتھ اللہ کے اعجاز کے ساتھ پہنچادی بہر حال امکان ثابت ہوگیا۔ اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی مکہ معظمہ میں بولے اور ساری دنیا آواز سن لے؟ یہ آج کل کی جو ایجادات ہیں انہوں نے بہت سارے حقائق نمایاں کردیئے ہیں جیسے ٹیلی ویژن نے آکر کیا کچھ ہمارے سامنے نمایاں کردیا کہ واقعہ ایک جگہ پیش آتا ہے دوسری جگہ ویسے دیکھ لیا جاتا ہے، تو

اب اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں منبر پر کھڑے ہو کے ایک جنگ کا نقشہ دیکھ لیا جس جنگ میں حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ امیر تھے اور یہاں کھڑے ہوئے انہی ہدایات دیں یَا سَارِیَ الْجَبَل ① تو یہ ہدایات دیں اور وہاں تک آواز پہنچ گئی۔ اب یہ دیکھنا آنکھوں کا فعل ہو گیا۔ اور زبان کے ساتھ بول کر آواز بھی پہنچا دی دونوں باتیں ہو گئیں۔ اور وہاں انہوں نے سن بھی لیا اور بعد میں انہوں نے آ کر بتایا کہ ایسی آواز آئی تھی تب ہم نے پہاڑ کا خیال کیا پہاڑ کی طرف پشت کر کے پھر حملہ کیا تو اللہ نے کامیابی دیدی۔ گویا کہ یہ جنگ کے میدان میں ہدایات دیدیں۔ اب یہ ریڈیو ٹیلی ویژن کے بعد اس میں کیا اشکال ہے؟ اگر یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی عقل اور فہم کے ساتھ کچھ ترتیب ایسی دیدیتے ہیں سائنسی طور پر کہ ہوا کی لہروں پر قبضہ کر لیا اور وہاں کی تصویر یہاں بھیج دی ہوا کے ذریعہ سے۔ تو یہی ہوا اس وقت بھی موجود تھی۔ اور اگر اللہ نے اس کے ذریعہ سب کچھ نمایاں کر دیا تو کوئی بڑی بات نہیں معراج سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تھے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ مشرکین نے پوچھنا شروع کر دیا۔ اچھا اگر آپ بیت المقدس گئے تھے؟ تو فلاں چیز بتاؤ کیسی ہے؟ فلاں چیز بتاؤ کیسی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے وہ چیزیں ضبط نہیں کی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی تکلیف ہوئی اتنی تکلیف ہوئی کہ اتنی تکلیف پہلے نہیں ہوئی تھی کیونکہ اگر اب میں نہیں بتاؤں گا تو یہ مجھے جھٹلائیں گے کہ کہتا ہے میں بیت المقدس سے ہو کر آیا ہوں اور فلاں چیز کا اس کو پتہ نہیں ہے، تو فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس روشن کر دیا نمایاں کر دیا۔ جو پوچھتے تھے میں دیکھ دیکھ کے بتاتا گیا ② اب بیت المقدس وہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ایک مہینے کی مسافت پر ہے تقریباً مدینہ منورہ سے تو اب دور پڑی ہوئی چیز کو سامنے نمایاں کر دینا یقیناً موجودہ ایجادات نے اس کو آسان کر دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز اللہ نے دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دی:۔

اسی طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگر پہاڑ پر کھڑے ہو کر اعلان کیا تو انہی ہوا کی لہروں سے اللہ تعالیٰ نے یہ آواز دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دی۔ جہاں جہاں انسان بستے تھے بلکہ یہاں تک بھی روایات سے

① مشکوٰۃ ص ۵۴۶، ج ۲۔ مکتبہ امدادیہ
② فجلّی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۸/ مشکوٰۃ ص ۵۳۰ عن جابرؓ/ ترمذی ج ۵ ص ۱۵۲ مطبوعہ بیروت/ السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱۰ ص ۱۴۶/ صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۲۵۲/ شرح السنۃ للبغوی ج ۱۳ ص ۳۵۳/ معجم ابن عساکر ج ۱ ص ۵۲۶)

معلوم ہوتا ہے کہ عالم ارواح میں بھی یہ آواز پہنچی۔تو روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آواز کو سننے کے بعد جنہوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی ان کو حج نصیب نہیں ہوا۔اور جنہوں نے آواز کو سنا اور لبیک لبیک پکار اٹھے تو ان کو اللہ نے حج کی توفیق دیدی ① تو یہ اذن فی الناس کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔تو وہاں کھڑے ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا اور ہر جگہ آواز پہنچ گئی۔

بیت اللہ کی کشش مقناطیسی:۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بیت اللہ میں ایسی کشش رکھ دی گئی یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے صدقے کہ لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کردے،اور وہ ایسے مائل ہوئے کہ کہاں کہاں سے دُنیا بھاگی آرہی ہے۔اسلام کے آنے سے قبل بھی بھاگے آتے تھے اسلام کے آنے کے بعد بھی یہ کشش اتنی پیدا کردی،آئیں گے تیرے پاس پیدل بھی اور ہر قسم کی لاغر سواری پر بھی جو آئیں گی دور دراز راستوں سے تا کہ حاضر ہو جائیں وہ اپنے منافع پر۔وہاں دینی دنیوی دونوں قسم کے منافع حاصل کریں اور چند مخصوص دنوں میں اللہ کا نام ذکر کریں۔اُن مخصوص چوپایوں پر جو اللہ نے انہیں دیئے ہیں یہاں بھی مشرکانہ ایک رسم کی تردید ہوگئی کہ مشرک بھی وہاں قربانی کرتے تھے لیکن بتوں کے نام پر جیسا کہ تفصیل سورۃ انعام میں گزر چکی ہے۔

احکام حج:۔

لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام پر قربانی لی قربانی لینے کے بعد اسی کے ساتھ آپ کی دعوت کردی خود بھی کھائیں اور محتاج مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلائیں،قربانی کرنے کے بعد پھر اپنی میل کچیل دور کرلیں جیسے سر منڈایا جاتا ہے،ناخن کاٹے جاتے ہیں،صفائی کی جاتی ہے اور اس کے بعد پھر کپڑے پہن کے پھر طواف زیارت کیا جاتا ہے۔تو وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ یہ طواف زیارت کی طرف اشارہ ہے یہ باتیں ہوچکیں۔

جانوروں کی تحلیل وتحریم کے بارے میں شرک کا ارتکاب نہ کرو:۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف جتنی بھی قابل احترام چیزیں منسوب ہیں سب کی تعظیم کرنی

① مصنف عبدالرزاق ج۵ص۹۵باب بنیان الکعبۃ

چاہیے جو ان کی تعظیم کرے گا یہ اس کے لیے بہتر ہے، اور چوپائے یہ مخصوص چوپائے سوائے اس کے جن کو تمہیں پڑھ کے سنا دیا گیا، یہ چوپائے حلال کر دیئے گئے۔ لہٰذا ان کو بتوں کی طرف منسوب کر کے حرام ٹھہرانا یہ ایک نجاست اور پلیدی ہے جس کو تم اپنے اوپر مسلط کر لیتے ہو۔ اس قسم کی پلیدی سے بچو! جانوروں کی تحلیل وتحریم کے بارے میں شرک کا ارتکاب نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیز کو حرام ٹھہرانا، حرام ٹھہرائی ہوئی چیز کو حلال ٹھہرانا یہ سب شرک ہے۔ اور وہ بتوں کے نام پر کرتے تھے۔ تو یہاں خاص طور پر اسی پلیدی کا ذکر ہے۔ جو کہ تحلیل وتحریم کے سلسلے میں وہ کرتے تھے مخلص ہو جاؤ اللہ کیلئے اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔

شرک کی مذمت اور مشرک کی بدحالی:۔

آگے شرک کی مذمت اور مشرک کی بدحالی ہے کہ توحید کا مقام ایک بہت باعظمت اور باعزت مقام ہے جو اللہ نے انسان کو دیا اور جو شخص شرک کرتا ہے وہ ایسے ہے جیسے اس عزت کی بلندی سے گرتا ہے پھر چاہے اس کو جانور نوچ کر کھا جائیں، چاہے کوئی ہوا اس کو لے جا کر کسی گہرے گڑھے میں گرا دے۔ طبعی موت مر جائے یا مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا جائے۔ بہر حال آگے ذلت ہی ذلت ہے۔ عزت کے مقام سے انسان گر جاتا ہے جو شرک میں مبتلا ہو گیا آگے وہی مشرک کی بدحالی ذکر کرنی مقصود ہے۔ جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے گویا کہ وہ گر گیا آسمان سے پھر اس کو اُچک لیتے ہیں پرندے یا گرا دیتی ہے اس کو ہوا دور جگہ میں۔ یہ بات بھی ہو چکی اور جو شخص بھی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ تعظیم کرنا دل کے تقویٰ کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

ہدی کے جانور صرف حرم میں ذبح ہو سکتے ہیں:۔

اور تمہارے لیے ان جانوروں میں منافع ہیں اجل مسمیٰ تک۔ اس کی وضاحت بھی ہو چکی۔ یعنی ان جانوروں سے فائدہ اٹھاؤ جس وقت تک ان کو باقاعدہ ''ہدی'' نہ بنا لیا جائے۔ جب ان کی ہدی بنا لی اور تعیین کر لی کہ ہم نے اس کو قربان کرنا ہے تو پھر اس کی اون سے دودھ سے سواری سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ ہاں البتہ ذبحہ ہونے کے بعد پھر اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تو ایک وقت تک ان میں منافع ہیں پھر ان کا حلال ہونا ہے بیت العتیق کی طرف جا کر ان کے حلال ہونے کی جگہ ہے، جس میں اشارہ ہو گیا کہ ''ھدی'' کے جانور حرم کے اندر جا کر ذبح ہو سکتے ہیں۔ حرم سے باہر نہیں ذبح ہونے چاہئیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

ہر امت کیلئے ہم نے قربانی کرنا متعین کیا تاکہ اللہ کا نام ذکر کریں ان مخصوص چوپائیوں پر

مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ

جو اللہ نے انہیں دیئے ہیں پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے لئے فرمانبردار ہوجاؤ

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

اور خوشخبری دیدیجئے ان کو جو تکبر نہیں کرتے ﴿۳۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں

وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا

اور وہ صبر کرنے والے ہیں ہر اس تکلیف پر جو انہیں پہنچے اور وہ نماز کو قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۳۵﴾ اور ہدی کے اونٹ ہم نے ان کو اللہ کے شعائر میں سے بنایا

لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ

تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے پس اللہ کا نام ذکر کیا کرو ان ہدی کے اونٹوں پر اس حال میں کہ وہ قطاریں باندھنے والے ہوں

جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ

اور جب وہ ہدی کے جانور اپنے پہلو پر گر پڑیں تو پھر خود بھی اس میں سے کھایا کرو اور قناعت کرنیوالے اور سوال کیلئے سامنے آنیوالے کو بھی کھلاؤ

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا

ہم نے ایسے ہی ان اونٹوں کو تمہارے لئے مطیع کردیا تاکہ تم شکر گزار ہوجاؤ ﴿۳۶﴾ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو ان قربانیوں

وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

کے گوشت اور نہ ان کے خون لیکن پہنچتا ہے اس اللہ کو تمہاری طرف سے تقویٰ ایسے ہی تابع کردیا ہم نے ان کو تمہارے لئے

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر جو اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور محسنین کو بشارت دے دیجئے ﴿۳۷﴾

تفسیر

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا: منسک قربانی کرنے کو بھی کہتے ہیں اور مطلقاً عبادت کرنے کیلئے بھی آتا ہے اور خاص طور پر احکام حج کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اور یہاں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے قربانی کرنے کے ساتھ۔ ہر امت کیلئے ہم نے قربانی کرنا متعین کیا تا کہ اللہ کا نام ذکر کریں ان مخصوص چوپائیوں پر جو اللہ نے انہیں دیئے ہیں۔

پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کیلئے فرمانبردار ہو جاؤ۔ خوشخبری دید یجئے ان کو جو تکبر نہیں کرتے۔ آگے مخبتین کی صفات ہیں "مخبتین" وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ اور وہ صبر کرنے والے ہیں ہر اس تکلیف پر جو انہیں پہنچے اور وہ نماز کو قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور ہدی کے اونٹ ہم نے ان کو اللہ کے شعائر میں سے بنایا تمہارے لیے یعنی اللہ کے دین کی خصوصی علامات میں سے بنایا۔ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ تمہارے ان میں بھلائی ہے۔ پس اللہ کا نام ذکر کیا کرو۔ ان ھدی کے اونٹوں پر اس حال میں کہ وہ قطاریں باندھنے والے ہوں۔ اور جب وہ "ھدی" کے جانور اپنے پہلو پر گر پڑیں۔ تو پھر خود بھی اس میں سے کھایا کرو اور قناعت کرنے والے یعنی صبر سے بیٹھنے والے کو اور سوال کیلئے سامنے آنیوالے کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے ایسے ہی ان اونٹوں کو تمہارے لیے مطیع کر دیا تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو ان قربانیوں کے گوشت اور نہ ان کے خون لیکن پہنچتا ہے اس اللہ کو تمہاری طرف سے تقویٰ، ایسے ہی تابع کر دیا ہم نے ان کو تمہارے لیے تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ اس بات پر جو اللہ نے تمہیں ہدایت دی۔ اور محسنین کو بشارت دید یجئے یعنی نیکو کاروں کو۔ آگے جہاد کا مضمون شروع ہو رہا ہے۔

ماقبل رکوع سے ربط:۔

پیچھے سے قربانی کے مسئلہ کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اور اس رکوع میں بھی اسی کے متعلق ہی کچھ ہدایات ہیں۔

قربانی کسے کہتے ہیں؟ قربانی کس کے لیے؟

پہلی آیت کا حاصل یہ ہے کہ یہ قربانی کیلئے جو کہا گیا یہ تمہارے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں پر بھی قربانی کرنے کا طریقہ رکھا تھا۔ قرآن کریم میں سورۃ مائدہ کے اندر آپ نے پڑھا کہ آدم علیہ السلام کے بچوں میں جو اختلاف ہوا تھا، ہابیل اور قابیل میں، تو ان کے اختلاف کا فیصلہ بھی تو قربانی پر کیا گیا تھا۔ تو معلوم ہو گیا کہ

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی قربانی مشروع ہے۔اور قربانی کا معنی اصل میں کیا ہوتا ہے......؟ قربان قَــرُبَ قریب ہونا قربان اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے سے کسی کا تقرب حاصل کیا جائے۔ بتوں کے نام پر جو قربانی دیتے تھے تو اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ بتوں کے نام پر چڑھاوا، چڑھا کے قربانی دے کے وہ ان کا تقرب تلاش کرتے تھے۔تو اللہ کا قرب طلب کرنے کیلئے جو مال دیا جاتا ہے یا جان دی جاتی ہے اس کو بھی قربانی کہتے ہیں یہ بھی قربان ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں بھی اسی طرح رہا ہے تو ہم نے تمہارے لیے بھی یہ طریقہ متعین کیا۔ اور جس، جس امت میں قربانی دینے کا طریقہ تھا وہ یہی تھا کہ خالصتاً اللہ کیلئے ہونی چاہیے، جب جانور اللہ نے پیدا کیے ہیں تو اس کی جان بھی اسی کے نام پر نکالی جاسکتی ہے، کسی دوسرے کا تقرب حاصل کرنے کیلئے اگر جانور کی جان نکال دی جائے اس نیت کے ساتھ کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا قرب حاصل کرنا مقصود ہے جیسے پیروں کے نام پر لوگ ذبح کرتے ہیں تو وہ جانور جو اللہ نے پیدا کیا ہوا تھا اور اس کی جان آپ نے لے لی کسی دوسرے کیلئے، تو یہ مردار کے حکم میں ہے۔تو جانور کی جان اگر لی جائے تو اسی کے نام پر لی جائے جس نے ان جانوروں کو پیدا کیا۔تو یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہر جماعت میں رکھا ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ عبادت ساری امتوں میں صرف اللہ کیلئے ہی تھی چاہے وہ عبادت بدنی ہو چاہے وہ مالی۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ مالی عبادت اور وہ بھی ذبح اس کا ذکر آ گیا۔

ہر نبی نے یہی کہا کہ جانور اللہ کے نام پر قربان کیا جائے:۔

تو گویا کہ ابتدا سے اس قربانی کے طریقہ کا مشروع ہو کے آنا یہ بھی توحید کی دلیل ہے کہ ہر نبی نے یہ طریقہ بتایا کہ اللہ کے نام پر جانور قربان کیا جائے، تمہارا معبود وہ ایک ہی معبود ہے اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اور اس کے سامنے جھکو تو جو اس کے سامنے جھک جاتے ہیں ان کو اچھے انجام کی بشارت دیدیجئے۔ اور یہ مخبتین کی جو تعریف کی جارہی ہے تو اس میں وہی ترغیب دینا مقصود ہے کہ ان صفتوں کو اپناؤ۔ جب ان صفتوں کو اپنالو گے تو تم مخبت بن جاؤ گے۔ اور مخبتوں کے لئے اچھے انجام کی بشارت ہے اللہ کا ذکر آ جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ یہ ڈرنا جو ہے یہ محبت وعظمت کی بناء پر ہے۔ اور پھر اللہ کے راستہ میں جو بھی ان کو تکلیف پہنچے چاہے مالی ہو، چاہے جانی ہو اس کو برداشت کرتے ہیں اور پھر بدنی عبادت میں سے خصوصیت کے ساتھ نماز کا ذکر کر دیا۔ صبر وصلوٰۃ یہ بہت بڑا اہم اصول ہے ہر شریعت میں۔ نماز کی پابندی کرنے والے ہیں، نماز پڑھنے والے ہیں۔ اور پھر مالی

عبادت کا خصوصیت سے ذکر کردیا۔تو یہ ''وجلت قلوب'' کے اندر خوف کا ہونا اور صبر یہ دونوں باطنی خلق ہیں۔قلب کی صفات ہیں اور مقیم الصلوٰۃ بدنی عبادت ہوگئی۔ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یہ مالی عبادت ہوگئی۔اور جہاں بھی اللہ تعالیٰ انفاق کا ذکر کیا کرتے ہیں وہاں اکثر وبیشتر مِمَّا رَزَقْنَا کا لفظ ساتھ آیا کرتا ہے تو مِمَّا رَزَقْنَا میں اگر غور کریں تو خرچ کرنا آسان ہوجاتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو۔یہ تصور ہے کہ تم نے کوئی اپنے ذاتی کمال سے نہیں کمایا۔بلکہ یہ اللہ کے دینے سے ملا ہے۔تو اس لئے مِمَّا رَزَقْنَا جو ہے یہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ اللہ کا دیا ہوا ہے جو کچھ ہے۔

احکام قربانی:۔

آگے پھر وہ قربانی کے بعض احکام آگئے کہ یہ ''ھدی'' کے جو اونٹ ہیں یہ شعائر ہیں ان کی تعظیم کرو یہ اللہ کے دین کی خاص علامات ہیں ان میں تمہارے لیے فوائد ہیں دینی بھی اور دنیوی بھی۔اور ان کو کھڑا کر کے ان پر اللہ کے نام لیا کرو۔ پھر جس وقت یہ ذبح ہوجائیں اور اپنے پہلوؤں کے بل گر جائیں تو تمہیں بھی پھر کھانے کی اجازت ہے۔یہیں سے فرق ہے مشرکین کی قربانی اور مؤمنین کی قربانی میں۔مشرک اللہ کا نام لیکر ذبح نہیں کرتے تھے بلکہ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ذبح ہوجانے کے بعد پھر خود اس کو کھاتے نہیں تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ بتوں کا ہوگیا۔وہ گوشت وہاں لے جا کر ڈالتے خون ان کے اوپر ڈالتے اور سمجھتے اس طرح سے ہمارے یہ معبود خوش ہوتے ہیں خود بھی کھاؤ، دوسروں کو بھی کھلاؤ۔آگے اس نعمت کی طرف متوجہ کیا کہ دیکھو کتنے بڑے بڑے جانور اللہ نے پیدا کر کے تمہارے تابع کردیئے اللہ کا شکر ادا کیا کرو اس پر۔ورنہ اگر طاقت کے ساتھ مقابلہ ہوتا تو یہ جانور کسی کے سنبھالنے کے نہیں۔

اللہ کو تمہارے گوشت وخون کی ضرورت نہیں بلکہ اخلاص چاہیے:۔

اور پھر یہ بھی وہی خلوص پیدا کرنے کیلئے کہ یہ گوشت اور خون اس کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں۔یہ اللہ تک نہیں پہنچتے اللہ تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔لہٰذا ہر وقت یہ خیال رکھا کرو کہ تم میں تقویٰ کتنا ہے اور ایسے ہی ہم نے ان کو تمہارے تابع کردیا تاکہ اس بتلائے ہوئے طریقہ پر تم اللہ کی بڑائی بیان کرو۔اور جو ہر کام میں اخلاص پیدا کرتے ہیں اچھے طریقے سے کام کیا کرتے ہیں انہیں اچھے انجام کی بشارت دیدیجئے......!

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع

بیشک اللہ دور ہٹائے گا ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے بیشک اللہ نہیں پسند کرتا کسی خیانت کرنیوالے کسی ناشکرے کو ﴿۳۸﴾

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ

اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن سے قتال کیا جاتا ہے اس سبب سے کہ وہ ظلم کئے گئے اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر

لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ لا الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا

البتہ قادر ہے ﴿۳۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے ناحق مگر اس سبب سے کہ انہوں نے کہا

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

ہمارا رب اللہ ہے اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا دور ہٹا دینا لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعہ سے البتہ گرا دیئے جاتے

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ

راہبوں کی خلوت گاہیں اور گرجا گھر اور یہود کی عبادت گاہیں اور مسجدیں ایسی مسجدیں جس میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ

اور البتہ ضرور مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کی جو اللہ کی مدد کریگا بیشک اللہ البتہ قوت والا غلبہ والا ہے ﴿۴۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں

اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں قدرت دیدے زمین پر تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ

کریں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ کے لئے ہے ﴿۴۱﴾ اور اگر

يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ لا

یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تحقیق جھٹلایا ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد نے اور ثمود نے ﴿۴۲﴾

وَقَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوۡسٰى

اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے ﴿۴۳﴾ اور مدین والوں نے اور موسیٰ کو بھی جھوٹا قرار دیا گیا

فَاَمۡلَيۡتُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ ۚ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنۡ

پھر ہم نے ڈھیل دی کافروں کو پھر میں نے ان کو پکڑ لیا تو میرا انکار کرنا کیسے تھا؟ ﴿۴۴﴾ کتنی ہی بستیاں

مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا

ہم نے ان کو ہلاک کردیا اس حال میں کہ وہ ظالمہ تھیں پس وہ بستیاں گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر

وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

اور کتنے ہی کنویں بے کار پڑے ہوئے اور کتنے ہی مضبوط محل کھنڈرات بنے پڑے ہیں ﴿۴۵﴾ کیا پھر یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں

فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا ۚ

پھر ہوجائیں ان کے لئے دل جن کے ذریعہ سے یہ سمجھتے سوچتے یا ہوجاتے ان کے لئے کان جن کے ذریعہ سے یہ سنتے

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى

پس بے شک واقعہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن اندھے ہوجاتے ہیں وہ دل جو

الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ وَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ ؕ

سینوں میں ہیں ﴿۴۶﴾ اور جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب کو اور ہرگز خلاف نہیں کریگا اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے

وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنۡ

اور بے شک ایک دن تیرے رب کے نزدیک مثل ایک ہزار سال کے ہے ان سے جنکو تم شمار کرتے ہو ﴿۴۷﴾ اور کتنی ہی

مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَمۡلَيۡتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذۡتُهَا ۚ وَاِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ ﴿۴۸﴾

بستیاں ہیں کہ میں نے انکو مہلت دی اس حال میں کہ وہ ظالمہ تھیں میں نے انکو پکڑا اور لوٹنا میری طرف ہی ہے ﴿۴۸﴾

تفسیر

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: بیشک اللہ تعالیٰ دور ہٹائے گا ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے۔

یُدٰفِعُ کا مفعول المشرکین، الکفار جونکال لیجئے مشرکین، کفار، دشمنوں کو دور ہٹادے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی خیانت کرنے والے، کسی ناشکرے کو۔ اور ''کل'' کا لفظ صفت میں مبالغہ کے طور پر بھی آ جایا کرتا ہے جیسے کہا کرتے ہیں ھو العالم کل العالم یہ بہت بڑا عالم ہے تو اس معنی کو ظاہر کرنے کیلئے لفظ ''کل'' کو لے آیا کرتے ہیں۔ تو پھر اس کا معنی ہو جائے گا بڑا خیانت کرنے والا بڑا ناشکرا۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ: اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن سے قتال کیا جاتا ہے اس سبب سے کہ وہ ظلم کیے گئے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر البتہ قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے ناحق، مگر اس سبب سے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا دور ہٹانا لوگوں کو یعنی بعض کو بعض کے ذریعہ سے البتہ گرادیئے جاتے ''صوامع'' یہ صومعۃ کی جمع ہے ''صومعۃ'' کہتے ہیں راہب کی کٹیہ کو...... بیع یہ بِیْعَۃٌ کی جمع ہے عیسائیوں کا عبادت خانہ جس کو کنیسہ یا گرجا گھر کہتے ہیں...... صلوات یہ صلوٰۃ کی جمع ہے اس سے یہود کے عبادت خانے مراد ہیں۔ اور ''مساجد'' جمع ہے مسجد کی، البتہ گرادیئے جاتے راہبوں کی خلوت گاہیں، گرجا گھر، یہود کی عبادت گاہیں اور مسجدیں ایسی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے تو یذکر یہ جملہ مساجد کی صفت ہے وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ اور البتہ ضرور مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کی جو اللہ کی مدد کرے گا یعنی اللہ کے دین کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ البتہ قوت والا ہے غلبہ والا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں قدرت دیدے زمین میں تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ اور نیکی کا حکم کریں گے اور بُرائی سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ کیلئے ہے۔ اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے تحقیق جھٹلایا ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے، عاد نے، ثمود نے، ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے، لوط علیہ السلام کی قوم نے، مدین والوں نے اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھوٹا قرار دیا گیا پھر میں نے ڈھیل دی کافروں کو پھر میں نے ان کو پکڑ لیا تو میرا انکار کرنا کیسے تھا......؟ کتنی ہی بستیاں ہم نے ان کو ہلاک کردیا اس حال میں کہ وہ ظالمہ تھیں، پس وہ بستیاں گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے ہی کنویں بے کار پڑے ہوئے اور کتنے ہی مضبوط محل کھنڈرات بنے پڑے ہیں کیا پھر یہ لوگ زمین

میں چلے پھرے نہیں پھر ہو جاتے ان کے لئے دل جن کے ذریعہ سے یہ سمجھتے سوچتے یا ہو جاتے ان کے لئے کان جن کے ذریعہ سے یہ سنتے۔ پس بیشک واقعہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ اور لیکن اندھے ہو جاتے ہیں وہ دل جو سینوں میں ہیں۔ اور جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب کو اور ہرگز خلاف نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے۔ اور بیشک ایک دن تیرے رب کے نزدیک مثل ایک ہزار سال کے ہے ان سے جن کو تم شمار کرتے ہو۔ اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو مہلت دی ان کی رسی ڈھیلی چھوڑی اس حال میں کہ وہ ظالمہ تھیں، میں نے ان کو پکڑا اور لوٹنا میری طرف ہی ہے۔

ماقبل رکوع سے ربط:۔

دو رکوع قبل آپ کے سامنے یہ آیت آئی تھی کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ جس میں اشارہ تھا اس شدید کشمکش کی طرف جو کہ مشرکین مکہ کے درمیان اور حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان برپا تھی کہ اللہ کے گھر کی زیارت سے محروم کر دیا راستے روک لیے اور ظاہری طور پر غلبہ تھا مشرکین کو اس لیے وہ رکاوٹ پیدا کر کے کھڑے ہو گئے۔

ابتدائی دور میں اللہ کی طرف سے آزمائش:۔

مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے جب آپس میں کشمکش چلتی تھی مشرکین کی طرف سے مسلمانوں پر تشدد ہوتا تھا تو آخر آدمی چاہے کمزور ہی ہو جی تو چاہتا ہے کہ جو مجھے تنگ کر رہا ہے مجھے پتھر مار رہا ہے تو میں بھی آگے سے ہاتھ اٹھاؤں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدت کے ساتھ منع کر دیا گیا تھا کہ مقابلے میں ہاتھ نہیں اٹھانا اس لیے تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں مسلمانوں نے مشرکین سے مار کھائی ہے اور آگے سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت تھی کیونکہ اگر پہلے دن سے لڑنا شروع کر دیتے تو پھر یہ نہ پوری طرح سے جماعت بنتی اور نہ جماعتی حیثیت میں جہاد ہوتا۔ ایک ایک آدمی اسلام قبول کرتا لڑ لڑ کے شہید ہوتے چلے جاتے۔ تو پھر اس طرح سے جماعتی صورت اختیار نہ ہوتی تو وہاں تو جماعت بنائی جا رہی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتدائی دور میں آزمائش تھی کہ لوگوں کے جذبات پختہ ہو جائیں اور تیرہ سال تک ماریں کھائیں جو زیادہ تنگ ہو جاتا تو وہ علاقہ چھوڑ کر چلا جاتا۔ مکہ سے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت ہوئی پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازتِ جہاد:۔

مدینہ منورہ جس وقت آ گئے پھر وہاں ایک جماعت بن گئی اور مدینہ منورہ ایک مرکز بن گیا اب اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اب تم مقابلے میں ہاتھ اٹھا سکتے ہو۔ پہلے اجازت دی گئی گویا کہ وہ رکاوٹ جو لگی ہوئی تھی اس کو دور ہٹا دیا گیا اور پھر بعد میں تو شدید سے شدید تر تاکیدی احکام آئے جہاد کرنے کے جس وقت یہ اجازت دی جا رہی تھی مشرکین کے مقابلے میں اس وقت مسلمان مٹھی بھر تھے۔ تو اللہ اجازت بھی دے رہے ہیں ساتھ ساتھ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرر ہے ہیں، ان کو اجازت دی جا رہی ہے ان کے مظلوم ہونے کی وجہ سے اب ان کو حق دیدیا گیا کہ ظالموں کے مقابلے میں ہاتھ اٹھالیں یہ مظلوم ہیں کمزور ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جو ان کا مددگار ہے وہ بڑا قوی اور بڑا عزیز ہے ان کے مدد کرنے پر اللہ قادر ہے، مظلوم ہونے کا ذکر کیا۔

مکہ میں مظلوم صحابہ رضی اللہ عنہم کا قصور کیا تھا......؟:۔

ناحق ان کو گھروں سے سے نکالا گیا کتنا بڑا ظلم ہے، ورنہ کوئی شخص آپ جانتے ہیں کہ جیتے جی اپنا گھر نہیں چھوڑا کرتا۔ اپنے علاقے کو انسان اسی وقت ہی چھوڑتا ہے جب انسان کیلئے وہاں جینا دوبھر ہو جائے اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ کتنی ان پر زیادتیاں ہوئی ہونگیں......؟ کتنا ان پر ظلم ہوا......؟ کہ یہ لوگ اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ اور پھر بلا قصور۔ قصور ان کا صرف اتنا تھا کہ انہوں نے "ربنا اللہ" کا نعرہ لگایا آپ جانتے ہیں کہ یہ تو کوئی قصور کی بات نہیں تھی۔

کسی آدمی کو اس کی نیکی اور خوبی کی بنا پر پیٹ دیا جائے یہ کتنی بڑی زیادتی ہے......؟:۔

یعنی ان کی مظلومیت کی انتہا ہے ایک تو ہے کہ چلو ایک آدمی سے کچھ قصور ہوا اور دوسرے نے سزا کچھ زیادہ دیدی تو وہ زیادہ سزا وہ بھی ظلم ہے لیکن بنیاد اس کی شرارت بنی۔ شرارت تھوڑی تھی مار زیادہ دیا۔ اس کو بھی زیادتی کہہ سکتے ہیں لیکن ایک آدمی کا قصور ہے ہی کوئی نہیں بلکہ اس کی ایک نیکی اور خوبی کی بنا پر اس کو پیٹ دیا جائے تو یہ کتنی بڑی زیادتی ہے......؟ تو یہ ایسے ہی ہے جس طرح سے آپ کہیں کہ میرا اور تو کوئی قصور نہیں تھا صرف یہ ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اب نماز پڑھنا تو کوئی قصور کی بات نہیں ہے......؟ اب یہاں اس طرح سے ان کا کوئی قصور نہیں تھا صرف یہی بات تھی کہ انہوں نے کہا ربنا اللہ بس اس بات پر جھگڑا ہو گیا تو اس قصور کی بنا پر ان کو نکال دیا

گیا۔ اور یہ کوئی قصور تھا ہی نہیں۔ تو یہ مظلومیت کی انتہا ہے۔

ابتداء میں جہاد کا طریقہ کیا اختیار کیا گیا؟

اس طرح سے اللہ نے ان کو جہاد کی اجازت دی یہ پہلی آیت ہے جہاد کی مشروعیت کے متعلق جو اتری جس میں مسلمانوں کو اجازت دی کہ اب ہاتھ اٹھاؤ تمہیں حق ہے اور اللہ کی مدد پر اعتماد کرو۔ جتنا تم اللہ کے دین کے مددگار رہو گے اتنی اللہ تعالیٰ تمہیں مدد دے گا۔ چنانچہ اس اجازت کے آ جانے کے بعد پھر حضور ﷺ نے چھوٹی چھوٹی جماعتیں اِدھر اُدھر بھیجنا شروع کیں۔ جیسے ابتدائی طور پر چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی ہیں جنگ کی ابتدا ہوئی تو جھڑپوں کی شکل تھی۔ دس آدمی اِدھر کو بھیج دیئے کہ دیکھو! کوئی مشرکوں کا قافلہ جا رہا ہو تو اس کا راستہ روکنا کیونکہ ان کے قافلے جو تھے مکہ معظمہ سے اکثر و بیشتر مدینہ منورہ کے آس پاس سے گزر کر شام کو جاتے تھے تجارت کیلئے تو یہ تجارتی قافلوں کے راستے روکنے کے ساتھ تصادم کی ابتدا ہوئی ہے۔ جس کو آج کل کی اصطلاح میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک اقتصادی بائیکاٹ اہل مکہ کے ساتھ شروع کیا۔ ان کی سڑکیں روک لیں کہ یہ کہیں جا نہ سکیں۔ ان کی تجارت بند ہو جائے اور ان کا گزارہ صرف تجارت پر ہی تھا۔

مشروعیت جہاد کے بعد پہلا تیر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے چلایا:۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یہ حضور ﷺ کی والدہ کے خاندان میں سے ہیں، اس حضور ﷺ نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں ① اور یہی وہ نیک بخت ہیں جن کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا اِرْمِ يَا سَعْدُ فَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي اے سعد تیر چلا تیرے اوپر میرے ماں باپ فدا ② تو ماں باپ کے فدا ہونے کا تذکرہ ان کے متعلق ہے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے تو سب سے پہلا تیر جہاد کی مشروعیت کے بعد اس سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے چلایا تو پھر یہ جھڑپیں شروع ہو گئیں ③ سال کے اندر اندر ہی غزوہ بدر کی نوبت آ گئی پھر وہ

---

① كان سعد من بني زهرة كانت ام النبي صلى الله عليه وسلم من بني زهرة فلذلك قال النبي صلى الله عليه وسلم هذا خالي (مشکوۃ ص ۵۶۷/ فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل ج ۲ ص ۷۵۱/ ترمذی ج ۶ ص ۱۰۵ بیروت باب مناقب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ/ مسند الحارث ج ۱ ص ۹۰۴/ مسند ابی یعلی ج ۴ ص ۴۲/ المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۴۴/ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۱۵۔

② مشکوۃ ص ۵۶۷ عن علی رضی اللہ عنہ/ فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل ج ۲ ص ۷۵۱/ مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۷/ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۷/ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۰/ ترمذی ج ۲ ص ۱۱۰/ ابن حبان ج ۱۵ ص ۴۴۷

③ مشکوۃ ص ۵۶۷/ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۷۵/ فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل ج ۲ ص ۷۵۲/ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۸/ مسند ابی یعلی ج ۲ ص ۸۲/ ابن حبان ج ۱۵ ص ۴۴۸

بھر پور جنگیں ہوئیں آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا زور توڑ دیا اور مکہ معظمہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ تو جو پیشین گوئی کی گئی تھی ان آیات کے اندر کہ اب وقت آ گیا یہ مظلوم اٹھیں گے اور اللہ کی نصرت ان کے ساتھ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کا زور توڑ دیں گے۔ یہ سب باتیں دُنیا کے سامنے آ گئیں۔ اور ایک ایک لفظ جو تھا وہ پورا ہو گیا۔

صحابہ ﷢ کو اللہ حکومت دے گا تو یہ اللہ کے احکام میں خیانت نہیں کریں گے:۔

پھر یہ قبل از وقت پیشین گوئی کی جا رہی ہے کہ یہ مظلوم جن کو دنیا پیٹ رہی ہے، ان کی پوزیشن یہ ہے کہ اگر ان کو ہم نے قدرت دیدی تو یہ مشرکین مکہ کی طرح ناشکری نہیں کریں گے، اللہ کے احکام میں غداری اور خیانت نہیں کریں گے، بلکہ یہ خود بھی نمازیں پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی پھیلائیں گے، برائی سے روکیں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے سامنے اور آپ کے بعد خلفاء کا جو زمانہ آیا اس میں ایک ایک لفظ جو تھا حقیقت بن کر سامنے آ گیا، خلفاء راشدین کے لئے یہ آیت منقبت میں شمار ہوتی ہے کیونکہ صحابہ ﷢ کی جماعت حضور ﷺ کے ساتھ جو تشکیل پائی تھی، حکومت انہی لوگوں کو ملی ہے حضور ﷺ کے بعد اور اگر یہ لوگ ایسے نہیں تھے تو پھر اس آیت کا مصداق گویا کہ متحقق نہیں ہوا۔ اس لیے خلفاء کی منقبت کے اندر اس آیت کو شمار کیا جاتا ہے۔ تو یہ آیات ہیں جو جہاد کے متعلق آئیں۔

مشرکین مکہ خائن بھی ہیں اور کفور بھی ہیں:۔

بیشک اللہ تعالیٰ دور ہٹا دے گا مؤمنوں سے، یعنی ان مشرکوں کو بیشک اللہ تعالیٰ کسی خائن کسی ناشکرے کو پسند نہیں کرتے یہ مشرکین مکہ خائن بھی ہیں اور کفور بھی ہیں، اللہ کے گھر کی ان کو مجاورت ملی تھی اور اللہ کے گھر کی وجہ سے انہوں نے نعمتوں سے فائدہ اٹھایا تو شکر گزاری کی بجائے یہ ناشکرے ہو گئے، اسی اللہ کے خلاف انہوں نے بغاوت کی، اور پھر بیت اللہ کے متعلق جس قسم کے معاہدے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد سے لیے تھے یا اللہ تعالیٰ نے جو عہد کیے تھے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کہ یوں کرنا ہے یوں نہیں کرنا۔ ان سب میں انہوں نے خیانتیں کیں تو ایسے خائن، ناشکرے، غدار یہ اللہ کو پسند نہیں اب یہ وقت آ گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے گھر کو خالی کرا دے اور جو اس کے اہل ہیں، امانتدار ہیں، اللہ کے حقوق اور بیت اللہ کے حقوق کی نگہداشت کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ اب انہیں تسلط دے گا۔ یہ پیشین گوئی ہو گئی ایک قسم کی کہ مشرکوں کا زور اب ٹوٹ جائے گا، اور اس کی جگہ یہ اس کے جو

اہل ہیں وہ آ جائیں گے اور ایسے ہوا چند دنوں کے اندر ہی حالت بدل گئی۔ اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے یعنی دوسروں کی طرف سے چھیڑ چھاڑ ہوتی تھی، انہوں نے اوّلاً چھیڑ چھاڑ نہیں کی اس لیے یقاتلون کہا اجازت دیدی گئی اس وجہ سے کہ یہ مظلوم ہیں، اور ان کے مدد کرنے پر البتہ اللہ قدرت رکھنے والا ہے۔ ان کی مظلومیت یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو گھروں سے نکال دیا گیا ناحق، صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا ربنا اللہ۔

جہاد نہ ہوتا تو خیر مٹ جاتی اور شر غالب آ جاتا:۔

آگے جہاد کی حکمت ہے کہ اگر یہ سلسلہ نہ کیا جائے تو دنیا سے خیر مٹ جائے اور شر ہی شر غالب آ جائے۔ خیر کے نشان اپنے اپنے وقت میں جیسا کہ اپنے وقت میں یہ راہب اہل حق تھے ان کی خانقاہیں ان کی خلوۃ گاہیں، عیسائیوں کے عبادت خانے، یہودیوں کے عبادت خانے، اور مسلمانوں کی مسجدیں اگر اللہ تعالیٰ اس طرح سے لوگوں کا زور نہ توڑتا گاہے بگاہے اس شر کو خیر کے ذریعہ سے نہ مٹاتا رہے تو یہ ہدایت کے نشان ہی لوگ مٹا دیں۔ کیونکہ دنیا کے اندر اکثریت ہمیشہ بددینوں کی رہی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ گاہے بگاہے بُروں کا زور توڑتے ہیں اور نیکوں کو غلبہ دیتے ہیں اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع کرنا لوگوں کو یعنی بعض کو بعض کے ذریعہ سے تو البتہ گرا دیئے جاتے راہبوں کی خلوۃ گاہیں، کنیسے، صلوات اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے اور اللہ ضرور مدد کرے گا ان کی جو اللہ کے دین کے مددگار ہیں بیشک اللہ قوی اور عزیز ہے۔ اب ان کی اس نیکی کی شہادت ہے کہ جن کے ساتھ اب اللہ کی نصرت شامل ہو رہی ہے۔ یہ خوان وکفور نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار، دیانتدار، امانتدار لوگ ہیں کہ اللہ انہیں اگر حکومت دے گا تو یہ عبادت کا نظام قائم کریں گے یہ بدنی عبادت آ گئی نمازیں پڑھیں گے مالی عبادت آ گئی زکوتیں دیں گے اور آگے عام آ گیا کہ نیکی پھیلائیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ ہر کام کا انجام اللہ ہی کیلئے ہے یعنی ظاہری طور پر حالت چاہے کسی کے لئے سازگار ہو چاہے کسی کیلئے ناسازگار لیکن انجام ہر چیز کا اللہ کے ہاتھ میں۔

تکذیب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ فوراً نہیں پکڑتے بلکہ سنبھلنے کے بہت موقعے دیتے ہیں:۔

آگے پھر مشرکین کیلئے ایک وعید اور حضور ﷺ کیلئے تسلی ہے کہ یہ لوگ اگر آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو

آپ اس میں کسی پریشانی یا حیرانی میں مبتلا نہ ہوں، یہ تعجب کی بات نہیں پہلے سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہوتا آرہا ہے قوم نوح نے تکذیب کی عاد نے، ثمود نے کی، قوم ابراہیم نے کی، قوم لوط نے کی، اصحاب مدین نے کی، موسیٰ کو بھی جھوٹا کہا گیا تو وہاں بھی میں تکذیب کرنے والوں کو فوراً نہیں پکڑا۔ بلکہ بڑی مہلت دی بہت موقعے دیے سنبھلنے کے لیکن جب حد ہی ہوگئی پھر ان کو پکڑا تو کیسا پکڑا......؟

ہلاک شدہ بستیوں کا حال دیکھیں اور ان پر غور کریں کہ ان کا یہ انجام کیوں ہوا؟:۔

یہ پچھلی تاریخ کی طرف گویا کہ متوجہ کیا یہ تاریخ جو ہے یہ بھی گویا کہ حق و باطل کے جانچنے کا سبب بن جاتی ہے۔ میں نے مہلت دی کافروں کو پھر ان کو پکڑا تو میرا پکڑنا، انکار کرنا کیسا تھا......؟ یعنی انکار عملی انکار ہے ڈنڈے کے ساتھ کسی کو پیٹ دیا یہ عملی انکار ہے اور زبانی کہنا اور دلائل قائم کرنا وہ بھی ایک انکار ہوتا ہے لیکن یہ عملی انکار ہے۔ آگے انہی واقعات کی طرف متوجہ کیا کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے برباد کردیا......؟ اس حال میں کہ وہ مشرکہ تھیں گری پڑیں ہیں وہ اپنی چھتوں پر اور کتنے ہی بیکار کنویں اور کتنے ہی مضبوط محلات جواب کھنڈرات کی شکل اختیار کرگئے یہ مفہوم ہے اس کا۔ یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں؟ ان مشرکین مکہ سے کہا جارہا ہے کہ یہ چلتے پھرتے نہیں؟ کہ یہ دیکھیں۔ زمین کے اوپر بکھرے ہوئے واقعات ہیں تاکہ انہیں پتہ چلے کیسی کیسی بستیاں اور کیسے کیسے حالات میں ہلاک ہوئیں......؟ تو اگر یہ جائیں اور جا کر سوچیں تو ممکن ہے ان کے دلوں میں سمجھنے کا مادہ پیدا ہوجائے۔ سمجھنے کی نسبت عام طور پر قلب کی طرف ہی کی جاتی ہے اگرچہ دل سمجھتا ہے بذریعہ دماغ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ چلیں پھریں اور جا کر ان آثار کو دیکھ کے کھڑے ہو کے تدبر کریں کہ یہ کون لوگ تھے کیسے حالات میں تباہ ہوئے......؟ تو تمہارے دلوں میں کوئی سوچ کا مادہ پیدا ہوجائے گا......؟ اور تمہارے کانوں میں کچھ سننے کا مادہ پیدا ہوجائے گا تو واقعہ یہی ہے کہ آنکھ تو اللہ نے بنائی دی ہے لیکن دل اندھے ہیں ان لوگوں کے۔ اگر دلوں کی بنائی ٹھیک ہوجائے تو پھر یہ سارا معاملہ ٹھیک ہوجائے۔ کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں زمین میں، کہ ہوجاتے ان کے لیے دل جن کے ذریعہ سے یہ سوچتے، ہوجاتے ان کے لیے کان جن کے ذریعے سے سنتے یعنی ان کے دل اور کان ان کو کام دینے لگ جاتے ہیں بیشک قصہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ لیکن اندھے ہوجاتے ہیں دل جو کہ سینوں میں ہیں۔

اہل حق کے ساتھ اللہ کا وعدہ اچھے حالات کا اور اہل کفر کے ساتھ اللہ کا وعدہ عذاب کا ہے:۔

تو یہ عذاب کی داستان سنانے کے بعد اب انہیں پھر دھمکایا کہ یہ کہتے ہیں جلدی جلدی لے آؤ۔ عذاب اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ اللہ کا وعدہ ہے اہل حق کیلئے اچھے حالات کا اور مشرکین کے لئے عذاب اللہ وعدہ خلافی نہیں کرے گا، لیکن جس طرح سے تم جلدی مچاتے ہو اللہ کی حکمت کا یہ تقاضا نہیں ہوتا، تم سمجھتے ہو اتنے دن ہو گئے عذاب کیوں نہیں آتا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں تو تمہارے ہزاروں سال بھی ایک دن کی طرح ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ پانچ پانچ سو سال بھی بُرائی کو مہلت دے دیتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری تاریخ تو بڑی پرانی ہے حالانکہ اللہ کے نزدیک تو وہ ایسے ہی ہے جیسے ایک ہی دن گذرا ہے تو آخرت کا دن ہزار سال کے برابر کالف سنة گویا کہ وہ ہزار سال سے یعنی ہزار سال کی طرح ہے، جس کو تم شمار کرتے ہو یا تو دن واقعۃً لمبا ہوگا یا سختیوں کی وجہ سے اس کو ہزار سال کے برابر قرار دیا۔ خوشحالی کا دن جلدی گزر جاتا ہے اور جس میں سختی ہو تو ایسے لگتا ہے جیسے ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہو گیا۔ تو قیامت کا دن واقعہ کے لحاظ سے بھی لمبا ہوگا۔ اور سختی کے اعتبار سے بھی وہ زیادہ معلوم ہوگا۔ اور حدیث شریف میں حضور ﷺ نے مساکین کو نصف دن پہلے جنت میں جانے کی بشارت دی تھی① اور نصف دن پہلے سے مراد وہاں پانچ سو سال ہے اور اس کو آدھے دن کے ساتھ ہی تعبیر کیا۔ آگے پھر اجمال کے طور پر متوجہ کیا واقعات کی طرف کہ کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو میں نے ڈھیل دی اس لیے تمہیں بھی ڈھیل دے رکھی ہے تم اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاؤ جلدی مطالبہ نہ کرو۔ میں نے ان کو ڈھیل دی اس حال میں کہ وہ مشرکہ تھیں پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری طرف ہی لوٹنا ہے۔

---

① یدخل الفقراء الجنّة قبل الاغنیاء بخمس مائة عام نصف یوم (مشکوٰۃ ص ۴۴۷ عن ابی ھریرۃؓ/ترمذی ج ۲ ص ۶۱)

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿۴۹﴾

آپ کہہ دیجئے اے لوگو! سوائے اس کے نہیں میں تمہارے لئے ڈرانے والا ہوں کھول کھول کے بیان کرنیوالا ہوں ﴿۴۹﴾

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ

پھر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بخشش ہے اور باعزت

كَرِیْمٌ ﴿۵۰﴾ وَ الَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ

رزق ہے ﴿۵۰﴾ اور جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری آیات کے باطل کرنے میں اس حال میں کہ وہ عاجز کرنیوالے ہیں

الْجَحِیْمِ ﴿۵۱﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ

وہ جہنم والے ہیں ﴿۵۱﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول نہ کوئی نبی مگر جس وقت وہ نبی کوئی خواہش کرتا ہے

اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی

تو شیطان اس کی خواہش میں رکاوٹیں ڈالتا ہے پھر زائل کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان رکاوٹوں کو جو شیاطین ڈالتے ہیں

الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۙ﴿۵۲﴾ لِّیَجْعَلَ

پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے ﴿۵۲﴾ تاکہ

مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِیَةِ

اللہ تعالیٰ اس چیز کو جس کو شیطان ڈالتے ہیں لوگوں کیلئے آزمائش بنا دے ان لوگوں کیلئے جنکے دلوں میں بیماری ہے

قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ۙ﴿۵۳﴾ وَّ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ

اور ان لوگوں کیلئے جنکے دل سخت ہیں اور بیشک ظالم البتہ بہت دور کی ضد میں ہیں ﴿۵۳﴾ تاکہ جان لیں وہ لوگ

اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَیُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ

جو علم دیئے گئے کہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر وہ لوگ ایمان لے آتے ہیں اسکے ساتھ پھر انکے دل اس حق کیلئے جھک جاتے ہیں

قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾
بیشک اللہ تعالیٰ البتہ رہنمائی کرتا ہے ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے صراطِ مستقیم کی طرف ﴿۵۴﴾
وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ
اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تردد میں اس حق کی وجہ سے حتی کہ ان کے پاس قیامت آ جائے
بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۗ
یا ان کے پاس عذاب آجائے بے برکت دن کا ﴿۵۵﴾ حکومت اس دن اللہ کے لئے ہوگی
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ
اللہ تعالیٰ ان کے درمیان عملاً فیصلہ کرے گا پھر جو لوگ ایمان لاتے ہیں نیک عمل کرتے ہیں وہ تو خوشحالی
النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع
کے باغات میں ہونگے ﴿۵۶﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لئے عذاب ہوگا ذلیل کرنیوالا ﴿۵۷﴾ ع

تفسیر

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ : آپ کہہ دیجئے! اے لوگو! سوائے اس کے نہیں میں تمہارے لیے ڈرانے والا ہوں کھول کھول کے بیان کرنے والا ہوں پھر جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور باعزت رزق ہے۔ اور جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری آیات کے باطل کرنے میں اس حال میں کہ وہ عاجز کرنے والے ہیں وہ جہنم والے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول نہ کوئی نبی مگر جس وقت وہ نبی کوئی خواہش کرتا ہے تو شیطان اس کی خواہش میں رکاوٹیں ڈالتا ہے پھر زائل کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان رکاوٹوں کو جو شیاطین ڈالتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے۔ باقی شیاطین رکاوٹیں کیوں ڈالتے ہیں......؟ شیاطین کو موقع کیوں دیا جاتا ہے......؟ وہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ حق اور باطل کے ٹکراؤ میں آ کر اہل حق، حق پر زیادہ چلتے ہیں اور جن کی فطرت مسخ ہوئی ہوتی ہے وہ حق کے مقابلے میں باطل کو قبول کرتے ہیں، سچائی کے مقابلے میں جھوٹ کو قبول کرتے ہیں، اچھی اور پاکیزہ چیز کے مقابلے میں گندی چیز کی طرف

ان کا میلان ہوتا ہے، ان کا باطل یوں ظاہر ہو جاتا ہے تو اس حق اور باطل کی کشمکش میں یہ فائدہ ہو جاتا ہے آگے اسی فائدہ کی طرف اشارہ کیا ہے لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ تا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جس کو شیطان ڈالتے ہیں لوگوں کیلئے آزمائش بنادے ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور ان لوگوں کیلئے جن کے دل سخت ہیں۔ اور بیشک ظالم البتہ بہت دور کی ضد میں ہیں۔ اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تا کہ جان لیں وہ لوگ جو علم دیئے گئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نبی نے بیان کیا ہے یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر وہ لوگ ایمان لے آتے ہیں اس کے ساتھ۔ یہاں ایمان لانا کمال کے معنی میں ہے کامل طریقے سے ایمان لے آتے ہیں پھر ان کے دل اس حق کیلئے جھک جاتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ البتہ رہنمائی کرتا ہے ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے صراطِ مستقیم کی طرف۔ اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تردد میں اس حق کی وجہ سے حتیٰ کہ ان کے پاس قیامت آجائے یا ان کے پاس عذاب آجائے بے برکت دن کا، حکومت اس دن اللہ ہی کیلئے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان عملاً فیصلہ کرے گا، اسی عملی فیصلے کی تھوڑی سی تصویر آگے ہے۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پھر جو لوگ ایمان لاتے ہیں نیک عمل کرتے ہیں وہ تو خوشحالی کے باغات میں ہوں گے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لئے عذاب ہوگا، ذلیل کرنے والا۔ یہ جو آپ کے سامنے آیت آئی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى تو تمنی کا ترجمہ میں نے کیا خواہش کرنا۔ جس وقت نبی کوئی خواہش کرتا ہے لوگوں میں ہدایت پھیلانے کی تو شیطان آگے سے رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ اور حضرت تھانوی ؒ نے تمنی کا ترجمہ قرء کے ساتھ کیا ہے کہ نبی جس وقت اللہ کی آیات پڑھ کے سناتا ہے تو امنیہ کا معنی اس کی پڑھی ہوئی باتیں تو شیطان ان کی پڑھی باتوں میں شبہات ڈالتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے مثال کے طور پر جس وقت یہ آیت آئی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ یہ آیت پڑھی گئی لوگوں کے سامنے تو مشرکین نے ایک بات اڑائی تھی جس کا ذکر سورۃ انعام میں آیا تھا کہ یہ دیکھو! عجیب بات ہے کہ جس کو یہ لوگ خود ذبح کر لیتے ہیں اس کو کہتے ہیں حلال اور جو اللہ کی ماری ہوئی ہے اس کو کہتے ہیں حرام۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کئے گئے یا طبعی موت سے وفات پاگئے

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾

اللہ انہیں ضرور ضرور اچھا رزق عطا فرمائے گا اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ خیر الرازقین ہے ﴿۵۸﴾

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

وہ انہیں ضرور ضرور ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہوں گے اور بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا ہے، بہت حلم والا ہے ﴿۵۹﴾

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ

یہ بات یوں ہی ہوگی اور جو شخص اس قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ

اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اسکی مدد فرمائیگا بیشک اللہ تعالیٰ معاف فرمانیوالا بخشنے والا ہے ﴿۶۰﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ

الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ

اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ دیکھنے والا

بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

اور سننے والا ہے ﴿۶۱﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ بیشک اللہ حق ہے اور اس کے علاوہ جو دوسروں کو پکارتے ہیں

دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

وہ باطل ہیں اور اللہ برتر ہے بڑا ہے ﴿۶۲﴾ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے

اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ

آسمان سے پانی اتارا پھر زمین ہری بھری ہوگئی

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
بلاشبہ اللہ بہت مہربان ہے خبر رکھنے والا ہے ﴿۶۳﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے
وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾
سب اسی کا ہے اور بلاشبہ اللہ غنی ہے تعریف کا مستحق ہے ﴿۶۴﴾

تفسیر

① وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا طبعی موت مر گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بضرور اچھا رزق عطا فرمائے گا۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق دینے والوں میں سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور انہیں ضرور بضرور ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہوں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ البتہ زیادہ جاننے والا زیادہ بُردبار ہے۔ ذٰلِكَ یہ بات ہو چکی وَ مَنْ عَاقَبَ اور جو شخص اس قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور بضرور اس کی مدد فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ یہ اس وجہ سے ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتے ہیں اور بیشک اللہ دیکھنے والا سننے والے ہیں ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یہ اس وجہ سے ہے کہ بیشک اللہ حق ہے اور بیشک اس کے علاوہ جو دوسروں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ وہی برتر ہے اور بڑا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتار پھر زمین ہری بھری ہوگئی۔ بیشک اللہ تعالیٰ لطیف ہے خبیر ہے لطیف مہربان، خبیر خبر رکھنے والا۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ البتہ وہی غنی اور حمید ہے غنی مالدار، اور حمید تعریف کا مستحق۔

---

① نوٹ: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ تک ریکارڈنگ گم ہونے کی وجہ سے ''تفسیر انوار البیان'' مؤلفہ مولانا محمد عاشق الٰہی رحمہ اللہ سے لیا گیا ہے۔ مگر عنوانات اپنی طرف سے لگائے گئے ہیں۔ از محمد عمیر شاہین

سابق رکوع سے ربط:۔

پچھلے رکوع میں میں نے آپ کی خدمت میں عرض کر دیا کہ ابتدائے اسلام میں مکہ مکرمہ کے اندر مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف دی جاتی تھیں جس کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرامؓ نے مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور بعض نے مدینہ منورہ کی طرف۔

مدینہ اسلام کا قلعہ بن گیا:۔

لیکن جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ بھی آہستہ آہستہ مدینہ منورہ آنے لگے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ ایک مضبوط قلعہ بن گیا اسلام کا، تو جب مدینہ منورہ اسلام کا قلعہ بن گیا، تو پھر مختلف علاقوں کے اور لوگ بھی مدینہ منورہ آ گئے انہوں نے محض اللہ کے لئے اپنے وطن کو چھوڑا۔ اموال واملاک، گھر، جائیداد، ساز وسامان جو کچھ بھی تھا اس کو صرف اللہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اور اس میں اللہ کی طرف سے بہت بڑا امتحان ہے بعد میں جو لوگ مختلف علاقوں میں مسلمان ہوئے ان میں سے بھی بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ہجرت کا ثواب بہت زیادہ ہے اگر ہجرت کرنے والا مقتول ہو جائے تو اس کو مزید ثواب ہوگا۔ اگر مقتول نہ ہو اپنی طبعی موت مر جائے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی بھی بہت قدر و قیمت ہے اسی کو فرمایا:

جس نے ہجرت کی اور پھر شہید ہو گیا اس کیلئے رزق حسن، جنت کی نعمتیں اور ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے:۔

وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ: اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مقتول ہو گئے یا اپنی طبعی موت مر گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا اس سے مراد کیا ہیں؟ اس سے مراد جنت کے مأکولات، یعنی کھانے کی چیزیں، مشروبات یعنی پینے کی چیزیں اور دوسری نعمتیں ہیں۔ پھر آگے فرمایا لَیُدۡخِلَنَّهُمۡ مُّدۡخَلًا یَّرۡضَوۡنَهٗ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ایسی جگہ میں داخل کرے گا کہ وہ لوگ اس کے اندر خوش ہوں گے۔ اس جگہ سے کیا مراد ہے......؟ یعنی انہیں جنت نصیب کرے گا۔ اور جو کچھ انہیں پسند ہوگا وہ انہیں عطا کرے گا۔ اور وہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں سے کسی اور جگہ جانے کی خواہش نہیں کریں گے۔ اور

پھر آگے فرمایا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ علم والا ہے اور حلم والا ہے۔علیم سب کے اعمال کو جاننے والا ہے اور اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا۔اور حلیم بردبار ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔جب وقت معین آئے گا تو پھر اس کے موافق جزا سزا دے گا۔

ایک اشکال کا جواب:۔

اب شاید کسی کو اشکال ہو کہ مقتول اور طبعی موت مرنے والے کے درمیان بظاہر فرق ہونا چاہیے لیکن چونکہ یہ آیت شریفہ کے ظاہری الفاظ سے مساوات مفہوم ہو رہی ہے، اس لیے یہ اشکال واقع نہیں ہونا چاہیے۔کیونکہ آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق حسن عطا کرے گا۔برابری کا ذکر نہیں ہے۔جس کو جتنا بھی ملے گا وہ رزق حسنہ ہی ہوگا۔اگرچہ مراتب کا فرق ہو۔

جس قدر تکلیف پہنچی ہے اس قدر بدلہ لیا جائے:۔

اس کے بعد فرمایا ذٰلِكَ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی یہ بات جو اوپر بیان ہوئی یہ طے شدہ ہے اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ اور جو شخص اس قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور بضرور اس کی مدد فرمائے گا۔اس آیت سے زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینے کی اجازت معلوم ہوئی۔بشرطیکہ بدلہ لینے میں برابری کا خیال رہے۔یعنی جتنی تکلیف پہنچائی گئی ہو اس قدر تکلیف پہنچا سکتا ہے اگر کسی نے اتنا ہی بدلہ لیا جتنا بدلہ لینے کا اختیار تھا پھر اس پر اس شخص کی طرف سے زیادتی کی گئی جس شخص نے پہلے زیادتی کی ابتداء کی تھی۔تو اللہ تعالیٰ ضرور بضرور اس شخص کی مدد فرمائے گا جس پر دوبارہ زیادتی کی گئی۔

جو کوئی معاف کرے گا ثواب پائے گا:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ: بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تو معاف فرما دیتا ہے لیکن بندے بدلہ لے لیتے ہیں اگر بندے بھی معاف کر دیا کریں۔تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا بھی ثواب پائیں گے جیسا کہ سورۃ شوریٰ میں گزر چکا۔فَمَنْ عَفَا واصلح فاجرہ علی اللّٰہ پس جس شخص نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔

ہر کام اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہو رہا ہے:۔

پھر آگے فرمارہے ہیں کہ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی وجہ سے ہو رہا ہے اوپر والے عالم میں نیچے والے عالم میں نیز ہر جگہ پر تصرف اسی اللہ کا ہے، ہر بات کو سنتا ہے، ہر چیز کو دیکھتا ہے، وہی حق ہے اس کے علاوہ جو لوگوں نے معبود بنائے ہوئے ہیں، وہ سب باطل ہیں وہی برتر ہے بڑا ہے وہی آسمان سے بارش اتارتا ہے۔ جس سے زمین ہری بھری ہو جاتی ہے، وہی لطیف یعنی مہربان ہے اور خبیر بھی جو ساری مخلوق کی خبر رکھنے والا ہے وہ غنی یعنی بے نیاز ہے حمید بھی یعنی تعریف کا مستحق ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ

اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ مسخر فرمادیا جو زمین میں ہے اور کشتی کو مسخر

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ

فرمادیا وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے

عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾

تھامے ہوئے ہے مگر یہ کہ اسی کا حکم ہوجائے بلاشبہ اللہ لوگوں پر بہت مہربان ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے ﴿۶۵﴾

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ؗ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ

بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے ﴿۶۶﴾ ہم نے ہر امت کیلئے عبادت کے طریقے مقرر کیے ہیں جن کے مطابق وہ عبادت

فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى

کرتے تھے سو اس امر میں وہ آپ سے جھگڑا نہ کریں اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں بلاشبہ آپ

مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾

ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے ﴿۶۷﴾ اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے ﴿۶۸﴾

اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرمادے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۶۹﴾

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ

اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے بلاشبہ اللہ

ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ

اس سب کو جانتا ہے سب کچھ کتاب میں لکھا ہے بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے ﴿۷۰﴾ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ

ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی

بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٧١﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی عقلی دلیل ہے اور ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہیں ﴿۷۱﴾ اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ

جو خوب واضح ہیں تو اے مخاطب تو کافروں کے چہروں میں ناگواری کو پہچان لے گا، قریب ہے کہ

يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ

ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کے سامنے ہماری آیات پڑھتے ہیں، آپ فرمادیجئے کیا میں اس سے زیادہ

مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ ع

ناگوار چیز نہ بتادوں؟ وہ دوزخ ہے! جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے ﴿۷۲﴾

تفسیر

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ: کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہ سب کچھ مسخر فرمادیا۔ جو زمین میں ہے اور کشتی کو مسخر فرمادیا۔ وہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے مگر یہ کہ اس کے حکم کے ساتھ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ''رؤف'' یعنی بہت مہربان ''رحیم'' یعنی بہت رحم کرنے والا ہے۔ اور اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا۔ پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ ہم نے ہر امت کیلئے عبادت کے طریقے متعین کیے ہیں جن کے مطابق وہ عبادت کرتے تھے پس اس معاملے میں وہ آپ سے جھگڑا نہ کریں۔ اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں بیشک

آپ ہدایت پر ہیں، جو سیدھا راستہ ہے اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ اللہ فیصلہ کرے گا قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے، اے مخاطب کیا آپ جانتے نہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے بیشک یہ سب کچھ کتاب میں لکھا ہے اور بیشک یہ اللہ پر آسان ہے۔ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کے علاوہ ان چیزوں کی جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اور نہ ان کے پاس ان کی کوئی عقلی دلیل ہے اور نہیں ہو گا ظالمین کے لئے کوئی مددگار۔ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیات جو خوب واضح ہیں تو اے مخاطب تو پہچان لے گا ان لوگوں کے چہروں میں جنہوں نے کفر کیا ناگواری کو قریب ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو تلاوت کرتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیات۔ آپ بتا دیجئے کیا خبر نہ دوں میں تمہیں اس سے زیادہ ناگوار چیز کی......؟ اَلنَّارُ وہ دوزخ ہے جس کا وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا اور وہ دوزخ بڑا ٹھکانہ ہے۔

ماقبل سے ربط:۔

پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا تھا اس رکوع میں بھی اُسی مضمون کو مزید تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات و احسانات کی بارش:۔

وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں اے مخاطب اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر یعنی تابع فرما دیا۔ جو کچھ زمین میں ہے، کشتیاں اسی کے حکم سے چلتی ہیں اور یہ آسمان جو تمہیں اتنا بڑا نظر آ رہا ہے یہ اللہ کی بڑی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ نے اسے محض اپنی قدرت سے روک رکھا ہے لہٰذا وہ اسے اپنی قدرت سے تھامے ہوئے ہے، اللہ تعالیٰ بہت بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ اگر وہ آسمان کو نہ روکے اور آسمان زمین پر گر پڑے تو کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ کافروں اور فاسقوں کو بھی زندہ رکھتا ہے اور سب کیلئے زندگی کے اسباب مہیا کرتا ہے۔ اسی نے پہلی بار زندگی بخشی اس زندگی کے بعد وہی موت دیتا ہے پھر دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ انسان دنیا کے انقلابات کو دیکھتا ہے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے لیکن ناشکری اختیار کرتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے

آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کفر وشرک سے باز نہیں آتا۔

اللہ نے ہدایت کیلئے عبادت کے طریقے متعین کیے:۔

اب اگلی آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کو بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے ہر امت کیلئے عبادت کے طریقے متعین کیے۔ مشرکین اور دوسرے کفار جو حضور ﷺ کا اور آپ کے بیان کردہ اعتقادات اور احکام شرعیہ پر اعتراض کرتے تھے ان میں یہود ونصاریٰ بھی تھے یہ لوگ یوں کہتے کہ یہ احکام اور اعمال ہم نے پہلے کسی سے نہیں سنے، آپ کی بتائی ہوئی ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا پرانی امتوں کے اعمال واحکام میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ مقصد یہ تھا کہ جھگڑے کرتے رہیں اور انکار پر تلے رہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جواب دیدیا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ: ہم نے ہر امت کیلئے عبادت کے طریقے مقرر کردیئے جن کے مطابق وہ عمل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے مالک الملک ہے امر مطلق ہے اسے اختیار ہے کہ جس امت کو جو چاہے حکم فرمائے۔ انبیاء سابقین کی امتوں کو جو احکام عطا فرمائے ان کے ذمہ ان پر عمل کرنا تھا اور آخری نبی کی امت کو جو احکام دیئے ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ان پر ڈال دی گئی ہے، کسی مخلوق کو کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرے اور یوں کہے کہ آخری نبی جو آئے ہیں ان کی شریعت میں بہت سی وہ چیزیں ہیں جو انبیاء سابقین کی شریعت میں نہیں ہیں۔

حضور ﷺ کے آنے کے بعد تمام احکام شرعیہ فرعیہ سابقہ منسوخ ہو گئے:۔

معاندین کو جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا **فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ** سو وہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں۔ حضور ﷺ مستقل شریعت لے کر تشریف لائے، آپ کے تشریف لانے پر تمام احکام شرعیہ فرعیہ سابقہ منسوخ ہو گئے جو شخص آپ کے ارشاد کردہ احکام پر اعتراض کرتا ہے اور جھگڑا کرتا ہے اس کا اعتراض کرنا اللہ پر اعتراض ہے جو کفر در کفر ہے یہ لوگ جھگڑے بازی سے دور رہیں۔

آپ ﷺ کسی کے اعتراض سے متاثر نہ ہوں:۔

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ: اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے بیشک آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کام میں لگے رہیں۔ حق کی دعوت دیتے رہیں

کوئی کچھ بھی اعتراض کرے کسی کے اعتراض سے متاثر نہ ہوں۔ اللہ کی طرف سے آپ کو ہدایت والا راستہ بتایا گیا ہے اور اس کے حق ہونے کی اللہ کی طرف سے ضمانت دی گئی ہے وہ آپ کیلئے کافی ہے۔

وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ: اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہارے کاموں کو بہتر جانتا ہے وہ تمہارے اعمال کی سزا دے گا۔ مزید فرمایا

اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان ان چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تو سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ مگر اس وقت منکرین کو حق واضح ہو جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ سے جو حکم بھیجا ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے طور پر یہیں اسی دنیا میں تسلیم کرلیں تو یہ ایمان لانا آخرت کے دن مفید ہوگا۔ پھر آگے فرمایا: ،

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ: اے مخاطب کیا تو نہیں جانتا جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اللہ اس سب کو جانتا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ بیشک یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے یعنی لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ: بیشک یہ اللہ پر آسان ہے یعنی لوحِ محفوظ میں سب کچھ محفوظ فرمانا اس کیلئے ذرا بھی مشکل نہیں۔ کہ کوئی منکر اور معاند یہ نہ سمجھے کہ اتنی زیادہ مخلوق کے حالات ایک ہی کتاب میں کیسے سمائیں گے......!

قرآن سننے سے کافروں کے چہروں سے ناگواری محسوس ہوتی ہے:۔

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ اس چیز کو بیان فرمارہے ہیں کہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو ان کے چہروں سے ناگواری محسوس ہوتی ہے، ان آیات میں مشرکین کی تردید بھی ہے، ان کا طریقہ کار بھی بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی عذاب کا تذکرہ بھی فرمادیا، جو آخرت میں ہوگا۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اور ان کے پاس کوئی عقلی دلیل بھی نہیں ہے جس سے شرک

کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہو۔ یہ لوگ شرک کر کے ظالم بنے ہوئے ہیں اور اس ظلم کی سزا انہیں مل جائے گی۔ جب انہیں عذاب ہونے لگے گا تو ان کے لئے کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب ان مشرکین کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں جن کے مضامین خوب واضح ہیں تو کافروں کے چہرے بدل جاتے ہیں اور چہروں پر ناگواری محسوس ہونے لگتی ہے ناگواری کا یہ عالم ہے کہ جو اہل ایمان انہیں ہماری آیات سناتے ہیں ان پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابھی حملہ کر دیں گے۔ ان کی یہ حالت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے کہہ دیں کہ دنیا میں تمہیں ناگواری محسوس ہوتی ہے یہ تو ہلکی ناگواری ہے اس سے بڑھ کر وہ ناگواری ہوگی۔ جو دوزخ میں داخل ہو کر پیش آئے گی۔ دوزخ کی آگ کا عذاب بہت بُرا ہے۔ وہ کافروں کو ناگوار ہوگا لیکن اس سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ دُنیا میں قرآن سن کر جو ناگواری ہوتی ہے اس کا تو کچھ غصے والا منہ بنا کر تدارک کر بھی لیتے ہو۔ آخرت میں جو عذاب ہوگا نہ ہلکا ہوگا نہ قابل برداشت ہوگا دوزخ کی اس آگ کا اللہ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے یعنی دنیا میں پہلے سے بتا دیا ہے کہ کفر کی سزا دوزخ ہے اس سے کبھی چھٹکارہ نہ ہوگا۔ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ اور دوزخ بُرا ٹھکانہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

اے لوگو! ایک مثل بیان کی گئی ہے سو تم اسے دھیان سے سن لو، بلاشبہ جو لوگ

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا

اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں وہ ہرگز مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس کیلیے وہ سب اکٹھے ہو جائیں

لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ

اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اسے چھڑا نہیں سکتے طالب بھی کمزور

الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور مطلوب بھی کمزور ۝ لوگوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے بلاشبہ اللہ

لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ

بڑی قوت والا ہے زبردست ہے ۝ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن لیتا ہے

النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

اور آدمیوں میں سے بھی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے ۝ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ ان کے آگے ہے

وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اور جو ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں ۝ اے ایمان والو!

ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو

تُفْلِحُوْنَ ۝ۚ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ

تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ۝ اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ

چن لیا اور اس نے دین میں تنگی نہیں رکھی، اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا

اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

اتباع کرو، اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي

تاکہ رسول تمہارے بارے میں گواہ بن جائے اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بن جاؤ

النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ

سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو وہ

مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۞ ۷۸

تمہارا مولیٰ ہے سو وہ خوب مولیٰ ہے اور خوب مددگار ہے ۞ ۷۸

تفسیر

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ: اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ پس تم اسے دھیان سے سن لو۔ بیشک جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں وہ ہرگز مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس کیلئے وہ سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اسے چھڑا نہیں سکتے۔ طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور۔ نہیں تعظیم کی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے بیشک اللہ تعالیٰ البتہ قوی اور عزیز ہے۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اور آدمیوں میں سے بھی بیشک اللہ تعالیٰ سمیع، بصیر ہے۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ جانتا ہے وہ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور خیر کے کام کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو! جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں چن لیا۔ اور اس نے دین میں تنگی نہیں رکھی۔

اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت کی اتباع کرو۔اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں تا کہ رسول تمہارے بارے میں گواہ بن جائے۔اور تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ بن جاؤ۔پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔اور اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔وہ تمہارا مولیٰ ہے پس وہ خوب مولیٰ ہے اور خوب مددگار ہے۔

مشرکین کے معبودوں کی عاجزی کا حال:۔

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے معبود کی عاجزی کا حال بیان فرما رہے ہیں، غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور ان کے معبودوں کے بارے میں عجیب بات بیان فرمائی ہے اور اس کو مثال سے تعبیر فرمایا یعنی یہ ایسی بات ہے جس کو مشرکین کے سامنے بار بار ذکر کرنا چاہیے۔مشرکوں کو سنائیں اور ان سے کہیں کہ خوب دھیان سے سنو تا کہ تمہیں اپنی حماقت اور گمراہی کا خوب پتہ چل جائے۔ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو اور جنہیں مدد کیلئے پکارتے ہو یہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔

انبیاء کی دعوت سے اعراض کرنے والے عاجز مخلوق کے سامنے ذلیل ہوں گے:۔

اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے جتنے بھی معبود بنا رکھے ہیں یہ مکھی پیدا تو کیا کرتے، اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔جو شخص حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتِ توحید سے منہ موڑے گا وہ اس طرح عاجز مخلوق کے سامنے ذلیل ہوگا۔جو لوگ خالق و مالک کی توحید کے قائل نہیں ہوتے۔اور اس کو سجدہ نہیں کرتے تو وہ یونہی مارے پھرتے ہیں اور اپنے سے بھی زیادہ عاجز مخلوق کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، اسی کو اللہ نے فرمایا ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ یعنی طالب سے مشرک اور مطلوب سے معبود باطل مراد ہیں۔اور مطلب یہ ہے کہ جیسا عابد ویسا ہی معبود دونوں ہی ضعیف ہیں۔معبود تو ضعیف اس لیے ہیں کہ وہ مکھی تک سے مٹھائی بھی نہیں چھڑا سکتے۔اور اس کی عبادت کرنے والا اس لیے کمزور ہے اس کی کمزوری عقل کے اعتبار سے ہے وہ ایسی چیز سے نفع کا امیدوار ہے جو اپنے چڑھاوے کی چیز کو مکھی تک سے نہیں چھڑا سکتا۔

لوگوں نے اللہ کی تعظیم نہیں کی جیسا کہ حق ہے:۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ: لوگوں نے اللہ کی وہ تعظیم نہ کی جو اس کی شان کے لائق ہو۔اللہ تعالیٰ اپنی

ذات وصفات میں یکتا ہے۔ خالق و مالک ہے تنہا عبادت کا مستحق ہے وہ نفع بھی دیتا ہے اور ضرر بھی۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر اونچی اور ہلکی سے، ہلکی آواز کو سنتا ہے سب بندوں پر لازم ہے کہ اسے وحدہ لاشریک مانیں۔ اور اس کی تمام صفات جلیلہ پر ایمان لائیں۔ جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں ایسی ذات کو چھوڑ کر اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق کو معبود بنالینا اللہ کی تعظیم سے، بہت بعید ہے اور گمراہی ہے، جب مشرکین سے مسلمان کہتے ہیں کہ تم خالق کائنات کو نہیں مانتے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مانتے ہیں، جھوٹی زبان سے اللہ کے ماننے کا دعویٰ کر دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، یہ ماننا اس کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کی مخلوق میں سے خدا تراش لیے جائیں۔ اور ان کے لیے جانور ذبح کیے جائیں اور ان کو سجدے کیے جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ماننا کہاں ہوا......؟ اور اس کے شایانِ شان اس کی تعظیم کہاں ہوئی......؟ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا غلبے والا ہے، ایسے قوی اور عزیز کو چھوڑ کر ضعیف چیز کی عبادت کرنا جو اس کی مخلوق ہے، بہت بڑی گمراہی ہے۔

اللہ نے جسے چاہا اپنی حکمت کے مطابق ہر ایک کو مرتبہ عطا فرمایا:۔

اگلی آیات میں اس چیز کو بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے، ساری مخلوق اللہ ہی کی مخلوق ہے اس نے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا جو مرتبہ دیدیا۔ اور جیسے چاہا کسی بڑے اور برتر کام کیلئے چن لیا۔ رسالت اور نبوت بہت بڑا مرتبہ ہے رسول کا کام یہ ہے کہ اللہ کے احکام اور پیغام اس کے بندوں تک پہنچائے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے سفارت اور رسالت کی یہ عزت بخشی کہ ان کے ذریعے اپنے نبیوں اور رسولوں کی طرف پیغام بھیجے صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ جنہیں انسانوں میں سے منتخب فرما کر نبوت اور رسالت سے نوازا۔ پھر ان نبیوں اور رسولوں نے انسانوں تک وہ احکام پہنچائے جو فرشتوں کے ذریعہ سے اللہ کی طرف سے ان کے پاس پہنچے۔ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں جن میں سے جنہیں چاہا پیغمبر بنایا۔ اور اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہا یہ رتبہ عطا کیا۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ یوں سوال کرے کہ فلاں کو کیوں نہیں بنایا۔ اللہ سمیع ہے بصیر ہے وہ سب کی باتیں سنتا ہے سب کے احوال دیکھتا ہے، جو اس کے فیصلوں کو قبول کرے گا اسے اس کا بھی علم ہے اور جو اس کے فیصلوں پر اعتراض کرے گا تو وہ اس سے باخبر ہے اور جس جس میں

اللہ نے جو استعداد رکھی ہے اسے اس کا بھی پتہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر قسم کے احوال سے واقف ہے:۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ: وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور پیچھے ہے یعنی اسے انسانوں کے اگلے پچھلے احوال واعمال سب معلوم ہیں وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کا اختیار ہے دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اس کی مشیت اور ارادے سے ہوتا ہے اور آخرت میں بھی سب کچھ اسی کے ارادے اور مشیت سے ہوگا اور اس کا حکم چلے گا۔ اور سارے فیصلے اسی کے ہوں گے اور حق ہوں گے۔

تمام ما مورات پر عمل کرتے ہوئے کامیابی کی امید اللہ تعالیٰ سے رکھو:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا: اے ایمان والو! رکوع کرو، اور سجدہ کرو، یعنی نماز پڑھو۔ کیونکہ رکوع سجدہ دو بڑے رکن ہیں۔ اس لیے ان کا خصوصی حکم دیا جس میں پوری نماز پڑھنے کا حکم آ گیا۔ وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ نماز کے علاوہ جو دیگر عبادات ہیں یہ حکم ان سب عبادات کو شامل ہوگیا۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ اور خیر کے کام کرو اس کا عموم تمام نیک اعمال کو شامل ہے۔ اور عبادات، فرائض، واجبات، مکارم اخلاق، محاسن افعال، محاسن آداب، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے احکام سب کو حکم شامل ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی تمام مامورات پر عمل کرتے ہوئے اللہ سے کامیابی کی امید رکھو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سجدہ کی آیت ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس آیت پر سجدۂ تلاوت نہیں ہے۔

نفس کی ناگواریوں کے باوجود نیک کاموں میں لگے رہنا:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ: لفظ ''جہاد'' جُہد سے مشتق ہے عربی زبان میں محنت و مشقت اور کوشش کو جہد کہتے ہیں یہ لفظ اپنے عام معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت و کوشش کو شامل ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہو۔ جہاد جو قتال یعنی جنگ کرنے کے معنی میں مشہور ہے وہ بھی اس محنت و کوشش کا ایک شعبہ ہے، مسلمان

اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے یعنی نفس کی ناگواریوں کے باوجود نیک کاموں میں لگتا ہے گناہوں کو چھوڑتا ہے نفس روڑے اٹکاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جو بھی عمل ہو دنیاداری کے لیے ہو۔ ذاتی شہرت اور حصول جاہ اور لوگوں سے تعریف کرانے کیلئے ہو اس موقع پر نفس سے جہاد کرنا ہوتا ہے، پوری طرح اس کے تقاضوں کو دبا کر صرف اللہ کے لئے جو کام کیا یہ سب جہاد ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو بھی کوئی مومن اللہ کی رضا کیلئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے جس طرح کی بھی محنت کرے گا وہ جہاد ہوگا۔ پھر مختلف احوال کے اعتبار سے درجات بھی مختلف ہیں ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر اخلاص کے ساتھ اعمال واشغال میں لگے۔

امم سابقہ پر امت محمدیہ کی فضیلت :۔

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ: اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا سابقہ تمام امتوں پر، اللہ نے تمہیں یعنی امت محمدیہ کو فضیلت بخشی تمہیں حضور ﷺ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا جسے بآسانی حفظ کر لیتے ہیں دنیا میں آخر میں آئے اور جنت میں پہلے داخل ہوں گے۔

ماحول کی خرابی کی وجہ سے آسان کام بھی مشکل ہو جاتا ہے :۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ: اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی کسی قسم کی تنگی اور مشکل نہیں بنائی۔ ہم اپنے ماحول میں رہتے ہوئے بعض احکام پر عمل کرنا مشکل سمجھتے ہیں جیسے کاروباری دنیا جب ان کے سامنے کسی چیز کا تذکرہ آتا ہے، تو وہ کہتے ہیں جی کیا کریں آج کل تو ان کی رعایت رکھنی بڑی مشکل ہے، تو یہ جو مشکل پیش آتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دین میں مشکل ہے، یہ ہمارے ماحول کی تنگی ہے، اور ماحول کی خرابی ہے، جس کی بناء پر آسان سے آسان حکم پر عمل کرنا ہمارے لیے مشکل ہو گیا۔ اس کا الزام دین پر نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کا الزام اپنے ماحول پر ہے، جیسے ایک شخص طبیب کے پاس جائے اور طبیب اس کی نبض دیکھ کر اس کیلئے کوئی علاج تجویز کرے اور پھر وہ مریض پوچھے کہ میں کھاؤں کیا......؟ طبیب اسے کہے کہ کدو کا شوربہ کھا لینا وہ کہے جی میری بستی میں تو کدو نہیں ملتا تو طبیب کہے کہ اچھا مُنگی کی دال کھا لینا، وہ کہتا ہے جی مُنگی کی دال بھی ہمارے ہاں موجود نہیں ہے تو طبیب پوچھتا ہے کہ پھر تمہارے ہاں ملتا کیا ہے......؟ وہ کہتا ہے جی ہمارے ہاں تو مصری کی دال ہوتی ہے طبیب کہتا ہے وہ نہیں کھانی اور کیا ہوتا ہے؟ جی بینگن ہوتے ہیں کہتا ہے یہ بھی نہیں کھانے اب وہ

مریض طبیب کو الزام دے کر آپ کے طب میں بڑی تنگی ہے کہ عام آدمی کے بس میں نہیں کہ علاج کروالے تو بتایئے! یہ طب پر الزام ہے یا اس کی اپنی بستی اور ماحول پر الزام ہے؟ کہ وہ رہتا ہی ایسی جگہ ہے جہاں کوئی مفید چیز ملتی ہی نہیں۔ اس طرح سے شریعت کا کوئی حکم فی حد ذاتہٖ مشکل نہیں ہے لیکن اگر انسانوں نے مل کر اپنی آبادی اس طرح کی کرلی اور حالات اس قسم کے پیدا کر لیے کہ اس میں بُرائی اختیار کرنی آسان ہے اور نیکی اختیار کرنی مشکل ہوگئی۔ تو اس کا الزام انسانوں کی آبادی پر ہے شریعت پر نہیں۔

اسلام کا لفظ بطور لقب کے اس امت کو دیا گیا ہے:۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ: اپنے باپ ابراہیم کے طریقے کو لازم پکڑو۔ گویا کہ یہ ملت اسلامیہ ملت ابراہیم ہے فعل یہاں محذوف ہوگیا یا تو رَضِيْتُ لَكُمْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ یوں کہہ دیجئے یا امر کا صیغہ یہاں نکال لیجئے۔ میں نے تمہارے لیے ملت ابراہیمی کو تمہارے باپ کے طریقے کو پسند کیا یا یوں ہوگا کہ اس کو اختیار کرو۔ تو تمہارا یہ خاندانی طریقہ ہے جس کو اپنانا اور بھی آسان ہوگیا اس کو لازم پکڑو۔ اسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا۔ یہ اس دُعا کی طرف اشارہ ہے انہوں نے ایک دُعا کی تھی کہ ہماری دُعا میں سے ایک امت مسلمہ اٹھایئے۔ اور مسلمہ فرمانبردار، اسلام کا لفظ اگر چہ سب دینوں کیلئے بولا گیا ہے لیکن لقب کے طور پر یہ لفظ اسی امت کیلئے اختیار کیا گیا پہلی امتوں کے لئے بطور لقب کے یہ لفظ نہیں تھا، اگر چہ لغوی طور پر وہ بھی سارے کے سارے مسلم تھے اور اللہ کے فرمانبردار تھے لیکن یہ لقب اسی امت کو ملا تو یہ لقب اسی جماعت کا ہے اور یہ نام جو رکھا گیا مسلمہ اس کا معنی فرمانبردار جماعت تو جب نام تمہارا فرمانبردار رکھا گیا ہے تو تمہیں چاہیے کہ اس نام کی لاج رکھو! ایسا نہ ہو کہ کام کافروں والے فاسقوں والے اور نام مسلم یہ تو پھر بات صحیح نہ ہوئی، اس سے قبل بھی تمہارے لیے یہی لقب استعمال کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا میں ذکر کیا قرآن کریم کے اندر بھی چونکہ اس امت کو امت مسلمہ قرار دیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام ذکر کرنے کی وجہ سے ہے تو گویا کہ قرآن شریف میں تمہارا امت مسلمہ جو نام ہے یہ بھی ابراہیم کا رکھا ہوا ہے۔ اس سے قبل اور اس قرآن میں بھی۔

امت محمدیہ کیلئے شرف و اعزاز:۔

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ: اس کا مطلب دو طرح سے ادا کیا گیا ہے یا تو رسول ہماری شہادت

دے گا، جس طرح سے تزکیہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ معتبر ہیں اور ہم لوگ گواہ ہوں گے انبیاء کے حق میں، ان کی امتوں کے خلاف۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے میدان میں نبیوں کو اور ان کی امتوں کو آپس میں بالمقابل کھڑا کرے گا۔ امتوں سے سوال کرے گا کہ تم نے کفر و شرک کیوں اختیار کیا......؟ میری عبادت کیوں نہیں کی......؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا ہی نہیں تھا۔ انبیاء علیہم السلام سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے میرا دین ان کو پہنچایا نہیں تھا......؟ وہ کہیں گے کہ پہنچا دیا اور کافر قومیں انکار کریں گی کہ تیرا دین تو ہمیں کسی نے پہنچایا ہی نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں گے کہ تمہارا گواہ کون ہے......؟ تو انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کی امت کو گواہی میں پیش کریں گے، اور ہم گواہی دیں گے انبیاء علیہم السلام کے حق میں اور حضور ﷺ ہماری تصدیق کریں گے کہ یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اور ان کو ساری کی ساری معلومات اللہ کی کتاب سے حاصل ہوئیں۔ یعنی ہمارے پاس شہادت کی جو سند ہوگی وہ اللہ کی کتاب ہے، یہ ایک بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ اس امت کو دے گا۔ یہ تو آخرت میں جا کے ظاہر ہوگا۔ باقی دنیا کے اندر گواہ ہونے کا یہ مطلب بھی ہے کہ یہاں گواہ سے مراد ہے دین کے گواہ۔ ہم لوگوں کے سامنے دین کے گواہ ہوں اور ان کو بتائیں کہ اللہ کا یہ حکم ہے لوگوں کے سامنے ہم شہادت دیں گے اور ہمارے سامنے اللہ کا رسول شہادت دیتا ہے اللہ کا رسول ہمارے سامنے اپنا دین بیان کرے اور ہم لوگوں پر اپنا دین بیان کریں اس کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے امت کو چن لیا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر مضبوطی سے جمے رہیں۔ مِلَّةَ أَبِيكُمْ جو کہا اس کا خطاب چونکہ اوّلین عرب کو ہے اور عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے خصوصیت سے قریش اور روحانی باپ، تو پھر ہم سب مانتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔ اور عرب کے اکثر قبائل جو تھے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے جس کی وجہ سے نسباً بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے باپ ہیں۔

اللہ کے سہارے کے علاوہ کوئی دوسرا سہارا تلاش کرنے کی ضرورت نہیں:۔

فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ: تو جب یہ شرف تمہیں حاصل ہونے والا ہے دنیا کے اندر تمہیں "شہداء علی الناس" بنایا گیا تو تم خود اللہ کے عبادت گزار رہو۔ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ کیونکہ اقامت الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ یہ اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ یعنی اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اس پر عمل کرو۔ یا اللہ کا

ہی سہارا لو کوئی دوسرا سہارا تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہی تمہارا مولیٰ ہے مالک ہے کارساز ہے مددگار ہے۔ وہ بہت اچھا کارساز ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

پورا قرآن جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے آیا ہے:۔

وحی لیکر تو اکثر و بیشتر جبرئیل علیہ السلام ہی آئے ہیں اور قرآن کریم سارے کا سارا جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے ہی اترا ہے۔ لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر پیغامات کے لئے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو بھی بھیجتا رہتا ہے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ محافظ وحی بنا کر بھی بہت سارے فرشتوں کو بھیجا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی رسول چنتا ہے۔ اور انسانوں سے بھی ان کی حیثیت ایک رسول ہونے کی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ چاہے جدھر پیغمبر بنا کر بھیج دے۔ تو رسول کا لفظ فرشتے پر بھی بولا جاتا ہے نبی کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ اس لیے جہاں آپ کے سامنے رسول اور نبی میں نسبت ذکر کی گئی تھی، تو وہاں ایک عموم خصوص من وجہ کی نسبت بھی بیان کی گئی تھی۔ کہ فرشتہ رسول ہے نبی نہیں۔ اور بعضے انسان نبی ہیں رسول نہیں اور بعضے انسان رسول بھی ہیں اور نبی بھی ہیں۔ تو تین مادے نکل آئیں گے دو افتراقی اور ایک اجتماعی جس طرح سے عموم خصوص من وجہ میں ہوتا ہے۔

سُورَةُ

المؤمنون

مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا ۱۱۸ ۲۳ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۷۴ رکوعاتھا ۶

سورۃ مؤمنون مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾

تحقیق فلاح پا گئے وہ لوگ جو ایمان لانے والے ہیں ﴿۱﴾ جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں ﴿۲﴾

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ

اور وہ لوگ جو کہ لغو سے اعراض کرنے والے ہیں ﴿۳﴾ وہ لوگ جو زکوٰۃ کے لئے

فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى

فعل کرنیوالے ہیں ﴿۴﴾ اور وہ لوگ جو کہ اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کرنے والے ہیں ﴿۵﴾ مگر اپنی

اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ

بیوی پر یا اپنی باندیوں پر بیشک یہ لوگ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں ﴿۶﴾ جو کوئی شخص

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

طلب کرے اسکے علاوہ کسی چیز کو پس یہی لوگ حد سے تجاوز کرنیوالے ہیں ﴿۷﴾ اور وہ لوگ جو کہ اپنی امانتوں

وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ

اور اپنے عہد کی رعایت رکھنے والے ہیں ﴿۸﴾ اور وہ لوگ جو کہ اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں ﴿۹﴾ یہی لوگ

هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

وارث بننے والے ہیں ﴿۱۰﴾ جو کہ فردوس کے وارث بنیں گے اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۱﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ

پیدا کیا ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے

نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ

انسان کو نطفہ بنایا ایک مضبوط ٹھہرنے کی جگہ میں ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون کردیا پھر ہم نے جمے ہوئے

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ

خون کو گوشت کی شکل دیدی پھر ہم نے اس گوشت کے لوتھڑے کی ہڈیاں بنادیں پھر ہم نے

اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا پھر ہم نے اسکو ایک اور ہی مخلوق بنا کر کھڑا کردیا اللہ تعالیٰ تمام بنانیوالوں سے بہترین بنانیوالا ہے ﴿۱۴﴾ پھر بیشک تم

بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ

اس کے بعد البتہ مرنے والے ہو ﴿۱۵﴾ اور پھر بیشک تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے ﴿۱۶﴾ اور ہم نے

خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

تمہارے اوپر سات طبقے بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں ﴿۱۷﴾

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا

اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا اندازے کے ساتھ پھر ہم نے اس پانی کو زمین میں ٹھہرادیا

عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ

بے شک ہم اس کے لے جانے پر البتہ قادر ہیں ﴿۱۸﴾ پھر ہم نے پیدا کئے تمہارے لئے اسی پانی کے ذریعہ سے کھجوروں

وَّاَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً

اور انگوروں کے باغات تمہارے لئے ان میں بہت میوے ہیں اور اس میں سے تم غذا کے طور پر بھی کھاتے ہیں ﴿۱۹﴾ اور اُگایا ہم نے

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾
ایک درخت جو کہ طور سینآء سے نکلتا ہے اُگتا ہے وہ درخت تیل لے کر اور کھانے والوں کے لئے سالن لیکر ﴿۲۰﴾
وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ
اور بے شک تمہارے لیے البتہ چوپائیوں میں بھی غور کرنے کا مقام ہے جو چیزیں ان کے پیٹوں میں ہیں اس میں سے ہم تمہیں پلاتے ہیں اور ان انعام میں تمہارے لئے
فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾
اور بھی بہت سے نفع ہیں اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو ﴿۲۱﴾ اور ان چوپائیوں اور ان کشتیوں پر تم اٹھائے جاتے ہو ﴿۲۲﴾

تفسیر

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ: تحقیق فلاح پا گئے وہ لوگ جو ایمان لانے والے ہیں اَلَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو کہ لغو سے اعراض کرنے والے ہیں لغو بے ہودہ بے فائدہ چیز چاہے قول ہو چاہے فعل ہو، اور اسی لغو کا اعلیٰ فرد معصیت ہے گناہ کی بات کی جائے گناہ کا کام کیا جائے تو وہ بجائے مفید ہونے کے مضر ہے، اس لیے وہ لغو کا اعلیٰ فرد ہے اور ادنیٰ فرد اس کا یہی ہے کہ بے فائدہ بیکار بات فضول کام لغو سے اعراض کرنے والے ہیں یعنی کسی بے ہودہ کام اور بے ہودہ بات میں وہ دلچسپی نہیں لیتے نہ تو وہ خود کرتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا کر رہا ہو تو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ منہ موڑ کر چل دیتے ہیں، وہ جو بات کریں گے یا کام کریں گے تو وہی کریں گے جس میں دین کا یا دنیا کا فائدہ ہو وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ اور وہ لوگ جو کہ زکوٰۃ کے لئے فعل کرنے والے ہیں زکوٰۃ سے مراد یہاں بیان القرآن میں تزکیۃ النفس ہے اپنی عادات کو اپنی خصلتوں کو پاک صاف کرنے والے ہیں اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ زکوٰۃ یہ جو فرض ہے نماز کی طرح اس کی تفصیلات مدینہ منورہ میں جا کر مرتب ہوئیں ہیں مکہ معظّمہ میں زکوٰۃ فرض تو ہوگئی تھی لیکن اس کا یہ نظم قائم نہیں کیا گیا تھا کتنے میں سے کتنی ادا کی جائے......؟ کس کو دی جائے......؟ وغیرہ اس قسم کی چیزیں جتنی تھیں سب مدینہ میں ہوئی ہیں، تو زکوٰۃ سے اگر وہی فرض زکوٰۃ مراد لی جائے تو پھر فٰعِلُوْنَ سے مؤدون مراد ہیں زکوٰۃ کو ادا کرنے والے، اور اور زکوٰۃ سے اگر تزکیۂ نفس مراد لے لیا جائے تو پھر یہ ہوگا کہ فعلِ زکوٰۃ کرنے والے ہیں یعنی اپنے نفس کا

تزکیہ کرنے والے ہیں، اپنے آپ کو پاک صاف کرنے والے ہیں، دونوں طرح سے ہی تفاسیر میں اس کا مطلب واضح کیا گیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ: اور وہ لوگ جو کہ اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں پر اپنی یا اپنی باندیوں پر بے شک یہ لوگ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں یعنی اگر اپنی بیویوں سے وہ قضائے شہوت کرتے ہیں یا باندیوں سے قضائے شہوت کرتے ہیں تو پھر ان پر کوئی الزام نہیں کوئی ملامت نہیں، اور علی یہ من کے معنیٰ میں ہو مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے یعنی ان دو کو چھوڑ کر باقی ہر جگہ سے اپنی فرج کی حفاظت کرتے ہیں فَمَنِ ابْتَغٰی جو کوئی شخص طلب کرے اس کے علاوہ کسی چیز کو پس یہی لوگ حد سے تجاوز کرے والے ہیں، وَرَآءَ ذٰلِكَ یعنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ جو چیز بھی ہو جس میں غیر منکوحہ یا غیر مملوکہ کے ساتھ وطی کرنا، جس کو زنا کہتے ہیں وہ بھی ہو گیا اور لواطت بھی اس میں داخل ہو گئی، حیوانات کے ساتھ قضائے شہوۃ وہ بھی اس میں آ گئی اور استمنا بالید بھی اس میں داخل ہو جائے گا یہ ساری صورتیں حد سے تجاوز ہیں اور یہ حرام ہیں۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ: اور وہ لوگ جو کہ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت رکھنے والے ہیں، امانت ہر اسی حق کو کہا جاتا ہے جو کسی انسان کے ذمے لگا ہوا ہو، اور اس کا ادا کرنا ضروری ہو امانت صرف مالی نہیں ہوا کرتی بلکہ تمام حقوق اس میں داخل ہوتے ہیں، جو آپ کے ذمے لگے ہوئے ہیں اور اس کا ادا کرنا اس پر ضروری ہے اس لیے ملازم آدمی جو تنخواہ لیتا ہے، جس کام کی تنخواہ لیتا ہے اگر وہ کام نہیں کرے گا تو ایسی صورت میں یہ بھی خیانت سمجھی جائے گی اور اپنے عہد کی رعایت رکھتے ہیں، عہد وہ ہوتا ہے جو دو طرف سے ایک دوسرے کے ساتھ کر لیتے ہیں تو اس کی بھی رعایت رکھتے ہیں عہد کے خلاف نہیں کرتے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی: اور وہ لوگ جو کہ اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں یہاں محافظت کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ پابندی سے پڑھتے ہیں اور پھر اوقات کی پابندی اور ان کے آداب اور شرائط کی پابندی ان سب پابندیوں کی رعایت رکھتے ہوئے جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ محافظت علی الصلواۃ ہے، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ یہی لوگ وارث بننے والے ہیں جو کہ فردوس کے وارث بنیں گے فردوس جنت کے اعلیٰ حصے کو کہتے ہیں هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ پیدا کیا ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پھر ہم نے اس

انسان کو نطفہ بنایا ایک مضبوط محفوظ ٹھہرنے والی جگہ میں، اس سے رحم مادر مراد ہے۔

ثُمَّ خَلَقْنَا: پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون کر دیا پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو گوشت کی شکل دے دی، **مُضْغَةً** اصل میں چبانے کو کہتے ہیں، یعنی اتنی سی مقدار جس کو ایک دفعہ چبایا جاسکے اس لیے اس کا ترجمہ کیا ہے گوشت کی بوٹی، تو **مُضْغَةً** جو ہے یہ گوشت کا لوتھڑا اس کا حاصل معنیٰ ہے، پھر ہم نے بنا دیا اس **عَلَقَةً** کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے اس گوشت کے لوتھڑے کی ہڈیاں بنا دیں، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اس کو ایک اور ہی مخلوق بنا کر کھڑا کر دیا یعنی روح ڈالنے کے بعد وہ ایک اور ہی مخلوق بن گئی، پھر اٹھایا ہم نے اس کو اس حال میں کہ وہ ایک اور ہی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ تمام بنانے والوں سے بہترین بنانے والے ہے، پھر بے شک تم اس کے بعد البتہ مرنے والے ہو اور پھر بے شک تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے اور ہم نے تمہارے اوپر سات طبقے بنائے، سات گزرگاہیں بنائیں، بعض مفسرین نے سبع طرائق سے سات سیاروں کی گزرگاہیں مراد لی ہیں، یہ سات سیارے بڑے بڑے جو گھومتے رہتے ہیں تو ان کی گزرگاہیں وہ بھی مراد ہوسکتی ہیں اور فرشتوں کی گزرگاہیں بھی مراد ہوسکتی ہے۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ: اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا اندازے کے ساتھ، پھر ہم نے اس پانی کو زمین میں ٹھہرایا بے شک ہم اس کے لے جانے پر البتہ قادر ہیں، یعنی نہ برسائے، اور جو برس چکا ہے اسے بھی ناپید کر دیں کیونکہ پانی یہ بخارات بن کہ اڑ جائے تو اس کا نام ونشان تک نہیں رہے گا، ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا بہت بڑا انعام ہے اللہ تعالیٰ کا، ایک تو اتارا پانی اندازے کے ساتھ وقفے وقفے کے ساتھ اور پھر اتارنے کی کیسی بہترین صورت ہے کہ قطرہ قطرہ کر کے زمین تک پہنچایا ورنہ یہ پانی منٹ میں جتنی بارش ہوجاتی ہے یا لاکھوں من پانی جو آسمان ہے برستا ہے اگر اس کو اکٹھے ہی برسا دیا جائے تو جہاں گرے گا وہاں تو نیچے تک گڑھا ہوجائے گا پھر اگر آپ سے کہہ دیا جاتا کہ کہ دیکھو! ہم نے پانی اتار دیا اور اس کے بعد اب چھ مہینے کے بعد پانی اترے گا اندازے کا پانی جتنا تمہیں چاہے جمع کرلو بعد میں پانی نہیں ملے گا تو اب چھ مہینے کے لئے کون پانی اکٹھا کر کے رکھے اپنی ضرورت کا......؟۔

اور اگر تالابوں کی شکل میں بھر کر رکھو گے تو خشک ہوجاتا ہے کیڑے اس میں پڑ جاتے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ

کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ وقفے وقفے سے اتارتا رہتا ہے، اور اپنی ضرورت آپ فوری پوری کر لیتے ہیں، تھوڑا سا تالابوں میں جمع ہو جاتا ہے، باقی سب کو اللہ زمین میں ٹھہرا دیتا ہے تا کہ جس وقت آپ چاہیں تازہ بتازہ صاف ستھرا آپ نکالتے رہیے، اور ایک اور ٹھہرانے کی بہت بہترین صورت ہے جو آپ کے سامنے نہیں وہ یہ ہے کہ کروڑہا من پانی اللہ تعالیٰ آسمان سے اتارتا ہے اور اس کو برف کی شکل میں جما کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیتا ہے وہ ذخیرہ محفوظ ہو گیا برف کی شکل میں، اب نہ اس میں گرد وغبار جائے نہ اس میں کیڑے پڑیں اور نہ اس میں کوئی اور چیز داخل ہو اور پھر بقدر ضرورت وہ پگھلتی رہتی ہے، دریاؤں کی شکل میں نہروں کی شکل میں چشموں کی شکل میں نکلتا ہے اور ساری دنیا میں تقسیم ہو رہا ہے اور پھر وہیں سے سرایت کر کے زمین کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔

یہ نظام آب پاشی جو اللہ نے قائم کیا ہے اور انسانوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پانی کا نظم قائم کیا ہے اسی پر ہی اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کے اسی احسان کا شکریہ نہیں ادا کیا جا سکتا، ورنہ اگر یہ اپنی زمین میں نہ ٹھہرتا تو آپ کہاں سے نکال لیتے یہ پانی......؟ یہ بہت بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ کا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو لے جاتے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ: پھر ہم نے پیدا کیے تمہارے لیے اسی پانی کے ذریعہ سے کھجوروں اور انگوروں کے باغات تمہارے لیے ان میں میوے ہیں اور اس میں سے تم غذا کے طور پر بھی کھاتے ہو، خاص طور پر عرب کی معیشت انہی چیزوں سے تھی، وَ شَجَرَةً اور اگایا ہم نے ایک درخت جو کہ طُوْرِ سَيْنَآءَ سے نکلتا ہے یعنی وہاں کثرت سے پیدا ہوتا ہے طور سیناء وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام والا طور، عرب کی سرزمین میں زیتون کے درخت نہیں ہیں اور اس سے زیتون کا درخت مراد ہے، یہ فلسطین میں زیادہ ہوتا تھا جس طرف یہ طور سیناء ہے ادھر یہ کثرت سے ہے، تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ اگتا ہے وہ درخت تیل لے کر اور کھانے والوں کے لیے سالن لے کر، اور بے شک تمہارے لیے البتہ چوپایوں میں بھی غور کرنے کا مقام ہے، جو چیزیں ان کے پیٹوں میں ہیں اس میں سے ہم تمہیں پلاتے ہیں کیا چیز پلاتے ہیں......؟ وہ آگے آئے گا۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ: اور ان انعام میں تمہارے لیے اور بھی بہت نفع ہیں، چمڑے سے فائدہ اٹھاتے ہو کوئی جز ایسا نہیں جو انسان کے کام نہیں آتا اور ان میں سے تم بعض کو کھاتے بھی ہو۔

وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ: اور ان چوپایوں اور ان کشتیوں پر تم اٹھائے جاتے ہو یہ خشکی میں جانور اور سمندر میں کشتیاں کام آتی ہیں، تو جدھر دیکھو! احسانات کی بارش ہے اور اتنی کثرت کے ساتھ احسانات ہیں کہ جن کا شکر انسان نہیں کر سکتا۔

ماقبل سے ربط:۔

سورۃ حج کی آخری آیات میں خصوصیت کے ساتھ عبادت کی ترغیب دی گئی تھی، نیکی کرنے کی ترغیب دی گئی تھی، نماز کی تاکید تھی اور زکوۃ ادا کرنے کی تاکید تھی جس کو علی الاجمال آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دی گئی تھی، اب اگلی آیات جو ہیں وہ بھی عبادت کی ترغیب میں ہی ہیں۔

جنت کے اعلیٰ حصہ کو پانے والوں کی صفات:۔

پہلا لفظ جو ہے اَفْلَحَ، اس کا معنیٰ ہے فلاح پانا ''فلاح'' کہتے ہیں کامیابی کو، کامیابی یہ فارسی کا لفظ ہے، کام کہتے ہیں مقصد کو، اور یاب یہ یافتن سے ہے یافتن کا معنیٰ پالینا کامیاب وہ شخص جو اپنے مقصد کو پالے وہ مقصد کیا چیز ہے......؟ یہاں جو ذکر کیا گیا کہ جن میں یہ صفتیں پائی جائیں گی وہ لوگ کامیاب ہیں وہ اپنے مقصد کو پہنچ گئے مقصد کو پہنچے کا آگے عنوان اختیار کیا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ گویا کہ فردوس کا مل جانا یہ مقصد کو پالینا ہے اس مقصد کو وہ لوگ پائیں گے جن کے اندر یہ ساری کی ساری صفات پائی جائیں گی اور فردوس ہے جنت کا اعلیٰ حصہ، تو ان صفات کی وجہ سے جنت کا اعلیٰ حصہ ملے گا اور اگر ان صفات میں سے کسی صفت کے اندر کوئی نقص اور کمی آگئی تو اعلیٰ حصے سے انسان محروم ہو جائے گا البتہ یہ بات قابل غور رہ گئی کہ جنت کے پالینے کو مقصد کا پالینا کس طرح سے قرار دیا......؟ اس کو مختصر انداز میں یوں سمجھ لیجئے! کہ انسان کا مقصد کیا ہے؟۔

مجموعی طور پر مقصد کیا ہے......؟:۔

ایک تو ہمارے مقاصد ہیں چھوٹے چھوٹے شخصی یا ذاتی مثلاً آپ کو وہ مقصود ہیں، مجھے مقصود نہیں ایک چیز میں چاہتا ہوں آپ نہیں چاہتے اس لیے مجموعی طور پر انسان کا مقصد اس کو نہیں قرار دیا جاسکتا کہ جس میں انسان آپس میں اختلاف کرتے ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ میرا مقصود تو اولاد ہے، لیکن دوسرا کہے گا کہ اولاد بھی کوئی چاہنے کی چیز ہے ایک کہے گا کہ میں تو چاہتا ہوں مجھے بہت بڑی جائیداد مل جائے تو دوسرا کہے گا کہ زمین بھی بھلا کوئی چاہنے کی

چیز ہے......؟ تو کوئی چیز ایسی کہ جس میں انسان اپنی خواہش کے طور پر متفق ہوں وہ اصل انسان کا مقصود کہہ سکتے ہیں باقی یہ شخصی چیزیں ہیں ایک کو مطلوب ہیں دوسرے کو مطلوب نہیں، اس کو انسانیت کا مجموعی طور پر مقصود نہیں قرار دیا جاسکتا مجموعی طور پر مقصود کیا ہے......؟ آپ جانتے ہیں کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں صحت مند رہوں بیمار نہ ہوں، کیا اس میں بھی کسی انسان کا اختلاف ہے......؟ لیکن یہ مقصد دنیا کے اندر رہتے ہوئے کسی انسان کو حاصل ہے......؟ موت سے بچنے کے لئے ہر انسان ہزار ہا تدبیر کرتا ہے اس میں کسی کا اختلاف ہے......؟ لیکن اس مقصد میں کوئی کامیاب ہے......؟ موت سے بچ جاتا ہے کوئی......؟ اسی طرح سے اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے ہو جائے ہر انسان اپنی خواہش کو کامل طریقے سے پورا کرنے پر قادر ہو یہ انسانیت کا مجموعی طور پر ایک مقصد ہے۔

انسانی فطرت کی پریشانی کا علاج سوائے تصور آخرت کے کوئی نہیں:۔

لیکن انسان کو یہاں دنیا میں حاصل نہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا تو کر دیا اور اس کی فطرت کے اندر کوئی خواہشات بھی ڈال دیں، لیکن ان خواہشات کو پورا کرنے کی اس دنیا کے اندر کوئی صورت نہیں ہے، تو پھر انسان سے زیادہ ناکام زندگی انسان سے زیادہ پریشان مخلوق میں سے کوئی ہو سکتا ہے......؟ یعنی جو اپنے مقصد کے پانے میں کلیتہً ناکام ہے۔ وہ پریشان بھی ہے اور ناکام بھی ہے ایسی چیز مخلوق میں دوسری آپ کو کوئی نظر نہیں آئے گی تو پھر یہ بھٹکنے کیلئے پریشان ہونے کے لئے ہر وقت پریشان رہنے کے لئے اللہ نے اس کو بنایا......؟۔

اشرف المخلوقات کا انجام یہی ہے کہ بھٹکتا ہوا پریشان ہوتا پھرے ہر طرف اور کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو، نہیں یہ مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے اس انسان کی فطرت کی بے چینی کا علاج سوائے تصور آخرت کے کوئی نہیں، یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی بھی آئے گی جس میں جا کر انسان اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے تب جا کر آپ کہیں گے کہ واقعی انسان کا اچھا انجام سامنے آنے والا ہے، اگر آخرت کا تصور نہ ہو تو دنیا کے اندر کسی انسان کی زندگی با مقصد نہیں سب بے مقصد ہے، ایسے پریشان ہوتے ہوئے انسان اپنا وقت گزار دے یعنی اگر آخرت کا تصور نہ کیا جائے تو انسان کا حاصل جو ہے وہ یوں کہہ لیجئے! کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پاخانہ بنانے والی مشین بنائی ہے جس کا کام یہی ہے کہ ادھر سے ڈالتے جاؤ ادھر سے نکالتے جاؤ باقی کچھ نہیں ہے۔

صحیح کامیابی:۔

نہیں انسان بہت کامیاب مخلوق ہے اور وہ اسی طرح سے ہے کہ آخرت اللہ تعالیٰ نے بنائی جس کے متعلق آپ کو ہدایات دے دیں، اب صحیح معنیٰ میں اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں، تو اس فردوس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت میں جس وقت جنتی چلے جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ آج کے بعد سن لو تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی تمہیں موت نہیں آئے گی۔ ①

انسان کا مقصد جنت کو حاصل کرنے سے پورا ہوتا ہے:۔

ہر خواہش جنت میں جا کر پوری ہوگی اس لیے انسان کا مقصد جنت کو حاصل کرنے میں پورا ہوتا ہے اگر کوئی شخص جنت کو حاصل نہیں کر سکا تو یوں سمجھو یہ اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا، اس جنت کو حاصل کرنے کا یہ طریقہ جو بتایا گیا، یہی کامیابی کا طریقہ ہے اسکے بغیر کوئی شخص بھی اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا، ساری کی ساری دنیا ناکام ہے اس بات میں کہ انسان کی فطرت کی جو آواز ہے انسان کے دل میں جو اللہ نے خواہش پیوست کی ہے کہ اس طرح سے ہو جائے وہ خواہش یہاں پوری ہونے کی نہیں، ساری زندگی کے تجربے اس بات پر شاہد ہیں کہ انسان کے مقاصد دنیا میں حاصل نہیں ہوتے۔

جنت کو حاصل کرنے کا طریقہ:۔

ان کو اگر حاصل کرنا ہے تو اس کا راستہ یہ ہے کہ جو آپ کے سامنے ذکر کر دیا، سب سے پہلی اور بنیادی بات تو یہ تھی کہ ایمان لاؤ! جن میں سے پہلے بھی نماز کا ذکر آیا اور اس میں پھر نماز کا ذکر آیا معلوم ہوگیا کہ اس فلاح اور کامیابی کے حاصل کرنے میں نماز کی حیثیت بہت زیادہ ہے، خشوع کے ساتھ پڑھیے پابندی کے ساتھ پڑھیے! اس کے آداب شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھیے! اور بے کار اور بے ہودہ کاموں سے بچیے! اور فعل زکوۃ بھی کرتے رہیے اپنے نفس کا بھی تزکیہ کر لیجئے! اور مال کو بھی پاک صاف کرنے کی کوشش کیجئے! اس میں سے بھی متعین

---

① وعن ابی سعید الخدری و ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال ینادی مناد ان لکم ان تصحوا فلا تسقموا ابدا وان لکم ان تحیوا فلا تموتوا ابدا الخ (مشکوۃ ص۴۹۶/ صحیح مسلم ص۲۱۰۸۲ ج۴، بیروت البعث والنشور للبیہقی ص۱۶۹ ج۱۔

زکوۃ ادا کرو!۔

شہوات پرستی سے انسان کو بچنا چاہیے!:۔

اور پھر آگے بات یہ اہم ذکر کردی گئی کہ شہوت پرستی سے انسان کو بچنا چاہیے! فرج کا گناہ نہ کرنے پائے یہ فرج ایک بہت بڑا فتنہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے جس قسم کی صلاحتیں رکھی ہیں ان میں بڑی حکمت ہے۔ نسل آخر اسی سے چلتی ہے، اگر یہ خواہش نہ ہوتی تو نسل کیسے چلتی......؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ رکھی تو بہت حکمت کے تحت ہے لیکن اگر اس میں بے راہ روی اختیار کرلی جائے تو پھر یہ دنیا میں فساد ہی فساد ہے تو جائز مواقع اس کے بتا دیئے گئے کہ بیویوں اور باندیوں پر آپ اس فرج کو استعمال کرسکتے ہیں، قضائے شہوت کرلیں تو تم پر کوئی الزام نہیں، الزام نہیں سے یہ بات نکل آئی کہ اس کو بھی انسان زندگی کا مقصد نہ بنالے بلکہ یہ بھی ضرورت کے تحت ہے جب ضرورت کے تحت یہ کام کروگے تو کوئی الزام نہیں ہے۔

فرج کی حفاظت یہ بھی جنت کے حاصل کرنے کے لئے بڑا ذریعہ ہے:۔

لیکن اگر اس کے علاوہ کسی اور جگہ اس خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کروگے تو پھر حد سے تجاوز کرنے والے ہو، جس میں تمام وہ صورتیں آگئیں ناجائز قضائے شہوت کی......تو فرج کی حفاظت یہ بھی جنت کے حاصل کرنے کیلئے ایک بہت بڑا ذریعہ ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زبان اور فرج ان دو چیزوں کی حفاظت کی کوئی شخص ذمہ داری لے لے کہ زبان سے کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا جیسے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، اور کسی پر الزام لگانا کتنے گناہ ہیں جو انسان زبان سے کرتا ہے، اور ایک فرج ان دونوں کی حفاظت کی ذمہ داری کوئی شخص لے لے تو اس کے لیے جنت کا میں ضامن ہوں ① اکثر و بیشتر فساد جو آتا ہے انسان کے اندر وہ انہی دو چیزوں سے آتا ہے۔

معاملات کی اصلاح:۔

اور آگے آ گئی معاملات کی اصلاح امانت کی حفاظت کریں، جو آپ کے ذمے کوئی حق لگا ہوا ہے اس کو پورا

① من یضمن لی مابین لحییه ومابین رجلیه اضمن له الجنة (مشکوۃ ص ۴۱۱/ صحیح بخاری ج ۸ ص ۱۰۰ مطبوعہ بیروت باب حفظ اللسان/ السنن الکبری للبیہقی ص ۲۸۷ ج ۸/ شعب الایمان ص ۶ ج ۷/ شرح السنۃ للبغوی ص ۳۱۳ ج ۱۴

پورا ادا کریں، دوسرے کے حقوق کی رعایت رکھیں! معاہدے کی رعایت رکھیں! اب یہ امانت جو ہے یہ بھی دنیوی نظام کو برقرار رکھنے کیلئے بہت ضروری ہے، اس لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی......؟ تو آپ نے فرمایا جب امانتیں ضائع ہوجائیں گیں تو قیامت آجائے گی، پوچھا گیا کہ امانت ضائع ہونے کا کیا مطلب......؟ فرمایا جب نااہلوں کے کام سپرد ہونا لگ جائیں گے سمجھ لیجئے! کہ قیامت آنے والی ہے کیونکہ جب نااہلوں کے کام ذمے لگے گیں وہ اس امانت کو کیسے ادا کریں گے......؟ جب وہ ادا نہیں کریں گے تو فساد ہی فساد ہوگا ① آج آپ اپنے ملک میں دیکھ لیجئے! سفارشوں سے عہدے ملتے ہیں، رشوتوں سے عہدے ملتے ہیں قابلیت اور اہلیت دیکھی نہیں جاتی، تو تمام کے تمام شعبے جتنے بھی ہیں جو کچھ چاند چڑھ رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہی ہیں، یہ ساری کی ساری بربادی اس لیے آرہی ہے کہ کام نااہلوں کے ہاتھوں چڑھ جاتے ہیں اہلیت کی بناء پر یہاں عہدے نہیں ملتے جس کی وجہ سے پھر آگے بربادی ہی بربادی ہوتی ہے، اس طرح سے آپس میں عہد معاہدے کی رعایت رکھنا۔

احسانات خداوندی اور دلائل قدرت:۔

آگے جا کر پھر نماز کی تاکید آ گئی تو یہ آخرت کا ذکر جو آیا تھا تو اس کی مناسبت سے آگے مبدأ کو ذکر کردیا گیا آپ کو اپنے اقتدار کی طرف متوجہ کردیا گیا یہ جو چیزیں اب آگے ذکر کی جارہی ہیں ان میں احسانات بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل بھی ہیں، کہ جب پیدا کرنے والا وہی ہے، اور تمہاری ضرورتیں پوری کرنے والا وہی ہے تو پھر عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے، اس اعتبار سے عبادت کی تاکید کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں یہ آیات، ان کی تفسیر بار بار آپ کے سامنے ذکر کردی گئی کوئی خاص بات ان میں نہیں ہے پہلے انسان کی خلقت کو ذکر کیا اور پھر مرنے کا ذکر کیا اور اصل زور اس بات پر دینا مقصود ہے کہ پھر مرنے کے بعد تم ایک دن اٹھائے بھی جاؤ گے۔

یہ بعثت کا ذکر آ گیا یہ تو اپنے نفس کی طرف متوجہ کیا کہ اس میں بھی دیکھو! کہ کتنے اللہ تعالیٰ کے احسان اور کتنے قدرت کے دلائل ہیں اور آگے عالم بالا کی طرف متوجہ کردیا کہ تمہارے اوپر یہ کس طرح یہ سات طبقے بنائے

---

① اذا ضيعت الامانة فانتظر الساعة قال كيف اضاعتها قال اذا وسد الامر الى غير أهله فانتظر الساعة (مشکوۃ ص۴۶۹/ مسند احمد ص۳۴۴ ج۱۴/ صحیح بخاری ص۱۰۴ ج۸، باب رفع الأمانۃ مطبوعہ بیروت/ صحیح ابن حبان ص۳۰۷ ج۱/ السنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۰۱ ج۱۰)

ہیں اور ہم مخلوق سے ہر طرح باخبر ہیں، یہ زمین اور آسمان کے مابین کی بات آ گئی کہ بارش کس طرح سے اندازے کے ساتھ اترتی ہے اللہ تعالیٰ اس بارش کو زمین میں کس طرح ٹھہراتے ہیں، آگے پھر قدرت کا اظہار ہے کہ ہم چاہیں تو اس کو لے جا بھی سکتے ہیں، پھر یہ نباتات کا احسان آ گیا کہ اسی پانی کے ذریعہ سے ہم باغات اگاتے ہیں کھجوروں کے انگوروں کے ان دو کو ذکر اس لیے کر دیا کہ عرب میں زیادہ تر یہی چیزیں استعمال میں آتی ہیں، اور انکو انسان بطور تلذذ کے بھی کھاتا ہے اور بطور غذا کے بھی اور خصوصیت کے ساتھ زیتون کا ذکر کر دیا کیونکہ اس میں بھی فوائد کثیرہ ہیں اسی کا تیل استعمال کرتے تھے وہ لوگ اسی کو بطور سالن کے کھاتے تھے، طور سینا کے علاقے میں چونکہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے ذکر کر دیا۔

آگے حیوانات کا احسان آ گیا کہ ان میں بھی غور کرو تمہیں کس طرح سے اللہ کے احسانات اور قدرت نظر آئے گی کہ ان کے پیٹوں سے جو کہ خون اور گوبر کا مجموعہ ہے اسی میں سے ہم دودھ نکالتے ہیں اور تمہیں پلاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی اس میں تمہارے لیے بہت نفع ہیں اور پھر سواری کا کام بھی انہی سے لیا جاتا ہے ان پر خشکی میں اور کشتیوں پر سمندر میں اب چونکہ کشتی کا ذکر آ گیا تو اسی مناسبت سے آگے نوح علیہ السلام کا واقعہ آ رہا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا

یہ پکی بات ہے ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا پھر نوح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ

نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اس کے علاوہ کیا پھر تم ڈرتے نہیں ہو ﴿۲۳﴾ کہا سرداروں نے جنھوں نے

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ

کفر کیا تھا نوح کی قوم میں سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تم جیسا۔ ارادہ کرتا ہے تم سے بڑا بننے کا

عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىِٕنَا

اگر اللہ چاہتا تو اتار دیتا فرشتے نہیں سنی ہم نے یہ بات اپنے پہلے

الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰی

آباء میں ﴿۲۴﴾ نہیں ہے یہ مگر ایک آدمی جس کو جنون ہوگیا ہے پس اس کے متعلق تم انتظار کرو

حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ

ایک وقت تک ﴿۲۵﴾ نوح نے کہا اے میرے رب میری مدد کر تو انکے جھٹلانے کیوجہ سے ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے حکم بھیجا

اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ

نوح کی طرف کہ بنا تو کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جس وقت ہمارا حکم آجائے اور تنور جوش مارے

فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ

پس داخل کرلے تو اس کشتی میں ہر چیز سے زوجین اور اپنے گھر والے سوائے ان کے جن کے اوپر

عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ

بات سبقت لے گئی اور مجھے خطاب نہ کرنا ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ظلم کیا کیونکہ یہ سب

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

ڈبوئے جائیں گے ﴿۲۷﴾ جس وقت تو اور تیرے ساتھی درست ہوجائیں کشتی پر تو پھر یہ کہنا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ

شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطاء فرمائی ﴿۲۸﴾ اور کہنا اے میرے پروردگار

اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اتار مجھ کو اتارنا برکت والا اور آپ بہت اچھا اتارنے والے ہیں ﴿۲۹﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں

وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور بے شک ہم لوگ آزمانے والے ہیں ﴿۳۰﴾ پھر ہم نے اٹھایا قوم نوح کے بعد اور جماعت کو ﴿۳۱﴾

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

پھر ہم نے ان میں بھی رسول بھیجا انہی میں سے ہی اس رسول نے یہ کہا کہ عبادت کرو تم اللہ کی

غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو......؟ ﴿۳۲﴾

تفسیر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا: لعد تاکید کے لئے یہ پکی بات ہے ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، پھر نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو! نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اس کے علاوہ کیا پھر تم ڈرتے نہیں ہو......؟ یعنی اللہ کے غضب سے، یہ واقعہ چونکہ بار بار گزر چکا ہے اسی لیے اس کی زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ترجمہ دیکھتے چلیے فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہا سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تم جیسا۔ ارادہ کرتا ہے تم سے بڑا بننے کا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اگر اللہ چاہتا تو اتار دیتا فرشتے نہیں سنی ہم نے یہ بات اپنے پہلے آباء میں، نہیں ہے یہ مگر ایک آدمی جس کو جنون ہو گیا ہے پس اس کے متعلق تم انتظار کرو۔

ایک وقت تک نوح علیہ السلام کی قوم کی تکذیب اور کشتی کی تیاری:۔

قَالَ نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میری مدد کر بِمَا كَذَّبُوْنِ ما اگر مصدر یہ ہو تو ان کے مجھ کو جھٹلانے کی وجہ سے چونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے تو، تو اب میری مدد کر، تو میرا انتقام لے یہ خلاصہ ہے واقعہ کا۔ تفصیل کے ساتھ واقعہ پہلے آپ کے سامنے گزر چکا ہے فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ پھر ہم نے حکم بھیجا نوح علیہ السلام کی طرف کہ بنالو کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جس وقت ہمارا حکم آجائے، اس امر سے امر عذاب مراد ہے، وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور جب تنور جوش مارے اس سے مراد یہ ہے کہ تنور میں سے پانی نکلنا شروع ہو جائے یا فَارَ التَّنُّوْرُ بطور محاورے کے ہے کہ جس وقت تنور گرم ہو جائے جوش مارے یعنی بالکل عذاب سر پر آ گیا تو اس وقت فوراً اپنے اہل وعیال کو متعلقین کو کشتی میں سوار کر لینا۔ تو یہاں عذاب مراد ہے جس وقت تنور جوش مارے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح علیہ السلام کو ہدایات:۔

فَاسْلُكْ فِيْهَا: پس داخل کر لے تو اس کشتی میں ہر چیز سے زوجین نر اور مادہ یعنی دو دو واھلك اہل سے مراد اپنے گھر والے اور متعلقین جنہوں نے آپ کا کلمہ پڑھا ہے اور آپ پر ایمان لائے ہیں اہل اور ال یہ متعلقین کیلئے لفظ بولا جاتا ہے جس میں بیویاں اولاد متبعین سارے شامل ہوتے ہیں، سوائے ان کے جن کے اوپر بات سبقت لے گئی یعنی جن کے متعلق غرق کرنے کا فیصلہ ہو گیا ان کو اپنے ساتھ نہ چڑھا اہل وعیال میں سے بھی جو کافر ہیں ان کو ساتھ نہ رکھیے......!

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ: اور مجھے خطاب نہ کرنا ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ یہ سب ڈبوئے جائیں گے فَاِذَا اسْتَوَيْتَ ت ضمیر متصل فاعل کی ہے وَمَنْ مَّعَكَ اس پر عطف ہو رہا ہے اور یہ نحو کے اندر آپ قاعدہ پڑھا کرتے ہیں کہ ضمیر مرفوع متصل پر جب عطف کیا جائے تو اس کو ضمیر منفصل کے ساتھ مؤکد کیا جاتا ہے، یہ انت اس کے ساتھ تاکید کے طور پر آ گیا، جس وقت تو اور تیرے ساتھ درست ہو جائیں کشتی پر تو پھر یہ دعا کرنا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اس طرح سے شکر ادا کرنا اور یہ بھی دعا کرنا رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ اے میرے پروردگار! اتار مجھ کو اتارنا برکت والا اور آپ بہت اچھا اتارنے والے ہیں تو جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہو گئے۔

تو گویا کہ یہ بھی ایک قسم کی ہجرت تھی جو اپنی قوم سے علیحدگی ہوگئی اور حضور ﷺ جب ہجرت کر کے جا رہے تھے تو آپ کو بھی ایسی دعا کی تلقین کی گئی تھی، رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ① اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں، بے شک ہم لوگ البتہ آزمانے والے ہیں جس طرح سے نوح علیہ السلام کی قوم کو آزمایا تھا اسی طرح سے ہم آزمانے والے ہیں اور اس قسم کے واقعات پیش کر کے سنا کر یہ بھی لوگوں کے لئے ایک آزمائش ہے کہ کون اس سے متاثر ہوتا ہے! اور کون نہیں ہوتا ثُمَّ اَنْشَاْنَا پھر ہم نے اٹھایا قوم نوح کے بعد اور جماعت کو، قرن سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو ایک وقت میں موجود ہوں یعنی یہ قوم ختم ہوگئی اس کے بعد پھر ہم نے ایک اور جماعت اٹھائی اس جماعت کا مصداق کون ہے......؟ واقعات کے سلسلے میں نوح علیہ السلام کے بعد قوم عاد قوم ثمود یہی آتی ہیں تو انہی میں سے کسی قوم کا یہ تذکرہ ہے نام نہیں ان کا لیا گیا فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا پھر ہم نے ان میں بھی رسول بھیجا انہی میں سے ہی اس رسول نے یہ کہا کہ عبادت کرو تم اللہ کی تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم شرک کر کے اللہ کے غضب سے ڈرتے نہیں ہو......؟

---

① پارہ نمبر ۱۵ سورۃ نمبر ۱۷ آیت نمبر ۸۰ ص ۲۶۲

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ

پس کہا سرداروں نے ان کی قوم میں سے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی

الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا

اور ہم نے ان کو خوشحالی دی اس دنیاوی زندگی میں کہ نہیں ہے یہ مگر

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾

انسان تم جیسا۔ کھاتا ہے ان چیزوں میں سے جن کو تم کھاتے ہو، پیتا ہے اس چیز میں سے جس میں سے تم پیتے ہو ﴿۳۳﴾

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ

اگر تم نے اطاعت کی اپنے جیسے انسان کی تو پھر تم البتہ خسارے والے ہو جاؤ گے ﴿۳۴﴾ کیا یہ تمہیں ڈراتا ہے اس

اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ

بات سے جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیاں ہو جاؤ گے پھر تم نکالے جاؤ گے ﴿۳۵﴾ دور ہے واقع ہونا

لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا

اس چیز کا جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ﴿۳۶﴾ نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیاوی زندگی مرتے ہیں زندہ ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد

نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

ہم اٹھائے نہیں جائیں گے ﴿۳۷﴾ یہ اور کچھ نہیں بس ایسا ایک آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے

وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا

اور ہم اس پر ایمان لانیوالے نہیں ہیں ﴿۳۸﴾ اس رسول نے کہا اے میرے رب میری مدد کر انکے مجھ کو جھٹلانے کیوجہ سے ﴿۳۹﴾ اللہ نے فرمایا

قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ

تھوڑی مدت کے بعد البتہ یہ ضرور ہو جائیں گے شرمسار ﴿۴۰﴾ پس پکڑ لیا ان کو چیخ نے ٹھیک ٹھیک پھر بنا دیا ہم نے انکو

غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا

تنکے پس ظالم لوگوں کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے ﴿۴۱﴾ پھر ہم نے ان کے بعد اور جماعتیں

اٰخَرِیْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ

پیدا کیں ﴿۴۲﴾ نہیں سبقت لے گئی کوئی امت اپنے وقت معین سے اور نہ وہ پیچھے ہٹی ﴿۴۳﴾ پھر

اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا

ہم نے اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجا جب بھی کسی جماعت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا

بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر ہم نے بھی بعض کو بعض کے پیچھے لگا دیا اور بنا دیا ہم نے ان کو قصے کہانیاں پس دوری ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان نہیں لاتے ﴿۴۴﴾

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۵﴾

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں کے ساتھ اور واضح دلیل کے ساتھ ﴿۴۵﴾

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ﴿۴۶﴾ ۚ فَقَالُوْۤا

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ بہت سر چڑھے لوگ تھے ﴿۴۶﴾ کہنے لگے

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ۚ فَكَذَّبُوْهُمَا

کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو انسانوں پر حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے ﴿۴۷﴾ انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا

فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

پس ہو گئے یہ ہلاک ہوؤں میں سے ﴿۴۸﴾ البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ یہ لوگ

یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰیَةً وَّاٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰى

ہدایت پر آئیں ﴿۴۹﴾ اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو نشانی اور ہم نے ان دونوں کو

رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾
ٹھکانا دیا اونچی جگہ کی طرف ﴿۵۰﴾

تفسیر

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ: پس کہا سرداروں نے ان کی قوم میں سے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ان کو خوشحالی دی اس دنیوی زندگی میں کہ نہیں ہے یہ مگر انسان تم جیسا، تو جب یہ ہم جیسا ہی انسان ہے تو پھر اللہ کا رسول کس طرح سے ہوگیا......؟ جیسے آگے بھی تفصیل اس بات کی آئے گی۔

رسول کو بشر نہ ماننا مشرکانہ نظریہ کا چربہ ہے:۔

انہوں نے بھی یونہی کیا یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ کھاتا ہے انہی چیزوں میں سے جن سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اسی چیز میں سے جس سے تم پیتے ہو، یعنی انکا کھانا پینا بالکل تمہاری طرح ہے اپنے جیسا بشر تو وہ براهۂ سمجھتے تھے دلیل یہ کہ دیکھو اللہ کا رسول کس طرح سے ہوسکتا ہے......؟ یہ ممتاز کس طرح سے ہوگیا......؟ اس ذہن میں اصل میں بات یہ ہے کہ بشریت اور رسالت دونوں میں منافات ہے، وہ چونکہ سمجھتے تھے اور آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ انسان تو یہ ہے لہذا رسول نہیں، اب یہ جو لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آئی ہوئی ہے کہ رسول ہے تو بشر نہیں یہ اصل کے اعتبار سے اسی مشرکانہ نظریہ کا چربہ ہے۔

لیکن بات الٹ ہوگئی کہ اب یہ رسول تو سمجھتے ہیں کلمہ پڑھ بیٹھے اب رسول مان لینے کے بعد بشر ماننے کو طبیعت نہیں چاہتی وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کا رسول ہو اور بشر ہو، تو گویا کہ انہوں نے رسول مان کر بشریت کا انکار کر دیا اور وہ بشر تو مانتے تھے آنکھوں کے سامنے ہونے کی وجہ سے لیکن وہ یہ کہتے تھے کہ یہ بشر رسول کیسے ہوگیا......؟ دونوں طرف سے بات ایک ہی ہے یعنی بشریت اور رسالت میں منافات یہ دونوں اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

سارے انسان مل کر بھی رسول کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے:۔

تو یہ جہالت والا نظریہ ہے جو پرانے زمانہ سے چلا آرہا ہے قرآن کریم یہ تسلیم کرتا ہے کہ واقعی انبیاء علیہم السلام بشر ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ فضیلت بیان کرتا ہے کہ جب اللہ کی طرف سے وحی آگئی تو پھر اس کا درجہ بہت

اونچا ہو گیا اب اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اسکا کہنا ماننا اللہ کے کہنا ماننے کے قائم مقام ہے بس یہ فرق جو ہے اس سے لوگ غافل ہو جاتے ہیں اس فرق کو لوگ کافی نہیں سمجھتے کہ اللہ کا رسول مان لیا جائے تو کسی بشر کو۔ تو بشر ہونے کے باوجود اس کو اتنی فوقیت ہو جاتی ہے کہ پھر باقی انسان سارے کے سارے مل کر اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

نظریہ مشرکین......! بشریت اور رسالت دونوں اکٹھے جمع نہیں ہو سکتے:۔

یہ بات ان کا ذہن قبول نہیں کرتا وہ کہتے ہیں کہ یہ بڑائی کوئی بڑائی نہیں ہے، رسول ہو تو اس کو بشر نہیں ہونا چاہیے اب یہاں ان کی نظر یہاں تک تو جاتی تھی کہ یہ ہماری طرح ہی کھاتا ہے، ہماری طرح ہی پیتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر طرح سے ہماری مثل ہو گئے، ایک بات میں اگر مثل ہو تو ضروری نہیں کہ ہر بات میں مثل ہو گئے تو یہ ذہن جو ہے مشرکانہ یہ ابتداء سے چلا آ رہا ہے، کہ بشریت اور رسالت یہ دونوں اکٹھے جمع نہیں ہو سکتے وہ چونکہ بشر سمجھتے تھے ان کی آنکھوں کے سامنے تھا معاملہ۔ اس لیے رسول ہونے کو وہ تسلیم نہیں کرتے تھے اور آج رسول ہونے کو تسلیم کر لیا تو بشر ہونے کو ذہن قبول نہیں کرتا تو دونوں کے درمیان منافات یہ وہی قدیم جاہلیت ہے، جس نے صرف رنگ اور عنوان بدلا ہے ورنہ دونوں میں فرق کوئی نہیں ہے، اور آگے نتیجہ نکال لیا۔

آج کے مقتداء عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں:۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ: اگر تم نے اطاعت کی اپنے جیسے انسان کی پھر تم البتہ خسارے والے ہو جاؤ گے یہ بھی دیکھو! عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھانے والی بات ہے اپنے پیچھے تو لگائے بیٹھے تھے لوگوں کو اور خود مقتدیٰ بنے بیٹھے تھے اور کسی ماتحت کو حق نہیں تھا کہ ان کی رائے سے اختلاف کرے اپنے پیچھے لگنے میں تو ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ان کے پیچھے (انبیاء علیہم السلام) تم لگ گئے تو پھر خسارہ ہی خسارہ ہے اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ کیا یہ تمہیں ڈراتا ہے؟ اس بات سے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ یہ اسم فعل ہے بَعُدَ کے معنی میں بَعُدَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ یعنی بَعُدَ الْوُقُوْعُ دور ہے واقع ہونا اس چیز کا جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو یہ تاکید کیلئے جس کا مطلب یہ ہو گیا کہ ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں وہ چیز جس سے تم ڈرائے جاتے ہو اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیوی زندگی مرتے ہیں زندہ ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد ہم نہیں اٹھائے جائیں گے، یہ آخرت

کا یوں انکار کرتے تھے قَالَ اس رسول نے کہا اے میرے رب! میری مدد کر ان کے مجھ کو جھٹلانے کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھوڑی مدت کے بعد البتہ ضرور ہو جائیں گے یہ شرم سار۔

رسول کی بات جھٹلانے والوں کو اللہ نے قصہ و کہانیاں بنا دیا:۔

پس پکڑ لیا ان کو صیحہ نے ''صیحہ'' کا لفظی معنیٰ ہے چیخ اور یہاں سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈانٹ جو آتی ہے، وہ چاہے کسی شکل میں آئے اس لیے صیحہ کا مصداق ہر قسم کا عذاب ہوتا ہے تو پکڑ لیا ان کو عذاب نے ایک چیخ نے جو کہ ایک امر واقعی تھی پکڑ لیا ان کو چیخ نے ٹھیک ٹھیک، پھر بنا دیا ہم نے ان کو تنکے پس ظالم لوگوں کیلئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے، یعنی اللہ کی پھٹکار ہے یہ بُعْدٌ پھٹکار کے معنی میں ہے ثُمَّ اَنْشَاْنَا پھر ہم نے انکے بعد اور جماعتیں پیدا کیں، نہیں سبقت لے گئی کوئی امت اپنے وقت متعین سے اور نہ وہ پیچھے ہٹی یعنی معین وقت پر ان کو پکڑا گیا، ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا، تَتْرَا یہ پہلی ت واؤ سے بدلی ہوئی ہے وترا پھر ہم نے اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجا جب کبھی کسی جماعت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا پھر ہم نے بھی بعض کو بعض کے پیچھے لگا دیا یعنی جیسے جیسے یہ جھٹلاتے گئے ایسے ہم بھی ان کو ہلاک کرتے گئے، وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ اور بنا دیا ہم نے ان کو قصے کہانیاں پس دوری ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے یعنی ان بے ایمانوں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

فرعونی ذہن کے مالک لوگ:۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا: پھر بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اسکے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ اور واضح دلیل کے ساتھ، واضح دلیل سے معجزۂ عصا مراد ہے، اور ایات سے باقی عام معجزات مراد ہیں، فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ بہت سر چڑھے لوگ تھے یعنی متکبر تھے۔ کہنے لگے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو انسانوں پر حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے، یعنی ان کی قوم ہماری غلام ہے اور ہم اپنے غلاموں کی اولاد کی بات مان لیں، یہی فرعونیت ہے جو انسان کا دماغ خراب کرتی ہے اور انسان کے لئے ہلاکت کو مہیا کرتی ہے دیکھنا یہ چاہیے کہ بات جو کہی جارہی ہے مدلل ہے یا نہیں......؟ چاہے کہنے والا کم حیثیت کا ہو، اگر بات تمہارے نفع کی کہی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی کہی جارہی ہے، پھر چاہے پہنچانے والا جولا یا ہو تمہیں اس سے کیا......! اللہ تعالیٰ بڑائی کو تو نہیں دیکھتا بلکہ اس نے دیکھنا ہے کہ بات کس کی صحیح ہے......؟ اور کس نے میری بات

مانی! ان کی قوم تو ہماری غلام ہے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم پر ایمان لے آؤ فَكَذَّبُوْهُمَا انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا پس ہو گئے یہ بھی ہلاک کیے ہوؤں میں سے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا: البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تا کہ یہ لوگ ہدایت پائیں اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو نشانی اس کی تفصیل جیسے سورۃ مریم میں گزر چکی ہے اللہ کی قدرت کی نشانی تھے اور ہم نے ان دونوں کو ٹھکانہ دیا اونچی جگہ کی طرف یا تو اس سے وہی ٹیلہ مراد ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی یا بعض نے مصر کا علاقہ مراد لیا ہے یا فلسطین اور شام جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہتے ہوں گے وہ اردگرد کی جگہوں سے اونچی ہوگی اور ذات قرار کا معنی ٹھہرنے کے قابل اور مَعِيْنٍ کے معنی جاری پانی یعنی وہ علاقہ اچھا تھا اس کے پاس نہریں بہتی تھیں جس کی سے وہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ

اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور نیک عمل کرو

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۞ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

بے شک میں تمہارے اعمال کو جاننے والا ہوں (۵۱) اور بے شک یہی تمہارا طریقہ ہے اور ایک ہی طریقہ ہے

وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۞ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ

اور میں تمہارا رب ہوں پس تم مجھ سے ڈرو (۵۲) پس لوگوں نے اپنے امر دینی کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۞ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى

ہر گروہ اس کے ساتھ خوش ہونے والا ہے جو اس کے پاس ہے (۵۳) ان کو ان کی جہالت میں چھوڑ دیجئے! ایک

حِيْنٍ ۞ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۞ نُسَارِعُ

وقت تک (۵۴) کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ چیز جس کے ذریعہ سے ہم انہیں امداد دے رہے ہیں مال اور بیٹے (۵۵) ہم ان کیلئے

لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ

جلدی کر رہے ہیں بھلائیوں میں بلکہ یہ سمجھتے نہیں (۵۶) بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کی

خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۞

ہیبت سے ڈرنے والے ہیں (۵۷) اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیات کے ساتھ ایمان لاتے ہیں (۵۸)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے (۵۹) اور وہ لوگ جو کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں

وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ

اس حال میں کہ انکے دل ڈرنے والے ہیں اس بات سے کہ وہ اپنے رب کیطرف لوٹنے والے ہیں (۶۰) یہی لوگ ہیں

فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

بھلائیوں میں جلدی کرنیوالے اور وہ ان بھلائیوں کیلئے سبقت لے جانیوالے ہیں ﴿٦١﴾ اور نہیں تکلیف دیتے ہم کسی نفس کو مگر اسکی

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ

وسعت کے مطابق اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو ٹھیک ٹھیک بولے گی اور وہ لوگ ظلم نہیں کئے جائیں گے ﴿٦٢﴾ بلکہ انکے دل

فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا

غفلت میں ہیں اس کی طرف سے اور ان کیلئے اعمال ہیں اسکے علاوہ بھی وہ لوگ ان عملوں کو

عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾

کرنیوالے ہیں ﴿٦٣﴾ حتی کہ جب پکڑلیں گے ہم انکے خوشحال لوگوں کو عذاب کیساتھ اچانک وہ چلائیں گی ﴿٦٤﴾

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى

آج مت چلاؤ! بے شک تم ہماری طرف سے مدد نہیں کیے جاؤ گے ﴿٦٥﴾ تحقیق میری آیات پڑھی جاتی تھیں تم پر

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا

پھر تم اپنی ایڑیوں پر لوٹتے تھے ﴿٦٦﴾ بڑے غرور سے اس (قرآن) کے بارے میں رات کو مجلس جما کر بے ہودہ

تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ

باتیں کرتے تھے ﴿٦٧﴾ کیا ان لوگوں نے قول میں تدبر نہیں کیا؟ یا آ گئی انکے پاس وہ چیز جو انکے پہلے آباء کے پاس

الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَمْ

نہیں آئی تھی ﴿٦٨﴾ یا نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو پس وہ اس رسول کو اوپرا جاننے والے ہیں ﴿٦٩﴾ یا یہ

يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے بلکہ ان کے پاس حق لیکر آیا ہے اور ان میں سے اکثر حق سے کراہت

كٰرِهُوْنَ ۝٧٠ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

کرنے والے ہیں ۝٧٠ اگر حق ان کی خواہشات کا تابع ہو جائے تو زمین و آسمان اور جو ان میں ہیں وہ فاسد ہو جائیں

وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝٧١ؕ

بلکہ ہم ان کے پاس نصیحت لائے ہیں اور یہ لوگ نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں ۝٧١

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖۗ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝٧٢

یا تم ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہو؟ تیرے رب کا خراج بہتر ہے اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے ۝٧٢

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٧٣ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور بے شک تو البتہ دعوت دیتا ہے انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ۝٧٣ اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝٧٤ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ

نہیں لاتے وہ راستہ سے ایک طرف کو ہٹنے والے ہیں ۝٧٤ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور دور ہٹا دیں ان سے اس تکلیف کو

مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝٧٥ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ

جو ان کو ہے تو البتہ اصرار کریں گے یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ۝٧٥ اور البتہ تحقیق ہم نے

بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝٧٦ حَتّٰٓى اِذَا

انہیں عذاب میں پکڑا پس یہ نہ دبے اپنے رب کیلئے اور نہ یہ گڑگڑائے ۝٧٦ حتیٰ کہ جب

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝٧٧ؑ

کھول دیں گے ہم ان کے اوپر دروازہ سخت عذاب کا تو پس اچانک وہ اس عذاب میں مایوس ہونیوالے ہوں گے ۝٧٧

تفسیر

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ: اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور نیک عمل کرو! بے شک میں تمہارے اعمال کو جاننے والا ہوں اور بے شک یہی تمہارا طریقہ ہے اور ایک ہی طریقہ ہے امت طریقہ کو کہتے ہیں اور میں تمہارا

رب ہوں پس تم مجھ ہی سے ڈرو! فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا، زبر زبور کی جمع ہوتو کتاب کے معنی میں ہوتی ہے اور زبرۃ کی جمع ہوتو ٹکڑے کے معنی میں ہوتی ہے تو یہاں یہ زبرۃ کی جمع ہے، پس لوگوں نے اپنے امر دینی کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا ہر گروہ اس کے ساتھ خوش ہونے والا ہے جو اس کے پاس ہے فَذَرْهُمْ آپ انہیں چھوڑ دیئے! فِيْ غَمْرَتِهِمْ غمرہ اصل کے اعتبار سے تو اس گہرے پانی کو کہتے ہیں جس میں انسان ڈوب جائے اور پانی میں چھپ جائے پھر اس سے مراد جہالت اور مدہوشی غفلت یہ معنے مراد لیے جاتے ہیں تو فِيْ غَمْرَتِهِمْ کا معنی یہ ہو جائے گا ان کو جہالت میں چھوڑ دیجئے! ایک وقت تک اَيَحْسَبُوْنَ کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ چیز جس کے ذریعہ سے ہم انہیں امداد دے رہے ہیں یعنی مال اور بیٹے نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ہم ان کے لیے جلدی کر رہے ہیں بھلائیوں میں بلکہ یہ سمجھتے نہیں یعنی اگر انکا خیال یہ ہے کہ یہ مال اور بیٹے ہم انہیں دیتے جا رہے ہیں ہم انہیں جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں یہ انکا خیال غلط ہے اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کی ہیبت سے ڈرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیات کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے اور وہ لوگ جو کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈرنے والے ہیں، اس بات سے کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی لوگ ہیں بھلائیوں میں جلدی کرنے والے، اور وہ ان بھلائیوں کے لئے سبقت لے جانے والے ہیں وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اور نہیں تکلیف دیتے ہم کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو ٹھیک ٹھیک بولے گی اور وہ لوگ ظلم نہیں کیے جائیں گے، بَلْ قُلُوْبُهُمْ بل کا مطلب یہ ہے کہ ان مومنین صالحین کی طرح یہ مشرکین کافرین یہ نہیں سمجھتے اور یہ نیکیوں کی طرف نہیں آتے بلکہ ان کے دل غفلت میں ہیں ان اعمال کی طرف سے اور ان کے لئے اعمال ہیں اس کے علاوہ بھی وہ لوگ ان عملوں کو کرنے والے ہیں۔

یعنی صرف ایک جہالت اور مدہوشی غفلت ہی انکا جرم نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور اعمال بھی ہیں جو یہ کر رہے ہیں حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا اور ان کی یہ غفلت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہمارا عذاب نہیں آتا حتی کہ جب پکڑ لیں گے ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب کے ساتھ اچانک وہ چلائیں گے پھر انہیں کہا جائے گا کہ آج مت چلاؤ! بے شک تم ہماری طرف سے مدد نہیں کیے جاؤ گے تحقیق میری آیات پڑھی جاتی تھیں تم پر پھر تم اپنی

ایڑیوں پر لوٹتے تھے یعنی پیچھے کو بھاگ جاتے تھے، مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ بہ کی ضمیر اکثر مفسرین نے بیت اللہ اور حرم کی طرف لوٹائی ہے، گو اگر چہ پیچھے الفاظ میں مذکور نہیں کیونکہ یہ آیات مکہ میں اتر رہی ہیں اور مخاطب بھی مشرکین مکہ ہیں یوں سمجھو کہ جب بیت اللہ کے آس پاس یہ آیات پڑھی جارہی ہیں تو وہاں اس کا مصداق بہت جلدی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

انہیں یہ کہا جارہا ہے کہ تم اس بیت اللہ کی وجہ سے تکبر کر رہے ہو کہ ہم اس بیت اللہ کے مجاور ہیں، اور اس کی وجہ سے ہمیں عزت حاصل ہے یہی فخر یہی تکبر تمہیں حق کے قبول کرنے سے مانع بنا ہوا ہے، تو جب وہاں بیت اللہ کے سامنے ہو یا قریب ہو تو مستکبرین بہ اس طرح سے پڑھتے ہوئے بہ کی ضمیر مرجع کا جلدی سے ذہن میں آ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے تو مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ کا معنی یہ ہو جائے گا کہ تم اس بیت اللہ کی وجہ سے تکبر کرنے والے ہو تم سمجھتے ہو کہ اس بیت اللہ کے ہم مجاور ہیں جب ہم مجاور ہیں تو دنیا اور آخرت کی عزت ہمارے لیے ہی ہے تو ہ کی ضمیر لوٹ جائے گی حرم یا بیت اللہ کی طرف۔

اور ہ ضمیر کو اگر اللہ رسول کی طرف لوٹائیں تو بھی ٹھیک ہے پھر مُسْتَكْبِرِيْنَ اس کے اندر تکذیب والا معنی ہوگا کیونکہ استکبر عنه اصل میں آتا ہے تو بہ ب متعلق ہو جائے گی استکبار کے یہ تکذیب والے معنی کے اعتبار سے جس کا معنی یہ ہو جائے گا کہ تم تکبر کرتے ہو اس رسول کی تکذیب کرتے ہوئے اور اگر قرآن کی طرف لوٹائیں تو بھی وہ وہی تکذیب والا معنی ہو جائے گا، تم تکبر کرنے والے ہو اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاتے ہو اس حال میں کہ تکبر کرنے والے ہو اس قرآن کی تکذیب کرتے ہو، یعنی اس قرآن کو قبول کرنے سے تکبر کرتے ہو، تو ہ کی ضمیر حرم کی طرف لوٹائیں تو بھی گنجائش ہے، اللہ کے رسول کی طرف لوٹائیں تو بھی گنجائش ہے اللہ کے رسول اور قرآن کی طرف لوٹائیں گے تو مُسْتَكْبِرِيْنَ میں تکذیب والا معنی مانیں گے تب جا کے یہ جار کا تعلق اس کے ساتھ اچھی طرح سے واضح ہو جائے گا سٰمِرًا یہ لفظ سمر سے لیا گیا ہے اور سمر کہتے قصہ گوئی کو تَهْجُرُوْنَ یہ هَجْر سے ہے یا هِجْرَان سے ہے هِجْرَان سے اگر ہو تو چھوڑنے کے معنی میں ہے اور اگر سٰمِرًا کو تَهْجُرُوْنَ کا مفعول بنائیں تو معنی یہ ہوگا کہ تم اس کو چھوڑنے والے یعنی رسول کو تم ایک قصہ گو سمجھتے ہو اور اس کو اس طرح سے تم چھوڑ کر چلے جاتے ہو جیسے کوئی آدمی بیٹھا ایسے حکایتیں سنا رہا ہے، کوئی کہانیاں سنا رہا ہے تو جب انسان کا جی چاہا لا پرواہی کے ساتھ اٹھا، اٹھ

کر چلا گیا اور اس کو چھوڑ کر چلے گئے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، تو گویا کہ رسول کو تم سمر سمجھتے ہوئے رسول کو چھوڑ جاتے ہو اس طرح سے جیسے قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے۔

اور سٰمِرًا: کو مفرد کے معنی کی بجائے جمع کے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے اور پھر بہ کو مستکبرا کی بجائے سٰمِرًا کے متعلق بھی کر سکتے ہیں اس حال میں کہ تم تکبر والے ہو اور اس اللہ کے رسول کے متعلق تم قصہ گوئی کرنے والے ہو اور بکتے ہو۔ بکنے والا معنی کریں تو ھَجر سے ہوگا۔

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ: کیا ان لوگوں نے قول میں تدبر نہیں کیا......؟ قول سے یہی قول رسول مراد ہے اَمْ جَآءَهُمْ یا آ گئی ان کے پاس وہ چیز جو ان کے پہلے اباء کے پاس نہیں آئی تھی یا نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو پس وہ اس رسول کو اوپرا جاننے والے ہیں، یا یہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں بلکہ ان کے پاس حق بات آئی ہے اور ان میں سے اکثر حق سے کراہت کرنے والے ہیں وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جائے تو زمین و آسمان فاسد ہو جائیں گے کیونکہ ان کی خواہشات متضاد ہیں اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی ہیں، اگر حق اسی کو قرار دے دیا جائے جو انکی خواہشات ہیں تو اس کا نتیجہ اللہ کے غضب کی صورت میں ان پر ٹوٹ پڑے گا۔

بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ: بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں اور یہ لوگ اپنی نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں اَمْ تَسْئَلُهُمْ خرجاً اور ایک اعراض کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک آدمی باتیں تو آپ کو اچھی بتاتا ہے لیکن بات بتانے پر فیس مانگتا ہے یا تو ان سے کوئی خراج مانگتا ہے اس لیے یہ لوگ بدکتے ہیں؟ یعنی خراج بھی آپ نہیں مانگتے فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیْرٌ تیرے رب کا خراج بہتر ہے اور وہی بہترین رزق دینے والے ہے، اور بے شک تو البتہ دعوت دیتا ہے انہیں صراط مستقیم کی طرف اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ راستہ سے ایک طرف کو ہٹنے والے ہیں وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور وہ دور ہٹا دیں ان سے اس تکلیف کو جو ان کو ہے تو البتہ اصرار کریں گے یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ: اور البتہ تحقیق ہم نے نہیں عذاب میں پکڑا، عذاب سے دنیوی تکلیفیں مراد ہیں فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ پس یہ نہ دبے اپنے رب کے لئے اور نہ یہ گڑگڑائے حتیٰ کہ جب کھول دیں گے

ہم ان کے اوپر دروازہ سخت عذاب کا تو پس اچانک وہ اس عذاب میں مایوس ہونے والے ہیں۔

(ماقبل سے ربط) نیک اعمال ناشی ہوتے ہیں حلال خوراک سے:۔

جس طرح سے سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کی ترغیب دی تھی اس رکوع کی پہلی آیت بھی اسی ترغیب کے سلسلے میں ہے رسولوں کو خطاب کر کے جو حکم دیئے گئے اور رسولوں کی وساطت سے یہی حکم امتوں کو دیا گیا کہ حلال کھاؤ! اور نیک اعمال کرو! ان دو باتوں کی بہت اہمیت ہے اور آپس میں جوڑ ہے حلال کھائیں گے تو نیک عمل کی توفیق ہوگی اور نیک عمل پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور اگر کھانا حلال نہ ہو تو اول تو نیک عمل کی توفیق ہی نہیں ہوتی اور اگر توفیق ہو بھی جائے تو اس قسم کا عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا حرام کھا کر کوئی شخص اللہ کی جنت کو حاصل نہیں کر سکتا، جنت اگر ملے گی تو نیک اعمال سے ملے گی نیک اعمال یہ ناشی ہوتے ہیں حلال خوراک سے حدیث شریف میں آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہر وہ گوشت جو حرام مال کھانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہو تو جہنم ہی اس کے لائق ہے ① تو یہ حلال کھانا یہ ایک بنیادی چیز ہے حلال کھانے کے ساتھ پھر انسان کو حرام کاموں سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتے ہیں اور نیکی کی توفیق دیتے ہیں، تو اللہ کے رسولوں کو حکم دے کر اصل میں سنانا امتوں کو مقصود ہے ورنہ اللہ کے رسول تو معصوم ہوتے ہیں ان کی وساطت سے یہ حکم امتوں کو دیا جا رہا ہے۔

سب رسولوں کے اصول ایک ہی ہیں:۔

اور پھر فرمایا کہ تم سب کا طریقہ یہ ایک ہی طریقہ ہے اور رسول جتنے آئے اصول سب کے ایک ہی تھے، دین ایک ہی ہے وقتی طور پر اگر چند احکام میں اختلاف آ جائے تو یہ دین کا اختلاف نہیں ہے، وہ تو ایسے ہی ہے جیسے ہم سب کا دین اسلام ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ احادیث کی روشنی میں فقہاء کے مسلک علیحدہ علیحدہ بھی ہیں، یہ تو ایسے ہی ہیں جیسے ہم سب انسان ہیں لیکن کسی کا رنگ گورا ہے، کسی کا کالا ہے، کسی کا قد لمبا ہے، کسی کا چھوٹا ہے، تو یہ تھوڑا تشخص میں فرق ہوتا ہے اس سے کوئی انسانیت میں فرق نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ دین تو سب کا ایک ہی ہوتا ہے وقتی مصلحت کے طور پر یہ جزوی اختلافات جو ہوتے ہیں، یہ تو ایسے ہی ہیں جیسے انسانوں کی شکل وصورت میں اختلافات آ گئے ان اختلافات کے باوجود حقیقت ایک ہی رہتی ہے، تو یہ طریقہ ایک ہی طریقہ ہے، جس کا حاصل یہ

①عن ابی بکران رسول ﷺ قال لایدخل الجنۃ جسد غذّی بالحرام (مشکوۃ ص ۲۴۳)

ہے کہ میں ہی تمہارا رب ہوں، پس مجھ سے ہی ڈرو۔

دولت واولاد کی وجہ سے جولوگ غرور میں آئے ہوئے ہیں یہ اللہ کی طرف سے استدراج ہے:۔

پس لوگوں نے اپنے امر دینی کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا اور ہر شخص نے جو عقیدہ اختیار کرلیا اسی پر خوش ہے تو آپ ان کے پیچھے نہ پڑیئے ان کو انکے حال پر چھوڑ دیجئے! ایک وقت تک اور پھر اگر یہ مال و دولت کی وجہ سے ہے بیٹوں کی کثرت کی وجہ سے غرور میں آئے ہوئے ہیں، تو یہ کوئی اچھی چیز نہیں جو اللہ انہیں دے رہا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہے ان کی رسی ڈھیلی چھوڑی ہوئی ہے بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ بلکہ یہ سمجھتے نہیں یہی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

نیکیوں میں سبقت کرنے والے لوگ:۔

ہاں البتہ نیکیوں کی طرف مسارعت اور مسابقت ان لوگوں کے لیے ہے، یعنی یہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسان نیکی میں آگے بڑھتا ہے، مال میں ترقی، اولاد میں ترقی کے ساتھ انسان کوئی درجہ حاصل نہیں کرتا یہ اچھے لوگ ہیں جن کا آگے ذکر کیا جارہا ہے یہ مومنین کیلئے بشارت ہے اور ان کی مدح ہے جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں، تو رب کی آیات پر ایمان لانا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور ہر وقت اس کی ہیبت سے ڈرتے رہنا جیسا کہ فرمایا اور دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کے ہاں قبول نہ ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری اس نیکی کے اندر کوئی خلل آجائے اور یہ خوف ان کے اوپر طاری رہتا ہے کہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور وہاں جا کر ایسا نہ ہو کہ ہماری کسی نیکی کے اندر خلل واقع ہو جائے یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔

کوئی ایسا نیک کام نہیں جو انسان نہ کر سکے:۔

پھر آگیان عملوں کی ترغیب اس انداز سے کی گئی کہ جو کچھ یہ ذکر کیا گیا اور یہ نیک اعمال یہ کوئی ایسے مشکل نہیں کہ انسان ان کو نہ کر سکے ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق یہ سارے کے سارے کام انسان کی وسعت میں ہیں کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور جو کوئی کرے گا اس کا کوئی عمل ضائع نہیں کیا جائے گا ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ درج ہوتا چلا جارہا ہے اور وہ لوگ ظلم نہیں کیے جائیں گے، یہ تو مومنین کی

حالت ہوگئی۔

مشرکین مالدار نیکیوں کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتے......؟:۔

مشرکین نیکیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ان باتوں سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ ان کے دل غفلت میں پڑتے ہوئے ہیں اور یہی جہالت غفلت یہی انکا جرم نہیں بلکہ ان کے اور بھی اعمال ہیں انکے علاوہ جن کو یہ کرنے والے ہیں، اس میں سارا فسق وفجور آ گیا اور عذاب اگر آ جائے اور جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو پکڑیں گے خوشحال لوگوں کا ذکر اس لیے کر دیا کہ ان لوگوں کے پاس اپنے تحفظ کا سامان ہوتا ہے اور جب اللہ کی گرفت ان پر آ جائے گی تو باقی بیچارے جن کے پاس اپنی حفاظت کا سامان ہی نہیں ہوتا وہ تو کس شمار میں ہیں، جب ہم انکے خوشحال کو پکڑیں گے عذاب میں تو پس اچانک یہ چلائیں گے پھر انہیں کہا جائے گا آج مت چلاؤ! بے شک تم ہماری طرف سے مدد نہیں کیے جاؤ گے یعنی اب روؤ پیٹو جو چاہو کرو ہماری طرف سے مدد نہیں ملے گی جرائم تمہارے یہی ہیں کہ آیات تم پر پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتے تھے منہ موڑ کے چلے جاتے تھے۔

کافروں کو حق بُرا لگتا ہے:۔

اگلی آیت کا مفہوم میں نے اچھی طرح سے آپ کے سامنے واضح کر دیا، تکبر والے ہوتے تھے تم، اسی رسول کی تکذیب کرنے والے ہوتے تھے تم، اللہ کے قرآن اور اللہ کے رسول کے متعلق قصہ گوئی کرنے والے ہوتے تھے تم، فضول بکواس کرتے تھے تم، یا رسول کو اس طرح چھوڑ کر چلے جاتے تھے تم، جس طرح سے کسی قصہ گو کو چھوڑ کر جایا کرتے ہیں، اب انکے نہ ماننے پر یہ کہا جا رہا ہے کہ نہ ماننے کی وجہ کیا ہے......؟ یہ نہیں کہ یہ بات سمجھتے نہیں اور یہ نہیں کہ کوئی نئی بات ہم نے ان کے سامنے ذکر کر دی جو پہلے لوگوں کے پاس نہیں آئی، یا یہ رسول ان کے لیے کوئی اجنبی ہے اس کو پہچانتے نہیں ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہے، یا یہ کہتے ہیں کہ یہ تو پگلا ہے اس کو جنون ہو گیا تو یہ جنون والی بات بھی نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو حق جو ہے وہ بُرا لگتا ہے، ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور حق سے ان کی طبعیت میں کراہت ہے حق کے خود تابع ہوتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ حق ہمارے تابع ہو جائے مطلب یہ ہے کہ ہماری خواہشات کو ہی حق قرار دے دیا جائے۔

اپنی خواہشات پر چلنے کے نتیجہ میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں:۔

اگر اس طرح سے اس رسی کو ڈھیلا چھوڑ دیا جائے کہ جو لوگ یہ چاہیں اسی کو حق قرار دے دیا جائے تو زمین وآسمان کا نظم کبھی بحال ہی نہیں رہ سکتا فساد ہی فساد ہو جائے گا چنانچہ اپنی خواہشات پر چلنے کے نتیجے میں آپس میں اختلافات تو روز بروز ہوتے رہتے ہیں اتفاق تو تبھی رہ سکتا ہے کہ حق ایک متعین ہو اور وہ اپنی خواہشات کو اسکے تابع کریں اور اگر حق کو اپنی خواہشات کے ساتھ موڑنا شروع کر دیا تو کسی صورت میں امن وامان قائم نہیں ہوسکتا اور فساد ہی فساد ہو جائے گا، ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں اور یہ اپنی نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں یعنی ہم ان کو جو یاد دہانی کروار ہے ہیں انہی کے فائدے کیلئے یاد ہانی کروار ہے ہیں، اور یہ ادھر سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور ان کے نہ ماننے کی یہ وجہ بھی نہیں ہوسکتی کہ آپ ان سے دنیا طلب کرتے ہیں، کوئی فیس کا مطالبہ کرتے ہیں، اجرت لیتے، اور مطالبے کی نفی قرآن کریم میں تقریباً ہر رسول نے کی کہ میں تم سے کسی فیس کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ یہ سراسر تمہارا نفع ہے، تیرے رب کا خراج، خراج سے مراد یہاں آمدنی ہے تیرے رب کا خراج وہی بہتر ہے، اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے، آپ تو انہیں سیدھے راستہ کی طرف بلاتے ہیں اور یہ سیدھے راستہ پر چلتے نہیں اور جو ایمان نہیں لاتے آخرت کے ساتھ وہ سیدھے راستہ سے ایک طرف کو ہٹنے والے ہیں۔

نیک بخت تکالیف کو دیکھ کر اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں:۔

اور آگے یہ کہا جار ہا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ تھوڑی جو تکلیفیں دیتا ہے تو یہ بھی عبرت کا سامان ہے، نیک بخت وہ ہوا کرتے ہیں جو انہیں تکلیفوں سے متاثر ہو کر اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں اور جو اکڑتے رہتے ہیں پھر سخت عذاب آتا ہے اس کے بعد سنبھلنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر سنبھلنے کا موقع نہیں ہوتا اگر ہم ان پر رحم کرتے ہیں اور کھول دیتے ہیں اس تکلیف کو جو انہیں پہنچی تو یہ اصرار کرتے ہیں اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا اس عذاب سے دنیوی چھوٹی چھوٹی تکلیفیں مراد ہیں لیکن یہ اپنے رب کے لئے دبے نہیں اور نہ انہوں نے آہ وزاری کی، یہ سلسلہ ان کا جاری ہے رہے گا، حتیٰ کہ ہم جب ان کے اوپر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اچانک اس میں یہ مایوس ہو جائیں گے پھر چھوٹنے کی کوئی توقع نہیں رہے گی۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا

اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت کم

مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۹

شکر ادا کرتے ہو ۝۷۸ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پھیلایا زمین میں اور اسی کی طرف ہی تم جمع کیے جاؤ گے ۝۷۹

وَهُوَ الَّذِیْ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ

اور وہی اللہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے لئے ہے رات اور دن کا اختلاف

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱ قَالُوْٓا ءَاِذَا

کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ ۝۸۰ بلکہ انہوں نے کہا مثل اس بات کے جو کہی پہلے لوگوں نے ۝۸۱ کہتے ہیں کیا جس وقت ہم مر جائیں گے

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۸۲ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ

اور مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا بیشک ہم البتہ اٹھائیں جائیں گے؟ ۝۸۲ تحقیق وعدہ کئے گئے ہم

وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸۳ قُلْ

بھی اور ہمارے آباء بھی اس بات کا اس سے قبل نہیں ہے یہ مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ۝۸۳ آپ ان سے پوچھیے!

لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۴ سَيَقُوْلُوْنَ

یہ زمین کس کے لئے ہے؟ اور جو لوگ اس میں ہیں؟ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو ۝۸۴ تو عنقریب وہ جواب دیں گے

لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۸۵ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ

کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہے آپ ان سے کہیے کہ پھر تم سوچتے نہیں ہو؟ ۝۸۵ آپ ان سے پوچھیے! ساتویں آسمان کا رب

وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۸۶ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۸۷

اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ۝۸۶ تو عنقریب کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے تو آپ کہیے کہ پھر تم ڈرتے نہیں ہو؟ ۝۸۷

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ
آپ ان سے یہ بھی پوچھیے! کہ کون ہے؟ جس کے قبضے میں ہے ہر چیز کی ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف پناہ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾
نہیں دی جاسکتی اگر تم جانتے ہو ﴿۸۸﴾ تو عنقریب کہیں گے کہ یہ سب صفات اللہ ہی کیلئے ہیں تو کہہ دیجئے پھر تم کہاں جادو کیے جاتے ہو؟ ﴿۸۹﴾
بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ
بلکہ ہم ان کے پاس سچی بات لائے ہیں اور بیشک یہ لوگ جھوٹے ہیں ﴿۹۰﴾ نہیں اختیار کی اللہ نے کوئی اولاد
وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ
اور نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی معبود، تب لے جاتا ہر الٰہ اپنی مخلوق کو اور ان کا بعض بعض پر
وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾
چڑھائی کرتا پاک ہے ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں ﴿۹۱﴾
عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾
حاضر و غیب کو جاننے والا ہے بلند ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے ﴿۹۲﴾

تفسیر

رکوع میں بیان کردہ مضمون:۔

سورۃ مؤمنون کے یہ جو آخری رکوع آپ کے سامنے آرہے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر معاد کے مسئلے کو بیان فرمایا ہے اور توحید بھی ساتھ ساتھ ہے، یہ آیات جو آپ کے سامنے اس وقت آرہی ہیں انکا مضمون بار بار چونکہ گزرا ہوا ہے اس لیے ان کی زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ترجمہ دیکھتے چلیے! جس آیت کی تفصیل ضروری ہوگی وہ ساتھ ساتھ ہوتی جائے گی۔

شکر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ منعم کی عظمت دل میں لاکر اس کی اطاعت کی جائے:۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ: اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل۔ تم بہت کم شکرادا کرتے ہو کیونکہ شکر کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ منعم، احسان کرنے والے کی عظمت دل میں لاکر اس کی اطاعت کی جائے کہ کتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں کان، آنکھ، اور دل جن میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی صلاحتیں رکھیں ہیں اس بات کو اگر سوچا جائے کہ اللہ نے ہمارے لیے پیدا کیے اور ہم ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو اللہ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اس میں احسانات کا پہلو بھی ہے اور قدرت کا بھی ہے وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پھیلایا زمین میں اور اسی کی طرف ہی تم جمع کیے جاؤ گے، وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ اور وہی اللہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے لئے ہے رات اور دن کا اختلاف مطلب یہ ہے کہ موت وحیات بھی اسی کے ہاتھ میں اور یہ اوقات کا نظم بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ کہ جس نے زندہ کیا جس کے ہاتھ میں موت ہے جو زمانے کے اندر متصرف ہے کیا اس کا کوئی شریک ہوسکتا ہے؟ اور مارنے کے بعد کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ جیسے آگے مسئلہ یہی ذکر کیا جارہا ہے۔

بعثت کے انکار سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار لازم آتا ہے:۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ: بَلْ ادراک کیلئے ہے، تو بل سے پہلے یہ بات نکالیں گے کہ ان باتوں میں غور وفکر کرنے کے بعد سوچ کر وہ توحید کے قائل نہیں ہوتے اور اسی طرح سے وہ آخرت کا عقیدہ نہیں بناتے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا بھی ہے، بَلْ قَالُوْا بلکہ انہوں نے کہا "مثل" اس بات کے جو کہی پہلے لوگوں نے پہلے لوگوں نے کیا کہا تھا؟ یہ کہا تھا قالوا کہتے ہیں ءَاِذَا مِتْنَا کیا جس وقت ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے اور ہڈیاں ہوجائیں گے کیا بے شک ہم البتہ اٹھائے جائیں گے......؟ یہی بات پہلوں نے کہی اب یہ کہتے ہیں۔

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ: تحقیق وعدہ کیے گئے ہم بھی اور ہمارے اباء بھی اسی بات کا اس سے قبل۔ نہیں ہے یہ مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں یعنی پہلے لوگوں نے بھی یہی کہیں تھیں اور یہ بھی یہی کہہ رہے ہیں پیچھے سے چلی آرہی ہیں باتیں نقل ہوتی ہوئیں ورنہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے اور پہلے بھی آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ جہاں

بھی بعث کا ذکر آتا ہے اور وہ لوگ بعث کا انکار کرتے ہیں تو اس میں اصل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار لازم آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی اس مسئلہ کو ذکر کیا جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کو اچھی طرح سے نمایاں کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا علم اتنا محیط ہے اور اس کی قدرت اتنی تام ہے تو پھر اس کے سامنے کیا مشکل ہے کہ مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کردے......؟۔

جب ساری کائنات کا مالک صرف اللہ ہے تو اسکے ساتھ شریک ٹھہرانا چہ معنی دارد:۔

اسی قسم کی آیات یہاں اب آرہی ہیں قل لمن الارض آپ ان سے پوچھئے! یہ زمین کس کیلئے ہے......؟ کس کی ملکیت ہے......؟ وَمَنْ فِيْهَآ اور جو لوگ اس میں ہیں وہ کس کی ملکیت ہیں......؟ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ تو عنقریب وہ جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے یہ جواب تو متعین ہے تو آپ ان سے کہیے کہ پھر تم سوچتے کیوں نہیں ہو؟ کہ جو اس زمین کا مالک ہے اور جو کچھ اس زمین کے اندر ہے اس کا بھی مالک ہے تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ جیسے اس نے پہلے بنایا تھا اسی طرح سے دوبارہ بنائے اور جب مالک وہی ہے تو پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بھی کیسے درست ہے......؟

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ: آپ ان سے پوچھیے! ساتوں آسمان کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے......؟ تو عنقریب کہیں گے یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے کیونکہ اس سوال کا حاصل یہ ہے کہ آسمانوں میں حکومت کس کی ہے......؟ اور اس ساری کائنات میں تخت نشین کون ہے......؟ تخت عظیم کا مالک کون ہے......؟ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے تو آپ کہیے کہ پھر تم ڈرتے نہیں ہو......؟۔

کیا ان مشرکین کا دماغ ماؤف ہے کہ صحیح سوچ نہیں سکتے......؟

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ: اور آپ ان سے یہ بھی پوچھیے کہ کون ہے جس کے قبضے میں ہے ہر چیز کی ملکیت......؟ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی یعنی کسی مصیبت سے بچانا ہو کسی دشمن سے بچانا ہو وہ تو بچاتا ہے اور اس کے خلاف نہیں پناہ دی جاسکتی وہ کسی کو پکڑنا چاہے یا تکلیف پہنچانا چاہے تو کوئی بچا نہیں سکتا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم جانتے ہو! سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ تو عنقریب کہیں گے یہ صفات اللہ ہی کے لئے ہیں تو کہہ دیجئے پھر تم کہاں جادو کیے جاتے ہو......؟ لفظی معنی یہ ہوا کہ جس طرح سے کسی آدمی پر جادو کردیا جائے اس کا

دماغ ماؤف ہو جاتا ہے وہ صحیح سوچ نہیں سکتا! صحیح بات کو سمجھ نہیں سکتا! تو تم پر کیا جادو ہو رہا ہے کہ سب باتوں کو مان رہے ہو پھر اسکا نتیجہ نہیں مانتے کہ اللہ وحدہ لاشریك ہے اور ہر چیز پر قادر ہے جس طرح سے ابتداً پیدا کرتا ہے تو دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے تو تم کیا خبطی ہوئے جارہے ہو!۔

کافروں کے دو بڑے جھوٹ:۔

بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ: اللہ تعالیٰ اپنی صفات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں سچی سچی بات فرمائی ہے سچی بات کیا......؟ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، اور حساب و کتاب کے لئے پیش ہونا ہے بلکہ ہم ان کے پاس سچی بات لائے ہیں اور بے شک یہ لوگ جھوٹے ہیں دونوں باتوں میں جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں اس بات میں جھوٹ ہیں اور جو کہتے ہیں کہ اللہ کی اس الوہیت میں دوسری چیزیں بھی شریک ہیں اس بات میں بھی جھوٹے ہیں یا جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے شفعاء شرکاء ہمیں بچالیں گے تو اس میں بھی یہ جھوٹے ہیں بات وہی درست ہے جو ہم نے بتلائی۔

نہ اللہ کی کوئی اولاد ہے ورنہ ہی اسکا کوئی شریک ہے:۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ: یہ وہی پچھلے مقدمات کے نتیجے کے طور پر اثبات توحید ہے، نہیں اختیار کی اللہ نے کوئی اولاد اور نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی معبود اِذًا لَّذَهَبَ "اذاً" کا ترجمہ اردو میں کردیا جاتا ہے تب، تب البتہ لے جاتا ہے ہر الہ اپنی مخلوق کو اور ان کا بعض بعض پر چڑھائی کرتا، پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں حاضر اور غیب کو جاننے والا ہے بلند ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے یا بلند شان والا ہے ان سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں، یہ رد شرک کی طرف اللہ تعالیٰ نے واضح نشاندہی فرمائی کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ اسکے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ہے۔

سارے بادشاہ متفق ہو کر دنیا کا نظام نہیں چلاسکتے:۔

اگلی آیات جو کہی جارہی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں تم دیکھتے ہو اگر تین برابر کی بادشاہی کو حاصل کیے ہوئے ہوں جیسا کہ مختلف ملک بٹے ہوئے ہیں، اور ایک ایک ملک میں ایک ایک بادشاہ ہے عادت یہی ہے کہ

یہ سارے کے سارے بادشاہ کبھی اتفاق سے نہیں رہتے، انسانی تاریخ کے اندر ایسا ممکن نہیں ہے کہ سارے کے سارے بادشاہ اتفاق کر کے اسی دنیا کو سنبھال لیں اور مخلوق کے لئے راحت اور آرام کا سامان کریں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے ماحول کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ جس طرح سے مختلف بادشاہ آپس میں اتفاق نہیں کرتے اگر اتفاق کبھی کر بھی لیں تو اتفاق چلتا نہیں ہر کوئی اپنے اپنے ملک کی رعایا کو ساتھ لیتا ہے ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا ہے، جنگ وجدال کا میدان بن جاتی ہے یہ دنیا۔ اگر اللہ کے علاوہ اور معبود ہوتے، آخر ان کی بھی مخلوق ہوتی اور ان کے بھی مملوک ہوتے تو ان کا بھی یہی حال ہوتا کہ ہر کوئی اپنی اپنی مخلوق کو ساتھ لیتا پھر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے غلبہ حاصل کرنے کے لئے۔

ساری کائنات کا نظام باقی اس لئے ہے کہ اس پر ایک ذات کا کنٹرول ہے:۔

اب تم ہی بتاؤ! کہ یہ دنیا میں عاجز انسان لڑتے ہیں تو دنیا میں کیا فتنہ فساد ہوتا ہے تو اگر یہ خدا آپس میں لڑ پڑتے تو کیا کائنات باقی رہ سکتی ہے......؟ ہرگز نہ رہ پاتی تو یہ ساری کی ساری کائنات کا نظام اس لیے باقی ہے کہ اس کے اوپر کنٹرول ایک کا ہے، تو یہ اسی قسم کی دلیل ہے جیسے لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا① کے تحت بیان کی گئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ خداؤں کی لڑائی ہو جانے کے ساتھ اسی کائنات کا برباد ہو جانا لازم تھا۔

① سورۃ انبیاء، آیت ۲۲

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ

آپ کہہ دیجئے! کہ اے میرے رب اگر تو دکھائے مجھے وہ چیز جسکا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں ﴿۹۳﴾ اے میرے رب! پس نہ کرنا تو مجھے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ

ظالم قوم میں ﴿۹۴﴾ اور بیشک ہم اس بات پر کہ آپکو دکھادیں وہ چیز جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں البتہ قدرت رکھنے والے ہیں ﴿۹۵﴾ دفع کیجئے! اس

اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ط نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ

بات کے ذریعے جو کہ اچھی ہے بری بات کو ہم خوب جانتے ہیں ان باتوں کو جو یہ بیان کرتے ہیں ﴿۹۶﴾ اور آپ کہہ دیجئے اے میرے رب!

مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

میں تیری پناہ پکڑتا ہوں شیاطین کے وساوس سے ﴿۹۷﴾ اور اس بات سے کہ وہ شیاطین میرے قریب آئیں ﴿۹۸﴾

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ

حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائیگی تو پھر یوں کہیں گے اے میرے رب مجھے لوٹا دے ﴿۹۹﴾ تاکہ میں

اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ط اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ط وَمِنْ

نیک عمل کرلوں اس چیز میں کہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں ہرگز نہیں ہوگا یہ ایک بات ہے جس کو وہ کہتا جا رہا ہے

وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ

انکے سامنے ایک پردہ ہے اٹھائے جانے کے دن تک ﴿۱۰۰﴾ پھر جس وقت پھونک ماری جائیگی صور میں تو نہیں

اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

ہونگے نسب انکے درمیان اس دن اور نہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے ﴿۱۰۱﴾ پھر جسکے ترازو بوجھل ہوگئے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

پس یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۰۲﴾ اور جس کے ترازو ہلکے ہوگئے پس یہی لوگ ہیں جنہوں نے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ

اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈال دیا جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۰۳﴾ آگ جھلس دے گی انکے چہروں کو

النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ

اور وہ اس جہنم کے اندر بدشکل ہوں گے ﴿۱۰۴﴾ کیا میری آیات تم پر پڑھی نہیں جاتی تھیں؟ پھر تم اِن آیات کی

بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾

تکذیب کیا کرتے تھے ﴿۱۰۵﴾ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم بھٹکے ہوئے لوگ تھے ﴿۱۰۶﴾

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا

اے رب ہمارے! ہمیں اس آگ سے نکال دے پھر اگر ہم ایسی حرکتیں کریں دوبارہ تو پھر ہم قصوروار ہونگے ﴿۱۰۷﴾ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے

وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

ذلیل ہو کر پڑے رہو اس جہنم میں اور مجھ سے بات نہ کرو ﴿۱۰۸﴾ بیشک میرے بندوں میں سے ایک گروہ جو یوں کہا کرتے تھے

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ

اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بہت اچھا رحم کرنیوالا ہے ﴿۱۰۹﴾ تم نے انکے مذاق اُڑائے

سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ

حتیٰ کہ تم ان کے پیچھے اتنے لگے کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسا کرتے تھے ﴿۱۱۰﴾ میں نے

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ

آج ان کو بدلا دیا ان کے صبر کرنے کی وجہ سے بیشک وہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں ﴿۱۱۱﴾ اللہ فرمائے گا تم

فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ

زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے؟ ﴿۱۱۲﴾ وہ کہیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک سے بھی کم رہے ہوں گے اس لئے جنہوں نے گنتی کی ہو ان سے

الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾
پوچھ لیجئے ﴿۱۱۳﴾ اللہ فرمائیں گے تم تھوڑی مدت سے زیادہ نہیں رہے کیا خوب ہوتا اگر تم نے یہ بات سمجھ لی ہوتی ﴿۱۱۴﴾
اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾
کیا پھر تم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اس حال میں کہ ہم کوئی فضول حرکت کرنیوالے ہیں اور بیشک تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱۵﴾
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾
پھر بلند شان والا ہے اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ عرش کریم کا رب ہے ﴿۱۱۶﴾
وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ
اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ اور معبود جس کے معبود ہونے پر اسکے پاس کوئی برھان نہیں پس سوائے اسکے نہیں کہ اس کا حساب
عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ
اس کے رب کے پاس ہے بیشک بات یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے ﴿۱۱۷﴾ اور آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے رب
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾
تو بخش دے اور ہمارے اوپر رحم فرما اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۸﴾

تفسیر

نیک آدمیوں کو جو تکلیف دنیا میں پہنچتی ہے تو وہ ان کے لئے باعث رحمت ہوتی ہے:۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے رب! اگر تو دکھائے مجھے وہ چیز جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں اب یہ گویا کہ عذاب کے وقوع کی طرف اشارہ ہے جس طرح سے پیچھے آیا تھا کہ ہم ان کے اوپر جب عذاب شدید کا دروازہ کھولیں گے تو یہ مایوس ہو جائیں گے تو حضور ﷺ کو یہ دعا تلقین کی گئی کہ آپ یہ دعا کریں کہ اے اللہ! میری زندگی میں ان پر عذاب آئے اور میری آنکھوں کے سامنے آئے، تو مجھے ہر قسم کی تکلیف سے دور رکھیو! کیونکہ عذاب اگرچہ منکرین پر آتا ہے لیکن بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت اس میں

نیک بھی لپیٹے جاتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ نیکوں کے لئے وہ تکلیف باعث رحمت ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ اجر دے گا، لیکن دنیا میں تو لپیٹ میں سارے آجاتے ہیں، تو یہ ظاہری طور پر تکلیف جو ہے وہ دوسروں کو پہنچ جایا کرتی ہے، اس میں اس عذاب کی شدت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضور ﷺ کو دعا تلقین کی گئی کہ آپ یہ دعا کیجئے! کہ اے اللہ مجھے اس سے محفوظ رکھیو! اے میرے رب اگر دکھائے تو مجھے وہ چیز جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں اے میرے رب! پس ایسا نہ کرنا کہ ظالمین پر عذاب آئے تو میں بھی تکلیف میں مبتلاء ہو جاؤں۔ حضور ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوائے جارہے ہیں کافروں کے اوپر خوف طاری کرنے کے لئے کہ عذاب ایسی ڈرنے کی چیز ہے کہ دیکھو! نبی بھی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے بچانا اور دوسروں کو تعلیم دینی مقصود ہے وَاِنَّا عَلٰۤی اَنۡ نُّرِیَكَ اور بے شک ہم اس بات پر کہ آپ کو دکھادیں وہ چیز جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں البتہ قدرت رکھنے والے ہیں۔

بُرائی کا دفاع اچھائی کے ساتھ کریں:۔

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ: اور جب تک عذاب نہیں آتا آپ ان کے ساتھ یہ معاملہ رکھیے دفع کیجئے! اس بات کے ذریعے جو کہ اچھی ہے بُری بات کو یعنی ان کی بُرائی کا دفاع اچھائی کے ساتھ کیجئے! نَحۡنُ اَعۡلَمُ ہم خوب جانتے ہیں ان باتوں کو جو یہ بیان کرتے ہیں اور آپ یہ دعا کیجئے......! اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ جب دوسروں کی طرف سے بُرا برتاؤ ہو تو بسا اوقات غصہ آجاتا ہے اور غصہ میں آکر انسان ایسی بات کر بیٹھتا ہے یا ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے جو مصلحت کے خلاف ہوتی ہے اس لیے دعا کرو کہ غصہ ہی نہ آئے۔

غصہ اکثر شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے آتا ہے:۔

اور غصہ اکثر و بیشتر شیطان کے وسوسے ڈالنے کی وجہ سے آتا ہے تو یہاں شیطان سے بچنے کے لئے جو اللہ کا تعوذ کیا جارہا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ اگر دوسروں کی طرف سے بُرا برتاؤ ہو تو ہمیں محفوظ رکھیے کہ شیطانی وسوسے کے طور پر ہمیں غصہ نہ آئے اس غصے میں آکر ہم کوئی ایسی بات کر بیٹھیں یا ایسی حرکت کر بیٹھیں جو مصلحت کے خلاف ہو اے میرے رب! تیری پناہ چاہتا ہوں شیاطین کے وساوس سے اور میں تیری پناہ پکڑتا ہوں اس بات سے کہ وہ شیاطین میرے قریب آئیں یعنی وہ میرے قریب ہی نہ آنے پائیں۔

مشرکین شرارتیں کرتے رہیں گے جب تک انہیں موت نہیں آتی:۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ: یہ حتیٰ کا مغیا محذوف ہے، یہ شرک کرتے رہیں گے یا اسی طرح سے غفلت میں پڑے رہیں گے، اور یہ یونہی شرارتیں کرتے رہیں گے حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو پھر یوں کہیں گے رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ اے میرے رب! مجھے لوٹا دے، یہ جمع کا صیغہ یا تو تعظیم کے لئے ہے یا پھر تکرار کی وجہ سے جمع کا صیغہ لائے ہیں کیونکہ تکرار کی وجہ سے بھی بسا اوقات جمع کا صیغہ لے آتے ہیں یعنی اے میرے رب الوٹا دے مجھے، لوٹا دے مجھے، لوٹا دے مجھے، تو اس لیے اسکو جمع کے ساتھ تعبیر فرمادیا۔

مشرک دنیا میں اگر دوبارہ بھیج بھی دیا گیا پھر بھی نیک عمل نہیں کرے گا:۔

لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا: تاکہ میں نیک عمل کرلوں اس چیز میں کہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں فِیۡمَا سے مراد دنیا ہے یعنی دنیا میں مجھے چھوڑ دے یا فِیۡمَا سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ جو مال متاع کے بارے میں، میں نیک عمل کرآؤں اور مال ومتاع کے بارے میں نیک عمل کیا ہے......؟ کہ تیرے نام پر خیرات کرآؤں کَلَّا اللہ کی طرف سے یہ ڈانٹ پڑ جائے گی ہرگز نہیں، یہ کَلَّا میں انکار کس بات پر ہے......؟ یا تو ارجعوا پر ہے وہ کہتا ہے کہ لوٹا دو کَلَّا ہرگز نہیں ہوگا اور کَلَّا کا تعلق اس سے بھی ہوسکتا ہے لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ وہ کہتا ہے کہ چھوڑ دو مجھے لوٹا دو مجھے تاکہ میں دنیا کے اندر جا کر اپنے چھوڑے ہوئے سامان میں کچھ نیکی کرآؤں، اللہ فرماتے ہیں ہرگز نہیں اس بدبخت کو اگر لوٹا دیا گیا جا کر تو نیکی پھر بھی نہیں کرے گا یہ مفہوم بھی اس کا ہوسکتا ہے۔

اِنَّهَا كَلِمَةٌ: یہ ایک بات ہے جس کو وہ کہتا جا رہا ہے اور اسکے اوپر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، ان کے سامنے ایک پردہ ہے ایک رکاوٹ ہے اٹھائے جانے کے دن تک یعنی اب ایک رکاوٹ ایک پردہ آگیا جس کی بناء پر اب یہ دنیا کی طرف دوبارہ نہیں آسکیں گے۔

نفخہ ثانی:۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ: پھر جس وقت پھونک ماری جائے گی صور میں، ''صور'' قرن کو کہتے ہیں جس کے اندر پھونکا جاتا ہے تو اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونک ماریں گے پہلی آواز پر ساری کائنات میں انتشار ہوجائے گا اور دوسری پھونک پر سارے اکٹھے ہوجائیں گے، یہاں سے نفخ ثانی مراد ہے جب صور میں پھونک ماری جائے

گی تو نہیں ہوں گے نسب ان کے درمیان اس دن اور نہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے یعنی کوئی ایک دوسرے سے کچھ نہیں پوچھے گا، سب افراتفری ہوگی یہ ایک وقت ہوگا جب پریشانی حساب وکتاب کی سر پر کھڑی ہوگی ورنہ ایک وقت ایسا بھی آ جائے گا کہ اقبل بعض علی بعض يَتَسَآءَلُونَ ① ایک دوسرے سے پوچھیں گے بھی کہ کیا ہوا کس طرح سے ہوا؟ یہ مختلف اوقات کے لحاظ سے مختلف احوال طاری ہوں گے جس وقت پہلے پہلے میدان قیامت میں آئیں گے اور انسان کے سامنے اپنا انجام پوری طرح واضح نہیں ہوگا۔

اُس وقت تک نفسا نفسی ہے قیامت کے دن تین وقت ایسے آئیں گے کہ کوئی کسی کو یاد نہیں کریگا:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے ایک دفعہ پوچھا جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فکر آخرت طاری تھا اور آخرت کو یاد کر کے رو رہی تھیں یا رسول اللہ! آپ اپنے اہل وعیال کو بھی یاد رکھو گے یا نہیں......؟ تو حضور ﷺ نے اس خوف کو بحال رکھنے کے لئے فرمایا عائشہ! تین وقت ایسے ہیں کہ کوئی کسی یاد نہیں آئے گا ایک وہ وقت جس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے، جس وقت تک انسان کو خود اطمینان نہ ہو جائے کہ میرا نامہ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں ہاتھ میں؟ اس وقت تک اپنا ہی دھیان ہوگا کوئی کسی دوسرے کا خیال نہیں کرے گا اور ایک وہ وقت جس وقت اعمال تلنے لگیں گے، تو اس وقت تک ہر کوئی نفسا نفسی میں ہوگا، جب تک اسکو پتہ نہ چل جائے کہ میری میزان ہلکی ہے یا بھاری؟ اور تیسرے جس وقت پل صراط پر سے گزریں گے تو ایسے مختلف اوقات میں یہ احوال طاری ہوں گے۔ ②

مؤمنین کی سفارش:۔

اور دوسرے اوقات میں ایک دوسرے کا خیال بھی کریں گے خاص طور پر مومنین سفارش کریں گے اللہ کے سامنے اپنے ساتھیوں کے لئے روئیں گے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو اہل ایمان اپنے ساتھیوں کو یاد کریں گے جن کے ساتھ دنیا میں تعلق تھا اور ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا کہ تم دنیا میں اپنا حق کسی سے اتنی شدت کے ساتھ نہیں مانگتے جتنی شدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جنتی اہل جہنم کے متعلق سفارش کریں گے۔

---

① سورۃ صافات، آیت ۲۷

② مشکوۃ ص ۴۸۶ عن عائشہ رضی اللہ عنہا / سنن ابی داؤد ص ۲۴۰ ج ۴، باب فی ذکر المیزان / الاعتقاد للبیہقی ص ۲۱۰ ج ۱۔

کہیں گے کہ یااللہ! وہ فلاں لوگ جو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھا کرتے تھے ہم آپس میں مل کر روزے رکھا کرتے تھے وہ جہنم میں چلے گئے انہیں نجات دے دے، اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصرار کریں گے تب اللہ تعالیٰ انہیں اجازت دے گا کہ جاؤ! اپنے اپنے رفقاء کو تلاش کر آؤ! تو پھر جنتی جہنم میں جائیں گے اور جہنم میں پہلے اعلان ہوگیا ہوگا تو جہنمی صفیں باندھے کھڑے ہوں گے انتظار میں کہ دیکھو! کوئی ہمارا ملنے والا بھی آتا ہے یا نہیں آتا......؟ تو ایک جنتی جارہا ہوگا اور جہنمیوں میں سے ایک آدمی اسے کہے گا کہ اے اللہ کے بندے! متوجہ کرنے کے بعد کہے گا اما تعرفنی کیا تو مجھے پہچانتا نہیں......؟ وہ جنتی انکار کردے گا تو وہ کہے گا کہ فلاں وقت میں نے تجھے وضو کیلئے پانی دیا تھا اس جنتی کو یاد آجائے گا اسی وقت اسکا بازو پکڑ لے گا کہے گا ٹھیک ہے چل ① یعنی اتنا اتنا تعلق بھی اس وقت کام آجائے گا تو مومنین تو آپس میں ایک دوسرے کی پوچھ گوچھ کریں گے لیکن کافروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا بلکہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور ایک دوسرے سے بھاگیں گے اور پوچھ گوچھ ہوگی تو ملامت کے انداز میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے تو یہ ولایتسآلون یا تو کسی خاص وقت پر محمول ہے یا پھر یہ قصہ کافروں کا ہے۔

کامیاب کون ہونگے اور نامراد کون ہونگے؟:۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ: پھر جس کے ترازو بوجھل ہوگئے یعنی ایمان والا ترازو بوجھل ہوگیا پس یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور جس کے ترازو ہلکے ہوگئے پس یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈال دیا جہنم میں پھر ہمیشہ کے رہنے والے ہوں گے تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ جہنم میں پھر ان کے ساتھ کیا ہوگا؟ آگ جھلس دے گی ان کے چہروں کو اور وہ اس جہنم کے اندر بدشکل ہوں گے، ''کالح'' اصل میں اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے ہونٹ دونوں عام حالات میں اس کے دانتوں کو نہ چھپائیں بلکہ اوپر کا ہونٹ اوپر کو چڑھا ہوا اور نیچے کا ہونٹ نیچے کو لٹکا ہوا اور اس کے دانت ننگے ہوں چنانچہ اس ''کالح'' کی تفسیر بھی حدیث شریف میں آتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ نچلا ہونٹ انکا اسطرح سے متورم ہوجائے گا لٹکتا ہوا ناف کو لگے گا اور اوپر والا سکڑ جائے گا دانت اس کے نمایاں

① یصف اھل النار فیمر بھم الرجل من اھل الجنته فیقول الرجل منھم یا فلان اما تعرفنی اناالذی سقیتک شربة وقال بعضھم اناالذی ذھبت لك وضوء فشفع له فیدخله الجنة (مسند احمد ص ۳۵۰ ج ۱۸/ ترمذی ص ۲۸۹ ج ۴ باب ماجاء فی صفۃ طعام النار/ مستدرک حاکم ص ۴۲۸ ج ۱۲)

ہوں گے، منہ اسکا کھل جائے گا① اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ اور پھر روحانی طور پر ان کو یہ سرزنش ہوگی ان سے کہا جائے گا کیا میری آیات تم پر پڑھی نہیں جاتی تھیں......؟ پھر تم ان آیات کی تکذیب کیا کرتے تھے، وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم بھٹکے ہوئے لوگ تھے اے ہمارے رب! ہمیں اس آگ سے نکال دے پھر اگر ہم ایسی حرکتیں کریں دوبارہ تو پھر قصوروار ہوں گے۔

جہنمیوں کی بے بسی:۔

جب وہ یوں کہیں گے کہ ہمیں نکال دے اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم قصوروار ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اخْسَئُوْا فِيْهَا ذلیل ہو کر پڑے رہو اسی جہنم میں وَلَا تُكَلِّمُوْنِ اور مجھ سے بات نہ کرو، تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب مل جائے گا تو پھر پوری مایوسی ہو جائے گی پھر وہ چیخ و پکار میں لگ جائیں گے۔

مؤمنین کی عزت افزائی:۔

تو اللہ تعالیٰ ڈانٹتے ہوئے ان کو ایک دوسری بات بھی کہیں گے کہ دیکھو! اہل ایمان کی حوصلہ افزائی ہوگی اللہ تعالیٰ ان سے کہیں گے کہ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو یوں کہا کرتے تھے اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بہت اچھا رحم کرنے والا ہے تو فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا تم نے ان کے مذاق اڑائے، تو نیکوں کے ساتھ جو تمہاری عدوات تھی مذاق اور تمسخر کیا کرتے تھے، آج اسکی یہی سزا ہے کہ تم اس طرح سے ذلیل ہو گے اور ان کو میں عزت دوں گا حتیٰ تم ان کے پیچھے اتنے لگے کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسا کرتے تھے، میں نے آج ان کو بدلہ دیا ان کے صبر کرنے کی وجہ سے اس سے معلوم ہو گیا کہ نیکوں کا مذاق جس وقت یہ کافر اور فاسق اڑائیں تو اسکے مقابلے میں نیکوں کو صبر کرنا چاہیے، اس سبب کی بناء پر پھر اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ بے شک وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

---

① مشکوٰۃ ص ۴۹۴ عن انس رضی اللہ عنہ / شرح السنۃ للبغوی ج ۱۵ ص ۱۸۵

دنیا کی زندگی خواب وخیال معلوم ہوگی قیامت کے دن:۔

قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ: یہ قٰلَ کا قائل مذکور نہیں ہے کہ کہنے والا کون ہے؟ قرآن کریم کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے پوچھیں گے،کوئی کہنے والا پوچھے گا کہ ہم دنیا میں کتنا عرصہ ٹھہرے......؟ اللہ تعالیٰ سوال کریں یا فرشتے کریں ایسا بھی ہوسکتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں ایسا بھی ہوسکتا ہے،تو دوسرے جواب دیں گے کہ ہم ٹھہرے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔شمار کرنے والوں سے پوچھو! وہی صحیح بتائیں گے ہم نے تو شمار نہیں کیا ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا کی زندگی ایک دن میں اور آدھے دن میں گزر گئی یعنی وہاں جا کر سارا نشہ ختم ہو جائے گا جو آج سمجھتے ہیں کہ لمبی ہماری عمریں ہیں وہاں جا کر ایسے معلوم ہوگا جیسے خواب وخیال تھا اور گزر گیا قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ پھر وہ کہنے والا کہے گا ٹھیک ہے یہ بات تو صحیح ہے کہ ہم بہت تھوڑا ٹھہرے کاش کہ اس وقت سمجھ میں آجاتا دنیا میں تھوڑا رہنا ہے اس وقت تو ہم سمجھتے تھے کہ بس یہی دنیا ہے اور ہم یہاں سے کبھی زائل ہونے والے ہی نہیں، کہنے والا کہے گا کہ نہیں ٹھہرے تم مگر بہت کم مدت کاش کہ تم اس بات کو جان لیتے۔

انسان کی تخلیق کوئی عبث حرکت نہیں:۔

اَفَحَسِبْتُمْ: کیا تم نے یہ گمان کیا کہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم نے تمہیں عبث حرکت کے طور پر پیدا کیا ہے......؟ اور عبث کو اگر عابثین کے معنی میں لے لیا جائے تو خلقنا کی ضمیر سے حال بھی واقع ہوسکتا ہے، کیا پھر تم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اس حال میں کہ ہم کوئی عبث حرکت کرنے والے ہیں اور بے شک تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے، فَتَعٰلَی پھر بلند شان والا ہے اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ عرش کریم کا رب ہے، وَمَنْ یَّدْعُ اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود جس کے معبود ہونے پر اسکے رب کے ہاں برھان نہیں، پس سوائے اس کے نہیں کہ اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بے شک بات یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اور آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے رب تو بخش دے کس چیز کو بخش دے؟۔

مفعول محذوف ہے ہماری ہر قسم کی کوتاہیوں کو، گناہوں کو معاف کردے اور ہم پر رحم کر مغفرت میں دفع مضرت ہے اور وارحم کے اندر جلب منفعت ہے دنیا اور آخرت میں ہماری کوتاہیوں سے درگزر کر اور ہمیں ہر قسم کے نقصان سے بچا اور ہمارے اوپر رحم کر اور آخرت میں ہر قسم کی فائدے کی چیز ہمیں عطا فرما، وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں میں سے، سورۃ کی ابتداء ہوئی تھی قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ سے اور اختتام ہوگیا اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ پر۔ مومن فلاح پائیں گے کافر فلاں نہیں پائیں گے ابتداء اور انتہاء سے یہ مضمون نکل آیا۔

سُورَةُ

النُّور

مَدَنِيَّة

ایاتها ۶۴ ۲۴ سُوْرَۃُ النُّوْر مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رکوعاتها ۹

سورۃ نور مدینہ میں نازل ہوئی اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ

یہ سورۃ اس کو ہم نے اتارا اور ہم نے اس کو متعین کیا اور اتاری ہم نے اس سورۃ میں واضح واضح آیتیں تاکہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝۱ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ

یاد رکھو ① وہ عورت جو زنا کرے اور وہ آدمی جو زنا کرے پس مارا کرو ان میں سے ہر ایک کو سو

جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

کوڑے اور نہ پکڑے تم کو ان دونوں کے ساتھ شفقت اللہ کے قانون میں اگر تم

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ

ایمان لاتے ہو اللہ پر اور یوم آخرت پر اور چاہیے کہ حاضر ہوان کی سزا کے موقعہ پر جب ان کو سزا دی جارہی ہو مومنین میں سے

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ

ایک گروہ ② زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زانی عورت سے یا شرک کرنے والی عورت سے اور زانی عورت

لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

نہیں نکاح کرتا اس سے مگر زانی مرد یا شرک کرنے والا مرد اور یہ زنا مومنین پر حرام کیا گیا ہے ③

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر نہیں لاتے چار گواہ

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا

پس کوڑے لگاؤ ان کو اسی کوڑے اور نہ قبول کرو ان کیلئے گواہی کبھی بھی

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

اور یہ لوگ بدکار ہیں ۝۴ مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اس تہمت لگانے کے بعد

وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

اور اپنے حال کی اصلاح کرلیں بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۝۵ اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ

اور ان کے لئے گواہ نہیں ہیں سوائے اپنی ذاتوں کے پھر ان میں سے ایک کی گواہی چار گواہی ہیں

شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ

اللہ کی قسم کھاتے ہوئے کہ بے شک وہ آدمی البتہ سچو میں سے ہے ۝۶ اور پانچویں گواہی یہ ہے

اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ

کہ وہ یوں کہے گا کہ اللہ کی لعنت ہو اس آدمی پر کہ اگر ہو جھوٹوں میں سے ۝۷ دفع کریگا اس عورت سے عذاب کو

اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸

اس عورت کا گواہی دینا چار گواہیاں اللہ کی قسم کھا کر کہ بے شک اس کا شوہر البتہ جھوٹوں میں سے ہے ۝۸

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹

اور اس کا پانچویں گواہی دینا کہ اللہ کا غضب ہو اس عورت پر کہ اگر وہ خاوند سچوں میں سے ہو ۝۹

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اس کی رحمت اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنیوالا حکیم ہے ۝۱۰

تفسیر

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا: مبتدا محذوف نکالیں گے یہ سورۃ اس کو ہم نے اتارا وَفَرَضْنٰهَا اور ہم نے اس کو متعین کیا اور مقرر کیا یہاں ''فرض'' لغوی معنی میں ہے اَنْزَلْنٰهَا کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے الفاظ ہم نے اتارے اور فَرَضْنٰهَا کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو احکام اس سورۃ میں ذکر کیے جائیں گے وہ سارے کے سارے فرض نہیں ہیں، بعض ان میں سے اصطلاحی فرض بھی ہیں اور بعض مستحب ہیں تو یہ فرض اصطلاحی مراد نہیں، ہم نے اس کو متعین کیا یعنی اس کے احکام متعین کیے وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ اور اتاری ہم نے اس سورت کے اندر واضح واضح آیتیں یعنی ان احکام پر دلالت کرنے کے لئے واضح واضح آیتیں اتاری لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ تاکہ تم یاد رکھو!۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ: کیونکہ یہ صفت کا صیغہ ہے اس کے اوپر جو الف لام آیا ہوا ہے وہ الذی کے معنی میں ہے، الذی تزنی والذی یزنی وہ عورت جو کہ زنا کرے اور وہ آدمی جو زنا کرے فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا پس تم مارا کرو ان میں سے ہر ایک کو مائۃ جلدۃ سو کوڑے وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اور نہ پکڑے تم کو ان دونوں کے ساتھ شفقت اللہ کے قانون میں اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر یعنی اللہ کے قانون کو نافذ کرتے ہوئے اللہ کے دین کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے تمہیں ان کے اوپر ترس نہ آئے تمہیں ان کے اوپر شفقت نہ آئے بلکہ اسی طریقے سے سزا دو۔

جس طرح اللہ کے قانون کا تقاضہ ہے رحم کرتے ہوئے شفقت کرتے ہوئے انہیں چھوڑ نہیں اور نہ پکڑے تمہیں ان دونوں کے ساتھ شفقت، ترس، مہربانی، نرمی اللہ کے دین میں یعنی اللہ کے دین کے نافذ کرنے کے بارے میں تمہیں ان دونوں کے بارے میں شفقت نہ آئے اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ پر اور یوم آخرت پر اور چاہیے کہ ان کی سزا کے موقع پر جب ان کو سزا دی جارہی ہو حاضر ہو انکی سزا کے موقع پر مومنین میں سے ایک گروہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب کے سامنے سزا دو ایک طائفہ موجود ہونا چاہیے جو ان کی سزا کا مشاہدہ کریں! آنکھوں کے سامنے سزا دو! شَهِدَ يَشْهَدُ حاضر ہونا مشاہدہ کرنا دیکھنا یہ سب اس کا مفہوم ہوتا ہے، ان کی سزا کو دیکھے! مومنین کا ایک گروہ سزا کے موقع پر حاضر ہو۔ زانی مرد وہی بات الذی یزنی کے معنی میں جو شخص زنا کرتا ہے جو زانی ہے وہ

نہیں نکاح کرتا اِلَّا زَانِیَۃً مگر زنا کرنے والی عورت سے یا شرک کرنے والی عورت سے اور زانی عورت نہیں نکاح کرے گا اس زانیہ کے ساتھ مگر زانی مرد یا مشرک۔ اور حرام کیا گیا ہے یہ مومنین پر، یہ حرام ہے مومنین پر ذالک کا اشارہ یہ زنا کی طرف ہے اور یہ زنا مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔

یہ اشارہ ہے زنا کی طرف اور وہ لوگ جو کہ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن پر ''محصنت'' یہ مُحصَنۃٌ کی جمع ہے، جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر نہیں لاتے چار گواہ اتی یاتی آنے کے معنی میں ہے پس ان کو کوڑے لگاؤ جو یہ تہمت لگاتے ہیں اسی (۸۰) کوڑے یعنی اسی (۸۰) دفعہ ان کے کوڑے مارو اور نہ قبول کرو ان کیلئے گواہی کبھی بھی اور یہ لوگ بدکار ہیں اور فاسق، پس یہ تہمت لگانے والے مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اس تہمت لگانے کے بعد اور اپنے حال کی اصلاح کرلیں بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ان کی توبہ قبول کرے گا، الا کا استثناء جو ہے یہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا وہ توبہ کرنے کے بعد فاسق نہیں رہے گا باقی یہ حکم ہمیشہ رہے گا کہ ان کی گواہی نہیں قبول، چاہے وہ توبہ کرلیں باقی ائمہ کے نزدیک وَلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ دونوں کے ساتھ تعلق ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ: وہ سچے دل سے توبہ کرلیں اور وہ اپنے حال درست کرلیں لیکن یہ مسلک احناف کا نہیں ہے، تہمت لگانے کی وجہ سے جن پر حد لگ جائے ان کی گواہی ہمیشہ مردود ہے۔

وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور انکے لئے گواہ نہیں ہیں سوائے اپنی ذاتوں کے اور گواہ ہیں جنہوں نے دیکھا اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے پھر ان کی گواہی ان میں سے ایک کی گواہی چار گواہی ہیں اللہ کی قسم کھاتے ہوئے کہ بے شک وہ آدمی البتہ سچے لوگوں میں سے ہے یعنی خاوند اللہ کی قسم کھاتا ہوا چار دفعہ گواہی دے گا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے جھوٹ نہیں بول رہا۔ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اور پانچویں شہادت یہ ہے کہ وہ یوں کہے گا کہ اللہ کی لعنت ہو اس آدمی پر جو جھوٹوں میں سے ہو ان تشھد یہ مصدر کی تاویل میں ہو کہ یَدْرَءُ کا فاعل ہے ''دَرَءَ یَدْرَءُ'' دور ہٹانا دفع کرے گا اس عورت سے عذاب کو، اس عورت کا گواہی دینا چار گواہیاں وہ عورت اسی طرح سے قسمیں اٹھائے یا گواہی دے دے یعنی اس کا شہادت دینا اس عذاب کو اور زنا کی سزا کو دور ہٹا دے گا، کیونکہ اس کے اوپر حد جاری نہیں ہوگی، دفع کرے گا اس عورت سے عذاب کو گواہی دینا، اس عورت کا اللہ کی قسم کھا کر کہ بے شک اس کا

شوہر البتہ جھوٹوں میں سے ہے اور اس کا پانچویں گواہی دینا ان الفاظ کے ساتھ کہ اللہ کا غضب ہو اس عورت پر کہ اگر وہ خاوند سچوں میں سے ہو، اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل، اس کی رحمت اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تواب حکیم ہے۔ تو جزا اس کی محذوف نکالی جائے گی تو تم مشقت میں پڑ جاتے یہ لولا کا جواب نکلے گا اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تواب حکیم ہے تو تم سختی میں پڑ جاتے۔

مضامین سورۃ اور ماقبل سے ربط:۔

اس سورۃ کا نام النور یہ تو ماخوذ ہے آگے آنے والی ایک آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ اس سورۃ کا نام وہیں سے لیا گیا ہے، اور اس سورۃ میں جو احکام دیئے جا رہے ہیں انکا زیادہ تر تعلق عفت کے ساتھ ہے، یعنی بدکاری زنا وغیرہ کے روکنے کے احکام ہیں پچھلی سورۃ جو آپ کے سامنے آئی تھی سورۃ مؤمنون اس میں مومنین کی صفات ذکر کرتے ہوئے یہ ذکر کیا تھا وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ جو اپنے فرجوں کی حفاظت کرنے والے ہیں گویا کہ حفظ فرج، اسی کی تفصیل، اس کے متعلق ہدایات اور احکام اس سورت میں دیئے جا رہے ہیں۔

شانِ نزول:۔

پسِ منظر سورۃ کا یہ ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس میں جو بات ذکر کی جا رہی ہے وہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت پاکدامنی اور ان کی عُلُوِّ شان کیونکہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی تھی اور آپ کے دامن کو داغ دار کرنے کی کوشش کی تھی تو اس کی صفائی، آنے والے دو رکوع میں دی گئی ہے اس پہلے رکوع کے بعد اگلے جو دو رکوع آئیں گے وہ ان کی شان کے ہی متعلق ہیں اور پسِ منظر اس کا یہ ہے کہ مشرکین مکہ کے ساتھ جو دشمنی چلی آ رہی تھی اور متعدد لڑائیاں ہوئیں سب سے پہلے بدر کا معرکہ ہوا اور اس کے بعد احد کا ہوا اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی ہوئی اور پھر ایک غزوۂ احزاب اور پھر خندق پیش آیا جس میں مشرکین اور عرب کے تمام قبائل اکٹھے ہو کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے تھے، وہ اس نیت کے ساتھ آئے تھے کہ اب ہم اس جماعت کا نام ونشان مٹا دیں گے لیکن ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ کر کے بیٹھے رہے، تو ان کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی آخر کار وہ ذلیل خوار ہو کر واپس چلے گئے تو جس وقت وہ واپس گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہم تو ان کی طرف

لڑنے کے لئے جائیں گے اور یہ ہماری طرف لڑنے کے لئے نہیں آئیں گے، اس اعلان کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ نے حالات کا اندازہ لگالیا کہ مشرکین کی قوت اب ٹوٹ گئی اب یہ جارحانہ جنگ نہیں کر سکتے اب ان کی جنگ دفاعی ہوگی کیونکہ اس سے پہلے مسلمان اقدامی جنگ نہیں کر سکتے تھے اپنی قوت کے کمزور ہونے کی وجہ سے اور اب موقعہ آ گیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے جنگ ہو، اقدام ہو اور مشرکین جو ہیں وہ دفاع پر مجبور ہو جائیں۔

مسلمانوں کی ترقی کا راز:۔

تو مشرکین نے بھی اندازہ کرلیا کہ چاہے مسلمان تعداد میں کم ہیں اور ان کے پاس اسلحہ نہیں لیکن میدان میں، جنگ میں، اس جماعت کو شکست نہیں دی جاسکتی، وجہ بھی ان کے سامنے آ رہی تھی کہ مسلمانوں کا عالی اخلاق آپس میں محبت اتفاق اور اپنے امیر کی اطاعت اور یہ سب چیزیں تھی جس میں اللہ کی مدد کو حاصل کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے وہ جماعت ہر کامیابی حاصل کر رہی تھی تو اللہ کے راستہ میں انکا جان دینا مقصد تھا جس کی وجہ سے مشرکین سمجھتے تھے کہ یہ جماعت مغلوب نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کو اللہ کے ساتھ محبت تھی عشق تھا۔

مشرکین کی ناکامی کی وجہ:۔

بخلاف اس کے کہ مشرکین ہر قسم کی کمزوریوں میں مبتلا تھے، اخلاقی کمزوریاں ان میں تھیں اجتماعی کمزوریاں ان میں تھیں اور ہر کسی کے دل میں اپنی اپنی خواہش اور اپنا مقصد تھا ظاہری طور پر اگر چہ ان میں اتفاق نظر آتا تھا لیکن ان کے دل آپس میں مختلف تھے یہ کمزوریاں تھی ان کی۔

شکست خوردہ ذہنیت:۔

تو ہمیشہ یہ قاعدہ ہوا کرتا ہے کہ جب ایک فریق اپنی کمزوریوں کی بنا پر شکست کھا رہا ہو اور دوسرا فریق اپنی خوبیوں کی بنا پر برتری حاصل کر رہا ہو تو یہ کمزوریوں والا فریق جو ہوا کرتا ہے، یہ میدان میں اگر اس کو شکست نہ دے سکے تو اس کا انداز یہ ہوا کرتا ہے کہ پھر دوسری جماعت کو بدنام کیا جائے، رسوا کیا جائے اور ان کے اندر وہ کمزوریاں پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس قسم کی کمزوریاں اپنے اندر ہیں، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بدنام ہو جائیں گے اور ان کی اخلاقی برتری نہیں رہے گی، ان کے آپس میں اخلاق ختم ہو جائیں گے اور آپس میں اس قسم کے شوشے چھوٹ جانے کی وجہ سے اختلاف ہو جائے گا، آپس میں لڑیں گے ان میں اتفاق نہیں رہے گا جن کمزوریوں میں ہم

مبتلاء ہیں وہی کمزوریاں ان میں پیدا ہو جائیں گی، یہ شکست خوردہ ذہنیت ہوا کرتی ہے کہ اپنے فریق مخالف کو بدنام کرنے کی کوشش کرو!۔

منہ بولے بیٹے کا حکم:۔

اسی پس منظر میں غزوۂ خندق کے بعد دو تین واقعات مسلسل پیش آئے پہلا واقعہ تو یہ ہوا کہ سرور کائنات ﷺ نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا متبنّٰی بنایا ہوا تھا جس کو ہم منہ بولا بیٹا کہتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں رواج یہ تھا کہ جس کو اپنے منہ سے بیٹا کہہ دیا جائے اور بیٹا بنالیا جائے تو اس کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے، اس کی بیوی ایسے حرام ہوتی تھی جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی حرام ہوتی ہے آپ ﷺ کی وساطت سے اللہ نے اس میں جاہلیت کا خاتمہ کرنا تھا تو آپ ﷺ نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی پھوپھی ذات بہن سے کی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جو بعد میں آپ ﷺ کے عقد میں آئیں زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ چونکہ غلام رہ چکے تھے اس کے بعد ان کو آزادی ملی تھی تو زینب رضی اللہ عنہا کا دل نہیں آتا تھا کیونکہ قریش بہت عالی خاندان تھا تو ایسے شخص کے نکاح میں ان کی لڑکی چلی جائے تو یہ ان کی عزت و مقام کے خلاف تھا لیکن حضور ﷺ نے اس جذبے کو پیدا کیلئے اللہ کے ہاں برتری رفعت اور عزت تقوئی اور اسلام کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تو آپ ﷺ نے بہت مجبور کر کے نکاح کروایا تھا تو اللہ کی طرف سے بعد میں ہدایت آ گئی کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم پہلے ان کو زید ابن محمد کہہ کر بلاتے تھے پھر جب آیات اتریں تو زید ابن حارثہ کہہ کر پکارتے تھے۔

تو یہ ممانعت آ گئی کہ یہ حقیقی بیٹے نہیں ہوتے ان کی نسبت ان کے اصل باپوں کی طرف کی جائے، تو اللہ کی طرف سے یہ واقعہ یوں پیش آیا کہ زید اور زینب کا نباہ نہ ہو سکا آخر زید نے طلاق دے دی تو طلاق دینے کے بعد آپ ﷺ نے انکی دل جوئی کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ میں ان سے نکاح کر لیتا ہوں کیونکہ پھوپھی ذات تھی اور پھر ان کو یہی صدمہ پہنچا کہ یہ نکاح ان کی مرضی کے خلاف ہوا تھا تو نباہ بھی نہ ہو سکا اور طلاق ہو گئی تو آپ ﷺ نے زینب کے ساتھ نکاح کر لیا پہلے تو اس بات کو منافقین نے جو کہ مشرکین کے ایجنٹ تھے مدینہ منورہ میں یہود کے ایجنٹ تھے ظاہری طور پر وہ کلمہ پڑھے ہوئے تھے لیکن سارے کا سارا رابطہ ان کا انہیں دو گروہ کے ساتھ تھا، ان کی وساطت سے فتنہ اٹھایا گیا کہ لو جی! بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور اس کو اپنے لیے حلال کر لیا تو اس کی تفصیل آگے

سورۃ احزاب میں آئے گی۔

غزوۂ بنی مصطلق کی کچھ تفصیلات:۔

اور اس کے بعد دوسرا واقعہ پیش آیا غزوہ بنی مصطلق میں، بنی مصطلق یہ ایک قبیلہ ہے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی غزوہ خندق کے بعد کہ وہ لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمالیا کہ اب ان کو حملہ کا موقعہ نہ دیا جائے آپ ﷺ کی طرف سے اقدام ہوا کہ آپ ﷺ نے ان پر حملہ کیا اور ان کو سنبھلنے کا موقعہ بھی نہیں دیا اور آپ ﷺ نے غلبہ حاصل کرلیا عورتیں بچے ان کے قید کر لیے اور کچھ لوگ ان میں سے قتل ہوئے جیسے کہ جنگ کے موقعہ پر قتل ہوتے ہیں، کچھ ویسے پکڑے گئے تو یہ قبیلہ مغلوب ہو گیا تو ابھی آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت قبیلہ بنی مصطلق میں ٹھہری ہوئی تھی ان کا چشمہ جہاں سے وہ پانی لیتے تھے مریسیع کہلاتا ہے اس لیے اس غزوہ کے دو نام آتے ہیں۔

غزوہ بنی مصطلق اور مریسیع، مہاجرین اور انصار آپ ﷺ کے ساتھ تھے جیسے کہ انسانی فطرت ہے کہ جہاں کچھ برابر کے ساتھی ہوں تو معمولی جھگڑا ہوا کرتا ہے، آپس میں الجھ بھی جاتے ہیں،، تو تو میں میں ہو جاتی ہے آخر انسان ہی ہیں، کہ ایک مہاجر اور ایک انصار میں سے پانی لینے میں ان کی آپس میں کچھ لڑائی ہو گئی، اختلاف سا ہو گیا تو تو میں میں تک نوبت آ گئی مہاجر نے اپنے ساتھی مہاجرین کو پکار لیا انصاری نے اپنے ساتھی انصاریوں کو پکار لیا سب اکٹھے ہو گئے گفتگو کچھ تیزی سی ہونے لگی تو آپ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے دونوں گروہوں کو ملامت کی اور ملامت کرنے کے بعد اس فتنہ کو دبا دیا۔

رئیس المنافقین کی سازش:۔

اب یہ تھوڑی سی بات جو تھی عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے ہاتھ میں بھی آ گئی اور وہ بنی خزرج میں سے تھا اور وہ آدمی جسکا اس آدمی کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا وہ بھی بنی خزرج میں سے تھا اور اس جنگ کے موقع پر منافقین کثیر تعداد میں تھے، اب اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا فائدہ اٹھا کے اپنے قبیلے کے آدمیوں کو بھکانے لگا اور کہتا ہے کہ دیکھو! ان کو جرأت ہو گئی کہ تمہارے سامنے بولیں تمہاری روٹیوں پر پلنے والے تم ان کو اپنے گھروں میں لے آئے تو تم ان کو خرچ دیتے ہو اور اپنے جائیدادوں میں سے حصے دیئے اور یہ تمہارے سامنے بولتے ہیں اب مدینہ

منورہ واپس جا کر ان کو چھوڑ دینا انہیں جائیدادوں میں سے حصے نہ دو یہ خود بکھر جائیں گے اکھٹے نہیں رہ سکتے اس جیسے الفاظ استعمال کیے کہ ہم عزت والے ہیں اور یہ لوگ ذلیل بے قدرے ہیں، مدینہ منورہ میں آئے اب ہم جائیں گے تو سب کو وہاں سے نکال دیں گے، اس طریقے سے اپنی جماعت کو بہکایا یہ ساری باتیں سورۃ منافقون کے اندر نقل کی گئی ہیں۔

یہ واقعہ بھی اسی غزوہ میں پیش آیا اور بعد میں جو حالات بھی ہوئے اس طرح سے انصار اور مہاجرین کو آپس میں لڑانے اور بہکانے کی کوشش کی تا کہ یہ اختلاف پیدا ہو جائے، اختلاف پیدا ہونے کے بعد یہ جو مہاجرین ہیں مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے جائیں، میں پہلے سردار بننے والا تھا مدینہ منورہ میں بنی خزرج کی سرداری مجھے ملنے والی تھی اس قسم کی آرزو ہوا کرتی ہیں جو اس قسم کے فساد برپا کرتے ہیں یہ مشرکین کے ایجنٹ تھے اور یہود ان کے دوست تھے اور انہی سے یہ ذہنیت اختیار کرتے تھے گڑبڑ کرنے کی اور اختلاف کرانے کی۔ یہ واقعہ بھی اسی غزوہ میں پیش آیا۔

صحبت نبی ﷺ کا اثر:۔

اس پر بھی بعد میں کنٹرول کر لیا گیا تو آپ ﷺ کی تربیت اور تعلیم صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسی تھی کہ اگر کوئی بہکانے کی کوشش کرتا تو آپ ﷺ کی تربیت اور تعلیم سے نصیحت سے فوراً معاملے کو سلجھا لیا جاتا تھا اس واقعہ کی تفصیل عرض کرنا مقصود نہیں تھی وہ سورۃ منافقون میں آئے گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ:۔

تیسرا واقعہ اسی غزوہ میں یہ پیش آیا کہ آپ ﷺ سفر کرتے آ رہے تھے تو رات کو ایک جگہ پڑاؤ کیا اور صبح کوچ کا اعلان کر دیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کوچ کا اعلان ہوا تو میں جلدی سے فارغ ہونے کیلئے قضائے حاجت کے لئے چلی گئی، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب سفر شروع ہو جائے تو درمیان میں قضائے حاجت کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے آپ جب سفر پر جانے لگتے ہیں تو طریقہ یہی ہے کہ سب سے پہلے قضائے حاجت سے فارغ ہونے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ بعد میں سفر میں رکنا نہ پڑے تکلیف نہ ہو، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چلی گئی تھی اس وقت چھوٹی سی ہلکی پھلکی تھی تو اس وقت پردہ کے احکام آ چکے تھے اور ہودج جس کو چار آدمی اٹھایا کرتے تھے، وہ

پردہ دار ڈولی کی شکل میں بن جایا کرتا ہے اور پردے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے اندر بیٹھ جاتیں۔ چار آدمی اس پر متعین تھے ڈولی پر چار آدمی متعین ہوتے۔ وہ اٹھاتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں قضائے حاجت سے واپس آئی تو میں نے دیکھا اپنے گلے میں جو ہار میں نے پہنا ہوا تھا وہ کہیں ٹوٹ کر گر گیا تھا تو میں واپس اس کو تلاش کرنے کے لئے چلی گئی اور وہ آدمی آئے انہوں نے ہودج باندھا اور اٹھا کر چل دیئے۔

ان کو پتہ ہی نہ چلا کہ میں اندر بیٹھی ہوئی ہوں یا نہیں! کیونکہ میں اس وقت ہلکی پھلکی اور چھوٹے قد کی تھی اب آپ اندازہ لگائیں کہ اس وقت جہاں سفر پہاڑوں میں ہوتا ہے تو وہاں آدمی کا چلنا مشکل ہو جاتا ہے، چند قدم چلے پہاڑ کی گھاٹی آئی کہیں اترے کہیں چل پڑے تو یہ بہت مشکل معاملہ ہوا کرتا ہے چند منٹوں کے بعد آدمی ایک دوسرے سے اس طرح غائب ہو جاتا ہے کہ پھر ان کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے پھر رات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ بات آئی کہ میں پیچھا کرنے کی بجائے یہیں بیٹھی رہوں آخر روشنی ہو گی تو حضور رضی اللہ عنہا ڈھونڈنے کے لئے پیچھے آئیں گے، جب ڈولی کو خالی دیکھیں گے تو پھر کوئی آئے گا اور مجھے ساتھ لے جائے گا اکیلی ان کے پیچھے نہ جاؤں کچھ اللہ کو اس طرح ہی منظور تھا۔

چنانچہ وہ اپنی جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں وہ پہلے ٹھہری ہوئی تھیں اور کچھ نیند کا غلبہ ہو گیا تو سو گئیں وہیں پڑے پڑے سو گئیں تو ایک صحابی ہیں ''صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ وہ قافلے کے پیچھے آیا کریں جب روشنی ہو جائے یعنی جب دن چڑھ آئے تو قافلے کی جگہ کو دیکھ بھال کر آئیں تاکہ کسی کی کوئی چیز رہ گئی ہو رات کے کوچ کے وقت تو وہ سنبھالتے چلے آئیں، ان کی ڈیوٹی اس طرح سے لگی ہوئی تھی اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ ان کو دیر سے اٹھنے کی عادت تھی جب یہ سوتے تھے تو جلدی اٹھ نہیں سکتے تھے تو ہو سکتا ہے قافلے میں کسی کونے میں یہ بھی سوئے ہوئے ہوں اور ان کی آنکھ نہ کھلی ہو اور قافلے کی روانگی کے وقت نہ اٹھ سکے اور جب دیر سے اٹھے تو وہ جا رہے تھے دیکھا کہ ایک شخص پڑا ہوا ہے کوئی وجود دیکھا، یا پھر یہ تلاش کر رہے تھے کہ کسی کی کوئی چیز پڑی ہوئی ہو تو وہ اٹھا لیں، یا ویسے گزرتے ہوئے نظر پڑ گئی، تو جب ان کی نظر پڑی تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا منہ کھلا ہوا تھا اس وقت پردے کے احکام نئے نئے آئے تھے تو اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردے سے پہلے کئی بار دیکھا تھا، اس لئے وہ جلدی پہچان گئے کہ یہ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں تو فوراً زبان سے نکلا اِنَّا

لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ① تو افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہ یہ یہاں کیسے رہ گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کے اس طرح اناللہ پڑھنے سے فوراً میری آنکھ کھل گئی، میں نے اپنا کپڑا درست کرلیا اور وہ آیا اس نے اونٹ لاکر میرے پاس بٹھا دیا میں نے پاؤں رکھا اور سوار ہوگئی، اس نے نکیل پکڑی اور چل دیا اور دوپہر کے وقت جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزول کا ارادہ کررہے تھے اس وقت ہم وہاں پہنچ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سارے سفر میں میں نے سوائے اس کلمے کے جو اس نے پڑھا تھا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ صرف یہی سنا اس کے علاوہ میرے کان میں اس کی آواز تک نہیں آئی۔

رئیس المنافقین کی ایک اور سازش:۔

جب وہاں پہنچے تو پیچھے سے عبداللہ بن ابی بن سلول جلا ہوا سا آ ہی رہا تھا، آپس میں جذبات تو بھڑکے ہوئے تھے تو اس نے یہ شوشا چھوڑ دیا کہ دیکھو! انکا یہ حال ہے یہ پیچھے رہ گئیں کسی نہ کسی بہانے سے وہ بھی پیچھے رہ گیا اس لئے رات انہوں نے اکھٹے گزاری ہے، اس طرح کرکرا کے اس نے ایک افسانہ بنالیا اور افسانہ بنا کے شوشا چھوڑ دیا اور اس انداز سے پروپیگنڈہ کیا گیا کہ بعض مخلص مومنین بھی متاثر ہوگئے جیسے طریقہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی جیسے جھوٹ بناتا ہے اور اس کو خوب سجا کر مزین کرتا ہے تو بعض لوگ جن کے دل دماغ کے اندر دوسرے کی بات کو قبول کرنے کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے وہ بسا اوقات متاثر ہوجاتے ہیں۔ ان میں ایک حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار بھی تھے وہ بھی متاثر ہوگئے یہ بدری صحابی ہیں مخلصین میں سے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں شعر پڑھا کرتے تھے نظمیں بنایا کرتے تھے یہ بھی متاثر ہوگئے اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش یہ بھی متاثر ہوگئیں ② انہوں نے بھی باتیں پھیلانے میں حصہ لیا اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم جو تھے ان میں سے بعض خاموش رہے اور بعض نے شدت کے ساتھ تردید کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری تحقیق شروع کردی تو اللہ کی طرف سے وحی نہیں آئی، کچھ دیر سی ہوگئی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کوئی خبر نہیں ہوئی کہ میرے بارے میں کیا

① (تفسیر ابن عطیہ مولفہ ابومحمد عبدالحق بن غالب الاندلسی المتوفی ۵۴۴ ص ۱۶۸ ج ۶ مطبوعہ بیروت / روح البیان ص ۱۲۳ ج ۶ بیروت)۔

② سنن ابی داؤد ص ۲۶۲ ج ۱ باب فی حد القذف / طرح التثریب فی شرح التقریب ص ۲۷ ج ۸ / عون المعبود ص ۱۱۳ ج ۱۲)

باتیں ہورہی ہیں۔مدینہ منورہ میں پہنچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوگئیں ان کی طبیعت خراب ہوگئی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ان کی زبانی:۔

خود اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے کوئی خبر نہیں ہوئی کہ باہر کیا آندھی چلی ہوئی ہے؟ میں نے یہ بات محسوس کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے ہیں تو جیسے پہلے محبت کی عادت تھی پیار کرتے تھے خاص طور پر میرے بیمار ہونے کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دل چسپی لیا کرتے تھے اب وہ دل چسپی نہیں تھی میرے پاس غلام ہوتے وہی میری خدمت کرتے تو بس ان سے میرا حال چال پوچھ لیتے ،اور واپس چلے جاتے تھے میرے پاس بیٹھتے نہیں تھے اور باتیں بھی نہیں کرتے تھے ایک مہینہ اس طرح گزر گیا تو بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک دفعہ رات کو عادت کے مطابق قضائے حاجت کے لئے باہر گئی کیونکہ اس وقت تک ہمارا وہی پرانا طریقہ تھا کہ رات کو عورتیں باہر جاتی تھیں قضائے حاجت کے لئے تو میرے ساتھ مسطح کی ماں بھی تھی چلتے چلتے ام مسطح کا پاؤں کہیں اکھڑا اور وہ گرنے لگی تو ان کی زبان سے نکلا تَعِسَ مِسْطَحٌ مسطح برباد ہو جائے غارت ہو جائے تو اس طرح اس قسم کے الفاظ اس کی زبان سے نکلے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً انکار کیا کہ ایسے شخص کو کوس دیا ہے کہ جو بدر میں حاضر ہو چکا ہے اور وہ اچھا آدمی ہے۔

تو ماں کی بات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گرفت کی تو ماں نے کہا کہ تجھے نہیں پتا کہ تیرے متعلق کیا باتیں ہورہی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے تو کوئی خبر نہیں ہے تب ام مسطح نے خبر دی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا تو خون ہی خشک ہوگیا قضائے حاجت کے لئے جارہی تھی میری تو حاجت بھی ختم ہوگئی واپس آئی تو سوائے رونے کے کوئی کام نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے حسب عادت پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پھر بولیں کہ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔

میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتی ہوں:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ والدین کے گھر جانے کا مقصد یہ تھا کہ میں ان سے تحقیق کروں وہاں گئیں وہاں سے کچھ حالات کا پتہ چلا تو سوائے رونے کے کوئی کام نہیں تھا، کتنی مدت گزر گئی وحی نہیں آئی

تو حضور ﷺ حضرت عائشہ ؓ کے پاس تشریف لے جاتے ہیں تو بتا اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو......؟ اور ہر طرح سے سمجھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے اور اگر کوئی غلطی نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ تجھے بے گناہ قرار دے دے گا تو حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے ایک ناز میں آ کر یہ کہا تھا کہ اب مجھ سے کیا پوچھتے ہو تمہارے دلوں میں وسوسے تو اس بات کے بارے میں آ گئے اگر میں کہہ دوں کہ میں نے یہ کام کیا ہے تو اللہ جانتا ہے میں جھوٹ بولوں گی لیکن تم کس طرح سے یقین کرنے والے ہو......؟ اس لئے تو میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتی ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ضرور کچھ فیصلہ فرما دیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس قول کا حوالہ دیا بخاری شریف میں تین صفحے کی لمبی روایت ہے یہ سارا واقعہ اس میں مفصل ذکر کیا ہوا ہے کہ میرا حال تو وہی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ابا کا تھا کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کے خلاف اللہ سے مدد لی ہوئی ہے فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ میں تو صبر اختیار کروں گی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ اس آیت کا حوالہ دیا۔

میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میرا معاملہ صاف کیا:۔

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ابھی اسی گھر میں ہی تھے باہر تشریف نہیں لائے کہ آپ ﷺ کے اوپر وحی کے آثار شروع ہو گئے تو جب وحی کے آثار شروع ہوئے تو آپ ﷺ کا جو حال ہوا کرتا تھا وہی ہوا۔ تو اس کے بعد انکشاف ہوا مبارک باد دی حضرت عائشہ ؓ کو اور آیات پڑھ کر سنائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بری الذمہ قرار دے دیا اور تیری پاکدامنی بیان کر دی ① حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنی شان اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کوئی آیات اتار دے گا جو قیامت تک اس کتاب میں پڑھی جائیں گی وحی جو متلو ہے وہ اتاریں گے میں تو سمجھتی تھی کہ آپ ﷺ کو کوئی خواب آ جائے گا جس میں میری طہارت ان کے سامنے آ جائے گی تو یہ اللہ نے احسان فرمایا تو جب یہ آیات سامنے آئیں تو حضرت عائشہ ؓ کی ماں نے فرمایا کہ اب اٹھو! آپ ﷺ کا شکریہ ادا کرو تو میں نے کہا میں انکا کیوں شکریہ ادا کروں میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے یہ معاملہ جو ہے میرا صاف کیا یہ واقعہ جو پیش آیا حضرت عائشہ ؓ کے متعلق اور یہ آیتیں اگلے دو رکوع کے اندر لکھی ہوئی ہیں یہ اسی واقعہ میں اتری تھیں اب اسی مناسبت سے زنا، اس کے احکام، اس کی سزا اور اسکی افوائیں پھیلانے والے یہ جتنے

① صحیح بخاری ص ۳۶۴ ج ۱ عن عائشہ ؓ

واقعات ہوا کرتے ہیں یہ آیات ابتدائی آیات میں دی گئی ہیں پہلے تو سورۃ کی عظمت کو ذکر کیا کہ اس کو اتارنے والے ہم ہیں پھر ان میں کوئی ایسی باتیں نہیں ہیں جو کہ سمجھ میں نہ آئیں واضح واضح ان کی دلالت کر دی تا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہماری سمجھ میں یہ آیات نہیں ہیں یا اس میں کوئی پیچیدگی ہے واضح آیات کے ساتھ اللہ نے بیان فرمایا ہے تا کہ تم یاد رکھو!۔

زانی مرد اور زانیہ عورت کی شرعی سزا:۔

آگے پہلے زانی کی سزا ذکر کی ہے کہ اگر عورت ہو زنا کرنے والی یا مرد ہو زنا کرنے والا تو پہلے ان کے سو کوڑا لگایا کرو، قرآن کریم میں یہ آیت اس طرح سے آئی ہے لیکن سرور کائنات ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی کہ اس میں غیر شادی شدہ مرد اور عورت مراد ہیں یعنی شادی شدہ مرد اور عورت جن کا آپس میں نکاح ہو گیا ہو اور اس کے بعد ان کو ملنے کا موقع بھی مل گیا ہو، مباشرت کا ارتکاب ہو گیا ہو، اس کے بعد اگر کوئی شخص اس فعل میں مبتلا پایا جائے تو اس کی سزا تواتر کے ساتھ قطعی طور پر ثابت ہے۔

کہ ان کو پتھر مار مار کر مار دیا جائے، تو حضور ﷺ کی وضاحت سے یہ ثابت ہوا کہ یہ سزا اس جوڑے کی ہے جو غیر شادی شدہ ہو دونوں غیر شادی شدہ ہوں تو دونوں کی یہ سزا، دونوں شادی شدہ ہوں تو دونوں کی سزا رجم کرنا ہے اور اگر ان میں سے ایک شادی شدہ اور ایک غیر شادی شدہ ہو تو جو شادی شدہ ہے اس کی سزا رجم جو غیر شادی شدہ ہے اس کی سزا کوڑے مارے جائیں گے یہ تفصیل احادیث میں آ گئی اور اس لئے اس آیت کو خاص کیا جائے گا ان لوگوں کے ساتھ جو کہ شادی شدہ نہیں ہیں ان کے سو کوڑے مارا کرو ولا تأخذكم بهما رافة في دين الله اللہ کا قانون جاری کرنے کے لئے تمہارے دل میں ان کے لئے کوئی شفقت یا رحم نہ آئے یہ سزا پوری پوری دو۔

مجرم پر ترس کھانا گویا جرم کی پرورش کرنا ہے:۔

کیونکہ یہ سزا دینا عالمین کے لئے رحمت ہے، معاشرے کیلئے ایک اللہ کی طرف سے مہربانی ہے، اگر مجرم سے درگزر کیا جائے تو جرم پھیلا کرتا ہے۔ مجرم کے اوپر ترس کھانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس جرم کی پرورش کرتے

ہیں آج کل لوگ ان سزاؤں کو کچھ نہیں سمجھتے لیکن جب لوگوں کی عزتیں لٹتی ہیں اور ان کی بچیاں اغوا ہوتی ہیں اور فساد برپا ہوتے ہیں تو ان پر کوئی رحم نہیں آتا کوئی ترس نہیں آتا، چور کا ہاتھ کاٹنے سے لوگ کہتے ہیں یہ بڑا ظلم ہے ڈر لگتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے وہ یہ نہیں دیکھتے جن کا مال لٹتا ہے جن کی زندگی بھر کی کمائی چور اڑا کر لے جاتے ہیں اور سونا رات کو حرام کر دیا ہے۔

یہاں چور پر تو شفقت ہے جس کا مال لوٹ لیا گیا اس پر کوئی رحم نہیں:۔

ان چوروں کو تو ان پر کسی قسم کا ترس نہیں آتا، پھر یہ تو وہی بات ہے جس شخص کو سانپ پر رحم آتا ہے اور لوگ کہتے ہیں سانپ کو نہ مارو یہ جاندار ہے وہ سانپ پر رحم کر رہا ہے اور بنی آدم پر ظلم کر رہا ہے تو بنی آدم کا ظلم تو گوارہ ہے لیکن سانپ پر رحم ہے سانپ پر شفقت ہے یہی بات ہے یہاں کہ چور پر تو شفقت ہے لیکن شرفاء جو اچھے لوگ ہیں جن کا مال رات کے وقت لوٹ لیا جاتا ہے چور بڑے بڑے ڈاکے ڈالتے ہیں اور ان کی جان خطرے میں ڈال دیتے ہیں تو کیا ان پر ترس نہیں آتا......؟۔

تو ساری مخلوق پر شفقت اسی طرح ہے کہ مجرم کو معاف نہ کیا جائے جتنی شفقت مجرم کے اوپر کی جائے گی اتنا معاشرہ زیادہ برباد ہوگا بلکہ اللہ کی طرف سے رحمت یہی ہے کہ مجرم کو یہ سزا دی جائے اور یہ سزا چھپ چھپا کر نہ دی جائے اس کا اثر کم ہوتا ہے۔ علیحدگی میں، کسی کے جوتے مار لو تو وہ اتنا اثر نہیں ہوتا، مجمع عام میں اگر کسی کو ایک تھپڑ مارو تو اثر بہت ہوتا ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین کہ سزا مومنین کے تھرو ہونی چاہیے یہ سزا خوب اچھے طریقے سے لوگوں کے سامنے دی جائے تا کہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔

زانی مرد ہو یا عورت، معاشرے میں ان کو کوئی مقام نہیں دینا چاہیے:۔

آگے زنا کی مذمت ہے، زانی مرد ہو یا عورت یہ معاشرے میں عزت کا مقام نہیں پا سکتے شرفاء کو چاہیے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں! ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں! معاشرے میں ان کو گرا دیا جائے کیونکہ ذہنی طور پر یہ بھی ایک سزا ہے ہم ایک آدمی کو جانتے ہیں یہ زانی ہے تو ہم اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں یہ آدمی شرابی ہے تو ہم اس سے اسی طرح احترام سے پیش آتے ہیں اور ان کا احترام معاشرے میں ویسے ہی جاری رہتا ہے تو اس سے ان کی حوصلہ شکنی نہیں ہوتی، اور یہاں یہی بات ہے کہ زانی مرد ہو یا عورت وہ پرلے درجے کے

کمینے اور ذلیل ہیں، شریف لوگوں کو ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے، زانی نہیں نکاح کرے گا زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ عورت کے ساتھ اور زانی عورت نہیں نکاح نہیں کرے گا اس سے مگر زانی یا مشرک کیونکہ گندے لوگ گندے لوگوں کے لائق ہیں، کسی شریف آدمی کے لائق نہیں کہ کسی زانیہ عورت سے نکاح کرے نہ کسی زانی آدمی کے ساتھ کسی شریف لڑکی کا نکاح کیا جائے یہاں یہ لاینکح صورۃً خبر ہے، لیکن یہاں قابلیت فعل کو فعل کے درجے میں رکھ کر نفی کی جارہی ہے جیسے کہتے ہیں سلطان جھوٹ نہیں بولا کرتا یعنی بادشاہ کی شان کے لائق نہیں ہے کہ جھوٹ بولے جیسے طالب علم کوئی غلطی کرے یا جھوٹ بولے تو ہم سمجھاتے ہیں کہ دیکھو! طالب علم ایسے نہیں کرتے۔

کوئی نیک آدمی زانیہ سے نکاح نہیں کرتا:۔

جیسے حدیث شریف میں ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا (1) ایک دفعہ اگر وہ ڈسا جائے تو دوبارہ وہ وہاں انگلی نہیں ڈالا کرتا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو ہوشیار ہونا چاہیے کہ جہاں سے ایک دفعہ دھوکا کھالے تو دوبارہ دھوکا نہ کھائے تو یہ بات اسی انداز کی ہے کہ زانی اگر اس کو نکاح کی نوبت آجائے تو یہ اس قابل نہیں ہے کہ کوئی شریف آدمی اپنی شریف بچی اسے دے، یہ جائے کسی زانی کے متھے لگے یا مشرک کے متھے لگے یہ ایک شریف گھرانے میں نکاح کرنے کے قابل نہیں ہے، اور اگر کوئی عورت بدکارہ ہو جائے تو اس کے لئے بھی یہی ہے کہ اس کو کسی شریف گھرانے میں نہ دیا جائے اور یہ ان کی ذلت اور تحقیر کرنے کے لئے یہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور مسلمان زانی عورت سے نکاح کرے خود چاہے، جتنا شریف ہو اچھا ہو اس کا نکاح ہو جاتا ہے اور مشرکہ عورت مومن مرد سے نکاح کرے تو سرے سے اسکا نکاح نہیں ہوگا اس مسئلے کی تفصیل علیحدہ ہے۔

مومن مرد کا مشرکہ عورت سے نکاح حرام ہے:۔

یہاں وہ مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ جس آدمی کی عادت بن گئی ہو زنا کرنے کی تو کوئی بھی اپنی شریف لڑکی اس کے نکاح میں نہ دے، پھر ایسی ہی بدمعاش عورت کو اختیار کرے جیسا کہ وہ خود ہے وحرم ذالك علی المؤمنین اس نکاح کو مومنین پر حرام کیا گیا ہے حرام کرنے سے ممنوع ٹھہرانا مراد ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ مشرکہ کے ساتھ

(1) لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ (سنن الدارمی س ۱۸۳۰ ج ۳/ صحیح بخاری ص ۱۳ ج ۸ بیروت باب لایلدغ المومن من جحر مرتین/ صحیح مسلم ۲۲۹۵ ج ۴ بیروت/ سنن ابی داؤد ص ۲۶۶ ج ۶ باب فی الحذر من الناس بیروت/ صحیح ابن حبان ص ۴۳۸ ج ۲)۔

نکاح کریں گے تو سرے سے ہوگا ہی نہیں زانی سے نکاح کرے تو ہو جائے گا لیکن یہ پسندیدہ نہیں ہے، شریف آدمیوں کو بھی ایسی چیزوں کی طرف رغبت نہیں ہوسکتی حرام کا یہاں معنی ہے ممنوع ہونا حرام شرعی نہیں ہے حرام طبعی ہے، اس طرح سورت قصص کے اندر آئے گا حرمنا علیه المراضع ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والی عورتوں کو حرام ٹھہرادیا ہے موسیٰ علیہ السلام کی رغبت نہیں ہوتی تھی ان کی طرف۔ یہ نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انکا دودھ پی لیا تو شرعی طور پر حرام تھا یعنی موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت ان کی طرف مائل نہیں ہوتی تھی ہم نے اس کو ممنوع ٹھہرادیا تھا اس طرح جو مومنین کاملین ہیں وہ اس قسم کے نکاح کی طرف رغبت نہیں کرسکتے یہ ان کے اوپر حرام کردیا گیا ہے، اس میں قباحت آگئی کہ معاشرے میں زانی مرد اور زانی عورت کا مقام گرا ہوا ہونا چاہیے اور ماحول میں ان کی گنجائش نہ ہو اور ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے، تو جب یہ معاملہ کیا جائے گا تو آپ جانتے ہیں کہ مرض کو ختم کرنے کے لئے اور حرام کو مٹانے کے لئے یہ بھی ایک کارگر ذریعہ ہے۔

پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی سزا:۔

آگے آگئی یہ بات کہ زنا تو ہے بڑا جرم۔ سزا بھی اس کے اوپر سخت ہونی چاہیے لیکن بلاوجہ کسی کے اوپر تہمت لگانا جب کہ ثبوت نہ ہو تو یہ بھی اس طرح جرم ہے، جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے لگایا کرو اور آئندہ ان کی شہادت قبول نہ کی جائے اور یہ لوگ فاسق ہیں مگر جو توبہ کرلیں اس کے بعد اپنے حالات کی اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہے۔

تفصیل اس کی فقہ میں ہے سارے مسئلے یہاں ذکر نہیں کیے جاسکتے، تہمت لگانے سے یہاں زنا کی تہمت لگانا مراد ہے محصنت سے مراد پاکدامن عورتیں جو اس فعل میں بدنام نہیں، جو اس فعل میں بدنام ہیں اور ان کی سزا جاری ہوچکی ہو تو پھر یہ حد قذف نہیں ہے پھر اس عورت کی طرف سے مطالبہ ضروری ہے، قاضی کی عدالت میں جا کر دعویٰ کرے قاضی اس تہمت لگانے والے سے ثبوت مانگے گا اگر وہ ثبوت نہ دے سکے، تو اس پر حد قذف جاری ہوجائے گی، تہمت کی حد جسے کہا جاتا ہے یہ اسی (۸۰) دُرّے ہیں اور اس کی سزا کے جاری ہونے کے بعد پھر دو چیزیں اور ذکر کی گئی ہیں ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

توبہ کے بعد اصلاح کرنے والوں کی شہادت قبول کی جائے گی؟

جس طرح پہلے آپ کی خدمت میں عرض کیا جاچکا ہے کہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا تعلق اولئك هم الفاسقون کے ساتھ ہے قبولیت شہادت کے ساتھ نہیں ہے۔ تو ان کی گواہی نہیں قبول کی جائے گی کبھی بھی بے شک توبہ بھی کیوں نہ کرلیں۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس کا تعلق دونوں سے ہے کہ یہ دونوں توبہ کرلیں اور توبہ کے بعد یہ اپنی اصلاح کرلیں تو پھر ان کی شہادت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

میاں بیوی کے درمیان تہمت کے بارے میں مسئلہ:۔

آگے اس تہمت کے سلسلے میں ذکر کیا کہ عام آدمی کسی عام عورت پر تہمت لگائے تو مسئلہ وہی ہے جو اوپر ذکر کیا تھا لیکن خاوند بیوی کا معاملہ اس سے کوئی تھوڑا سا مستثنیٰ ہے کیونکہ عام آدمی کسی عورت کو اس فعل میں مبتلا دیکھے تو پھر خاموش بھی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن خاوند کے لئے بیوی کا معاملہ برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، پھر چار گواہ دستیاب ہونے بہت مشکل ہیں، اس لئے ان میں اتنی رعایت رکھی گئی ہے کہ اگر تہمت لگانے والا اس عورت کا خاوند ہے تو پھر دونوں قاضی کے سامنے پیش ہوں گے پیش ہونے کے بعد پھر یہ لعان کریں گے یہ جو آگے عمل ذکر کیا گیا ہے اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''لعان'' کہتے ہیں۔

لعان کا مطلب ہے ایک دوسرے کے مقابلے میں لعنت کرنا، تو اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے قاضی خاوند سے پوچھے گا کہ تو جو اپنی بیوی پر تہمت لگاتا ہے تیرے پاس چار گواہ ہیں......؟ وہ کہے گا کہ نہیں تو پھر اس کو پانچ قسمیں دی جائیں گی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قسم اٹھا کر کہے گا کہ اللہ گواہ ہے اپنے متعلق وہ کہے گا کہ اللہ گواہ ہے کہ میں سچوں میں سے ہوں چار قسمیں تو اس طرح اٹھائے گا پانچویں قسم میں کہے گا اللہ کی لعنت ہو مجھ پر اگر میں جھوٹ بولوں یہ پانچ قسمیں جو اس نے اٹھائی ہیں۔

یہ حد قذف کے قائم مقام ہیں، ان پانچ قسموں کے کھانے کے بعد اس پر حد قذف نہیں آئے گی اب ان قسموں کے کھانے کے بعد بیوی سے مطالبہ کیا جائے گا یا تو وہ اقرار کرے، اقرار کرے گی تو معاملہ صاف ہوگیا اور اگر وہ انکار کرے تو انکار کرنے کے بعد اس سے بھی پانچ قسموں کا مطالبہ کیا جائے گا اور وہ پانچ قسمیں جو اٹھائے گی وہ حد زنا کے قائم مقام ہو جائیں گی، اس لئے یہ لفظ آیا کہ پانچ قسمیں اٹھانے کے بعد اس سے اس عذاب کو دور

ہٹادے گا، پہلی چار قسموں میں اس طرح کہے گی کہ یہ جھوٹا ہے میرے اوپر تہمت لگاتا ہے میں نے یہ فعل نہیں کیا اور پانچویں قسم اس طرح اٹھائے گی کہ اللہ کا غضب ہو اس عورت پر اگر یہ خاوند سچوں میں سے ہو، جب پانچ قسمیں اٹھائے گی تو پھر اس کے بعد نہ تو خاوند کے اوپر حد قذف آئے گی اور نہ ہی بیوی کے اوپر حد زنا آئے گی، معاملہ جو تھا وہ اس طرح سے خلط ملط ہو گیا نتیجہ اس میں یہ نکلے گا کہ خاوند بیوی اس میں اکٹھے نہیں رہ سکتے یا تو خاوند طلاق دے دے یا حاکم تفریق کر دے گا یہ دونوں بعد میں اکٹھے نہیں رہ سکتے ہمیشہ کیلئے ان میں جدائی ہو گئی۔

لعان کے بعد بچہ کے نسبت کس کی طرف ہوگی......؟:۔

البتہ جو بچہ پیدا ہو گا وہ عورت کی طرف منسوب ہو گا باپ کی طرف منسوب نہیں ہو گا، اس کی نسبت ماں کی طرف ہوگی اور ہم اس کو حرام زادہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں نہ تو پتہ چلا ہے کہ خاوند جھوٹا ہے اور نہ پتہ چلا ہے بیوی جھوٹی ہے، اس میں دونوں احتمال ہیں باپ کی طرف نسبت نہیں کریں گے بچے کی کیونکہ اس نے کہہ دیا ہے یہ دوسرے کا فعل ہے اور ہم اس کو حرام زادہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ ماں نے قسمیں کھالیں ہیں کہ میں نے کوئی اور حرکت نہیں کی، نسبت اس کی ماں کی طرف کریں گے لیکن اس کو حرام زادہ نہیں بلکہ یہ اندھیرے میں رہ گیا لیکن یہ ہوا کہ اس کی پانچ قسمیں حد قذف کے قائم مقام ہو گئیں اور اس کی پانچ قسمیں جو تھیں وہ حد زنا کے قائم مقام ہو گئیں اس طرح سے دونوں کا معاملہ طے کر دیا گیا اور آخری آیات میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ، ان تشهد یہ يَدْرَؤُا کا فاعل ہے دور ہٹادے گا اس عورت سے عذاب کو، اس عورت کا گواہیاں دینا تو چار گواہیاں اللہ کے نام کے ساتھ دے اپنے خاوند کے بارے میں کہ البتہ یہ جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں میں یوں کہے کہ اللہ کا غضب ہو اس عورت پر اگر یہ سچوں میں سے ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو قانون بنادیا ہے اس میں دونوں فریقوں کی رعایت رکھ دی اگر عورت پر اعتبار کر لیا جاتا تو ممکن ہے خاوند پر حد قذف لگ جاتی لیکن یہاں اللہ نے قید اور قانون ایسا بنادیا ہے جس میں دونوں کی رعایت رکھ دی، اسی کو اخری الفاظ میں ذکر کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا نہ ہوتا تو تم سختی میں پڑ جاتے اس طرح اس معاملے کو صاف کر لیا گیا اب آگے وہ واقعہ شروع ہو رہا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو آپ کی خدمت میں ذکر کیا۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ

بیشک وہ لوگ جو جھوٹ لائے تم میں سے وہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے اس کو اپنے لئے برا نہ سمجھو

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ

بلکہ تمہارے لئے بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کیلئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

اور وہ شخص جو اس کے بڑے حصہ کا متولی ہوا ان میں سے اس کیلئے بڑا عذاب ہے ⑪ جب تم نے یہ بات سنی تھی

ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا

تو کیوں نہ گمان کیا مؤمن مردوں نے اور مومن عورتوں نے اپنے لوگوں کے متعلق بھلائی کا اور یہ کیوں نہ کہا

إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا

کہ یہ صریح جھوٹ ہے ⑫ کیوں نہیں لائے یہ لوگ اس بات کے اوپر چار گواہ پھر جب یہ لائے

بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

گواہ پس اللہ کے نزدیک یہ لوگ جھوٹے ہیں ⑬ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا

تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں نہ ہوتی تو البتہ ان باتوں کی وجہ سے جن میں تم لگ گئے تھے

أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ

پہنچتا تمہیں عذابِ عظیم ⑭ جب تم لے رہے تھے اس بات کو اپنی زبانوں کے ساتھ اور بول رہے تھے

بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ

تم اپنے منہوں کے ساتھ ایسی باتیں جن کے متعلق تمہیں کسی قسم کا علم نہیں اور تم سمجھتے تھے اسے ہلکی بات اور وہ اللہ کے

اللّٰهِ عَظِيْمٌ ⑮ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ
نزدیک بہت بڑی ہے ⑮ جب تم نے یہ بات سنی تھی تو تم نے کیوں نہ کہا کہ نہیں مناسب ہمارے لئے کہ ہم کلام کریں
نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ
اس کے ساتھ یا اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے یہ تو بڑا زبردست بہتان ہے ⑯ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے
اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ⑰ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو ⑰ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے
الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ
آیات اور اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے ⑱ بیشک وہ لوگ جو کہ پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی پھیل جائے
الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ
ان لوگوں میں جو ایمان لائے ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں اور آخرت میں
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ⑲ اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر
وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑳ ع
اور اس کی رحمت اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق مہربان ہے ⑳

تفسیر

اِنَّ الَّذِيْنَ جَاۗءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ: بے شک وہ لوگ جو جھوٹ لائے تم میں سے وہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ اس کو اپنے لئے تم برا نہ سمجھو! بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ بلکہ تمہارے لئے بہتر ہے بلکہ اس کا لگنا تمہارے لئے نتیجۃً بہتر ثابت ہوا، قطعی طور پر صفائی آ گئی اللہ تعالیٰ نے ہدایات دے دیں خفیہ قسم کے دشمن پہچان لیے گئے اور اس صدمہ پہنچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آخرت میں ثواب دے گا اور نتیجۃً برا ان لوگوں کے حق

میں ہوا جو اس قسم کا جھوٹ لائے ہیں لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ان میں سے ہر شخص کے لئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا من الاثم یہ ما کا بیان ہے یعنی یہ بہتان لگانے والوں میں سے جس شخص نے جتنا گناہ کمایا وہ اس کے حصے میں ہے۔

مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے متعلق اچھا گمان ہونا چاہیے:۔

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ: اور وہ شخص جو اس کے بڑے حصے کا متولی ہوا ان میں سے اس کے لیے بڑا عذاب ہے لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ لولا کا تعلق ظن المؤمنون کے ساتھ ہے جب تم نے یہ بات سنی تھی تو کیوں نہ گمان کیا مومن مردوں نے اور مومن عورتوں نے اپنے لوگوں کے متعلق بھلائی کا اور کیوں نہ کہا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ یہ صریح جھوٹ ہے یعنی سنتے ہی تم یوں کہہ دیتے هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ اور اپنے لوگ یعنی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ان کے متعلق اچھا سوچنا چاہیے تھا اور اچھا گمان رکھنا چاہیے تھا لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ کیوں نہیں لائے یہ لوگ اس بات کے اوپر چار گواہ جس طرح سے پہلے رکوع کے بارے میں گذرا ہے آپ کے سامنے کہ کسی پر زنا کا ثبوت دینے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ پھر جب یہ نہیں لائے گواہ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ پس اللہ کے نزدیک یہ لوگ جھوٹے ہیں یعنی اللہ کے قانون میں جھوٹے ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ: اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ البتہ پہنچتا تمہیں عَذَابٌ عَظِیْمٌ، فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ ان باتوں کی وجہ سے جن میں تم لگ گئے تھے یعنی کسی بات میں دل چسپی لے کر ان میں شروع ہو جانا جن باتوں میں تم مشغول ہو گئے تھے ان کی وجہ سے تمہیں عذاب عظیم پہنچتا اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ جب تم لے رہے تھے اس بات کو اپنی زبانوں کے ساتھ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ اور بول رہے تھے تم اپنے منوں کے ساتھ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ایسی باتیں جن کے متعلق تمہیں کوئی کسی قسم کا علم نہیں وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا اور تم سمجھتے تھے اسے آسان بات ہلکی بات وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی ہے وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یہاں بھی لَوْلَآ کا تعلق قُلْتُمْ کے ساتھ ہے جب تم نے یہ بات سنی تھی تو تم نے کیوں نہ کہا مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ

نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا نہیں ہے ہمارے لئے کہ ہم تکلم کریں اس کے ساتھ، بولیں یعنی یہ بات ہم اپنی زبان پر لائیں یہ مناسب نہیں ہے ہمارے لئے سُبْحٰنَكَ یہ تعجب کی جگہ پر سبحان اللہ جو کہا جاتا ہے وہاں کوئی لفظی معنی مراد نہیں ہوا کرتا مقام تعجب میں تعجب کا اظہار کرکے انسان سبحان اللہ کہتا ہے هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ سبحان اللہ یہ تو صریح بہتان ہے تمہیں یوں کہنا چاہیے تھا بہت بڑا بہتان ہے۔ بہتان جھوٹی بات کو بھی کہتے ہیں۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ: اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے یعنی نہ تم لوٹو اس قسم کی بات کی طرف ابداً کبھی بھی اگر تم ایمان والے ہو تو ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مومنین کے متعلق حُسن ظن رکھا کرو اور مومنین کے متعلق بدگمانی میں نہ پڑنا چاہیے جس وقت تک کوئی صریح دلیل نہ آ جائے، اس وقت تک لوگوں کیلئے اپنے متعلق اچھا خیال رکھو! اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات اور اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔

بے حیائی کی خبریں مشہور کرنا بے حیائی کو عام کرنا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ: بے شک وہ لوگ جو کہ پسند کرتے ہیں کہ فاحشہ پھیل جائے ان لوگوں میں جو ایمان لائے، جو مؤمنوں میں فاحشہ کی اشاعت چاہتے ہیں، فاحشہ کی اشاعت چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ بے حیائی کی خبریں مشہور کرتے ہیں کیونکہ بے حیائی کو مشہور کرنا بے حیائی کو عام کرنے کا ایک ذریعہ بنتا ہے، جس وقت اس قسم کی خبریں عام ہو جائیں تو گناہ کی نفرت دل دماغ سے نکل جاتی ہے اور باتیں سنتے سنتے خود انسان کی طبیعت میں اس قسم کی رغبت پیدا ہوتی ہے بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ پھیل جائے بے حیائی ان لوگوں کے بارے میں جو ایمان لائے لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ان کے لئے عَذَابٌ اَلِيْمٌ ہے دنیا میں اور آخرت میں، اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان لوگوں کے بے گناہ ہونے کو وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور تم نہیں جانتے ان گناہ گار ہونے کو، اللہ تعالیٰ ان کے بے گناہ ہونے کو جانتا ہے اور تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے یا اس قسم کی باتیں مشہور کرنے میں جو خرابیاں ہیں تم تفصیل کے ساتھ نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔

اور اس قسم کی باتیں مشہور کرنے پر جو آخرت میں عذاب ہوگا وہ تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے، اور اس لئے اللہ تعالیٰ کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے تمہیں اس قسم کی باتیں مشہور کرنے سے بچنا چاہیے، اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ روف رحیم ہے، تو تم عذاب میں مبتلا ہو جاتے سختی میں پڑ جاتے یا اللہ تعالیٰ تمہیں جلدی عذاب دیتا تمہاری باتوں کی وجہ سے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اے ایمان والو......! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو

وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

جو کوئی شیطان کے نقش قدم کی اتباع کرے گا پس بے شک وہ شیطان حکم دیتا ہے بے حیائی اور منکر کا

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اسکی رحمت تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک نہ ہوتا

وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اور لیکن اللہ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۲۱﴾

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا

اور تم میں سے جو اہل خیر ہیں اور جو وسعت والے ہیں وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور

اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ

مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

چاہیے کہ معاف کردیں اور درگذر کریں کیا تم چاہتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور اللہ تعالیٰ بخشش والا

رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا

اور رحم والا ہے ﴿۲۲﴾ بیشک وہ لوگ جو تہمتیں لگاتے ہیں پاکدامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر ایسے لوگ

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ

دنیا و آخرت میں ملعون ہوئے انکے اوپر لعنت ہے دنیا و آخرت میں ان کیلیے بڑا عذاب ہے ﴿۲۳﴾ جس دن گواہی دیں گی

اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ
ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں کی جو وہ کرتے ہیں ﴿۲۴﴾ جس دن
يُّوَفِّيهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾
ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ انکو پورا پورا بدلہ دیدے گا جسکے وہ مستحق ہیں اور یہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنیوالا ہے اور حق اور باطل کے درمیان خوب انصاف کرنیوالا ہے ﴿۲۵﴾
اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ
گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہیں گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہیں پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں
وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۖ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
کے لائق ہیں پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں یہ ان باتوں سے بالکل مبرا ہیں جو یہ لوگ بنا رہے ہیں
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ ع
ان کیلئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے ﴿۲۶﴾

تفسیر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ: اے ایمان والو! شیطان کے خطوات کی اتباع نہ کرو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ خطوۃ اس مقدار کو کہتے ہیں جو دو قدموں کے درمیان میں ہوتی ہے، آپ اپنے قدموں میں اتنی ہی مقدار رکھیں جتنی آپ سے آگے چلنے والا قدموں میں فاصلہ رکھتا ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ کی چال اس کی چال کے مطابق ہوگئی یہ کنایہ ہوتا ہے کامل اتباع سے۔ شیطان کی اتباع نہ کرو! اس کے نقش قدم پر نہ چلو! جو کوئی شیطان کے نقش قدم کی اتباع کرے گا پس بے شک وہ شیطان حکم دیتا ہے بے حیائی اور منکر کا، اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک نہ ہوتا، اگر کسی سے کوئی گناہ صادر ہو جاتا تو اس کے ازالہ کی کوئی بھی صورت نہ ہوتی لیکن یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے توبہ کا دروازہ کھول دیا اگر کسی سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو وہ توبہ کرے، لیکن اللہ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ:۔

ولایاتل اولوالفضل: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس قسم کے بارے میں اتری تھی جو انہوں نے قسم کھائی تھی کہ میں مسطح پر خرچ نہیں کروں گا کیونکہ یہ مسطح قریشی رشتہ دار بھی تھے اور مہاجر بھی اور مسکین بھی تھے اور حضرت حسان رضی اللہ عنہا اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہما یہ دونوں بدری ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں تلقین کی کہ فضیلت والوں کو اور وسعت والوں کو قسم نہیں کھانی چاہیے تم میں سے أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ فضل والے اور وسعت والے قسم نہ کھائیں، جس میں اشارہ ہے کہ جس نے کھالی ہو تو، توڑ دینی چاہیے، اس بات سے قسم نہیں کھائی چاہیے کہہ دیں رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کو، چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں، چاہتے نہیں ہو؟ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سن کر کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے بخش دیا جائے تو یہی جذبہ ان کے دل میں ابھرا تو مسطح کی غلطی بھی معاف کردی اور بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وظیفہ بھی دوگنا کردیا۔

مؤمنات پر تہمت لگانے والے دنیا و آخرت کے ملعون ہیں:۔

بے شک وہ لوگ جو تہمتیں لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر الْغٰفِلٰتِ بھولی بھالی جو اس قسم کے بُرے کاموں سے غافل ہیں ان کے دل دماغ میں اس قسم کا کبھی کوئی تصور بھی نہیں آتا الْمُؤْمِنٰتِ ایمان لانے والی ہیں ایسے لوگ دنیا آخرت میں ملعون ہوئے ان کے اوپر سخت لعنت ہے دنیا آخرت میں، لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے محرومی یعنی اللہ کی رحمت سے محرومی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی محرومی وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ان کے لئے بڑا عذاب ہے يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ جس دن گواہی دیں گی ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں کی جو وہ کرتے ہیں، جس دن ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا بدلہ دے دے گا دِينَهُمُ الْحَقَّ دین یہاں بدلے کے معنیٰ میں ہے جزا کے معنیٰ میں وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ اور یہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ سچ بیان کرنے والا ہے اور حق اور باطل کے درمیان خوب انصاف کرنے والا ہے۔

حضور ﷺ کو اللہ نے ہر چیز آپ کی ﷺ شان کے لائق عطاء فرمائی ہے:۔

اَلْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِيْنَ: خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہوتی ہیں شریف کے لائق نہیں، خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں شریف عورتوں کے لائق نہیں، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں، پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں ایک تو یہ مقدمہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز دی ہے جوان کی شان کے لائق ہے، جب آپ طیب ہیں تو آپ کی شان کے لائق بھی طیبہ ہی ہیں لہٰذا جو بیوی آپ کے لئے تجویز کی گئی وہ خبیثہ نہیں وہ طیبہ ہی ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کا پورا گروہ یہ بھی انکا مصداق ہوتا ہے، اس لئے جوان کی ازواج ہوا کرتی ہیں وہ کبھی خبیثہ نہیں ہوا کرتی یعنی بدکار نہیں ہوسکتی نبی کی بیوی سے کفر صادر ہوسکتا ہے جیسا کہ میں نے وضاحت کی، شرک صادر ہوسکتا ہے، کافرہ ہوسکتی ہیں، مشرکہ ہوسکتی ہیں جیسا کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کا ذکر آتا ہے لیکن وہ زانیہ اور نہیں ہوسکتیں۔

حضور ﷺ کی سب بیویاں طیبات کا مصداق ہیں:۔

وجہ یہ ہے کہ کفر اور شرک یہ معاشرے میں قابل نفرت نہیں سمجھا جاتا البتہ زنا اور بدکاری یہ ہر معاشرے میں قابل نفرت ہے، نبی کا گھرانہ ایسی چیزوں میں مبتلا نہیں ہوتا جس سے لوگ اپنے معاشرے میں نفرت کرتے ہیں تو کفر اور شرک یہ دنیا کی ذلت کا باعث نہیں ہیں، بڑے بڑے لوگ جو اپنے آپ کو معزز قرار دیتے ہیں اور بڑے بڑے اپنے آپ کو صاحب علم قرار دیتے ہیں وہ بھی کفر اور شرک میں مبتلا ہوتے ہیں، اور اس کو کوئی ذلت نہیں سمجھتے اس لئے نبی کے گھرانے میں یہ خباثت نہیں آسکتی تو نبی کو اللہ تعالیٰ طیب بیوی دیتا ہے اور دوسری بیویوں کے متعلق بھی اشارہ ہوگیا کہ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی جتنی بیویاں ہیں سب طیبات کا مصداق ہیں ان میں سے کسی کے متعلق بدگمانی نہیں کی جاسکتی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کا حکم:۔

اس لئے ان آیات کے اترنے کے بعد بھی جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افتراء کرے اور اس قسم کی بات کو زبان پر لائے تو جس طرح رافضیوں اور شیعوں کے متعلق سنا جاتا ہے کہ وہ اب تک بھی اس قسم کی باتیں

کرتے ہیں وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کافر ہیں جیسا کہ تحریف قرآن کا قول کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ یہ بیاض عثمانی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں کمی بیشی کردی تو وہ بھی کافر، رافضیوں کا وہ گروہ بھی کافر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ بدگمانی کرتا ہے اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ یہ لوگ جس کا مصداق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صفوان رضی اللہ عنہ یہ اوّل نمبر میں ہوئے یہ لوگ صاف ستھرے ہیں لاتعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ بولتے ہیں یقولون کی ضمیر ان افتراء کرنے والوں کے بارے میں آ گئی یہ تہمت لگانے والے جو باتیں کہتے ہیں وہ مبرء اور پاک ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا

اے ایمان والو! نہ تم داخل ہوا کرو اپنے گھروں کے علاوہ اور گھروں میں جب تک کہ تم انس نہ حاصل کرلو

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور سلام نہ کرلو گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے لئے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿۲۷﴾

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ

پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہوا کرو ان گھروں میں جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دیدی جائے

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

اور اگر تمہیں یہ کہہ دیا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ تو واپس لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لئے پاکیزگی کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ

تمہارے عملوں کو جاننے والا ہے ﴿۲۸﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ داخل ہو جاؤ ایسے گھروں میں جن میں رہائش نہیں

مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

جس میں تمہارے لئے کوئی فائدہ کی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ﴿۲۹﴾

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ

مؤمن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظروں کو نیچے رکھیں اور اپنی فرجوں کی حفاظت کریں یہ ان کیلئے زیادہ

اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ

پاکیزگی کا ذریعہ ہے بیشک اللہ خبر رکھنے والا ہے ان کاموں کی جو وہ کرتے ہیں ﴿۳۰﴾ مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دیجئے!

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا

کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اپنی فرجوں کی حفاظت کریں اور ظاہر نہ کریں اپنی زینت کو مگر وہی

ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ

ان میں سے جو کہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں اور اپنی سجاوٹ کو

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ

کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ

یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں یا بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے

اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ

یا اپنی عورتوں کے یا ان کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت ہیں یا ان خدمت گزاروں مرد کے جن کے دل میں کوئی تقاضا نہیں ہوتا

مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ

یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا

اور نہ ماریں عورتیں اپنے پاؤں کو تاکہ جان لیا جائے اس چیز کو جو چھپاتی ہیں اپنی زینت سے

اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى

رجوع کرو اللہ کیطرف سارے کے سارے اے ایمان والوں تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿۳۱﴾ اور تم میں سے جو بے نکاح ہو

مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

اور تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو نیک ہو ان کا نکاح کردیا کرو، اگر وہ تنگدست ہوں تو

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ

اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرمادے گا، اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے ﴿۳۲﴾ اور جو لوگ نکاح کی

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ

وسعت نہ رکھتے ہوں وہ پاکدامن رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے اور تمہاری ملکیت میں

يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ

جو لوگ ہیں ان میں سے جو مکاتب ہونے کی خواہش رکھتے ہوں انہیں مکاتب بنادو اگر تم ان میں بہتری پاؤ

خَيْرًا ۖۗ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ

اور تم انہیں اللہ کے مال میں سے دے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے، اور اپنی باندیوں کو

عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

زنا کرنے پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں تا کہ تم کو دنیاوی زندگی کا کوئی مال مل جائے

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ

اور جو شخص ان پر زبردستی کرے تو اللہ انہیں مجبور کرنے کے بعد بخشنے والا ہے مہربان ہے ﴿۳۳﴾ اور ہم نے

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

تمہاری طرف کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کی بعض

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع

حکایات اور متقیوں کیلئے نصیحت نازل کی ہیں ﴿۳۴﴾

تفسیر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ: اے ایمان والو! نہ تم داخل ہوا کرو اپنے گھروں کے علاوہ اور گھروں میں غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ یہ بیوتاً کی صفت ہے، اپنے گھروں کے علاوہ اور کسی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا حتی کے بعد مضارع آئے تو محاورتاً ترجمہ نفی کے ساتھ کر دیا جاتا ہے جب تک کہ تم انس نہ حاصل کرلو اور سلام نہ کرلو گھر والوں پر۔ نفی کے ساتھ ترجمہ، اور استئناس سے یہاں مراد ہے

استیذان اجازت طلب کرنا جب تک کہ اجازت نہ لےلواور گھر والوں پر سلام نہ کرلو یہاں استیذ ان کاذکر پہلے ہے اور تسلیم کاذکر بعد میں ہے، درمیان میں ہے واؤ اور آپ نے اصول فقہ کے اندر پڑھا ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی۔

کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے کا طریقہ:۔

اس لئے حدیث شریف میں سرور کائنات ﷺ نے جو طریقہ بیان فرمایا اس میں تسلیم پہلے ہے اور استیذان بعد میں ہے کیونکہ جب کسی کے ہاں جائیں تو پہلے کہنا پڑتا ہے السلام علیکم اور پھر پوچھا جاتا ہے کہ اَدۡخُلُ کیا میں اندر داخل ہو جاؤں؟ سلام پہلے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جوشخص پہلے سلام نہ کرے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دیا کرو ① تو ترتیب کے لحاظ سے تسلیم پہلے اور استیذان بعد میں ہے عَلٰٓی اَهۡلِهَا کی ضمیر بیوت کی طرف چلی گئی جب تک سلام نہ کرلو اور اجازت نہ لےلو تو اس وقت تک اپنے گھروں کے علاوہ کسی اور کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ یہ بہتر ہے تمہارے لئے لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ تاکہ تم یاد رکھو تاکہ تم نصیحت حاصل کرو! فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اپنے گھروں کے علاوہ جو دوسرے گھر ہیں ان میں اگر کسی کو نہ پاؤ تو فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا تو داخل نہ ہوا کرو ان گھروں میں حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَكُمۡ جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دے دی جائے وَاِنۡ قِيۡلَ لَكُمُ ارۡجِعُوۡا اور اگر تمہیں یہ کہہ دیا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ فَارۡجِعُوۡا تو واپس لوٹ جایا کرو هُوَ اَزۡكٰى لَكُمۡ یہ تمہارے لئے پاکیزگی کا ذریعہ ہے وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو جاننے والا ہے۔

غیر مسکونہ گھر میں داخل ہونے کا طریقہ:۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ داخل ہو جاؤ ایسے گھروں میں جن میں رہائش نہیں غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ جن کے اندر کسی کی سکونت نہیں ہے متعین طور پر یعنی جس میں کوئی متعین طور پر رہتا نہیں ہے جیسے مسافر خانے ہوتے ہیں ہوٹل ہو گئے، ہسپتال ہو گئے فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّكُمۡ جس میں

---

① لاتا ذنو المن لم یبدأ بالسلام ، مشکوٰۃ ص ۴۰۱/ مسند ابی یعلی ص ۳۴۴ ج ۳/ شعب الایمان ص ۲۱۶ ج ۱۱

تمہارے لئے کوئی فائدے کی چیز ہے متاع نفع کی چیز وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَاتَکْتُمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے مَاتُبْدُوْنَ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وَمَاتَکْتُمُوْنَ اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اس آیت تک اللہ تعالیٰ نے استیذان کے احکام ذکر فرمائے ہیں کیونکہ اس رکوع میں زیادہ تر احکام کا ہی ذکر ہے یہ ساتھ ساتھ ان کی تفصیل سنتے جایئے شروع سورت میں جو احکام ذکر کیے جارہے ہیں۔ ان کا تعلق ہے عفت اور عصمت کی حفاظت کے ساتھ اور انسداد زنا اور انسداد فواحش کے ساتھ ساتھ بے حیائی کے طریقے ختم کرنے کے لئے زنا کی سزا ذکر کی گئی تھی اور زنا کی بُرائی بیان کی گئی تھی اور تہمت لگانے والوں کی حد ذکر کی گئی تھی اور خصوصیت کے ساتھ شوہر بیوی کا معاملہ ذکر کیا گیا تھا اگر کوئی جھگڑا ہو جائے تو لعان کے ساتھ انکا فیصلہ کیا جائے گا اور پچھلے دو رکوع میں ایک واقعہ بیان کیا گیا تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق۔

بُرائی کا آغاز آنکھیں لڑنے سے ہوتا ہے:۔

اب یہاں سے جو مسائل ذکر کیے جارہے ہیں ان کا تعلق بھی انسداد فاحشہ کے ساتھ ہی ہے فواحش کے انسداد کے لئے یہ احکام دیئے جارہے ہیں یعنی وہ تمام سوراخ بند کیے جارہے ہیں کہ جن سے اس قسم کی بے حیائی پھوٹتی ہے جن میں سے پہلا یہ ذکر کیا گیا کہ جاہلیت میں جو طریقہ چلا آتا تھا کہ بلا پوچھے بغیر اجازت کے لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں چلے جاتے تھے اور اس طرح سے جانے میں انسان کی نگاہ ایسی چیز پر پڑ جاتی ہے جہاں مناسب نہیں اور آپ جانتے ہیں کہ زیادہ تر یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نظروں کی حفاظت کرے تو بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے جیسے کہ اس ''استیذان'' کے مسئلے کے بعد غَضِ بصر کی بات آرہی ہے نگاہ نیچی رکھنا تو معلوم ہوتا ہے کہ زنا سے بچنے کے لئے بدمعاشی اور فواحش سے بچنے کیلئے نگاہ کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

دروازے یا کمرے کے سوراخ سے اندر جھانکنے کی ممانعت:۔

ایک شخص جو کہ دروازے کے سوراخ میں سے جھانک رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی اور یہ کہا کہ اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا کہ تو اس طرح سے جھانک رہا ہے تو میں تیری آنکھ اندر سے پھوڑ دیتا اور فرمایا کہ کہ جو کوئی بغیر کسی اجازت کے اندر سے جھانکے کمرے کے کسی سوراخ سے تو اندر سے بیٹھا ہوا شخص کوئی سی چیز اٹھا کر اسے مار دے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو اس مارنے والے پر کوئی گناہ

نہیں ہے ① اور استیذ ان کا تو مطلب ہی یہی ہے کہ تم اجازت طلب کرو اور اگر تم پہلے ہی جھانکنا شروع کردو تو پھر اجازت طلب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ استیذ ان یہ اصل کے اعتبار سے کسی غلط چیز پر نظر پڑنے سے بچانے کے لئے ہی ہے۔

دروازے کے سامنے نہیں کھڑا ہونا چاہیے:۔

حتیٰ کہ اگر آپ نے اجازت لینی ہے تو دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر نہیں جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اگر دستک دیں یا اجازت دیں تو ایک طرف کھڑے ہوکر ٹھہر جائیں کہیں اتفاق سے پردہ ہٹے یا دروازہ کھلے تو آپ کی نظر نہ پڑے یا آگے سے عورت ہو بات کرنے والی یا کسی اور وجہ سے نظر نہ پڑے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ جب کسی کے ہاں جاتے تو پہلے اجازت طلب کرتے اور پھر خود دائیں یا بائیں طرف کھڑے ہوجاتے تھے ② لیکن سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے تو یہ آنکھ کی حفاظت کیلئے ہی ہدایت دی جارہی ہیں اب یہ مختلف قسم کے مکانات ہیں اور مختلف قسم کے گھر جس کے متعلق یہ ہدایات دی گئی ہیں۔

اپنے ذاتی مکان میں داخل ہونے کا طریقہ:۔

پہلی بات جو کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ صرف اپنا گھر ہے جہاں انسان بغیر اجازت کے جاسکتا ہے اور اپنے گھر سے کیا مراد! جہاں انسان خود اکیلا رہتا ہے یا زیادہ سے زیادہ بیوی، بیوی کے علاوہ اگر کوئی اور رہتا ہو یا وہ گھر مملوک ہو، یا چاہے آپ خود رہتے ہیں چاہے آپ کی رہائش اسی میں ہے تو بھی بغیر اجازت کے آپ نہ جائیں ہاں اگر یقین ہے کہ بیوی کے علاوہ اس گھر میں اور کوئی نہیں ہے، تو پھر بغیر اجازت کے جانا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنے گھر اجازت لے کر جاؤں......؟ تو اس گھر میں میری ماں بھی رہتی ہے تو فرمایا کہ ہاں اجازت لے کر جانا......؟ کہنا لگا یارسول اللہ! میں بھی اسی گھر میں رہتا ہوں جس گھر میں میری ماں رہتی ہے تو فرمایا کہ تو بھی اجازت لے کر اندر جایا کرو۔

پھر آگے حکمت بیان فرمائی کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنی ماں کو ننگی دیکھ لے......! تو کہنے لگا کہ نہیں تو فرمایا

---

① لو اعلم انك تنتظرني لطعنت به في عينيك صحیح بخاری ص۹۲۲ ج۱، عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

② سنن ابی داؤد عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان / شرح السنۃ للبغوی ص۲۸۲ ج۱۲

کہ اجازت لے کر اندر جایا کرو!① مطلب کیا ہوا......؟ کہ عورتیں گھر میں بے تکلف ہوتی ہیں کبھی اپنے کپڑے بدلنے کے لئے کپڑے اتار دیتی ہیں، اس زمانے میں آپ جانتے ہیں کہ گھروں میں غسل خانے اور اس قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی اور اب جیسے دیہاتوں میں ہے تو بسا اوقات غسل وغیرہ کرنے کے لئے یا کپڑے بدلنے کیلئے عورت کپڑے اتارتی ہے، تو اگر ایسا اتفاق ہو جائے اور تمہاری ماں ننگی ہو اور تمہاری نظر پڑ جائے، اور اگر تمہاری بہن ننگی ہو تو نظر پڑ جاتی ہے تو دونوں طرف نظر پڑ جاتی ہے، پھر دونوں طرف شرمساری ہے اور اگر یقین ہو کہ بیوی گھر میں اکیلی ہے تو پھر تو بغیر اجازت کے اندر جا سکتے ہو اور ہاں اگر بیوی کے پاس کوئی محلے والی آ جاتی ہے تو پھر بھی ضروری ہے کہ اجازت لے کر جاؤ تا کہ اس پر نظر نہ پڑے، اتنی تاکید حضور ﷺ نے فرمائی اپنے گھروں کے متعلق بھی اور اپنی ماں کے گھر کے متعلق بھی تو اسکے علاوہ اور کون ہے......؟ جس سے انسان بے احتیاطی کرے اور یہ ایک مسئلہ ہے، جس میں کلیتاً ہم لوگ اس میں بے احتیاطی کرتے ہیں لیکن قرآن کریم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

گھر پر جا کر ملاقات کا طریقہ:۔

لیکن ہمارے ہاں اس میں کوئی اہتمام نہیں ہے، یہ تو ہوگئی اپنے گھر کی بات لیکن دوسرے کے گھروں میں جاؤ! تو سب سے پہلے سلام کرو پھر ان سے پوچھو! کہ میں اندر آ جاؤں؟ اور اگر وہ دور بیٹھے ہوں سلام کی آواز ان تک نہیں پہنچتی تو دروازے پر دستک دینا یا گھنٹی بجانا یہ بھی اسی اطلاع میں داخل ہے، تو اگر اجازت مل جائے تو اندر جاؤ اور اگر وہ کہہ دیں کہ اس وقت ملاقات کا موقع نہیں ہے تو چپ کر کے واپس آ جایا کرو، وہاں اڑ کے کھڑے نہ ہو جایا کرو۔ اور پھر تفصیل حدیث شریف میں آئی کہ استیذان تین دفعہ ہونا چاہیے۔ پہلی دفعہ السلام علیکم جواب نہیں آیا تو، اسی طرح دوسری تیسری مرتبہ کرنا ہے اسی طرح دستک دینا اور گھنٹی بجانا بھی اسی حکم میں ہے تین دفعہ سلام کرنے کے بعد اگر کوئی جواب نہ ملے تو سمجھ جاؤ کہ گھر میں کوئی نہیں ہے یا اس وقت جو کوئی گھر میں ہے وہ ملاقات کرنے کے لئے فارغ نہیں ہے، تین دفعہ سے زیادہ نہیں یہ نہیں کہ مسلسل دروازے بجاتے رہو گھنٹی بجاتے رہو، صرف ایک دفعہ گھنٹی بجاؤ پھر اتنا انتظار کرو کہ وہ شخص اگر اس نے چار رکعت کی نیت باندھی ہو تو اس سے فارغ ہو کر باہر آ سکے اور اگر وہ شخص جیسے آپ ملنے کے لئے گئے ہیں وہ ابھی لوٹا لے کر بیت الخلا میں گیا ہے تو اپنی ضرورت

① موطاء مالک روایۃ ابی مصعب الزھری ص ۱۴۱ ج ۲ عن عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ باب الاستیذان

سے فارغ ہو کر باہر آسکے یا اس طرح سے کسی اور کام میں مشغول ہے تو فارغ ہو کر باہر آسکے، پھر دستک دیں ورنہ آپ نے اگر دستک دی پھر ایک دستک دی پھر ایک دستک دی یہ کوئی ضروری نہیں ہے جس سے آپ ملنا چاہتے ہیں وہ پہلے ہی سے آپ کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے فارغ بیٹھا تھا کہ کب دروازہ کھٹکے اور میں باہر جاؤں لیکن ایسا نہیں ہے انسان گھر میں بیٹھا ہے تو مختلف ضرورتوں میں مشغول ہوتا ہے۔

صرف تین دفعہ دستک دینے کے بعد واپس آجانا چاہیے یہ سمجھ لیں کہ گھر میں کوئی موجود نہیں ہے، ہاں البتہ ایسا مکان جہاں صرف مرد رہتا ہو اور وہ ملاقات کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے تو ایسی جگہوں میں انسان بلا اجازت چلا جائے تو ٹھیک ہے اور اگر مسافر خانہ ہے اسٹیشن ہے جہاں آپ اپنا سامان رکھنا چاہتے ہیں تو وہاں بھی بلا اجازت چلے جانا چاہیے اور اگر کوئی دفتر ہے جہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں تو وہاں بھی چلے جانا چاہیے، ہاں اگر کوئی شخص گھر میں اکیلا ہے لیکن ملاقات کا وقت نہیں ہے وہ آدمی کسی اور کام میں مشغول ہو تو وہاں بھی اجازت لے کر جانا چاہیے اور اسلامی طریقہ یہی ہے کہ پہلے سلام کرو پھر سلام کے بعد پوچھو کہ میں اندر آجاؤں۔

پاکدامنی اور شرافت کا طریقہ:۔

تو اس سے انسان میں شائستگی آتی ہے اور بہت ساری چیزوں سے انسان بچتا ہے جس سے بعد میں پچھتانا نہیں پڑتا، یہ سب جو احکام دیئے گئے ہیں اس سے صرف نظر کو بچانا ہے کہ کسی ایسی چیز پر نظر نہ پڑ جائے جس سے دیکھنا دکھانا گھر والے کو پسند نہیں ہے۔ ان آیات کے ترجمے کو دیکھ لیں اے ایمان والو! داخل نہ ہوا کرو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں جب تک کہ تم انس نہ حاصل کرلو، اجازت نہ لے لو، اور سلام نہ کرلو گھر والوں پر، تمہارے لئے یہ بہتر ہے۔

تمہیں یہ کہا جا رہا ہے کہ تم یاد رکھو اور اگر وہاں کوئی موجود نہیں یعنی کسی کے گھر آپ گئے دستک آپ نے دی اور اندر سے کوئی آہٹ محسوس نہیں ہوئی، یا وہ پرایا گھر ہے آپ کا نہیں ہے مسکونہ گھر ہے اور اندر کوئی محسوس نہیں ہوا تو بھی اندر نہ جایئے، جب تک کہ مالکِ مکان کی طرف سے اجازت نہ ہو یعنی آپ بھی محسوس کرلیں کہ مکان خالی ہے تو پھر بھی اندر نہ جائیں اگر پرایا گھر ہے اس میں انکا سامان رکھا ہوا ہے تو بھی مالک مکان کی اجازت کے بغیر اندر نہ جاؤ اور اگر تمہیں کہہ دیا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ تو اسکو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھو، اندر سے کسی نے کہہ

دیا کہ یہ ملاقات کا وقت نہیں ہے! واپس جاؤ تو اڑنے یا ضد کرنے نہ لگ جاؤ اور اپنی شان کے خلاف نہ سمجھو! دوسرے شخص کو اپنے کاموں میں آزادی ہونی چاہیے یہی تمہارے لئے پاکیزگی کا ذریعہ ہے وہاں اڑ کے کھڑے ہو جانا یہ مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو جاننے والا ہے یہ بار بار اللہ تعالیٰ اپنی صفات کو ذکر کرتے ہیں تا کہ اچھی طرح سے ان احکام کی رعایت رکھیں! اور آگے وہ بات بتادی کہ جس میں متعین طور پر کسی کی سکونت نہیں اور اس میں کوئی فائدہ اٹھانے کی چیز ہے جیسے رفاہِ عامہ مکانات ہوا کرتے ہیں عام لوگوں کے استعمال کے لئے کوئی فائدہ ہو تو ان میں اگر چلے جاؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو یہ تو استیذان کے مسائل ہو گئے۔

کسی کے گھر جائیں تو اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں:۔

آگے غضِ بصر آ گیا اصل میں یہ بات ضروری ہے کہ اگر آپ اجازت لے کر ہی اندر چلے گئے ہیں اور آپ کو کسی وجہ سے اندر بلا لیا گیا اور مکان ایسا ہے جس میں مردانہ بیٹھک نہیں ہے، جس طرح سے عام غرباء کے گھروں میں ہوتا ہے ہر شخص کے ہاں مردانہ مکان علیحدہ اور زنانہ مکان علیحدہ نہیں ہوا کرتا، آپ کسی کے ہاں مہمان چلے گئے اور وہ آپ کے رشتہ دار ہیں تو انہوں نے اجازت دے کر آپ کو اندر بلا لیا تو گھر میں ان کی عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کے متعلق حکم ہے کہ پردہ کریں تو بقدرِ ضرورت منہ بھی کھولنا پڑتا ہے اور ہاتھ بھی کام کاج کے لئے نکالنے پڑتے ہیں، تو اس طرح سے انسان اگر چلا جائے تو نظر نیچی رکھے اس لئے یہاں غضِ بصر کا حکم دیا جا رہا ہے پھر اس کے بعد پردے کے احکام ذکر کیے جا رہے ہیں۔

غضِ بصر کو حفظِ فرج میں بہت دخل ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ: مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظروں کو نیچے رکھیں! غضِ بصر نظر کو نیچا رکھنا وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ اور اپنے فرجوں کی حفاظت کریں جس سے معلوم ہو گیا کہ غضِ بصر کو حفظ فرج میں بہت دخل ہے ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اور یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا ذریعہ ہے اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے ان کاموں کی جو وہ کرتے ہیں۔ دیکھو! بار بار اللہ تعالیٰ اپنے علم کو ذکر فرما رہے ہیں اس لئے اگر کوئی شخص آنکھوں سے بھی ادھر ادھر دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھ سے وہ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔

جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں نظر نیچی رکھنا ضروری ہے:۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خباثت بھی جانتا ہے، دلوں کے اندر جس قسم کے خیالات چھپے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے، تو یہاں غَضِ بصر وہی ہے جو حفظ فرج کے لئے ہے یعنی جس کے نگاہ اٹھنے کا طریقہ بھی یہی ہو کہ فرج پہ اثرات پڑتے ہیں اور فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو وہاں نظر نیچی رکھنی ضروری ہے، ورنہ چلتے پھرتے اگر آپ نظر اٹھا کر کسی چیز کی طرف دیکھ لیں تو یہ ممنوع نہیں ہے ''سیر وافی الارض فانظر وا'' زمین میں چلو پھرو ادھر ادھر دیکھو! اللہ کی قدرت کے نظارے دیکھو! اگر چاند دیکھنا ہے تو آسمان کی طرف آپ نظر اٹھائیں گے، ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے تفکر اور تدبر کے لئے آسمان کی طرف کتنا متوجہ کیا! تو آپ نگاہ اٹھا سکتے ہیں دائیں بائیں آگے پیچھے سب آپ دیکھ سکتے ہیں لیکن وہاں نظر نیچی رکھنی ضروری ہے جہاں فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو یہ ایک موقعہ ہے جہاں نظر نیچی رکھنا ضروری ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ: اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیجئے! اپنی نظریں نیچی رکھیں! اس طرح مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم ہے کہ اپنی نظروں کو نیچے رکھیں! وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ اپنے فرجوں کی حفاظت کریں یہاں بھی وہی بات ہے کہ اپنی نظروں کو نیچے رکھیں وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور ظاہر نہ کریں زینت اور سجاوٹ کو، اور یہاں مواقع زینت مراد ہیں یعنی بدن کے وہ حصے جہاں زیب وزینت کی جاتی ہے آپ جانتے ہیں زیب وزینت کے حصے بدن میں سے چہرہ ہے آنکھوں میں سرمہ لگاتی ہیں اور ہونٹوں پر جیسے آج کل رواج ہے سرخی وغیرہ کا اور کانوں میں زیورات گلے میں زیورات ڈالتی ہیں بازؤں میں زیورات ہوتے ہیں۔

اور اس طرح سے پاؤں وغیرہ میں پازیب وغیرہ کا پرانا رواج تھا اور آج کل تو رواج رہا نہیں اور پنڈلیوں میں بھی زیورات پہنتی ہیں یہ ہیں مواقع زینت کے، زیب وزینت کے حصے یہ مواقع کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرنے چاہئیں زینت ظاہر نہ کریں، اس سے مراد ہے کہ وہ مواقع ظاہر نہ کریں جن میں زینت ہوتی ہے اور اس طرح سے ہاتھ بھی ہے اس میں انگوٹھیاں، مہندی ہوتی ہے یہ بھی زینت کی جگہ ہے جیسے بازو وغیرہ ہو گئے، یہ بدن کے حصے ہیں جن میں زیب وزینت کرتی ہیں ان مواقع کے ظاہر کرنے کی ممانعت ہے اگر کوئی چیز ایسے دکھا دی تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر پہنی ہوئی ہوں تو ان مواقع کو ظاہر نہ کرنا چاہیے پھر چاہے زینت کی ہوئی ہو یا نہ کی

ہوئی ہوتو ان مواقع کا چھپانا ضروری ہے یعنی اگر عورت نے گلے میں زیور نہیں پہنا ہوا تو پھر بھی سینہ کھولنا ٹھیک نہیں ہے، یہاں زینت سے مواضع زینت مراد ہے، نہ ظاہر کریں وہ اپنی زینت کے مواضع کو اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا مگر وہی ان میں سے جو کہ یہ خود ظاہر ہو جاتا ہے اس کی تفصیل عرض کروں گا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ اور چاہیے کہ مار کے رکھیں اپنی اوڑھنیاں خمر خمار کی جمع ہے خمار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو سر پر اوڑھا جاتا ہے عَلٰى جُيُوبِهِنَّ جیوب جیب کی جمع ہے یہ گریبان یعنی سر والے کپڑوں کو اپنے گریبان کے اوپر ڈال کے رکھیں!۔

اور اس طرح سے اپنے سینے کے اوپر لگا کر رکھیں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ سینہ بھی چھپ گیا اور یہ کان بھی چھپ گئے، جاہلیت میں عورتیں یا تو ننگے سر رہتی تھیں اور اگر کپڑا ڈالتی بھی تھیں تو سر کے پیچھے کی طرف ڈال لیتی تھیں جس سے سینہ، کان، چہرہ، سب کچھ نظر آتا تھا جیسے اب بھی دیہاتی عورتوں کو دیکھا ہوگا کہ سر پر کپڑا لیا ہوتا ہے اور پیچھے کی طرف ہوتا ہے ایسے نہیں کہ سر کے اوپر کپڑا لیں اور سینے کے اوپر مار کے رکھیں جس سے سینہ بھی چھپ جائے کیونکہ قمیض پہنی ہوئی ہو تو کسی حد تک سینہ نکلا ہوا ہوتا ہے اور اوپر سے جس وقت چادر لے لی جائے تو وہ چھپ جاتا ہے۔

عورتیں کن لوگوں سے پردہ نہ کریں:۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اور نہ کریں ظاہر اپنی زینت کو یعنی زینت کے مواقع کو جس طرح پہلے ترجمہ کیا اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ بعول بعل کی جمع آ گئی بعل کہتے ہیں خاوند کو شوہر کو مگر اپنے شوہروں کے لئے هذا بعلي شيخا قرآن کریم میں دوسری کئی جگہ یہ لفظ گذرا ہے، اپنے شوہروں کیلئے اور اَوْ اٰبَآئِهِنَّ یا اپنے آبا کے لئے آبا اب کی جمع جب کہ اس میں دادا بھی آ گیا دادا، پردادا اصول جتنے بھی ہیں اسی میں آ گئے اور آبا کے حکم میں ہیں چچے وغیرہ چچوں سے بھی پردہ نہیں ہے جیسے تفصیل آپ کی خدمت میں عرض کروں گا اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لئے، شوہر کا باپ جو ہے وہ بھی اپنے باپ کے حکم میں ہے اس طرح آگے دادے وغیرہ اَبْنَآئِهِنَّ اپنے حقیقی بیٹوں کے لئے حقیقی بیٹے پوتے نواسے سب اس میں داخل ہو جائیں گے اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا اپنے خاوندوں کے بیٹے جو دوسری بیویوں سے ہیں، ان کے لئے بھی چونکہ یہ عورت ماں کے حکم میں ہوتی ہے ان کے لئے بھی حجاب نہیں اَوْ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھائیوں کے لئے اخوان اخ کی جمع ہے اس سے مراد ہوں گے۔ حقیقی

بھائی، اخیافی بھائی، علاتی بھائی تینوں قسم کے بھائی مراد ہیں یعنی جو حقیقی ماں باپ کی طرف سے حقیقی ہوتے ہیں یا باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے البتہ چچازاد بھائی ماموں زاد بھائی پھوپھی زاد بھائی خالہ زاد بھائی ان سب کو ہم بھائی کہتے ہیں لیکن یہ اس میں داخل نہیں ہیں، ان سب سے پردہ ضروری ہے یہ بھائی میں شامل نہیں بن کو ہم عرف میں بھائی سمجھتے ہیں اوبنی اخوانھن یا اپنے بھائیوں کے بیٹے جن کو ہم اپنے بھتیجے کہتے ہیں یعنی حقیقی بھائی کے بیٹے اخیافی بھائی کے بیٹے علاتی بھائی کے بیٹے ان سب سے پردہ نہیں ہے۔

بَنِیۡۤ اَخَوٰتِہِنَّ اپنی بہنوں کے بیٹے جن کو ہم بھانجے کہتے ہیں اَوۡ نِسَآئِہِنَّ یا اپنی عورتیں عورتوں سے مراد ہے ملنے والی عورتیں یعنی جن کا یہ حال احوال جانتی ہیں جیسے اجنبی عورتیں ہیں جن کو جانتی نہیں ہیں ان سے بھی احتیاط ضروری ہے اور جو محلے کی عورتیں ہیں جن کے حال احوال کو جانتی ہیں تو ان کے لئے بھی اپنی زینت کو ظاہر کرسکتی ہیں اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُنَّ یا ان کے لئے جن کے لئے ان کے مالک ہیں دائیں ہاتھ یعنی اس میں اکثر فقہاء کے نزدیک باندی اور غلام دونوں شامل ہیں۔ احناف کے نزدیک صرف باندی اس میں شامل ہے غلام نہیں اپنی باندیوں کے سامنے مملوک کے سامنے یا دوسرے فقہاء کے نزدیک مطلب ہوگا اپنے مملوک چاہے وہ غلام ہیں چاہے وہ باندیاں ہیں۔

اَوِ التّٰبِعِیۡنَ غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَۃِ یا وہ لوگ جو تابع ہیں یعنی نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر ان لوگوں کے لئے جو تابع ہیں اُولِی الۡاِرۡبَۃِ جو حاجت والے نہیں ہیں فحش والے نہیں ہیں یعنی جن کے دلوں میں عورتوں کے لئے فحش نہیں بالکل الگ قسم کے لوگ جو گھروں میں کھانے پینے کے لئے محتاج قسم کے بڑے بھی ہوتے ہیں اور حالات سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عورتوں سے کوئی رغبت یا کوئی فحش پاگل قسم کے اور مست قسم کے لوگ جب ان میں کوئی صلاحیت نہیں ہوتی یا اس قسم کے کوئی جذبات، بس کھانے پینے کے لئے گھروں میں پڑے رہتے ہیں تو ان لوگوں کے لئے۔ تابعین سے وہی مراد ہیں مِنَ الرِّجَالِ اس کا بیان آ گیا یا وہ مرد جو کہ تابع ہیں فحش والے نہیں ہیں غیر اُولِی الۡاِرۡبَۃِ غرض والے نہیں ہیں یعنی عورتوں سے ان کے دلوں میں کوئی فواحش یا کوئی غرض وغیرہ مطلوب نہیں ہے اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡہَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ یا وہ بچے طفل جمع کے معنی میں اس لئے الذین آگے صفت آ گئی بچوں کے لئے جو کہ مطلع نہیں ہیں عورتوں کی پردوں کی باتوں پر، علیٰ عورت النساء عورت عورۃ کی جمع ہے

عورۃ قابل ستر چیز، چھپانے کی چیز یعنی جو عورتوں کے معاملات پر ابھی مطلع اور سمجھدار نہیں ہوئے ان بچوں کے لئے۔

عورتیں زمین پر اپنے پاؤں آہستہ سے رکھیں:۔

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ اور نہ ماریں عورتیں اپنے پاؤں کو لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ تا کہ جان لیا جائے اس چیز کو جو چھپاتی ہیں اپنی زینت سے یعنی چلتی پھرتی بھی زور سے اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں تا کہ پاؤں میں کچھ پہنا ہوا ہو وہ بجے نہ جس سے کسی دوسرے کو پتہ چلے کہ اس نے اپنے پاؤں میں کچھ پہنا ہوا ہے اس لئے فرمایا کہ زمین پر پاؤں آہستہ سے رکھیں کیونکہ ٹانگیں اگر ننگی نہ بھی ہوں تو چلنے سے جو زیور کی آواز پیدا ہوتی ہے تو یہ بھی مناسب نہیں ہے اس کو بھی چھپانا ضروری ہے یعنی گھر میں چلتے پھرتے پاؤں ایسے زمین پر نہ رکھیں کہ وہ چلنے سے بجے، نہ ماریں اپنے پاؤں کو زمین پر وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ نہ ماریں اپنے پاؤں کو تا کہ جان لیا جائے اس زینت کو جس کو وہ چھپاتی ہیں مِنْ زِیْنَتِهِنَّ یہ ما کا بیان ہے۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا توبہ کرو اللہ کی طرف سارے کے سارے۔ رجوع کرو اللہ کی طرف سارے کے سارے۔ اے ایمان والو! تا کہ تم فلاح پا جاؤ، اس آیت میں پردے کے احکام ذکر کیے گئے ہیں دوبارہ دیکھیں اس کو غضِ بصر کے بعد یہ بتایا کہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی زینت کا اخفا کریں یعنی مواضع زینت کا اخفا کریں۔

نکاح کے بعد نفس، نظر پاک رہتے ہیں:۔

وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ :① ان آیات میں ان لوگوں کا نکاح کر دینے کا حکم ہے جو با نکاح نہ ہوں، جس کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ اب تک نکاح ہوا ہی نہ ہو، دوسری یہ کہ نکاح ہو کر چھوٹ چھٹراؤ ہو گیا ہو، یا میاں بیوی میں سے کسی کی وفات ہو گئی ہو۔ آیت شریفہ میں جو لفظ ایامی وارد ہوا ہے یہ ایّم کی جمع ہے۔ عربی میں ایّم اس مرد کو کہتے ہیں جس کا جوڑا نہ ہو، چونکہ نکاح ہو جانے سے مرد اور عورت کے نفسانی ابھار کا انتظام ہو جاتا ہے اور نکاح پاکدامن رہنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اس لئے شریعت اسلامیہ میں اپنا نکاح کرنے اور دوسروں کا نکاح کرا دینے کی

① نوٹ: آیت نمبر ۳۲ تا آیت نمبر ۵۰ تک ترجمہ و تشریح "انوار البیان" از مولانا محمد عاشق الٰہی رحمہ اللہ ماخوذ ہے کیونکہ آیات مقدسات کی ریکارڈنگ محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر عنوانات اور تخریج پر مرتب کی اپنی محنت ہے۔ (محمد عمیر شاہین)

بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ نکاح ہو جانے سے نفس و نظر پاک رہتے ہیں گناہ کی طرف دھیان چلا جائے تو اپنے نفس کی خواہش پورا کرنے کے لئے انتظام ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کر لیا اس نے آدھے دین کو کامل کر لیا لہٰذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ ①

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جسے نکاح کا مقدور ہو وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح نظروں کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو پاک رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور جسے نکاح کا مقدور نہ ہو وہ روزے رکھے۔ کیونکہ روزے رکھنے سے اس کی شہوت دب جائے گی۔ ②

تمہاری کثرت پر فخر کروں گا:۔

مستقل طور پر قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ نسل بڑھانا مقصود ہے اور مسلمان کی جو اولاد ہوتی ہے وہ عموماً مسلمان ہی ہوتی ہے اور اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کی امت بڑھتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جس سے دل لگے اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلوں میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ ③

خصی ہونے کی ممانعت:۔

اگر مردانہ قوت زائل نہ کی جائے پھر بھی نکاح کا مقدور ہو جائے تو اس میں اولاد سے محروم نہ ہوگا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دیجئے! آپ نے فرمایا لَيْسَ مِنَّا مَنْ خصٰى وَلَا اِخْتَصٰى اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِيْ اَلصِّيَامُ ④ یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی بنے، بے شک میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔

---

① مشکوٰۃ ص ۲۶۸

② صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۸

③ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۸۰

④ مشکوٰۃ ص ۱۲۹

عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے اختیار فرمایا تھا (۱) شرم کرنا (۲) عطر لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا ① فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کی شہوت کا غلبہ ہو اور اسے غالب گمان ہو کہ حدود شریعت پر قائم نہ رہ سکے گا نفس ونظر کو محفوظ نہ رکھ سکے گا اور اس کے پاس نکاح کرنے کے وسائل بھی موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا واجب ہے۔ اگر شہوت کا غلبہ ہے اور نکاح کے وسائل نہیں یا کوئی عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہیں تو گناہ میں مبتلا ہونا پھر بھی حلال نہیں شہوت دبانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے روزے رکھنے کا نسخہ بتایا ہے اس پر عمل کریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ توفیق دے دے تو نکاح کرلیں۔

والدین کی بے پرواہی کی وجہ سے بُرے نتائج سامنے آرہے ہیں:۔

چونکہ عام طور پر اپنے نکاح کی کوشش خود نہیں کی جاتی اور خاص کر عورتیں اور ان میں بھی کنواری لڑکیاں اپنے نکاح کی خود بات چلانے سے شرماتی ہیں، اور یہ شرم ان کے لئے بہترین ہے جو ایمان کے تقاضوں کی وجہ سے ہے، اس لئے اولیاء کو لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کرنے کیلئے متفکر رہنا لازم ہے، اسی طرح بڑی عمر کے بے شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نکاح کیلئے فکر مند رہنا چاہیے۔ آیت شریفہ میں جو وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى فرمایا ہے آج کل لوگوں نے نکاح کو ایک مصیبت بنا رکھا ہے، دیندار جوڑا نہیں ڈھونڈتے اور دنیاداری ریاکاری کے دھندے پیچھے لگا رکھے ہیں، جن کی وجہ سے بڑی بڑی عمروں کے مرد اور عورت بے نکاح کے بیٹھے رہتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں بے شرم ہو کر خود سے اپنا جوڑا ڈھونڈ لیتی ہیں اور کورٹ میں جا کر قانونی نکاح کر لیتی ہیں، اب ماں باپ چونکتے ہیں کہ ہائے ہائے یہ کیا ہوا!! اور بعض مرتبہ یہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوتا اولاد کے نکاحوں کے سلسلے میں لوگوں کی بے دھیانی اور بے راہی کی وجہ سے بڑے بُرے نتائج سامنے آرہے ہیں۔

بابرکت نکاح:۔

دینداری کی بجائے دوسری چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے خرچوں کے انتظام میں دیر لگنے کی وجہ سے لڑکیاں بیٹھی رہتی ہیں، ریاکاری کے جذبات سادہ شادی نہیں کرنے دیتے۔ ہیں تو سید صاحب لیکن اپنی ماں

① جامع الترمذی من ابواب النکاح

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطابق بیٹا بیٹی کے نکاح کرنے کو عار سمجھتے ہیں، اگر کوئی توجہ دلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ آج کل کا دور ہی ایسا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس دور کا لانے والا کون ہے؟ خود ہی ریاکاری کا رواج ڈالا اور اب کہہ رہے ہیں کہ بڑے بڑے اخراجات نہ ہوں تو لڑکی کا نکاح کیسے کریں اور کس سے کریں......؟ مسلمانو! ایسی باتیں چھوڑو، سادگی میں آجاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں خرچہ کم سے کم ہو۔ ①

غلام اور باندیوں کے نکاح کے متعلق احکام:۔

غیر شادی شدہ آزاد مرد اور عورتوں کے نکاح کا حکم دینے کے بعد فرمایا وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ یعنی اپنے غلاموں میں سے ان غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرو جو صالح ہوں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صالحین سے وہ غلام اور باندیاں مراد ہیں جن میں نکاح کی صلاحیت ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے صالح کے معروف معنیٰ یعنی نیک ہونا مراد ہے۔ جو معنیٰ بھی مراد لیا جائے غلام اور باندی کے آقا کیلئے مستحب ہے کہ ان میں نکاح اور صلاحیت دیکھے تو نکاح کردے۔ غلاموں اور باندیوں کے نکاحوں اور ان سے پیدا شدہ اولاد کے مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ آزاد مرد اور عورت اور مملوک مرد اور عورت کے نکاح کا حکم دینے کے بعد فرمایا اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ انہیں اپنی فضل سے غنی فرمادے گا۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے۔

تین شخصوں کی مدد کا ذمہ اللہ نے لے لیا ہے:۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکاح کرنے والے کی مالی امداد فرمائے گا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تنگدستی کی وجہ سے نکاح کرنے سے باز نہ رہیں اگر کوئی مناسب عورت مل جائے تو نکاح کرلیں۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے کرلیا ہے۔ (۱) وہ مکاتب جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے۔ (عنقریب ہی مکاتب کا معنیٰ معلوم ہوجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ) (۲) وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

① مشکوۃ ص ۲۶۸

(۳) وہ مجاہد جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ ①

پھر فرمایا وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ کہ جو لوگ نکاح پر قدرت نہ رکھتے ہوں ان کے پاس مال واسباب نہیں گھر در نہیں تو وہ عذر بنا کر اپنی عفت اور عصمت کو داغدار نہ کرلیں۔نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کا اہتمام کریں یوں نہ سمجھ لیں کہ جب میں نکاح نہیں کرسکتا تو نفس کے ابھار وخواہشات کو زنا کے ذریعہ پورا کرلوں۔زنا بہرحال حرام ہے اس کے حلال ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل کا انتظار کریں۔جب مقدور ہوجائے تو نکاح کریں اور صبر سے کام لیں اور نفس کے جذبات کو دبانے کی تدبیر حدیث شریف میں گزر چکی ہے کہ روزے رکھا کریں۔

غلاموں اور باندیوں کو مکاتب بنانے کا حکم:۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا: غلام اور باندیوں کے بارے میں شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں جو حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں انہی احکام میں سے ایک مکاتبت بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنے غلام یا باندی سے کہے کہ اگر تو مجھے اتنی رقم دے دے تو آزاد ہے اگر غلام باندی اسے منظور کرلے تو پھر وہ آقا کی خدمت سے آزاد ہوجاتا ہے غلام تو رہتا ہے لیکن کسب میں آزاد ہوجاتا ہے۔جب بھی مقررہ پوری رقم دے دے گا آزاد ہوجائے گا۔جب غلام کا آقا سے مکاتبت کا معاملہ ہوجائے جسے کتابت بھی کہتے ہیں تو غلام مکاتب ہوگیا اگر غلام سے یہ طے ہوا ہے کہ ابھی لاکر رقم دے دے تو آزاد ہے اور وہ کسی سے ادھار قرض لے کر اپنے آقا کو رقم دے دے تو اسی وقت آزاد ہوجائے گا۔اور اگر یہ طے ہوا کہ اتنے عرصہ میں اتنی قسطوں میں رقم ادا کرتے رہنا جب آخری قسط دے دوگے تو آزاد ہوجائے گے۔تو اس صورتحال میں مکاتب اموال کا کسب کرتا رہے اور آقا کو دیتا رہے جب آخری قسط ادا کرے گا تو آزاد ہوجائے گا۔اگر وہ کسب سے عاجز ہوجائے یا یوں کہہ دے کہ میں آگے قسط نہیں دے سکتا تو دوبارہ اسی طرح سے غلام ہوجائے گا جیسے غلام ہوا کرتے ہیں۔یعنی پوری طرح آقا کے اختیارات اس پر محکم ومسلط ہوجائیں گے۔

صبیح نامی ایک غلام نے اپنے آقا حویطب بن عبدالعزی سے کہا مجھے مکاتب بنادو انہوں نے انکار کردیا تو

① سنن نسائی کتاب النکاح

آیت کریمہ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ نازل ہوئی۔ ① اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آیت نازل ہونے کے بعد صبیح کے آقا نے سو دینار پر مکاتب بنادیا اور اس میں سے بیس دینار اپنے مکاتب کو بخش دیئے یہ مکاتب بھی مسلمان تھا جو غزوہ حنین میں شہید ہوا، اس کے آقا حضرت حویطب رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ ② چونکہ آیت میں لفظ کَاتِبُوْھُمْ امر کا صیغہ وارد ہوا ہے اس لئے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر غلام اپنی قیمت یا اس سے زیادہ کتابت کا معاملہ کرنا چاہے اور اپنے آقا سے درخواست کرے تو آقا پر واجب ہے کہ اسے مکاتب بنادے اور اپنی قیمت سے کم پر مکاتب بنانے کا مطالبہ کرے تو آقا کے ذمہ مکاتب بنانا واجب نہیں ہے۔ لیکن اکثر اہل علم نے یوں فرمایا ہے کہ یہ حکم ایجابی نہیں ہے استحباب کے لئے ہے۔ یعنی غلام کے کہنے پر اگر آقا اسے مکاتب بنادے تو بہتر ہے اگر نہ بنائے گا تو گنہگار نہ ہوگا۔

کَاتِبُوْھُمْ کے ساتھ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا بھی فرمایا ہے یعنی اگر تم ان کے اندر خیر پاؤ تو انہیں مکاتب بنادو، خیر سے کیا مراد ہے......؟ اس بارے میں درمنثور میں ابوداؤد اور سنن بیہقی سے رسول اللہ کا ارشاد ہے نقل کیا کہ اگر تم ان میں حرفہ یعنی کمائی کا ڈھنگ دیکھو تو انہیں مکاتب بنادو، انہیں اس حال میں نہ چھوڑو کہ لوگوں پر بوجھ بن جائیں مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر اگر مال کمانے کی طاقت اور طریقہ محسوس کرو تو مکاتب بنادو ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں سے مانگ کر مال جمع کرتے پھریں اور اس سے تمہیں بدل کتابت ادا کریں۔

درمنثور میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے کسی غلام کو مکاتب نہیں بناتے تھے۔ جب تک یہ نہ دیکھ لیتے تھے کہ یہ کما کر دے سکے گا، اور یوں فرماتے تھے کہ اگر یہ کمانے کا اہل نہ ہوا تو مجھے لوگوں کے میل کچیل کھلائے گا یعنی مانگ مانگ کر لائے گا۔ جب آقا کسی غلام کو مکاتب بنادے تو اب وہ حلال طریقوں پر مال کسب کر کے اپنے آقا کو قسطیں دیتا رہے دو تین صفحات پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ تین شخصوں کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ ان میں سے ایک وہ مکاتب بھی ہے جس کا ادائیگی کا ارادہ ہو۔

بعض حضرات نے خیر سے نماز قائم کرنا مراد لیا ہے یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ نماز قائم کریں گے تو تم انہیں

---

① تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۴۵

② معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۴۲

مکاتب بنادو لیکن اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کافر کو مکاتب بنانا جائز نہ ہو حالانکہ وہ بھی جائز ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ خیر سے یہ مراد ہے کہ آزاد ہو جانے کے بعد وہ مسلمانوں کے لئے مصیبت اور ضرر کا باعث نہ بنے اگر کسی غلام کے بارے میں یہ محسوس ہوتا ہو کہ آزاد ہونے کی بعد مسلمانوں کو تکلیف دے گا تو ایسے غیر مسلم کو مکاتب نہ بنانا افضل ہے ① اس کے بعد فرمایا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ اور انہیں اس مال سے دے دو جو اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آقا کو خطاب ہے کہ جسے مکاتب بنانا ہے اس کے بدل کتابت میں سے ایک حصہ معاف کر دے اور یہ ان حضرات کے نزدیک واجب ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے ۱/۴ معاف کر دے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہے ۱/۳ معاف کر دے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے جتنا چاہے معاف کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک غلام کو پینتیس ہزار درہم کے عوض مکاتب بنایا پھر آخر میں پانچ ہزار درہم چھوڑ دیئے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی غلام کو مکاتب بناتے تھے تو شروع کی قسطوں میں سے کچھ معاف نہیں کرتے تھے پھر آخری قسط میں سے جتنا چاہتے تھے چھوڑ دیتے تھے۔

آیت بالا کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا خطاب عام مسلمانوں کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ عامۃ المسلمین مکاتب کی مدد کریں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مکاتب کو زکوٰۃ کی رقم دینا مراد ہے۔ کیونکہ سورۃ توبہ میں مصارف زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے وَفِی الرِّقَابِ بھی فرمایا ہے ②۔

غلام اور باندی کو آزاد کرنے کا عظیم اجر:۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہات کا آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے! جو مجھے جنت میں داخل کرا دے آپ نے فرمایا کہ جان کو آزاد کر دے

---

① روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۵۵

② معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۴۳

اور گردن کو چھڑادے اس نے عرض کیا کہ کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں......؟ آپ نے فرمایا نہیں! (پھر فرمایا کہ) جان کا آزاد کرنا یہ ہے کہ تو کسی جان کو (غلام ہو یا باندی) پورا پورا اپنی ملکیت سے آزاد کردے اور فَكُّ رَقَبَةٍ اور گردن کا چھڑانا یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں مدد کرے۔ ① حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام زفر، امام محمد، امام مالک، امام ثوری نے فرمایا ہے کہ آقا کے ذمہ یہ واجب نہیں کہ ہے کہ مال کتابت میں سے کچھ وضع کرے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر وہ کچھ رقم خود سے کم کردے تو یہ مستحسن ہے پھر چند وجوہ سے ان حضرات کی قول کی تردید کی ہے جنہوں نے یوں فرمایا ہے کہ آقا پر بدل کتابت کا کچھ حصہ معاف کردینا واجب ہے۔ ②

زنا کاری اور اجرت زنا حرام ہے:۔

اس کے بعد فرمایا وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اور اپنی باندیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں تا کہ تم کو دنیاوی زندگی کا کوئی مال مل جائے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ زنا کاری کے خوگر تھے عورتیں اس پیشہ کو اختیار کر کے مالدار بنی رہتی تھیں، زنا کاری کے اڈوں پر جھنڈے لگے رہتے تھے جس سے لوگ پہچان لیتے تھے کہ یہاں زنا کار عورت رہتی ہے۔ جب آزاد عورتیں ہی زنا کاری کے پیشے سے مال حاصل کرتی تھیں تو اس کے لئے باندیاں اور زیادہ استعمال کی جاتی تھیں۔ لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اپنی اپنی باندیوں سے کہتے تھے کہ جاؤ زنا کرو پیسے کما کر لاؤ اور وہ زنا کار مردوں کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں اور زنا کاری کی اجرت میں جو پیسے ملتے تھے وہ اپنے آقاؤں کو لاکر دے دیتی تھیں جب اسلام کے احکام نازل ہوئے تو زنا کاری کو حرام قرار دے دیا۔ اور زنا کی اجرت کو بھی حرام قرار دے دیا لیکن جن لوگوں کی باندیوں کو زنا کاری کے لئے بھیج کر پیسہ کمانے کی عادت تھی انہیں اسلام کا فیصلہ اچھا نہ لگا کتب حدیث سے ایسی متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں یہ بیان کیا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی باندیاں تھیں وہ زمانہ جاہلیت میں ان سے زنا کرا کر پیسے کماتا تھا جب اسلام کا زمانہ آیا تو انہیں زنا کرنے پر مجبور کیا جب انہوں نے انکار کیا تو بعض کو اس نے مارا بھی اللہ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ

① مشکوۃ ص ۲۹۳

② احکام القرآن للجصاص ص ۳۲۲

تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ دنیاوی مال حاصل کرنے کیلئے اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں۔ ①

آخر میں جو الفاظ ہیں اگر وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باندیاں پاکدامن نہ رہنا چاہیں تو انہیں پر مجبور کرنا جائز ہے بلکہ آقاؤں کو زجر و تنبیہ اور غیرت دلانا مقصود ہے کہ باندی تو پاکدامن رہنا چاہتی ہے اور تم بے غیرتی کے ساتھ انہیں زنا کے لئے مجبور کر کے زنا کی اجرت لینا چاہتے ہو، اب جاہلیت والی بات نہیں رہی اب تو زنا بھی حرام ہے اور خوشی اور رضامندی سے ہو یا کسی کی زبردستی سے، اور زنا کا حکم دینا اور اس پر مجبور کرنا بھی حرام ہے اور اس کی اجرت بھی حرام ہے، چونکہ عبداللہ بن ابی مسلمان ہونے کا دعویدار تھا اس لئے آیت شریف میں لفظ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا بڑھا دیا کہ باندی زنا سے بچ رہی ہے اور تو اسے زنا کے لئے مجبور کر رہا ہے یہ کیسا دعوائے مسلمانی ہے......؟

پھر فرمایا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور جو شخص ان پر زبردستی کرے تو انہیں مجبور کرنے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے اگر کسی نے ایسا کیا اور وہ آقا کے جبر و اکراہ سے مغلوب ہو کر زنا کر بیٹھی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور اس کا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔ **فی معالم التنزیل** وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ **یعنی للمکرھات والوزر علی المکرہ وکان الحسن اذاقرا ھذہ الأیۃ قال لھن واللہ لھن واللہ۔**

پھر فرمایا وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں جنہیں واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور جو امتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان کیلئے بھی بعض احوال اور واقعات بیان کر دیئے ہیں جن میں تمہارے لئے عبرت ہے ایسی چیزیں نازل کی ہیں جن میں متقیوں کے لئے نصیحت ہے نصیحت تو سب کے لئے ہے لیکن جن کا گناہوں سے بچنے کا ارادہ ہے وہی اس سے مستفید ہوتے ہیں اس لئے اہل تقویٰ کے لئے مفید ہونے کا خصوصی تذکرہ فرمایا۔

---

① تفسیر درمنثور ج۵ص۴۶

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ

وہ چراغ ایک شیشہ کے قندیل میں ہے وہ قندیل ایسا ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو وہ چراغ بابرکت

مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

درخت سے روشن کیا جاتا ہو جو زیتون ہے یہ درخت نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہوجائے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے نور علی نور ہے

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ

اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے اور لوگوں کے لئے اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ

اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۳۵﴾ ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے

فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ

اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ان میں ایسے لوگ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں ﴿۳۶﴾ جنہیں اللہ کی یاد سے

تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے سوداگری اور خرید و فروخت کرنا غفلت میں نہیں ڈالتا

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ

وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی ﴿۳۷﴾ تاکہ اللہ انہیں ان کے

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ
اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے انہیں اور بھی زیادہ دے اور اللہ جسے چاہتا ہے
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ
بلاحساب رزق دیتا ہے ﴿۳۸﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت ہو
الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ
جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ رہا ہو، یہاں تک کہ جب اسکے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اس نے وہاں اللہ کی قضاء
فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ
کو پالیا سو اللہ نے اس کا حساب پورا کردیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۳۹﴾ یا جیسے کسی گہرے سمندر کے
لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ
اندرونی حصہ میں اندھیریاں ہوں جسے موج نے ڈھانک رکھا ہو اس کے اوپر ایک موج ہو اس کے اوپر بادل ہو
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ
اندھیریاں ہیں بعض بعض کے اوپر ہیں جب اپنے ہاتھ کو نکالے تو اسے نہ دیکھ پائے اور جس کیلئے
اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾
اللہ نور مقرر نہ فرمائے سو اس کے لئے کوئی نور نہیں ﴿۴۰﴾

تفسیر

اس آیت کریمہ میں اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے، حضرات مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے لفظ نور منور کے معنی میں ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو روشن فرما دیا ہے یہ روشنی آسمانوں اور زمین کے لئے زینت ہے اور زینت صرف ظاہری روشنی تک محدود نہیں۔

آسمان اور زمین کی بقاء ایمان کی وجہ سے ہے:۔

حضرات ملائکہ آسمانوں میں رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس میں مشغول ہیں اس سے بھی عالم بالا میں نورانیت ہے اور زمین میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے انہوں نے ہدایت کا نور پھیلایا اس سے اہل زمین کو نورانیت حاصل ہے اور چونکہ ایمان کی وجہ سے آسمان اور زمین کا بقاء ہے ایمان والے نہ ہونگے تو قیامت آجائے گی اس لئے ایمان کی نورانیت سے آسمان اور زمین سب منور ہیں۔ اسی معنی کو لے کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا هدى اهل السموات والارض فهم بنوره الى الحق يهتدون وبهداه من الضلالة ينجون۔ ①

اللہ کے نور کی مثال:۔

پھر فرمایا مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اللہ کے نور کی ایسی مثال ہے جیسے ایک طاقچہ ہے جس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہے اور وہ چراغ ایسے قندیل میں ہے جو شیشہ کا بنا ہوا ہے اور وہ قندیل ایسا صاف شفاف ہے جیسے چمکدار ستارہ ہو۔ چراغ تو خود ہی روشن ہوتا ہے پھر وہ ایسے قندیل میں جل رہا ہے جو شیشہ کا ہے اور شیشہ بھی معمولی نہیں اپنی چمک دمک میں ایک چمکدار ستارہ کی طرح ہے۔ پھر وہ چراغ بھی جل رہا ہے ایک بابرکت درخت کے تیل سے جسے زیتون کہا جاتا ہے۔ زیتون جس کے درخت سے تیل لیا گیا ہے وہ درخت بھی ایسا عام درخت نہیں بلکہ وہ ایسا درخت ہے جو مشرق کے رخ پر ہے نہ مغرب کے رخ پر یعنی اس پر دھوپ پڑتی ہے نہ تو مشرق کی جانب کوئی آڑ ہے جو اس کی دھوپ کو روکے اور نہ مغرب کی طرف کوئی آڑ ہے جو اس جانب سے آنے والی دھوپ کو روکے یہ درخت کھلے میدان میں ہے، جہاں اس پر دھوپ پڑتی رہتی ہے ایسے درخت کا تیل بہت صاف روشن اور لطیف ہوتا ہے کمال یہ ہے کہ اگر اسے آگ بھی نہ چھوئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی خود بخود جل اٹھے گا چراغ روشن ہے پھر اس میں کئی طرح سے روشنی بڑھنے کے اسباب موجود ہیں۔ یہ سب چیزیں جمع ہو کر نور علیٰ نور (روشنی پر روشنی) کی شان پیدا ہو گئی ہے تشبیہ ہے اور ایک مثال ہے۔

---

① معالم التنزیل ص ۳۴۵ ج ۳ وروح المعانی ص ۱۶۴ ج ۱۸

نور سے کیا مراد ہے؟:۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے نور کو مثال مذکور میں بیان فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے......؟ حضرت حسن اور زید بن اسلم نے فرمایا کہ اس سے قرآن کریم مراد ہے، اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس سے سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے وہ نور مراد ہے جو مومن بندوں کے دلوں میں ہے وہ اسی نور کے ذریعہ ہدایت پاتے ہیں جیسے سورۂ زمر میں یوں بیان فرمایا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ میں بیان فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نور سے فرماں برداری مراد ہے۔

نور ہدایت سے انشراح قبول حق کیلئے بڑھتا ہے:۔

صاحب بیان القرآن نے اس مقام پر تشبیہ کو واضح کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح قبول حق کے لئے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے گو بالفعل بعض احکام کا علم بھی نہ ہوا ہو۔ کیونکہ علم تدریجا حاصل ہوتا ہے جیسے وہ روغن زیتون آگ لگنے سے پہلے ہی روشنی کیلئے مستعد تھا مومن بھی علم احکام سے پہلے ہی ان پر عمل کے لئے مستعد ہوتا ہے اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نور عمل یعنی عمل کے پختہ ارادہ کے ساتھ نور علم بھی مل جاتا ہے جسے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے۔ پس عمل و علم جمع ہو کر نور علی نور صادق آ جاتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ علم احکام کے بعد اس کو کچھ عمل میں تامل و تردد ہو کہ اگر موافق نفس کے پایا قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا اسی انشراح اور نور کو دوسری آیت میں اسی طرح بیان فرمایا ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یعنی جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے اور ایک جگہ فرمایا فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ تلاوت فرمائی پھر فرمایا بلاشبہ جب نور سینہ میں داخل کر دیا جاتا ہے تو پھیل جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اس کو پہچان لیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا

ہاں "دارالغرور" دھوکے کے گھر یعنی دنیا سے دور رہنا اور "دارالخلود" ہمیشگی والے گھر کی طرف متوجہ ہونا اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیار کرنا یہ اس نور کی علامت ہے۔ ①

پھر فرمایا یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے۔ اللہ کی ہدایت ہی سے ایمان نصیب ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کی بھی توفیق ہوتی ہے اور نفس کو ترک ممنوعات اور اعمال صالحہ کرنے کی آسانی ہو جاتی ہے نفس بھی دل کے نیک جذبات کا تابع ہو جاتا ہے اور دونوں کو اعمال صالحہ میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔

وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ تاکہ ان کے ذریعہ مضامین عقلیہ محسوس چیزوں کی طرح سمجھ میں آ جائیں۔ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ سب کے اعمال واحوال اسے معلوم ہیں اپنے علم وحکمت کے موافق جزا سزا دے گا۔

مساجد اور اہل مساجد کی فضیلت:۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ: ان آیات میں مساجد اور اہل مساجد کی فضیلت بیان فرمائی ہے لفظ فِیْ بُیُوْتٍ جو جار مجرور ہے کس سے متعلق ہے؟ اس میں مختلف قول ہیں تفسیر جلالین میں ہے کہ یہ یسبح سے متعلق ہے جو اس سے متاخر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جنہیں اللہ کے ذکر سے نماز قائم کرنے سے اور زکوۃ ادا کرنے سے تجارت اور مال کی فروختگی غفلت میں نہیں ڈالتی، ایسے گھروں میں صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان گھروں سے مسجدیں مراد ہیں۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ صبح وشام کا ذکر کرنے سے پانچوں نمازیں مراد ہیں۔ کیونکہ نماز فجر صبح کے وقت ادا کی جاتی ہے باقی نمازیں دن ڈھلنے کے بعد ادا کیجاتی ہیں لفظ آصال اصیل کی جمع ہے جو ظہر عصر مغرب اور عشاء چاروں نمازوں پر صادق آتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد

① مشکوۃ ص ۴۴۶

ہے تفسیر جلالین نے پہلے قول کو لیا ہے انہوں نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ العشایا من بعد الزوال۔

خواہ پانچ نمازیں مراد لیجائیں یا صرف فجر اور عصر مراد لی جائے بہر صورت آیت کریمہ میں نمازیوں کی تعریف فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ مسجدوں میں وہ لوگ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی، دنیا کی ضرورت کے لئے تجارت میں مشغول تو ہو جاتے ہیں لیکن بازار میں ہوتے ہوئے تجارت کی مشغولیت کو پیچھے ڈال کر نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ بازار میں موجود تھے نماز کا وقت ہو گیا تو لوگ کھڑے ہوئے اور اپنی دکانیں بند کر کے مسجد میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ انہیں لوگوں کے بارے میں آیت کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ نازل ہوئی۔

اللہ کے بندے مال کی محبت میں مغلوب نہیں ہوتے:۔

تجارت اور خرید و فروخت کے اوقات میں نمازوں کے اوقات آ ہی جاتے ہیں اس موقعہ پر خصوصاً عصر کے وقت جب کہ کہیں ہفت روزہ بازار لگا ہوا ہو یا خوب چالو مارکیٹ میں بیٹھے ہوں اور گاہک پر گاہک آرہے ہوں کاروبار چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھنا اور پھر مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا کرنا تاجر کے لئے بڑے سخت امتحان کا وقت ہوتا ہے، بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مال کی محبت سے مغلوب نہ ہوں اور نماز کی محبت انہیں دکان سے اٹھا کر مسجد میں حاضر کر دے۔

نیک تاجروں کی اچھی صفات:۔

اِقَامِ الصَّلٰوةِ کے ساتھ (وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ) بھی فرمایا ہے اس میں نیک تاجروں کی دوسری صفت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ یہ لوگ تجارت تو کرتے ہیں جس سے مال حاصل ہوتا ہے اور عموماً یہ مال اتنا ہوتا ہے کہ اس پر زکوۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ مال کی محبت انہیں زکوۃ کی ادائیگی سے مانع نہیں ہوتی، جتنی بھی زکوۃ فرض ہو جائے حساب کر کے ہر سال اصول شریعت کی مطابق مصارف زکوۃ میں خرچ کر دیتے ہیں۔

درحقیقت پوری طرح صحیح حساب کر کے زکوۃ ادا کرنا بہت اہم کام ہے جس میں اکثر پیسے والے فیل ہو جاتے ہیں بہت سے لوگ زکوۃ دیتے ہی نہیں اور بعض لوگ دیتے ہیں لیکن حساب کر کے نہیں دیتے اور بہت سے

لوگ اس وقت تک زکوۃ دیتے ہیں جب تک تھوڑا مال واجب ہو لیکن زیادہ مال کی زکوۃ فرض ہو جائے تو پوری زکوۃ پر نفس کو آمادہ کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ایک ہزار سے پچیس روپیہ نکال دیں چار ہزار سے سو روپیہ دے دیں۔ لیکن جب لاکھوں ہو جاتے ہیں تو نفس سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔اس وقت سوچتے ہیں کہ ارے اتنا زیادہ کیسے نکالوں......؟ مگر یہ نہیں سوچتے کہ جس ذات پاک نے یہ مال دیا ہے اسی نے زکوۃ دینے کا حکم دیا ہے اور ہے بھی کتنا کم......؟ سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ، جس نے حکم دیا وہ خالق اور مالک ہے اور اسے یہ بھی اختیار دیا ہے کہ پورا مال خرچ کر دینے کا حکم فرما دے اور وہ چھیننے پر اور مال کو ہلاک کرنے پر بھی قادر ہے، پھر زکوۃ ادا کرنے میں ثواب بھی ہے اور مال کی حفاظت بھی ہے یہ سب باتیں مومنین مخلصین کو ہی سمجھ میں آتی ہیں۔

نیک لوگ اپنے اعمال پر غرور و گھمنڈ نہیں کرتے:۔

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہونگے۔اوپر جن حضرات کی تعریف فرمائی کہ انہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی ان کا ایک اور وصف بیان فرمایا جس پر تمام اعمال صالحہ کا اور منکرات و محرکات کے چھوڑنے کا مدار ہے۔بات یہ ہے کہ جب لوگوں کا آخرت پر ایمان ہے اور وہاں کے حساب کی پیشی کا یقین ہے وہ لوگ نیکیاں بھی اختیار کرتے ہیں گناہوں سے بھی بچتے ہیں انہیں اپنے اعمال پر غرور اور گھمنڈ نہیں ہوتا وہ اچھے سے اچھا عمل کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ ٹھیک طرح ادا ہوا یا نہیں! عمل بھی کرتے ہیں اور آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ سے بھی ڈرتے ہیں۔قیامت کا دن بہت سخت ہوگا اس میں آنکھیں بھی چکرا جائیں گی اور ہوش و حواس بھی ٹھکانے نہ ہونگے۔

سورہ ابراہیم میں فرمایا اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ اللہ انہیں اسی دن کے لئے مہلت دیتا ہے جس دن آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ جائیں گی جلدی جلدی چل رہے ہوں گے اوپر کو سر اٹھائے ہوں گے ان کی آنکھیں ان کی طرف واپس نہ لوٹیں گی اور ان کے دل ہوا ہو نگے۔جس نے اس دن کے مواخذہ اور محاسبہ کا خیال کیا اور وہاں کی پیشی کا مراقبہ کیا اور خوف کھاتا رہا اور ڈرتا رہا کہ وہاں میرا کیا بنے گا ایسا شخص دنیا میں فرائض اور واجبات بھی صحیح طریقے پر انجام دے گا

اور گناہوں سے بھی بچے گا اور اسے آخرت کی فلاح اور کامیابی نصیب ہوگی۔ سورۂ مؤمنون میں جو فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا ان ڈرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں چوری کرتے ہیں......؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی نہیں! اس سے یہ لوگ مراد نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان سے ان کا عمل قبول نہ کیا جائے ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یہ وہ لوگ ہیں جو اچھے کاموں میں آگے بڑھتے ہیں۔ درحقیقت آخرت کا فکر اور وہاں کا خوف گناہوں کے چھڑانے اور نیکیوں پر لگانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ①

مساجد کے بارے میں جو فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ فرمایا ہے اس بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ترفع بمعنی تبنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کی تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”**ترفع بمعنی تعظم**“ ہے کہ ان مساجد کی تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی ان کا ادب کیا جائے ان میں وہ کام اور وہ باتیں نہ کی جائیں جو مسجد کے بلند مقام کے خلاف ہیں۔

مساجد کی تعظیم میں داخل چند چیزیں:۔

مساجد کی تعمیر بھی مامور بہ ہے اور مبارک ہے جس کا بڑا اجر ثواب ہے اور ان کا ادب کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ مسجدوں کو پاک وصاف رکھنا ان میں بُرے اشعار نہ پڑھنا، بیع وشراء نہ کرنا، اپنی گمشدہ چیز تلاش نہ کرنا۔ پیاز لہسن کھا کر یا کسی بھی طرح کی بدبو منہ میں یا جسم میں یا کپڑے میں لے کر آنے سے پرہیز کرنا، ان میں دنیا والی باتیں نہ کرنا، بہت چھوٹے بچوں کو ساتھ نہ لے جانا، یہ سب چیزیں مسجد کی تعظیم میں داخل ہیں۔ مساجد کی اصل آبادی یہ ہے کہ اذانیں دے کر مسلمانوں کو نماز کے لئے بلایا جائے اور داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھی جائے اور جماعت سے نمازیں پڑھی جائیں اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے قرآن مجید کی تعلیم ہو دینی باتیں سکھائی اور پڑھائی جائیں ایک نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کیا جائے ان میں اعتکاف کیا

① مشکوۃ ج۱ ص۴۵۷، سنن الترمذی ج۵ ص۱۸۰ بیروت

جائے۔نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو مسجد ہی میں دل اٹکا رہے احادیث شریفہ میں ان امور کا اہتمام کرنے کا حکم فرمایا ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مساجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دے دے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔①

عورتوں کے لئے نماز پڑھنے کی مناسب جگہ:۔

آیت شریفہ میں جو لفظ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ وارد ہوا ہے اس سے بعض حضرات نے یہ استنباط کیا ہے کہ رجال یعنی مرد مسجدوں میں آئیں ان میں نماز پڑھیں اور ذکر و تلاوت کریں اور درس میں مشغول ہوں یہ مردوں ہی کے لئے مناسب ہے۔رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو بعض شرطوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت تو دی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بیوتھن خیر لھن اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عورت کی نماز اس کے گھر یعنی اندر کے حصے میں اس نماز سے بہتر ہے جو صحن میں پڑھی اور خوب اندر کے کمرے میں نماز پڑھے یہ اس سے بہتر ہے کہ اپنے گھر کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھے۔②

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور انہیں اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے۔وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔اور اللہ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ایمان اور اعمال صالحہ والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھے سے اچھا اجر ہے اور زیادہ سے زیادہ ثواب ہے بلا حساب رزق ہے۔

کافروں کے اعمال کی پہلی مثال:۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ:اہل ایمان کے اعمال کی جزا بتانے کے بعد کافروں کے اعمال کا تذکرہ فرمایا آخرت میں ان کے منافع سے محرومی ظاہر کرنے کے لئے دو مثالیں ظاہر فرمائیں۔کافر لوگ دنیا میں بہت اعمال کرتے ہیں۔مثلاً صلہ رحمی بھی کرتے ہیں۔جانوروں کو کھلاتے ہیں، چیونٹیوں کے بلوں میں آٹا ڈالتے ہیں مسافر

---

① مشکوۃ ص ۶۹

② ابو داؤد ج ۱ ص ۸۴

خانے بناتے ہیں، کنویں کھدواتے ہیں اور پانی کی سبیلیں لگاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمیں موت کے بعد فائدہ پہنچے گا ان کی اس غلط فہمی کو واضح کرنے کے لئے دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ پہلی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پیاسا ہو وہ دور سے سراب یعنی ریت کو دیکھے اور اسے یہ سمجھے یہ پانی ہے سخت دوپہر کے وقت جنگلوں کے چٹیل میدانوں میں دور سے ریت پانی معلوم ہوتا ہے اب وہ جلدی جلدی اپنے خیال میں پانی کی طرف چلا وہاں پہنچا تو جو کچھ اس کا خیال تھا اس کے مطابق کچھ بھی نہ پایا وہاں تو ریت نکلی جو سخت گرم تھی نہ اسے کھا سکتا ہے نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے جس طرح اس پیاسے کا گمان جھوٹا نکلا اسی طرح کافروں کا یہ خیال کہ ظاہری صورت میں جو اچھے اعمال کرتے ہیں یہ موت کے بعد نفع بخش ہوں گے غلط ہے کیونکہ اعمال صالحہ کے اخروی ثواب کے لئے ایمان شرط ہے وہاں پہنچیں گے تو کسی عمل کا جسے نیک سمجھ کر کیا تھا کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا کما قال تعالیٰ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَاعَمِلُوْامِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار۔ لیکن اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال جو بظاہر نیک ہوں بالکل ضائع نہیں فرماتا ان کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتا ہے ،حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کسی مومن پر ایک نیکی کے بارے میں بھی ظلم نہیں فرمائے گا دنیا میں بھی اس بدلہ دے گا اور آخرت میں بھی اس کی جزا دے گا لیکن کافر جو نیکیاں اللہ کے لئے کرتا ہے دنیا میں اس کا بدلہ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب آخرت میں پہنچے گا اس کی کوئی بھی نیکی نہ بچی ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔

وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ: اور اس نے اللہ کو اپنے عمل کے پاس پایا سو اس نے اس کا حساب پورا کر دیا۔ یعنی دنیا میں اس کے اعمال کا بدلہ دیا جا چکا ہوگا۔

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ: اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔ یعنی اسے حساب لینے میں دیر نہیں لگتی اور ایک حساب کرنا دوسرے کا حساب لینے سے مانع نہیں ہوتا۔

کافروں کے اعمال کی دوسری مثال:۔

کافروں کے اعمال کی دوسری مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ یا یوں سمجھو

جیسے بہت سے اندھیرے بڑے گہرے سمندر کے اندورنی حصہ میں ہوں اور اس سمندر کو ایک بڑی موج نے ڈھانک لیا ہو پھر اس موج کے اوپر دوسری موج ہو پھر اس کے اوپر بادل ہو نیچے اوپر اندھیریاں ہیں۔ اگر کوئی شخص دریا کی تہہ میں ہو جہاں مذکورہ اندھیریوں پر اندھیریاں ہوں اور اپنا ہاتھ نکال کر دیکھنا چاہے تو وہاں اس کے اپنے ہاتھ کے دیکھنے کا ذرا بھی احتمال نہیں۔ اسی طرح کافر بھی گھٹاٹوپ اندھیریوں میں ہیں وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے اعمال کا اچھا نتیجہ نکلے گا حالانکہ اس کا کچھ بھی اچھا نتیجہ نکلنے والا نہیں۔ مفسر ابن کثیر (۲۹۶ ج ۳) فرماتے ہیں کہ پہلی مثال ان کافروں کی ہے جو جہل مرکب میں مبتلا ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے نفع مند ہوں گے اور دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جو جہل بسیط میں مبتلا ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کفر کے سرغنوں کے مقلد ہونے کی وجہ سے کافر ہیں، انہیں کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے قائد کا کیا حال ہے اور وہ ہمیں کہاں لے جائے گا؟ جب ان سے پوچھا جائے کہ تم کہاں جا رہے ہو تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرداروں کے ساتھ ہیں پھر جب پوچھا جاتا ہے کہ وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مثال ان کافروں کی ہے جو موت کے بعد ثواب ملنے کے قائل ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارے نیک اعمال ہمارے لئے نفع مند ہوں گے اور دوسری مثال ان کافروں کی ہے جو قیامت اور آخرت کو مانتے ہی نہیں اور وہ اعمال کی جزا سزا کے منکر ہیں۔ ان کے پاس وہمی نور بھی نہیں جب کہ پہلی قسم کے کافروں کے پاس ایک وہمی اور خیالی نور تھا سو جن لوگوں نے آخرت کے لئے کوئی عمل کیا ہی نہیں ان کے لئے تو بس ظلمت ہی ظلمت ہے۔

مفسر ابن کثیر نے **ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ** کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ کافر پانچ اندھیریوں میں ہے اس کی بات ظلمت ہے اس کا عمل ظلمت ہے اس کا اندر جانا عمارت میں داخل ہونا ظلمت ہے اور اس کا نکلنا ظلمت ہے اور قیامت کے دن وہ دوزخ کی اندھیریوں میں داخل ہو جائے گا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ اور اللہ جس کے لئے نور مقرر نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں یہ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ کے مقابلے میں فرمایا مومن کو اللہ نے نور دیا فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اور کافر کے لئے اللہ نے نور مقرر نہیں فرمایا لہٰذا وہ کفر کی ظلمتوں میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ

اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝٤١ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

اور جن کاموں کو لوگ کرتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے ۝٤١ اور اللہ ہی کیلئے ملک ہے آسمانوں اور زمین کا

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝٤٢ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ

اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۝٤٢ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادل کو چلاتا ہے پھر بادلوں کو باہم ملا دیتا ہے

ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ

پھر اس کو تہہ بہ تہہ بنا دیتا ہے، پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اسکے درمیان سے نکل رہی ہے اور بادل سے یعنی بادل کے

السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ

بڑے بڑے ٹکڑوں میں سے جو پہاڑ کی طرح برساتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا

عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝٤٣ يُقَلِّبُ اللّٰهُ

ہے ان کو ہٹا دیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی روشنی آنکھوں کو ختم کر دے ۝٤٣ اور اللہ رات اور دن

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝٤٤ وَاللّٰهُ خَلَقَ

کو بدلتا ہے اس میں ضرور عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے ۝٤٤ اور اللہ نے

كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا پھر ان میں بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو

يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ

دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ

بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۴۵﴾ واقعی بات یہ ہے کہ ہم نے ایسی آیات نازل کی ہیں

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا

جو بیان کرنے والی ہیں، اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے ﴿۴۶﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم

بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ

اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق روگردانی کر لیتا ہے

وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ

اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں ﴿۴۷﴾ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا

فیصلہ فرمادے تو ان میں سے ایک فریق اسی وقت پہلوتہی کر لیتا ہے ﴿۴۸﴾ اور اگر ان کا کوئی حق ہو تو اس کی طرف

اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۭ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ

فرمانبردار بنے ہوئے چلے آتے ہیں ﴿۴۹﴾ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا انہیں شک ہے یا

اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

انہیں اس بات کا خوف ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کریں گے بلکہ بات یہ ہے کہ یہی لوگ ظالم ہیں ﴿۵۰﴾

تفسیر

ان آیات میں اللہ عزوجل شانہ کی قدرت کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں اور مخلوق میں جو اس کے تصرفات ہیں ان میں سے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو رہنے

والے ہیں وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے۔ اس مخلوق میں پرندے بھی ہیں جو پر پھیلائے ہوئے فضا میں اڑتے ہیں یہ بھی اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں ان کا فضاء میں اڑنا اور زمین پر نہ گرنا ان کے پروں کی حرکتوں کو اس قابل بنانا کہ ان سے اڑیں اور زمین پر نہ گریں ان سب میں اللہ کی قدرت کا مظاہرہ ہے یہ مضمون کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں پہلے بھی گزر چکا ہے اور قرآن مجید میں بہت سی جگہ مذکور ہے۔

اللہ کی تسبیح و تقدیس زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی:۔

اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہونا زبان قال سے بھی اور زبان حال سے بھی ہے۔ جو لوگ اہل زبان ہیں وہ زبان سے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور جن چیزوں کو قوت گویائی عطا نہیں فرمائی گئی وہ بھی اپنے حال کے مطابق اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں، اول تو ہر چیز کا وجود ہی اس بات کو بتاتا ہے کہ اس کا خالق، مالک، قادر مطلق اور حاکم متصرف اللہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جس کو جو فہم اور شعور عطا فرمایا ہے اپنے اس شعور سے اللہ کی تسبیح میں اور اس کی عبادت میں مشغول ہے۔ فرشتوں اور انسانوں اور جنات میں زیادہ عقل و فہم ہے۔ اس سے کم حیوانات میں (وہ بھی مختلف ہے) اور اس سے کم نباتات میں اور اس سے کم جمادات میں ہے جمادات میں بظاہر فہم و ادراک اور شعور ہے اسی لئے سورہ بقرہ میں پتھروں کے بارے میں فرمایا ہے (وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ) اور سورہ حج میں فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کائنات کی ہر چیز اللہ کے ذکر میں مشغول ہے:۔

آیت بالا میں جو كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ فرمایا ہے، اس میں یہ بتایا ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کے رہنے اور بسنے والے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ہمیں اپنے خالق جل مجدہٗ کی تسبیح میں اور نماز میں کس طرح مشغول رہنا چاہیے۔ بعض حضرات نے صلاۃ بمعنی دعا لیا ہے یہ معنی مراد لینا بھی درست ہے لیکن صلاۃ کا معروف معنی لیا جائے تو اس میں بھی اشکال نہیں۔ جس طرح بنی آدم دوسری مخلوق کی تسبیح کو نہیں سمجھتے جیسے سورۃ الاسراء میں ہے (وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ) اسی طرح اگر دوسری مخلوق کی نماز کو نہ جانیں اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تسبیح اور صلاۃ سے اطاعت اور انقیاد مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس

کام کے میں لگادیا وہ اس میں لگی ہوئی ہے اور جس کو جو الہام فرمادیا وہ اسی کے مطابق اپنی ڈیوٹی پوری کرنے میں مشغول ہے۔

ایک اہم اشکال کا جواب:۔

یہاں یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کے وجود ہی کو نہیں مانتے ان کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار ان کی خلقت کے انکا اپنا وجود ہی اللہ کی تنزیہ بیان کرنے کے لئے کافی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان نالائقوں کو تنبیہ کرنے کیلئے ارشاد فرمایا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں تم ایسے نا ہنجار ہو کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس کو نہیں مانتے اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول نہیں ہوتے اسی لئے آیت کے آخر میں وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ فرمایا ہے (اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو لوگ کرتے ہیں) اسے اہل ایمان کے اعمال کا بھی علم ہے اور وہ اہل کفر کو بھی جانتا ہے وہ سب کی جزا سزا اپنے علم و حکمت کے موافق نافذ فرمادے گا۔

اس کے بعد فرمایا وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ خالق و مالک ہے حقیقی متصرف ہے یہاں جو برائے نام کوئی مجازی حکومت ہے وہ کوئی بھی نہ رہے گی۔ سارے فیصلے اللہ تعالیٰ ہی کے ہوں گے۔

عالم علوی کے بعض تصرفات:۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا اس میں عالم علوی کے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بادل کو دوسرے بادل کی طرف چلاتا ہے، پھر ان کو آپس میں ملادیتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ جمانے کے بعد اس میں سے بارش نازل فرماتا ہے۔ اے مخاطب! تو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے بارش نکلتی رہی ہے اور جب اس کی مشیت ہوتی ہے تو انہیں بادلوں کے بڑے بڑے حصوں میں سے جو پہاڑوں کی مانند ہیں اولے برسادیتا ہے۔ یہ اولے بڑے خطرناک ہوتے ہیں جس کی جان یا مال کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بچادیتا ہے اور جسے مالی جانی نقصان پہنچانا ہو تو وہ ان اولوں کو اس کی ہلاکت یا کثیر قلیل ضرر کا سبب بنادیتا ہے۔

بعض مرتبہ بادلوں میں بجلی پیدا ہوتی ہے جس کی چمک بہت تیز ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی

آنکھوں کی بینائی کو اچک لے گی اس کا پیدا فرمانا بھی اللہ تعالیٰ کے تصرفات میں سے ہے۔ اس کے ذریعے اموات بھی ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے بچالیتا ہے۔

دلائل میں غور نہ کرنا اور حق کو نہ ماننا گمراہی کا سبب ہے:۔

انہیں تصرفات میں سے رات اور دن کا پلٹنا بھی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اسی کو فرمایا یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو پلٹتا ہے۔ رات اور دن کا تعلق ظاہری اعتبار سے آفتاب کے طلوع وغروب ہونے سے ہے لیکن آفتاب بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اللہ نے جو طلوع وغروب کا نظام مقرر فرمادیا ہے اسی کے مطابق چلتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ: بلاشبہ اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے جو شخص اپنی عقل وفہم اور بصیرت سے کام لے گا اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تکوین کے مظاہروں پر غور کرے گا اسے ضرور اللہ تعالیٰ کی توحید واضح طور سے سمجھ میں آجائے گی اور جس نے اپنے لئے یہ طے کرلیا کہ مجھے دلائل میں غور نہیں کرنا اور حق کو نہیں ماننا تو وہ گمراہ ہی رہے گا۔

عالم سفلی کے بعض تصرفات:۔

اس کے بعد بعض سفلی تصرفات کا تذکرہ فرمایا ارشاد ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے پھرنے والی چیز کو پانی سے پیدا فرمایا اس سے حیوانات مراد ہیں جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں پھر ان جانوروں میں بعض وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ وغیرہ اور بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور پرندے (جب کہ خشکی میں ہوں) اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے اونٹ بھینس گائے بکری وغیرہ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اسے پورا اختیار ہے جیسے جس حال میں اور جس شکل وصورت میں پیدا فرمائے۔ اور جس کو جس طرح چاہے قوت وقدرت عطا فرمائے دیکھو! پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کو جس طرح چلنے اور بھاگنے کی قوت عطا فرمائی ہے ان میں سے بہت سی دو اور چار ٹانگوں والی چیزوں کو عطا نہیں فرمائی۔ چھپکلی کو دیکھ لو وہ چھت سے الٹی لٹک کر بھی دوڑ لیتی ہے دوسری مخلوق ایسا کرے تو گر پڑے چھپکلی چل بھی رہی ہے اور چپک بھی رہی ہے۔

ایک اشکال کا جواب:۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ: بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کو جیسا چاہا بنایا (وَمَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَالَمْ یَشَأْلَمْ یَکُنْ) یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کے بارے میں دیکھا جاتا ہے کہ ان کا توالد وتناسل نطفہ سے نہیں ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ان کا تو کوئی ماں باپ ہی نہیں اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہاں لفظ کل دابۃ بطور تغلیب کے استعمال فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ عام طور سے جو تم انسان اور چوپاؤں کو دیکھتے ہو انکی تخلیق نطفہ سے ہے، اور بعض حضرات نے دوسرا جواب دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا پھر اس میں سے بعض کو آگ بنا دیا جس سے جنات پیدا فرمائے اور بعض کو مٹی بنا دیا اور اس سے انسان پیدا فرمایا اور بعض حصہ کو نور بنا دیا اس سے فرشتے پیدا فرمائے۔ اور جتنی مخلوق وجود میں آئی اس کے وجود میں کسی نہ کسی طرح پانی کے جوہر کا وجود ہے۔ ①

عقل وفہم سے کام نہ لینے والا دلائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا:۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ تا بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے واضح آیات کھلی کھلی نشانیاں نازل فرمائی ہیں جو حق اور حقیقت کو واضح کرنے والی ہیں، جو عقل وفہم سے کام نہیں لیتا وہ دلائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور گمراہی کے راستے ہی اختیار کئے ہوئے رہتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دے دیتا ہے، اس کے بعد آیات ہیں انکو سمجھنے کے لئے منافقین کے بعض واقعات کو سمجھنا چاہیے ایک واقعہ ہم سورہ نساء کی آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں وہ بشر نامی منافق کا قصہ ہے۔ ایک واقعہ بعض مفسرین نے ان آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مغیرہ بن وائل سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا دونوں نے آپس میں بخوشی اس زمین کو تقسیم کر لیا اس کے بعد مغیرہ نے کہا کہ تم اپنی زمین مجھے بیچ دو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو گئے بیع مکمل ہو گئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیمت پر اور مغیرہ نے زمین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد کسی نے مغیرہ کو سمجھایا کہ تو نے یہ نقصان کا سودا کیا ہے۔ یہ شور والی زمین ہے اس پر اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ آپ اپنی زمین

① معالم التنزیل ص ۳۵۱ ج ۳/ روح المعانی ص ۱۹۳ ج ۱۸

واپس لے لیں کیونکہ میں اس سودے پر راضی نہیں تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تو نے اپنی خوشی سے یہ معاملہ کیا ہے اس زمین کا حال جانتے ہوئے تو نے خریدا ہے۔

مجھے اس کا واپس کرنا منظور نہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ چل ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کریں اس پر وہ کہنے لگا کہ میں محمد ﷺ کے پاس نہیں جاتا وہ تو مجھ سے بغض رکھتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں مجھ پر ظلم کر دیں گے۔ اس پر آیت نازل ہوئی چونکہ وہ شخص منافق تھا اس لئے اس نے مذکورہ بالا بے ہودہ گستاخی والی بات کہی۔ اور چونکہ منافقین آپس میں اندرونی طور پر ایک ہی تھے اور گھل مل کر رہتے تھے۔ نیز ایک دوسرے کا تعاون بھی کرتے تھے اس لئے آیت شریفہ میں طرز بیان اس طرح اختیار فرمایا کہ سب منافقین کو شامل فرمالیا۔ مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی نقل کیا کہ جب منافقین میں سے کسی سے جھگڑا ہوتا اور وہ جھگڑا نمٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بلایا جاتا اور اسے یقین ہوتا کہ آپ میرے ہی حق میں فیصلہ فرمائیں گے تو حاضر خدمت ہو جاتا ہے اور اگر ارادہ ہوتا کہ کسی پر ظلم کرے اور اسے خصومت کا فیصلہ کرانے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے کہا جاتا تو اعراض کرتا تھا اور کسی دوسرے شخص کے پاس چلنے کو کہتا تھا، منافقین نے اپنا یہ طریقہ بنا رکھا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت نازل فرمائی۔ سبب نزول سمجھنے کے بعد اب آیات کا ترجمہ اور مطلب سمجھئے! ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ (یعنی منافقین) ظاہری طور پر زبان سے سے یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں اس ظاہری قول و قرار کے بعد عملی طور پر ان میں سے ایک جماعت منحرف ہو جاتی ہے چونکہ حقیقت میں مومن نہیں ہیں اس لئے انہوں نے طرز عمل یہ اپنا رکھا ہے جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ تا کہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو ان کی ایک جماعت اس سے اعراض کرتی ہے کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ظلم کر رکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں میں حاضر ہوں گے تو فیصلہ ہمارے خلاف جائے گا اور اگر ان کا حق کسی پر آتا ہو تو اس حق کے وصول کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بڑی ہی فرماں برداری کے ساتھ حاضر ہو جاتے ہیں۔ مقصد ان کا صرف دنیا ہے ایمان کا اقرار اور فرماں برداری کا قول و قرار دنیاوی منافع ہی کے لئے ہے۔ خدمت عالی میں حاضر ہونے کی صورت میں بھی طالب دنیا ہی ہیں اور حاضری دینے سے اعراض کرنے میں بھی دنیا ہی پیش نظر ہوتی ہے۔

منافقین کے قلوب مریض ہیں:۔

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ: کیاان کے دلوں میں مرض ہے۔یعنی اس کا یقین ہے؟ کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں اَمِ ارْتَابُوْٓا یا انہیں شک ہے کہ آپ نبی ہیں یا نہیں اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ یا وہ خوف کھاتے ہیں کہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان پرظلم ہوگا۔مطلب یہ ہے کہ ان تین باتوں میں سے کوئی چیز نہیں ہے انہیں یہ بھی یقین ہے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر جو فیصلہ ہوگا اس میں ظلم نہیں ہوگا جب یہ بات ہے تو اعراض کا سبب صرف یہی رہ جاتا ہے کہ خود وہ ظالم ہیں بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کا مال تو ہمیں مل جائے لیکن ہم پر جو کسی کا حق ہے وہ دینا نہ پڑے۔اگر انہیں ڈر ہوتا کہ آپ کا فیصلہ انصاف کے خلاف ہوگا تو جب اپنا حق کسی پر ہوتا ہے اس کے لئے دوڑے ہوئے نہ آتے وہ جانتے تھے کہ آپ کا فیصلہ صاحب حق کے حق میں ہوگا۔لیکن جب یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے خلاف ہوگا تو اعراض کرتے تھے۔ان کا مقصود انصاف کرانا نہیں بلکہ دوسروں کا مال مارنا ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

مؤمنین کی یہ بات تو ہوتی ہے کہ جس وقت وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلانے جائیں تاکہ رسول انکے درمیان

اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ

فیصلہ کردیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے حکم سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿۵۱﴾ اور جو اللہ کی

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اطاعت کرے اور اسکے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور بچ بچ کر چلے پس یہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں ﴿۵۲﴾

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ

منافقین اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں اگر آپ ﷺ انہیں حکم دیں گے تو البتہ ضرور نکل جائیں گے آپ ﷺ کہہ

لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ

دیجئے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری جانی پہچانی ہوئی ہے بیشک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے ﴿۵۳﴾ آپ کہہ

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ

دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول کے ذمے وہ بات ہے جو اس

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

پر ڈالی گئی ہے اور تم پر وہ چیز ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے اگر تم اللہ کے رسول کی اطاعت کردگے تو تم نے سیدھا راستہ پالیا اور نہیں ہے رسول کے ذمہ

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر پہنچا دینا خوب اچھی طرح سے کھول کر ﴿۵۴﴾ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور انہوں نے نیک عمل کئے

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠

البتہ ضرور خلیفہ بنائے گا اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گذرے ہیں

وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ

اور البتہ ضرور ٹھکانہ دیگا ان کے لئے اس کے اس دین کو جو اللہ نے ان کیلئے پسند کیا اور البتہ ضرور بدل دے گا

بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ

اللہ تعالیٰ ان کو ان کے خوف کے بعد امن بشرطیکہ یہ لوگ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور جو کوئی اس

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

نعمت استخلاف کے بعد ناشکری کریگا پس یہی لوگ حد طاعت سے نکلنے والے ہیں ﴿۵۵﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو،

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور رسول کی فرماں برداری کرو تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا جائے ﴿۵۶﴾ ہرگز نہ گمان کیجئے

مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

ان لوگوں کو جو کہ کافر ہیں زمین میں عاجز کرنے والے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے ﴿۵۷﴾

تفسیر

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ: اَنْ يَّقُوْلُوْا یہ مضارع پر جب اَنْ آجائے تو نحو میں قاعدہ ہے کہ یہ مصدر کی تاویل میں ہو جاتا ہے تو یہ مصدر کی تاویل میں ہو کر بن جائے گا قولھم اور یہ کَانَ کا اسم ہے اور قول المؤمنین یہ خبر ہے۔ تو معنی یہ ہو گیا کہ سمعنا واطعنا کہہ دینا یہ مومنین کا قول ہے جس وقت کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں۔ منافق تو دیکھتے تھے کہ ہمارا فائدہ ہوگا یا نہیں! اللہ اور اس کے رسول سے فیصلہ کرانے میں فیصلہ ہو تو کرواتے ہیں... نہیں تو کسی اور عدالت میں لے جاتے ہیں۔

مومنین اور منافقین کا کردار:۔

لیکن مومنین مخلصین کا حال یہ ہے کہ جب بھی ان کو بلایا جائے کہ یہ جو ہمارے درمیان میں جھگڑا ہو گیا اس کا فیصلہ اللہ سے کروالیں اللہ کے رسول سے کروالیں۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ تو منافقین کے مقابلے میں یہ مومنین کا کردار نمایاں کیا گیا، کہ مومن صرف اس وقت شریعت کی طرف نہیں آتا جب اپنا فائدہ دیکھتا ہے۔

بلکہ اپنا نقصان نظر آئے تو بھی وہ شریعت کا فیصلہ قبول کرتا ہے اور اپنا فائدہ دیکھ کر شریعت کا فیصلہ قبول کرنا اور جب اپنا نقصان نظر آتا ہو تو پھر شریعت کا فیصلہ قبول نہ کرنا یہ منافقین کی علامت ہے یہ مومنین مخلصین کی علامت نہیں ہے۔

فوز وفلاح حاصل کرنے کا طریقہ:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ اور جو اللہ کی اطاعت کرے اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور بچ کر چلے پس یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ مفہوم یہ نکل آئے گا کہ فوز وفلاح حاصل کرنے کے لئے اللہ کی اطاعت ضروری ہے، اللہ کے رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ اللہ کی اطاعت ضروری ہے یہ تو کتاب اللہ کی اتباع آ گئی۔ اللہ کے رسول کی اطاعت ضروری ہے یہ اتباع سنت آ گئی۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں کی اتباع ضروری ہے۔ اور اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی کوتاہیوں سے توبہ کرے، استغفار کرے اور یتقہ کا مفہوم ہے کہ آئندہ بھی بچ بچ کر چلے، اللہ کی نافرمانی نہ کرے، جب یہ چار کام ہو جائیں گے تو اس وقت فوز وفلاح حاصل ہو جائے گی۔

کردار، قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہوتا ہے:۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ: یہ پھر وہی منافقین کی بات کہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں جھد ایمانھم کا مفہوم ہوا کرتا ہے مجتہدین فی توکید ایمانھم اپنی قسموں کو پکا کرنے میں کوشش کرتے ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ پکی پکی قسمیں کھاتے ہیں زور لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کیا کہتے ہیں......؟ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ اگر آپ انہیں حکم دینگے تو البتہ ضرور نکل جائیں گے۔ یعنی اگر آپ حکم دیں ان کو جہاد پر جانے کے لئے تو اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں اور زور لگا لگا کے کہ وہ ضرور نکل جائیں گے۔ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا آپ کہہ دیجئے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ! طاعۃ معروفہ یہ صفت موصوف ہیں طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ تمہاری فرمانبرداری جانی پہچانی ہوئی ہے، قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے ہو! قسمیں کھا کر یقین نہ دلاؤ جس قسم کی اطاعت تمہاری ہے۔

ہمیں خوب پتہ ہے اصل بات یہی ہے کہ جب کسی شخص کے پاس کردار کی قوت نہیں ہوتی اور وہ اپنے عمل کے ساتھ اور کردار کے ساتھ اپنے قول کو سچا نہ ثابت کر سکے تو پھر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ قسمیں کھا کھا کے اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس آدمی کو ثقاہت حاصل ہوتی ہے صداقت حاصل ہوتی ہے کردار کا وہ

ٹھیک ہوتا ہے تو اسکا کردار ہی اس کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ کا حکم آیا جہاد کے لئے اللہ کے رسول نے اعلان کیا اور لوگ اٹھ کے چل دیئے انہیں کیا ضرورت ہے کہ قسمیں کھا کھا کے یقین دلانے کی کہ ہم ضرور جہاد کریں گے، ان کا عمل ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحیح طور پر ایمان لائے ہوئے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی بات کو مانتے ہیں لیکن جن کے پاس کردار کی قوت نہیں ہوتی وہ کوشش کیا کرتے ہیں کہ قسمیں کھا کھا کہ دوسرے کو یقین دلائیں کہ ہم بڑے اچھے آدمی ہیں، اس لیے کہہ دیا گیا کہ تم ان سے کہہ دو کہ تمہاری اطاعت جانی پہچانی ہوئی ہے۔ یاطاعة معروفة مطلوبة منکم قاعدے کے مطابق طاعۃ مطلوب ہے قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں جس وقت ضرورت پیش آئے گی کہنا ماننے کی جس طرح سے دوسرے لوگ مانیں گے اسی جانے پہچانے طریقے سے تم بھی اطاعت کرنا صرف باتیں بنانے کا کیا فائدہ.....؟ بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے ان کاموں کی جو تم کرتے ہو۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو!:۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ: آپ کہہ دیجئے! کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ یہ ضمیر اللہ کے رسول کی طرف لوٹ رہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول کے ذمے وہ بات ہے جو اس پر ڈالی گئی ہے۔ جو ذمہ داری اس پر ڈالی گئی ہے وہ اس کے ذمے ہے وہ ہے تبلیغ کی، انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کردی وَعَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اور تم پر وہ چیز ہے جو تم پر ڈالی گئی وہ ہے اطاعت اللہ کے رسول نے اپنی ذمہ داری ادا کردی، اب آگے تمہاری ذمہ داری باقی ہے اگر تم اس ذمہ داری کو ادا نہیں کرو گے تو اس میں اللہ کے رسول کا نقصان کوئی نہیں۔ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا اگر تم اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے تو تم نے سیدھا راستہ پالیا وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اور نہیں ہے رسول کے ذمے مگر پہنچا دینا خوب اچھی طرح سے کھول کر مطلب یہ ہے کہ ایسے طور پر پہنچا دیا کہ اس میں کوئی کسی قسم کا شک شبہ نہ رہے۔ تو بلاغ مبین اللہ کا رسول کر چکا آگے مخلصین کے لئے وعدہ ہے دنیا کے اندر کامیابی کا۔

مخلصین مؤمنین کے ساتھ وعدہ استخلاف:۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ: اس کو آیت استخلاف کہا جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ

نے وعدہ کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور انہوں نے نیک عمل کیے البتہ ضرور خلیفہ بنائے گا اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اور البتہ ضرور ٹھکانہ دے گا ان کے لیے ان کے پاس دین کو جو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور البتہ ضرور بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ ان کو ان کے خوف کے بعد امن بشرطیکہ یہ لوگ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور جو کوئی اس نعمت استخلاف کے بعد ناشکری کرے گا پس یہی لوگ حد طاعت سے نکلنے والے ہیں۔ مطلب اس کا یہ ہوا کہ پیچھے جو ذکر کیا تھا کہ منافقین تردد میں پڑے ہوئے ہیں، تو منافقین کے نفاق کی ایک وجہ یہ بھی تھی ان کے دل میں جو کفر چھپا ہوا تھا اور ایمان ظاہر کرتے تھے اور یہود کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے تو اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو تردد تھا کہ معلوم نہیں مستقبل میں یہ مسلمان غالب آئیں گے یا کافر ہی دوبارہ غالب آجائیں گے؟ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ جو بھی غالب آجائے گا تو ہم اس کے ساتھ مل کر اپنے مستقبل کو محفوظ کرلیں گے گویا کہ مستقبل کے بارے میں وہ مطمئن نہیں تھے کہ آنے والا زمانہ کس کے غلبے کا ہے......؟ اس لیے وہ دونوں طرف ہی جھانکتے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کے اس تردد کو دور فرمایا کہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس امت کو آئندہ خلافت دے گا۔ اس طرح سے جس طرح سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ بعض نبیوں کو امتوں کو دنیا کے اندر حکومت دیتا رہا، جو دین پسند ہے اللہ کو یعنی اسلام رضیت لکم الاسلام دینًا میں جس طرح سے ذکر کیا گیا اللہ تعالیٰ اس دین کو ٹھکانہ دے گا اس دنیا کے اندر دینی ماحول بن جائے گا اور دین کی حکومت آجائے گی اور آج اگر دشمنوں کی طرف سے کچھ خوف وخطر ہے بھی تو یہ سارا ٹل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ امن وامان دیدیں گے اور یہ نعمت حاصل رہے گی جب تک اللہ کی عبادت کرتے رہیں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس نعمت کے حاصل ہو جانے کے بعد ناشکری کرنے والے نافرمان ہوں گے، حد طاعت سے نکلنے والے ہوں گے یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے باتیں جو کہ بطور وعدے کے ہیں لیکن ان کی صداقت حضور ﷺ کے زمانے میں ہی پیش آگئی جس وقت یہ آیات اتر رہی تھیں، اس وقت ٹھیک ہے کہ چاروں طرف سے دشمنوں کی طرف سے خوف وخطرہ ہی تھا لیکن حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی سارا عرب، یمن یہ سارے کے سارے فتح ہو گئے حضور ﷺ کے زمانہ میں

دین کی حکومت آ گئی، امن وامان قائم ہو گیا۔

تمکینِ دین اور امن وامان خلفائے راشدین کے دور سے بڑھ کر کسی دور میں نہیں ہوا:۔

اور آگے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور اس کے بعد پھر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور اس کے بعد پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تو یہ دین کی حکومت پورے عروج پر پہنچ گئی اور دنیا کا جو معتد بہ حصہ جو تھا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہو گیا، تو خلافت راشدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ جو خلفائے آئے ہیں ان کی صداقت پر یہ آیت دلالت کرتی ہے، اگر ان لوگوں کی خلافت کو خلافت صحیحہ نہ سمجھا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آج تک قرآن کریم کا یہ وعدہ کسی وقت میں پورا نہیں ہوا کیونکہ جو امن و آمان اس دور میں تھا اور جس طرح سے دین کی تمکین اس دور میں تھی اس طرح سے دین کی تمکین اور امن وامان کسی دوسرے دور میں نہیں آیا تو اگر ان کی خلافت کو اللہ تعالیٰ کے وعدے کا مصداق نہ بنایا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان آیات کا مصداق دنیا میں متحقق ہوا ہی نہیں اور یہ کہنا کہ آخر آخر میں جا کر حضرت مہدی کے زمانہ میں ایسا ہو گا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے تو پھر ایسا ہو گا یہ واقعہ ہے کہ اس وقت بھی ایسا ہو گا۔

خلفائے راشدین کی خلافت حقہ کی دلیل:۔

لیکن یہ وعدہ تو کیا جا رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی آپ کے مخاطبین سے اور یہ وعدہ پورا ہو، کہیں دو اڑھائی ہزار سال کے بعد جا کے یہ بات کوئی جوڑ نہیں کھاتی اللہ تعالیٰ کی باتیں ایسی بے تکی نہیں ہوا کرتیں تو مخاطب ان کے وہی لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان اور عمل صالحہ کی برکت سے خلیفہ بنایا دنیا میں حکومت دی اور اس دین اسلام کو دنیا میں قائم فرمایا اور خوف کو امن سے بدلا اس لیے وہ خلافت بالکل برحق خلافت تھی۔

اسی طرح گاہے بگاہے اللہ تعالیٰ ایمان وعمل کی برکت سے اور خلافتیں بھی قائم کرتے رہیں گے اگرچہ درمیان میں کچھ غلط خلافتیں بھی ہوئیں جن میں دین کی وہ بات پوری نہ رہی کہ دین کی حکومت ہو لیکن گاہے بگاہے آج تک اسی طرح سے مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ نے اس دین کو برتری دی اور حضرت مہدی کے زمانہ میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور زیادہ کامل طریقے سے برتری ہو جائے گی اس لیے اہلسنت والجماعت ہمیشہ اس

آیت کو خلفاے راشدین کی حقانیت کے لئے بطور دلیل کے ذکر فرمایا کرتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ بلاشک و شبہ یہ آیت ان کی خلافت کی خلافت حقہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، کہ اللہ کے وعدے کے تحت یہی حکومت تھی جو حضور ﷺ کے آخری دور سے شروع ہوئی اور خلفاء اس کا بعد میں اولین مصداق ہیں اور آگے عدل و نصاف کا دور دورہ جب بھی آیا تو سب کے سب اس میں داخل ہو سکتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کی امت عمل صالح کی حامل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو درجہ بدرجہ اسی طرح سے خوف و خطرہ سے امن دیا اور ان کی حکومتیں صحیح طور پر قائم ہوئیں۔

اللہ کی رحمت کب حاصل ہوگی؟:۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ: یہ تاکید کی جارہی ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا پورا ہوگا تم اپنے طور پر نماز قائم رکھو اور زکواۃ دیتے رہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ رحم کیے جاؤ۔ اللہ کی رحمت تبھی حاصل ہوگی جب کہ اقامت الصلواۃ اور ایتاء الزکواۃ اور اطاعت رسول ان صفتوں کے تم حامل ہو جاؤ گے، اور کافر جو اس وقت مخالفت کر رہے ہیں یہ اللہ کے بس سے باہر نہیں یہ دشمنوں کے سر کوٹنے کی طرف اشارہ کر دیا کہ تمہارے دشمن عنقریب عاجز آجائیں گے یہ اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہیں۔

یہ سب کافر اللہ کی قدرت سے باہر نہیں:۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ: آج ان کے زور کو دیکھ کے تم یہ نہ سمجھو ہر گز نہ گمان کیجئے ان لوگوں کو جو کہ کافر ہیں زمین میں عاجز کرنے والے کہ ہماری پکڑ سے یہ چھوٹ جائیں گے ہمیں ہرادیں گے ہمیں عاجز کردیں گے ہم ان کو کچھ کہہ نہیں سکتے ایسا گمان نہ کرنا یہ سب ہمارے بس میں ہیں ہماری قدرت کے اندر ہیں جب ہم چاہیں گے ان کو مغلوب کردیں گے، تو اپنے دوستوں کے لئے کامیابی کا وعدہ کیا تو دشمنوں کی شکست کی طرف اشارہ کردیا وماٰ وٰھم النار انکا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ

اے ایمان والو! چاہیے کہ اجازت طلب کیا کریں تم سے وہ لوگ جن کے مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ

لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

اور وہ جو نہیں پہنچے بلوغ کو تم میں سے تین مرتبہ فجر کی نماز سے پہلے

وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ

اور جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد

الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ

تمہارے لئے تین عورتیں ہیں نہیں تم پر اور ان پر کوئی حرج

بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

ان تین وقتوں کے بعد ان کا بھی تمہارے پاس آنا جانا لگا رہتا ہے تمہارا بھی ایک دوسرے کے پاس، ایسے ہی بیان

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ

کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے ﴿۵۸﴾ اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں

الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ

پھر چاہیے کہ وہ اجازت طلب کرلیا کریں جیسے کہ اجازت طلب کرتے ہیں وہ لوگ جوان سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ

ایسے ہی بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے ﴿۵۹﴾ اور عورتوں میں سے جو بیٹھ جانے والی عورتیں ہیں

الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

جو نہیں امید رکھتی نکاح کی ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار دیا کریں

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ۗ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

نہ ظاہر کرنے والی ہوں اپنی زینت کو اور اگر بچ کر رہیں تو یہ ان کیلئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سننے والا

عَلِيْمٌ ۝٦٠ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا

اور جاننے والا ہے ۝٦٠ نابینے پر کوئی حرج نہیں ہے لنگڑے پر کوئی تنگی نہیں بیمار پر کوئی حرج نہیں ہے اور خود

عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم کھالیا کرو اپنے گھروں سے یا اپنے آباء کے گھروں سے

اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے

اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا

یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۗ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا

گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اس میں نہیں ہے تم پر کوئی گناہ

اَوْ اَشْتَاتًا ۗ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ

یہ کہ تم کھالیا کرو اکٹھے ہوکر یا اکیلے اکیلے ہوکر پھر جس وقت تم داخل ہو گھروں میں تو اپنے لوگوں پر سلام کہا کرو

اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٦١ ع

یہ سلام اللہ کی طرف سے برکت والا ہے پاکیزگی کا ذریعہ ہے، ایسے بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات تاکہ تم سوچو ۝٦١

تفسیر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: اے ایمان والو! چاہیے کہ اجازت طلب کیا کریں تم سے وہ لوگ جن کے مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ، اور وہ جو نہیں پہنچے بلوغ کو تم میں سے یعنی تمہارے

مملوکین اور تمہارے نابالغ بچے تم سے اجازت طلب کیا کریں ضروری ہے۔ جیسا کہ امر کا تقاضا ہے ثَلٰثَ مَرّٰتٍ تین مرتبہ فجر کی نماز سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ عَوْرٰت یہ جمع ہے عورت کی اور عورت کہتے ہیں قابل ستر چیز کو یعنی جس چیز میں خلل ہوتا ہے جس کو چھپانے کی ضرورت ہوتی ہے اس کو عورت کہتے ہیں سورت احزاب میں یہ لفظ آئے گا اِنَّ بیوتنا عورۃ ہمارے گھر عورت ہیں یعنی قابل حفاظت ہیں اور ان میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے تمہارے لیے تین عورتیں ہیں یعنی هٰذِهِ الْاَوْقَاتِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لفظی معنیٰ یہ بنا، مفہوم اس کا یہ بنا کہ تمہارے لئے یہ تین وقت بے پردگی کے ہیں، جن میں ستر مطلوب ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ نہیں ہے تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج بَعْدَهُنَّ ان تین وقتوں کے بعد طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ وہ تم پر گھومنے والے ہیں طواف مبالغہ کا صیغہ آ گیا طاف یطوف سے وہ تم پر آنے جانے والے ہیں یعنی بعض تمہارا بعض پر آنے جانے والا ہے كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ایسے ہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات، اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے ایسے ہی واضح کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں۔

پردہ کے احکامات:۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ: جب تم میں سے منکم کا خطاب احرار کو ہے یعنی آزاد لوگوں میں سے نابالغ بچے جس وقت وہ احتلام کو پہنچ جائیں یعنی بالغ ہو جائیں فَلْيَسْتَاْذِنُوْا پھر چاہیے کہ وہ اجازت طلب کیا کریں كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ جیسے کہ اجازت طلب کرتے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں جیسے ان سے پہلے جو لوگ اجازت طلب کرتے ہیں، اس طرح یہ بھی اجازت طلب کیا کریں كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ایسے ہی بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ قواعد مؤنث کا صیغہ ہے اور قاعدے کے لحاظ سے یہ جمع ہونی چاہیے قاعدہ کی اور وہ صفت جو کہ مختص بالمؤنث ہو بسا اوقات اس کو ذکر کرتے وقت آخر میں تا سے خالی کر دیتے ہیں یعنی ۃ نہیں لگائی جاتی جس طرح سے طَالِقٌ یہ بظاہر تو مذکر کا صیغہ ہے لیکن یہ صفت عورت کی ہے، طلاق پانے والی عورت ہوتی ہے، یہ مذکر کے وزن پر حَائِضٌ حیض والی عورت مراد اس سے مؤنث ہے لیکن اس میں بظاہر صیغہ مذکر کا ہے تا سے خالی ہے

حَامِلٌ حاملہ عورت کو حامل کہتے ہیں یہ بھی تا سے خالی ہے اور مُرْضِعٌ دودھ پلانے والی عورت یہ تا سے خالی ہے تو اصل بات یہ ہے جو صفت مختص بالانثی ہو جو مردوں میں نہیں پائی جاتی عورتوں میں پائی جاتی ہے اس کو ذکر کرتے وقت بسا اوقات تا سے خالی کر دیتے ہیں، یہ طالق، مرضع، حامل، یہ ساری صفتیں ایسی ہیں جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں یہاں بھی قواعد سے بوڑھی عورتیں مراد ہیں اس لئے اس کا مفرد جو ہے وہ قاعد ذکر کر دیا جائے تو بھی گنجائش ہے، ایسی عورتیں جو بیٹھ جانے والی ہیں لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں یعنی نکاح کی عمر سے گزر گئیں ہیں، اور عورتوں میں سے جو بیٹھ جانے والی عورتیں ہیں جو نہیں امید رکھتیں نکاح کی فَلَیْسَ عَلَیْہِنَّ جُنَاحٌ ان پر کوئی گناہ نہیں اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَہُنَّ کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار دیا کریں غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَۃٍ نہ ظاہر کرنے والی ہوں اپنی زینت کو، زیب وزینت کو ظاہر نہ کریں جیسے جوان عورتیں اپنے سینے کو چھپانے کیلئے بڑی چادریں اپنے اوپر لیتی ہیں تو اگر بوڑھی عورتیں یہ چادریں اتار دیں تو کوئی حرج نہیں ہے وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ اور اگر یہ بچ کے رہیں خَیْرٌ لَّہُنَّ تو یہ بہتر ہے ان کے لئے وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ یہ مصدر کی تاویل میں ہو جائے گا ان عورتوں کا بچ کے رہنا بہتر ہے ان کیلئے اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

شروع رکوع سے جو آیات آپ کے سامنے ذکر کی گئی ہیں۔ ان کا تعلق ہے مسئلہ استیذان کے ساتھ اور مسئلہ حجاب کے ساتھ۔ عورتوں کے لئے جو ذکر کیا گیا تھا وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَہُنَّ اِلَّا مَا ظَہَرَ مِنْہَا اس میں تھوڑی سی آگے ترمیم کی جارہی ہے کہ یہ عام عورتوں کے لئے نہیں بلکہ بوڑھی عورتوں کیلئے کچھ اس معاملے میں سہولت ہے۔ اور استیذان کا مسئلہ جو ذکر کیا تھا کہ بغیر اجازت کے کسی کے گھر نہ جایا کرو تو اس مسئلے کی بھی تھوڑی سی وضاحت کی جارہی ہے جہاں استثناء ذکر کیا گیا تھا کہ کون سے لوگ ہیں جن کے سامنے حجاب نہیں ان میں آپ کو معلوم ہے مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُنَّ کا ذکر بھی آیا تھا اور اس طرح سے اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْہَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ کا ذکر بھی آیا تھا، اپنے مملوک کے لئے اور نابالغ کے لئے جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے سامنے حجاب نہیں ہے عورت اپنے جسم کے بعض حصے جن کی تفصیل آپ کے سامنے آئی تھی کھول سکتی ہے یہ محارم کے حکم میں ہیں جس طرح سے اپنے محرم ہیں اس طرح سے یہ نابالغ بچے ہیں، جس طرح سے محرم ہیں اس طرح سے مملوک ہیں۔ اس حکم میں کچھ اضافہ کیا جارہا ہے کہ مملوک کو نابالغ بچوں کو گھروں میں آنے جانے کی اجازت ہے، اور چونکہ یہ کثرت کے ساتھ

آتے جاتے رہتے ہیں کبھی اندر چلے گئے کبھی خدمت کے لئے اندر آنا پڑا کبھی باہر چلے گئے اگر یہ اجازت لیں تو پھر اجازت لینے میں تنگی ہے، عام اوقات میں اگر یہ آئیں جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تین وقتوں میں احتیاط:۔

لیکن تین وقتوں میں ان کو بھی پابند کر دو جو تمہارے خلوت خانے ہوا کرتے ہیں ان میں بغیر اجازت کے یہ چھوٹے بچے بھی اندر نہ آئیں، تمہارے مملوک اور تمہارے خادم بھی اندر نہ آئیں ایک وقت عشاء کے بعد کا اور دوسرا وقت فجر سے پہلے کا اور تیسرا وقت دو پہر کا اس وقت جب آرام کرتے ہیں، تو عادت ہے انسان اپنے کپڑے اتار لیتا ہے کوئی معمولی سے کپڑے پہن کر سوتا ہے، تو سونے کی حالت میں انسان کو اپنے بدن کی خبر نہیں ہوتی کپڑا اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے اور اس طرح اور وقتوں میں انسان لیٹتا ہے تو اپنے کپڑے اتار لیتا ہے تو انسان اپنی بیوی کے ساتھ ہوتا ہے، اس کے ساتھ معاملات ہوتے ہیں محبت پیار کے، تو ان اوقات میں ان کو چاہیے کہ چھوٹے بچے بھی اندر نہ جائیں چاہے آپ اکیلے ہوں یا اپنی بیوی کے ساتھ ہوں، اس تفصیل کا مطلب یہ ہوا اکیلے ہونے کی صورت میں بدن کھلا ہوا ہو تو بچے آئیں یہ بھی ٹھیک نہیں ہے اور اگر بیوی کے ساتھ ہوں تو پھر بھی بچوں کا اندر جانا مناسب نہیں ہے۔

کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کو ایسے حال میں دیکھ لیں جس میں دیکھنا مناسب نہیں ہے، اس میں آپ کے لئے شرم ساری ہو گی بچوں کے ذہن پر غلط اثر پڑے گا اس لئے ان تین اوقات میں ان کو پابند کر و کہ یہ تین اوقات تمہاری بے پردگی کے ہیں، اس میں تمہیں کچھ پردے کی ضرورت ہے ان اوقات میں یہ بغیر اجازت کے نہ آیا کریں، البتہ ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بغیر اجازت کے آئیں تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ باقی اوقات کام کاج کے ہوتے ہیں اسمیں اس قسم کے خلل کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

جو بچے بچپن سے گھر میں آیا جایا کرتے ہیں جب بالغ ہوں تو ان پر گھر آنے پر پابندی لگا دیں:۔

البتہ جس وقت یہ چھوٹے بچے بالغ ہو جائیں تو پھر ان کو بالغین کی طرح پابند کر دو کہ جس طرح سے بڑے آدمی پہلے سے اجازت کے پابند ہیں۔ چونکہ ان کے لئے حکم پہلے آ چکا ہے بڑے لوگ جس طرح سے پہلے اجازت کے پابند ہیں تو اس طرح چھوٹے بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی بالغین میں شمار کر کے اس طرح پابند کر دینا

چاہیے۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ جب یہ بچپن سے گھر میں آتے جاتے ہیں تو اب بھی کیا ضرورت ہے یوں نہیں بلکہ بالغ ہونے کے بعد انکو گھر میں آنے کی بالغین کی طرح پابندی لگا دو پہلی آیات کے اندر تو یہ حکم واضح کیا گیا طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ یہ وجہ بیان کی گئی ہے اس تسہیل کی کہ چونکہ کثرت سے آنا جانا ہوتا ہے اس لئے ہر دفعہ اجازت لینے میں حرج لازم آتا ہے، تو تمہیں اجازت دے دی گئی کہ آگے پیچھے اجازت لینے کی ضرورت نہیں البتہ ان تین اوقات میں ان کو پابند ضرور کر دو پہلے حصے کے اندر تو اس مسئلے کی وضاحت آئی ہے کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ کہ اللہ تعالیٰ اس طرح سے تمہارے لئے اپنی باتوں کو واضح کرتا ہے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہو گیا کہ جو حکم پہلے آیا تھا استیذان میں یہ آیات اسی کی وضاحت کے لئے ہی اتری ہیں، اور یہ بار بار دو دفعہ آ گیا وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اس مسئلہ استیذان میں یہ لفظ دو دفعہ آیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کا حوالہ دیا جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ احکام بہت حکمت پر مبنی ہیں تم نہیں جانتے کہ اس میں کیا کیا مصلحت ہیں! اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت سے یہ احکام آ رہے ہیں۔

تو ان کی پابندی کرنی چاہیے یہ تمہارے حق میں بہتری ہے، تمہارا علم ناقص ہے تم اس کی مصلحتیں نہیں سمجھتے اور اس طرح سے ان میں جو حکمتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں تم نہیں جانتے تو صفات کے حوالے دینے کا یہ مطلب ہوا، ایک بات کی وضاحت ہو گئی اور دوسرا حکم اس کا تعلق بھی اسی حجاب کے مسئلے سے ہے کہ ذکر کیا گیا تھا کہ عورتیں اپنے آپ کو ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں پر جو فہرست آگے دے دی گئی تھی بدن کے حصے ان کے سامنے ظاہر کیے جا سکتے ہیں۔ حکم آیا تھا کہ سر کی اوڑھنی سینے پر ڈال کر رکھیں سر، کان، گلہ، سینہ، سب چھپ جائیں اب اس کی بھی یہاں وضاحت کی جا رہی ہے۔ کہ یہ حکم جوان عورتوں کے لئے ہے۔

نابالغ بچیوں کا حکم :۔

آپ جانتے ہیں بچیاں جو بالکل چھوٹی ہوتی ہیں جو محل شہوت نہیں ان کے متعلق بھی تاکید نہیں وہ بھی باہر آ جا سکتی ہیں، دوسروں کے سامنے جس طرح گھر میں محارم کے سامنے ہوتی ہیں تو دوسروں کے سامنے بھی آ جا سکتی ہیں جس وقت محل شہوت ہو جائیں تو ان کے لئے بھی حجاب ضروری ہوا۔

بوڑھی عورتوں کے لئے ہدایات:۔

اس طرح سے عورت آخری عمر میں جا کر محل شہوت نہیں رہتی، جس وقت اتنی بوڑھی ہو جائے یعنی اٹھنے بیٹھنے سے عاجز آ گئی، بیٹھ جانے والی ہے بدن کی صلاحتیں اس میں ختم ہو گئیں، اور جس کی وضاحت آگے ذکر کر دی گئی کہ وہ نکاح کی امید نہیں رکھتی اور اشارہ اب اسی بات کی طرف ہے کہ وہ محل شہوت نہیں ہے اس عمر کو پہنچ گئی کہ اب کوئی شخص اس کی طرف نکاح کی توجہ نہیں رکھتا یہ بھی پھر بچیوں کے حکم میں آ جاتی ہیں، زائد کپڑے جو پردے کے لئے لئے جاتے ہیں وہ اگر اتار دیں تو ان کے لئے بھی گنجائش ہے، تو بوڑھی عورت کے لئے محرم کے سامنے سر ننگا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح سے یہ تفصیل آپ کے سامنے آئی تھی کہ گلہ ہو گیا، بازو، ٹخنے، کندھے ہو گئے جن کو محارم کے سامنے ظاہر کیا جا سکتا ہے، تو بوڑھی عورت کے لئے باقی بھی جو غیر محرم ہیں وہ سارے کے سارے محرم ہی ہیں، ہاں البتہ اس وقت احتیاط کرنی چاہیے کہ بن سنور کر لوگوں کو سامنے ظاہر نہ ہو جس طرح سے آپ جائیں کبھی بڑے شہروں میں تو آپ کو یہ دیکھنے کی نوبت آئے گی کہ ایسی عورتیں جن کے میں منہ دانت نہیں ہوتے وہ بھی بن سنور کر بازار کی طرف نکلتی ہیں یہ مناسب نہیں ہے۔

اس کی مناسبت آگے غیر متبرجات بزینۃ بڑھاپے میں جا کر اگر یہ چیزیں ختم ہوگئی زیب وزینت کا شوق نہیں رہا جیسے زیورات ان کی طرف بھی رغبت نہیں رہتی تو سدھی سادھی عورت ہو تو بوڑھاپے میں تو اس کے لئے باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے لئے یہ حجاب ضروری نہیں ہے لیکن اگر وہ زیب وزینت کرے تو اس کا نتیجہ تو آپ جانتے ہیں کہ اصل کے اعتبار سے نہ صحیح ..... تو اس بناوٹ کے ساتھ ہی مرغوب ہو سکتی ہے بوڑھی بھینس کے گوشت کو قصائی خوبصورت کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں تو لوگ اس کی طرف رغبت کر لیتے ہیں۔ اس طرح سے اگر یہ بوڑھی مائیں بھی بن سنور کر نکلیں گی چاہے عارضی طور پر بناوٹ ہے لیکن ایسا نہیں کرنا چاہے۔

تو دوسرے حکم کا حاصل یہ تھا اس کے آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کر دیا ہے کہ اگر چہ اجازت ان کو دے دی گئی ہے لیکن ان کے اوپر پابندی نہیں ہے، لیکن یہ بھی بچ کر رہیں تو بہتر ہے یہ بھی زیادہ تر کوشش یہی کریں پردہ کرنے کی، گھر میں بیٹھنے کی، کیونکہ پھر ان کا اثر زیادہ تر جوان لڑکیوں پر ہو سکتا ہے، بوڑھی مائیں اگر گھروں میں محتاط

رہیں گی تو جوان عورتیں اور زیادہ گھروں کے اندر محتاط رہیں گی بوڑھیوں کے نکلنے کے ساتھ بسا اوقات دوسروں پر بھی اثر پڑسکتا ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ یہ بچیں اگر نکلیں تو ان کے لئے اجازت ہے سج دھج کے اور زیب وزینت کے ساتھ نہ نکلیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سمیع علیم کی صفت ذکر کردی کہ اللہ تعالیٰ سب کے حالات کو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جس قسم کے حالات قلوب میں ہیں یا زبان سے باتیں ہوتی ہیں وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہیں اس لئے ہر آنے جانے میں خیال رکھا کرو اور ملنے جلنے میں کہ کوئی بات اللہ سے مخفی نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات کو سنتا ہے اور ہر حال کو جانتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کا تصور رکھا جائے تو پھر اس میں احکام کی پابندی آسان ہو جاتی ہے دوسرے حکم کی یہ وضاحت تھی۔

رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں کھانے پینے کی اجازت:۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ: نابینے پر کوئی حرج نہیں ہے وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ لنگڑے پر کوئی تنگی نہیں ہے ''حرج'' تنگی کو کہتے ہیں وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ بیمار پر کوئی حرج نہیں ہے وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اور خود تم پر کوئی حرج نہیں اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ کہ تم کھالیا کرو اپنے گھروں سے اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ یا اپنے آباء کے گھروں سے یعنی اپنے باپ دادے کے گھر سے اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے اُمَّهٰت یہ ام کی جمع ہے اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ یا اپنے بھائیوں کے گھر سے اخوان اَخ کی جمع ہے اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ یا اپنی بہنوں کے گھر سے اخوات اُخت کی جمع ہے اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ یا اپنے چچاؤں کے گھر سے اعمام عَم کی جمع ہے اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ یا اپنی پھوپھیوں کے گھر سے عمات یہ عَمَّة کی جمع ہے اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ یا اپنے ماموؤں کے گھر سے اخول خال کی جمع ہے اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ یا اپنی خالاؤں کے گھر سے۔ خالات یہ خالہ کی جمع ہے جو ماں کی بہن ہوتی ہے اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ یہاں بھی مَا سے بیوت مراد ہیں، یا ان کے گھروں سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو مفاتحہ یہ ہ ضمیر ما کی طرف لوٹ گئی لفظوں میں مفرد ہونے کی وجہ سے مَا سے مراد یہاں بیوت ہی ہیں، یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو اَوْ صَدِيْقِكُمْ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا نہیں ہے تم پر کوئی گناہ یہ کہ تم کھالیا کرو اکھٹے ہو کر اَوْ اَشْتَاتًا یا اکیلے اکیلے ہو کر اکیلے بھی کھا سکتے ہو اور اکھٹے مل کر

بھی کھا سکتے ہو۔

جب گھروں میں داخل ہو تو سلام کہو:۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا: پھر جس وقت تم داخل ہو گھروں میں فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ تو اپنے لوگوں پر سلام کہا کرو تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ سلموا کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یہ مفعول مطلق ہے من غیر لفظہ جیسے جَلَسْتُ قُعُوْدًا اسلام کہا کرو اپنے نفسوں پر سلام کہنا تحیة باب تفعیل کا مصدر ہوتا ہے حییٰ یُحَیِّیْ سما یسمی کی طرح اس کا لفظی معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ کسی کو زندگی کی دعا دینا یوں کہنا حیاك اللہ تعالیٰ تجھے زندہ رکھے بعد میں یہ سلام والی دعا کیلئے تحیہ کا لفظ بولا جاتا ہے، تو اب یہاں یہ معنیٰ ہوگا کہ سلام کہا کرو اپنے لوگوں پر سلام کہنا جو مشروع ہے، اللہ کی جانب سے متعین ہے مقرر کیا ہوا ہے اللہ کی جانب سے۔ برکت والا ہے پاکیزہ ہے مُبٰرَكَةً طیبہ یہ سلام جو ہے برکت والا ہے پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ ایسے ہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات تاکہ تم سوچو۔ ان آیات میں بھی اللہ کی طرف سے ایک وضاحت ہے۔ جب یہ حجاب کے احکام نازل ہوئے تو بظاہر ایک دوسرے کے گھر میں آنے جانے کی پابندی لگ گئی، جس طرح سے پہلے آزادانہ آتے جاتے تھے اب اس طرح آزادانہ آنا جانا نہ رہا۔

کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر حلال نہیں:۔

اور اس طرح اللہ کی طرف سے خاص تاکید آ گئی کہ کسی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر کھایا نہ کر وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ① الا ان تکون رضامندی سے ایک دوسرے سے خرید و فروخت کرو اس طرح تم ایک دوسرے سے مال لے کر کھا سکتے ہو اور اس طرح سے وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ ② یتیموں کے مال نہ کھایا کرو اور اگر کوئی کسی کے مال کو بغیر اجازت کے کھاتا ہے تو اس کے لئے پابندی لگا دی کہ یہ مال اس کے لئے حلال نہیں۔

کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کی دل کی خوشی کے ساتھ تو یہ نئی نئی پابندی جو لگی پہلے جو آزادانہ اختلاط تھا وہ ختم ہو گیا، عورت کے اندر بھی اس بارے میں بہت بے تکلفی تھی کہ لوگ بغیر اجازت کے ایک دوسرے

① پارہ نمبر ۲ سورۃ نمبر ۲ آیت نمبر ۱۸۸ ص ۲۷

② پارہ نمبر ۱۵ سورۃ نمبر ۱۷ آیت نمبر ۳۴ ص ۲۵۸

کے گھر چلے جاتے تھے، اور جا کے ایک دوسرے کی چیز بھی اٹھا کر کھا لیتے تھے عرف تھا اور اس کو لوگ بُرا نہیں سمجھتے تھے کھانے پینے کے معاملے میں اور مہمان نوازی میں عرب کا معاشرہ بہت اچھا تھا مہمان نوازی تو ختم تھی ان لوگوں پر۔ اس لئے کوئی کسی کے گھر جا کر کھالے تو کوئی بُرا محسوس نہیں کرتا تھا اگر بسا اوقات راستے میں کوئی محتاج آدمی مل جاتا تو اس کو اپنے بھائی کے گھر میں لے جا کر کھانا کھلا دیتا تھا۔ اور محتاج جو تھے وہ بھی اس طرح لوگوں کے گھروں میں آتے جاتے رہتے تھے تو اس وقت اللہ کی طرف سے یہ احکام نازل ہوئے اس وقت پھر ایک ذہنوں کے اندر جانتے ہیں کہ ایک عجیب سا ہوتا ہے، مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں تو اس طرح لوگ احتیاط کرنے لگے کہ کسی کے گھر میں جا کر کچھ کھائیں اور نہ ہی کسی غریب کو کسی کے گھر میں لے جاتے تھے۔

ایک ساتھ مل کر کھانے میں احتیاط:۔

اور پھر اکٹھے کھانے میں بھی احتیاط کرتے تھے کہ مشترکہ چیز جب ہوتی ہے تو اس میں سب کا حق ہوتا ہے لیکن جب ہم مل کر کھائیں گے تو پتہ نہیں کون زیادہ کھائے! اور کون کم کھائے! اس میں بھی ایک دوسرے کی حق تلفی کا اندیشہ ہے تو یہ مختلف چیزیں جو تھیں اس قسم کے احکام کے آنے کے بعد انسان کے ذہن میں بطور سوال کے ابھرتی ہیں کہ معلوم نہیں کہ کہاں تک ہمارا کردار درست ہے......؟ اور کہاں تک غلط ہے......؟ ہمارے ہاں گھریلو ماحول جو ہے ہماری معاشرت وہ ہے خاندان میں اشتراک کی صورت، ہمارے باپ کا گھر علیحدہ نہیں اس طرح دوسرے رشتہ دار جو ہیں وہ بسا اوقات ایک مکان میں رہتے ہیں سب کی ملکیت مشترکہ ہوتی ہے لیکن عرب میں یہ معاشرہ نہیں تھا عرب میں ہر کسی کی ملکیت علیحدہ تھی، باپ کا گھر علیحدہ، بیٹے کا گھر علیحدہ، بیٹی کا گھر علیحدہ، اپنا گھر علیحدہ جیسے جیسے انسان بالغ ہوتا جاتا ہے۔

اس طرح اسکا سامان اور اس کا مکان علیحدہ کر دیا جاتا ہے، ان کو اپنے سے جدا کر دیا جاتا ہے تو پھر وہ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ بیوی اور خاوند کی املاک علیحدہ ہوتی ہیں، بیوی کا مال علیحدہ شمار ہوتا ہے اور خاوند کا مال علیحدہ شمار ہوتا ہے ہاں البتہ کھانے پینے کے لئے کوئی چیز مشترکہ رکھ دی تو بیوی اور خاوند کی مشترکہ بھی ہوتی ہے کیونکہ ان کا کھانا اکٹھا ہے خاوند کے ذمے بیوی کا نفقہ ہے تو یہ اکٹھے بھی کھا سکتے ہیں، لیکن بیوی کی جو جائیداد ہے اس کا حساب علیحدہ ہوگا مہر وغیرہ کی رقم جو اس نے وصول کی ہوئی ہے اسکا حساب علیحدہ ہے، بہن بھائیوں کی طرف سے اس کو کوئی

تحفہ ہدیہ ملتا ہے تو اس کا حساب علیحدہ ہے، تو بیوی کا مال علیحدہ ہوتا ہے عرب کے اندر معاشرہ اس طرح سے تھا اور اس میں یہی حکمت ہوتی ہے تا کہ کسی کے حق تلفی کی نوبت نہ آئے رضامندی کے ساتھ خوشی سے مل کر جو چاہیں کرلیں لیکن جہاں تک حقوق کا سوال ہے حقوق ممتاز ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر یہ وضاحت کی ہے کہ جو آپ کے سامنے پڑھی گئی کہ یہ محبت سے ایک دوسرے کے پاس آنا جانا اس میں قواعد بتائے گئے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کی طرف آنا جانا ہی چھوڑ دو! اور کسی کے گھر سے کچھ کھایا پیا نہ کرو! جس طرح تمہارا پہلے آنا جانا تھا تم اس طرح آ جا سکتے ہو لیکن سلام کہہ کر جاؤ اجازت طلب کر کرے جاؤ کھانے پینے کی ممانعت نہیں اس طرح اگر بے تکلفی کے ساتھ کسی محتاج کو ساتھ لے جاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ موقع ملے تو تم اکٹھے بیٹھ کر کھا سکتے ہو علیحدہ بھی کھا سکتے ہو، وہ معاشرہ اس طرح سے ہے اُسکی ممانعت نہیں کی گئی لیکن یہ تمہیں بتادیا گیا کہ اجازت لے کر جاؤ باقی جاسکتے ہو بے تکلفی بھی ہونی چاہیے، بے تکلفی سے کھا سکتے ہو جس طرح پہلے تم کھاتے تھے اور آج بھی مسئلہ یہی ہے کہ اگر آپ کا کسی کے ساتھ کوئی تعلق ہے رشتہ داری کی بنا پر یا محبت اور دوستی کی بناء پر کہ آپ اس کے گھر جائیں اور جا کر کسی چیز کو اٹھا کر کھائیں وہ بُرا نہ محسوس کرے بلکہ وہ خوش ہو کہ دیکھو! میرے ساتھ بے تکلفی کی اور میرے گھر آ گئے اور آ کے اس طرح سے کھا گئے، تو وہاں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بلا اجازت بھی انسان کھا سکتا ہے لیکن اگر ماحول ایسا ہو جیسے کہ اب اکثر ہوتا جارہا ہے کوئی کسی کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوتا ہر کوئی ایک دوسرے سے بخیل ہوتا جارہا ہے، کوئی کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ کوئی دوسرا اس کی چیز کو اٹھا کر کھالے چاہے وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، چاہے کوئی دوست ہو تو جہاں ناگواری محسوس ہو وہاں اجازت نہیں ہے تو دلالت حال کے ساتھ رضا معلوم ہو جائے تو ان گھروں میں جا کر انسانوں سے پوچھے بغیر بھی کھا پی سکتا ہے اور اگر دلالتاً معلوم ہو جائے کہ اجازت نہیں ہے تو ایسی صورت میں پھر صراحتاً اجازت لئے بغیر انسان کو دوسرے گھر میں جا کر تصرف نہیں کرنا چاہیے۔

مشترکہ چیز کے استعمال میں احتیاط:۔

ان آیات پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے! ''اعمٰی'' اندھا ہو گیا ''اعرج'' لنگڑا ہو گیا ''مریض'' بیمار ہو گیا انکا ذکر کردیا گیا کہ یہ لوگ دوسروں کے ساتھ مل کر کھانے سے احتیاط کرنے لگ گئے تھے یا دوسرے لوگ ان کے ساتھ مل

کر کھانے سے احتیاط کرنے لگ گئے تھے تو جب مشترکہ چیز ہو مل کر بیٹھیں گے ممکن ہے یہ اس طرح سے نہ کھا سکیں گے جس طرح سے کہ ہم کھاتے ہیں، اندھے کو اچھی اچھی چیز نظر نہیں آتی اور ہم اچھی اچھی چیز اٹھا کر کھا جائیں گے، لنگڑے کو بیٹھنے میں تکلف ہوتا ہے، مریض پوری طرح سے نہیں کھا سکتا، اور ان لوگوں کے دلوں میں خیال آ سکتا تھا کہ ہم ان کے ساتھ مل کر نہ کھائیں شاید لوگ بُرا محسوس کرتے ہیں یا ہمیں جو لوگ محتاج سمجھ کر گھروں میں لے جاتے تھے تو شاید گھر والے اچھا نہ سمجھیں! تو یہ بھی اپنی جگہ کچھ محتاط سے ہو گئے تھے اس لئے صراحتاً انکا ذکر کر دیا گیا ان پر بھی کوئی حرج نہیں ہے اور تم پر بھی کوئی حرج نہیں ہے، تم اپنے گھروں سے جا کر کھا سکتے ہو اپنے گھروں میں بیویوں کے گھر میں بھی شامل ہیں اور اپنے آبا کے گھروں سے جا کر کھا سکتے ہو کیونکہ باپ کی ملکیت تم سے علیحدہ ہو سکتی ہے کہ باپ کا مکان علیحدہ ہے تمہارا مکان علیحدہ ہے، اور ماؤں کے گھروں سے، بھائیوں کے گھروں سے، بہنوں کے گھروں سے، ماموؤں کے گھروں سے، ماسیوں کے گھروں سے، چچاؤں کے گھروں سے، پھوپھیوں کے گھروں سے، جن کی چابیاں تمہارے پاس ہیں کوئی شخص جاتے ہوئے اپنے مکان کی چابی بے تکلفی کے ساتھ تمہارے ہاتھ میں دے گیا یہ اعتماد کی علامت ہے۔

تو استعمال کی چیز اگر گھر میں پڑی ہو تو آپ پوچھے بغیر چیز کو استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ اس وقت اس کی وسعت تھی لیکن اگر دلالت سے معلوم ہو کہ چابی اگر چہ دے گئے ہیں لیکن بعد میں آ کر دیکھا کہ کوئی اور چیز غائب ہے تو آتے ہی ناراضگی ہوگئی کہ اس کو کیوں استعمال کیا ہے! تو ایسے وقت میں پھر استعمال نہیں کرنا چاہیے دلالتاً یہ معلوم ہو کہ اس کا استعمال ان کو ناگوار نہیں تو وہ چیز اٹھا کے استعمال کر سکتے ہیں۔

غریب ویتیم بچوں کی تولیت اور ان کے مال کے استعمال میں احتیاط:۔

ماملکتم مفاتحہ ان کے اندر یہ بھی آ سکتا ہے کہ جن کی تولیت تمہیں حاصل ہے جیسے کہ وہ غریب بچے یتیم بچے جو تمہاری تولیت میں ہیں ان کے گھروں کی چابیاں تمہارے پاس ہیں قرآن کریم میں ہی مسئلہ صراحتاً ذکر کیا، سورۃ نساء میں وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ① کہ اگر یتیم جو تمہاری تولیت میں ہے اور تمہارا اپنا گزارہ ہے۔ ضرورت کی چیز تمہارے پاس موجود ہے پھر تو تم خدمت

① پارہ نمبر ۴ سورۃ نمبر ۴ آیت نمبر ۶ ص ۱۷

کے طور پر معاوضے میں اس سے کچھ نہ لو جو کوئی غنی ہے تو اس سے بھی کچھ نہ لو، یتیم کے مال سے کچھ نہ کھائے خدمت کا معاوضہ بھی نہ لے لیکن اگر کوئی ضرورت مند ہے وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ اس صورت میں بقدر ضرورت وہ لے سکتا ہے اس مسئلے کی وضاحت آپ کے سامنے اس آیت کے تحت آ گئی تھی تو ملکتم مفاتحہ میں یہ بھی شامل ہوسکتا ہے کہ جو تمہاری تولیت میں ہیں جن کی چابیاں تمہارے پاس ہیں، اور تم ان کی خدمت کرتے ہو ان کے ولی ہو تو اس خدمت اور ولایت کے معاوضے میں تمہیں کھانے کی اجازت ہے۔ تو اس طرح سے بھی کھا سکتے ہو جن کی چابیاں تمہارے سپرد ہیں اور وہ بات جو ہے کہ اعتماد کر کے مکان کی چابی آپ کو دے گیا تو اس کی عدم موجودگی میں کوئی قابل استعمال چیز پڑی ہو اور آپ سمجھتے ہیں کہ اس کے استعمال سے اس کو ناگواری نہیں ہوگی تو وہ بھی لے سکتے ہو۔

دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں احتیاط:۔

اور اس طرح دوستوں کے گھروں سے اور اگر اکھٹے مل کر کھاؤ تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اور علیحدہ علیحدہ کھالو تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس قسم کے شک میں نہ پڑو کہ اکھٹے کھائیں گے......؟ تو کون زیادہ کھائے اور کون کم کھائے......؟ لیکن اس بارے میں دیکھیں......! اتنا انسان کے اندر قلبی طور پر غناء ہونی چاہیے کہ دل سے یہ وسعت ہو کہ دوسرا شخص اگر زیادہ کھا گیا تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر تنگی ہے اور انسان یہ جھانکتا ہے کہ دوسرا شخص زیادہ کھا رہا ہے تو مجھے ناگوار گزر رہا ہے تو ایسی صورت میں یہ مشترکہ چیز اکٹھی نہیں کھانی چاہیے، پھر تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ کھانی چاہیے اگر دلوں میں تنگی ہے اور اگر دل میں یہ خیال آئے کہ اکھٹے بیٹھ کر کھائیں تو میں زیادہ کوشش کروں کہ زیادہ کھاؤں اور دوسرا زیادہ نہ کھا سکے، تو ایسے میں بھی پھر دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر نہیں کھانا چاہیے آپ زیادہ کھائیں یا نہ کھائیں تو قصد کے لحاظ سے آپ ظالم بن گئے کہ آپ کا جذبہ یہی ہے کہ میں اچھی چیز کھالوں اور زیادہ کھالوں جلدی جلدی کھالوں، اگر یہ جذبات نہیں بلکہ دلوں کے اندر وسعت ہے کہ کوئی زیادہ کھا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اکھٹے بیٹھ کر کھاؤ! تو مثلاً انگور ہوں تو ایک ایک کر کے انگور اٹھاؤ اگر دو دو اٹھاؤ گے، تو پھر رُفقاء سے اجازت لینی چاہیے کھجور ہیں تو ایک ایک کھجور اٹھاؤ باقی

ساتھی ایک کھجور اٹھا رہے ہیں اور تم دو دو اٹھا کر منہ میں ڈالنا شروع کر دو یہ جائز نہیں ہے ① یہ صراحتاً حدیث شریف میں آتا ہے اس طرح دوسرے رفقاء سے اجازت لینی چاہیے، یا دلالتاً ہو کہ دوسرا بُرا نہ منائے تو ایسی صورت میں بھی کر سکتے ہیں اور اگر گھروں میں جاؤ تو سلام کہہ کر جایا کرو اپنے لوگوں کو سلام کرو یہ تحیہ ہے، یہ دعا ہے یہ مفعول مطلق ہے کہ سلام کہو سلام کہنا اللہ کی طرف سے یہ مشروع کیا گیا ہے، بڑی برکت والی چیز ہے بڑی پاکیزہ چیز ہے کہ اگر اپنے گھروں میں جاؤ تو سلام کرو **کذلك یبین اللہ** یہاں بھی تبیین کا ذکر آ گیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ وہی معاشرت کے احکام جن کا ذکر استیذ ان میں آیا تھا ان کی یہاں وضاحت کی جا رہی ہے۔

---

① سنن الترمذی، ابواب الطعام ج ۲ ص ۷

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ

سوائے اس کے نہیں کامل ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور جس وقت یہ لوگ اللہ کے

أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ

رسول کے ساتھ اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو ان سے اجازت لئے بغیر نہیں جاتے بیشک وہ لوگ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ

جو تم سے اجازت طلب کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں جب یہ لوگ آپ سے اجازت طلب کریں

شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اپنے کسی کام کی تو آپ انہیں اجازت دیدیا کریں جس کو آپ چاہیں ان میں سے اور ان کیلئے اللہ سے دعا کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ

بخشش والا اور رحم والا ہے (۶۲) اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو بلا لیا کرتے ہیں

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں لہٰذا جو لوگ اس کے حکم

عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ

کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ پکڑے (۶۳) خبردار اللہ ہی

مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ

کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس پر تم ہو اور جس دن یہ لوگ لوٹائے جائیں

إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

گے اللہ کی طرف اللہ ان کو خبر دے گا ان کاموں کی جو یہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۶۴)

تفسیر

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ: سوائے اس کے نہیں کہ کامل ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اللہ کے اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتے ہیں وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ اور جس وقت یہ لوگ اللہ کے رسول کے ساتھ ہوتے ہیں کسی امر جامع پر کسی ایسے کام پر جو لوگوں کو اکھٹا کرنے والا ہے جمع کرنے والا ہے، اس کی نسبت امر کی طرف کر دی گئی یعنی کسی ایسے کام پر ہیں جن کے لئے لوگوں کو اکٹھا کیا گیا ہے امر جامع کا یہ معنیٰ ہو گیا، کسی ایسے کام پر جس کے لئے لوگوں کو اکھٹا کیا گیا اور سبب بنا ہے لوگوں کو اکٹھا کرنے کا تو اس لئے اس کو جامع کہہ دیا لَمْ یَذْهَبُوْا وہ لوگ نہیں جاتے حتیٰ کے بعد نفی کا ترجمہ محاورۃً ہمیشہ ہوتا رہتا ہے، جب تک کہ وہ اللہ کے رسول سے اجازت نہ لے لیں۔

آداب نبوت اور منافقین کو تنبیہ:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ: بے شک جو تم سے اجازت طلب کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ جب یہ لوگ آپ سے اجازت طلب کریں لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ اپنے کسی کام کیلئے فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ پس آپ ان کو اجازت دے دیں جس کو آپ چاہیں ان میں سے یعنی جس کے لئے آپ مناسب سمجھیں! اس کو اجازت دے دیا کریں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰہَ اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کیجئے! اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس میں کچھ آپ ﷺ کے اداب ذکر کئے گئے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ بعض منافقین کو تنبیہ کرنی مقصود ہے، مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے ایسی نوبت آتی تھی کہ مشترکہ کام پیش آ گیا قومی ضرورت کے تحت مثال کے طور پر خندق کھودنی تھی تو حضور ﷺ نے سب لوگوں کو بلایا اور اکھٹا کر لیا تو یہ ہو گیا امر جامع، جس کے لیے لوگوں کو اکھٹا کیا گیا ہے ضرورت کے مطابق جب آپ بلائیں تو آگے وضاحت آئے گی اگلی آیت میں کہ جب اللہ کا رسول بلائے تو تم ان کے بلانے پر عام آدمی کے بلانے کی طرح نہ سمجھو! عام آدمی اگر بلاتا ہے۔

تو تمہاری مرضی ہے چاہے آؤ یا نہ آؤ اور اگر اللہ کا رسول بلائے تو آنا ضروری ہے، اور پھر جب تم اللہ کے

رسول کے بلائے ہوئے آئے ہو کسی مشترکہ کام کے لئے تو بغیر اجازت کے پھر واپس نہ جایا کرو منافقین کیا کرتے تھے اول تو آنے میں دیر کرتے تھے، اور اگر بلائے ہوئے آ بھی جاتے تو پھر اگر کوئی شخص حضور ﷺ کی اجازت کے ساتھ اٹھ کر جاتا تو دوسرے بھی اس کی آڑ میں چھپ کر چلے جاتے، جیسے کہ آپ نے دیکھا ہوگا یہیں آپ کے سامنے مثال ہے کہ کسی کام کیلئے طلباء کو اکٹھا کرلیا مثال کے طور پر یہاں آ ؤ لکڑیاں اٹھانی ہیں اور اینٹیں اٹھانی ہیں تو اکٹھا کرنے میں بعض اوقات آنے میں طلبہ سستی کرتے ہیں اور اگر آ گئے تو آہستہ آہستہ آنکھ بچا کر ایک دوسرے کی اوٹ سے نکل جاتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد دیکھو! تو تھوڑے سے کھڑے رہ جاتے ہیں باقی کوئی ادھر کو منتشر ہو جاتے ہیں اور کوئی دوسری طرف کو چلے گئے یہ واقعہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا......؟ یوں سمجھیں! لیکن جب اللہ کا رسول بلائے تو تم پر آنا واجب ہے، پھر اگر کسی امر جامع کے لئے اکٹھا کیا گیا ہے یعنی کوئی مشترکہ کام ہے جس کے لئے تمہیں اکٹھا کیا گیا ہے۔ تو بغیر اجازت کہ جایا نہ کرو! یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کامل مومن وہی ہیں جو کسی کام کے لئے آتے ہیں تو بغیر اجازت کے جاتے نہیں ہیں، اور جس وقت وہ اجازت طلب کریں تو آپ کی مرضی جس کو اجازت دیں اور جس کو اجازت نہ دیں اور اگر اجازت دے دیں تو ان کے لئے استغفار کریں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی اپنے لئے ایک کام کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور حقیقت میں ضروری نہ ہو اور اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اس کام کو کرنا زیادہ ضروری ہو تو یہ ایک قسم کی کوتاہی ہوسکتی ہے تو اس کوتاہی کے لئے آپ ان کے واسطے استغفار کریں اور حضور ﷺ کی مجلس کو چھوڑ کر چلے جانا اپنے کام کے لئے یہ بھی بظاہر ایک قسم کی کمی اور کوتاہی ہے تو ان کے لئے آپ استغفار کریں، جس میں بتا دیا گیا کہ جن کا یہ کردار ہے جو بلانے پر دوڑے ہوئے آتے ہیں۔ اور پھر کسی طرف جانے کی کوشش نہیں کرتے ضرورت پیش آ جائے تو صراحتاً اجازت لیتے ہیں یہ تو ہیں کامل مومن اور اس کے مقابلے میں دوسرا فریق کہ جو آنے میں سستی کرتا ہے آ جاتا ہے تو دل چسپی سے کام نہیں کرتے، بغیر اجازت کے چلے جاتے ہیں، تو معلوم ہو گیا کہ یہ کامل مومن نہیں ہیں منافق ہیں کچے ایمان والے ہیں اور یہی عادت منافقین کی تھی کہ وہ حضور ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت کے چلے جاتے تھے۔ یہ دونوں فریق یہاں آ گئے تو اجازت طلب کرنا اور اجازت لینے کے بعد جانا تو گویا یہ کمال ایمان کی علامت قرار دے دی گئی، یہی مفسرین نے لکھا ہے کہ یہی حکم ہے وقت کے حاکم کا، وقت کے امیر کا، جو بھی مسلمانوں کے معاشرے کے اندر ایسی

شخصیت ہو جب وہ قومی ضرورت کے لئے کسی کو بلائے ورثاء انبیاء کا بھی یہی درجہ ہے اور وقت کے حاکم اور امراء کا بھی یہی درجہ ہے، اس لئے قومی ضرورت کے لئے بلائیں تو آنا پڑے گا اور پھر بغیر اجازت کے جانا نہیں چاہیے ورنہ اس طرح سے پھر وہ کام درمیان میں رہ جائے گا، وہ کام ہو ہی نہیں سکتا بلائے ہوئے آؤ! اور اگر جانا ہے تو اجازت لے کر جاؤ! اگر ایسے چلے گئے تو پھر یہ اچھی علامت نہیں ہے اس میں وضاحت کی گئی حضور ﷺ کے مرتبے کی **لاتجعلوا دعاءَ الرسول** اس کا ایک ترجمہ تو یوں ہوگا دعاء یہ مصدر ہے اور رسول کی طرف اس کی اضافت مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے اس کے مطابق اس کی اضافت مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے اسی کے مطابق میں نے آپ کے سامنے تقریر کی رسول کے بلانے کو آپس میں ایسے نہ بنایا کرو جیسا کہ تمہارا بعض بعض کو بلاتا ہے۔ یعنی رسول تمہیں بلائے تو تم ایسے نہ سمجھو! جیسے تم ایک دوسرے کو بلا لیتے ہو مرضی آؤ، مرضی نہ آؤ بلکہ رسول کے بلانے پر ضرور آؤ، تو یہاں بلانے والا رسول ہوا اور دعا مصدر اس کی اضافت فاعل کی طرف ہوگئی، ترجمہ اس طرح سے ہوا، نہ کیا کرو تم رسول کے بلانے کو آپس میں مثل بلانے بعض کے بعض کو، اور دوسرا ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ دعا یہ مصدر ہے اضافت رسول کی طرف اسکی اضافت الی المفعول ہے یعنی جب تمہیں نوبت آئے کہ اللہ کے رسول کو بلاؤ اب بلانے والے تم ہو اور اللہ کا رسول مدعو ہے تو اللہ کے رسول کو بلانا تمہارا ایسا نہیں ہونا چاہیئے، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو ہم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو بے تکلفی کے ساتھ اس کا نام لے کر تڑاخ تڑاخ کہ آواز دینا شروع کر دیتے ہیں، اللہ کے رسول کو اگر بلانے کی نوبت آ جائے تو ادب سے بولا کرو، دھیمی آواز سے بولا کرو اس میں آواز زیادہ اونچی نہیں ہونی چاہیے اس میں کچھ شوخی اور گستاخی کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کو یا محمد کہہ کر نہ پکارو:۔

جس طرح سے سورتِ حُجرات میں آپ کے سامنے آئے گا **لاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض** ① اللہ کے رسول کے لئے تم جہر کے ساتھ نہ بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے کے سامنے تڑاخ تڑاخ کر بولتے ہو، اللہ کے رسول کے سامنے ایسا نہ بولا کرو اپنی آواز کو پست رکھا کرو جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں انہی لوگوں کے دل ایمان والے ہیں۔ اسی سورت حجرات میں تفصیل آئے گی

① سورۃ حجرات آیت ۲

وہاں یہ آداب ذکر کیے جائیں گے کہ اگر اللہ کا رسول گھر میں موجود ہو تو باہر سے آواز نہ دیا کرو بلکہ انتظار کیا کرو کہ جب وہ خود باہر تشریف آئیں تو پھر بات کیا کرو، اور جو حجرات کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینی شروع کر دیتے ہیں یہ بے عقل لوگ ہیں، سورت حجرات میں تفصیل آئے گی جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو اللہ کے رسول کو نام لے کر نہ پکارو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ اس طرح کسی لقب کے ساتھ خطاب کرنا چاہیے نام لے کر خطاب نہیں چاہیے بہر حال لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ میں یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے رسول کو بلانا تو یہاں یا محمد کہہ کر بلانے کی ممانعت ہو گئی اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے۔

کہ جو لکھ دیتے ہیں دیواروں کے اوپر ''یا محمد'' تو یہ بھی ادب نہیں جب اللہ تعالیٰ کو یا محمد کا لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان پر پسند نہیں آیا اور اس کو ادب کے خلاف قرار دیا گیا تو دیواروں پر کس طرح سے پسند آ سکتا ہے؟ اس لئے یہ نظموں والے نعتوں میں ''یا محمد'' اکثر شعروں میں لکھ دیتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے ادب کے خلاف ہے خطاب کی صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لینا چاہیے، بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب دینا چاہیے تو یہ ترجمہ ہو جائے گا جب مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے، نہ بناؤ تم اللہ کے رسول کے بلانے کو، مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے رسول کے تم بلاؤ تو تمہارا بلانا ایسے طور پر نہیں ہونا چاہیے جس طرح تمہارا بعض بعض کو بلاتا ہے۔ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا کھسک جانا اس میں یہ لفظ سَلَّ سے لیا گیا ہے سَلَّ السیف آہستہ آہستہ نیام سے تلوار کو کھسکانا تلوار کو جو نیام سے کھینچا جاتا ہے اس کو سَلَّ سے تعبیر کرتے ہیں اور تسلل کا معنیٰ ہوگا آہستہ آہستہ کھسک جانا اور لواذ یہ لفظ لَاذَ یَلُوْذُ مجرد سے آتا ہے الوذ، اعوذ کے معنیٰ میں کسی کی پناہ لے لینا کسی کی اوٹ میں آ جانا لَاذَ بِالشَّجَرِ درخت کی اوٹ میں آ گیا تو لِوَاذًا یہ باب مفاعلہ ہو گیا لَاوَذَ، مُلَاوَذَۃً ایک دوسرے کی اوٹ لے کر کھسک جاتے ہیں یَتَسَلَّلُوْنَ کھسک جاتے ہیں۔ لِوَاذًا ایک دوسرے کی اوٹ لیتے ہوئے جو لوگ تم میں کھسک جاتے ہیں اللہ ان کو جانتا ہے۔

اب یہ لوگ بھی معلوم تھے جیسے میں نے عرض کیا آپ کے سامنے بہر حال قرآن کریم کی ضمیریں لوٹانے میں ہمیں تو اشکال ہوتا ہے کہ یہ ضمیر کدھر لوٹ رہی ہے۔

لیکن جس معاشرے میں یہ آیات اتر رہی ہیں ان لوگوں کو پتہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے کونسے لوگ ہیں بغیر اجازت کون نہیں جاتے، شوق سے کون آتے ہیں، شوق سے کون کام کرتے ہیں وہ بھی معلوم ہوتے ہیں اور جن کی

عادت ہے اول تو آتے نہیں اگر آ جاتے ہیں تو آہستہ سے کھسک جاتے ہیں تو وہ بھی لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں تو اس میں مذمت ان کی ہو جائے گی فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ ڈرنا چاہیے ان لوگوں کو جو حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں فَلْيَحْذَرِ امر کا صیغہ آ گیا ڈرنا چاہیے ان لوگوں کو مخالفت کا صلہ یہاں آ گیا عن، اس لئے مخالفت میں یہاں صُدُوْدٌ. والا معنیٰ ہے جو اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے اس بات سے کہ انہیں کوئی فتنہ پیش آ جائے۔

اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: یا ان کے اوپر دردناک عذاب آ جائے کسی خرابی میں یہ پڑ جائیں کسی فتنے میں پڑ جائیں اس مخالفت کے اندیشے میں ان کے دلوں کی حالت خراب ہو جائے فتنے میں سب داخل ہو سکتا ہے۔ یا آ جائے ان کو عذاب الیم اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خبردار اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ہر اس حال کو جس پر کہ تم ہو وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ اور جس دن کہ یہ لوگ لوٹائے جائیں گے اللہ کی طرف فَيُنَبِّئُهُمْ پھر اللہ تعالیٰ ان کو خبر دے گا بِمَا عَمِلُوْا ان کاموں کی جو یہ کرتے ہیں وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

سُورَةُ

الْفُرْقَانِ

مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ۷۷ ۲۵ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ رکوعاتہا ۶

سورۃ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اس میں ستتر (۷۷) آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ ①

برکت والا ہے وہ جس نے اتارا فرقان کو اپنے بندے پر تا کہ ہو جائے وہ بندہ تمام جہانوں کیلئے ڈرانے والا ①

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ

برکت والا ہے وہ جس کیلئے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں اختیار کی اس نے اولاد اور نہیں ہے

لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ②

اس کے لئے کوئی شریک سلطنت میں اور پیدا کیا اس نے ہر شے کو پھر اس کا اندازہ کیا ایک خاص اندازہ کرنا ②

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ

اختیار کیے ان لوگوں نے اس اللہ کے علاوہ اور معبود۔ نہیں پیدا کرتے وہ الٰہ کسی کو اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً

اور نہیں وہ اختیار رکھتے اپنے نفسوں کیلئے نقصان دور ہٹانے کا اور نفع کے حاصل کرنے کا اور نہیں ہیں وہ مالک موت کے اور نہ زندگی کے

وَّلَا نُشُوْرًا ③ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ

اور نہ دوبارہ اٹھنے کے ③ اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے یہ قرآن مگر جھوٹ۔ گھڑ لیا ہے اس رسول نے

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ ④

اور مدد کی ہے اس رسول کی اس قرآن کے بنانے پر کچھ اور لوگوں نے تحقیق انہوں نے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے ④

وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی حکایتیں ہیں اس بندے نے ان حکایات کو لکھوادیا ہے اور اور صبح وشام وہی اس کے سامنے پڑھ کر

اَصِيْلًا ۝٥ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

سنائی جاتی ہیں ⑤ آپ کہہ دیجئے! کہ اتارا اس قرآن کو اس نے جو جانتا ہے جو کچھ چھپی ہوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٦ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ

بیشک وہ بخشش والا اور رحم کرنے والا ہے ⑥ اور یہ مشرک کہتے ہیں کیسا ہے یہ رسول

يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ

جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہیں اتارا گیا اس کی طرف فرشتہ پس وہ ہوتا

مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝٧ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ

اس کے ساتھ ڈرانے والا ⑦ کیوں نہیں ڈالا جاتا خزانہ اس کی طرف یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے یہ کھاتا

وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝٨ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا

اور یہ ظالم کہتے ہیں کہ نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر اس آدمی کی جس پر جادو ہوگیا ہے ⑧ دیکھ تو کیسے بیان کرتے ہیں

لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝٩ ع

تمہارے لئے مثالیں پس وہ بھٹک گئے پس وہ نہیں طاقت رکھتے راستے کی ⑨

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ

برکت والا ہے وہ جو اگر چاہے تو بنادے تیرے لیے بہتر اس سے جو کچھ یہ کہتے ہیں یعنی

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝١٠ بَلْ كَذَّبُوْا

باغات جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور بنادے تیرے لئے محلات ⑩ بلکہ لوگوں نے قیامت

بِالسَّاعَةِ ۖ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا

کی تکذیب کی اور ہم نے تیار کیا اس شخص کیلئے جس نے قیامت کو جھٹلایا بھڑکتی ہوئی آگ کو ⑪ جس وقت

رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾

آگ انہیں دیکھے گی دور کی جگہ سے تو یہ لوگ اس کے بپھرنے اور پھنکارنے کی آوازیں سنیں گے ⑫

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾

اور جب ڈال دیئے جائیں گے اس جہنم کی ایک تنگ جگہ میں اس حال میں کہ وہ جکڑے ہوئے ہونگے پکاریں گے وہ وہاں ہلاکت کو ⑬

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ

انہیں کہا جائیگا کہ آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو ⑭ آپ انہیں کہہ دیجئے

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشگی کا باغ جسکا وعدہ کیے گئے ہیں متقی لوگ وہ باغ ان کیلئے بدلہ اور لوٹنے کی جگہ ہے ⑮

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

ان متقی لوگوں کیلئے اس باغ میں وہ چیز ہوگی جسکو وہ چاہیں گے ہمیشہ رہنے والے ہونگے یہ تیرے رب کے ذمہ وعدہ ہے جسکے متعلق سوال کیا جائیگا ⑯

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ

اور جس دن کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کریگا اور ان چیزوں کو جمع کریگا جن کی یہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے علاوہ

اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

پھر اللہ تعالیٰ کہے گا ان معبودوں کو خطاب کر کے کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی راستہ سے بھٹک گئے تھے ⑰ وہ معبود کہیں گے اے اللہ!

مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ

تو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم تیرے علاوہ اولیاء کارساز بناتے لیکن ہوا یہ کہ

مَتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ
آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کا سازوسامان دیا یہاں تک کہ جو بات یاد رکھنی تھی یہ اسے بھلا بیٹھے اور یہ خود برباد ہو کر رہ گئے ﴿۱۸﴾ پھر
كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ
اللہ فرمائے گا کہ ان معبودوں نے تمہاری تکذیب کردی ان باتوں میں جو تم کہتے تھے پس نہیں طاقت رکھو گے تم صرف کی اور نہ مدد کی اور جس
يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ
شخص نے تم میں سے ظلم کا ارتکاب کیا ہم انہیں بڑا عذاب چکھائیں گے ﴿۱۹﴾ نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے
الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ
رسولوں میں سے کوئی رسول مگر وہ سارے کے سارے کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع
ان میں سے بعض کو بعض کیلئے آزمائش کا ذریعہ بنایا بتاؤ کیا صبر کرو گے؟ اور تیرا رب دیکھنے والا ہے ﴿۲۰﴾

تفسیر

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ. تبرک یہ لفظ برکت سے لیا گیا ہے اور برکت کہتے ہیں خیر کثیر کو آپ جو کہا کرتے ہیں کہ فلاں چیز بڑی برکت والی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سے ہمیں بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ہمارے لئے خیر کثیر کا باعث ہے تَبٰرَكَ الَّذِىْ برکت والا ہے وہ جس نے اتارا فرقان کو اپنے بندے پر، فرقان سے مراد قرآن کریم ہے اور فرقان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فارقٌ بین الحق و الباطل جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اپنے بندے پر، بندے سے یہاں مراد حضور ﷺ ہیں لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا تا کہ ہو جائے وہ بندہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہی تَبٰرَكَ الَّذِىْ کے ساتھ اس کا تعلق ہے، برکت والا ہے وہ جس کے لئے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں اختیار کی اس نے اولاد اور نہیں ہے اس کے لئے کوئی شریک سلطنت میں، پیدا کیا اس نے، ہر شئے کو فقدرہ تقدیرا پھر اس کا اندازہ کیا ایک خاص اندازہ کرنا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اختیار کئے ان لوگوں نے اس اللہ کے علاوہ اور معبود

الھہ الہ کی جمع لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا نہیں پیدا کرتے وہ الھہ کسی شئے کو وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں خود مخلوق ہیں وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ اور نہیں وہ اختیار رکھتے اپنے نفسوں کے لئے ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا نقصان دور ہٹانے کا اور نفع کے حاصل کرنے کا ''ضرا'' کے اوپر مضاف محذوف نکلے گا دَفْعَ ضَرٍّ اور نَفْعًا کے اوپر مضاف محذوف نکلے گا حُصُوْلِ نَفْعٍ وہ اپنے نفسوں کے لئے نقصان دور ہٹانے کا اختیار رکھتے ہیں نہ نفع کے حاصل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

ویسے حاصل ترجمہ اس طرح سے بھی ٹھیک ہے کہ اپنے نفسوں کے لیے وہ نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا اور نہیں ہیں وہ مالک موت کے، اور نہ زندگی کے، اور نہ دوبارہ اٹھنے کے۔ نشور لازم بھی ہوتا ہے اور اگر متعدی کے طور پر ترجمہ کیا جائے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ دوبارہ زندہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے نہ موت پر انکا کوئی اختیار ہے اور نہ ہی زندگی پر نہ اپنا مرنا جینا ان کے اختیار میں ہے، اور نہ ہی کسی دوسرے کی موت اور زندگی ان کے اختیار میں ہے، نہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ان کے اختیار میں ہے نہ کسی دوسرے کو اٹھالینا ان کے اختیار میں ہے وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اِنْ هٰذَآ ھذا کا اشارہ فرقان کی طرف ہے، نہیں ہے یہ قرآن، یہ فرقان یہ اتاری ہوئی چیز جو اللہ نے اتاری اپنے بندے پر جس کو بندہ پڑھ کر سناتا ہے، نہیں ہے یہ مگر جھوٹ۔ گھڑ لیا اس رسول نے اس کو وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ اور مدد کی ہے اس رسول کی اس قرآن کے بنانے پر کچھ اور لوگوں نے فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا جاء یَجِیْءُ آنا اور جاء یہ فعل اور ارتکاب کے معنیٰ میں بھی ہوتا ہے، تو یہاں یہی ترجمہ کریں گے بے شک ان لوگوں نے ارتکاب کیا ظلم کا اور جھوٹ کا ''قد'' تاکید کے لئے ہے پس تحقیق انہوں نے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا زُور جھوٹ کو کہتے ہیں ظلم شرک کے معنیٰ میں بھی ہوتا ہے۔ گویا کہ یہ اپنی نظریات میں جھوٹ بھی ہیں اور اپنے اقوال میں بھی جھوٹے ہیں وقالوا اور یہ لوگ کہتے ہیں۔

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہ یہ جو کچھ پڑھ کر سنا رہا ہے جس کو کہتا ہے کہ اللہ کی کتاب ہے اور قرآن ہے یہ تو پہلے لوگوں کی حکایتیں ہیں جو منقول چلی آ رہی ہیں آساطیر اُسْطُوْرَةٌ کی جمع ہے اُسْطُوْرَةٌ اس کو کہتے ہیں جو بات منقول ہوتی چلی آ رہی ہو۔ اكْتَتَبَهَا اس بندے نے ان حکایات کو لکھوالیا ہے اکتتب دوسرے سے کہنا کہ مجھے تو لکھ دے لکھوالیا ہے اس نے ان حکایتوں کو فھی تملی علیه پس وہی حکایتیں املا کی جاتی ہیں اس پر املا

لکھوانے کو کہتے ہیں لکھوائی جاتی ہے اس پر یعنی پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے اور اس کے سامنے ہی لوگوں کو لکھوائی جاتی ہیں اس پر وہ حکایات بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا صبح وشام۔ اور یہاں تُمْلٰى کے معنی میں بھی آ سکتا ہے کہ وہ وہی حکایات اس پر ڈالی جاتی ہیں صبح وشام یا اس کے سامنے لکھوائی جاتی ہیں پڑھی جاتی ہیں قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آپ کہہ دیجئے کہ اتارا اس قرآن کو اس نے جو جانتا ہے۔

جو کچھ چھپا ہوا ہے آسمانوں میں اور زمین میں پس بے شک وہ بخشش والا اور رحم کرنے والا ہے اور یہ مشرک کہتے ہیں مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ اس رسول کو کیا ہو گیا......؟ یہ کیسا رسول ہے......؟ يَاْكُلُ الطَّعَامَ کھانا کھاتا ہے وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ اور بازاروں میں چلتا ہے اسواق یہ سُوْقٌ کی جمع ہے لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ کیوں نہیں اتارا گیا اس کی طرف فرشتہ......؟ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا پس ہوتا اس کے ساتھ ڈرانے والا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ یہ بھی ''لولا'' کے نیچے داخل ہے، کیوں نہیں ڈالا جاتا اس کی طرف خزانہ يَّاْكُلُ مِنْهَا یہ اس سے کھاتا رہتا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اور یہ ظالم لوگ کہتے ہیں اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا تَتَّبِعُوْنَ کا خطاب اہل ایمان کو ہے، یہ ظالم کہتے ہیں کہ نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر اس آدمی کی جو کہ مخبوط الحواس ہے، مسحور کا لفظ یہ سحر سے لیا گیا ہے سحر کہتے ہیں جادو کو مسحور ہیں، جس پر جادو کیا گیا ہو مطلب ان کا یہ ہے کہ کسی نے ان کے اوپر جادو کر کے ان کی عقل کو خراب کر دیا مخبوط الحواس ہو گیا ہے اس لئے یہ ایسی باتیں کرتا ہے، تو تم مخبوط الحواس کے پیچھے کیوں لگتے ہو جس کی اپنی عقل ٹھکانے نہیں بہکی باتیں کرتا ہے اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ کیسے بیان کرتے ہیں۔ تمہارے لئے مثالیں فضلوا پس وہ بھٹک گئے فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا پس وہ نہیں طاقت رکھتے راستے کی تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ برکت والا ہے وہ جو اگر چاہے تو بنا دے تیرے لئے بہتر اس سے جو کچھ یہ کہتے ہیں کہ اس کے لئے باغ ہو تو تیرے لئے اس بھی بہتر بنا دے باغات جس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا اور بنا دے تیرے لئے محلات قصور قصر کی جمع بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا اور ہم نے تیار کیا اس شخص کے لئے جس نے قیامت کو جھٹلایا بھڑکتی ہوئی آگ کو سَعِيْرًا آگ کو کہتے ہیں اِذَا رَاَتْهُمْ جس وقت آگ انہیں دیکھے گی مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ دور کی جگہ سے سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا

تغیظ غصے میں آنا اور زفیر یہ چیخنے چلانے کو کہتے ہیں لھم فیھا زفیر و شھیق ① جیسے سورۃ ھود میں لفظ آتا تھا یہ اصل میں گدھے کی طرح آواز نکالنے کو کہتے ہیں، جیسے گدھا پورا زور لگا کر چیختا چلاتا ہے تغیظ غصے میں آنے کو کہتے ہیں دونوں کا حاصل یہ ہے کہ سنیں گے یہ اس جہنم کے لئے جوش وخروش یہ اس کا حاصل ترجمہ ہوجائے گا مطلب یہ ہے کہ غصے میں آئی ہوئی ہو جیسے بھرتی ہے ایک چیز غصے میں آ کر تو اس کے بھرنے سے بھی آواز پیدا ہوتی ہے۔

جس طرح سے سانپ خراٹے مارتا ہے، تو صوتِ تغیظ مراد ہے غصے اور جوش میں آنے کے ساتھ جو آواز پیدا ہوتی ہے تو حاصل ترجمہ یہ ہوجائے گا کہ سنیں گے اس کیلئے جوش وخروش، آپ نے دیکھا ہوگا کبھی جس وقت آپ تندور کو جلاتے ہیں جس وقت وہ جلتا ہے تو کس طرح آواز آتی ہے وہی اس کے جوش کی آواز ہوتی ہے وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا اور جب ڈال دیئے جائیں گے اس جہنم سے ایک تنگ جگہ میں یعنی خود تو جہنم بہت بڑی ہے جس طرح سے جیل بڑی ہوتی ہے لیکن جس قیدی کو سزا دینی مقصود ہوتی ہے تو اس کو ایک تنگ کوٹھڑی میں ڈال دیتے ہیں، تو یہاں مکان ضیق سے جہنم کی تنگ جگہ مراد ہے لیکن خود جہنم فراخ ہے لیکن ہر کافر اور مشرک کے لئے تنگ کوٹھڑی ہوگی جب وہ اس تنگ کوٹھڑی میں ڈال دیئے جائیں گے "مقرنین" اس حال میں کہ وہ جکڑے ہوئے ہوں گے دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا پکاریں گے وہ وہاں ہلاکت کو۔ موت کو پکاریں گے کہ ہم مرجائیں لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا لا تدعوا سے پہلے یقال لفظ محذوف نکالا جائے گا انہیں کہا جائے گا آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی ہلاکت کو اور بہت سی موت کو پکارو۔ قل آپ انہیں کہہ دیجئے اَذٰلِكَ خَيْرٌ یہ مصیبت جس کی نشاندہی کی گئی ہے کیا یہ بہتر ہے یا ہیشگی کا باغ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ جس کا وعدہ کیے گئے ہیں متقی لوگ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا وہ باغ ان کے لئے بدلہ ہے اور لوٹنے کی جگہ ہے لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ان متقی لوگوں کے لئے اس باغ میں وہ چیز ہوگی جس کو وہ چاہیں گے "خٰلِدِيْنَ" ہمیشہ رہنے والے ہوں گے كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا یہ تیرے رب کے ذمے وعدہ ہے مَّسْئُوْلًا جس کے متعلق سوال کیا جائے گا، وعدہ پورا کرنے کیلئے کہا جائے گا جو مانگنے کے قابل

---

① سورۃ ھود، آیت ۱۰۶

ہے جس کے متعلق سوال کرنا چاہیے، یہ وعدہ مسئول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے ساتھ یہ وعدہ کیا فضل و کرم کے ساتھ ہی اس نے اپنے آپ کو وعدے کا مسئول ٹھہرایا کہ تم اس سے مانگو جو میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔

تم مجھ سے مانگو میں وہ وعدہ پورا کردوں جیسے کہ آل عمران کے آخری رکوع میں الفاظ آئے تھے، اے اللہ! تو دے دے ہمیں وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے یہی اس کے مسئول ہونے کا مطلب ہے وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ اور جس دن کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا اور ان چیزوں کو جمع کرے گا جن کی یہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے علاوہ فَیَقُوْلُ پھر اللہ تعالیٰ کہے گا ان معبودوں کو خطاب کر کے ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یہ معبودوں کو خطاب ہے اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ یا وہ خود ہی راستہ سے بھٹک گئے قالوا وہ معبود کہیں گے سُبْحٰنَكَ اے اللہ! تو تو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے ہم تیرے علاوہ اولیاء کو کارساز بناتے تیری یہ شان نہیں ہے تو ہم کس طرح سے کہہ سکتے تھے کہ ہم کارساز ہیں ہمیں کارساز سمجھو!۔

یہ حاصل ہے اس کا کہ پاک ہے تو اس بات سے کہ ہم اختیار کرتے تیرے علاوہ کوئی اور کارساز مَتَّعْتَهُمْ لیکن تو نے انہیں فائدہ دیا اور ان کے آباؤ و اجداد کو فائدہ دیا اتنا خوش حال کیا حَتّٰی نَسُوا الذِّكْرَ کہ یہ تیری یاد ہی بھول گئے بھول گئے تجھے یاد کرنا نَسُوا الذِّكْرَ نصیحت کو بھول گئے اور تجھے یاد کرنا ہی بھول گئے چاہیے تو یہ تھا کہ زیادہ عیش و عشرت میں رہ کر شکر ادا کرتے، لیکن یہ عیش و عشرت ان کے لئے تجھ سے غفلت کا باعث بن گئی وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا بورا یہ بائر کی جمع ہے بار یبورا ہلاک ہونا اور یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں یرجون تجارة لَنْ تَبُوْرَ میں دوسری جگہ تبوز کا لفظ بھی آیا ہوا ہے ایسی تجارت جو کبھی گھاٹے میں نہیں جائے گی برباد نہیں ہوگی فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ پھر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ ان معبودوں نے تمہاری تکذیب کردی بِمَا تَقُوْلُوْنَ ان باتوں میں جو تم کہتے تھے فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا پس نہیں طاقت رکھو گے تم صرف کی اور نہ نصر کی صرف کا معنیٰ اپنے آپ سے عذاب پھیر دینا اور نصر کا معنیٰ مدد کرنا، نہ تم ایک دوسرے سے عذاب کو ہٹا سکتے ہو اور نہ ہی ایک دوسرے کی مدد

کر سکتے ہو وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ اور جس شخص نے تم میں سے ظلم کیا ظلم سے مراد شرک ہے عَذَابًا كَبِيْرًا ہم انہیں بڑا عذاب چکھائیں گے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے رسولوں میں سے کوئی رسول اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ مگر وہ سارے کے سارے کھانا کھاتے تھے وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ان میں سے بعض کو بعض کیلئے آزمائش کا ذریعہ بنایا فتنہ آزمائش کو کہتے ہیں اَتَصْبِرُوْنَ صبر کرتے ہو؟ یعنی تمہیں صبر کرنا چاہیے وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا اور تیرا رب دیکھنے والا ہے۔

مکی سورتوں کے مضامین:۔

یہ سورہ فرقان مکی ہے بارہا آپ کی خدمت میں عرض کیا جاچکا کہ مکی سورہ میں اصول کا ذکر ہوتا فروعی احکام نہیں ہوتے، اور اصول میں اثبات توحید، اثبات رسالت، اور اثبات معاد یہ تین چیزیں ہیں اور ان کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوئے ردشرک اور رسالت کے متعلق ان کے جو شبہات تھے ان کا جواب اور معاد کے متعلق جو شبہات تھے ان کا جواب بھی دیا جاتا ہے۔ ترجمہ سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ ان آیات میں بھی یہی مضامین ہیں۔

مقام عبدیت:۔

سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کو بابرکت ٹھہرایا تو خیر کثیر کا منبع اسی میں ہے جب کسی کو بھلائی حاصل ہوتی ہے تو اسی کی ذات سے حاصل ہوتی ہے اور یہ بندوں کو بھلائی پہنچانے کی ایک صورت ہے کہ حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی سورت اس نے اتاردی اور اپنے خاص بندے پر اتاری، قرآن کریم کے اتارنے کا ذکر جب بھی اللہ تعالیٰ نے کیا تو سرور کائنات ﷺ کو عبد کے عنوان سے ذکر فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ① جس سے معلوم ہوگیا کہ عبدیت ہی ایک اعلیٰ مقام ہے جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض نازل ہوتا ہے سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ ② پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو، معراج والا

---

① پارہ نمبر ا سورۃ نمبر ۲ آیت نمبر ۲۳ ص ۵

② پارہ نمبر ۱۵ سورۃ نمبر ۱۷ آیت نمبر ا ص ۲۵۵

کمال عطا کیا تو وہاں بھی عبد والا لفظ ذکر فرمایا قرآن کریم کا کمال عطا کیا، تو اس کو بھی عبد کے ساتھ ذکر فرمایا اپنے بندے کو لے گیا تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا یہ بھی بہت بڑا کمال ہے۔

حدِ تعریف:۔

اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسے طور پر تعریف نہ کریں جیسے عیسائیوں نے ابن مریم کی تعریف کی تھی، لَاتُطْرُوْنِیْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ① میں اللہ کا بندہ ہوں ایسی تعریف نہ میری کریں کہ مجھے حد سے بڑھا کے تم مجھے اُلوھیت میں لے جانا، پس یہ کہا کرو قولوا عبدالله ورسوله میں اللہ کا بندہ بھی ہوں اور اسکا رسول بھی ہوں، یہ تعریف کرنے کی وہ حد یں اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیں اور رسول اللہ ﷺ نے کہ حد اس طرح ہے تعریف کرنے کی، کہ نہ تو ایسی کوئی بات کہو جو عبدیت کے منافی ہے اور وہ الوھیت کی طرف لیجانے والی ہو، اور نہ تو ایسی بات کہو جو شان رسالت کے منافی ہے، ان دونوں باتوں کی رعایت رکھو! اس رعایت رکھنے کے بعد آپ جو چاہیں آپ ﷺ کی تعریف کر سکتے ہیں عبدیت اور رسالت کے منافی کوئی بات منسوب نہیں کرنی چاہیے۔

حضور ﷺ تمام جہانوں کے رسول ہیں:۔

اتارا اس لئے تا کہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو جائے، جس سے معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کی نبوت رسالت کسی ایک طبقے کے یا کسی ایک ملک کے ساتھ تعلق نہیں رکھتی، آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رسول ہیں۔

اللہ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے:۔

آگے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ذکر فرمائی کہ زمین و آسمان کی سلطنت اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسی سلطنت میں وحدہ لاشریک ہے، اسی کا قبضہ ہے کوئی دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں، نہ ہی اس کی اولاد ہے، جس طرح انسان کی اولاد بھی اس مملکت کے اندر کچھ نہ کچھ اختیار رکھا کرتی ہے یا کم از کم اپنے باپ سے کوئی بات منوالیتی ہے اللہ تعالیٰ کی اولاد بھی کوئی نہیں اور برابر کا دوسرا کوئی شریک بھی نہیں، وہی ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا صحیح اندازہ

① (جامع معمر بن راشد ج ۱۱ ص ۲۷۳ باب المدح مطبوعہ بیروت/ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰/ مسند الحمیدی ج ۱ ص ۱۶۲/ مسند ابی یعلیٰ ج ۱ ص ۱۴۲/ صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۱۴۷/ مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۵)۔

کرنے والا ہے پیدا کرنے کے ساتھ کہ یہ چیز کیسی ہونی چاہیے......؟اور اس میں کیسی کیسی حکمتیں ہونی چاہیں......؟جس مقصد کے لئے اسے بنایا جارہا ہے۔اس مقصد میں اس کی صورت اس کی شکل اس کی استعداد کیسی ہونا چاہیے؟خلق کا مفہوم یہ ہے کہ کسی معدوم کو موجود کردیا،اور تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ پھر اس میں ہر چیز کی مناسبت کی رعایت رکھ دی تو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ کیا اور اس میں رسالت کا ذکر بھی آ گیا اور دلیل رسالت یعنی قرآن کریم کا نزول بھی ہوگیا اور توحید کا تذکرہ بھی آ گیا۔

معبودانِ باطلہ بے اختیار ہیں:۔

آگے مشرکین کے اوپر رد ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود بنالیے ان میں خالق کوئی نہیں، پیدا کرنے کی صلاحیت کوئی نہیں، بلکہ الٹا وہ مخلوق ہیں، جب خالق نہیں مخلوق ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے شریک کیسے ہوسکتے ہیں......؟اور وہ آلھہ کس طرح سے ہوگئے......؟اللہ تعالیٰ کا تَبَارَکَ کے لفظ میں جس طرح سے ذکر ہوا ہر قسم کے خیر کا مالک ہے، ہر قسم کے اختیارات اور تصرفات اس کو حاصل ہیں،جن کو یہ معبود بنائے بیٹھے ہیں یہ تو اپنے نفسوں کے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے کسی دوسرے کے لئے تو کیا ہوگا......؟جیسے حضور ﷺ سے خود اعلان کروایا گیا سورۃ جن میں بھی ہے اور دوسرا جگہ **لا ملك لنفسي ضرا و لا نفعاً** ① کہ میں تو اپنے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے جو اللہ چاہے یعنی جتنا مجھے اللہ کی طرف سے حاصل ہوا اتنا ہی حاصل ہوتا ہے میں اپنی ذات کا اللہ کے علاوہ نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا موت حیات بھی انکے ہاتھ میں نہیں ہے، اللہ نے زندہ کیا تو زندہ ہوگیا اور موت دی تو مر گئے،اور اس طرح دوبارہ زندہ ہونا بھی ان کے اختیار میں نہیں ہے ایسے ہی ان کیلئے کسی دوسرے کی موت حیات کا اختیار نہیں۔جس طرح تم اللہ کے محتاج ہو اس طرح یہ بھی اللہ کے محتاج ہیں تو یہ رد شرک ہوگیا۔

مشرکین مکہ کے قرآن کریم پر اعتراضات:۔

آگے قرآن کریم کے متعلق جو بکتے تھے اور بُرے بُرے لفظ بولتے تھے اس کا حاصل یہ ہے، کہتے تھے کہ یہ قرآن جھوٹ ہے جس کو اس نے گھڑ لیا، اب جب حضور ﷺ کی طرف اس بات کی نسبت کرتے کہ یہ اس

① سورۃ یونس، آیت ۴۹

نے بنایا ہے تو پھر خود بخود ان کو اشکال ہوتا کہ اس میں پہلی امتوں کے حالات اور پھر صحیح حالات، انبیاء علیہم السلام کے تذکرے بھی آ گئے ہیں یہ محمد ﷺ جو اس بات کو ہمارے سامنے پیش کرنے والے ہیں، تو یہ نہ تو پڑھے نہ لکھے اور نہ کسی علمی مجلس میں بیٹھے تو ایسا آدمی جو خود اَن پڑھ ہے تو یہ خود کیسے بنا سکتا ہے......؟ تو اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے ساتھ یہ شوشا چھوڑ دیا کہ کچھ اور لوگ بھی اس کتاب کے بنانے میں اس کے مددگار ہیں معلومات وہ دیتے ہیں اور یہ اچھے اچھے الفاظ میں ان کو بیان کر دیتا ہے اور وہ کون لوگ تھے دوسرے......؟ ہو سکتا ہے مکہ میں سے بعض اہل کتاب ہوں یا بعض غلام تھے جو آپ پر ایمان لائے اور بعد میں مانوس ہو گئے حالانکہ ان جاہلوں کو یہ پتا ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ کا جہاں تک تعلق ہے جس طرح یار دوست ان کے، اس طرح تمہارے ہیں۔ جتنے وسائل ان کو حاصل ہیں اس سے بڑھ کر تمہیں بھی حاصل ہیں، تو تم ان سے مل ملا کے مدد حاصل کر کے کوئی کتاب کیوں نہیں بنا لیتے......؟۔

یعنی کہتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے جس کے ساتھ وہ چلے۔ بات بنتی ہے آگے چلتی نہیں، اگر اس کو کوئی مددگار مل گئے اور ان کے ساتھ مل کر انہوں نے کتاب بنا لی تو قرآن تو کہتا ہے تم سارے دوست اور انسان اکٹھے ہو جاؤ تمہارے پاس اسباب بھی ہیں یار دوست بھی ہیں تو تم ان کے ساتھ مل کر یہ کام کیوں نہیں کر لیتے......؟ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے اور کہانیاں ہیں اور انہوں نے جو کہا اعانه علیه قوم اخرون تو یہ بہت ظلم کا ارتکاب کیا اپنے نظریات میں یہ ظالم اور مشرک ہیں آگے مختصر سا جواب اس کا دیا گیا کہ یہ لکھوائی ہوئی حکایات نہیں لوگوں کی جوڑی ہوئی نہیں بلکہ اس کو اتارا اس نے جو زمین اور آسمان کے بھیدوں کو جانتا ہے اور وہ غفور رحیم ہے جس کے متعلق تم ایسی زبانیں کھولتے ہو اور اس کے رسول کے متعلق تم ایسی زبانیں کھولتے ہو کیونکہ ایسے وہ غفور رحیم ہے اس یہ کی شان ہے۔ اس لئے تم پر جلدی گرفت نہیں کرتا۔

رسول کے متعلق مشرکین کے نظریات:۔

اور حضور ﷺ کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے کوئی رسول بھیجنا تھا تو فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے انسان کو کیوں رسول بنا کر بھیجا؟ یہ عجیب رسول ہے۔ اس کیا ہو گیا ہے......؟ یہ تو کھانا کھاتا ہے......؟ جیسے ہم کھاتے ہیں تو بازاروں میں چلتا پھرتا ہے جیسے ہم چلتے پھرتے ہیں اس لئے وہ ہر قسم کی جھوٹی باتیں گھڑتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر

یہ نبی بنا کر بھیجا گیا ہے تو یہ تو امیر ہوتا، اس کے پاس باغات ہوتے، اس کو کوئی ضرورت پیش نہ آتی جس طرح ہمیں کوئی ضرورت پیش آتی ہے، ہم اپنی ضرورت کی چیز لینے کے لئے بازاروں میں جاتے ہیں اس لئے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کی ہر بات کو جھوٹا سمجھتے تھے۔

مشرکین الزام لگانے میں بھی بھٹکے پھرتے ہیں:۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ دیکھیں! کہ آپ کے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں بھٹکے پھرتے ہیں ان کو راستہ نہیں ملتا۔ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے راستہ نہیں ملتا گمراہ ہوئے پھرتے ہیں کیونکہ راستہ ملتا ہے رسول کی وساطت سے اور رسول کے متعلق ان کے ایسے عقیدے ہیں تو یہ سیدھا راستہ کیسے پالیں......؟ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے متعلق بھٹکے پھرتے ہیں انکو قرار نہیں آتا کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں یعنی ان کا دل نہیں مانتا کہ جو کچھ آپ کے متعلق کہتے ہیں وہ باتیں صحیح ہیں کبھی شاعر کہتے ہیں کبھی جادوگر کہتے ہیں آپ پر چسپاں کرنے کے لئے بھی کوئی بات ان کو صحیح نہیں ملتی بھٹکے پھرتے ہیں اور آپ پر الزام قائم کرنے کیلئے ان کو کوئی راستہ نہیں ملتا اس لئے ایک بات پر پکے نہیں رہتے۔

انبیاء کے ساتھ روحانی قوت ہوا کرتی ہے:۔

باقی رہی یہ بات کہ جو کہتے ہیں باغ ہونا چاہیے، اگر اللہ چاہے تو اس سے بھی بہتر آپ کو دے سکتا ہے یہ تو ایک باغ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے کئی باغات دے دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور تیرے لئے محلات بنا دے یعنی آج کل کے محاورے میں مطلب یہ ہوگا کہ مکان بھی اچھے سے اچھے میسر آجائیں۔ اور ذریعہ معاش بھی اچھے سے اچھا میسر آجائے ایسا ہو سکتا ہے لیکن اللہ کی یہ حکمت نہیں۔ دنیا کے اندر انبیاء علیہم السلام کو اس طرح سے خوشحال کرنا یا اس خوشحال کرنے کے ساتھ لوگوں کے سامنے برتری ثابت کرنا یہ اللہ کی مشیت نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام جس کام کے لئے بھیجے جاتے ہیں اس کام کے ساتھ قوت روحانی ہوا کرتی ہے۔ اور اللہ کی طرف سے وحی جو آتی ہے یہ کتاب جو ملتی ہے یہ اصل دولت ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے پاس ہوا کرتی ہے پیسوں کی کثرت کے ساتھ یا اچھے مکانات اور جائیداد کے ساتھ دوسروں کو متاثر کرنا یہ انبیاء علیہم السلام کا منصب نہیں ہے۔ ورنہ یہ نہیں کہ اللہ دے نہیں سکتا بلکہ دے سکتا ہے۔

کافر کامیابی دنیا کی چمک دمک میں سمجھتے ہیں:۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ: ان کے نظریات کی بنیاد اس بات پر نہیں کہ یہ حق چاہتے ہیں لیکن حق کی ان کو دلیل نہیں ملتی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قیامت کے منکر ہیں۔ اگر انکا قیامت پر ایمان ہوتا تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ کامیابی کا مدار دنیا میں باغات ملنے پر نہیں ہے یا ناکام آدمی وہ نہیں ہے جس کے پاس دنیا میں باغات اور محلات نہیں بلکہ کامیاب وہ ہے جس کو آخرت میں اللہ تعالیٰ باغات اور محلات دے دے، اگر ان کا آخرت پر ایمان ہوتا تو پھر یہ نیکی اور تقویٰ کی قدر کرتے چونکہ آخرت کی تکذیب کرتے ہیں اس لئے کامیابی اسی کو سمجھتے ہیں دنیا میں رہتے ہوئے اچھا کھانے پہننے کو مل جائے۔ بلکہ انہوں نے تکذیب کی قیامت کی اور تیار کیا ہم نے اس شخص کے لئے جو قیامت کی تکذیب کرے بھڑکتی ہوئی آگ کو تو یہ لوگ آخرت میں ناکام ہیں دنیا کے اندر چند روزہ اگر ان کو مالی برتری حاصل ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ہر خواہش کی تکمیل کا محل دنیا نہیں:۔

آگے اس سعیر یعنی بھڑکتی ہوئی آگ کا تعارف کرا دیا کہ جب وہ آگ انہیں دیکھے گی یعنی ان کے سامنے آئے گی تو اسکا جوش وخروش سنیں گے اور جب اس جہنم میں کسی تنگ جگہ کے اندر ڈال دیئے جائیں گے تو پھر وہاں سے ہلاکت کو پکاریں گے موت کو دعوت دیں گے پھر کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو کیونکہ اب مصیبت ایک نہیں ہے تو یہ ذکر کر کے ان سے پوچھیے کہ یہ مصیبت بہتر ہے یا جو نیکوں کو آخرت میں اللہ تعالیٰ ہیشگی کا باغ دے گا وہ بہتر ہے؟ اس باغ کا متقین سے وعدہ کیا گیا تو اس کے حصول کا طریقہ بھی بتا دیا گیا کہ اس حال کو حاصل کرنے کا ذریعہ تقویٰ ہے، اور ان متقین کو بطور جزا کے ملے گا۔ اور یہ ان کے لئے لوٹنے کی جگہ ہوگا، اور وہاں ان کو ایسی خوشحالی ہوگی جو چاہیں گے اس باغ میں ان کے لئے وہی چیز ہوگی، دنیا کے اندر رہتے ہوئے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں جو چاہتا ہوں کر لیتا ہوں جو چاہتا ہوں ہو جاتا ہے اور میں اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارتا ہوں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے یہ زندگی کہ ہم جو چاہیں ہو جائے یہ جنت والی زندگی ہے اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد یہ نیکوں کو دے گا، اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی ہر خواہش پوری ہو جائے تو اس کا محل دنیا نہیں ہے، اس کا محل آخرت ہے ان کے لئے اس باغ میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو وہ چاہیں گے ہمیشہ رہنے والے ہونگے، اور یہ بات اللہ نے اپنے

ذمے وعدے کے طور پر لازم کرلی ہے اور یہ اللہ سے سوال کیا جانا چاہیے۔

شکر گزاری کے سامان کو ناشکری کا سامان بنایا:۔

آگے پھر وہی رد شرک ہے کہ جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا تو اللہ تعالیٰ معبودوں کو خطاب کرکے پوچھے گا یہاں سے مراد ملائکہ ہوں گے، انبیاء علیہم السلام ہوں گے، اولیاء ہوں گے، جن کو اللہ کا لوگوں نے شریک ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ ان سے خطاب کرکے پوچھے گا ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا ہے؟ یا خود یہ بھٹکے ہیں؟ تو یہ مقبولین جن کو لوگوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ سارے کہیں گے کہ یا اللہ ہم تو تیرے علاوہ کسی دوسرے کو کارساز نہیں سمجھتے تو خود ہم کیسے ان کو کہہ دیتے کہ ہم کارساز ہیں! اور ہمیں کارساز سمجھو! ہم نے ایسی بات نہیں کی اصل بات یہ ہے کہ تو نے ان کو خوشحالی دی اور یہ کھاتے پیتے مست ہو گئے اور ان کو تیری یاد بھول گئی گویا کہ شکر گزاری کیلئے جو سامان تھا وہی ناشکری کا ذریعہ بن گیا، اور یہ ہلاک اور برباد ہونے والے ہیں۔ جب یہ جواب ملے گا تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو کہیں گے کہ لو! جو باتیں تم کہتے تھے تمہارے شرکاء نے تو تمہیں جھوٹا بتلایا اب تمہارا حال یہ ہے کہ نہ تو تم اپنے سے عذاب کو ہٹا سکو گے اور نہ ایک دوسرے کی مدد کرسکو گے اور تم میں سے جس جس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے ہم اس کو عذاب کبیر چکھائیں گے اس میں اشارہ اس بات کی طرف کردیا کہ عذاب کبیر شرک کی وجہ سے ہے۔

رسالت اور بشریت میں کوئی منافات نہیں:۔

آگے اس شبہ کا جواب دیا جو وہ حضور ﷺ کی متعلق کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے؟ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اور کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان جاہلوں کو پتہ نہیں کہ رسالت اور بشریت میں کوئی منافات نہیں رسول بشر ہوتا ہے اور اس کی ضروریات بشر والی ہوتی ہیں۔ اور پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں سب کی یہی کیفیات تھیں۔ ہم نے فرشتوں کو رسول بنا کر کبھی نہیں بھیجا لوگوں کے لئے اگر یہاں فرشتے آباد ہوتے تو ان کی طرف فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا، جب انسانوں کی تعلیم کے لئے رسول بھیجا جارہا ہے تو وہ انسان ہی ہے اس کی ضروریات وہی ہوا کرتی ہیں جو عام انسانوں کی ہیں۔ بازاروں میں چلنا اور کھانا پینا یہ منصب رسالت کے منافی نہیں ہے، نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو مگر وہ بھی بازاروں میں چلتے تھے اور کھانا کھاتے تھے اس سے معلوم ہو گیا کہ اپنی

ضروریات کیلئے بازار میں آنا جانا، کھانا پینا، یہ بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ بلکہ اس تکبر کی بنا پر بازار میں آنا جانا کہ لوگ کہیں گے یہ خود خریدتے پھر رہے ہیں اور خود چیزوں کو اٹھائے پھرتے ہیں یہ مذموم ہے۔

آپس کا اختلاف آزمائش کا سبب ہے:۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا یہ خطاب اہل ایمان کو ہے۔ أَتَصْبِرُونَ کیا تم صبر کرتے ہو یعنی تمہیں صبر کرنا چاہیے کسی کو خوشحالی دے دی، کسی کو تنگی میں مبتلا کر دیا مختلف حالات جس طرح سے انسانوں پر ہیں، رسول لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ ہیں اور کفار رسول کے لئے آزمائش کا ذریعہ ہیں کہ تکلیفیں پہنچائیں گے تکذیب کریں گے یہ رسول کے صبر کا امتحان ہے، اور اس طرح سے اہل ایمان کے بھی صبر کا امتحان ہے کسی کے لئے تنگی آ گئی کسی کے لئے خوشحالی ہوئی اور کسی کو کوئی تکلیف ہوگئی کسی کو کوئی راحت پہنچی یہ آپس میں جو اختلاف ہے یہ سب آزمائش کا ذریعہ ہے۔ کیا تم صبر کرتے ہو یعنی تمہیں صبر کرنا چاہیے یہ استفہام ترغیب کے لئے ہے۔

صبر کرنے والوں کی قدر:۔

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا اور تیرا رب دیکھنے والا ہے، دیکھنے والا ہے اس میں بہت بڑی بات ہے کہ جب تم اس کے لئے تکلیف اٹھاؤ گے اور وہ دیکھ بھی رہا ہے کہ میرا بندہ میرے لئے تکلیف اٹھا رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتنی قدر ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس پر کتنے خوش ہوں گے، آپ کے لئے اگر کوئی تکلیف اٹھا رہا ہو تو آپ کو پتہ چل جائے کہ فلاں شخص نے میری وجہ سے یہ مصیبت اٹھائی ہے، آپ اپنے دل کے اندر غور کر کے دیکھیں کہ اس کی کتنی قدر ہوا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اس کے سامنے کوئی چیز مخفی نہیں اگر تم اس کے لئے تکلیف اٹھاؤ گے اس کے لئے مشکلات برداشت کرو گے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوگا اور اسی طرح سے تمہیں جزا دے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ

اور کہا ان لوگوں نے جن کو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں کہ کیوں نہیں اتارے گئے ہم پر فرشتے

اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو بیشک انہوں نے بڑا جانا اپنے آپ کو اپنے دلوں میں اور سرکشی اختیار کی بہت بڑی سرکشی ﴿۲۱﴾

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ

جس دن کہ دیکھیں گے وہ فرشتوں کو تو اس دن مجرموں کے لئے کوئی بشارت نہیں ہوگی پھر تم کہو گے

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

کہ ہمیں بچالو ہمیں بچالو ﴿۲۲﴾ اور ہم آئیں گے ان کے اعمال کی طرف پس کردیں گے ہم اُس کو

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ

بکھیری ہوئی گردوغبار ﴿۲۳﴾ جنت والے اس دن بہتر ہوں گے از روئے مستقر کے اور اچھے ہوں گے

مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾

از روئے مقیل کے ﴿۲۴﴾ اور جس دن کہ آسمان پھٹے گا بادل کے ساتھ اور اتارے جائیں گے فرشتے اتارا جانا ﴿۲۵﴾

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾

حکومت اس دن رحمٰن کیلئے ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا ﴿۲۶﴾

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ

اور جس دن کہ کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش! میں رسول کے ساتھ

الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾

راستہ اختیار کرلیتا ﴿۲۷﴾ اے میری بربادی کاش کہ میں نہ اختیار کرتا فلاں کو دوست ﴿۲۸﴾

لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ ؕ وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ

البتہ تحقیق اس فلاں نے بھٹکا دیا مجھ کو نصیحت سے بعد اس کے کہ وہ نصیحت میرے پاس آئی تھی اور شیطان انسان

خَذُوۡلًا ﴿۲۹﴾ وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ

کیلئے خذول ہے﴿۲۹﴾ اے میرے رب بیشک میری قوم نے اس قرآن کو مہجور

مَہۡجُوۡرًا ﴿۳۰﴾ وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ؕ

قرار دیا﴿۳۰﴾ اور ایسے ہی بنایا ہم نے ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے دشمن

وَ کَفٰی بِرَبِّکَ ہَادِیًا وَّ نَصِیۡرًا ﴿۳۱﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ

اور تیرا رب کافی ہے ہادی اور نصیر ہونے کے اعتبار سے﴿۳۱﴾ اور کہا کافروں نے کیوں نہیں اتارا گیا

عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚۛ کَذٰلِکَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ

اس پر قرآن پورا کا پورا ہم ایسے ہی اتارتے ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے تا کہ ثابت رکھیں اس کے ذریعہ سے آپکے دل

وَ رَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا یَاۡتُوۡنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئۡنٰکَ بِالۡحَقِّ وَ اَحۡسَنَ

کو اور پڑھا ہم نے اسکو تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھنا﴿۳۲﴾ اور نہیں لاتے آپکے پاس یہ کوئی مثال مگر ہم آپکے پاس حق لے آتے ہیں

تَفۡسِیۡرًا ﴿ؕ۳۳﴾ اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ اِلٰی جَہَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِکَ

اور زیادہ اچھی بات لے آتے ہیں از روئے تفسیر کے﴿۳۳﴾ جو لوگ جمع کئے جائیں گے اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف یہی لوگ

شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿٪۳۴﴾

بدتر ہیں از روئے ٹھکانے کے اور زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں از روئے راستہ کے﴿۳۴﴾

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنَا مَعَہٗۤ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ وَزِیۡرًا ﴿ۚۖ۳۵﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنایا﴿۳۵﴾

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ

پھر ہم نے کہا کہ جاؤ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

پس ہم نے ان کو بالکل نیست و نابود کر دیا ﴿۳۶﴾ اور ہلاک کیا ہم نے نوح کی قوم کو جس وقت کہ انہوں نے

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

رسولوں کی تکذیب کی اور ہم نے ان کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیا اور تیار کیا ہم نے ظالموں کے لئے

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ

دردناک عذاب ﴿۳۷﴾ اور ہلاک کیا ہم نے عاد کو ثمود کو اور کنویں والوں کو اور ان کے درمیان اور بھی بہت ساری

ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

جماعتیں ﴿۳۸﴾ اور ان میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے مثالیں بیان کیں اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے برباد کیا برباد کرنا ﴿۳۹﴾

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا

اور البتہ تحقیق آتے ہیں یہ لوگ اس بستی پر جو کہ بری بارش برسائی گئی تھی کیا پھر انہوں نے

يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

اس بستی کو دیکھا نہیں؟ بلکہ یہ لوگ نشور کی امید نہیں رکھتے ﴿۴۰﴾ اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو نہیں بناتے

اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ

آپ کو مگر ٹھٹھہ کیا ہوا کیا یہی ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿۴۱﴾ قریب تھا کہ یہ بھٹکا دے ہمیں

اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ

ہمارے معبودوں سے اگر ہم ان کے اوپر جم کر نہ بیٹھتے اور عنقریب یہ جان لیں گے جبکہ عذاب دیکھیں گے

الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ
کہ کون زیادہ بھٹکا ہوا ہے ازروئے راستہ کے ﴿۴۲﴾ کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے بنالیا اپنا اللہ اپنی خواہش کو
اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ
کیا پھر آپ کوئی ان لوگوں پر کارساز ہیں؟ ﴿۴۳﴾ یا تو سمجھتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں؟
اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع
نہیں یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں ازروئے راستہ کے ﴿۴۴﴾

تفسیر

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اور کہا ان لوگوں نے، جن کو ہماری ملاقات کی امید نہیں، کیوں نہیں اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے رب کو، بے شک انہوں نے بڑا جانا اپنے آپ کو اپنے دلوں میں اور سرکشی اختیار کی بہت بڑی سرکشی يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ جس دن کہ دیکھیں گے وہ فرشتوں کو تو اس دن مجرموں کے لئے کوئی بشارت نہیں ہوگی، اور کہیں گے يَقُوْلُوْنَ کی ضمیر کافروں کی طرف لوٹ رہی ہے مفہوم یہ ہے کہ جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے تو کافر کہیں گے پناہ پناہ مطلب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس مصیبت کو ہم پر سے روک لے اصل مفہوم اس کا یہ ہوا کرتا ہے لیکن اب یہ لفظ چونکہ بطور محاروے کے استعمال ہوتا ہے اور اس کے عامل کو بھی ظاہر نہیں کیا جاتا، عامل اس کا محذوف ہے تو حِجْرًا مَّحْجُوْرًا جس وقت کوئی دشمن کسی پر کوئی حملہ کرنا چاہے تو اس سے بچنے کے لئے انسان جس طرح سے پناہ پناہ بولتا ہے اے اللہ! مجھے پناہ دے مجھے بچالے تو ایسے موقع پر چونکہ طویل یعنی لمبی کلام نہیں ہوا کرتی مختصر سے لفظ میں انسان اپنے مفہوم کو ادا کیا کرتا ہے۔

تو اس لیے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یہ ایسے ہی ہے جیسے معاذ اللہ معاذ اللہ یوں انسان کہتا ہے یہ تو يَقُوْلُوْنَ کے اندر جو ضمیر تھی، وہ ہم نے کفار کی طرف لوٹا دی مطلب یہ ہوا کہ تم فرشتے دیکھنے کی تمنا کر رہے ہو جس دن فرشتے سامنے آئے تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تمہارے لئے کیا مصیبت آنے والی ہے پھر تم کہو گے کہ ہمیں بچالو ہمیں

بچالو۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ وہ یَقُوْلُوْنَ کی ضمیر مجرمین کی طرف لوٹانے کی بجائے فرشتوں کی طرف لوٹاتے ہیں تو پھر حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کا معنیٰ ہوگا حراما محرما علیکم البشری یعنی جس دن یہ مجرم فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس دن ان کے لئے کوئی بشارت نہیں ہوگی فرشتے کہیں گے کہ یہ بشارت تمہارے لئے حرام ہے ممنوع ہے اس طرح سے بھی اس کا معنیٰ کیا گیا ہے تو حجر رکاوٹ کو بھی کہتے ہیں اور محجورا اس کی تاکید ہے آگے اس سورۃ میں جعلنا بینهما حجرا محجورا کا لفظ آئے گا تو وہاں شدید رکاوٹ والا مفہوم ہوگا۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا اور ہم آئیں گے ان کے اعمال کی طرف یعنی متوجہ ہوں گے پس کر دیں گے ہم اس کو بکھیری ہوئی گردوغبار یعنی ان کے اعمال کو ہم گردوغبار کی طرح اڑا دیں گے ایسا گردوغبار جو اڑا دیا گیا، اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ جنت والے اس دن بہتر ہوں گے از روئے مستقر کے اور اچھے ہوں گے از روئے مقیل کے، مستقر قرار پانے کی جگہ مقیل آرام کرنے کی جگہ یہ مقیل کا لفظ قیلولہ سے لیا گیا ہے قیلولہ دوپہر کے وقت آرام کرنے کو کہتے ہیں، وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ اور جس دن کہ آسمان پھٹے گا بادل کے ساتھ اور اتارے جائیں گے فرشتے اتارا جانا مفعول مطلق کے ساتھ جو تاکید آگئی تو اس کا مفہوم یہ ہوگیا کہ بہت کثرت کے ساتھ فرشتے اتارے جائیں گے گروہ در گروہ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ حکومت اس دن رحمان کے لئے ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ اور جس دن کہ کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش! میں رسول کے ساتھ راستہ اختیار کر لیتا یعنی اس کی معیت اختیار کر لیتا اے میری بربادی، کاش کہ میں نہ اختیار کرتا فلاں کو دوست البتہ تحقیق اس فلاں نے بھٹکا دیا مجھ کو نصیحت سے یعنی اس نے مجھے بہکایا جس کی بنا پر میں نے نصیحت سے اعراض کیا بعد اس کے کہ وہ نصیحت میرے پاس آئی تھی اور شیطان انسان کے لئے خذول یعنی شیطان انسان کو وقت آنے پر جواب دینے والا ہے، پھر وقت پر یہ کام نہیں آتا جب ضرورت ہوتی ہے اس وقت ساتھ چھوڑ دیتا ہے وقال الرسول اور کہا رسول نے اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو مہجور قرار دیا مہجور بمعنیٰ متروک یعنی میری اس قوم نے قرآن کو متروک قرار دے دیا۔اور مہجور اگر ھَجر سے لیا جائے تو ھجر کا معنی ہوتا ہے بکواس کرنا تو مہجور کا معنیٰ ہوگا وہ بات جس میں بکبک لگادی جائے یعنی جس وقت قرآن پڑھا جاتا ہے تو بکبک کرنے لگ جاتے ہیں دونوں طرح سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا اور ایسے ہی بنایا ہم نے ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے دشمن اور تیرا رب کافی ہے ہادی اور نصیر ہونے کے اعتبار سے، ہادی راستہ دکھانے والا اور نصیر مدد کرنے والا، وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا اور کہا کافروں نے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن پورا کا پورا كَذٰلِكَ ہم ایسے ہی اتارتے ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے تاکہ ثابت رکھیں اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو اور پڑھا ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھنا، اور نہیں لاتے آپ کے پاس کوئی مثال یعنی بطور اعتراض کے کوئی بات نہیں کرتے مگر ہم آپ کے پاس حق لے آتے ہیں اور زیادہ اچھی بات لے آتے ہیں از روئے تفسیر کے اَلَّذِيۡنَ يُحۡشَرُوۡنَ جو لوگ جمع کیے جائیں گے اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف، یہی لوگ بدتر ہیں از روئے ٹھکانے کے اور زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں از روئے راستہ کے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ہم نے ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنایا پھر ہم نے کہا کہ جاؤ! تم دونوں ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا فَدَمَّرۡنٰهُمۡ تَدۡمِيۡرًا واقعہ کو سمیٹ لیا گیا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں گئے اور دونوں کے جانے کے بعد وہ لوگ نہیں سمجھے مخالفت کرتے رہے تو نتیجہ یہ نکلا فَدَمَّرۡنٰهُمۡ تَدۡمِيۡرًا ''دمر'' کا معنیٰ ہوتا ہے کسی چیز کو اس طور پر توڑ پھوڑ دینا کہ جس کے بعد اس کی اصلاح ممکن نہ ہو، پس ہم نے ان کو بالکل نیست و نابود کر دیا، پیس ڈالا، ریزہ ریزہ کر دیا، ایسے طور پر جس کے بعد پھر انکا سنبھلنا ممکن ہی نہیں رہا۔ وقوم نوح اور ہلاک کیا ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کو جس وقت کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی چونکہ نوح علیہ السلام چاہے ایک ہی رسول ان کی طرف آئے تھے، سب رسولوں کی بات چونکہ ایک ہی ہوا کرتی ہے تو ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہے، تو جمع کے ساتھ اس لیے تعبیر کر دیا، وَجَعَلۡنٰهُمۡ لِلنَّاسِ اٰيَةً اور ہم نے ان کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیا عبرت کی نشانی اور تیار کیا ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب اور ہلاک کیا ہم نے عاد کو ثمود کو اور کنویں والوں کو اور یہ اَصۡحٰبَ کنویں والے کون تھے......؟ ان کے حالات تاریخ میں مذکور نہیں ہیں۔

وَقُرُوۡنًا اور ان کے درمیان اور بھی بہت ساری جماعتیں جن کا ذکر نام بنام نہیں کیا گیا جیسے چند رسولوں کو ذکر کیا گیا قومیں برباد ہوئیں اور ان میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے مثالیں بیان کیں، اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے برباد کیا برباد کرنا تتبیرا تتبیرا بھی اسی طرح سے جس طرح فَدَمَّرۡنٰهُمۡ تَدۡمِيۡرًا تھا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ اور البتہ تحقیق آئے ہیں یہ لوگ اس بستی پر جو کہ بُری بارش برسائی گئی تھی یعنی پتھروں کی بارش کی گئی تھی۔اس سے اشارہ ہے لوط علیہ السلام کی بستی کی طرف البتہ تحقیق آئے ہیں یہ لوگ یعنی آتے رہتے ہیں یہ وہاں پہنچے ہیں،انہوں نے بستیاں دیکھی ہیں اس بستی پر جو کہ بُری بارش برسائی گئی تھی کیا پھر انہوں نے اس بستی کو دیکھا نہیں......؟ بلکہ یہ لوگ نشور سے ڈرتے ہیں،''نشور'' کی امید نہیں رکھتے نشور مر کر پھر اٹھنا یہ لوگ مر کر پھر اٹھنے کی امید نہیں کرتے ان باتوں میں، وَاِذَا رَاَوْكَ اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو نہیں بناتے آپ کو مگر ٹھٹھہ کیا ہوا مذاق اڑاتے ہیں مذاق اڑانے کی ایک یہ صورت ہے اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا کیا یہی ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا! یہ بطور استہزاء کے کہتے تھے،مطلب یہ ہے کہ اس میں کونسا امتیاز ہے نہ ان کے پاس مال و دولت، نہ جائیداد، نہ باغ، نہ محل، نہ کوئی خزانہ کیا یہی ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا؟ قریب تھا کہ یہ بھٹکا دے ہمیں ہمارے معبودوں سے اگر ہم ان کے اوپر جم کر نہ بیٹھتے، یعنی اگر ہم مستقل مزاج نہ ہوتے اور ان معبودوں پر جم کر نہ بیٹھتے، اس کی تو کوشش ایسی تھی کہ ہمیں بھٹکا دیتا لیکن ہم جمے رہے ہم نے صبر کیا قریب تھا کہ بھٹکا دے ہمیں ہمارے معبودوں سے اگر ہم ان کے اوپر جم کے نہ بیٹھتے، اور عنقریب یہ جان لیں گے جب کہ عذاب دیکھیں گے کہ کون زیادہ بھٹکا ہوا ہے از روئے راستہ کے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے بنالیا اپنا اِلٰهَهٗ اپنی خواہش کو یعنی جس طرح معبود کی بات بلا چوں چراں مانی جاتی ہے اسی طرح سے یہ اپنی خواہش کی اتباع بلا چوں چراں کرتے ہیں تو یوں سمجھو......! کہ ان کی جو خواہش ہے وہی ان کا خدا ہے، اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ کیا پھر آپ کوئی ان لوگوں پر کارساز ہیں......؟ اَمْ تَحْسَبُ یا تو سمجھتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ نہ یہ سنتے ہیں نہ یہ سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں از روئے راستہ کے۔

اللہ کا خوف رکھنے والا لایعنی گفتگو نہیں کرتا:۔

کفار و مشرکین کے مختلف اشکالات ذکر کیے گئے تھے اور ان کا ساتھ ساتھ جواب دیا گیا تھا تو یہ ابتدائی آیات میں جو ان کا ایک قول نقل کیا ہے جس کو وہ ذکر کرتے تھے اَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا یہ عنوان اختیار کیا گیا اس لیے کہ لایعنی اعتراض وہی شخص کیا کرتا ہے جس کو انجام کی فکر نہ ہو، اور اگر کسی شخص کو اپنے انجام کی فکر ہو اللہ

کے سامنے پیش ہونے کا اس کو ڈر ہو تو پھر وہ اس قسم کی لایعنی گفتگو نہیں کیا کرتا پھر تدبر کر کے بات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے ان کو چونکہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید نہیں اس لیے جو منہ میں آتا ہے بکتے رہتے ہیں۔

کافروں کی لایعنی گفتگو اور اعتراضات:۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا یہ دو باتیں نقل کیں حاصل جن کا یہ ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں جو آخرت سے نہیں ڈرتے کہ یہ رسول جو کہتا ہے کہ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں تو ہم پر کیوں نہیں آتے......؟ اگر ہم پر فرشتے اتار دیئے جائیں تو پھر ہم مان جائیں کہ واقعی اسپر بھی آتے ہوں گے یا ہم اپنے رب کو ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور رب ہمیں براہ راست کہدے کہ واقعی یہ میرا رسول ہے تب ہم مان جائیں گے آپ جانتے ہیں یہ ایک بیہودہ بات ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک پر فرشتے نہیں اتارا کرتا، اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ کسی کے سامنے آ کر خود کہتا پھرے اس لیے اسکا یہاں تفصیلی جواب دینے کی بنا پر اتنی بات کہدی گئی کہ یہ متکبر ہیں اور سرکش ہیں اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

دنیا میں رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں:۔

انہوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھ لیا اس قابل سمجھتے ہیں کہ فرشتے ان پر بھی اتریں اور رب کو دیکھنے کا قول کر کے تو یہ بالکل ہی حد انسانیت سے نکل گئے، کیونکہ فرشتوں کا اترنا انسانوں پر یہ تو واقعہ ہے جہاں اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ اترتے ہیں باقی اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے رؤیت رب تو ممکن ہی نہیں تو پہلا مطالبہ ان کا کہ ہمارے اوپر فرشتے اتارے جائیں یہ تکبر ہے، اور یہ مطالبہ کہ ہم اپنے رب کو دیکھیں یہ تو بالکل ہی حد انسانیت سے خروج ہے۔ اجمالی طور پر اس کا ردیونہی کر دیا گیا کہ یہ متکبرانہ بات ان کی اور سرکشوں جیسا قول ہے اگر یہ متواضع ہوتے اور ان کو انجام کی فکر ہوتی تو اس قسم کی باتیں ان کے منہ سے نہ نکلتیں۔

مجرمین پر جب فرشتے اتریں گے تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے:۔

ہاں فرشتے ان پر اتریں گے یہ انتظار کریں جس دن فرشتے اتریں گے پھر انکے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ آگے اسی عذاب کا ذکر کیا کہ آئیں گے فرشتے ذرا انتظار کرو! اور جب وہ آ جائیں گے پھر تم چیخو گے کہ ہمیں

بچالوہمیں بچالو! پھر وہ مصیبت تمہیں نظر آئے گی تو فرشتوں کا اترنا بطور عذاب ہوگا ایسے نہیں ہوگا جس طرح رسولوں کے پاس آتے ہیں یہ تمہارا تکبر ہے اور اپنی تمہاری بڑائی ہے جو اس قسم کی تمنا ظاہر کرتے ہو آگے وہی عذاب کا وقت ذکر کیا کہ جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس وقت مجرمین کے لئے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی پھر یہ چیخیں گے چلائیں گے۔

کافروں کے اعمال کی مثال:۔

اور انکی جتنی کاروائیاں ہیں، جتنے اعمال ہیں چاہے وہ اپنے طور پر ان کو اچھے عمل سمجھتے ہیں، لیکن ہم اس دن ان کو گردوغبار کی طرح اڑا دیں گے، وجہ آپ کے سامنے بارہا ذکر کردی گئی کہ جس عمل کے اندر ایمان کی روح نہ ہو وہ بظاہر چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو لیکن اس کی حقیقت ''رماد'' کی طرح ہے جس طرح سے سورۂ ابراہیم میں مثال آگئی تھی یا هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہے جس طرح سے یہاں مثال ذکر کردی گئی عمل کے اندر جان جو پیدا ہوتی ہے یا وزن جو پیدا ہوتا ہے وہ ایمان کے ساتھ ہوتا ہے، جب وہ ایمان سے خالی ہو تو اسکا کوئی وزن نہیں وہ اس طرح سے ہلکی پھلکی ہے جس طرح سے راکھ ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اس طرح سے اڑادینگے جس طرح سے گردوغبار ہوتا ہے تو ان کے اعمال ان کے کام نہیں آئیں گے وہ اعمال جن کو بظاہر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نیک ہیں اور ان کے اوپر کوئی اچھا نتیجہ مرتب ہوگا، ہاں البتہ ان کے مقابلے میں جو جنت میں چلے جائیں گے انکا حال یہ ہے کہ جو ذکر کردیا گیا۔

اچھی اور بُری صحبت کی مثال:۔

آگے وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ یہ آیت ویسی ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں آپ کے سامنے پہلے گذری تھی ذکر کیا تھا کہ یہ بادل کا آنا یہ متشابہات میں سے ہے، تو ایسے ہوگا جس طرح سے کوئی تخت شاہی آتا ہے اس میں اللہ کی تجلی ہوگی حساب وکتاب کے لئے اللہ تعالیٰ تشریف لائیں گے اپنی شان کے مطابق اور پھر اس کے ساتھ فرشتوں کی صفوں کی صفیں ہوں گی یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، حساب وکتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کا جو نزول ہوگا اپنی شان کے مطابق دیکھنے والوں کو بظاہر اس طرح معلوم ہوگا جیسا کہ آسمان کی طرف سے کوئی بدلی اتر رہی ہے اور اس کے ساتھ فرشتے ہوں گے اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوگی جیسا کہ اس کی شان ہے یہ باتیں متشابہات میں سے ہوا

کرتی ہیں جن کو مثال کے ساتھ پوری طرح سے واضح نہیں کیا جاسکتا اور یہ آسمان کا پھٹنا کھلنے کے معنیٰ میں ہے تباہ و برباد ہونے کے معنیٰ میں نہیں جیسے نفخۂ اولیٰ کے وقت ہوگا جس دن آسمان پھٹے گا بادل کے ساتھ یعنی بادل اس میں سے اترے گا اور آسمان کھلے گا اور فرشتے کثرت کے ساتھ اتارے جائیں گے اس دن پوری سچی واقعی حکومت رحمان کی ہوگی اور وہ کافروں پر بہت سخت دن ہوگا۔ اب اس دن یہ کافرلوگ جو دنیا میں بُری رفاقت اختیار کرنے کی بناہ پر گمراہ ہوتے تھے، وہ چیخیں گے چلائیں گے اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کی چیخیں نقل کی ہیں اچھی صحبت اور بُری صحبت کے لئے یہ آیات بہت واضح ہیں کہ دنیا میں اچھی صحبت آخرت کے اندر انسان کے سامنے اچھا نتیجہ لائے گی اور بُری صحبت بُرا نتیجہ لائے گی۔

شان نزول:۔

شان نزول میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، اور آپ کی خدمت میں تفسیری اصول کے تحت یہ ذکر کیا گیا کہ آیات شان نزول کے ساتھ خاص نہیں ہوتیں اس جیسے جتنے واقعات ہوں گے سب پر وہ بات صادق آجاتی ہے عقبۃ بن ابی معیط یہ ایک مشرک ہے حضور ﷺ کی اس نے دعوت کی تو حضور ﷺ اس کے گھر تشریف لے گئے جب کھانا سامنے آیا تو آپ ﷺ نے اسکا کھانا کھانے سے انکار کردیا اور کہا جس وقت تک تو کلمہ نہیں پڑھتا اس وقت میں میں تیرا کھانا نہیں کھاؤں گا، تو اس نے حضور ﷺ کو خوش کرنے کیلئے کلمہ پڑھ دیا اور اس بات کی خبر ابی ابن خلف کو پہنچی وہ اس کا دوست تھا، تو اس نے آکر اس کو بہت ملامت کی، جب ملامت کی تو اس نے کہا حضور ﷺ میرے گھر آگئے میرے معزز مہمان تھے میں کیسے گوارا کرسکتا تھا کہ میں ان کو خوش نہ کروں۔

ابی ابن خلف نے کہا کہ میں تجھ سے اس وقت تک بات نہیں کرتا میری تیری اس وقت تک دوستی نہیں جب تک تو سامنے جا کے ان کا انکار نہ کرکے آئے تو عقبہ چونکہ دوست تھا تو وہ بہکانے کے ساتھ گیا اور جا کر حضور ﷺ کے سامنے گستاخی کی اور انکار کردیا، اصل تو یہ آیات اتریں اس کے متعلق کہ یہ شخص آخرت میں چیخے گا اور کہے گا کہ ہائے کاش میں رسول کے ساتھ رفاقت اختیار کرلیتا اور فلاں شخص کو دوست نہ بناتا فلاں کا مصداق یہاں ہوگا ابی ابن خلف ① تو میرے پاس نصیحت آگئی تھی لیکن اس نے مجھے بھٹکادیا۔ لیکن جو بھی واقعہ اس قسم کا

① تفسیر مجاہد ج ۱ ص ۵۰۲ مطبوعہ مصر/ تفسیر یحییٰ بن سلام ج ۱ ص ۴۷۹ مطبوعہ بیروت/ تفسیر عبدالرزاق ج ۲ ص ۴۵۳/ تفسیر الطبرانی ج ۷ ص ۴۴۰/ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۱۱۶۲

پیش آ جائے سب کے اوپر اب آیات صادق آئیں گی واقعہ اگر چہ شانِ نزول میں یہ ایک ہی مذکور ہے۔

قیامت کے دن بُرے دوست کے متعلق کیا نظریہ ہوگا؟

تو جو شخص کسی دوست کے ساتھ مل کر کسی نیکی سے محروم رہے اور کسی دوست کی رفاقت میں کسی برائی میں مبتلاء ہو جائے جیسے ایک دوسرے کو بہکا کے سینما میں لے جاتے ہیں، نشے میں مبتلاء کر دیتے ہیں، تو ایسی صورت میں وہ سارے کے سارے ہی پچھتائیں گے ہائے کاش! ہم فلاں کو دوست نہ بناتے ان دوستوں کے متعلق یہ تمنا ہوگی کہ ہائے کاش! میرے اور اس کے درمیان بعد المشرقین ہوتا جب کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے جذبات یہ تھے کہ یہ کیسی زندگی کہ تم کہاں اور ہم کہاں اور چند منٹ کی بھی جدائی انسان کو گوارہ نہیں ہوتی۔ اس وقت یہ چاہیں گے کہ مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا تو بُری صحبت کے نتیجے کو دکھانے کے لئے یہ آیات بہت ہی واضح ہیں۔ ظالم سے مراد وہی بدکردار ہوا، بدکردار آدمی اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا کہے گا کہ ہائے کاش! میں رسول کی رفاقت اختیار کر لیتا اے کاش! میں فلاں کو دوست نہ بناتا، تحقیق اس فلاں نے یعنی میرے اس دوست نے مجھے بھٹکا دیا نصیحت سے بعد اس کے کہ وہ نصیحت میرے پاس آگئی تھی۔

بُرائی کی تلقین کرنے والا شیطان کا مصداق ہے:۔

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا یہ اللہ تعالیٰ کا براہ راست قول بھی ہوسکتا ہے اور اسی حسرت وافسوس کرنے والے کا قول بھی ہوسکتا ہے مفسرین کی دونوں رائیں ہیں تو یہ کہے گا کہ فلاں تو شیطان تھا جس نے مجھے بھٹکا دیا اب دیکھو! میں عذاب میں مبتلاء ہو رہا ہوں اور وہ میرے کچھ کام نہیں آتا شیطان، واقعی وقت پر صاف جواب دے جاتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں اس بات کو نقل کرنے کے بعد کہ انہوں نے شیطانوں پر اعتماد کر کے نصیحت کو چھوڑا اور شیطان وقت پر جواب دے جاتا ہے، شیطان کسی کے کام نہیں آتا تو جو شخص بھی بُرائی کی تلقین کرنے والا ہے وہ شیطان کا مصداق ہے چاہے وہ انسانوں میں سے ہو چاہے جنوں میں سے ہو، تو ایسے دوست جو بُرائی کی طرف لے جاتے ہیں وہ بھی شیطان کا مصداق ہیں۔

رسول کی اپنے رب کے حضور شکایت:۔

اور رسول نے کہا اے میرے رب! یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رسول کی شکایت ہے اس زندگی میں رہتے

ہوئے بھی اور قیامت کے دن بھی کہ میری قوم نے اس قرآن کو مہجور قرار دیا متروک قرار دیا یہ متروک قرار دینے میں اگر چہ یہاں مراد کافر ہی ہیں لیکن درجہ بدرجہ یہ بات صادق آسکتی ہے کہ اس پر ایمان نہ لانا یہ بھی اس کو مہجور قرار دینا ہے اور اس میں تدبر نہ کرنا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا اس کی تلاوت نہ کرنا سب مہجور قرار دینے کے مترادف ہے کیونکہ قرآن کریم کا حق یہی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی تلاوت کی جائے اس کو سمجھا جائے سمجھنے کے بعد اس کے مطابق عمل کیا جائے، یہ سب قرآن کریم کے حقوق ہیں اور جتنا جو شخص اس کے حق میں کوتاہی کرے گا گویا کہ اس نے قرآن کریم کو اس درجے میں مہجور قرار دے دیا، جیسے حضرت شیخ الاسلام نے اسی طرح عموم کا قول کیا ہے کہ اگر چہ آیات کے اندر مذکور صرف کافر ہیں، تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا اس میں تدبر نہ کرنا، اسپر عمل نہ کرنا اس کی تلاوت نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجرانِ قرآن کے تحت میں داخل ہوسکتی ہیں، یہ اسی عموم کی طرف اشارہ کیا کہ کافر تو سرے سے مانتے ہی نہیں لیکن مومن مان لیتا ہے اور ماننے کے بعد اسکے باقی حقوق ادا نہیں کرتا۔

کافروں کا اعتراض کہ قرآن کریم اکٹھا نازل کیوں نہیں ہوا:۔

اگلے الفاظ حضور ﷺ کے لئے بطور تسلی کے ہیں کہ اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں تو پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس قسم کے دشمن ہوئے تیرا رب ہادی ہے اور نصیر کافی ہے، تو آگے پھر کافروں کا ایک قول نقل کیا بطور اعتراض کے کہ اگر یہ اللہ کی کتاب ہے تو پھر ساری اکٹھی کیوں نہیں اتری......؟ تھوڑی تھوڑی جو سناتے ہیں تو اس میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ بنا بنا کر لا رہے ہیں، تو ساری اکٹھی اتار دی جاتی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکٹھی نہیں اتاری گئی بلکہ ہم تھوڑی تھوڑی اتارتے ہیں کہ اس میں حکمت ہے کہ آپ کے دل کے لئے توثیق ہے کہ جب کوئی اعتراض ہوتا ہے فوراً جواب دیتے ہیں اور بار بار جبرائیل علیہ السلام آتے ہیں جس سے اللہ کی مدد اور نصرت نکلتی ہے۔اور بار بار ضرورت پیش آتی ہے ہدایات پیش کی جاتی ہیں، تو اس طرح سے سمجھنا بھی آسان، یاد کرنا بھی آسان، آگے اس کی تبلیغ بھی آسان، اور ہر آیت موقع محل کے مطابق اترتی ہے، تو اس کی تفسیر بھی واضح ہوتی چلی آرہی ہے، کس موقعہ پر یہ اتری تھی، اس مطلب واضح ہو گیا اس قسم کے کثیر فوائد ہیں، جس کی بنا پر ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے اکٹھا نہیں اتارا گیا اور آپ کے سامنے یہ کوئی مثال بطور اعتراض کے لے آئیں تو اس کے بعد اس کا

جواب واقعہ کے مطابق بہت واضح دے دیا کرتے ہیں، تو یہ بھی بار بار نازل کرنے میں حکمت ہے آگے پھر ان کے لئے وعید ہے کہ جو لوگ چہروں کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے وہ مرتبہ کے لحاظ سے بہت بُرے ہیں اور بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

واقعات کے ذریعہ بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے:۔

قرآن کریم کی جس طرح سے عادت ہے آپ کے سامنے بار بار اس کی تفصیل کی گئی کہ اصول کے ذکر کرنے کے بعد پھر کچھ واقعات ذکر کیے جاتے ہیں، جن سے ان اصول کی صداقت ثابت ہوتی ہے کہ توحید ورسالت کو قبول کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اس کی باتوں کو قبول کر کے چلنے والوں کا انجام دنیا میں کیا سامنے آتا ہے اور دوسرے فریق کا انجام کیا سامنے آتا ہے، واقعات کے ساتھ یہ باتیں زیادہ واضح ہوتی ہیں اس لیے اگلی آیات میں واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے یہ بہت ہی مختصر کر کے ذکر کیا اور یہی کہا کہ جب انہوں نے آیات کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا دوسرے نمبر پر قومِ نوح کی طرف اشارہ کیا کہ جب انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں ڈبو دیا اور ان کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا اور یہ تو دنیا کی بات ہے اور آخرت میں ہم نے ان کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے، اور آگے پھر عاد، ثمود، اصحاب رسول ان کا بھی اجمالاً ذکر کر دیا قرون بین ذالك اس کے درمیان میں اور بہت سی جماعتیں گزری ہیں، جن کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا ہر کسی کے سامنے ہم نے مثالیں پیش کیں سمجھانے کے لئے۔ نیتجتاً جب وہ نہیں سمجھے تو سب کو توڑ پھوڑ دیا اور آگے قومِ لوط کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس بستی پر تو یہ آتے رہتے ہیں جس کے اوپر بُری بارش کی گئی تھی مراد پتھروں کی بارش ہے تو یہ اس کو دیکھتے نہیں اس میں کوئی تدبر نہیں کرتے اصل بات یہی ہے کہ یہ آخرت سے نہیں ڈرتے ان کو اٹھنے کی امید نہیں۔

کافر خواہشات کے پجاری ہیں:۔

آگے پھر وہی کافروں کی طرف سے استہزاء کی بات کہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کیا حیثیت ہے ان کی کہ اللہ نے انکو رسول بنا دیا، یوں کہہ کر مذاق اڑاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اگر ہم ثابت قدم نہ ہوتے اور اپنے آپ کو خوب اچھی طرح سے جما کر نہ رکھتے تو یہ ہمیں بہکا ہی دیتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

جب عذاب سامنے آئے گا تب یہ پتہ چلے گا کہ بھٹکا ہوا کون ہے؟ پھر ان کی گمراہی کی ایک وجہ ذکر کر دی کہ یہ جو بھٹکے پھرتے ہیں اور گمراہ ہیں ان کی وجہ یہ ہے کہ یہ خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں یہ اپنے خالق کو اپنا خدا نہیں سمجھتے، اپنی خواہش کو اپنا خدا سمجھتے ہیں تو خدا سمجھنے کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ اس کی بلا چوں چرا اس اطاعت کی جائے کہ جو اس کا حکم آجائے سر آنکھوں پر تو جس کا حکم آپ اس طرح سے مانیں بلا چوں چرا اس کے پیچھے لگ جائیں تو عملاً آپ نے اس کو الٰہ قرار دے دیا، یہ شخص اپنی خواہشات کو اس درجے میں لائے ہوئے ہے کہ جو دل میں آجائے وہ کرتا ہے اپنی خواہش کے خلاف برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے تو یہ لوگ ایسے ہیں جو اپنی خواہشات کے پجاری ہیں ایسا شخص کسی کا سمجھایا سمجھا نہیں کرتا ہدایت اس شخص کو ملا کرتی ہے جو اپنی خواہشات کو مٹائے۔

احکام خواہشات کے خلاف ہوتے ہیں:۔

احکام کو مقدم رکھے اپنے دل کی آرزو کے پیچھے نہ چلے، کیونکہ دل میں خواہشات انسان کے اس قسم کی ابھرتی ہیں جو اس کو فسق و فجور کی طرف لے جاتی ہیں اور یہی راستہ غلط ہے جو ہلاکت کی طرف انسان کو لے جاتا ہے اور احکام خواہشات کے خلاف ہوتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت جنت کو پیدا کیا تو جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ جاؤ جنت کی سیر کر کے آؤ تو جس وقت جبرئیل علیہ السلام نے سیر کی تو کہنے لگے یا اللہ! تو نے تو اس میں اتنی عیش و عشرت رکھی ہے تو جو شخص بھی اسکے متعلق تذکرہ سنے گا وہ ضرور جنت میں چلا جائے گا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ جنت میں نہ جائے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے اردگرد باڑ کر دی مَکَارِہْ کی ناگوار چیزوں کی جو خواہشات کے خلاف ہیں، کہ جب تک کوئی شخص ان ناگواریوں کو برداشت نہیں کرے گا اس وقت تک جنت میں نہیں جائے گا تو جب جبرئیل علیہ السلام نے دوبارہ جا کر دیکھا تو آ کے کہتا ہے یا اللہ مجھے تو امید نہیں کوئی جنت تک پہنچ سکے اتنی ناگواریاں کون برداشت کرے گا......؟ اور ایسے ہی جب جہنم کو پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا تو جبرئیل علیہ السلام کہتا ہے کہ اس میں اتنا سخت عذاب آپ نے پیدا کر دیا کہ جو شخص بھی سن لے گا وہ کبھی ادھر آنے کی کوشش نہیں کرے گا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے اردگرد باڑ شہوات کی کر دی تو خواہشات کے مطابق چلنے والے گویا کہ جہنم کا سفر طے کر رہے ہیں تو جب جبرئیل علیہ السلام نے دوبارہ جا کر دیکھا تو کہتا ہے یا اللہ کوئی نہیں بچے گا سب ادھر ہی آئیں گے ①۔

① سنن ابی داؤد باب خلق الجنۃ والنار عن ابی ھریرہ / مسند احمد ج ۱۴ ص ۲۹۰ / سنن الترمذی باب ماجاء حفت الجنۃ بالمکارہ / السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۴۳۱ / سنن نسائی الحلف بعزۃ اللہ تعالیٰ / مسند ابی یعلی ج ۱۰ ص ۳۴۵ / صحیح ابن حبان ج ۱۶ ص ۴۰۶

خواہشات کے پیچھے چلنا جہنم کے راستہ کو قطع کرنا ہے:۔

کیونکہ زندگی میں ہر شخص اپنی خواہش کے پیچھے چلنے کی کوشش کرتا ہے، خواہش کے پیچھے چلنا یہ جہنم کے راستہ کو قطع کرنے والی بات ہے، تو جب خواہشات کے پیچھے چلیں گے تو جہنم میں چلے جائیں گے انہوں نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا، کیا آپ ان پر کوئی وکیل ہیں کارساز ہیں؟ کہ آپ نے ان کو راستہ ضرور دکھانا ہے بظاہر یہ باتیں جو آپ سنتے ہیں تو آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ سن بھی رہے ہیں اور سمجھ بھی رہے ہیں یہ کچھ نہیں سنتے سمجھتے یہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ راستہ سے بھٹکے ہوئے اس مضمون کی تفصیل سورۂ اعراف میں کردی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا

اے مخاطب! کیا تو نے اپنے رب کی طرف نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا ہے، اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا رکھتا، پھر ہم نے

الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ

آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا﴿۴۵﴾ پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا﴿۴۶﴾ اور وہ

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ

ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو آرام کی چیز بنایا، اور دن کو پھیل جانے

نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ

کا وقت بنایا﴿۴۷﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیج دیں،

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ

اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا﴿۴۸﴾ تاکہ ہم اس کے ذریعے مردہ زمین میں جان ڈال دیں، اور تاکہ یہ پانی

مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ

ہم اپنی مخلوق میں سے چارپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلادیں﴿۴۹﴾ اور ہم اسے ان کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں

لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، لیکن اکثر لوگ ناشکری کے بغیر نہیں رہتے﴿۵۰﴾ اور اگر ہم چاہتے تو

كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۖ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے﴿۵۱﴾ سو کافروں کی بات نہ مانیے، اور اس کے ذریعہ ان سے خوب بڑا مقابلہ کیجئے﴿۵۲﴾

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ

اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا جن میں یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا ہے، اور یہ شوریلا ہے کڑوا ہے،

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ

ان کے درمیان میں ایک حجاب بنادیا اور رکاوٹ بنادی ﴿۵۳﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا فرمایا

الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنادیا اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے ﴿۵۴﴾ اور اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ

یہ لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ انہیں کچھ ضرر دے سکیں، اور کافر اپنے رب کا

ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ

مخالف ہے ﴿۵۵﴾ اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿۵۶﴾ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے اس پر

مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى

کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا ہاں جو شخص یہ چاہے کہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے ﴿۵۷﴾ اور آپ اسی ذات

الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ

پر بھروسہ کیجئے جو زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی، اور اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں

خَبِيْرَا ﴿۵۸﴾ ۚ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

سے خبردار ہونے کیلئے کافی ہے ﴿۵۸﴾ جس نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ

فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہ بڑا مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے دریافت کرلو ﴿۵۹﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو سجدہ کرنے کا تو ہمیں حکم دیتا ہے،

وَّزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿٦٠﴾

اوران کواور زیادہ نفرت ہوتی ہے ﴿٦٠﴾

تفسیر

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ الم تر کا خطاب ہر مخاطب کو ہے اے مخاطب! کیا تو نے دیکھا اپنے رب کی طرف کہ اس نے کیسے پھیلایا سائے کو اور اگر تیرا رب چاہتا تو البتہ کر دیتا اس سائے کو ساکن، پھر بنایا ہم نے سورج کو اس پر دلیل، ایک چیز جو دوسرے کو سمجھنے کا ذریعہ بنتی ہے تو اس کو دلیل کہا جاتا ہے ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا پھر ہم نے قبض کیا اس سائے کو اپنی طرف قبض کرنا آہستہ آہستہ، اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا یعنی جس طرح سے لباس انسان کے بدن کو چھپالیتا ہے اسی طرح سے رات بھی ہم سب کو چھپالیتی ہے وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا اور نیند کو راحت بنایا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا نشور اٹھنا دونوں معنوں میں آتا ہے اور یہاں جَعَلَ النَّهَارَ وَقْتَ النُّشُوْرِ ہم نے بنایا دن کو تمہارے اٹھنے کا وقت اکثر وبیشتر موت کے بعد نشور کا لفظ آیا کرتا ہے تو سو کر اٹھنا یہ بھی ایسے ہی ہے جیسے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اکثر وبیشتر آخرت کے اندر جو بعث اموات ہوگی تو اس کو نیند کے مسئلے کے ساتھ ہی سمجھایا ہے، تو وقت نشور اٹھنے کا وقت ہم نے بنایا اس دن کو، وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًا اور اللہ وہ ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو ریاح جمع ہے ریح کی اور بشر جمع ہو سکتی ہے بشیر کی بھی اور بشور کی بھی لیکن بات ایک ہی ہے بنایا ہم نے ہواؤں کو بشارت دینے والی اللہ کی رحمت سے پہلے رحمت سے یہاں بارش مراد ہے بارش سے پہلے ان ہواؤں کو بشارت دینے والی بنایا وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی طھور، طھور کہتے ہیں جو پاک ہو اور پاک کرنے والے ہو لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا تاکہ زندہ کریں ہم اس پانی کے ذریعہ سے مردہ علاقے کو "بلدہ" شہر کو کہتے ہیں یہاں علاقہ مراد ہے تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے بنجر علاقے کو آباد کریں۔

ماقبل رکوع سے ربط:۔

پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ کے واقعات بیان فرمائے تھے، اور ان واقعات سے تاریخی دلائل کے ساتھ توحید، رسالت، معاد، کی صداقت کو پیش کیا تھا اور سرور کائنات ﷺ کے لئے تسلی کا سامان مہیا کیا تھا جس

طرح سے قرآن کریم اپنے مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لئے عقلی دلائل دیتا ہے اسی طرح سے تاریخی دلائل بھی ہوتے ہیں اور واقعات یہ تاریخی دلائل کے درجے میں ہیں کہ دیکھو! فلاں وقت میں بھی ایک پیغمبر اسی طرح سے آئے تھے ایک نبی آئے تھے ایک رسول آئے تھے انہوں نے آ کر یہی تبلیغ کی تھی، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ نظریات صحیح ہیں یہ باتیں صحیح ہیں یہ کوئی ایسی باتیں نہیں ہیں جو صرف اسی پیغمبر نے تمہارے سامنے کہیں ہوں رسالت کا سلسلہ بھی قدیم اور توحید کی دعوت وتبلیغ بھی قدیم ہے۔ پہلے سے چلی آ رہی ہے یہ تاریخی دلائل ہوتے ہیں۔

پھر رسولوں کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے اس کا بیان سرور کائنات ﷺ کے لئے باعث تسلی ہے، آپ کے دل کو قوت پہنچی ہے کہ پہلے لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا اور ان کی عادت یہ ہے کہ جو ان کو سمجھائے ان کے سامنے حق بات کہے یہ لوگ اس کو پریشان کیا کرتے ہیں، اور پھر نتیجہ سامنے آ جانے کے بعد بشارت اور انذار دونوں مضمون متحقق ہو جاتے ہیں کہ ماننے والوں کے سامنے کس طرح سے اچھا نتیجہ آیا اور نہ ماننے والوں کو کس طرح سے برباد کر دیا گیا، یہ دنیاوی عذاب اور دنیاوی کامیابی اس کو بھی بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے یہ بشارت اور انذار کا مضمون ہوتا ہے۔

عقلی دلائل سے جہاد:۔

اس رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آفاقی دلائل پیش کیے ہیں، اس کائنات میں اللہ کی قدرت جس طرح سے نمایاں ہے، جس میں ایک ایک چیز کے اندر انسان کے اوپر احسان کا پہلو بھی ہے اور اپنی قدرت کی بھی اللہ نے وضاحت فرمائی۔ زمین کی موت ہوتی ہے، اس کا بنجر ہو جانا، اس کو زندہ کرنا ہوتا ہے اس کو آباد کرنا جب اس میں نباتات اُگتی ہیں تو گویا کہ وہ زندہ ہو گئی آخرت کے بعث پر اور نشر پر اللہ تعالیٰ نے زمین کے احیا سے بھی استدلال کیا، کس طرح سے زمین بنجر ہوتی ہے بعد میں اللہ تعالیٰ اسے آباد کر دیتا ہے، اسی طرح سے مرنے کے بعد تم دوبارہ جی اٹھو گے مختلف آیات کے اندر استدلال اس سے بھی کیا گیا، تاکہ زندہ کریں ہم اس کے ذریعہ بنجر علاقے کو ونسقیه اور تاکہ پلائیں ہم وہ پانی چوپاؤں کو اور بہت سے انسانوں کو اپنی مخلوق میں سے وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ اور بے شک ہم اس پانی کو پھیرتے ہیں انکے درمیان یعنی کبھی کسی جگہ اتار دیا کبھی کسی جگہ اتار دیا کسی جگہ تھوڑا اتار دیا کسی جگہ زیادہ اتار دیا لِيَذَّكَّرُوْا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا لفظی معنیٰ بنتا ہے،

انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر ناشکری کا حاصل ترجمہ اس کا کر دیا جاتا ہے کہ اکثر لوگ ناشکری کیے بغیر نہ رہے، وَلَوْ شِئْنَا اور اگر ہم چاہتے تو البتہ اٹھا دیتے ہر بستی میں، ڈرانے والا پس تو کافروں کی اطاعت نہ کر اور جہاد کر ان کافروں کے ساتھ اس قرآن کے ذریعہ سے بڑا جہاد بہ کی ضمیر بعض نے اللہ کی طرف بھی لوٹائی، یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے لیکن پہلا معنیٰ زیادہ راجح ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ اللہ وہ ہے جس نے بحرین کو چلایا ان میں سے ایک میٹھا ہے اور ایک کڑوا ہے نمکین، اور ان بحرین کا مصداق ہیں ایک تو سمندر جو کہ کڑوا ہے اور میٹھے دریا یہ ہیں جو کہ زمین کی سطح پر بہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر ہی دونوں دریا چلائے اور درمیان میں کوئی رکاوٹ پیدا کر دی کہ سمندر اور دریا مل کر ساری زمین کو فتح نہیں کر سکتے اور سمندر کو جو کڑوا بنایا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے میٹھے پانی کی یہ خاصیت ہے کہ اگر ایک جگہ کچھ دیر تک ہی ساکن رہ جائے تو اس میں بو پیدا ہو جاتی ہے، اور کوئی چیز اگر اس میں مر جائے تو مرنے کے بعد وہ اور زیادہ اس میں بو پیدا کر دیتی ہے لیکن کڑوا پانی اس میں بو نہیں پیدا ہوتی ورنہ اگر یہ سمندر سارا کا سارا میٹھا ہوتا تو اس میں اتنی بدبو پیدا ہوتی کہ یہ آبادی جو ہے اس کا جینا مشکل ہو جاتا، تو یہ اللہ کی حکمت ہے اور دوسرے دریا میٹھے بنا دیئے کیونکہ انسان اپنی ضرورت میٹھے پانی سے پوری کرتا ہے تو یہ دونوں مراد لے لئے جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہیں، نمکین پانی کے بھی فوائد ہوتے ہیں اور میٹھے پانی کے بھی فوائد ہوتے ہیں یا یہ مطلب ہو کہ اللہ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے موضع میں چلائے اور دونوں کے بیچ میں بہت جگہ زمین حائل کر دی۔

جو پہلا مطلب ہے میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا وہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور دوسرا مطلب بھی وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی پانی سے بنایا پانی انسان کے لئے زندگی کا مادہ ہے اور اس کی بنیاد جو اٹھائی جاتی ہے تو وہ بھی پانی کے ایک قطرہ سے اٹھائی جاتی ہے پھر پیدا ہو جانے کے بعد دیکھو اس کے تعلقات کس طرح سے ہو گئے......؟ ایک طرف اس کا نسب ہے دوسری طرف اس کا صھر ہے باپ کا خاندان ماں کا خاندان اور پھر بیوی کے ساتھ تعلق کی بنا پر ایک مستقل خاندان انسان کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور یہ تینوں رشتے ہی انسان کیلئے دنیا کے اندر باعث راحت ہیں۔

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيۡرًا اور تیرا رب قدرت رکھنے والا ہے جس طرح سے چاہتا ہے کسی چیز کو بنا دیتا ہے اب یہ دلائل تو تقاضا کرتے ہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے جو ہر طرح سے قادر ہے مالک ہے لیکن یہ لوگ توحید اختیار نہیں کرتے بلکہ شرک میں مبتلا ہیں، اور عبادت کرتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی جو نہ نفع دے سکتی ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور کافر اس کا مددگار ہے، نہیں بھیجا ہم نے آپکو مگر مبشر اور نذیر بنا کر اس لیے انکا منوانا آپ کے ذمے نہیں آپ ان کو اچھائی اختیار کرنے پر اچھے نتیجے کی بشارت دیں برائی اختیار کرنے پر برے نتیجے سے ڈرائیں آپ کا فرض تو اتنا ہی ہے۔ اور انہیں صاف صاف کہہ دیں کہ میں اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا کہ تمہارے نہ ماننے کی بنا پر میرے کاروبار میں کوئی خلل آئے گا یا تم اس لیے میری بات نہیں مانتے کہ میں تم سے کسی تاوان کا مطالبہ کرتا ہوں ایسی بات نہیں میرا تو مطالبہ ایک ہی ہے کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے۔

اور یہ جو مخالفین کرتے ہیں تو اس کی بھی آپ پرواہ نہ کیجئے! بلکہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کیجئے! جو کہ حی ہے اور لایموت ہے ان لوگوں کے معبودوں کی طرح نہیں کہ جو یا تو مرے ہوئے ہیں یا پھر مر جائیں گے آپ کا معبود ایسا ہے کہ جو زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر بھروسہ کیجئے! اور صبح شام اسی کی تسبیح تحمید میں مشغول رہیے کیونکہ اللہ کا ذکر دل کے لئے قوت کا باعث ہے، اطمینان کا باعث ہے، اور ان کو اللہ تعالیٰ وقت پر پوچھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا ہے، آگے پھر اسی قدرت کا ذکر ہے کہ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور اس کے درمیان والی چیزوں کو چھے دن میں اس کا ذکر بار بار آپ کے سامنے آ چکا ہے کہ چھے دن سے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو دن ہیں وہی مراد ہیں۔ اس کے ساتھ بھی توحید کے اوپر دلیل مہیا کرنی مقصود ہے اور سرور کائنات ﷺ کو انہی دلائل کے ساتھ مسلح کیا جا رہا ہے جس کے بعد کہا جا رہا ہے عقلی دلائل کے ساتھ ان لوگوں سے جہاد کیجئے......! کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور مکہ معظمہ میں جہاد بالسیف جہاد بالسنان تلوار اور نیزے کی لڑائی تو تھی ہی نہیں وہاں اگر جہاد تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہی تبلیغ کی صورت میں تھا اور یہ دلائل جو ہیں وہ اسی جہاد کے ہتھیار ہیں اور پھر حضور ﷺ کے لئے اس میں تسلی بھی ہے۔

انسانی زندگی کے لئے سایہ اور دھوپ دونوں کی ضرورت ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ یہ آفاق کی طرف متوجہ کیا ظل سے یہاں سایہ بھی مراد ہوسکتا ہے جو آپکا، دیواروں کا، درختوں کا بھی ہوتا ہے صبح کو جس وقت سورج نکلنے لگتا ہے تو یہ سایہ بہت پھیلا ہوا ہوتا ہے آہستہ آہستہ چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے یعنی استواء کی حالت میں ہوتا ہے تو بعض موسموں میں سایہ بالکل ختم ہوجاتا ہے یا برائے نام رہ جاتا ہے جیسے لاٹھی وغیرہ کھڑی ہوتی ہے، تو بعض موسموں میں بعض علاقوں میں بالکل ہی سایہ ختم ہوجاتا ہے پھر دوسرے وقت میں جب سورج غروب کی طرف آتا ہے تو سایہ مشرق کی طرف پھیلنے لگ جاتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت نمایاں ہے اور احسان بھی، احسان تو اس طرح سے کہ انسان کی زندگی میں اس کے لئے جس طرح دھوپ ضروری ہے اس طرح سے سایہ بھی ضروری ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ سایہ ہی رکھتا جس طرح سے کہ مثال کے طور پر فجر کا وقت ہے جس میں دھوپ کا نام ونشان نہیں اگر یہی موسم باقی رہے اور دھوپ نہ آئے تو آپ جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی اس میں بھی گزارنا مشکل ہے، اور اگر دھوپ ہی رہے سایہ میسر نہ آئے تو اس میں بھی مشکل ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کبھی دھوپ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کبھی سائے کی ضرورت ہوتی ہے، سائے کے اثرات آپ کے بدن پر اور باقی چیزوں پر اور پڑتے ہیں اور دھوپ کے اثرات اور پڑتے ہیں، تو اگر ایک کیفیت ہی باقی رہتی تو زندگی میں لطف نہ رہتا تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ایسے طور پر بنایا کہ وہ چڑھتا ہے چھپتا ہے حرکت کرتے ہوئے چلتا ہے اور پھر دنیا کی چیزوں کو اس طرح سے بنایا کہ دھوپ کے سامنے رکاوٹ پیدا کر کے سایہ مہیا کرتی ہے تو یہ ہر چیز میں اللہ کا انعام بھی ہے اور اللہ کی قدرت بھی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ سورج کی حرکت کو اس طرح سے نہ بناتا بلکہ وہ ایک ہی جگہ کھڑا رہتا تو جہاں سایہ ہوتا وہاں سایہ رہ جاتا اور جہاں دھوپ ہوتی وہاں دھوپ ہی رہ جاتی، یا سورج کے اثرات اس زمین تک نہ پہنچتے یا سورج کی روشنی ایسے ہوتی کہ چیزیں اس کے سامنے رکاوٹ پیدا نہ کرتی تو انسانی زندگی میں کتنی مشکلات پیدا ہوجاتیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی ہے کہ اس نے کس طرح سے دنیا کے نظم کو چلا رکھا ہے اور ہم سب کیلئے کس طرح سے راحت کا سامان بنا رکھا ہے اس میں اللہ کا احسان بھی ہے اور اگر ظل سے مراد رات کا سایہ لے لیا جائے تو بھی ٹھیک ہے جیسا

کہ سورۃ قصص میں آئے گا أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا ① تم بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ رات کو تمہارے اوپر دائم کردے ہمیشہ اسی طرح سے تاریکی چڑھی رہے کہ سایہ چھایا رہے تو کون دوسرا معبود ہے......؟ جو دن کو تمہارے پاس لے آئے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ دن کو دائم کردے دن ہی رہے کسی وقت رات نہ آئے تو انسان کے لئے کتنی مشکلات پیدا ہو جائیں گی؟ تو کون دوسرا معبود ہے جو دن کو ہٹا کے رات کو لا سکتا ہے......؟ تو دن اور رات کا نظم جو اللہ تعالیٰ نے بنایا اور اس کا تعلق رکھا ہے سورج کے ساتھ اور اس طرح سے زمین کی حرکت کے ساتھ یا سورج کی حرکت کے ساتھ تو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ انسان کے اوپر احسان کا پہلو بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کیسی راحت اور آرام کا انتظام فرمایا۔ کیا دیکھا تو نے اپنے رب کی طرف یعنی اپنے رب کے تصرف کی طرف کہ اس نے ایک سائے کو پھیلایا اگر وہ چاہتا تو اس کو ساکن بنا دیتا یعنی سایہ ہی رہ جاتا دھوپ آتی ہی نہ، اور ہم نے سورج کو اس کے اوپر دلیل بنایا، سورج کا چڑھنا یہ راہنمائی کرتا ہے جس سے نمایاں ہوتا ہے سایہ اور دھوپ **تُعْرَفُ الْأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا** اگر دھوپ نہ آئے تو سایہ معلوم ہوتا؟ پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں یہ وہی تصرف ہے جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

انسان کو تسکین وراحت تاریکی میں حاصل ہوتی ہے:۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا دن کو راحت کی چیز بنایا اب یہ رات ہمارے لیے پردہ پوشی کا باعث ہے اور انسان کی اللہ تعالیٰ نے طبیعت ہی ایسی بنائی کہ جتنا سکون تاریکی میں حاصل ہوتا ہے دن کی روشنی میں اتنا سکون حاصل نہیں ہوتا اس لئے فطری طور پر انسان رات کو سونا چاہتا ہے، دن کو جاگنا جتنا آسان ہے رات کو اتنا آسان نہیں ہے، رات آتی ہے تو ہر شخص لیٹنے کا تقاضا کرتا ہے آرام کا تقاضا کرتا ہے اور تاریکی کے اندر نیند بھی سکون کی آتی ہے، اور یہ تاریکی انسان کے لئے پردہ پوشی کا باعث بن جاتی ہے کہ انسان سویا ہوا ہو اور کپڑا اِدھر اُدھر ہو بھی جائے تو رات کی تاریکی اس کے لئے پردہ ہے اور کتنے کام ہیں جو انسان تاریکی میں کرنا چاہتا ہے تو وہ رات کو کر لیتا ہے۔

---

① پارہ نمبر ۲۰ سورہ نمبر ۲۸ آیت نمبر ۷۱ ص ۳۵۵، ۳۵۶

نیند اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے:۔

اور راحت و آرام جو نیند کی شکل میں حاصل ہوتی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اگر کسی شخص کو یہ بیماری لگ جائے کہ نیند نہ آئے تو اس سے پوچھنا کہ دماغ کتنا پریشان رہتا ہے اور بدن کس طرح سے چور چور ہو جاتا ہے اور کبھی راحت حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ اچھی طرح سے نیند نہ آئے، دن کو آپ کام کاج کرتے ہیں تھک جاتے ہیں رات کو لیٹتے ہیں تو ایک قسم کے اور حال میں ہو جاتے ہیں، صبح کو جب اٹھتے ہیں تو ایسے تر و تازہ جیسے کسی قسم کا کوئی کام کیا نہیں اور آپ کی صلاحیتیں دوبارہ اسی طرح جوان ہو جاتی ہیں اور یہی حال دماغی محنت کا ہے کہ دن کو انسان سوچتا ہے مختلف چیزیں دیکھتا ہے کسی چیز کا فکر کرتا ہے پریشان ہوتا ہے تو جب نیند آتی ہے تو دماغ کو ایک ایسا سکون آجاتا ہے کہ سارے خیالات ختم ہو جاتے ہیں اور انسان اٹھتا ہے تو دماغ تر و تازہ ہوتا ہے اور پھر دوباہ آپ سوچنے یا دماغی کام کا آغاز کر دیتے ہیں بہت بڑی نعمتیں اور بہت بڑے احسانات ہیں لیکن چونکہ مفت میں ہر روز ملتے ہیں اس لئے کبھی ہم احساس نہیں کرتے ورنہ جس وقت یہ نعمت چھن جاتی ہے تو پھر پتہ چلتا ہے نیند نہ آئے تو پتہ چلتا ہے کہ انسان کے لئے کتنی پریشانی کی بات ہے......؟۔

اللہ نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا نیند کو راحت کی چیز بنا دیا اور دن کو اٹھنے کا وقت بنا دیا رات ختم ہوتی ہے تو خود ہی تقاضا ہوتا ہے اٹھنے کا اور پھر اٹھنے کے بعد انسان پھر دوبارہ اپنی نقل و حرکت شروع کر دیتا ہے۔

بارش سے پہلے ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہیں:۔

اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ بارش سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے جو لوگوں کو بشارت دیتی ہیں کہ بارش آنے والی ہے پہلے ہوائیں چلتی ہیں جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بارش آرہی ہے تو بارش والی نعمت بھی حاصل ہوتی ہے اور ہواؤں کے چلنے سے جب بارش کے آنے کا پتہ چلتا ہے تو ہم اپنے آپ کو سنبھال لیتے ہیں کوئی چیز باہر بھیگنے والی ہوتی ہے اس کو اٹھا کر رکھ لیتے ہیں کوئی پانی کے ساتھ نقصان ہونے والا ہوتا ہے تو اس کو سنبھال لیتے ہیں یہ ہوائیں آتی ہیں پہلے خوش کر دیتی ہیں اس کے بعد اللہ کی رحمت آتی ہے، رحمت سے بارش مراد ہے اور آسمان سے ہم نے پانی اتارا پاکیزہ۔

لفظ سماء دو معنوں میں استعمال ہوا ہے پہلا معنیٰ:۔

سماء کا لفظ قرآن میں دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے سماء جس کی جمع سمٰوٰت آتی ہے اس کا مصداق ایک تو وہ آسمان ہیں جن کی وضاحت سرور کائنات ﷺ نے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں اوپر تلے ان کا مصداق وہ بھی ہیں، جہاں تک فرشتوں کی رسائی ہے اور عام آدمی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اس میں دروازے ہیں دروازے کھلتے ہیں دروازوں کے اوپر فرشتوں کے پہرے ہیں اس قسم کی تفصیلات بیان کی گئیں ہیں۔ ایک آسمان ہے پھر اس کے اوپر دوسرا ہے پھر تیسرا ہے چوتھا ہے اس طرح سے سات آسمان پھر اوپر اللہ کا عرش و کرسی جو کچھ بھی ہے اللہ کے علم میں ہے۔

بہر حال آسمان وجودی چیزیں ہیں اور یہ قطعی عقیدہ ہے جس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ آسمان سات ہیں ان کی تعداد سات ہے نصوص کے اندر اس کا ذکر آیا ہے۔

سماء کا دوسرا معنیٰ و مصداق:۔

اور دوسرا سماء کا لفظ بولا جاتا ہے ہر اس چیز پر جو انسان سے اوپر ہو، یہ فضا جو ہے یہ بھی سماء کا مصداق ہے اس لئے قرآن کریم میں کہیں تو ذکر کیا کہ ہم نے پانی بادلوں سے اتارا اور یہاں آ گیا کہ آسمان سے پانی اتارا، اس قسم کے الفاظ بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سماء سے مراد بادل ہے تو زمین کے اوپر جو چیز سایہ فگن ہے یہ فضا ہے تو یہ فضا بھی آسمان کہلاتی ہے، پانی کا نزول جو ہوتا ہے یہ ظاہری طور پر بادل سے ہوتا ہے تو یہاں سماء کا مصداق بادل ہے جیسے قرآن کریم کی دوسری آیات میں ہے یہی وجہ ہے کہ جب بارش ہو رہی اگر کوئی شخص ہوائی جہاز میں بیٹھ کے بادلوں کے اوپر چلا جائے تو اوپر بارش نہیں ہوتی دھوپ ہوتی ہے اور یہ نظارہ آپ پہاڑی علاقوں میں بھی دیکھ سکتے ہیں آپ مری کی طرف چلے جائیں اور اونچے اونچے پہاڑوں پہ چڑھیں گے تو جب آپ نیچے اتریں گے تو بسا اوقات بارش ہو رہی ہوگی جب آپ اوپر ہوں گے تو نیچے آپ کو بادل معلوم ہوں گے اور اوپر دھوپ نکلی ہوئی نظر آئے گی تو انسان اوپر ہوتا ہے بادل نیچے ہوتے ہیں نیچے بارش ہو رہی ہوتی ہے اوپر بالکل ہی نہیں ہو رہی ہوتی تو یہاں سماء سے وہی بادل مراد ہے۔

بارش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بنجر علاقوں کو آباد فرماتے ہیں:۔

اس پانی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بنجر علاقے کو آباد کرتے ہیں یہ بھی آپ کے سامنے ہے کہ گرد اُڑ رہی ہوتی ہے زمین پر خشکی چڑھی ہوئی ہوتی ہے لیکن جب پانی اترتا ہے تو وہ علاقہ یکدم آباد ہو جاتا ہے سبزہ نکل آتا ہے یہ زمین کی زندگی ہے اور چوپائے اور انسان بھی اس کو پیتے ہیں انآ ناسِیّ کثیرا اس لئے کہہ دیا کہ بہت ساروں کو ہم پانی پلاتے ہیں کیونکہ پیچھے چونکہ بارش کا ذکر ہے اور بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کیلئے پینے کا پانی بارش کے ذریعے مہیا ہوتا ہے، اگرچہ شہری آبادیوں کے اندر نلکوں کے ذریعے سے ٹیوب ویلوں کے ذریعے سے زمین کا پانی حاصل کر لیتے ہیں، اس لئے ان کو بظاہر بارش کی طرف اتنی احتیاج نہیں ہوتی جتنی کہ دیہاتی لوگوں کو ہوتی ہے اور اس زمانے میں تو زیادہ آبادی تھی بھی وہی جو کہ بارش کا پانی استعمال کرتے تھے۔ اسی سے ساری ضرورتیں پوری کرتے تھے اور پھر اس بارش کو اللہ تعالیٰ پھیر پھیر کر اتارتے ہیں کہیں زیادہ اُتار دی کہیں کم اتار دی کبھی کسی علاقے میں کبھی کسی علاقے میں تاکہ ہر قسم کے فوائد لوگوں کو حاصل ہوتے رہیں۔

اللہ کے تصرفات کو دیکھو! اپنے مالک وخالق کو پہچاننے کی کوشش کرو:۔

اور اس کو دیکھ کر لوگوں کی چاہیے کہ نصیحت حاصل کریں مقصد اللہ کا یہی ہے کہ اس قسم کے تصرفات کو دیکھ کر لوگ نصیحت حاصل کریں اور اپنے خالق و مالک کو پہچانیں اور اس کی شکر گزاری کریں لیکن پھر بھی حال یہ ہے کہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر ناشکرے ہی رہتے ہیں، ظاہری اسباب کی طرف ان کو جوڑ دیں گے اللہ کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں بادل بن کر آجاتے ہیں پانی برس جاتا ہے بس یہاں تک ہی نظر جاتی ہے آگے نظر جاتی ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہی نہیں کرتے کہ زمین کو بنانے والا کون؟ آسمان کو بنانے والا کون ہے......؟ بخارات آخر اٹھتے ہیں تو کس طرح سے اٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کبھی کسی علاقے میں کبھی کسی علاقے میں بارش کی کمی وبیشی کیوں کرتا رہتا ہے تو عقل مند آدمی کا کام یہ ہے کہ ظاہری اسباب تک نہ رہے بلکہ ان کے خالق تک رسائی حاصل کرے، اور ان کے یہاں بیان کرنے کا یہی مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانو اور اللہ تعالیٰ کو پہچان کر ان کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرو لیکن لوگ ہیں کہ ناشکری کئے بغیر نہیں رہتے۔

حضور ﷺ مبلغ انسانیت ہیں:۔

آگے حضور ﷺ کو تبلیغ پر ابھارا جارہا ہے کہ آپ تبلیغ کریں اور خوب اچھی طرح زور لگا کر کریں اللہ تعالیٰ نے یہ آپ کے حصے میں ہی سارا کام رکھا ہے اگر اللہ چاہتے تو ہر بستی میں علیحدہ علیحدہ ڈرانے والا بھیج دیتا لیکن اللہ نے آپ کے ذمے یہ کام لگایا، اور آپ کے اس کے ذریعے سے درجے بلند ہوں گے اور ساری دنیا کے لئے نذیر ایک ہی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اور پیغمبر بن کے صرف آپ ہی آئے ہیں، اگر ہم چاہتے تو ہر ہر بستی میں ایک ہی وقت میں بھیج سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے لیکن اکیلے آپ کو بھیجا ہے اس لئے آپ خوب کوشش کر کے تبلیغ کریں اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیج دیتے، کافروں کا کہنا نہ مانیئے! جو آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ فلاں بات چھوڑ دو ہمارے بتوں کی تردید نہ کرو۔

جہاد لسانی کے ذریعہ باطل کی تردید:۔

اور اس قرآن کریم کے ذریعے سے ان کے ساتھ جہاد کبیر کیجئے! بڑا جہاد کیجئے! زور شور سے جہاد کیجئے! قرآن کریم کے دلائل بیان کر کے ان کے خیالات کی تردید کریں یہ بھی ایک جہاد ہے۔ دیکھو زبانی تبلیغ پر اور کفر کی تردید پر اور باطل کی تردید پر بھی جہاد کا لفظ بولا گیا یہ جہاد لسانی ہے جو کہ دلائل کے ساتھ ہوتا ہے، جو علماء کا حصہ ہے اور پھر اس کو جہاد کبیر کہا گیا، ہمارے ایک بزرگ تبلیغی جماعت میں کام کرتے تھے وہ اس کے کبیر ہونے کا نقطہ بیان کیا کرتے تھے ان کا نام تھا ابو یونس محدث صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اسے جہاد کبیر کہا ہے مطلب یہ ہے جو تلوار کی لڑائی ہوگی وہ اس کے مقابلے میں جہاد صغیر ہے اس کو جہاد کبیر کیوں کہا؟ کہتے ہیں ایک لڑائی میں بندوق کے ساتھ یا تلوار اور نیزے کے ساتھ تم حق کی جماعت میں نکلے دوسرا باطل پرست کافر مشرک آدمی آپ کے مقابلے میں آ گیا دونوں نے مقابلہ کیا آپ کا وار اس پر چل گیا آپ نے اس کی گردن اڑا دی اپنے لئے آپ نے جنت خرید لی اور اس کو جہنم میں پہنچا دیا اس جہاد کا تو یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جس وقت آپ حق کی حمایت میں کافر کے مقابلے میں نکلے اور اس کے نتیجے میں آپ نے اس کافر کو قتل کر کے غلبہ حاصل کر لیا تو خود تو اپنے لئے جنت حاصل کر لی اور اسے جہنم میں پہنچا دیا اور اگر آپ تبلیغ کے لئے نکلیں گے اور قرآن کریم کی دلیل کے ساتھ کسی کافر پر فتح پائیں گے اور اس کو مغلوب کر لیں گے مغلوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے

کہنے کی وجہ سے تمہارے بیان کرنے کی وجہ سے اس نے بھی کلمہ پڑھ لیا تو تم نے اس پر فتح پالی اس کو تم نے فتح کر لیا وہ تمہارے سامنے مغلوب ہو گیا تو تم خود بھی جنت میں گئے اور اس کو بھی جنت میں لے گئے اس لئے کہتے تھے یہ تبلیغ والا جہاد دونوں فریقوں کو جنت میں لے جاتا ہے تبلیغ کرنے والوں کو بھی اور ان کو بھی جن کو تبلیغ کی جاتی ہے اور دوسرا جہاد ایسا ہے کہ جب میدان میں آمنے سامنے لڑائی ہوتی ہے تو ایک فریق اس میں جنتی ہوتا ہے اور ایک فریق اس میں جہنمی ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس تبلیغ کو جہاد کبیر کہا ہے اچھا نقطہ ہے۔

آگے پھر وہی اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو دریا چلائے ایک میٹھا اور ایک کڑوا، کڑوا دریا تو متعین ہے سمندر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ اس نے سمندر کو کڑوا کر دیا آپ کو معلوم ہونا چاہیے سمندر کے اندر کی مخلوق اس سے زیادہ ہے جتنی کے خشکی میں ہے اور ویسے بھی زمین کے تین حصے سمندر کی زد میں ہیں اور چوتھا حصہ ہے جس کے اوپر یہ آبادی ہے، اب وہ مخلوق اس میں پیدا ہوتی ہے مرتی ہے اور اس طرح سے دریاؤں میں سے بہتی ہوئی ساری چیزیں وہاں جا کے گرتی ہیں تو اگر یہ پانی میٹھا ہوتا کڑوا نہ ہوتا تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی یہ سڑ جاتا۔

انسانی عقل اللہ کی ذات وصفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے:۔

اس کے بعد فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر اس نے استواء فرمایا۔ استواء قائم کرنے کو اور عرش، تخت شاہی کو کہا جاتا ہے ① قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ فرمایا ہے اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى بھی فرمایا ہے اس کو سمجھنے کے لئے بعض لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرات سلف صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا جو کچھ فرمایا ہے اس سب پر ایمان لائیں اور سمجھنے کے لئے کھود کرید میں نہ پڑیں۔

یہی مسلک بے غبار اور صاف و صحیح ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے استوٰی علی العرش کا معنیٰ پوچھا تو ان کو پسینہ آ گیا اور تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ استوٰی کا مطلب تو معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ

① نوٹ: یہاں سے سورت کے آخر تک تفسیر انوار البیان سے ماخوذ ہے

سے باہر ہےاور ایمان اس پر لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

پھر سائل سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو گمراہ شخص ہے اس کے بعد اسے اپنی مجلس نے نکلوا دیا صاحب معالم نے لفظ الرحمٰن کے بارے میں صاحب روح المعانی سے لکھتے ہیں یہ مرفوع علی المدح یعنی ھوالرحمٰن مطلب یہ ہے کہ ابھی جس کی شان خالقیت بیان کی گئی ہے وہ رحمٰن ہے جل مجدہ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا پس اے مخاطب! تو اس کی شان کے بارے میں کسی جاننے والے سے دریافت کرلے۔ آسمانوں زمینوں کو پیدا کرنا پھر اپنی شان کے مطابق عرش پر استواء فرمانا سب رحمٰن کی صفات ہیں، اس کی تحقیق مطلوب ہو تو باخبر سے پوچھئے، باخبر سے مراد حق تعالیٰ یا جبرائیل امین ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد کتب سابقہ کے علماء ہوں، جن کو اپنے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اس معاملہ کی اطلاع ملی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے، یہ بات وہ اپنی جہالت اور عناد کی وجہ سے کہتے تھے اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا ہم سجدہ کریں جس کے لئے تم ہمیں سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہو وہ یہ بات ضد میں کہتے تھے کہ تمہارے کہنے سے ہم کسی کو سجدہ نہیں کریں گے وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا اور آپ کا یہ فرمانا کہ تم رحمٰن کو سجدہ کرو اس سے ان کو اور زیادہ نفرت بڑھ جاتی ہے قریب آنے کے بجائے اور زیادہ دور ہو جاتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا

وہ ذات عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور ان میں ایک چراغ بنایا روشن

مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ

کرنیوالا چاند بنایا ﴿۶۱﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے والا بنایا

اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ

اس شخص کیلئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے ﴿۶۲﴾ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو عاجزی کے ساتھ زمین پر

عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا سلام ہے ﴿۶۳﴾

وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ

اور وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے اس طرح رات گذارتے ہیں کہ سجدوں میں اور قیام میں مشغول رہتے ہیں ﴿۶۴﴾ اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖۗ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾

کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھئے بلاشبہ اس کا عذاب بالکل ہی تباہ کرنیوالا ہے ﴿۶۵﴾

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا

بے شک وہ برا ٹھکانہ ہے اور برا مقام ہے ﴿۶۶﴾ اور جب وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے

وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ

اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال والا ہوتا ہے ﴿۶۷﴾ اور وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا

معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر

بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ

حق کے ساتھ، اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کریگا ﴿۶۸﴾ اس کیلئے

الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ

قیامت کے دن عذاب بڑھتا چلا جائیگا اور وہ اس میں ذلیل ہوکر ہمیشہ رہے گا ﴿۶۹﴾ سوائے اس کے جس نے

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ

توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا،

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ

اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے ﴿۷۰﴾ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے سو وہ اللہ کیطرف خاص طور پر رجوع

اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ

ہوتا ہے ﴿۷۱﴾ اور وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے اور جب بیہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کیساتھ

مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا

گذر جاتے ہیں ﴿۷۲﴾ اور وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعے سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے

صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

اور اندھے ہوکر نہیں گرتے ﴿۷۳﴾ اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری بیویوں

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ

اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائے اور ہم کو متقیوں کا امام بنا دیجئے ﴿۷۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں

يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ ﴿۷۵﴾

جنہیں ثابت قدم رہنے کی وجہ سے بالا خانے ملیں گے اور اس میں ان کو بقاء کی دعا اور سلام ملے گا ﴿۷۵﴾

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ
اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ ٹھہرنے کی اچھی جگہ ہے اور اچھا مقام ہے ﴿۷۶﴾ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب
رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾
پرواہ نہ کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہوتا، سو تم نے جھٹلایا سو عنقریب وبال ہوکر رہے گا ﴿۷۷﴾

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے مزید مظاہر بیان فرمائے ارشاد فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا وہ ذات عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور ان میں چراغ بنایا اور روشن کرنے والا چاند بنایا اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے والا بنایا اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہیے مقصود ان آیات سے انسان کو یہ بتلانا ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور شمس وقمر اور رات دن کا انقلاب اور ان کی تاریکی اور روشنی اور زمین وآسمان کی تمام کائنات پیدا کی ہے تاکہ غور وفکر کرنے والے کو اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل فراہم ہوں اور شکر گزار کو شکر کے مواقع ملیں۔

اللہ کے نیک بندوں کی صفات:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور انہیں عباد الرحمٰن کا معزز لقب دیا ہے، ان حضرات کی جو چند صفات ذکر فرمائی ہیں ان میں پہلی صفت یہ ہے کہ رحمٰن کا بندہ بتایا یہ بہت بڑا وصف ہے اور بہت بڑا لقب ہے یوں تکوینی طور پر سب ہی رحمٰن کے بندے ہیں لیکن اپنے اعتقاد سے اور اختیار سے اور اخلاص سے جس نے اپنی ذات کو سچے اعتقاد اور اخلاص کے ساتھ رحمٰن جل مجدہ کی عبادت میں لگا دیا اور رحمٰن جل مجدہ نے اس کے بارے میں یہ فرما دیا کہ یہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑھ کر بندہ کا کوئی اعزاز نہیں یہ بندے کا سب سے بڑا معزز لقب ہے اللہ نے معراج کا تذکرہ شروع فرماتے ہوئے سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ

اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرمایا ہے یہ شان عبدیت ہی تو بندہ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتی ہے اور آخرت میں بلند درجات نصیب ہونے کا ذریعہ ہے۔

دوسری صفت:۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی غرور اور تکبر کے ساتھ اکڑتے ہوئے نہیں چلتے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا اور زمین میں اکڑتا ہوا مت چل بے شک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب کسی شخص میں تواضع کی شان ہوتی ہے اور تکبر کے مرض میں مبتلا نہیں ہوتا تو وہ اپنی رفتار میں بھی عاجزی اختیار کرتا ہے۔

تیسری صفت:۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو ان سے الجھتے نہیں، نہ انہیں جواب دیتے ہیں اور نہ ان سے جھگڑا کرتے ہیں اس بات کو یہاں سورۂ فرقان میں دو جگہ بیان فرمایا ہے پہلے تو یوں فرمایا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ بھیا ہمارا سلام ہے، یہ سلام وہ نہیں ہے جو ملاقات کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ جان چھڑانے کے لئے یہ لفظ کہہ کر چلے جاتے ہیں اسی کو سور قصص میں فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِيْنَ دوسری جگہ اسی رکوع میں فرمایا وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا اور جب یہ لوگ بے ہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ شریر اور کمینہ مزاج لوگ شریفوں کو تکلیف دینے پر تلے رہتے ہیں زبان سے تکلیف دینا، ان کی شان میں بُرے کلمات کہنا، طعنے دینا، اشاروں اور کنایوں سے ان کی برائی کرنا اس سے نہیں چوکتے۔ یہ لوگ بیہودہ کاموں میں لگے رہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کے پاس سے گذرتے ہیں تو ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں شرافت کے ساتھ آنکھیں نیچی کر کے گذر جاتے ہیں۔ اور اگر کسی نے چھیڑ ہی دیا تو یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں کہ ہمارا سلام ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے جواب دیا تو ان منہ پھٹ لوگوں کے درمیان آبرو محفوظ نہ رہے گی۔

چوتھی صفت:۔

رحمٰن کے بندوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اس طرح رات گذارتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہتے ہیں، کبھی سجدے میں ہیں، کبھی قیام میں، ان کا ذوق عبادت انہیں زیادہ آرام نہیں کرنے دیتا سورہ والذاریات میں فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ بلاشبہ متقی لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ان کے رب نے انہیں جو کچھ عطا فرمایا اسے لینے والے ہوں گے بلاشبہ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے۔

پانچویں صفت:۔

عبادالرحمٰن کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے رہتے ہیں، وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو ہٹائے رکھنا کیونکہ اس کا عذاب بالکل تباہ کرنے والا ہے، یہ محاورہ کا ترجمہ ہے غَرَامًا لزوم کے معنی میں آتا ہے اور جب عذاب کسی کو لازم ہوتا تو وہ پوری طرح تباہ ہوگا اس کے لئے چھٹکارا کا کوئی رستہ نہیں، اس سے اہل کفر کا عذاب مراد ہے ساتھ ہی فرمایا اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا بلاشبہ دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بری جگہ ہے اللہ تعالیٰ اس بری جگہ سے محفوظ فرمائے یہ مومنین مخلصین عابدین قانتین کا طریقہ ہے کہ وہ عبادت بھی خوب کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی ہیں اور عذاب سے بچنے کی دعائیں بھی کرتے رہتے ہیں سورہ المومنون میں فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اور وہ جو کچھ دیتے ہیں ان کے دل اس سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔یعنی انہیں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ قبول ہوتا ہے یا نہیں۔نیک عمل کر کے بے فکر ہو جانا مومن کی شان نہیں، مومن عمل بھی کرتا ہے اور ڈرتا بھی رہتا ہے کہ دیکھو! میرے اعمال کو درجہ قبولیت نصیب ہوتا ہے یا نہیں......؟۔

چھٹی صفت:۔

چھٹی صفت یہ بیان فرمائی کہ جب رحمٰن کے بندے خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے

ہیں اور نہ خرچ کرنے میں کنجوسی اختیار کرتے ہیں بلکہ درمیانی راہ چلتے ہیں۔صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ درمیانی راہ چلنے کو قواما فرمایا ہے کیونکہ اس میں دونوں جانب استقامت رہتی ہے کان کلا منهما يقاوم الاخر یہ میانہ روی شرعاً محمود ہے گناہوں میں تو مال خرچ کرنا جائز ہی نہیں حلال کاموں میں بھی میانہ روی اختیار کرے یہ میانہ روی مالی امور پر قابو پانے کا کامیاب ذریعہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اَلْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کرنے میں معیشت کا آدھا انتظام ہے یعنی کمانا اور محنت کرنا اس میں معیشت کا آدھا انتظام ہے اور آدھا انتظام میانہ روی سے خرچ کرنے میں اپنی ذات پر اور اپنی آل اولاد پر والدین واقرباء پر خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے، ہاں جن کا توکل بہت بڑھا ہوا ہے اور نیکیوں میں بیک وقت پورا پایا آدھا مال خرچ کرنے میں انکی اپنی ذات کو بھی تکلیف محسوس نہ ہو اور نفقات مفروضہ اور واجبہ کا کسی طرح حلال انتظام ہو سکتا ہو تو ایسے حضرات اللہ کی راہ میں پورا مال بھی خرچ کر سکتے ہیں جیسا کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا جب آپ نے ان سے پوچھا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں: یعنی ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہی کافی ہے۔ ①

ساتویں صفت:۔

عباد الرحمٰن کے ساتویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے یعنی وہ مشرک نہیں ہیں توحید خالص اختیار کئے ہوئے ہیں۔

آٹھویں صفت:۔

اور آٹھویں صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ہاں اگر قتل بالحق ہے شریعت کے اصول کے مطابق ہے مثلاً اگر کسی کو قصاص میں قتل کیا جائے یا کسی زانی کو رجم کرنا پڑے تو اس کی وجہ سے قتل کر دیتے ہیں۔

---

① مشکوۃ ص ۵۵۶/ سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۰۳۳ مطبوعہ بیروت/ ترمذی ج ۶ ص ۵۶ بیروت/ مسند البزار ج ۱ ص ۲۶۳/ مستدرک ج ۱ ص ۵۷۴/ مسند الفاروق لابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۳

نویں صفت:۔

نویں صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے اس کے بعد فرمایا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اثاما کی یہ تفسیر حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر جزا سے کی ہے اور ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اثاما گناہ کے معنی میں ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی یلق جزاء اثام اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اثام جہنم کے اسماء میں سے ہے يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کیلئے قیامت کے دن دہرا عذاب بڑھتا چلا جائے گا یعنی عذاب پر عذاب بڑھتا رہے گا کما فی اية اخرى زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ مزید فرمایا وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہے گا ذلیل کیا ہوا۔ یعنی عذاب بھی دائمی ہوگا اور اس کے ساتھ ذلیل بھی ہوگا اس عذاب سے کافروں کا عذاب مراد ہے کیونکہ انہیں کو دائمی عذاب ہوگا۔

سب سے بڑا گناہ:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کون سا ہے......؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا یہ کہ کسی کو اللہ کے برابر تجویز کرے حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے......؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں (اہل عرب تنگ دستی کے ڈر سے اولاد کو قتل کردیتے تھے) سائل نے سوال کیا اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے......؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے (زنا تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے اور زیادہ گناہ گاری بڑھ جاتی ہے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (آخر تک) نازل فرمائی۔ ①

سب کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے:۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

① صحیح بخاری ج۱ص۱۰۷، مسند الحمیدی ج۱ص۲۱۱، مسند احمد ج۶ص۱۰۵

سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس استثناء سے معلوم ہوا کہ کافر اور مشرک کے لئے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہے جو بھی کوئی کافر کفر سے توبہ کرے اس کی سابقہ تمام نافرمانیاں معاف فرمادی جائیں گے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اور شرط یہ ہے میری مغفرت ہو جائے آپ نے فرمایا اما علمت ان الاسلام یَھْدِمُ ما کان قبلہ اے عمرو! کیا تجھے معلوم ہے کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھی۔ ①

گناہوں کے بدلہ نیکیاں:۔

یہ جو فرمایا کہ اللہ ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دے گا اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں جنہیں صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو علیحدہ رکھ دو لہٰذا اس سے کہا جائے کہ تو نے فلاں فلاں دن اور فلاں فلاں دن ایسے ایسے کام کئے ہیں وہ اقرار کرے گا منکر نہ ہوگا۔ اس بات سے ڈرتا ہوگا کہ بڑے گناہ باقی ہیں وہ سامنے لائے گئے تو کیا ہوگا......؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس کے ہر گناہ کے بدلہ اس کو ایک ایک نیکی دے دو سن کر (خوشی کی وجہ سے اور یہ جان کر ہر گناہ پر ایک نیکی مل رہی ہے) یوں کہے گا ابھی میرے گناہ اور باقی ہیں جن کو نہیں دیکھ رہا ہوں (وہ گناہ بھی پیش کئے جائیں اور ان کے بدلہ میں بھی نیکی دی جائے) یہ بات بیان کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کو ہنسی آئی کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں نظر آ گئیں۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سئیات کو حسنات سے بدلنے کا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا اور ہر گناہ کی جگہ ایک ایک نیکی کا ثواب دے دیا جائے گا، یہ مطلب نہیں کہ گناہوں کو نیکیاں بنا دیا جائے گا۔ کیونکہ برائی کبھی اچھائی نہیں بن سکتی اور بعض حضرات نے تبدیل السیئات بالحسنات کا یہ مطلب لیا ہے کہ گذشتہ معاصی توبہ کے ذریعہ ختم کر دیئے جائیں گے اور ان کی جگہ بعد میں آنے والی طاعات لکھ دی جائیں گی۔

---

① صحیح مسلم ج ا ص ۷۶ مشکوۃ ص ۱۴۔

② مشکوۃ ج ا ص ۱۴

توبہ کا طریقہ:۔

وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوۡبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا :اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور وہ اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اخلاص سے توبہ کرتا ہے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرتا ہے اور نیکی پر رہنے کا ارادہ رکھتا ہے اس آیت شریفہ میں توبہ کا طریقہ بتادیا کہ پختہ عزم کے ساتھ توبہ کرے اور اللہ کی رضا کے کاموں میں لگے اور گناہوں سے خاص طور پر پرہیز کرے۔

دسویں صفت:۔

عبادالرحمٰن کی دسویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے۔ جھوٹ کے کاموں سے وہ تمام کام مراد ہیں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوں کوئی شخص گناہ کا کام کرے اس کی ممانعت سب ہی کو معلوم ہے جن مواقع میں گناہ ہو رہا ہے ان مواقع میں جانا بھی ممنوع ہے، مشرکین کی عبادت گاہوں میں ان کے تہواروں میں اور ان کے میلوں میں نہ جائیں۔ جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو، ناچ رنگ کی محفل ہو، شراب پینے پلانے کی مجلس ہو، ان سب مواقع میں اللہ کے بندے نہیں جاتے، گو اپنے عمل سے گناہ میں شریک نہ ہوں لیکن جب اپنے جسم سے حاضر ہو گئے تو اول تو اہل باطل کی مجلس میں اپنی ذات سے ایک شخص کا اضافہ کر دیا، جب کہ بُرائی کی مجلسوں میں اضافہ کرنا بھی ممنوع ہے، دوسرے ان مجالس میں شریک ہونے سے دل میں سیاہی اور قساوت آجاتی ہے اور نیکیوں کی طرف جو دل کا ابھار ہوتا ہے اس میں کمی آجاتی ہے اگر بارہا ایسی مجلسوں میں حاضر ہو تو نیکیوں کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور نفس برائیوں سے مانوس ہوتا چلا جاتا ہے، بیاہ شادیوں میں آج کل بڑے بڑے منکرات ہوتے ہیں، ٹی وی ہے، وی سی آر ہے، تصویر کشی ہے، فلمیں بنانا ہے، اور بھی طرح طرح کے معاصی ہیں ان میں شریک ہونے سے بچیں اور اپنے نفس اور روح کی حفاظت کریں۔ یورپ اور امریکہ میں مسلمان دوڑ دوڑ کر جا رہے ہیں، وہاں ہوٹلوں میں اور کافروں کی محفلوں میں دوستوں کی مجلسوں میں طرح طرح کے گناہ ہوتے ہیں، شراب کا دور چلتا ہے ننگے ناچ بھی ہوتے ہیں ان سب میں حاضر ہونے سے اپنی جان کو بچانا لازم ہے ورنہ چند دن میں انہیں جیسے ہو جائیں گے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک۔

بعض حضرات نے لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ کا مطلب یہ لیا ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے یہ مطلب بھی الفاظ

قرآنیہ سے بعید نہیں ہے جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ بعض روایات میں اسے اکبر الکبائر میں شمار فرمایا ہے، حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن فجر سے فارغ ہوکر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے، پھر آپ نے سورۃ الحج کی یہ آیت پڑھی۔ فاجتنبو الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفآء لله غیر مشرکین به① سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو اس حال میں کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہو اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو۔②

گیارہویں صفت:۔

عبادالرحمٰن کی گیارہویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا اور جب بے ہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت سے اور بھلے مانس ہوکر گذرتے ہیں یعنی جو لوگ لغو اور بیہودہ کاموں میں مشغول ہوں ان کے عمل کو نفرت کی چیز جانتے ہوئے ان پر نظر ڈالے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بھلے آدمیوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جو وہاں کھڑا ہو گیا تو وہ شریک ہو گیا اور اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شریر آدمی مجلس میں اندر بلانے لگے یا بلاوجہ خواہ مخواہ کسی بات میں الجھ پڑے خیریت اسی میں ہے کہ ادھر سے اعراض کرتے ہوئے گذر جائے اگر ان میں سے کوئی شخص چلتے ہوئے کو چھیڑ دے تو یوں سمجھ لے کہ مجھے نہیں کہا۔

بارہویں صفت:۔

عبادالرحمٰن کی بارہویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا یعنی ان بندوں کی شان یہ ہے کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ تذکیر کی جاتی ہے یعنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور ان کے تقاضے پورے کرنے کیلئے کہا جاتا ہے تو ان پر گونگے بہرے ہوکر نہیں گر پڑتے۔ مطلب یہ ہے کہ ان آیات پر اچھی طرح متوجہ ہوتے ہیں ان کے سمجھنے اور تقاضے جاننے کے لئے سمع و بصر کو استعمال کرتے ہیں ایسا طرز استعمال نہیں کرتے جیسے سنا ہی نہیں اور دیکھا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا قرآن کے

① مشکوۃ ج ۲، ص ۳۲۸

② سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۳۰۵ مطبوعہ بیروت باب فی شھادۃ الزور/ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۵۴۹ مطبوعہ الریاض/ سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۷۹۴ مطبوعہ بیروت، باب شہادۃ الزور

معانی اور مفاہیم کو اچھی طرح سمجھا جائے، ان کے تقاضوں پر پوری طرح عمل کیا جائے یہی اہل ایمان کی شان ہے۔

تیرہویں صفت:۔

عبادالرحمٰن کی تیرہویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، یعنی انہیں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے اس کا مفہوم بہت عام ہے بیویاں اور بچے سکھ سے رہیں۔ آرام سے جئیں فرمانبردار بھی ہوں نیک بھی ہوں دین دار بھی ہوں انہیں دیکھ دیکھ کر دل خوش ہوتا ہو یہ سب آنکھوں کی ٹھنڈک میں شامل ہے۔

جو بندے نیک ہوتے ہیں انہیں اپنی ازواج واولاد کی دینداری کی بھی فکر رہتی ہے، وہ جہاں ان کے کھانے پینے کا فکر کرتے ہیں وہاں انہیں دین سکھانے اور ان کی دینی تربیت کا بھی اہتمام کرتے ہیں اگر بیوی بچے جسمانی اعتبار سے صحت مند ہوں اور انہیں کھانے پینے کو خوب ملتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کے نافرمان ہوں تو آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں بنتے بلکہ وبال بن جاتے ہیں۔ جب اولاد کو دین پر ڈالیں گے اور انہیں متقی بنائیں گے اور زندگی بھر انہیں دین پر چلاتے رہیں گے تو ظاہر ہے کہ اس طرح متقیوں کے امام اور پیشوا بنے رہیں گے۔

اللہ کے نیک بندوں کی دعاء:۔

عبادالرحمٰن یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنادے، کوئی شخص متقیوں کا پیشوا اس وقت بن سکتا ہے جب کہ خود بھی متقی ہو دعا کا انحصار اسی پر نہیں ہے کہ ازواج اور اولاد ہی متقی ہوں، انسان خود بھی متقی بنے جب انسان خود متقی ہوگا اور اپنے تقویٰ کو ہر جگہ کام میں لائے گا تو اس کی ازواج اور اولاد اور احباب واصحاب بھی متاثر ہوں گے اور اس کو دیکھا دیکھی تقویٰ پر آئیں گے اپنے خاندان اور کنبہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کا بھی پیشوا بننے کی سعادت حاصل ہوگی، معلوم ہوا کہ تقویٰ کے ساتھ دینی پیشوا بننے کی خواہش رکھنا اور اس کے لئے دعا کرنا شرعاً مذموم نہیں بلکہ محمود ہے جب کسی میں تقویٰ اور اخلاص ہوگا تو اس کی مشیخیت اور ریاست اور امامت اس کے نفس میں تکبر پیدا نہ ہونے دے گی۔

اللہ کے نیک بندوں کا آخرت میں مقام:۔

عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کا مقام بتایا اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے، اس میں الغرفۃ جنس کے معنی میں ہے سورہ سبا میں فرمایا فَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ① سو یہ وہ لوگ جن کے لئے دوہری جزا ہے اور وہ بالا خانوں میں امن وامان کے ساتھ رہیں گے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت والے اپنے اوپر بالا خانوں کے رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکدار ستارے کو دیکھتے ہو جو مشرق یا مغرب کی افق میں دور چلا گیا ہو اور یہ فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ) یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے منازل ہوں گے ان کے علاوہ کوئی اور نہ پہنچے گا آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی ②۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا: یعنی یہ حضرات بالا خانوں میں آرام سے بھی ہوں گے اور معزز بھی ہوں گے ان کی بیش بہا نعمتوں کے ساتھ یہ بھی ہوگا کہ فرشتے انہیں زندگی کی دعادیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہیں رکھے اور ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے اور فرشتے سلام بھی کریں گے، جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو فرشتے یوں کہیں گے کہ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ تم پر سلام ہو خوش عیش رہو سو اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا: یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ اچھی جگہ ہے ٹھہرنے اور رہنے کے لئے، مومنین مخلصین کا انعام واکرام بتانے کے بعد فرمایا کہ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ آپ فرمادیجئے کہ میرا رب تمہاری پرواہ نہ کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہوتا، مفسرین کرام نے اس کے متعدد مفاہیم بتائے ہیں، جن میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم جو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو اور اس کی عبادت کرتے ہو اس

① پارہ نمبر ۲۲ سورۃ نمبر ۳۴ آیت نمبر ۳۷ ص ۳۹۰

② صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۱/ مشکوٰۃ ص ۴۹۶/ مسند احمد ج ۱۴ ص ۱۴۶/ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۷۷ بیروت/ سنن الترمذی ج ۴ ص ۲۷۱ بیروت/ مسند البزار ج ۴ ص ۲۷۱

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری قدر و قیمت ہے اگر تم اس کی عبادت نہ کرتے تو تمہاری کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔
فَقَدْ كَذَّبْتُمْ سوائے کافرو! تم نے تکذیب کی، فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا سو عنقریب تمہیں سزا چپک کر رہے گی، یعنی تم پر اس کا وبال ضرور پڑے گا جو دوزخ کی آگ داخل ہونے کی صورت میں سامنے آ جائے گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لزام سے کفار قریش کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔